تمام اُمور سے متعلق ہزاروں مُستند احادیث کا جدید مجموعہ

جلد چہارم

دورِ حاضر کے مطابق ایک مسلمان کی زندگی کے تمام امور سے متعلق ہزاروں مستند احادیث مع اعراب و ترجمہ اور عام فہم تشریح... احادیث مبارکہ کی معروف و مستند کتب بخاری و مسلم جیسی عظیم کتب کے مطالعہ کا ذوق رکھنے والوں کیلئے ایک سدا بہار گلدستہ... ہر مسلمان کیلئے تمام معاملات میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے اسوہ حسنہ پر عمل کرنے کا جدید و مکمل نصاب۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی محبت.... عظمت و عقیدت اور اطاعت کا جذبہ بیدار کرنے والی کتاب... جس کا مطالعہ ہر مسلمان کو اتباع سنت کیلئے متحرک کرتا ہے... نیز جدید و اہم مسائل کے بارہ میں اکابر مشائخ کے گراں قدر مقالات جن سے فہم حدیث کا ذوق پیدا ہوتا ہے۔

مجموعہ افادات

حکیم الامت مجدد الملت مولانا اشرف علی تھانوی رحمہ اللہ تعالیٰ
استاذ المحدثین حضرت مولانا بدر عالم میرٹھی رحمہ اللہ تعالیٰ
شیخ الحدیث حضرت مولانا محمد زکریا کاندھلوی رحمہ اللہ تعالیٰ
وکیل احناف حضرت مولانا محمد منظور نعمانی رحمہ اللہ تعالیٰ
حضرت مولانا مفتی محمد عاشق الٰہی مہاجر مدنی رحمہ اللہ تعالیٰ
شیخ الاسلام مولانا مفتی محمد تقی عثمانی صاحب مدظلہ العالی
ودیگر اکابرین

حسبِ فرمائش

فقیہ العصر حضرت مولانا مفتی عبدالستار صاحب رحمہ اللہ تعالیٰ
(رئیس دارالافتاء جامعہ خیر المدارس ملتان)

مُرتّبین

مولانا عبدالاحد بلالؒ — مولانا حبیب الرحمٰنؒ
(از فضلاء جامعہ خیر المدارس ملتان)

ادارۂ تالیفاتِ اشرفیہ چوک فوارہ ملتان پاکستان
[061-4540513-4519240]

معارف السنیہ

تاریخ اشاعت .... ذیقعدہ ۱۴۳۱ھ

ناشر .... ادارہ تالیفات اشرفیہ ملتان

طباعت .... سلامت اقبال پریس ملتان

انتباہ

قارئین سے گذارش

ادارہ کی حتی الامکان کوشش ہوتی ہے کہ پروف ریڈنگ معیاری ہو۔ الحمد للہ اس کام کیلئے ادارہ میں علماء کی ایک جماعت موجود رہتی ہے۔ پھر بھی کوئی غلطی نظر آئے تو برائے مہربانی مطلع فرما کر ممنون فرمائیں تاکہ آئندہ اشاعت میں درست ہو سکے۔ جزاکم اللہ

ملنے کے پتے

ادارہ تالیفات اشرفیہ ... چوک فوارہ ... ملتان — اسلامی کتاب گھر ... خیابان سرسید ... راولپنڈی

ادارہ اسلامیات ... انارکلی ... لاہور — دارالاشاعت ... اردو بازار ... کراچی

مکتبہ سید احمد شہید ... اردو بازار ... لاہور — مکتبۃ القرآن ... بنوری ٹاؤن ... کراچی

مکتبہ رحمانیہ ... اردو بازار ... لاہور — مکتبۃ المعارف ... قصہ خوانی بازار ... پشاور

مکتبہ رشیدیہ ... سرکی روڈ ... کوئٹہ

ISLAMIC EDUCATIONAL TRUST U.K — (1)-(2)- HALLIWELL ROAD
(ISLAMIC BOOKS CENTRE) — BOLTON BL1 3NE. (U.K.)

فہرست عنوانات

کتاب الرسالۃ

کِتَابُ الرِّسَالَۃِ

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے اسماء مبارکہ

عَنْ جُبَيْرِ بْنِ مُطْعِمٍ قَالَ سَمِعْتُ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُوْلُ إِنَّ لِيْ أَسْمَاءً أَنَا مُحَمَّدٌ وَأَنَا أَحْمَدُ وَأَنَا الْمَاحِي الَّذِيْ يَمْحُو اللّٰهُ بِيَ الْكُفْرَ وَأَنَا الْحَاشِرُ الَّذِيْ يُحْشَرُ النَّاسُ عَلٰى قَدَمِيْ وَأَنَا الْعَاقِبُ وَالْعَاقِبُ الَّذِيْ لَيْسَ بَعْدَهُ نَبِيٌّ (متفق علیہ)

جبیر بن مطعم رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ فرماتے ہوئے سنا ہے کہ میرے چند نام ہیں، میں محمد ہوں، احمد ہوں، اور ماحی ہوں جس کے ذریعہ سے اللہ تعالیٰ کفر کو محو کرے گا۔ اور حاشر ہوں وہ حاشر جس کے بعد ہی قیامت میں اور لوگوں کا حشر ہوگا اور عاقب ہوں۔ عاقب اسے کہتے ہیں جس کے بعد کوئی نبی نہ ہو۔ (متفق علیہ)

حافظ ابن قیم فرماتے ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا ہر نام آپ کی کسی نہ کسی صفت کی جلوہ گاہ ہے صرف ایک علم نہیں جس کا مقصد کسی ذات کا تعارف ہوتا ہے اور بس۔ یہی وجہ ہے کہ آپ کے اسماء بہت ہیں۔ عرب میں اسماء کنی اور القاب کے تعدد کا کچھ دستور بھی تھا اور یہی بناء پر اللہ تعالیٰ کے ننانوے نام ہیں جو پہلے گزر چکے ہیں۔ انبیاء علیہم السلام کی ذات اور ان کے افعال و اقوال خواہ اختیاری ہوں یا غیر اختیاری ہوں، عام اس سے کہ سب حقائق و اسرار کا ایک مجموعہ ہوتے ہیں۔ اسی طرح ان کے اسماء بھی صرف تعیین شخصیت کے لیے نہیں بلکہ وہ بھی اپنی جگہ ایک گنجینہ معارف ہوتے ہیں۔ دراصل یہ اسماء ان تمام اوصاف و مبادی کے ترجمان ہوتے ہیں۔ جو دست قدرت نے ازل سے ان میں ودیعت رکھے ہیں اگر ان کو رحیم کہا جاتا ہے تو اس لیے کہ وہ درحقیقت پیکر رحمت ہوتے ہیں اگر ان کو ماحی کہا جاتا ہے تو اس لیے کہ وہ حقیقۃً آ کر کفر و ضلال کو دور ہٹا کر فنا کے قریب کر دیتے ہیں۔ اگر کسی کو عاقب کہا جاتا ہے تو اس لیے کہ وہ درحقیقت آخر میں آنے والا ہوتا ہے۔ غرض جتنی بڑا حقیقت و اسرار ان کی ذات ہوتی ہے اسی قدر حقیقت سے بھرے ان کے اسماء ہوتے ہیں اس کا مقصد یہ ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے اسماء مبارکہ کو آپ صرف ناموں کا ایک ذخیرہ سمجھیں اور نہ ایسا بے حقیقت تصور کریں جیسا کہ ہم یہاں صرف محبت میں اپنے بیٹے کا خوب صورت سے خوب صورت نام رکھ لیتے ہیں خواہ اس نام کو اس میں کوئی شرف نہ ہو۔ وہ سیاہ فام بچے کو چاند کہہ کر پکارتی ہے اور غبی سے غبی لڑکے کا نام ذکی تجویز کر دیتی ہے مگر یہ سب کچھ بے حقیقت ہوتا ہے۔ کہیں عمر کی محل جتنی اگر تعریف شخصیت کے لیے نہ ہوتی تو تعریف اور صرف بھی ہو جاتا آپ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے اسماء کو اس نظر سے نہ دیکھیں بلکہ ان کو کمالات

محمد کی اور کتنی چلمنیں بچھیں جن میں چھن چھن کر آپ کے کمالات نظر آتے رہتے ہیں۔

عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَلَا تَعْجَبُونَ كَيْفَ يَصْرِفُ اللّٰهُ عَنِّي شَتْمَ قُرَيْشٍ وَلَعْنَهُمْ يَشْتِمُونَ مُذَمَّمًا وَيَلْعَنُونَ مُذَمَّمًا وَأَنَا مُحَمَّدٌ (بخاری)

ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تم نے کیا یہ عجیب اور پرلطف بات بھی دیکھی؟ اللہ تعالیٰ کس خوبی سے قریش کی لعنت ملامت میرے نام پر پڑنے نہیں دیتا وہ مذمم کو برا بھلا کہتے ہیں، مذمم پر لعنتیں برساتے ہیں اور میں تو محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) ہوں۔ (بخاری)

تشریح: کفار جلن کے مارے آپ کا نام مبارک بھی زبان پر نہ لا سکتے تھے۔ قدرت نے آپ کا نام مبارک بھی ایسا خوب صورت رکھا تھا کہ اس کا زبان پر لانا آپ کی بے شمار تعریفوں کے قائل ہونے کے قائم مقام ہو جاتا تھا اس لیے محمد کے بجائے وہ آپ کو مذمم کہا کرتے (یعنی مذمت کیا گیا) اور جب اپنے دل کے پھپھولے پھوڑنا چاہتے تو "مذمم" نام لے کر برا بھلا کہتے اس میں خدا کی یہ عجیب حکمت تھی کہ اگر کفار آپ کا اصل نام لیتے تو صدہا تعریفوں سے بڑھ کر ہوتا اور اگر مذمم کہتے تو وہ یوں خوش ہوتے کہ وہ آپ کو برا بھلا کہہ رہے ہیں اور قدرت یوں خوش تھی کہ ان کی تمام بیہودہ گوئیوں کی بوچھاڑ بجائے آپ کے ایک فرضی شخص پر جا پڑتی۔ مناسب معلوم ہوتا ہے کہ یہاں ہم آپ کے ان دو ناموں کی قدرے مزید تشریح کر دیں جو سب سے زیادہ مشہور ہیں۔

احمد و محمد (صلی اللہ علیہ وسلم)

قاضی عیاض فرماتے ہیں کہ جس طرح آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات مبارک بے نظیر تھی، آپ کے یہ اسماء بھی بے مثل ہی تھے۔ آپ سے پہلے کسی کے ذہن میں ان اسماء کا خطرہ بھی نہ ہوا تھا حتی کہ جب آپ کی ولادت کا زمانہ نزدیک آ گیا؟ کاہنوں، منجموں اور اہل کتاب نے زمزمے لے کر آپ کی آمد کی بشارتیں دیں تو لوگوں نے اس پیشگوئی کی طمع میں اپنی اولاد کا نام محمد و احمد رکھنا شروع کر دیا۔ یہاں تک تاریخ سے ثابت ہوتا ہے جن کے نام محمد و احمد رکھے گئے تھے ان کی کل تعداد چھ تک ہے۔ ساتواں کوئی شخص ثابت نہیں ہوتا۔ سہیلی صرف تین ہی بتلاتے ہیں۔ (۱) محمد بن سفیان بن مجاشع۔ (۲) محمد بن احیحہ بن الجلاح۔ (۳) محمد بن حمران بن ربیعہ۔ سہیلی سے پہلے ابوعبداللہ بن خالویہ کا خیال بھی یہی ہے۔ حافظ ابن حجر آٹھویں صدی میں جب پھر اس کے درپے ہوئے تو انہوں نے ان کی تعداد بیس تک پہنچا دی اور تکرار و اوہام حذف کرنے کے بعد صحیح تعداد پندرہ قرار دی۔ جس میں سب سے زیادہ مشہور محمد بن عدی بن ربیعہ ہیں۔ ان کا واقعہ بغوی، ابن سعد، ابن شاہین اور ابن السکن وغیرہم نے اس طرح بیان کیا ہے:

"خلیفہ بن عبداللہ نے محمد بن عدی سے پوچھا۔ تمہارے والد نے تمہارا نام زمانہ جاہلیت میں محمد کیسے رکھ دیا انہوں نے جواب دیا اس کے متعلق جیسا تم نے مجھ سے پوچھا ہے ایسا ہی میں نے اپنے والد سے پوچھا تھا انہوں نے فرمایا تھا کہ میں قبیلہ بنی تمیم کے تین اور شخصوں کے ہمراہ ابن جفنہ غسانی کی ملاقات کے لیے ایک مرتبہ شام کی طرف روانہ ہوا۔ ہم ایک چشمہ پر جا کر اترے جو ایک گرجا کے قریب تھا۔ گرجا کا منتظم ہمارے پاس آیا اور اس نے کہا ایک نبی مبعوث ہونے والے ہیں تم دوڑ کر ان کو قبول کر لینا۔ ہم نے کہا ان کا نام؟ اس نے کہا ان کا نام محمد۔ جب اس سفر سے ہم واپس ہوئے تو اتفاقاً ہم سب کے یہاں لڑکے

پیدا ہوئے اور اس لیے ہم سب نے اپنے اپنے لڑکوں کا نام محمد رکھ دیا۔"

اس کے بعد حافظ ابن حجرؒ نے اور اشخاص کے نام بھی بہ تفصیل تحریر کیے ہیں فتح الباری باب اسماء النبی صلی اللہ علیہ وسلم۔ حافظ سہیلی فرماتے ہیں کہ تورات میں آپ کا جو اسم مبارک مذکور ہے وہ احمد ہے۔ حافظ ابن قیم اس رائے سے متفق نہیں وہ اس پر اصرار کر رہے ہیں کہ تورات میں آپ کی آمد کی پیش گوئی اسم محمد کے ساتھ بھی صاف موجود ہے۔ اس کے بعد حافظ ابن قیم اسم "محمد" کی شرح کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ محمد وہ ہے جس میں بکثرت تعریف کے اوصاف پائے جائیں۔ محمود بھی اسم مفعول کا صیغہ ہے مگر جو مبالغہ باب تفعیل میں ہوتا ہے وہ ثلاثی مجرد میں نہیں ہوتا اس لیے محمد، محمود سے زیادہ بلیغ ہے۔ محمد اس کو کہتے ہیں جس کی اتنی تعریف کی جائے جتنی کسی اور بشر کی نہ کی جائے اسی لیے تورات میں آپ کا نام محمد ہی ذکر کیا گیا ہے کیونکہ آپ کے اوصاف حمیدہ، آپ کی امت اور آپؐ کے دین کے فضائل و کمالات کا اتنی کثرت سے اس میں ذکر ہے کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام جیسے اولوالعزم رسول کو بھی آپ کی امت میں ہونے کی آرزو ہونے لگی۔

احمد۔ یہ اسم تفضیل کا صیغہ ہے، اسم فاعل اور اسم مفعول دونوں معنی میں مستعمل ہو سکتا ہے۔ پہلی صورت میں اس کے معنی ہیں "احمد الحامدین لربہ" یعنی تمام تعریف کرنے والوں میں اپنے پروردگار کی سب سے زیادہ تعریف کرنے والا۔ دوسری صورت میں اس کے معنی ہیں "احق الناس واولاھم بان یحمد" تمام لوگوں میں سب سے زیادہ تعریف کے قابل اور ثناء کا مستحق۔ اس بناء پر محمد واحمد میں فرق یہ ہے گا کہ محمد وہ ہے جس کی تعریف اپنے اوصاف جمیلہ کی وجہ سے سب سے زیادہ کی جائے اور احمد وہ ہے جس کی تعریف سب سے بہتر اور عمدہ کی جائے پس محمد بلحاظ کمیت اور احمد بلحاظ کیفیت۔ دونوں ناموں کا خلاصہ یہ ہے کہ آپؐ اپنے خلق و خصائل کی وجہ سے اس کے مستحق ہیں کہ سب سے زیادہ اور سب سے کامل تعریف آپ کی ہو۔ اس تحقیق کے بعد ان دونوں مفہوموں کے لحاظ سے سطح عالم پر نظر ڈالیے تو آپ کو معلوم ہوگا کہ یہ اسماء جتنی حقیقت اور جتنی صداقت کے ساتھ آپ کی ذات مبارک پر چسپاں ہیں اتنے کسی اور پر نہیں۔ اگر یہاں اسم تفضیل کو اسم مفعول کے معنی میں لیجئے تو خالق سے مخلوق تک انبیاء علیہم السلام سے لے کر جن و ملک تک، حیوانات سے لے کر جمادات تک غرض ہر ذی روح اور غیر ذی روح سب ہی نے آپ کی تعریفیں کی ہیں اور آج بھی چالیس کروڑ انسانوں کی زبانیں دن میں نہ معلوم کتنی بار آپ کی تعریف کے لیے متحرک رہتی ہیں۔ حتیٰ کہ کفار میں بھی ایک معقول طبقہ ایسا ہے جو اگرچہ آپ کا دین تسلیم نہیں کرتا مگر آپ کی دیانت و امانت، عدل و انصاف، صداقت و راست بازی، ہوش و خرد کا ثناء خواں ہے اس لیے اگر اپنے خیال میں آپ ذرا علیحدہ ہو کر ازل سے ابد تک کی دنیا کی طرف کان لگائیں تو جس کی سب سے زیادہ اور سب سے بہتر تعریف آپ کے کان سنیں گے وہ مبارک ہستی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی ہستی ہوگی۔

اس لیے محمدؐ یا احمد (بمعنی اسم مفعول) نام کی مستحق جتنی کہ آپ کی ذات ہو سکتی ہے اتنی کسی اور کی نہیں ہو سکتی اور اگر احمد کو اسم فاعل کے معنی میں لیجئے تو بھی اس اسم مبارک کی سب سے زیادہ مستحق آپ ہی کی ذات پاک ہے کیونکہ جس قدر خدا کی تعریف آپؐ نے کی ہے اتنی کسی بشر نے نہیں کی اور اسی طرح اپنی امت کو بھی موقعہ بموقعہ خدا کی اتنی حمد سکھائی کہ کتب مقدسہ میں اس امت کا لقب ہی حمادون پڑ گیا۔ یعنی خدا کی بہت تعریف کرنے والی امت۔ صحیحین میں ہے کہ محشر میں جب شفاعت کے لیے

ذات کے ساتھ ثابت ہوتی ہے۔ اتنی کسی اور ذات کے ساتھ نہیں ہوتی اس لیے احمد و محمد نام پانے کے لیے بھی آپ ہی کی ذات منتخب ہونی چاہیے۔ اسی لیے آپ سے پہلے بھی جس نے یہ نام رکھا آپ کی اتباع میں رکھا اور بعد میں بھی جس نے اس نام کو اختیار کیا آپ ہی کے اتباع میں کیا۔ اَللّٰهُمَّ صَلِّ وَسَلِّمْ وَبَارِكْ عَلَيْهِ۔

شیخ اکبرؒ یہاں ایک اور عجیب نکتہ لکھ گئے ہیں وہ فرماتے ہیں کہ حمد ہمیشہ آخر میں ہوتی ہے۔ جب ہم کھانے سے فارغ ہو لیتے ہیں تو خدا کی حمد کرتے ہیں۔ جب سفر ختم کر کے گھر واپس آتے ہیں تو خدا کی حمد کرتے ہیں۔ اسی طرح جب دنیا کا طویل و عریض سفر ختم کر کے جنت میں داخل ہوں گے تو خدا کی حمد کریں گے۔ وَاٰخِرُ دَعْوٰىهُمْ اَنِ الْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ (روح المعانی ج ۸ ص ۱۰۶)

اس دستور کے مطابق مناسب ہے کہ جب سلسلہ رسالت ختم ہو تو یہاں بھی آخر میں خدا کی حمد ہو۔ اس لیے جو نبی سب سے آخر میں آئے ان کا نام محمد رکھا گیا۔ بے شک جو ذات پاک کہ حسن و خوبی کی تمام رعنائیوں اور زیبائشوں کا مجموعہ ہو اس کے اسماء بھی اسمائی حسن و خوبی کا مجموعہ ہونے چاہئیں۔

اسلام میں رسول کا تصور

اسلام میں خدا کے تصور کی طرح رسول کا تصور بھی تمام مذاہب سے جداگانہ اور بالاتر تصور ہے۔ یہاں انسان کامل کی آخری سرحد اور لاہوت و جبروت کے ابتدائی تصور میں کوئی نقطہ مشترک نہیں نکلتا۔ ایک انسان اپنی فطری اور وہبی استعداد کا ہر کمال بالفعل حاصل کر لینے کے بعد بھی الوہیت کے کسی ادنیٰ سے ادنیٰ تصور کے قابل بھی نہیں ہو سکتا۔ اسلام میں اللہ تعالیٰ کا تصور اتنا بلند ہے کہ وہ حلول، اتحاد، ولادت، قرابت اور اسی طرح کی تمام نسبتوں میں سے کسی نسبت کی صلاحیت نہیں رکھتا اور اسی معنی سے اس کو واحد و صمد کہا جاتا ہے۔

رسول و اوتار و بروز

اس لیے اسلام میں رسول نہ خدا کا اوتار ہو سکتا ہے کہ خدائی اس میں حلول کر سکے اور نہ خود خدا ہو سکتا ہے کہ ہیکل انسانی میں جلوہ نما ہو۔ رسول کے متعلق خدائی کا تصور عیسائیت کا راستہ ہے اور خدا کے متعلق یہ عقیدہ کہ وہ رسول کی صورت میں بروز کرتا ہے براہمہ کا عقیدہ ہے۔ اسلامی تعلیم ان دونوں سے علیحدہ ہے بلکہ یہ دونوں تصور اسلام میں بے مصداق، ناممکن اور محال ہیں۔ عام حیوانات کو دیکھئے قدرت نے ان میں بھی ہر ہر نوع کی جدا جدا خصوصیات اور صورتیں بنائی ہیں اور اس طرح ہر نوع کے درمیان ایک ایسا خط فاصل کھینچ دیا ہے کہ ہزار ترقی کرنے کے بعد بھی ایک نوع دوسری نوع کی سرحد میں قدم نہیں رکھ سکتی بلکہ ہر نوع اپنے اپنے ان ہی قدرتی حدود کے درمیان گردش کرتی رہتی ہے اور اسی حد بندی سے اس عالم کا نظام قائم رہتا ہے۔

لَا الشَّمْسُ يَنْۢبَغِيْ لَهَآ اَنْ تُدْرِكَ الْقَمَرَ وَلَا الَّيْلُ سَابِقُ النَّهَارِ ۭ وَكُلٌّ فِيْ فَلَكٍ يَّسْبَحُوْنَ۔ (یٰس: ۴۰)

نہ سورج چاند کو پکڑ سکتا ہے اور نہ رات دن سے آگے بڑھ سکتی ہے ہر چیز چکر میں پڑی گردش کھا رہی ہے۔

جب مخلوقات کے دائرہ کی یہ سرحدیں اتنی مضبوط ہیں تو خالق کے متعلق یہ گمان کرنا کہ کوئی انسان اپنے دائرہ سے ترقی کر کے اس کی سرحد میں قدم رکھ سکتا ہے۔ سفیہانہ خوش عقیدگی کے سوا اور کیا ہو سکتا ہے۔ اور اگر تھوڑی دیر کے لیے فلسفہ ارتقاء

(Evolution) تسلیم بھی کر لیا جائے تب بھی مخلوقات سے کسی کڑی کا عالم قدس سے کوئی اتصال ثابت نہیں ہوتا اس لیے رسول کا تصور اسلام میں بلا کسی ادنیٰ شائبہ تشکیک کے یہ ہے کہ وہ ایک انسان کامل ہوتا ہے اور اپنی تمام عظمتوں اور مراتب قرب کے باوجود الوہیت کے تصور سے یکسر خالی ہوتا ہے۔

انسانیت رسول کا ایک کمال ہے

رسول ایک انسان ہوتا ہے اور عام انسانوں پر اس کی برتری سمجھنے کے لیے یہ کافی ہے کہ وہ خدا تعالیٰ کا فرستادہ اور اس کا پیغمبر ہے۔ اس کی جانب سے منصب اصلاح پر کھڑا کیا گیا ہے اور اس لیے اس کا کمال یہ ہوتا ہے کہ وہ ایک انسان ہو کیونکہ اصلاح کے لیے صرف علم کافی نہیں احساس کی بھی ضرورت ہے۔ جو غم نہیں کھا سکتا وہ ایک غمزدہ کی پوری تسلی بھی نہیں کر سکتا۔ جو بھوک سے آزاد ہے وہ ایک بھوکے کے ساتھ صحیح دل سوزی کرنا بھی نہیں جانتا۔ اور جو فطرت انسانی کی کمزوریوں سے آشنا نہیں وہ ان کمزوریوں پر اغماض بھی نہیں کر سکتا۔ اسی لیے قرآن کریم نے جو بجا بعثت کے ساتھ رسولوں کا انسان ہونا ایک مستقل انعام قرار دیا ہے۔ لَقَدْ مَنَّ اللّٰهُ عَلَى الْمُؤْمِنِيْنَ اِذْ بَعَثَ فِيْهِمْ رَسُوْلًا مِّنْ اَنْفُسِهِمْ الخ (آل عمران: ۱۶۴) یہاں امتنان اور احسان کے موقع پر بعثت اور باتوں کے تین امور کو بالخصوص نمایاں کیا گیا ہے۔ بعثت رسول پھر اس انعام کے لیے سرزمین عرب کا انتخاب اور سب سے بڑھ کر اس رسول کا انسان ہونا۔ حضرت خلیلؑ نے جب بنی اسماعیل میں ایک نبی کے لیے دعا فرمائی تو انہوں نے بھی اس اہم نکتہ کو فراموش نہیں کیا اور اپنی دعا میں فرمایا:

رَبَّنَا وَابْعَثْ فِيْهِمْ رَسُوْلًا مِّنْهُمْ. (البقرۃ: ۱۲۹)

اے ہمارے رب ان میں رسول بھیج جو انہیں میں سے ہو۔

پھر جب اس دعا کے مستجاب ہونے کا وقت آیا تو دعا ہی کے لفظ "منہم" کی استجابت کو مزید تاکید کے ساتھ لفظ من انفسہم سے ذکر کیا گیا ہے لَقَدْ مَنَّ اللّٰهُ عَلَى الْمُؤْمِنِيْنَ اِذْ بَعَثَ فِيْهِمْ رَسُوْلًا مِّنْ اَنْفُسِهِمْ یعنی اس رسول کو انسانوں میں تو بھیجا ہی تھا مگر ان میں بھی جس سے انہیں قریب سے قریب تر علاقہ ہو سکتا تھا ان میں بھیجا ہے انسانوں میں عرب، عربوں میں قریش اور قریش میں ہاشمی بنایا مگر ان چند در چند خصوصیات کے باوجود پھر وہ ایک انسان ہی رہا۔ یہی وہ عقیدہ تھا جو ابتداء میں اولاد آدم کو بنیادی طور پر بتا دیا گیا تھا۔

يٰبَنِيْٓ اٰدَمَ اِمَّا يَاْتِيَنَّكُمْ رُسُلٌ مِّنْكُمْ يَقُصُّوْنَ عَلَيْكُمْ اٰيٰتِيْ فَمَنِ اتَّقٰى وَاَصْلَحَ فَلَا خَوْفٌ عَلَيْهِمْ وَلَا هُمْ يَحْزَنُوْنَ. (الاعراف: ۳۵)

اے اولاد آدم اگر تمہارے پاس تم ہی میں کے رسول آئیں جو تمہارے سامنے ہماری آیات پڑھ پڑھ کر سنائیں تو جو تقویٰ کی راہ اختیار کرے اور نیک رہے تو ان پر نہ کوئی خوف وہراس ہے اور نہ کوئی غم۔

آیت بالا سے معلوم ہوتا ہے کہ عالم کی ابتداء میں جن باتوں کی اولاد آدمؑ کو بنیادی طور پر تعلیم دی گئی تھی ان میں ایک بعثت رسول اور دوم رسولوں کے انسان ہونے کا عقیدہ تھا۔ اسی عقیدہ کے مطابق دنیا میں خدا کے بہت سے رسول آئے جن کی صحیح تعداد خدا ہی کو معلوم ہے مگر قرآن سے جس قدر اجمالاً معلوم ہو سکا ہے یہ ہے کہ سب سے پہلے منصب نبوت کے لیے وہ انسان

منتخب ہوئے تھے پھر افراد واشخاص کی بجائے خاندانوں کا انتخاب کیا گیا اس کے بعد جب خاندانوں نے انحراف اور کفران نعمت شروع کیا تو بنی اسماعیل کا انتخاب عمل میں آیا۔ اس درمیان میں دنیا کی مقررہ عمر آخر ہونے لگی ادھر رسولوں کی مقررہ تعداد بھی پوری ہوگئی اس لئے آخری رسول کو بھیج کر اس سلسلہ کو ختم کر دیا گیا اور بساط عالم لپیٹنے کا اعلان کر دیا گیا۔

إِنَّ اللّٰهَ اصْطَفٰى اٰدَمَ وَنُوْحًا وَّاٰلَ اِبْرٰهِيْمَ وَاٰلَ عِمْرٰنَ عَلَى الْعٰلَمِيْنَ ذُرِّيَّةًۢ بَعْضُهَا مِنْۢ بَعْضٍ۔ (آل عمران: ۳۳-۳۴)

اللہ تعالیٰ نے پسند کیا آدمؑ کو اور نوحؑ کو اور خاندان ابراہیمؑ اور خاندان عمران کو تمام جہان پر جو ایک دوسرے کی اولاد ہیں۔

اس تمام سلسلہ میں جو حضرت آدمؑ سے شروع ہو کر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم پر ختم ہو جاتا ہے کوئی رسول ایسا نہ تھا جو انسان نہ ہوتا ایک حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا معاملہ نصاریٰ کی نظروں میں کچھ مشتبہ تھا اس کو ذریۃ بعضها من بعض کہہ کر صاف کر دیا گیا ہے یعنی جب وہ بھی انسانوں ہی کی اولاد تھے تو یقیناً ان کو بھی انسان ہونا چاہیے۔

علاوہ اس کے کہ رسول اگر انسان نہ ہوں تو وہ انسانوں کی پوری اصلاح نہیں کر سکتے۔ نسل انسانی پر یہ ایک بدنما داغ ہوتا کہ اشرف المخلوقات کا مصلح و مربی کسی اور نوع میں پیدا کیا جائے۔ اس لیے خود رسول اور نوع انسانی کا شرف و کمال بھی تھا کہ رسول انسانوں میں سے ایک انسان ہوتا۔

لفظ رسول کی تشریح

رسول کا صحیح مقام سمجھنے کے لیے خود لفظ رسول سے زیادہ صحیح اور آسان کوئی اور لفظ نہیں ہے اس لفظ سے محبت وعظمت کے وہ تمام تقاضے بھی پورے ہو جاتے ہیں جو ایک کامل انسان کے لیے فطرت انسانی میں موجزن ہوتے ہیں اور عبد و معبود کی وہ ساری حدود بھی محفوظ رہتی ہے جو کفر و ایمان کے درمیان خط فاصل ہو سکتی ہیں۔ اسی لیے خدائے تعالیٰ کے سب رسولوں نے اپنا تعارف اسی لفظ رسول کے ذریعہ پیش کیا ہے اور آخر میں قرآن کریم نے سب سے افضل اور سب سے برتر رسول کا تعارف بھی جس لفظ میں پیش کیا وہ یہی لفظ رسول ہے۔

(۱) مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰهِ۔ (الفتح: ۲۹) محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) اللہ کے پیغمبر ہیں۔

(۲) وَمَا مُحَمَّدٌ اِلَّا رَسُوْلٌ۔ (آل عمران: ۱۴۴)

محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) پیغمبر ہونے کے سوا الوہیت کا شائبہ تک نہیں رکھتے۔

رسول کی اطاعت خدا کی اطاعت ہے

درحقیقت یہ مسئلہ ایک پیچیدہ مسئلہ تھا کہ ایک طرف اسلام کی نازک توحید خدا ہی کی اطاعت اور اسی کی محبت کا مطالبہ کرتی ہے اور دوسری طرف وہ اپنے سوا رسول کی محبت و اطاعت کا بھی حکم دیتی ہے۔ قرآن کریم نے بتایا کہ نسبت رسالت کے بعد رسول کی ہستی درمیان میں صرف ایک واسطہ ہوتی ہے۔ پھر اس کی اطاعت و محبت خدا ہی کی محبت و اطاعت ہو جاتی ہے اسی لیے فرمایا:

مَنْ يُّطِعِ الرَّسُوْلَ فَقَدْ اَطَاعَ اللّٰهَ۔ (النساء: ۸۰) جو رسول کا کہنا مانے اس نے خدا ہی کا کہنا مانا۔

یعنی اصل حکم برداری تو خدا کی چاہیے۔ ظاہری سطح میں رسول کی اطاعت گو اس کے خلاف نظر آئے مگر حقیقت میں وہ خدا ہی کی حکم برداری ہوتی ہے بلکہ اس کی اطاعت و محبت کے بغیر، خدا کی محبت و اطاعت کا کوئی اور راستہ ہی نہیں اور اسی طرح یہ اطاعت و محبت کتنی ہی پھیلتی چلی جائے مگر اس کا اصل مرکز خدا ہی کی ذات پاک رہتی ہے۔

رسول و وکیل

مذکورہ بالا بیان سے ظاہر ہو گیا کہ رسول خدا نہیں، اس کا اوتار یا بروز نہیں اور اس کا بیٹا بھی نہیں۔ اب یہ سمجھئے کہ وہ اس کا وکیل و مختار بھی نہیں۔ عربی میں دوسرے کی خدمت سرانجام دینے کے لیے دو لفظ ہیں (۱) رسول (۲) وکیل۔ ان دونوں کا تعرف در اصل دوسرے کے لیے ہوتا ہے جا ہے لیے نہیں ہوتا مگر ان دونوں میں فرق یہ ہے کہ وکیل کا تصرف بہ نسبت رسول کے زیادہ وسیع اور زیادہ قوی ہے۔ وکیل اپنے موکل کی طرف سے مختار ہوتا ہے جو چاہے بطور خود بھی کر سکتا ہے اسی لیے خصومت و جواب دہی کا بھی اس کو حق حاصل ہوتا ہے۔ رسول صرف اس امانت کے پہنچا دینے کا ذمہ دار ہوتا ہے جو اس کے سپرد کی گئی ہے۔

مثلاً اگر ایک بادشاہ کسی شخص کو اپنا وکیل و مختار بنا دے تو اس کو حق ہے کہ وہ موقع و محل کے لحاظ سے جو مناسب سمجھے گفتگو کرے بلکہ چاہے تو اس کے قوانین میں ترمیم و تنسیخ بھی کر ڈالے مگر ایک پیغامبر کو اس کے سوا کوئی حق حاصل نہیں ہے کہ جو پیغام اس کے ذریعہ بھیجا گیا ہے وہ بے کم و کاست اس کو پہنچا دے اس لحاظ سے وکیل کی حیثیت گو بلند ہے مگر یقیناً ذمہ داری سخت بھی بہت ہے۔ قرآن کریم نے بہت جگہ اس کا اعلان کیا ہے کہ جنہیں ہم بھیجیں گے وہ صرف ہمارے رسول ہوں گے نہ کہ وکیل۔ بظاہر اس کی وجہ یہ ہے کہ جب خدا خود ہی سب کا وکیل بن گیا ہے تو اس کا وکیل کوئی اور کیسے ہو سکتا ہے۔ دوسرے یہ کہ کسی بڑے سے بڑے انسان میں اس کی طاقت نہیں کہ وہ اس ذمہ داری کا بار اٹھا سکے جو خدا تعالیٰ نے اپنے ذمے لی ہے۔ پھر اس کی طرف سے وکالت کیسے متصور ہو سکتی ہے۔

(۱) اللّٰهُ خَالِقُ كُلِّ شَيْءٍ وَهُوَ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ وَّكِيْلٌ. (الزمر: ۶۲)

اللہ ہی ہر چیز کا پیدا کرنے والا ہے اور وہی سب کا وکیل و کارساز ہے۔

(۲) وَلِلّٰهِ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَمَا فِي الْاَرْضِ وَكَفٰى بِاللّٰهِ وَكِيْلًا. (النساء: ۱۳۲)

آسمانوں اور زمین میں جو کچھ ہے سب خدا کی ملکیت ہے اور سب کے لیے خدا کی ذات کارساز کافی ہے۔

(۳) اَلَّا تَتَّخِذُوْا مِنْ دُوْنِيْ وَكِيْلًا. (الاسراء: ۲)

میرے سوا کسی اور کو اپنا وکیل و کارساز مت بناؤ۔

(۴) قُلْ لَّسْتُ عَلَيْكُمْ بِوَكِيْلٍ. (الانعام: ۶۶)

آپ کہہ دیجئے کہ میں تم پر وکیل بنا کر نہیں بھیجا گیا رسول مقرر ہوا ہوں۔

(۵) فَمَنِ اهْتَدٰى فَاِنَّمَا يَهْتَدِيْ لِنَفْسِهٖ وَمَنْ ضَلَّ فَاِنَّمَا يَضِلُّ عَلَيْهَا وَمَا اَنَا عَلَيْكُمْ بِوَكِيْلٍ. (یونس: ۱۰۸)

جو ہدایت یاب ہوا اپنے فائدہ کیلئے اور جس نے گمراہی اختیار کی اپنا ہی نقصان کیا اور میں تو تم پر وکیل و مختار نہیں ہوا کہ جو ہدایت یابی میرے سر ہو۔

(۶) بَلِّغْ مَا اُنْزِلَ اِلَيْكَ مِنْ رَّبِّكَ۔ (المائدہ ۶۷)

جو آپ کے پروردگار کی طرف سے اتارا جاتا ہے وہ آپ پہنچا دیجئے۔

(۷) اِنْ عَلَيْكَ اِلَّا الْبَلٰغُ۔ (الشوریٰ ۴۸) آپ کا ذمہ صرف پہنچا دینا ہے۔

(۸) اُبَلِّغُكُمْ رِسٰلٰتِ رَبِّيْ (الاعراف ۶۲)

میں اپنے پروردگار کے پیغامات تمہارے پاس پہنچائے دیتا ہوں۔

(۹) قُلْ مَا يَكُوْنُ لِيْۤ اَنْ اُبَدِّلَهٗ مِنْ تِلْقَآئِ نَفْسِيْ اِنْ اَتَّبِعُ اِلَّا مَا يُوْحٰۤى اِلَيَّ۔ (یونس:۱۵)

آپ کہہ دیجئے کہ میری طاقت نہیں ہے کہ میں قرآن کریم کو اپنی طرف سے بدل ڈالوں میرے پاس تو جو حکم آئے اسکا تابعدار ہوں۔

ان آیات سے ظاہر ہے کہ رسول کی ذمہ داری یہ ہے کہ وہ احکام الٰہیہ پہنچا دے اور بس۔ شریعت کے ایک شوشہ اور ایک نقطہ بدلنے کا حق اس کو نہیں کسی کی ہدایت و گمراہی کا بار اس پر نہیں اور نہ آخرت میں کسی کے اعمال کا وہ جواب دہ ہے۔ جہاں تک کارخانہ عالم کی ذمہ داری و کارسازی کا تعلق ہے اس کے ذرہ ذرہ کی کفالت و وکالت خدائے تعالیٰ نے خود اپنے ذمہ لے لی ہے اور اس کا اعلان بھی کر دیا ہے اور رسولوں کی پوزیشن صاف کرنے کے لیے اپنی اور رسولوں کی زبانی یہ بات واضح کر دیا ہے کہ ان کی حیثیت صرف رسالت کی حد تک ہے وکالت کی نہیں ہے؟ کہ ہر انسان سوچ سمجھ لے کہ ہدایت و ضلالت کی جواب دہی اسے خود براہ راست کرنی ہے جسے رسولوں کی ذات پر ٹالا نہیں جا سکتا۔

وکالت تو بہت دور کی بات ہے اگر کہیں ہر شخص سے خدائے تعالیٰ کا باتیں کرنا حقیقت کے خلاف نہ ہوتا تو شاید اس کے اور اس کی مخلوق کے درمیان رسالت کا واسطہ بھی نہ ہوتا۔ مگر جس طرح دنیا میں بادشاہ اپنی رعایا سے بلا واسطہ کلام نہیں کیا کرتے۔ اسی طرح خدائے تعالیٰ نے بھی اپنی ہر مخلوق سے براہ راست کلام کرنا پسند نہیں فرمایا، بلکہ اس کے لیے کچھ ہستیاں منتخب کر لی ہیں جو اس کی نظر میں اس کے لیے اہل بنائی گئی تھیں پھر ان میں بھی یہ حوصلہ نہیں ہے کہ بے محابا وہ جب چاہیں اس سے باتیں کر لیں اس لیے ان کی برداشت کے بقدر اپنے ہم کلامی کی صورتیں مقرر کر دی ہیں۔

وَمَا كَانَ لِبَشَرٍ اَنْ يُّكَلِّمَهُ اللّٰهُ اِلَّا وَحْيًا اَوْ مِنْ وَّرَآئِ حِجَابٍ اَوْ يُرْسِلَ رَسُوْلًا فَيُوْحِيَ بِاِذْنِهٖ مَا يَشَآءُ۔ (الشوریٰ: ۵۱)

کسی آدمی کی طاقت نہیں ہے کہ اللہ تعالیٰ اس سے باتیں کرے مگر اشارہ سے یا پردہ کے پیچھے سے یا کوئی فرشتہ بھیجے، پھر وہ خدا کے حکم سے جو اس کو منظور ہو اس کا پیغام پہنچا دے۔

وَمَا كَانَ اللّٰهُ لِيُطْلِعَكُمْ عَلَى الْغَيْبِ وَلٰكِنَّ اللّٰهَ يَجْتَبِيْ مِنْ رُّسُلِهٖ مَنْ يَّشَآءُ۔ (آل عمران: ۱۷۹)

یہ کیسے ہو سکتا کہ اللہ تعالیٰ تم کو براہ راست غیب کی خبر دیا کرے لیکن ہاں یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ اپنے رسولوں میں سے جسے چاہے چھانٹ لیتا ہے۔

عٰلِمُ الْغَيْبِ فَلَا يُظْهِرُ عَلٰى غَيْبِهٖۤ اَحَدًا اِلَّا مَنِ ارْتَضٰى مِنْ رَّسُوْلٍ۔ (الجن: ۲۶، ۲۷)

وہ غیب کا جاننے والا ہے اور اپنی غیب کی باتیں کسی پر ظاہر نہیں کرتا مگر ہاں جس رسول کو چاہے پسند کر لیتا ہے اور انہیں جو بات بتانا چاہے بتا دیتا ہے۔

ان آیات سے ثابت ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے یہ دستور نہیں رکھا کہ عام لوگوں کو بلا واسطہ غیب کی یقینی خبریں دیا کرے بلکہ اس کام کے لیے وہ رسولوں کا انتخاب کرتا ہے اور ان کے ذریعہ سے پھر تمام مخلوق سے ہم کلام ہوتا ہے اور یہ دستور اس لیے رکھا ہے کہ عام بشر تو درکنار رسول بھی اتنی طاقت نہیں رکھتے کہ خدائے تعالیٰ سے جس طرح چاہیں بالمشافہ کلام کر سکیں۔ اس لیے ان سے کلام کرنے کی بھی چند صورتیں اختیار کی گئی ہیں۔ پہلی صورت یہ ہے کہ متکلم خود ذات پاک ہو مگر سامنے نہ ہو بلکہ پس پردہ ہو۔ جیسا کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کے ساتھ کوہ طور پر کلام۔ دوسری صورت یہ ہے کہ فرشتہ کے ذریعہ سے کلام کرے۔ اس کی دو صورتیں ہیں ایک یہ کہ نبی خود بشریت سے ملکیت کے قریب آ جائے دوم یہ کہ ملک یعنی فرشتہ بشریت کے قریب آ جائے۔ ان دونوں صورتوں میں رسول سے بالواسطہ کلام ہوتا ہے۔ ان سب صورتوں میں چونکہ خدائے تعالیٰ کی ذات پاک رسول کے سامنے نہیں ہوتی اس لیے کلام الٰہی کی شوکت وطاقت رسول کے لیے قابل برداشت ہو جاتی ہے اگر کہیں آمنے سامنے آ کر کلام ہو تو بشریت کی ضعیف تعمیر برباد ہو جائے۔

رسول ریاضت سے نہیں بنتے وہ پہلے سے منتخب شدہ ہوتے ہیں

رسالت ایک قسم کی سفارت ہے۔ ہر سفیر کے لیے قابل ہونا تو ضروری ہے مگر ہر قابل انسان کے لیے سفیر ہو جانا ضروری نہیں۔ یہ بادشاہ کی اپنی مصلحت اور صواب دید پر موقوف ہے کہ وہ کس کو اس کا اہل سمجھتا ہے۔ خدا کی زمین پر دنیا کے جس قدر رسول آئے آپ سب کی سیرت بالتفصیل مطالعہ کر جائیے ان کی زندگیوں کا ورق ورق الٹ جائیے مگر قرآن وحدیث سے کہیں ثابت نہیں ہوگا کہ کسی کو منصب رسالت کسی رسول کی اتباع واطاعت کے صلہ میں ملا ہو۔ تمام انبیاء علیہم السلام کی سیرت سے آپ کو یہی ثابت ہوگا کہ بوقت ضرورت براہ راست ان کو اس منصب سے نواز دیا جاتا ہے۔ بلکہ رسول کا تو مفہوم بھی یہ بتاتا ہے کہ یہ گروہ عام انسانوں اور خدائے تعالیٰ کے درمیان پیغامبری کے لیے بنایا گیا ہے تاکہ ان کے واسطے سے لوگ شریعت پر عمل اور خدا کی عبادت کرنا سیکھیں اس لیے نہیں کہ شریعت پر عمل کر کے یہ خود خدا کے رسول بن جائیں۔ چنانچہ جب وہ آتے ہیں تو گمراہوں میں راہنما جاہلوں میں عالم، مفسدوں میں مصلح، اور کافروں میں اول مسلم بن کر آتے ہیں۔ رسالت سے پہلے بھی ان کا دامن شرک وکفر کی تمام نجاستوں سے پاک ہوتا ہے اور جو حرکات ادیان سماویہ میں ناقابل برداشت ہیں وہ نبوت ورسالت سے پہلے بھی ان سے دور ہی دور رہتے ہیں اور اپنی اس بے لوث اور پاک وصاف زندگی کی وجہ سے قوم میں ایک ممتاز حیثیت حاصل کر لیتے ہیں۔ ان کی ریاضت وعبادت اس لیے نہیں ہوتی کہ انہیں رسول بننا ہے بلکہ اس لیے ہوتی ہے کہ ان کی یہ پاک وصاف زندگی قوم کی نظروں میں نمایاں کی جائے اور اس لیے نمایاں کی جائے کہ جب وہ رسالت کا دعویٰ کریں تو خود ان کی یہی زندگی ان کی تصدیق کا بڑا سامان ہو جائے۔

اگر بالفرض رسالت کسب واکتساب کا ثمرہ ہوتی تو رسولوں کی بعثت یا کثرت کا مدار عبادات کی سرگرمی یا عبادات میں سرد مہری پر ہوتا، حالانکہ یہاں معاملہ برعکس ہے یعنی جتنی عبادات زیادہ ہوئی اسی قدر رسولوں کی آمد میں تاخیر ہوئی اور جتنی گمراہی وضلالت نے شدت اختیار کی اسی قدر رسولوں کی آمد کا زمانہ قریب تر ہوتا گیا۔ پھر جب خدا کا کوئی رسول آ گیا اس کی زیر قیادت عبادت کر کے ایک بھی رسول نہیں بنا اور جب اس کی تعلیمات کے نقوش مٹنے لگے تو ایسے ایسے رسولوں کی آمد ہوئی جن کا پہلی شریعت سے کوئی تعلق بھی نہ تھا یا تعلق تھا تو ادنیٰ سا تعلق تھا اس لیے یہ نتیجہ نکالنا مشکل نہیں ہے کہ رسول کسی عبادت وریاضت سے نہیں بنتے بلکہ خود بنے بنائے آتے ہیں۔ قرآن کریم کے

لفظ "یاتینکم رسل منکم" میں بھی اسی کی طرف اشارہ ملتا ہے یعنی اے بنی آدم تم میں کوئی فرد عبادت کر کے خود رسول نہیں بنے گا بلکہ رسول تمہارے پاس باہر سے اس طرح آئے گا جیسے کہ حکومت کی جانب سے کوئی حاکم مقرر ہو کر آیا کرتا ہے۔ ڈگریاں بڑی سے بڑی حاصل کی جا سکتی ہیں مگر حکومت کا کوئی عہدہ بلا انتخاب حکومت حاصل نہیں ہو سکتا۔ ہاں لیاقت و استعداد کے بعد اس کی صلاحیت پیدا ہو جاتی ہے کہ نظر حکومت اگر اسے انتخاب کرنا چاہے تو کر لے اسی طرح رسالت و نبوت کی کیفیت ہے یہ ایک منصب اور عہدہ ہے نہ کہ انسان کے ممکن الحصول ارتقائی کمالات میں کوئی کمال۔ ہاں اس منصب کے متعلق کچھ کمالات ہیں جو اس منصب پر موقوف ہیں۔ اسی لیے حدیث میں ارشاد ہے لو کان بعدی نبی لکان عمر یعنی میری امت میں اگر بلحاظ کمال دیکھا جائے تو عمر میں رسالت کی صلاحیت موجود ہے مگر چونکہ منصب نبوت پر تقرر کے لیے اب کوئی جگہ باقی نہیں رہی اس لیے نبی نہیں ہیں۔ اسی طرح فرمایا:

لو عاش ابراهيم لكان صديقا نبيا.

ابراہیم (فرزند نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم) اگر جیتے تو صدیق نبی ہوتے۔

یعنی ان کا جوہر استعداد بھی نہایت بیش قیمت تھا انسانوں میں نبی بلکہ صدیق نبی بننے کے لائق تھے مگر یہاں ایک اور مانع بھی پیش آ گیا تھا وہ یہ کہ ان کی عمر وفا نہ کر سکی۔ امت میں ان دو شخصیتوں کے متعلق تو خود زبان نبوت سے تصریح آ گئی کہ بلحاظ لیاقت و کمال یہ دونوں منصب نبوت کے قابل تھے جن میں سے حضرت ابراہیم رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی تو عمر ہی نے وفا نہ کی اور حضرت عمرؓ کی عمر ہوئی تو تقرر نبوت کا زمانہ ختم ہو چکا تھا۔ ان کے علاوہ خدائے تعالیٰ ہی کو معلوم ہے کہ اس امت میں اور کتنے انسان ایسے گزر گئے ہوں گے جو جوہر نفسی کے کمالات میں انبیاء سے کتنے مشابہ ہوں گے مگر عالم تقدیر میں چونکہ دنیا ہی کا ختم کر دینا طے ہو چکا تھا اس لیے کوئی اب منصب پر مقرر نہیں کیا گیا اور دنیا کی تاریخ جس طرح کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے پہلے شور مچا کر رسولوں کی آمد آمد پکار رہی تھی۔ اب یہ کہہ کر خاموش ہو گئی کہ دنیا کا آخری راہنما آ چکا اب اس کے بعد کوئی رسول نہیں ہوگا۔ بہرحال تمام رسولوں کی تاریخ سے یہی ثابت ہوتا ہے کہ وہ کسی ریاضت و عبادت کے صلہ میں رسول نہیں بنے بلکہ یکایک لاعلمی کی حالت میں اچانک خدا کی طرف سے منصب رسالت پر مامور ہوتے ہیں۔

حضرت موسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام کو منصب نبوت سے سرفراز کیا گیا۔ ابھی حضرت ہارون علیہ السلام کی نبوت کا کوئی ذکر فکر بھی نہیں تھا کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کے دل میں یہ خیال آیا کہ اگر میرے بھائی میرے شریک کار ہو جائیں تو شاید خدمات نبوت کی ادائیگی میں میرے لیے سہولت رہے لیکن منصب نبوت چونکہ براہ راست خدائے تعالیٰ کے اصطفاء پر موقوف ہے اس لیے ان کو اسی ایک بارگاہ میں یہ درخواست پیش کرنی پڑی۔

وَاجْعَلْ لِّي وَزِيرًا مِّنْ أَهْلِي هَارُونَ أَخِي اشْدُدْ بِهِ أَزْرِي وَأَشْرِكْهُ فِي أَمْرِي. (طہ ۲۹–۳۲)

میرے بھائی کو میرے گھرانے سے میرا وزیر بنا دے اور ان کے ذریعہ میری کمر مضبوط کر اور میرا انہیں شریک کار بنا دے۔

اگر نبوت اکتسابی ہوتی تو یہاں سفارش کے موقعہ پر ان کے ایسے اوصاف کا ذکر کرنا مناسب ہوتا جو نبوت کا سبب بن سکتے جیسا کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے جن اسباب کا ذکر کیا ہے وہ یہ ہیں:

وَأَخِي هَارُونُ هُوَ أَفْصَحُ مِنِّي لِسَانًا فَأَرْسِلْهُ مَعِيَ رِدْءًا يُصَدِّقُنِي إِنِّي أَخَافُ أَن يُكَذِّبُونِ. (القصص: ۳۴)

میرا بھائی مجھ سے زیادہ فصیح البیان ہے اسے میری مدد کیلئے میرے ساتھ کر دے وہ میری تصدیق کرے گا مجھے اندیشہ ہے کہ کہیں وہ میری تکذیب نہ کریں۔

حضرت موسیٰ علیہ السلام کی اس درخواست کو منظور کر لیا گیا اور ان کو بھی نبی بنا دیا گیا۔ سوچئے کہ فصاحت و بیان کو نبوت میں کیا دخل ہے سا تھ ہی برخلاف جب کوہ طور جاتے ہوئے انہیں ایک خلیفہ کی ضرورت محسوس ہوئی تو یہاں کوئی درخواست بارگاہ رب العزت میں پیش نہیں فرمائی درپہ راہ راست خود فرمایا اخْلُفْنِي فِي قَوْمِي وَأَصْلِحْ وَلَا تَتَّبِعْ سَبِيلَ الْمُفْسِدِينَ (الاعراف ۱۴۲)

مذکورہ بالا بیان سے ظاہر ہے کہ خلافت و نبوت میں کتنا فرق ہے خلیفہ نبی خود بھی بنا سکتا ہے مگر نبی کسی کو نہیں بنا سکتا ہاں اس کے لیے دعا کر سکتا ہے۔ چونکہ حضرت علیؑ کو بھی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے یہی نسبت حاصل تھی۔ اس لیے امکان ہو سکتا تھا کہ جیسا حضرت موسیٰ علیہ السلام نے ان کے حق میں نبوت کی دعا کی وہ قبول ہو گئی۔ اسی طرح اگر آپ بھی ان کے لیے دعا فرمائیں تو قبول ہو جائے اس لیے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے قلب مبارک میں یہ خیال گذرے اور آپ کے دست مبارک دعا کے لیے اٹھ جائیں آپ سے کہہ دیا گیا تم اپنے داماد علی کے لیے جو دعا چاہو مانگ لو مگر ایک نبوت کی دعا مت کرنا کیونکہ یہ تقدیر میں یہ طے ہو چکا ہے کہ آپ کے بعد کوئی نبی نہیں ہے اور جو بات یہاں طے ہو جاتی ہے وہ پلٹا نہیں کرتی۔

یہی صورت شب معراج میں پیش آئی جب تقدیر کو یہ منظور ہوا کہ اب آئندہ سلسلہ تخفیف ختم کیا جائے اور پانچ نمازیں امت کے لیے واجب العمل و دستور ہو جانے تو پہلے ہی آپ سے کہہ دیا گیا مَا يُبَدَّلُ الْقَوْلُ لَدَيَّ یعنی میرا بنایا ہوا قول بدلا نہیں جاتا کے بعد تم مَا يُبَدَّلُ الْقَوْلُ کا آ گیا آپ کے استجابت دعا میں حائل نہ ہو۔ یہی وجہ ہے کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کے اصرار کے باوجود آپ پھر سفارش کے لیے تشریف نہیں لے گئے۔

رسول کی سب سے بڑی خصوصیت یہ ہے کہ وہ وحدت کی کا ایک مستحکم مرکز ہوتا ہے اس لیے اس کی ذات ایمان و کفر کا محور ہوتی ہے یعنی اس سے وابستگی ایمان اور اس سے علیحدگی کفر کے نام سے موسوم ہوتی ہے ہزاروں اختلافات رسول کی ذات سے وابستگی کے بعد وحدت و اخوت کی شکل اختیار کر لیتے ہیں اور بہت سی جمعیتیں رسول کے دامن سے علیحدہ ہو کر صفت وحدت سے خالی ہو جاتی ہیں۔ اسی لیے فرمایا۔ وَاذْكُرُوا نِعْمَتَ اللَّهِ عَلَيْكُمْ إِذْ كُنْتُمْ أَعْدَاءً فَأَلَّفَ بَيْنَ قُلُوبِكُمْ فَأَصْبَحْتُمْ بِنِعْمَتِهِ إِخْوَانًا (آل عمران ۱۰۳) اور دوسری صورت کو ان الفاظ میں ارشاد فرمایا تَحْسَبُهُمْ جَمِيعًا وَقُلُوبُهُمْ شَتَّى۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی تشریف آوری سے قبل عرب کے اختلافات کا تصور کیجئے اور نقطۂ رسالت پر جمع ہونے کے بعد ان کی شان وحدت کو ملاحظہ کیجئے تو آپ کو معلوم ہوگا کہ وہ ہزاروں افراد یا تو ایک دوسرے کے خون کے پیاسے تھے یا فرد واحد کی طرح ایسے ایک جان ہو چکے تھے کہ مشرقی مسلمان کی تکلیف سے مغربی مسلمان کو وہی تکلیف محسوس ہوتی تھی جو ایک انسان میں ایک عضو کی تکلیف سے تمام اعضا کو محسوس ہوتی ہے وہ ابھی ابھی یا تو اینٹوں کے ڈھیر کی طرح میدان میں بکھرے پڑے ہوئے تھے یا ایک ہی ساعت کے بعد ایک مستحکم تعمیر کی شکل میں منظم و مرتب تھے جس کی ہر اینٹ دوسری اینٹ سے مربوط اور پیوستہ تھی۔

وعن ابی موسیٰ (رضی اللہ تعالی عنہ عن النبی صلی اللہ علیہ وسلم قال المؤمن للمؤمن

کالبنیان یشد بعضہ بعضا ثم شبک بین اصابعہ. (متفق علیہ)

ابو موسیٰ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت فرماتے ہیں ایک مومن دوسرے مومن کیلئے ایک عمارت کی طرح ہے ایک دوسرے کو قوت پہنچاتا اور مضبوط رکھتا ہے اس کے بعد آپ نے اپنے ایک ہاتھ کی انگلیاں دوسرے ہاتھ کی انگلیوں میں ڈال کر اسکا نقشہ دکھایا۔ (متفق علیہ)

عن النعمان بن بشیر قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم المؤمنون کرجل واحد ان

اشتکی عینہ اشتکی کلہ وان اشتکی رأسہ اشتکی کلہ. (مسلم)

نعمان بن بشیر کہتے ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تمام مسلمان شخص واحد کی طرح ہیں اگر اس کی آنکھ درد کرتی ہے تو تمام جسم بیمار پڑ جاتا ہے۔ اگر سر درد کرتا ہے تو تمام جسم بیمار پڑ جاتا ہے۔ (مسلم)

دنیا کی تمام وحدتیں اس حقیقی وحدت کے سامنے ہیچ ہیں۔ وحدت قولی، وحدت ملکی، وحدت وطنی، وحدت قبیلہ، وحدت حسب و نسب، کے سوا اور جتنی وحدتیں پیدا ہو سکتی ہیں وہ سب اس کے سامنے لاشئے ہیں جب کبھی اس وحدت حقیقیہ کی دوسری وحدتوں سے ٹکر ہوئی تو دوسری تمام وحدتیں پاش پاش ہو کر مٹ گئیں اور صرف یہی ملت کی ایک مرکزی وحدت باقی رہ گئی۔ ریفارمر کی ذات بھی قوم کی شیرازہ بندی کا بڑا سبب ہے مگر جو وحدت ایک کامیاب سے کامیاب ریفارمر کے نام پر پیدا ہوتی ہے وہ اس وحدت حقیقیہ سے کوئی نسبت نہیں رکھتی۔ یہ وحدت نظام ملی اور رفاہ بشری کے لیے بمنزلہ روح ہے اسی لیے جب یہ وحدت فنا ہونے لگتی ہے تو اس کو از سر نو زندہ کرنے کے لیے خدا کے رسول آتے ہیں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد چونکہ رسالت کا دروازہ مسدود ہو چکا ہے اس لیے یہ کام خلافت راشدہ کے سپرد کر دیا گیا ہے۔ شریعت میں خلافت و امارت اور امامت دیگر جلد جملہ اسی وحدت کے تحفظ کے لیے ہیں۔ اسی لیے جب خلافت سے یہ مقصد حاصل ہونا مفقود ہو جائے تو شریعت نے اس کا نام ملک عضوض رکھا ہے یہ اسی وحدت کی فنا کی طرف اشارہ تھا جو در اصل رسولوں کی ذات سے وابستہ ہوتی ہے۔

عن ابی ھریرۃ عن النبی صلی اللہ علیہ وسلم قال کانت بنو اسرائیل تسوسھم الانبیاء

کلما ھلک نبی خلفہ نبی وانہ لانبی بعدی وسیکون خلفاء فیکثرون الحدیث. (متفق علیہ)

ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا بنی اسرائیل کی سیاست کی نگہبانی انبیاء علیہم السلام فرمایا کرتے تھے جب ایک نبی فوت ہو جاتا اس کے قائم مقام دوسرا آجاتا چونکہ میرے بعد کوئی نبی نہیں ہے اس لیے اب عنان انتظام خلفاء کے ہاتھوں میں رہے گی اور وہ بہت ہوں گے۔

خلاصہ یہ کہ رسول میں الوہیت و ابنیت کا کوئی تصور نہیں ہوتا اور محض ایک ریفارمر و مصلح کی حیثیت بھی نہیں ہوتی۔ نصاریٰ نے رسالت کو ابنیت کے عنوان سے سمجھنے کی کوشش کی وہ بھی غلط راہ پر نکل گئے۔ براہمہ اور جوگیوں نے

اس کو اوتار کا علاقہ بنادیا وہ بھی عینیت یا حلول کے روگ میں پھنس گئے۔ نصاریٰ نے رسول کو خدا سے اتنا قریب سمجھ کر پھر انہیں دوئی قائم رکھنا دشوار ہو گیا اور جدید روشنی میں اس کو خدا سے اتنا دور سمجھا گیا کہ اس کو صرف ایک ریفارمر کی حیثیت دی گئی۔ یہ دونوں راستے افراط وتفریط کے راستے ہیں اگر اس کی حیثیت رسول کے لفظ ہی سے قائم کی جاتی تو یہ مغالطے پیش نہ آتے اور واضح ہو جاتا کہ وہ اللہ تعالیٰ سے اتنا بعید نہیں ہوتا جیسے کہ عام انسان اور اتنا قریب بھی نہیں ہوتا جتنا کہ اوتار وابن۔ وہ بعید ہو کر اللہ تعالیٰ سے نہایت قریب ہوتا ہے اور انتہا درجہ قرب کے باوجود پھر احد وصمد سے حلول واتحاد کا کوئی علاقہ نہیں رکھتا۔ اس کا نام قرب ولایت نہیں یہ قرب رسالت ہے۔ یہ انسان کے لیے مدارج قرب کی وہ آخری منزل ہے جس کے بعد کوئی منزل نہیں اگر ان دونوں میں فرق سمجھ لیا جاتا تو ایک محب کی زبان سے جو بھی اضطراب میں عاشقانہ کلمات نکل جاتے ہیں نہ نکلتے اور وہ اپنی تمام لن ترانیوں کی بجائے یہ کہہ کر خاموش ہو جاتا۔

زلاف حمد و نعت اولیٰ است بر خاک ادب خفتن سجودے کی تواں کردن درودے کی تواں گفتن

اسی لیے آسمانی مذاہب نے رسول کی اس درمیانی حقیقت کے لیے جو جامع سے جامع لفظ اختیار کیا تھا وہ خود لفظ رسول تھا اور اسی لیے اذانوں میں خطبوں میں نمازوں میں جس لفظ کا بار بار اعلان کیا جاتا ہے وہ یہی لفظ رسول ہے۔ آج دنیا رسول کی معرفت کے لیے خود لفظ رسول کو ناکافی سمجھتی ہے اور اپنی عقل تسلی کے لیے دوسرے عنوانات تراش تراش کر اپنے ذہن میں رسول کی حیثیت قائم کرنا چاہتی ہے۔ یاد رکھو یہ کبھی نہیں ہوگا۔ کبھی نہیں ہو گا۔ رسول کی معرفت تم کو لفظ رسول سے زیادہ صحیح کسی اور لفظ سے حاصل نہیں ہو سکتی۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی رسالت پر ایمان لانا ضروری ہے

عَنْ اَبِیْ ھُرَیْرَۃَؓ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ وَالَّذِیْ نَفْسُ مُحَمَّدٍ بِیَدِہٖ لَا یَسْمَعُ بِیْ اَحَدٌ مِّنْ ھٰذِہِ الْاُمَّۃِ یَھُوْدِیٌّ وَّلَا نَصْرَانِیٌّ وَّمَاتَ وَلَمْ یُؤْمِنْ بِالَّذِیْ اُرْسِلْتُ بِہٖ اِلَّا کَانَ مِنْ اَصْحَابِ النَّارِ (رواہ احمد ومسلم)

وَعَنْ اَبِیْ مُوْسَی الْاَشْعَرِیِّؓ عَنِ النَّبِیِّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ نَحْوَہٗ وَفِیْہِ لَمْ یَدْخُلِ الْجَنَّۃَ بَدَلَ قَوْلِہٖ اِلَّا کَانَ مِنْ اَصْحَابِ النَّارِ

ابوہریرہؓ روایت فرماتے ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے اس ذات کی قسم جس کے قبضہ میں محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کی جان ہے اس امت میں کوئی یہودی ایسا نہیں ہے اور نہ کوئی نصرانی جو میری خبر پائے پھر اس پر ایمان نہ لائے جو میں دے کر بھیجا گیا ہوں اور (اسی حال پر) مرجائے مگر وہ دوزخیوں میں ہوگا۔ (احمد و مسلم)

تشریح۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی رسالت پر ایمان لانا سب پر یکساں فرض ہے۔ یہود و نصاریٰ کا ذکر یہاں خاص طور پر اس لیے کیا گیا ہے کہ یہ اہل کتاب تھے۔ جب آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر ایمان لائے بغیر ان کی نجات نہیں ہو سکتی تو جن کے پاس کوئی آسمانی کتاب بھی نہیں ان کی نجات کیسے ہو سکتی ہے۔ نیز یہود و نصاریٰ کا یہ دعویٰ تھا کہ نجات صرف ان ہی کے لئے ہے اس لیے ان کو خبردار کرنا ضروری تھا کہ یہ خیال غلط ہے۔

عَنْ اَبِیْ ھُرَیْرَۃَؓ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ لَوْ اٰمَنَ بِیْ عَشَرَۃٌ مِّنْ اَحْبَارِ الْیَھُوْدِ لَاٰمَنَ بِیْ کُلُّ یَھُوْدِیٍّ عَلٰی وَجْہِ الْاَرْضِ قَالَ کَعْبٌ اِثْنَا عَشَرَ مِصْدَاقُھُمْ فِیْ سُوْرَۃِ الْمَائِدَۃِ (رواہ احمد والبخاری والبوحاتم)

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ روایت فرماتے ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا اگر یہود کے دس بڑے علماء مجھ پر ایمان لے آتے تو تمام یہود ایمان لے آتے۔ کعب رضی اللہ تعالیٰ عنہ کہتے ہیں (آپ نے دس نہیں فرمایا) بارہ (فرمایا ہے) جن کا مصداق سورۂ مائدہ میں موجود ہے۔ (امام احمد، بخاری، ابو حاتم)

تشریح۔ اس حدیث کو امام بخاریؒ نے بھی روایت کیا ہے مگر اس کے الفاظ یہ ہیں لو امن بی عشرۃ من الیھود لامن بی الیھود۔ اگر مجھ پر دس یہود ایمان لے آتے تو تمام یہود ایمان لے آتے۔ ان الفاظ پر یہ شبہ ہو سکتا ہے کہ بہت سے یہود آپ پر ایمان لا چکے تھے مگر اس کے باوجود پھر تمام یہود کا ایمان ثابت نہیں۔ مسند امام احمد کی اس روایت سے ظاہر ہوتا ہے کہ آپ کی مراد مطلق یہود نہ تھی بلکہ خاص ان کے علماء مراد تھے۔ اگر وہ ایمان لے آتے تو ان کی اتباع میں یقیناً بقیہ یہود بھی ایمان لے آتے جیسا کہ قبائل عرب بھی اسی کے منتظر تھے کہ قریش اسلام لے آئیں تو ان کی اتباع میں ہم بھی ایمان لے آئیں گے۔

حافظ ابن حجرؒ نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی مدینہ تشریف آوری کے وقت رؤسا یہود میں سے مشاہیر کے حسب ذیل اسماء لکھے ہیں۔ عبداللہ بن سلام، ابو یاسر بن اخطب، حیی بن اخطب، کعب بن الاشرف، رافع بن ابی الحقیق، عبداللہ بن حنیف، فنحاص، رفاعہ بن زید، زبیر بن باطیا، کعب بن اسد، شمویل بن زید وغیرہم ان میں صرف عبداللہ بن سلام کا اسلام ثابت ہے۔ سہیلی نے عبداللہ بن صوریا کا اسلام قبول کرنا بھی تسلیم کیا ہے مگر حافظ کو اس میں کلام ہے۔

کعب رضی اللہ عنہ اور ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کے درمیان یہاں یہ اختلاف ہے کہ آنحضرت نے علماء یہود میں دس کا عدد بیان فرمایا ہے یا بارہ کا۔ کعب کا رجحان دوسری جانب ہے اس کی تائید میں وہ قرآن کریم کی یہ آیت پیش کرتے ہیں جس میں نقباء یہود کا عدد بارہ ہی مذکور ہے۔ وَبَعَثْنَا مِنْهُمُ اثْنَيْ عَشَرَ نَقِيبًا (المائدہ: ۱۲)

یحییٰ بن سلام فرماتے ہیں کہ دونوں باتیں اپنی اپنی جگہ درست ہیں، ہو سکتا ہے کہ کعب رضی اللہ عنہ نے پورا عدد ذکر کیا ہو اور ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ نے صرف ان کا ذکر کیا ہو جو حلقہ اسلام میں داخل نہ ہوئے تھے۔ عبداللہ بن سلام اور مخیریق اسلام قبول کر چکے تھے۔ (فتح الباری ج ۷ باب اتیان الیھود النبی صلی اللہ علیہ وسلم۔) بہر حال خلاصہ حدیث یہ ہے کہ اگر کہیں اس وقت یہ دس بارہ احبار کفر اسلام قبول کر لیتے تو جو یہود ان کو رب کی جگہ سمجھے تھے تمام کے تمام اسلام میں داخل ہو جاتے مگر چونکہ اس قوم کے حق میں من حیث القوم اسلام مقدر نہ تھا اس لیے ان کے علماء کو بھی بہت کم اسلام کی توفیق میسر آئی۔

بظاہر اسی فطری شقاوت کی وجہ سے جب اس عام ہدایت کے وقت انہیں ایمان نصیب نہ ہوا تو عیسیٰ علیہ السلام کے نزول کے بعد بھی احادیث میں ان کی محرومی ہی کا پتہ ملتا ہے۔ اس وقت یہ فرقہ اکثر دجال کا متبع ہوگا البتہ عیسائی من حیث القوم اسلام کے حلقہ بگوش ہو جائیں گے اور دنیا کے خاتمہ سے پہلے پہلے وحدت جمیع ادیان کا اہم مقصد پورا ہو جائے گا۔ اسی کی طرف سورۂ نساء کی آیت وَإِنْ مِنْ أَهْلِ الْكِتَابِ إِلَّا لَيُؤْمِنَنَّ بِهِ قَبْلَ مَوْتِهِ (النساء: ۱۵۹) میں اشارہ کیا گیا ہے۔ اہل کتاب میں کوئی ایسا نہ ہوگا جو حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی طبعی موت سے پہلے ان پر ایمان نہ لے آئے گا۔

یہاں غرض صرف یہ ہے کہ اس حدیث کو آیت بالا کے ساتھ ربط ہے قرآن کریم بھی اہل کتاب کا عام طور پر ایمان لانا ذکر کرتا ہے مگر اس کو ایک خاص وقت پر معلق کرتا ہے اور حدیث بھی یہاں یہود کے عام ایمان کا ذکر کرتی ہے مگر اس کو ایک خاص شرط سے مقید کرتی ہے اس میں اشارہ ہے کہ ان دونوں فرقوں کا خواہ کریہ اسلام قبول کرے کا ایک دن بہر حال آخری دین یعنی اسلام میں داخل ہونا مقدر ہے۔

عَنْ رَبَاحِ بْنِ عَبْدِالرَّحْمٰنِ بْنِ حُوَيْطِبٍ قَالَ حَدَّثَتْنِيْ جَدَّتِيْ أَنَّهَا سَمِعَتْ أَبَاهَا يَقُوْلُ سَمِعْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُوْلُ لَا صَلٰوةَ لِمَنْ لَا وُضُوْءَ لَهٗ وَلَا وُضُوْءَ لِمَنْ لَمْ يَذْكُرِ اللّٰهَ تَعَالٰى وَلَا يُؤْمِنُ بِاللّٰهِ مَنْ لَمْ يُؤْمِنْ بِيْ وَلَا يُؤْمِنُ بِيْ مَنْ لَا يُحِبُّ الْأَنْصَارَ۔ (رواہ احمد والدار قطنی)

رباح بن عبدالرحمٰن روایت کرتے ہیں میری دادی نے فرمایا کہ انہوں نے اپنے والد کو فرماتے ہوئے سنا ہے کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو فرماتے ہوئے سنا ہے جس کا وضو نہیں اس کی نماز نہیں اور جو (شروع میں) خدا کا ذکر نہ کرے اس کا وضو نہیں اور جو مجھ پر ایمان نہ لائے اس کا خدا پر بھی ایمان نہیں اور جو انصار سے محبت نہ کرے اس کا مجھ پر بھی ایمان نہیں۔ (احمد، دار قطنی)

معلوم ہوتا ہے کہ مدار نجات ایمان باللہ اور ایمان بالغیبات ہے۔ غیبات سے مراد قیامت، فرشتے، جنت، دوزخ وغیرہ ہیں۔ انبیاء علیہم السلام ان ہی امور کی تعلیم و تشریح کے لئے تشریف لاتے ہیں۔ عقول انسانیہ ان امور کے صحیح ادراک سے قاصر ہیں اور اگر بہ ہزار دشواری ادراک کر بھی لیں تو وہ بھی ناتمام ادراک ہوگا اس لئے خدا کی رحمت نے اس کا بوجھ ہم پر نہیں ڈالا بلکہ فلاح و فوز کا راستہ بتلانے کا خود تکفل فرما لیا ہے۔ اس کے بعد ہمارا کام صرف اس بتائے ہوئے راستہ پر چلنا ہے چونکہ یہ ایمان انبیاء علیہم السلام کے بغیر میسر آ ہی نہیں سکتا اس لیے ایمان باللہ کے مفہوم میں رسولوں پر ایمان لانا خود بخود داخل ہو جاتا ہے اسی لیے احادیث میں اور کہیں کہیں آیات قرآنیہ میں صرف توحید کو مدار نجات ٹھیرایا گیا ہے۔ اس سے یہ شبہ نہیں ہونا چاہیے کہ صرف توحید موجب نجات ہو سکتی ہے۔ قرآن کریم نے تصنیف کی بجائے خطابت کا اسلوب اختیار کیا ہے اس لیے اس کا مفہوم سمجھنے کے لئے ایک خطیب کے انداز بیان کا تصور رکھنا چاہیے وہ جب کسی خاص ماحول میں گفتگو کرتا ہے تو بہت سے امور اس کے ذہن میں اور بہت سے متکلم و مخاطب کے دماغوں میں موجود ہوتے ہیں اور بہت سے اس کے طرز تکلم سے مفہوم ہوتے ہیں اور جب ان سب کو پیش نظر رکھا جاتا ہے تو اس کا کلام سمجھنے میں کوئی دشواری نہیں ہوتی یہاں خود رسول خدا کی طرف سے متکلم ہوتا ہے جب وہ بولتا ہے تو خدا تعالیٰ کا ایک ترجمان بن کر بولتا ہے، اس کی ہستی آنکھوں سے نظر آ رہی ہے اس لیے اسے اپنے بیان میں زور ان ہی باتوں پر دینا پڑتا ہے جو غائب اور غیر محسوس ہیں جب وہ آمنوا باللہ کا امر کرتا ہے تو یہ جانتا ہے کہ یہ حکم میری آواز پر جو مانے گا اس کو پہلے میرا ماننا لازم ہوگا۔ مخاطبین کو بھی کوئی ضد ہوتی ہے تو زیادہ تر اس کی شخصیت سے ہوتی ہے وہ بہت سے مسلمات کا اقرار کرتے ہیں تو اس ضد سے کہ اس کے منہ سے نکل رہے ہیں اسی لئے ایمان بالرسول جو درحقیقت ایمان باللہ کا ایک ذریعہ تھا اب ایک حیثیت میں رکن رکین اور اصل الاصول بن جاتا ہے۔ جس طرح ایمان میں اللہ اور رسول کے درمیان فرق کی گنجائش نہیں ایک کا منکر دوسرے کا منکر سمجھا جاتا ہے۔ اسی طرح رسولوں میں بھی باہمی یہی نسبت موجود ہے یعنی ایک کا منکر دوسرے کا منکر ہے یہاں ماضی و حال و مستقبل تینوں زمانے برابر ہیں حتیٰ کہ خود انبیاء علیہم السلام بھی اس وصف میں شریک ہیں۔ اعمال و اقوال کی صداقت ایمان کی صداقت پر موقوف ہے اور ایمان کی صداقت خدا اور اس کے رسولوں پر ایمان لانے سے مربوط ہے اس لیے ایمان بالرسول اور رسول کے فرمانے پر دوسرے رسولوں پر ایمان لانا مرکزی نقطہ بن جاتا ہے۔ اب آیات ذیل کو پڑھئے۔

(۱) إِنَّمَا الْمُؤْمِنُونَ الَّذِينَ آمَنُوا بِاللَّهِ وَرَسُولِهِ (النور: ۶۲) مومن دراصل وہی ہیں جو اللہ پر اور اس کے سب رسولوں پر ایمان لائے ہیں۔ (۲) إِنَّ الَّذِينَ يَكْفُرُونَ بِاللَّهِ وَرُسُلِهِ وَيُرِيدُونَ أَنْ يُفَرِّقُوا بَيْنَ اللَّهِ وَرُسُلِهِ وَيَقُولُونَ نُؤْمِنُ بِبَعْضٍ وَنَكْفُرُ بِبَعْضٍ الخ أُولَٰئِكَ هُمُ الْكَافِرُونَ حَقًّا (النساء: ۱۵۰،۱۵۱) جو لوگ اللہ اور اس کے رسولوں سے منکر ہوتے اور چاہتے ہیں کہ اللہ اور اس کے رسولوں کے درمیان فرق کریں اور کہتے ہیں کہ ہم کسی پر ایمان لائیں گے اور کسی کا انکار کریں گے ایسے ہی لوگ اصلی کافر ہیں۔ (۳) وَمَنْ يَكْفُرْ بِاللَّهِ وَمَلَائِكَتِهِ وَكُتُبِهِ وَرُسُلِهِ وَالْيَوْمِ الْآخِرِ فَقَدْ ضَلَّ ضَلَالًا بَعِيدًا

(النساء: ۱۳۶) جو انکار کرے اللہ تعالیٰ کا اور اس کے فرشتوں کا اور رسولوں اور قیامت کے دن کا وہ گمراہی میں بہت دور نکل گیا۔

پہلی آیت میں اللہ اور اس کے رسولوں پر بلا تفریق ایمان لانے کا امر ہے دوسری آیت میں ان کے درمیان فرق کرنے

والے کو اصلی کافر کہا گیا ہے اور تیسری آیت میں ایمان میں فرشتوں اور یوم آخر کو بھی شامل کر لیا گیا ہے اب صرف کسی ایک آیت کو لے کر ایمان کی بحث کا فیصلہ کر ڈالنا کیسے صحیح ہو سکتا ہے۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کے دین کی مثال

عَنْ جَابِرِ بْنِ عَبْدِاللّٰہِؓ قَالَ جَاءَتْ مَلَائِكَةٌ إِلَى النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَهُوَ نَائِمٌ فَقَالَ بَعْضُهُمْ إِنَّهُ نَائِمٌ وَقَالَ بَعْضُهُمْ إِنَّ الْعَيْنَ نَائِمَةٌ وَالْقَلْبَ يَقْظَانُ فَقَالُوْا إِنَّ لِصَاحِبِكُمْ هٰذَا مَثَلًا فَاضْرِبُوْا لَهُ مَثَلًا فَقَالَ بَعْضُهُمْ إِنَّهُ نَائِمٌ وَقَالَ بَعْضُهُمْ إِنَّ الْعَيْنَ نَائِمَةٌ وَالْقَلْبَ يَقْظَانُ فَقَالُوْا مَثَلُهُ كَمَثَلِ رَجُلٍ بَنٰى دَارًا وَجَعَلَ فِيْهَا مَأْدُبَةً وَبَعَثَ دَاعِيًا فَمَنْ أَجَابَ الدَّاعِيَ دَخَلَ الدَّارَ وَأَكَلَ مِنَ الْمَأْدُبَةِ وَمَنْ لَمْ يُجِبِ الدَّاعِيَ لَمْ يَدْخُلِ الدَّارَ وَلَمْ يَأْكُلْ مِنَ الْمَأْدُبَةِ فَقَالُوْا أَوِّلُوْهَا لَهُ يَفْقَهْهَا فَقَالَ بَعْضُهُمْ إِنَّهُ نَائِمٌ وَقَالَ بَعْضُهُمْ إِنَّ الْعَيْنَ نَائِمَةٌ وَالْقَلْبَ يَقْظَانُ فَقَالُوْا الدَّارُ الْجَنَّةُ وَالدَّاعِيْ مُحَمَّدٌ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَمَنْ أَطَاعَ مُحَمَّدًا صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقَدْ أَطَاعَ اللّٰهَ وَمَنْ عَصٰى مُحَمَّدًا صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقَدْ عَصَى اللّٰهَ عَزَّوَجَلَّ وَمُحَمَّدٌ فَرْقٌ بَيْنَ النَّاسِ (متفق علیہ)

جابر رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں چند فرشتے حاضر ہوئے اس وقت آپ (صلی اللہ علیہ وسلم) سو رہے تھے ان میں سے کسی نے کہا آپ (صلی اللہ علیہ وسلم) سوتے ہیں اور کسی نے کہا آنکھ سوتی ہے مگر دل جاگتا ہے پھر کہنے لگے تمہاری اس بزرگ ہستی (صلی اللہ علیہ وسلم) کے لئے ایک مثال ہے، اس مثال کو بیان کرو اس پر کسی نے کہا وہ سوتے ہیں اور کسی نے کہا آنکھ سوتی ہے مگر دل جاگتا ہے۔ پھر وہ کہنے لگے ان کی مثال ایسی ہے جیسے ایک شخص نے مکان بنایا اور اس میں دعوت کا انتظام کیا پھر ایک بلانے والے کو بھیجا۔ جس نے اس بلانے والے کی بات مانی وہ مکان میں آ گیا اور دعوت کا کھانا بھی کھایا اور جس نے اس بلانے والے کی بات نہ مانی وہ نہ مکان میں آیا اور نہ طعام دعوت کھایا۔ پھر انہوں نے کہا اس مثال کی توضیح بھی کر دو تا کہ آپ (صلی اللہ علیہ وسلم) اس کو صاف صاف سمجھ لیں تو بعض نے کہا یہ سوتے ہیں اور بعض نے کہا آنکھ سوتی ہے مگر دل بیدار ہے پھر کہنے لگے وہ مکان جنت ہے اور بلانے والے حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم ہیں۔ جس نے محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی اطاعت کی اس نے خدا کی اطاعت کی اور جس نے محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی نافرمانی کی اس نے خدائے عزوجل کی نافرمانی کی۔ محمد صلی اللہ علیہ وسلم لوگوں میں نیک و بد کو جدا جدا تمیز کر دینے والے ہیں۔ (یہ حدیث متفق علیہ ہے)

تشریح۔ عالم غیب میں تفہیم کا یہ بھی ایک طریقہ ہے۔ یہاں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی قلبی بیداری کو تین بار مکرر کیا گیا ہے اسی بنا پر انبیاء علیہم السلام کے خواب کو وحی کہا جاتا ہے۔ جب انبیاء علیہم السلام کی نوم کا حال یہ ہے تو ان کی موت کا حال اسی سے قیاس کر لینا چاہئے۔ یعنی کیا وہ موت کے بعد عام ارواح کی طرح بیکار و معطل ہو سکتے ہیں یا ان کا ادراک و شعور، فہم و احساس اپنی جگہ بحال رہتا ہے۔ اس مثال میں یہ ذہن نشین کرنا منظور ہے کہ فوز و فلاح کا راز صرف آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی پیروی میں منحصر ہے۔ نیز یہ متنبہ کرنا بھی مقصود ہے کہ آپ کی نافرمانی کر کے خدا کی فرمانبرداری کا دعویٰ کرنا غلط ہے۔

فرق کو بعض نے بصیغہ ماضی کہا ہے اور بعض نے بسکون راءمصدر بمعنی فارق (فرق کرنے والے) پڑھا ہے بہرحال یہ بھی انبیاء علیہم السلام کی بعثت کا ایک اہم مقصد ہے کہ مطیع و عاصی، مؤمن و کافر کا گروہ علیحدہ علیحدہ کر دیں۔

عَنْ اَبِیْ مُوْسٰیؓ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ اِنَّمَا مَثَلِیْ وَمَثَلُ مَا بَعَثَنِیَ اللّٰہُ بِہٖ کَمَثَلِ رَجُلٍ اَتٰی قَوْمًا فَقَالَ یَا قَوْمِ اِنِّیْ رَاَیْتُ الْجَیْشَ بِعَیْنَیَّ وَاِنِّیْ اَنَا النَّذِیْرُ الْعُرْیَانُ فَالنَّجَاۃَ النَّجَاۃَ فَاَطَاعَہٗ طَائِفَۃٌ مِّنْ قَوْمِہٖ فَاَدْلَجُوْا فَانْطَلَقُوْا عَلٰی مَھَلِھِمْ فَنَجَوْا وَکَذَّبَتْ طَائِفَۃٌ مِّنْھُمْ فَاَصْبَحُوْا مَکَانَھُمْ فَصَبَّحَھُمُ الْجَیْشُ فَاَھْلَکَھُمْ وَاجْتَاحَھُمْ فَذٰلِکَ مَثَلُ مَنْ اَطَاعَنِیْ فَاتَّبَعَ مَا جِئْتُ بِہٖ وَمَثَلُ مَنْ عَصَانِیْ وَکَذَّبَ مَا جِئْتُ بِہٖ مِنَ الْحَقِّ (متفق علیہ)

ابوموسیٰ رضی اللہ تعالیٰ عنہ روایت فرماتے ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا ہے میری اور اس دین کی مثال جو خدا نے مجھے دے کر بھیجا ہے اس شخص کی سی ہے جو اپنی قوم کے پاس آیا اور کہا اے میری قوم میں نے دشمن اپنی دونوں آنکھوں سے دیکھا ہے اور میں ایک سچا ڈرانے والا ہوں لہٰذا نجات کی فکر کرو اس پر اس کی قوم میں کسی نے تو اس کا کہنا مانا اور آہستہ آہستہ شروع رات میں ہی چل پڑے اور دشمن سے نجات پاگئے اور کسی نے اس کو جھوٹا سمجھا اور اپنے بستروں پر صبح تک پڑے سوتے رہے دشمن کا لشکر صبح صبح ان پر ٹوٹا اور ان کو تباہ و برباد کر ڈالا بس ٹھیک یہی مثال ہے اس شخص کی جس نے میری بات مان لی اور میرے لائے ہوئے دین کی پیروی کی اور اس شخص کی جس نے میری بات نہ مانی اور اس سچائی کو جھٹلا دیا جو میں اپنے ساتھ لایا ہوں۔ (متفق علیہ)

تشریح۔ عرب میں غارت گری کے لئے بیشتر صبح کا وقت ہی مقرر تھا اسی لیے جس کو وہ دعا دیتے یہی دعا دیتے کہ خدا تیری صبح اچھی رکھے۔ اسی طرح ان کا دستور تھا کہ جب کوئی شخص دشمن دیکھ پاتا تو اپنے کپڑے اتار کر کسی اونچی جگہ ان کو ہلاتا تاکہ یہ وحشت ناک صورت دیکھ کر لوگ دشمن کی آمد کا یقین کرلیں اور دشمن کے پہنچنے سے قبل ہوشیار ہو جائیں چنانچہ اس کی خبر بھی چشم دید اور سچی سمجھی جاتی تھی۔ اسی لیے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی اپنے آپ کو "النذیر العریان" سے تعبیر فرمایا ہے، جن خوش نصیبوں نے آپ کے فرمان کو مان لیا خدا کے عذاب سے نجات پائی اور جنہوں نے آپ کی بات پر کان نہ دھرا اور کفر میں عمر گذار دی اور مر گئے عذاب الٰہی نے انہیں آ پکڑا اور موت ابدی میں دھکیل دیا۔

عَنْ اَبِیْ ھُرَیْرَۃَؓ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ مَثَلِیْ کَمَثَلِ رَجُلٍ اسْتَوْقَدَ نَارًا فَلَمَّا اَضَاءَتْ مَا حَوْلَھَا جَعَلَ الْفَرَاشُ وَھٰذِہِ الدَّوَابُّ الَّتِیْ تَقَعُ فِی النَّارِ یَقَعْنَ فِیْہِ وَجَعَلَ یَحْجُزُھُنَّ وَیَغْلِبْنَہٗ فَیَتَقَحَّمْنَ فِیْھَا فَاَنَا اٰخُذُ بِحُجَزِکُمْ عَنِ النَّارِ وَاَنْتُمْ تَقَحَّمُوْنَ فِیْھَا ھٰذِہٖ رِوَایَۃُ الْبُخَارِیِّ وَلِمُسْلِمٍ نَحْوُھَا وَقَالَ فِیْ اٰخِرِھَا قَالَ فَذٰلِکَ مَثَلِیْ وَمَثَلُکُمْ اَنَا اٰخِذٌ بِحُجَزِکُمْ عَنِ النَّارِ ھَلُمَّ عَنِ النَّارِ ھَلُمَّ عَنِ النَّارِ فَتَغْلِبُوْنِیْ تَقَحَّمُوْنَ فِیْھَا (متفق علیہ)

ابوہریرہؓ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کرتے ہیں کہ آپ نے فرمایا ہے میری مثل اس شخص کی سی ہے جس نے آگ روشن کی جب اس نے اردگرد کو خوب روشن کر دیا تو پروانے اور یہ کیڑے جو آگ میں گرا کرتے ہیں اس میں گرنے لگے

والے کہ انہیں روک رہا ہے، یہ ہیں کہ اسے عاجز کر کے اس میں گھسے جا رہے ہیں۔ اسی طرح میں بھی ہوں کہ تمہاری کمر پکڑ پکڑ کر تمہیں دوزخ سے بچا رہا ہوں اور تم ہو کہ اس میں گھسے جاتے ہو۔ یہ روایت بخاری کی ہے اور مسلم نے بھی اسی کے ہم معنی روایت کی ہے۔ اس کے آخر میں یہ الفاظ ہیں کہ میری اور تمہاری مثال یہ ہے میں تمہاری کمر پکڑے ہوئے (کہہ رہا) ہوں دوزخ سے بچو، دوزخ سے بچو، تم مجھے عاجز کر کے اس میں گھسے جاتے ہو۔ (یہ حدیث متفق علیہ ہے)

تشریح۔ دنیا کے نا سمجھ انسانوں اور رسول خدا کی انتہائی محبت و خیر خواہی کا جو نقشہ اس مثال میں کھینچا گیا ہے اس سے زیادہ سچے اور موثر انداز میں کھینچنا ناممکن ہے۔ نہ پروانوں کو اپنا کوئی ہوش ہوتا ہے جتنا آج دنیا کے کفر کو روز قیامت کا فکر ہے جن کی وارفتگی سے ان جان قربان کرنے والوں پر سب سے زیادہ رحم کھانے والا پکار رہا ہے کہ تم آگ میں جا رہے ہو کوئی نصیب والا ہو گا جو اس کی آواز سنے گا۔

عَنْ اَبِیْ مُوْسٰی قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ مَثَلُ مَا بَعَثَنِیَ اللّٰہُ بِہٖ مِنَ الْھُدٰی وَالْعِلْمِ کَمَثَلِ الْغَیْثِ اَصَابَ اَرْضًا فَکَانَتْ مِنْھَا طَائِفَۃٌ طَیِّبَۃٌ قَبِلَتِ الْمَاءَ فَاَنْبَتَتِ الْکَلَاءَ وَالْعُشْبَ الْکَثِیْرَ وَکَانَتْ مِنْھَا اَجَادِبُ اَمْسَکَتِ الْمَاءَ فَنَفَعَ اللّٰہُ بِھَا النَّاسَ فَشَرِبُوْا وَسَقَوْا وَزَرَعُوْا وَاَصَابَ مِنْھَا طَائِفَۃً اُخْرٰی اِنَّمَا ھِیَ قِیْعَانٌ لَا تُمْسِکُ مَاءً وَلَا تُنْبِتُ کَلَاءً فَذٰلِکَ مَثَلُ مَنْ فَقُہَ فِیْ دِیْنِ اللّٰہِ وَنَفَعَہٗ مَا بَعَثَنِیَ اللّٰہُ بِہٖ فَعَلِمَ وَعَلَّمَ وَمَثَلُ مَنْ لَّمْ یَرْفَعْ بِذٰلِکَ رَاْسًا وَلَمْ یَقْبَلْ ھُدَی اللّٰہِ الَّذِیْ اُرْسِلْتُ بِہٖ (متفق علیہ)

ابو موسیٰ رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا ہے جو ہدایت اور دین کہ اللہ تعالیٰ نے مجھے دے کر بھیجا ہے اس کی مثال بارش کی سی ہے جو زمین پر برسی اس زمین کے ایک حصے نے جو بہت عمدہ تھا خوب پانی پیا گھاس اور سبزہ خوب اگایا اور ایک حصہ جو بنجر تھا اس نے وہ پانی جمع کر لیا تو اس کے ذریعہ سے بھی اللہ تعالیٰ نے دوسرے لوگوں کو نفع پہنچایا انہوں نے خود پانی پیا اور اپنے جانوروں کو پلایا اور کاشت کی لیکن زمین کا ایک حصہ تھا جو چٹیل میدان تھا نہ پانی کو روکے نہ گھاس اگائے۔ یہی مثال اس شخص کی ہے جس نے خدا کے دین کی سمجھ حاصل کی اور اللہ تعالیٰ نے اس دین سے اس کو نفع دیا اس نے خود سیکھا اور دوسروں کو سکھایا اور اس شخص کی مثال جس نے ادھر سر اٹھا کر بھی نہ دیکھا اور اس ہدایت کو قبول نہ کیا جس کو مجھے دے کر بھیجا گیا تھا۔ (یہ حدیث متفق علیہ ہے)

تشریح۔ یہاں زمین کی مفصل اقسام اور لوگوں کی مکمل تقسیم پھر ان میں پوری پوری مطابقت بیان کرنا مقصود نہیں بلکہ اجمالاً یہ سمجھانا مقصود ہے کہ جس طرح دنیا میں بارش کے پانی سے بعض زمین نفع اٹھاتی ہے اور بعض نفع نہیں اٹھاتی اور جو نفع نہیں اٹھاتی یہ اسی کی خرابی کی دلیل ہوتی ہے۔ اسی طرح وحی الٰہی کی بارش ہے بعض قلوب اس سے نفع اٹھاتے ہیں، ہدایت کا بیج ان میں اسی طرح پھولنے پھلنے لگتا ہے جیسا کہ اچھی زمین میں کھیتی اور بعض ایسے اوندھے ہوتے ہیں کہ چٹیل میدان کی طرح نہ اس قابل ہوتے ہیں کہ خود کوئی نفع حاصل کریں اور نہ ان میں یہی قابلیت ہوتی ہے کہ اس پانی کو صرف روک لیں کہ کم از کم دوسرے ہی اس سے فائدہ حاصل کر لیں۔ یہ بھی نفع کی ایک صورت تھی۔

عَنْ رَبِیْعَۃَ الْجُرَشِیِّ رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہُ قَالَ اُتِیَ النَّبِیُّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ فَقِیْلَ لَہٗ لِتَنَمْ عَیْنُکَ وَلْتَسْمَعْ اُذُنُکَ وَلْیَعْقِلْ قَلْبُکَ قَالَ فَنَامَتْ عَیْنِیْ وَسَمِعَتْ اُذُنَایَ وَعَقَلَ قَلْبِیْ قَالَ فَقِیْلَ لِیْ

سَيِّدٌ بَنٰى دَارًا فَصَنَعَ مَأْدُبَةً وَاَرْسَلَ دَاعِيًا فَمَنْ اَجَابَ الدَّاعِىَ دَخَلَ الدَّارَ وَاَكَلَ مِنَ الْمَأْدُبَةِ وَرَضِىَ عَنْهُ السَّيِّدُ وَمَنْ لَّمْ يُجِبِ الدَّاعِىَ لَمْ يَدْخُلِ الدَّارَ وَلَمْ يَأْكُلْ مِنَ الْمَأْدُبَةِ وَسَخِطَ عَلَيْهِ السَّيِّدُ قَالَ فَاللّٰهُ السَّيِّدُ وَمُحَمَّدٌ الدَّاعِىْ وَالدَّارُ الْاِسْلَامُ وَالْمَأْدُبَةُ الْجَنَّةُ (رواہ الدارمی)

ربیعہ جرشیؓ روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں ایک فرشتہ حاضر ہوا اور اس نے عرض کیا: چاہیے کہ آپ کی آنکھیں سو جائیں (اور کسی طرف نہ دیکھیں) اور آپ کے کان (میری بات) سنیں اور آپ کا دل (متوجہ ہو کر) سمجھے۔ آپ نے فرمایا کہ میری آنکھیں (تمام محسوسات کی طرف سے) سو گئیں میرے کان سننے کے لئے تیار اور دل سمجھنے کے لئے ہوشیار ہو گیا آپ فرماتے ہیں پھر فرشتے نے کہا ایک سردار ہے اس نے ایک گھر بنایا اور دعوت کا انتظام کیا اور ایک بلانے والا بھیجا اب جس نے اس کی دعوت کو سنا اور مانا وہ اس گھر میں آ گیا اور دعوت بھی کھائی سردار اور مالک مکان بھی اس سے خوش ہوا اور جس نے اس بلانے والے کی بات نہ مانی وہ نہ تو گھر میں آیا اور نہ اس نے دعوت کا کھانا کھایا اور مالک مکان اس پر ناراض ہوا اس کے بعد اس کی توضیح کی کہ مالک مکان تو اللہ ہے اور اس کے منادی اور بلانے والے محمد صلی اللہ علیہ وسلم ہیں وہ گھر اسلام کا گھر ہے اور وہ دعوت جنت (اور اس کی نعمتیں) ہیں۔ (دارمی)

تشریح: اس باب کی پہلی حدیث میں جنت کو گھر کہا گیا تھا اور یہاں اسلام کو گھر کہا گیا ہے اور جنت کو طعام دعوت قرار دیا گیا ہے اس میں کوئی اختلاف نہیں۔ دونوں مثالوں کا مشترک نتیجہ ایک ہی ہے۔ یہاں ہر ہر جزو کی تشبیہ مقصود نہیں ہے۔ نیز اسلام چونکہ جنت میں داخل ہونے کا واحد سبب ہے اس لیے اس کو عین سبب اور مجازاً گھر کہہ دینا بھی درست ہے۔ بہر حال ان سب مثالوں اور کہاوتوں میں یہی سمجھایا گیا ہے کہ جنت کا گھر پیغمبر آپ کی تصدیق اور پیروی کے بغیر نہیں ملے گا۔

عَنِ ابْنِ مَسْعُوْدٍ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ ضَرَبَ اللّٰهُ مَثَلًا صِرَاطًا مُّسْتَقِيْمًا وَعَنْ جَنْبَتَيِ الصِّرَاطِ سُوْرَانِ فِيْهِمَا اَبْوَابٌ مُّفَتَّحَةٌ وَعَلَى الْاَبْوَابِ سُتُوْرٌ مُّرْخَاةٌ وَعِنْدَ رَاْسِ الصِّرَاطِ دَاعٍ يَقُوْلُ اسْتَقِيْمُوْا عَلَى الصِّرَاطِ وَلَا تَعْوَجُّوْا وَفَوْقَ ذٰلِكَ دَاعٍ يَدْعُوْ كُلَّمَا هَمَّ عَبْدٌ اَنْ يَّفْتَحَ شَيْئًا مِّنْ تِلْكَ الْاَبْوَابِ قَالَ وَيْحَكَ لَا تَفْتَحْهُ فَاِنَّكَ اِنْ تَفْتَحْهُ تَلِجْهُ ثُمَّ فَسَّرَهُ فَاَخْبَرَ اَنَّ الصِّرَاطَ هُوَ الْاِسْلَامُ وَاَنَّ الْاَبْوَابَ الْمُفَتَّحَةَ مَحَارِمُ اللّٰهِ وَاَنَّ السُّتُوْرَ الْمُرْخَاةَ حُدُوْدُ اللّٰهِ وَاَنَّ الدَّاعِىَ عَلٰى رَاْسِ الصِّرَاطِ هُوَ الْقُرْاٰنُ وَاَنَّ الدَّاعِىَ مِنْ فَوْقِهٖ هُوَ وَاعِظُ اللّٰهِ فِىْ قَلْبِ كُلِّ مُؤْمِنٍ (رواہ رزین واحمد)

ابن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک مثال بیان فرمائی، ایک سیدھی راہ ہے اس کے دونوں طرف دو دیواریں ہیں، ان دیواروں میں کھلے ہوئے دروازے ہیں، دروازوں پر پردے پڑے ہوئے ہیں اور اس راہ کے سرے پر ایک پکارنے والا پکار رہا ہے (اے چلنے والو) اس رستہ پر سیدھے چلے جاؤ اور دائیں بائیں کہیں رخ نہ کرو، اس پکارنے والے سے پہلے ایک اور پکارنے والا ہے جب بندہ ان دروازوں میں کسی دروازہ کو کھولنے کا ارادہ کرتا ہے تو وہ کہتا

ہے او بخت اسے کھول مت اگر کھولے گا تو اس میں ضرور داخل بھی ہوگا۔ پھر اس مثال کی خود توضیح کی، یہ سیدھی راہ تو اسلام ہے اور کھلے ہوئے دروازے خدا کی حرام کردہ چیزیں ہیں اور اس پر لٹکے ہوئے پردے خدا کی بیان کردہ حدود ہیں اور راہ کے سرے کا داعی قرآن ہے اور اس سے پہلا داعی خدا کا ناصح ہے جو ہر مومن کے قلب میں موجود ہے۔ (رزین، احمد)

تشریح۔ حدیث کا حاصل یہ ہے کہ محرمات شرعیہ میں فطرت انسانی کے لئے ایسی کشش ہے کہ جو اس طرف نظر بھی اٹھائے گا وہ ضرور مبتلا ہو کر رہے گا اس لیے سلامتی کی راہ یہ ہے کہ خدا کی قائم کردہ حدود سے دور ہی دور رہے تاکہ محرمات شرعیہ کی بو بھی نہ پاس آنے پائے۔ قرآن کریم خدا کا داعی کھلم کھلا پکار رہا ہے اور واعظ اللہ لمۃ ملکی ہے یعنی وہ داعیہ خیر ہے جو ظاہری قوتوں سے پہلے انسان کو خیر و نصیحت کی دعوت دیا کرتا ہے بعض فرماتے ہیں کہ لٹکے ہوئے پردے وہ امور ہیں جن میں دلائل کے تعارض یا کسی ابہام کی وجہ سے کوئی شبہ رہ جاتا ہے یہاں شرعی ہدایت یہ ہے کہ ان سے دور ہی رہنا چاہیے تاکہ اشتباہ کی احتمالی مضرت سے بھی حفاظت رہے اسی کو قرآن کریم نے ان الفاظ میں بیان کیا ہے تِلْكَ حُدُوْدُ اللّٰهِ فَلَا تَقْرَبُوْهَا (البقرة: ١٨٧) یہ خدا کی حدود ہیں لہٰذا ان کے قریب بھی نہ آؤ۔

ایک ضعیف انسان کے لئے یہ امتحان کم نہیں کہ اس کی پیاسی نظروں کے سامنے رنگین نظارے ہوں اور ان پر صرف ایک پردہ ڈال کر ان کی دید سے اس کو روکا جائے خانہ محرمات کی رنگینی ہی خود ایک بلا تھی اس پر نظر اٹھانے کی ممانعت یہ دوسری بلا ہے، جو اس کے لئے اور موجب اشتیاق بن رہی ہے مگر اس کے ساتھ اگر غور کرو تو بات کچھ مشکل بھی نہیں، اندرونی و بیرونی دو دو پہرہ دار ساتھ ہیں جو سمجھاتے جا رہے ہیں۔ نظر فریبی کے سامان گو موجود ہیں مگر ان پر پردے پڑے ہوئے ہیں۔ اس لیے اگر تمام شریعت کا خلاصہ سمجھنا چاہو تو ایک حرف ہے یعنی "ضبط نفس" عبادات، معاملات، عقوبات، معیشت اور اخلاقیات کے جتنے بھی احکام ہیں وہ اسی ایک حرف کی تفصیلات اور عملی ٹریننگ ہیں۔ جس کو ضبط نفس کی عادت پڑ گئی اس کو شریعت پر عمل کرنا آسان ہو گیا اور جس نے اپنے نفس کو آزادی کا خوگر بنا لیا اس نے آسان شریعت کو خود اپنے لیے مشکل بنا لیا۔

عَنْ عَبْدِاللّٰهِ بْنِ مَسْعُوْدٍ قَالَ خَطَّ لَنَا رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ خَطًّا ثُمَّ قَالَ هٰذَا سَبِيْلُ اللّٰهِ ثُمَّ خَطَّ خُطُوْطًا عَنْ يَمِيْنِهِ وَعَنْ شِمَالِهِ وَقَالَ هٰذِهِ سُبُلٌ عَلٰى كُلِّ سَبِيْلٍ مِنْهَا شَيْطَانٌ يَدْعُوْا إِلَيْهِ وَقَرَأَ وَأَنَّ هٰذَا صِرَاطِيْ مُسْتَقِيْمًا فَاتَّبِعُوْهُ (الانعام: ۱۵۳) (رواہ احمد والنسائی والدارمی)

ابن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ہمارے سامنے ایک خط کھینچا اور فرمایا کہ یہ تو اللہ کی طرف جانے والا راستہ ہے پھر اس خط کے داہیں بائیں اور خطوط نکالے اور فرمایا یہ اور راستے ہیں ان میں ہر راستہ پر ایک شیطان ہے جو اپنی طرف بلاتا ہے اس کے بعد یہ آیت پڑھی ان ھذا الخ یہ میرا سیدھا راستہ ہے لہٰذا اسی پر چلو۔

تشریح۔ یہ حدیث پہلی حدیث کے ہم معنی ہے۔ یہاں اگر شیطانی دعوت کا ذکر ہے تو پہلی حدیث میں واعظ اللہ اور قرآن کریم کی دعوتوں کا تذکرہ آ چکا ہے۔ اس حدیث سے یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ حق کی راہ صرف ایک راہ ہے جس میں

کوئی ناہمواری، نشیب و فراز نہیں ہے اور گمراہی کی راہیں بہت ہیں اور وہ بھی پرخم اور پرپیچ ہیں صرف نفسانی حرص اور طبعی انجذاب ان کو سیدھا دکھلاتا ہے راہ مستقیم پر گامزن ہونے میں اگر کوئی اندرونی اضطراب محسوس ہو تو وہ راہ کی ناہمواری نہیں بلکہ چاروں طرف سے دعوت شیطانی کے اثرات ہیں جتنا ادھر کان لگاؤ گے اس اضطراب میں اضافہ ہوتا رہے گا اور جتنا ان سے غافل رہو گے اسی قدر اپنے قلب میں اطمینان و سکون دیکھو گے۔

حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی اتباع کی اہمیت

عَنْ جَابِرِ بْنِ عَبْدِاللّٰہِؓ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ لَا تَسْأَلُوْا اَھْلَ الْکِتَابِ عَنْ شَیْءٍ فَاِنَّھُمْ لَنْ یَّھْدُوْکُمْ وَقَدْ ضَلُّوْا فَاِنَّکُمْ اِمَّا اَنْ تُصَدِّقُوْا بِبَاطِلٍ اَوْ تُکَذِّبُوْا بِحَقٍّ فَاِنَّہٗ لَوْ کَانَ مُوْسٰی حَیًّا بَیْنَ اَظْھُرِکُمْ مَا حَلَّ لَہٗ اِلَّا اَنْ یَّتَّبِعَنِیْ۔ (رواہ احمد وابن ابی شیبہ والبزار)

جابرؓ روایت کرتے ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اہل کتاب سے دین کی کوئی بات مت پوچھا کرو کیونکہ جو خود گمراہ ہو چکے ہیں وہ بھلا تمہیں کیا راہ دکھلائیں گے اگر تم ان کی تصدیق کرتے ہو تو احتمال ہے کہ تم کسی غلط بات کی تصدیق کر بیٹھو اور اگر تکذیب کرتے ہو تو ممکن ہے کہ کسی حق بات کی تکذیب کر دو آج وہ زمانہ ہے کہ اگر خود موسیٰ علیہ السلام تم میں زندہ موجود ہوتے تو انہیں بھی سوائے میری پیروی کے تورات کی پیروی کرنا حلال نہ ہوتا۔ (امام احمد، ابن ابی شیبہ، بزار)

تشریح۔ یہاں امت کے سامنے ایک اصولی مسئلہ رکھا گیا ہے اور وہ یہ کہ جب تمہارے عمل کے لئے ایک شریعت آ چکی ہے تو اب پہلی شریعت سے بحث کرنا یہ غلط ہے، ظاہر ہے کہ اگر پہلی شریعت کو قائم رکھنا منظور ہوتا تو ضرور اس کو محفوظ بھی رکھا جاتا لیکن جب اس کو محفوظ نہیں رکھا گیا تو معلوم ہو گیا کہ آئندہ قدرت کو اس پر عمل درآمد بھی منظور نہ تھا۔ شریعت سماویہ گو سب حق تھیں مگر تحریف کے بعد ان میں بہت سا باطل کا حصہ داخل ہو چکا ہے جو نامعلوم ہے اب اس سے بحث کا حاصل یہی ہے کہ اگر تصدیق کرتے ہو تو باطل کی تصدیق کا احتمال اور تکذیب کرتے ہو تو حق کی تکذیب کا احتمال باقی رہتا ہے اس لیے جب عمل کے لئے ایک راہ موجود ہے تو پھر اس گرداب میں پھنسنے کی ضرورت ہی کیا ہے۔ اور اگر تسلیم بھی کر لیا جائے کہ ان میں تحریف نہیں ہوئی تو بھی ہر صداقت پر عمل کرنا اسی وقت موجب نجات ہو سکتا ہے جب وہ وقت کی شریعت بھی ہو اگر اس کی بجائے دوسری شریعت آ چکی ہے تو اب پہلی صداقت پر عمل کرنا وقتی شریعت کی توہین ہوگی۔ اگر دین صرف اپنی رائے پر ہوتا تو شریعت کی حاجت نہ تھی اور جب شریعت کی ضرورت تسلیم ہے تو صرف کسی صداقت کا صداقت ہونا نجات کے لئے کافی نہیں جب تک اس کا وقتی شریعت ہونا بھی ثابت نہ ہو جائے ہر صداقت کا شریعت ہونا کوئی لازمی امر نہیں ہاں ہر شریعت کا صداقت پر مبنی ہونا ضروری ہے اس لیے یہ محض ایک بے بنیاد خیال ہے کہ جب سب ادیان سماویہ حق ہیں تو ان پر عمل کرنا بھی ہمیشہ نجات کے لئے کافی ہونا چاہئے۔ جس دور میں خود موسیٰ علیہ السلام کو وقت کی صداقت پر عمل کرنا ضروری ہو اس میں ان کی کتاب کا تذکرہ کرنا کیا معنی رکھتا ہے۔ دراصل اس بحث کا منشاء انکار نسخ ہے ملل سماویہ کا منسوخ ہونا ایک مسلم مسئلہ ہے علماء کو اگر بحث ہے تو دین اسلام کے احکام کے نسخ میں ہے۔ نیز دیگر ادیان سماویہ کے عقائد و اصول کا باقی رہنا بھی دوسری بات ہے۔

وَعَنْهُ اَیْضًا اَنَّ عُمَرَ بْنَ الْخَطَّابِ اَتَی النَّبِیَّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ بِکِتَابٍ اَصَابَہٗ مِنْ بَعْضِ اَھْلِ الْکِتَابِ فَقَرَاَہُ النَّبِیُّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ فَغَضِبَ فَقَالَ اَمُتَھَوِّکُوْنَ فِیْھَا یَا ابْنَ الْخَطَّابِ؟ وَالَّذِیْ نَفْسِیْ بِیَدِہٖ لَقَدْ جِئْتُکُمْ بِھَا بَیْضَاءَ نَقِیَّۃً لَا تَسْاَلُوْھُمْ عَنْ شَیْءٍ فَیُخْبِرُوْکُمْ بِحَقٍّ فَتُکَذِّبُوْا بِہٖ اَوْ بِبَاطِلٍ فَتُصَدِّقُوْا بِہٖ وَالَّذِیْ نَفْسِیْ بِیَدِہٖ لَوْ اَنَّ مُوْسٰی کَانَ حَیًّا مَا وَسِعَہٗ اِلَّا اَنْ یَّتَّبِعَنِیْ۔ (رواہ احمد وابن ماجہ)

جابرؓ روایت فرماتے ہیں کہ عمرؓ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس ایک کتاب لائے جو انہوں نے کسی اہل کتاب سے لی تھی اس کو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے پڑھا تو ناراض ہوئے اور فرمایا کہ اے ابن الخطاب کیا اپنے دین کے معاملہ میں تم لوگ بھی کچھ حیرت میں مبتلا ہو۔ اس خدا کی قسم جس کے قبضہ میں میری جان ہے میں تمہارے پاس ایک روشن اور صاف شریعت لے کر آیا ہوں اہل کتاب سے دین کی کوئی بات مت پوچھا کرو کہیں وہ تمہیں کوئی سچی بات بتلائیں اور تم اس کی تکذیب کر دو یا غلط بات بتائیں اور اس کی تصدیق کر دو۔ اس ذات کی قسم ہے جس کے قبضہ میں میری جان ہے اگر موسیٰ علیہ السلام بھی زندہ ہوتے تو ان کو بھی اس کے سوا گنجائش نہ تھی کہ میری ہی پیروی کرتے۔ اس حدیث کو احمد نے اور ابن ماجہ نے ابن عباس سے اور ابن حبان نے جابر سے روایت کیا ہے اور یہی مضمون امام احمد نے عبداللہ بن ثابت انصاری سے روایت کیا ہے اور اسی طرح ابن سعد اور حاکم نے کنی میں اور طبرانی نے روایت کیا ہے اور شعب الایمان میں بیہقی نے روایت کیا ہے اور دارمی نے بھی سے بھی روایت کیا ہے۔

عَنِ الشَّعْبِیِّ عَنْ عَبْدِاللّٰہِ بْنِ ثَابِتٍ قَالَ جَاءَ عُمَرُ بْنُ الْخَطَّابِ اِلَی النَّبِیِّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ فَقَالَ یَا رَسُوْلَ اللّٰہِ اِنِّیْ مَرَرْتُ بِاَخٍ لِّیْ مِنْ قُرَیْظَۃَ فَکَتَبَ لِیْ جَوَامِعَ مِنَ التَّوْرَاۃِ اَلَا اَعْرِضُھَا عَلَیْکَ؟ قَالَ فَتَغَیَّرَ وَجْہُ رَسُوْلِ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ قَالَ عَبْدُاللّٰہِ فَقُلْتُ لَہٗ اَلَا تَرٰی مَا بِوَجْہِ رَسُوْلِ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ فَقَالَ عُمَرُ رَضِیْنَا بِاللّٰہِ رَبًّا وَّبِالْاِسْلَامِ دِیْنًا وَّبِمُحَمَّدٍ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ رَسُوْلًا قَالَ فَسُرِّیَ عَنِ النَّبِیِّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ ثُمَّ قَالَ وَالَّذِیْ نَفْسِیْ بِیَدِہٖ لَوْ اَصْبَحَ فِیْکُمْ مُوْسٰی ثُمَّ اتَّبَعْتُمُوْہُ وَتَرَکْتُمُوْنِیْ لَضَلَلْتُمْ اِنَّکُمْ حَظِّیْ مِنَ الْاُمَمِ وَاَنَا حَظُّکُمْ مِنَ النَّبِیِّیْنَ۔ (رواہ احمد)

شعبیؒ عبداللہ بن ثابت سے روایت کرتے ہیں کہ عمر بن الخطابؓ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے اور عرض کیا یا رسول اللہ میں قبیلہ بنی قریظہ کے اپنے ایک رفیق کے پاس گذرا تھا تو اس نے میرے فائدہ کی غرض سے تورات سے کچھ جامع کلمات لکھ دیئے مجھے اجازت ہو تو آپ کے سامنے پیش کروں۔ راوی کہتا ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے چہرۂ مبارک کا رنگ بدلنے لگا۔ عبداللہ کہتے ہیں میں نے کہا (اے عمرؓ) آپ کے چہرۂ مبارک پر آثار ناگواری نہیں دیکھتے؟ عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ (فوراً متنبہ ہوئے) اور کہنے لگے ہم اللہ کو رب اور اسلام کو دین اور محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو رسول مان کر راضی ہو چکے ہیں۔ راوی کا بیان ہے یہ کلمات سن کر آپ کے چہرہ سے وہ اثر زائل ہو گیا اور آپ نے فرمایا اس ذات کی قسم جس کے قبضہ میں میری جان ہے۔ اگر موسیٰ تم میں موجود ہوں اور تم مجھے چھوڑ کر ان کا اتباع کرو تو گمراہ ہو گے امتوں میں تم میرا حصہ ہو اور نبیوں میں میں تمہارا حصہ ہوں۔ (احمد)

تشریح۔ یہ حدیث اس کی دلیل ہے کہ جو شخص آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی شریعت کے سامنے شریعت موسوی کا متلاشی

ہے وہ گویا آپ کی نبوت کو چھوڑ کر نبوت موسوی کا قائل ہونا چاہتا ہے۔ جس طرح خدا اور اس کے رسولؐ کے درمیان تفریق نہیں ہوسکتی اسی طرح رسول اور اس کی شریعت کے درمیان بھی تفریق نہیں کی جاسکتی۔ ایمان بالرسالۃ یہ ہے کہ اس کے لائے ہوئے دین کو مانے۔ یہ نہیں ہوسکتا کہ نبوۃ محمدی مان کر شریعت موسوی کی پیروی کی جائے۔

عَنْ جَابِرٍ اَنَّ عُمَرَ بْنَ الْخَطَّابِ اَتٰی رَسُوْلَ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ بِنُسْخَۃٍ مِنَ التَّوْرَاۃِ فَقَالَ یَارَسُوْلَ اللّٰہِ ھٰذِہٖ نُسْخَۃٌ مِنَ التَّوْرَاۃِ فَسَکَتَ فَجَعَلَ یَقْرَأُ وَوَجْہُ رَسُوْلِ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ یَتَغَیَّرُ فَقَالَ اَبُوْبَکْرٍ رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہُ ثَکِلَتْکَ الثَّوَاکِلُ مَاتَرٰی مَابِوَجْہِ رَسُوْلِ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ فَنَظَرَ عُمَرُ اِلٰی وَجْہِ رَسُوْلِ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ فَقَالَ اَعُوْذُ بِاللّٰہِ مِنْ غَضَبِ اللّٰہِ وَغَضَبِ رَسُوْلِہٖ رَضِیْنَا بِاللّٰہِ رَبًّا وَبِالْاِسْلَامِ دِیْنًا وَبِمُحَمَّدٍ نَبِیًّا فَقَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ وَالَّذِیْ نَفْسُ مُحَمَّدٍ بِیَدِہٖ لَوْ بَدَالَکُمْ مُوْسٰی فَاتَّبَعْتُمُوْہُ وَتَرَکْتُمُوْنِیْ لَضَلَلْتُمْ عَنْ سَوَاءِ السَّبِیْلِ وَلَوْ کَانَ حَیًّا وَاَدْرَکَ نُبُوَّتِیْ لَاتَّبَعَنِیْ. (رواہ الدارمی)

جابر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کہتے ہیں کہ عمر بن الخطاب رضی اللہ تعالیٰ عنہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس تورات کا ایک نسخہ لے کر آئے اور بولے یا رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم) یہ تورات کا نسخہ ہے آپؐ خاموش ہوگئے (یہ ناگواری کی خاموشی تھی) عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ اسے پڑھنے لگے۔ ادھر آپ کے چہرۂ مبارک کا رنگ بدلنے لگا۔ ابوبکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے کہا۔ اے عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ تجھے رونے والی عورتیں روئیں آپؐ کے روئے انور پر جو ناگواری کے آثار ہیں کیا تمہیں نظر نہیں آتے۔ عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے آپ (صلی اللہ علیہ وسلم) کے چہرہ کی طرف دیکھا تو فوراً یہ کلمات کہے، میں خدا کے غصہ اور اس کے رسول کے غصہ سے پناہ مانگتا ہوں۔ ہم اللہ کو رب اور اسلام کو دین اور محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو نبی مان کر راضی ہوچکے ہیں آپؐ نے فرمایا۔ اس ذات کی قسم جس کے قبضہ میں محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کی جان ہے اگر آج موسیٰ علیہ السلام کا بھی ظہور ہوجائے اور تم مجھے چھوڑ کر ان کے پیچھے چل پڑو تو سیدھی راہ سے گمراہ ہوجاؤ گے۔ اگر وہ زندہ ہوتے اور میری نبوت کو پاتے تو میرے ہی پیچھے چلتے۔ (دارمی)

ان احادیث میں حضرت موسیٰ علیہ السلام کی پیروی کا ذکر صرف اس لیے نہیں ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا دین جملہ ادیان کے لئے ناسخ بن کر آچکا ہے بلکہ اس لیے بھی ہے کہ ازل میں اللہ تعالیٰ نے انبیاء علیہم السلام سے اس بات کا عہد لیا تھا کہ اگر انہیں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا زمانہ ملے تو وہ آپؐ پر ایمان بھی لائیں اور آپؐ ہی کے تابع بھی رہیں۔ ﴿وَاِذْ اَخَذَ اللّٰہُ مِیْثَاقَ النَّبِیّٖنَ لَمَآ اٰتَیْتُکُمْ مِّنْ کِتٰبٍ وَّحِکْمَۃٍ ثُمَّ جَآءَکُمْ رَسُوْلٌ مُّصَدِّقٌ لِّمَا مَعَکُمْ لَتُؤْمِنُنَّ بِہٖ وَلَتَنْصُرُنَّہٗ﴾ (آل عمران: ۸۱) جب کہ اللہ تعالیٰ نے انبیاء علیہم السلام سے یہ عہد لیا تھا کہ جب میں تمہیں کتاب و حکمت دوں۔ پھر تمہارے پاس خدا کا ایک رسول آئے جو تمہارے پاس والی کتاب کی تصدیق کرنے والا ہو تو اس پر ایمان لانا اور اس کی نصرت و مدد کرنا۔

اس عہد کی رو سے ہر نبی کا فرض ہے کہ اگر وہ آپؐ کے زمانہ میں آئے تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم پر ایمان لائے اور آپؐ ہی کا متبع رہے حضرت موسیٰ علیہ السلام کی وفات ہوچکی ہے مگر حضرت عیسیٰ علیہ السلام زندہ ہیں اور اسی لیے دنیا میں تشریف لاکر اس

فریضہ اتباع کو سب کے سامنے انجام دیں گے۔ دنیا اس شکل میں ہے کہ بہت سا حصہ مرا ہے زندہ کر دے کسی کی زندگی کی درازی عمر اور اس کا زوال کیا اس سے زیادہ تعجب خیز ہے۔ ابھی غائبت کے ساتھ جنگ نہ کرو اور صبر کے ساتھ تھوڑا انتظار کرو شاید وہ ذی ترقیات عنقریب تمہارے سامنے وہ وقت لے آئیں جب کہ دنیا کے عجائبات عجائبات نہ رہیں گے (تنبیہ) بعض کتب حدیث میں حضرت موسیٰ علیہ السلام کے ساتھ عیسیٰ علیہ السلام کا بھی ذکر ہے مگر اس کی سند کسی کتاب میں نظر سے نہیں گذری اور اگر تسلیم کر بھی لیا جائے کہ اس کی کوئی سند ہے اور درست بھی ہو تو جس ہستی کی حیات اس عالم میں نہیں وہ اس عالم میں تشریف لانے سے پہلے مردہ کہی جاسکتی ہے جیسا کہ عام مردے دوسرے عالم میں زندہ ہوتے ہیں مگر اس جہان میں ان کو مردہ کہا جاتا ہے۔ دنیا اپنے اپنے احساس اور عالم کے موافق بولتی ہے۔ یہ شریعت کی اطلاع ہے کہ وہ عظیم القدر ہستی جس کے متعلق کسی کا گمان پھانسی کا ہے اور کسی کا قتل کا زندہ صحیح وسلامت موجود ہے اور اپنے وقت پر پھر آنے والی ہے۔ تفصیلی بحث اپنے محل میں آئے گی۔

جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی نافرمانی کرتا ہے وہ آپ کا انکار کرتا ہے

عَنْ اَبِیْ هُرَیْرَةَ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ كُلُّ اُمَّتِيْ يَدْخُلُوْنَ الْجَنَّةَ اِلَّا مَنْ اَبٰى قَالُوْا يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ وَمَنْ يَّاْبٰى قَالَ مَنْ اَطَاعَنِيْ دَخَلَ الْجَنَّةَ وَمَنْ عَصَانِيْ فَقَدْ اَبٰى (رواہ البخاری)

ابوہریرہؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے میری تمام امت جنت میں جائے گی مگر جو انکار کرے۔ صحابہؓ نے دریافت کیا یا رسول اللہ وہ کون ہے جو آپ کا انکار کرتا ہے؟ آپ نے جواب دیا جس نے میری اطاعت کی وہ جنت میں داخل ہو۔ اور جس نے نافرمانی کی اس نے مجھے نہ مانا اور میرا انکار کیا۔ (بخاری)

تشریح۔ انکار دو قسم پر ہے ایک یہ کہ زبان سے انکار کرے ایسا منکر کافر ہے اور کبھی جنت میں داخل نہیں ہو سکتا دوسرا یہ کہ زبان سے اقرار کرتا ہے مگر اپنے طرز عمل میں کھلے منکر کے مشابہ ہے یہ گو اقرار کر رہا ہے مگر جب نافرمانی کرنے میں زبان سے انکار کرنے والے کے برابر ہے تو ایک نظر میں یہ بھی گویا منکر ہے لہٰذا اسے بھی ان منکرین کے ساتھ کچھ دن رہنا ہوگا۔ گو اپنے قلبی اقرار کی وجہ سے پھر نجات ہو جائے۔ رسول کے لائے ہوئے دین کو ماننا ایمان ہے اور اس کی اطاعت کرنا اس قلبی ایمان کی علامت ہے۔ نافرمان اور منکر صورت میں یکساں ہیں۔

تکمیل ایمان کیلئے اتباع رسول شرط ہے

عَنْ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ عَمْرٍو رَضِيَ اللّٰهُ تَعَالٰى عَنْهُمَا قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَا يُؤْمِنُ اَحَدُكُمْ حَتّٰى يَكُوْنَ هَوَاهُ تَبَعًا لِمَا جِئْتُ بِهٖ (رواہ فی شرح السنۃ)

عبداللہ بن عمرو رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے روایت ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے تم میں کوئی شخص ایماندار نہیں ہو سکتا یہاں تک کہ اس کی خواہش اس دین کے تابع نہ بن جائے جو میں لایا ہوں۔ (شرح السنۃ)

تشریح۔ ایمان کا کمال یہ ہے کہ متابعت شریعت میں وہ لطف ولذت محسوس ہونے لگے جو کسی مرغوبات میں محسوس ہوتا ہے

وقت نماز اور ماہ رمضان میں روزہ اور نصاب حولی پر زکوٰۃ کی وہ خواہش جو سردی میں گرم کپڑے اور گرمی میں ٹھنڈک حاصل کرنے کی ہوتی ہے یہ کیفیت اسی وقت پیدا ہو سکتی ہے جب کہ نفس اپنی سرشت چھوڑ کر شریعت کے تابع ہو جائے اسی کا نام نفس مطمئنہ ہے ظاہر ہے کہ جب نفس میں یہ ذوق پیدا ہو جائے گا تو بلا کلفت شریعت پر دائمی عمل میسر آ جائے گا اور اس وقت وہ ایمان حاصل ہو گا جو بڑی حد تک زوال کے خطرے سے مامون ہو گا۔ صوفیاء کرام کی اصطلاح میں اس کا نام ولایت کبریٰ ہے شریعت میں اس کو ایمان کامل کہا جاتا ہے۔

محبت رسول اپنی جان بلکہ سب جہان سے زیادہ کرنا ضروری ہے

عَنْ اَنَسِ بْنِ مَالِكٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَا يُؤْمِنُ اَحَدُكُمْ حَتّٰى اَكُوْنَ اَحَبَّ اِلَيْهِ مِنْ وَّلَدِهٖ وَوَالِدِهٖ وَالنَّاسِ اَجْمَعِيْنَ (رواہ الشیخان)

انس بن مالکؓ روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے تم میں کوئی مؤمن نہیں ہے جب تک کہ میں اسے اپنے بیٹے، باپ اور تمام لوگوں سے زیادہ پیارا نہ ہو جاؤں۔ (شیخین)

تشریح۔ شیخ بدرالدین عینیؒ لکھتے ہیں کہ محبت کے تین اسباب ہیں۔ کمال، جمال، جود و سخا۔ یہ تینوں اوصاف آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات سے زیادہ کسی کی ذات میں موجود نہیں۔ آپ کا کمال شریعت مطہرہ سے ظاہر ہے آپ کا جمال احادیث شمائل میں موجود ہے۔ آپ کی روحانی و جسمانی بخشش و کرم کا تو کون اندازہ لگا سکتا ہے پھر آپ کی محبت تمام مخلوق سے زیادہ کیوں نہ ضروری ہو۔ ماں باپ، بیٹے کی محبت طبعی ہے اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی محبت محبت عقلی ہے۔ حضرت شاہ ولی اللہ فرماتے ہیں کہ کمال ایمان یہ ہے کہ تقاضائے عقل تقاضائے طبیعت پر غالب آ جائے۔ ایمان کی تفصیلی بحث میں آپ پڑھ چکے ہیں کہ ایمان صرف عقائد و عمل کا نام نہیں بلکہ ان کیفیات کا نام ہے جن سے شدہ شدہ مومن کا قلب مزین و رنگین ہو جاتا ہے۔ شفاء میں سیرت محمد بن اسحاق سے نقل کیا ہے کہ جنگ احد میں ایک انصاری عورت کا باپ، بھائی، شوہر تینوں شہید ہو گئے۔ جب اسے خبر ملی تو اس نے دریافت کیا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم تو بخیر ہیں؟ لوگوں نے کہا ہاں بخیریت ہیں اس نے کہا چلو مجھے دکھلاؤ تاکہ میں خود آپ کے روئے انور کو دیکھ لوں۔ جب اس نے آپ کو دیکھ لیا تو بولی کل مصیبة بعدک جلل جب آپ زندہ و سلامت ہیں تو اس کے بعد ہر مصیبت آسان ہے۔ حضرت علیؓ فرماتے ہیں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات انور ہمیں اپنے مال و اولاد اور والدین اور پیاس میں سرد پانی سے بھی زیادہ پیاری تھی۔ اہل مکہ جب زید بن دثنہ کو قتل کیلئے حرم سے باہر لے چلے تو ابوسفیان بن حرب بولا کہو زید قسم کھا کر بتلاؤ کیا اس وقت تمہیں یہ پسند ہے کہ محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) یہاں تمہاری جگہ ہوتے اور تم اپنے گھر ہوتے۔ زید نے قسم کھا کر کہا مجھے ہرگز یہ گوارا نہیں کہ میں اپنے گھر میں ہوں اور یہاں آپ کے جسم میں ایک کانٹا بھی چبھے۔ ابوسفیان کہنے لگا میں نے کسی کو اتنی محبت کرتے نہیں دیکھا جتنا کہ محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کے ساتھی اس سے محبت کرتے ہیں۔

قاضی عیاض نقل کرتے ہیں کہ ایک شخص آپ کی خدمت میں حاضر ہوا اور بولا آپ مجھے اپنے اہل و مال سب سے زیادہ محبوب ہیں مجھے آپ کی یاد آتی ہے تو صبر نہیں آتا جب تک یہاں آ کر آپ کو دیکھ نہیں لیتا اب غم یہ ہے کہ وفات کے بعد آپ تو انبیاء علیہم السلام کے ساتھ ہوں گے وہاں میں آپ کو کیسے دیکھا کروں گا اس پر آیت اتر آئی ﴿وَمَنْ يُّطِعِ اللّٰهَ وَالرَّسُوْلَ

فَأُولٰئِكَ مَعَ الَّذِينَ أَنْعَمَ اللّٰهُ عَلَيْهِمْ مِّنَ النَّبِيِّينَ وَالصِّدِّيقِينَ وَالشُّهَدَاءِ وَالصَّالِحِينَ وَحَسُنَ أُولٰئِكَ رَفِيقًا ﴾
(النساء: ۶۹) "جو لوگ اللہ رسول کا کہنا مانتے ہیں وہ ان لوگوں کے ساتھ ہوں گے جن پر خدا کا انعام ہے یعنی نبی، صدیق، شہید اور نیک لوگ اور ان لوگوں کی صحبت بڑی نعمت ہے۔" آپ نے اسے سنا کر یہ آیت سنا دی۔ یہ یاد رکھنا چاہیے کہ یہاں معیت سے مراد صرف جنت میں معیت ہے جہاں ہر وقت حاضر ہو کر آپ کا دیدار ممکن ہوگا۔ خاص آپ کے مقام و منزل میں معیت مراد نہیں۔ روایت ہے کہ عبداللہ بن زید بن عبد ربہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ جو صاحب الاذان کہے جاتے تھے اپنے باغ میں کچھ کام کر رہے تھے وہاں ان کے فرزند پہنچے اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خبر وفات سنائی اسی وقت انہوں نے دعا کے لئے ہاتھ اٹھا دیئے اور کہا اے اللہ مجھے نابینا کر دے تاکہ ان آنکھوں سے اب کسی کو نہ دیکھ سکوں۔

الغرض اس قسم کے بے شمار واقعات ہیں جن سے ثابت ہوتا ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم اجمعین کو آپ سے ایسی ہی محبت تھی جیسا کہ حدیث میں موجود ہے۔ بدقسمتی سے اگر کسی کو یہ مقام حاصل نہیں تو وہ ان کی محبت میں تو ہمسری نہ کرے جن کو یہ مقام حاصل تھا۔

عَنْ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ هِشَامٍ قَالَ كُنَّا مَعَ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَهُوَ آخِذٌ بِيَدِ عُمَرَ بْنِ الْخَطَّابِ فَقَالَ لَهُ عُمَرُ يَا رَسُولَ اللّٰهِ لَأَنْتَ أَحَبُّ إِلَيَّ مِنْ كُلِّ شَيْءٍ إِلَّا مِنْ نَفْسِي فَقَالَ لَا وَالَّذِي نَفْسِي بِيَدِهِ حَتّٰى أَكُونَ أَحَبَّ إِلَيْكَ مِنْ نَفْسِكَ فَقَالَ عُمَرُ فَإِنَّكَ الْآنَ وَاللّٰهِ أَحَبُّ إِلَيَّ مِنْ نَفْسِي فَقَالَ الْآنَ يَا عُمَرُ. (رواه البخاري في الايمان والنذور)

عبداللہ بن ہشام کہتے ہیں کہ ہم آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ تھے۔ آپ عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا ہاتھ میں ہاتھ لیے ہوئے تھے۔ عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے آپ سے عرض کیا یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم آپ مجھے اپنی جان کے سوا ہر چیز سے زیادہ عزیز ہیں۔ آپ نے فرمایا اس ذات کی قسم جس کے قبضہ میں میری جان ہے جب تک تم کو تمہاری جان سے بھی زیادہ محبوب نہ ہوں تم مومن نہیں ہو۔ عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے عرض کیا اچھا اب آپ مجھے اپنی جان سے بھی زیادہ عزیز ہو گئے آپ نے فرمایا تو اب پکے مومن بھی ہو گئے۔ (بخاری)

تشریح: یہ عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی صداقت تھی کہ انہوں نے اپنا اندرونی کھوٹ دربار رسالت میں صاف صاف کہہ ڈالا اور یہ خاتم الانبیاء صلی اللہ علیہ وسلم کا کمال تھا کہ ایک سیکنڈ میں آپ نے ایمان کے تمام ارتقائی مدارج انہیں طے کرا دیئے۔ وہ سینہ جو ابھی ابھی اپنی جان کو عزیز تر سمجھ رہا تھا دوسری ساعت آنے نہیں پائی کہ رسول کی ذات کو اپنی جان سے زیادہ عزیز سمجھنے لگتا ہے۔ کہنے کو تو یہ دو ہی فقرے ہیں۔ مگر آپ کی نظر محبت کی یہ برق تاثیر عقل انسانی کے لئے موجب حیرت بنی رہی ہے اب سوچو کہ جہاں سیکنڈوں کی صحبت کے آثار یہ ہوں وہاں ہفتوں، مہینوں اور سالوں کے اثرات کیا ہوں گے۔

قیاس کن ز گلستان من بہار مرا

اس مضمون کو قرآن کریم نے ان الفاظ میں پیش کیا ہے پہلے اس پر غور کیجئے پھر حدیث کا مطلب سمجھئے۔

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا لَا تَتَّخِذُوا آبَاءَكُمْ وَإِخْوَانَكُمْ أَوْلِيَاءَ إِنِ اسْتَحَبُّوا الْكُفْرَ عَلَى الْإِيمَانِ وَمَنْ يَتَوَلَّهُمْ مِنْكُمْ فَأُولَٰئِكَ هُمُ الظَّالِمُونَ قُلْ إِنْ كَانَ آبَاؤُكُمْ وَأَبْنَاؤُكُمْ وَإِخْوَانُكُمْ وَأَزْوَاجُكُمْ وَعَشِيرَتُكُمْ وَأَمْوَالٌ اقْتَرَفْتُمُوهَا وَتِجَارَةٌ تَخْشَوْنَ كَسَادَهَا وَمَسَاكِنُ تَرْضَوْنَهَا أَحَبَّ إِلَيْكُمْ مِنَ اللَّهِ وَرَسُولِهِ وَجِهَادٍ فِي سَبِيلِهِ فَتَرَبَّصُوا حَتَّىٰ يَأْتِيَ اللَّهُ بِأَمْرِهِ وَاللَّهُ لَا يَهْدِي الْقَوْمَ الْفَاسِقِينَ (توبہ ۲۳-۲۴)

"اے مومنو! اگر تمہارے باپ، بھائی ایمان کے مقابلے میں کفر کو عزیز رکھتے ہوں تو انہیں اپنا دوست نہ بناؤ اور جو ایسا کرے گا تو یہی لوگ ظالم ہوں گے اے پیغمبر! آپ کہہ دیجئے کہ اگر تمہارے باپ، اولاد، بھائی، بیویاں، کنبہ، تمہارا مال، جو تم نے کمایا ہے، تمہاری تجارت جس کے نقصان کا تمہیں اندیشہ ہے، تمہارے رہنے کے مکان جو تمہیں بہت پسند ہیں یہ سب چیزیں اللہ اور اس کے رسول اور اس کی راہ میں جہاد سے زیادہ پیاری ہوں تو انتظار کرو یہاں تک کہ جو خدا کو کرنا ہے تمہارے سامنے آ جائے۔ خدا فاسقوں پر ہدایت کی راہ نہیں کھولتا۔"

آیت بالا میں تفصیل کے ساتھ ان حالات کی طرف اشارہ کر دیا گیا ہے کہ جو اسلامی زندگی اختیار کر لینے کے بعد غیر متوقع نہیں ہوتے یعنی یہ ہو سکتا ہے کہ باپ بیٹے سے اور بیٹا باپ سے بھائی اپنے بھائی سے شوہر اپنی بی بی سے علیحدہ ہو جائے کنبہ قبیلہ روٹھ جائے اپنا جمع کیا ہوا مال ہاتھوں سے نکل جائے، چلتی ہوئی تجارت میں روڑا اٹک جائے، اچھے رہائشی اچھے مکان ترک کرنے پڑ جائیں مگر تم ان ایسے وقت میں تم اگر ان عزیزوں کا ساتھ دو گے اگر تم نے ان کا ساتھ دیا تو یہ اس کا ثبوت ہوگا کہ جو ایثار و قربانی کا عہد تم نے اپنے خدا سے باندھا تھا وہ غلط تھا پھر جو اس عہد شکنی کی پاداش ہو اس کا انتظار تمہیں کرنا چاہیے۔

اسلام بتلاتا ہے کہ عزیزوں کے بڑے حقوق ہیں اور سب حقوق کی رعایت کرنا انسان کا فرض ہے مگر خدا اور رسول کا حق سب سے مقدم ہے اور اگر کہیں جب کسی کے حق کی ادائیگی میں ان کا حق فوت ہو تو پھر ان کا حق مقدم کرنا ہوگا۔ والدین اپنی جگہ بہت بڑے حق دار ہیں مگر خدا اور رسول کا حق ان سے بہت زیادہ ہے اسی لیے آیت کے شروع میں پیرایہ بیان بھی اختیار کیا گیا ہے کہ اگر تمہارے والدین ایمان پر کفر کو ترجیح دیں اور خدا کے حق کو فراموش کرنے لگیں تو پھر تمہارا حق ہوگا کہ تم بھی ان کے حق کو فراموش کر دو اسی لیے دوسری جگہ فرمایا۔

لَا تَجِدُ قَوْمًا يُؤْمِنُونَ بِاللَّهِ وَالْيَوْمِ الْآخِرِ يُوَادُّونَ مَنْ حَادَّ اللَّهَ وَرَسُولَهُ وَلَوْ كَانُوا آبَاءَهُمْ أَوْ أَبْنَاءَهُمْ أَوْ إِخْوَانَهُمْ أَوْ عَشِيرَتَهُمْ أُولَٰئِكَ كَتَبَ فِي قُلُوبِهِمُ الْإِيمَانَ (مجادلہ: ۲۲)

"یہ ہو ہی نہیں سکتا کہ اللہ اور قیامت پر ایمان رکھنے والے ان سے محبت رکھیں جو اللہ اور اس کے رسول سے عداوت رکھتے ہیں، اگر چہ یہ لوگ اپنے والد، اولاد، بھائی، اور کنبہ ہی کے کیوں نہ ہوں۔"

یہاں پر تقریباً ان ہی رشتوں کا پھر ذکر کیا گیا ہے جس کا اوپر کی آیت میں ذکر کیا گیا تھا۔ ہر دو آیت میں دلایت، مودت کی ممانعت اس صورت میں ہے جب کہ ان عزیزوں میں خدا اور اس کے رسول کی عداوت اور کفر کو اسلام پر ترجیح دینے کا میلان پایا جائے۔ اور اسی وقت اسلام اپنی محبت کا امتحان لیتا ہے۔

یہ بات یاد رکھنی چاہیے کہ یوں تو بیشتر احادیث قرآن کریم کی تشریحات ہی کا دوسرا نام ہیں مگر بعض مرتبہ کسی حدیث کے الفاظ کسی آیت کے الفاظ سے اس قدر قریب ہوتے ہیں گویا ایک ہی مضمون کی دو تعبیریں ہیں۔ ایسے مقامات پر پہلے قرآن کریم کی آیت کا بغور مطالعہ کر لینا چاہیے پھر اسی روشنی میں اس حدیث کو پڑھنا چاہیے۔ حضرت انسؓ کی اس حدیث کو ہم نے بارہا پڑھا اور صرف اتنا ہی سمجھا کہ یہ حدیث صرف ایمان کامل کا معیار بتلاتی ہے اور وہ یہ ہے کہ خدا اور رسول کی محبت سب محبتوں پر غالب ہونا چاہیے۔ لیکن جب آیت بالا پر غور کیا تو معلوم ہوا کہ اس حدیث میں ایک اساسی اصول کی طرف اشارہ کیا گیا ہے اور وہ یہ کہ اسلام کے ابتدائی ماحول میں خدا اور رسول پر ایمان لانا اور ماں باپ اور اولاد کے درمیان سب سے بڑے تفرقہ کا سبب تھا بہت ممکن تھا کہ ان رشتوں کی محبت اسلامی سعادت کے حاصل ہونے میں مانع آتی۔ تاریخ اسلامی سے پتہ چلتا ہے کہ بعض مرتبہ یہی محبتیں اسلامی قربانیوں کے لیے سد راہ بن گئی ہیں گو شاذ و نادر ہی سہی۔ اسی کی طرف آیت ذیل میں اشارہ فرمایا گیا ہے۔

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا إِنَّ مِنْ أَزْوَاجِكُمْ وَأَوْلَادِكُمْ عَدُوًّا لَّكُمْ فَاحْذَرُوهُمْ (التغابن: ۱۴)

"اے ایمان والو! تمہاری بیویوں اور اولاد میں ایسے بھی ہیں جو تمہارے لیے باعث فتنہ ہیں ان سے ذرا بچتے رہنا۔"

یہ حدیث بتلاتی ہے کہ اگر ماں باپ کے لیے کبھی ایسا موقع آئے کہ اسلام کی وجہ سے انہیں اولاد چھوڑنی پڑ جائے یا اولاد کو ایسا موقعہ ہو کہ اسے اپنے والدین ترک کرنے پڑیں تو بہتر یہ ہے کہ یہ قربانیاں کر گذرنی چاہئیں۔ یہی غایت محبت کے معنی ہیں اب اسے آپ حب عقلی سے تعبیر کریں یا حب طبعی سے۔ جس ماحول میں اب ہم ہیں وہ مسلم ماحول ہے یہاں اولاد بھی مسلمان اور والد بھی مسلمان اس لیے اس طرف ذہن ہی نہیں جاتا کہ خدا اور رسول کی محبت کو والدین یا اولاد کی محبت سے کوئی تصادم بھی ہو سکتا ہے بلکہ یہاں تو خدا اور رسول کی محبت ہی کی طرف اولاد اور والدین کی محبت اور زیادہ کھینچتی ہے جب یہ ماحول نہیں تھا اور اسلام کفر کی تاریکیوں سے نور ہدایت کی طرف نکلنے کی دعوت دے رہا تھا اس وقت خدا و رسول کی محبت اولاد کی عداوت کے ہم معنی بنی ہوئی تھی۔ جو خدا سے محبت کرتا اسے اپنے ماں باپ اور اولاد کو چھوڑنا پڑتا اور جو اپنے ماں باپ اور اولاد کا ساتھ دیتا اسے خدا اور رسول سے بغاوت کرنا ہوتی۔ ایک درمیانی درجہ یہ ہو سکتا تھا کہ خدا اور رسول کی محبت کے ساتھ دشمنوں کی محبت کو بھی نباہ لیا جائے یہ حدیث اس کمزوری کو دفع کرنا چاہتی ہے اور بتلاتی ہے کہ اسلام یہ ہے کہ تم خدا اور رسول کی محبت پر سب کچھ قربان کر دو اور اس کے مقابلہ پر کسی کا ساتھ نہ دو۔

عَنْ أَنَسٍ ثَلَاثٌ مَنْ كُنَّ فِيهِ وَجَدَ حَلَاوَةَ الْإِيمَانِ أَنْ يَكُونَ اللّٰهُ وَرَسُولُهُ أَحَبَّ إِلَيْهِ مِمَّا سِوَاهُمَا وَأَنْ يُحِبَّ الْمَرْءَ لَا يُحِبُّهُ إِلَّا لِلّٰهِ وَأَنْ يَكْرَهَ أَنْ يَعُودَ فِي الْكُفْرِ كَمَا يَكْرَهُ أَنْ يُقْذَفَ فِي النَّارِ (رواہ الشیخان)

انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ جس شخص میں یہ تین باتیں ہوں اس نے ایمان کا مزہ چکھ لیا (۱) اللہ و رسول اس کو سب سے زیادہ محبوب ہوں (۲) جب وہ کسی سے محبت کرے تو خدا کے لیے کرے (۳) کفر میں پھر واپس جانا اس کو اتنا ہی برا لگے جیسے کہ آگ میں ڈالا جانا۔ (شیخین)

تشریح: اس حدیث میں تیسری بات قرآن کریم کی ایک آیت کی طرف اشارہ ہے۔ ﴿وَلٰكِنَّ اللّٰهَ حَبَّبَ إِلَيْكُمُ الْإِيمَانَ وَزَيَّنَهُ فِي قُلُوبِكُمْ وَكَرَّهَ إِلَيْكُمُ الْكُفْرَ وَالْفُسُوقَ وَالْعِصْيَانَ﴾ (الحجرات: ۷) یہ خدا کا انعام ہے کہ اس نے

تمہارے دلوں میں ایمان کی محبت ڈال دی ہے اور اس کو خوشنما بنا دیا ہے اور کفر، گناہ اور نافرمانی کی نفرت پیدا کر دی ہے۔ حافظ ابن تیمیہؒ فرماتے ہیں یہاں ایمان میں فرائض و مستحبات وغیرہ کی کوئی تفصیل نہیں کی گئی ہے اور اس کے مقابلہ میں کفر فسوق و عصیان کی تفصیل اختیار کی گئی ہے۔ اس سے معلوم ہوا کہ ایمان کامل فرائض و مستحبات کے مجموعہ کا نام ہے اس لیے ایمان کی محبت یہ ہے کہ بلا تفصیل اس کے تمام احکام کی محبت ہو، اس کے مقابل حالت بعض مرتبہ کفر ہوگی اور بعض مرتبہ صرف فسوق و عصیان کی حد تک رہے گی۔ مؤمن کامل کے لئے ضروری ہے کہ وہ صرف کفر سے نہیں بلکہ فسق و عصیان سے بھی نفرت رکھے۔ یہ تین الفاظ اس لیے رکھے گئے ہیں کہ ہر فسق و عصیان کفر نہیں ہے اور نہ ہر عصیان فسق ہے۔ (کتاب الایمان ص ۱۷)

یہ یاد رکھنا چاہیے کہ اسلام اشخاص و افراد سے نفرت کی تعلیم نہیں دیتا۔ ہاں زشت افعال سے نفرت و بیزاری کی ضرور تعلیم دیتا ہے۔ حضرت سید الشہداء کا قاتل اسلام قبول کر کے مسلمانوں کا بھائی بن سکتا ہے اور ایک کاتب وحی مرتد ہو کر زمین و آسمان کا مبغوض بن جاتا ہے اس لیے کفر سے نفرت کرنا اسلام کی تعلیم کا جزء ہے بلکہ آیت بالا سے معلوم ہوتا ہے کہ ایمان کی محبت اور کفر کی نفرت دونوں باہم لازم ہیں جسے اسلام سے محبت ہوگی اسے کفر سے نفرت اور جسے کفر سے رغبت ہوگی اسے اسلام سے نفرت ہونا ضروری ہے۔ اسلام یہ کبھی نہیں کہہ سکتا کہ خدا کی زمین پر ایک ظلم اور ظلم و عدوان کے قانون کی حمایت بھی اسی طرح کی جائے جیسا کہ عدل و انصاف کے آئین کی کی جاتی ہے اس لیے اسلام و کفر کے درمیان تو کوئی صلح و آشتی ہوئی ہے نہ ہو سکتی ہے۔

اس کا یہ مطلب نہیں ہے کہ مسلمان کے لئے کافر کے ساتھ ہمیشہ برسرپیکار رہنا ضروری ہے۔ اسلام اشخاص و افراد کے لئے تو سلامتی کا پیغام ہے مگر کفر کے ساتھ کسی علاقہ کا روادار نہیں۔ اس فرق کو سمجھئے تا کہ حدیث نمبر ۱ بھی خوب روشن ہو جائے یعنی اسلام میں محبت کا معیار بھی اشخاص و افراد نہیں بلکہ خدا اور رسول ہیں۔ خلاصہ یہ ہے کہ اسلام و ایمان کامل یہ ہے کہ خدا اور اس کے رسول کی محبت اس درجہ غالب آ جائے کہ پھر تمام عداوت و محبت کا محور و مرکز یہی بن جائے کسی سے محبت ہو تو ان کے نام پر اور عداوت ہو تو ان کے نام پر۔

رسول کی محبت خدا کی محبت کی وجہ سے کرنا چاہیے

عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ رَضِيَ اللّٰهُ تَعَالٰى عَنْهُ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَحِبُّوا اللّٰهَ لِمَا يَغْذُوْكُمْ مِنْ نِعْمَةٍ وَاَحِبُّوْنِيْ بِحُبِّ اللّٰهِ وَاَحِبُّوْا اَهْلَ بَيْتِيْ بِحُبِّيْ (رواہ الترمذی)

ابن عباسؓ روایت فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے اللہ سے محبت رکھو اس لیے کہ وہ تمہیں طرح طرح کی نعمتیں عطا فرماتا ہے اور مجھ سے محبت رکھو خدا کی محبت کی وجہ سے اور میرے اہل بیت سے محبت رکھو میری محبت کی وجہ سے۔

اس حدیث میں خدا کی محبت کا سب سے آسان راستہ یہ بتلایا گیا ہے کہ پہلے تم ان نعمتوں کا مطالعہ کرو جو شب و روز بلا جد و جہد اور بلا کسی استحقاق کے تم کو میسر ہیں خدا کی محبت پیدا ہو جائے گی۔ جب خدا کی محبت تمہارے دل میں پیدا ہو جائے گی تو رسول کی محبت کا پیدا ہونا لازم ہوگا۔ کیونکہ اس کا رشتہ خدا سے یہی ہے کہ وہ تمہارے اور اس کے درمیان پیغام پہنچانے والا ہے بادشاہوں کے درباروں میں نامہ بروں کی جتنی قدر و قیمت ہوتی ہے راہ محبت میں اس سے کہیں زیادہ ہے اس لیے رسول کی محبت پیدا کرنے کا طریقہ یہ ہے کہ اس کو بارگاہ محبت کا پیغامبر سمجھو، جب دنیا کے ایلچیوں میں اخلاق فاضلہ و اوصاف کاملہ ضروری ہیں

تو خدا کے رسولوں سے کیوں ضروری نہ ہوں گے پھر اس جہت سے بھی محبت پیدا ہو جائے گی اسلام میں محبت کا اصل محور و مرکز صرف خدا کی ذات بتلائی گئی ہے اور یہی اس کی امتیازی توحید ہے کہ انسان کے قلبی علائق کے گوشے صرف اسی ایک ذات پاک کے نام پر تقسیم ہوتے ہیں۔ اسی لئے اذان و اقامت میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو رسول اللہ کہہ کر پکارا گیا ہے تاکہ اللہ اکبر کے بعد رسول اللہ کی عظمت و محبت قلب میں خود بخود جاگزیں ہو جائے اور اسی لئے قرآن کریم میں اِنْ كُنْتُمْ تُحِبُّوْنَ اللّٰهَ فَاتَّبِعُوْنِيْ (آل عمران: ۳۱) ارشاد فرمایا ہے یعنی اگر تم کو اللہ سے محبت ہے تو میری اتباع کرو۔ گویا اصل محور و مرکز خدا ہی کی محبت ہے اور اس کا صحیح معیار رسول کی طاعت ہے۔ جو شخص خدا کی محبت کا مدعی ہے مگر رسول کی عظمت و محبت پوری طرح نہیں کرتا یا رسول کی محبت کا دم بھرتا ہے مگر خدا کی عظمت و محبت سے خالی ہے وہ سر سے پاؤں تک غلطی میں ہے۔ رسول کی محبت و عظمت اس کا احترام و ادب اولین فریضہ ہے اور یہ سب اس لئے ہے کہ وہ اس باعظمت ذات کا رسول ہے جس کی تمام کائنات مخلوق ہے۔ رسول کی صحیح عظمت یہ ہے۔

اپنے خود تراشیدہ خیالات پر رسول کی محبت کرنا صحیح محبت نہیں عیسائی بھی حضرت مسیح سے محبت کرتے ہیں مگر خدا کا رسول سمجھ کر نہیں بلکہ اس کا بیٹا بنا کر کیا تم اس کو صحیح محبت کہو گے اور یہود ان سے بغض و دشمنی رکھتے ہیں مگر انہیں خدا کا دشمن سمجھ کر نہیں کیا تم اسے صحیح دشمنی کہو گے پھر صحیح دوستی اور صحیح دشمنی وہ ہے جو صرف اس ایک ذات پاک کے نام پر ہو اس کے سوا محبتیں اور دشمنیاں سب آئین اسلام سے باہر ہیں۔ اس علاقہ کو ذرا اور وسعت دو تو رسول کی اولاد سامنے آتی ہے ان سے محبت اس لئے ضروری ہے کہ رسول کی محبت ضروری ہے گویا ان کی محبت پیدا کرنے کے لئے رسول کی ذات سامنے رکھنا پڑے گی تو ان کی محبت آپ سے آپ پیدا ہو جائے گی جیسا کہ رسول کی محبت کے لئے خدا کی ذات کو پیش نظر رکھنا چاہیے اور اس طرح اگرچہ محبت کا دائرہ بہت پھیلتا چلا جائے گا مگر اصل مرکزی نقطہ پھر وہی ایک ذات پاک کی محبت رہے گی۔ اب اگر کوئی شخص رسول کی محبت کا دعویدار ہے مگر اہل بیت کی محبت نہیں رکھتا یا اہل بیت کی محبت کا تو دم بھرتا ہے مگر خود رسول کی محبت کے آثار اس میں نہیں پائے جاتے تو کیا تم اسے صحیح محبت والا کہہ سکتے ہو۔ رسول کا رشتہ جس طرح اہل بیت کے ساتھ ہے اسی طرح اس جماعت کے ساتھ بھی ہے جس میں اس نے اپنے شب و روز گذارے جنہوں نے اس کے لئے جانیں قربان کر دیں اور اس کی رفاقت میں تمام علائق ختم کر دینے میں تامل نہ کیا پس اگر کوئی شخص اس جان نثار جماعت سے بغض رکھے تو کیا تم اسے رسول کا محب کہو گے اللہ تعالیٰ ہمیں غلطی سے بچائے اور صحیح محبت کی توفیق بخشے۔

عَنْ عَبْدِ الْمُطَّلِبِ بْنِ رَبِيْعَةَ اَنَّ الْعَبَّاسَ دَخَلَ عَلٰى رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مُغْضَبًا وَاَنَا عِنْدَهٗ فَقَالَ مَا اَغْضَبَكَ قَالَ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ مَا لَنَا وَلِقُرَيْشٍ اِذَا تَلَاقَوْا بَيْنَهُمْ تَلَاقَوْا بِوُجُوْهٍ مُّبْشَرَةٍ وَاِذَا لَقُوْنَا لَقُوْنَا بِغَيْرِ ذٰلِكَ فَغَضِبَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ حَتّٰى احْمَرَّ وَجْهُهٗ ثُمَّ قَالَ وَالَّذِيْ نَفْسِيْ بِيَدِهٖ لَا يَدْخُلُ قَلْبَ رَجُلٍ الْاِيْمَانُ حَتّٰى يُحِبَّكُمْ لِلّٰهِ وَلِرَسُوْلِهٖ ثُمَّ قَالَ اَيُّهَا النَّاسُ مَنْ اٰذٰى عَمِّيْ فَقَدْ اٰذَانِيْ فَاِنَّمَا عَمُّ الرَّجُلِ صِنْوُ اَبِيْهِ۔ (رواہ الترمذی)

عبدالمطلب بن ربیعہ سے روایت ہے کہ حضرت عباسؓ غصہ میں بھرے ہوئے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس تشریف

ہاں تھے میں اس وقت آپ کے پاس بیٹھا ہوا تھا آپ نے فرمایا اتنا غصہ کیوں ہے؟ فرمایا یا رسول اللہ ہم میں اور قریش میں بھلا کیا
فرق ہے کہ جب وہ باہم ایک دوسرے سے ملتے ہیں تو بہت خوش خوش ملتے ہیں اور جب ہم سے ملتے ہیں تو اس طرح نہیں ملتے
اس پر آپ کو اتنا غصہ آیا کہ چہرہ مبارک سرخ ہو گیا پھر فرمایا اس ذات کی قسم ہے جس کے قبضہ میں میری جان ہے اس وقت تک
آدمی کے قلب میں ایمان داخل نہیں ہو سکتا جب تک وہ خدا اور اسکے رسول کی خاطر تم سے بھی محبت نہ رکھے۔ اس کے بعد کہا اے
لوگو! دیکھو جو میرے چچا کو تکلیف دے گا اس نے مجھے تکلیف دی۔ آدمی کا چچا اس کے باپ ہی کے برابر ہوتا ہے۔ (ترمذی)

عَنْ أُسَامَةَ رَضِيَ اللّٰهُ تَعَالٰى عَنْهُ قَالَ كُنْتُ جَالِسًا إِذْ جَاءَ عَلِيٌّ وَالْعَبَّاسُ يَسْتَأْذِنَانِ فَقَالَا لِأُسَامَةَ
اسْتَأْذِنْ لَنَا عَلٰى رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقُلْتُ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ عَلِيٌّ وَالْعَبَّاسُ يَسْتَأْذِنَانِ فَقَالَ
أَتَدْرِيْ مَا جَاءَ بِهِمَا قُلْتُ لَا قَالَ لٰكِنِّيْ أَدْرِيْ إِئْذَنْ لَهُمَا فَدَخَلَا فَقَالَا يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ جِئْنَاكَ نَسْأَلُكَ
أَيُّ أَهْلِكَ أَحَبُّ إِلَيْكَ قَالَ فَاطِمَةُ بِنْتُ مُحَمَّدٍ قَالَا مَا جِئْنَاكَ نَسْأَلُكَ عَنْ أَهْلِكَ قَالَ أَحَبُّ
أَهْلِيْ إِلَيَّ مَنْ قَدْ أَنْعَمَ اللّٰهُ عَلَيْهِ وَأَنْعَمْتُ عَلَيْهِ أُسَامَةُ بْنُ زَيْدٍ قَالَا ثُمَّ مَنْ قَالَ عَلِيُّ بْنُ أَبِيْ طَالِبٍ فَقَالَ
الْعَبَّاسُ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ جَعَلْتَ عَمَّكَ آخِرَهُمْ قَالَ إِنَّ عَلِيًّا سَبَقَكَ بِالْهِجْرَةِ. (رواه الترمذي)

اسامہؓ سے روایت ہے کہ میں بیٹھا ہوا تھا کہ ناگاہ حضرت علیؓ اور حضرت عباسؓ آئے اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں
حاضری کے لئے اجازت طلب کرنے لگے اور اسامہؓ سے کہا ہمارے لئے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے حاضری کی اجازت لے دو
میں نے عرض کیا یا رسول اللہ! علیؓ اور عباسؓ اجازت چاہتے ہیں آپ نے فرمایا بھلا جانتے ہو کیوں آئے ہیں؟ میں نے عرض کیا نہیں
فرمایا لیکن میں جانتا ہوں اچھا انہیں آنے کی اجازت دے دو۔ دونوں آ گئے اور بولے یا رسول اللہ ہم آپ کے پاس یہ دریافت کرنے
کے لئے حاضر ہوئے ہیں کہ آپ کو اپنے گھر میں سب سے زیادہ کس سے محبت ہے آپ نے فرمایا اپنی بیٹی فاطمہؓ سے عرض کیا یا رسول
اللہ ہم ان لوگوں کے متعلق نہیں پوچھتے فرمایا تو پھر جس پر (اسلام کی توفیق دے کر) اللہ تعالیٰ نے احسان کیا اور (آزاد کر کے) میں نے
احسان کیا یعنی اسامہ بن زید انہوں نے عرض کیا یا رسول اللہ پھر اس کے بعد آپ نے فرمایا کہ علی وعباسؓ بولے یا رسول اللہ آپ نے تو
اپنے چچا کو سب سے آخر نمبر میں ڈال دیا۔ فرمایا اس لیے کہ علیؓ ہجرت میں تم سے سبقت لے جا چکے ہیں۔ (ترمذی)

عَنْ عُمَرَ أَنَّهُ فَرَضَ لِأُسَامَةَ فِيْ ثَلَاثَةِ آلَافٍ وَخَمْسِمِائَةٍ وَفَرَضَ لِعَبْدِ اللّٰهِ بْنِ عُمَرَ فِيْ ثَلَاثَةِ
آلَافٍ فَقَالَ عَبْدُ اللّٰهِ بْنُ عُمَرَ لِأَبِيْهِ لِمَ فَضَّلْتَ أُسَامَةَ عَلَيَّ فَوَاللّٰهِ مَا سَبَقَنِيْ إِلٰى مَشْهَدٍ قَالَ لِأَنَّ زَيْدًا
كَانَ أَحَبَّ إِلٰى رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مِنْ أَبِيْكَ وَكَانَ أُسَامَةُ أَحَبَّ إِلٰى رَسُوْلِ اللّٰهِ
صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مِنْكَ فَآثَرْتُ حُبَّ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَلٰى حُبِّيْ. (رواه الترمذي)

عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ انہوں نے اسامہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا وظیفہ ساڑھے تین ہزار اور اپنے بیٹے کا تین
ہزار مقرر کیا تھا اس پر عبداللہ بن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما نے اپنے والد سے عرض کیا آپ نے اسامہ کو مجھ پر کن وجوہ کی بناء پر فوقیت

رنی، خوا نخواستہ بے کسی معرکہ میں وہ مجھ سے آگے نہیں بڑھے تھے عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے جواب دیا اس بناء پر کہ اسامہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے والد یعنی زید رضی اللہ تعالیٰ عنہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو تیرے والد سے زیادہ پیارے تھے اور خود اسامہ تجھ سے زیادہ پیارے تھے اس لئے میں نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے پیارے کو اپنے پیارے پر ترجیح دی۔ (ترمذی)

تشریح۔ مرقاۃ میں ہے کہ ایک مرتبہ حضرت عباسؓ، ابوسفیان، بلال، سلمان رضی اللہ تعالیٰ عنہم اجمعین حضرت عمرؓ کے پاس تشریف لائے اور اجازت طلب کی حضرت عمرؓ نے پہلے حضرت بلال رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو اجازت دی۔ ابوسفیان نے حضرت عباسؓ سے فرمایا آپ دیکھتے ہیں کہ عمرؓ ہمارے غلاموں کو ہم سے بڑھاتے ہیں حضرت عباسؓ نے فرمایا ہم لوگ ہجرت میں پیچھے بھی رہ گئے تھے۔ اس لیے ہماری یہی جزاء ہونا چاہیے۔ سبحان اللہ یہ اسلام ہے جس کے نزدیک آزاد و غلام کا کوئی فرق نہیں۔ بڑائی اور چھوٹائی کا مدار اسلامی جانبازی اور قربانی پر ہے۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی محبت کی کچھ علامات محبت سنت

عَنْ اَنَسِ بْنِ مَالِکٍؓ قَالَ قَالَ لِیْ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ یَا بُنَیَّ اِنْ قَدَرْتَ اَنْ تُصْبِحَ وَتُمْسِیَ وَلَیْسَ فِیْ قَلْبِکَ غِشٌّ لِاَحَدٍ فَافْعَلْ ثُمَّ قَالَ یَا بُنَیَّ وَذٰلِکَ مِنْ سُنَّتِیْ وَمَنْ اَحَبَّ سُنَّتِیْ فَقَدْ اَحَبَّنِیْ وَمَنْ اَحَبَّنِیْ کَانَ مَعِیَ فِی الْجَنَّۃِ (رواہ الترمذی)

انسؓ روایت فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھ سے فرمایا اے فرزند اگر تم یہ کر سکتے ہو کہ صبح یا شام کسی وقت بھی تمہارے دل میں کسی کے لئے کھوٹ نہ رہے تو کر گذرو کیونکہ صاف سینہ رہنا میرا طریقہ ہے اور جو میرے طریقہ کو پسند کرتا ہے وہ ضرور میری محبت رکھتا ہے اور جو مجھ سے محبت رکھتا ہے وہ جنت میں میرے ساتھ ہوگا۔ (ترمذی)

تشریح۔ عربی زبان میں غش (نصح) کی ضد ہے (نصح) کے معنی خیر خواہی ہیں۔ قلبی کھوٹ میں کینہ بغض عداوت وغیرہ سب داخل ہیں۔ صاف سینہ رہنا اخلاق نبوۃ کا جزء ہے اور شریعت میں اس کی بہت تاکید کی گئی ہے اس حدیث میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی محبت کی ایک کھلی ہوئی علامت یہ بتلائی گئی ہے کہ آپ کے تمام اوضاع و اطوار نظروں میں محبوب ہو جائیں عبادت کرنا ہر انسان کا فرض ہے اور ہر مسلمان اس میں آپ کی اتباع کرنا اپنا فرض سمجھتا ہے لیکن اس حدیث میں محبت کا ایک اور بلند معیار بتلایا گیا ہے وہ یہ کہ عبادات کے سوا آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے عادات و نفسیات و طبعیات بھی نظروں میں قابل ترجیح بن جائیں۔ بلکہ وہ غیر اختیاری جذبات جو ہر مخالف کے لئے قلب میں موجزن ہوتے ہیں اس لیے قلب میں جگہ نہ پکڑیں کہ یہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی سیرت کے خلاف ہیں۔ یہ اسی وقت ہو سکتا ہے جب کہ آپ کی محبت رگ رگ میں سرایت کر چکی ہو۔

جنت میں آپ کے ساتھ ہونے کا مطلب ٹھیک اسی منزل و مرتبہ میں ہونا نہیں ہے بلکہ زیارت و ملاقات کی سہولت مراد ہے۔ جنت تو ہم کی تمام سیف مکان کی شان ہے اور اس میں رہنے والے سب ایک ہی جگہ بسنے والے سمجھے جاتے ہیں۔ علاقہ محبت کا ثمرہ ہے کہ جنت میں ہر شخص کا مقام آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے مقام سے بلحاظ محبت کے بقدر قریب رکھا جائے گا۔

عرب کی محبت

عَنْ سَلْمَانَ قَالَ قَالَ لِیْ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ لَا تُبْغِضْنِیْ فَتُفَارِقَ دِیْنَکَ قُلْتُ یَا رَسُوْلَ اللّٰہِ کَیْفَ اُبْغِضُکَ وَبِکَ ھَدَانَا اللّٰہُ قَالَ تُبْغِضُ الْعَرَبَ فَتُبْغِضُنِیْ (رواہ الترمذی)

سلمانؓ سے روایت ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھ سے فرمایا کہ تم مجھ سے بغض نہ رکھنا ورنہ دین سے بالکل جدا ہو جاؤ گے۔ انہوں نے عرض کیا یا رسول اللہ بھلا آپؐ سے کیسے بغض رکھ سکتا ہوں، آپ ہی کے طفیل میں تو اللہ تعالیٰ نے ہم کو ہدایت نصیب فرمائی ہے۔ فرمایا عرب سے بغض رکھو گے تو مجھ سے بھی بغض رکھنے لگو گے۔ (ترمذی)

تشریح: ہم پہلے بھی بتا چکے ہیں کہ اسلام میں محبت کا مرکز صرف اللہ کی ذات ہے پھر جہاں تک بھی اس کی شاخیں پھیلتی ہیں سب کا منشا وہ ذات پاک رہتی ہے۔ رسول کی محبت خدا کی محبت کی وجہ سے ہے اور عرب کی محبت اس لیے ہے کہ وہ خدا کے برگزیدہ رسول کا محبوب امت اور محبوب قوم ہے۔ محبت اور عداوت دونوں متعدی صفات ہیں، جب محبت پیدا ہوتی ہے تو اپنے اطراف میں بھی پھیلتی ہے یہی حال عداوت کا ہے حتی کہ ایک شخصیت کی وجہ سے تمام جہاں نظروں میں محبوب یا دشمن بن جاتا ہے۔ عرب کی محبت اگر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی وجہ سے ہے تو پھر ان کی دشمنی یقیناً آپ سے اندرونی بغض ہی کا نتیجہ ہوگی۔ عرب کے کسی خاص شخص سے اس کی بداعمالی کی وجہ سے عداوت عرب کی عداوت نہیں کہلاتی، عرب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی قوم ہے اس لحاظ سے ہمیشہ نظروں میں محبوب ہے جیسا اپنی اولاد کہ اس کی محبت کسی صورت بھی جدا ہونے والی نہیں۔ جو بغض بدعملی کی وجہ سے پیدا ہوتا ہے اس کا سبب بھی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی محبت ہے وہ اور بات ہے۔

حدیث و قرآن کو نہایت سادگی سے سمجھنا چاہیے اس میں قیدیں لگا لگا کر جو بات پیدا کرنا مجبوری ہے کسی محترم ہستی کی وجہ سے اس کے وطن اس کی زبان اس کے طور طریقہ کا احترام نظروں میں سما جانا ایک فطری بات ہے، اسی رشتہ کی وجہ سے صحیحین میں انصار کی محبت کو ایمان کی علامت کہا گیا ہے اور اسی نظر سے یہاں عرب کی محبت کا امر فرمایا گیا ہے اب اس وطن و قوم کے حدود کہاں تک ہیں یہ بات اپنے اپنے تعلق و محبت کی گہرائی اور خارجی تفصیل پر موقوف ہے۔ رسول کی محبت اگر سچی دل میں ہے تو اس کے تقاضے پورے کرنے پڑیں گے۔

عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ اَحِبُّوا الْعَرَبَ لِثَلَاثٍ لِاَنِّیْ عَرَبِیٌّ وَالْقُرْاٰنُ عَرَبِیٌّ وَکَلَامُ اَھْلِ الْجَنَّۃِ عَرَبِیٌّ۔ (رواہ البیہقی فی شعب الایمان)

وفی حب العرب احادیث کثیرۃ بعضھا صححہ الحاکم وقال الذھبی الحدیث ضعیف لا صحیح ولا موضوع تذکرۃ الموضوعات ص ۱۱۲۔ وفی آخر الرقاق من المستدرک راحب العرب من قلبک قال الذھبی صحیح المستدرک۔ (ج ۴ ص [illegible])

ابن عباسؓ سے روایت ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے عرب سے تین باتوں کی وجہ سے محبت رکھو اس لیے کہ میں عربی ہوں، اس لیے کہ قرآن عربی ہے اس لیے کہ اہل جنت کی گفتگو عربی زبان میں ہوگی۔ (شعب الایمان)

صحابہ کرام رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین انصار اور اہل بیت کی محبت

عَنْ عَبْدِاللّٰہِ بْنِ مُغَفَّلٍؓ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ اَللّٰہَ اَللّٰہَ فِیْ اَصْحَابِیْ اَللّٰہَ اَللّٰہَ فِیْ اَصْحَابِیْ لَا تَتَّخِذُوْھُمْ غَرَضًا مِنْ بَعْدِیْ فَمَنْ اَحَبَّھُمْ فَبِحُبِّیْ اَحَبَّھُمْ وَمَنْ اَبْغَضَھُمْ فَبِبُغْضِیْ اَبْغَضَھُمْ وَمَنْ اٰذَاھُمْ فَقَدْ اٰذَانِیْ وَمَنْ اٰذَانِیْ فَقَدْ اٰذَی اللّٰہَ وَمَنْ اٰذَی اللّٰہَ فَیُوْشِکُ اَنْ یَّاْخُذَہٗ. (رواہ الترمذی وقال ھذا حدیث غریب)

عبداللہ بن مغفلؓ سے روایت ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے تاکید فرمایا کہ میرے صحابہؓ کے بارے میں خدا کا خوف رکھنا اور میرے بعد ان کو ہدف ملامت نہ بنانا (یاد رکھو) جو ان سے محبت رکھے گا وہ میری وجہ سے محبت رکھے گا اور جو ان سے بغض رکھے گا وہ میری وجہ سے بغض رکھے گا، جو ان کو تکلیف دے گا اس نے گویا مجھے تکلیف دی اور جس نے مجھے تکلیف دی اس نے خدائے تعالیٰ کو تکلیف دینے کا ارادہ کیا تو قریب ہے کہ وہ گرفت کرلے۔ (ترمذی)

تشریح۔ شرح السنہ میں حضرت انسؓ سے روایت ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا امت میں میرے صحابہ کی مثال ایسی ہے جیسا کھانے میں نمک کی، بھلا کوئی کھانا بلا نمک درست ہوسکتا ہے۔ حسنؒ فرماتے ہیں کہ ہمارا نمک ہی ختم ہوا تو بتلاؤ ہم کہاں سے درست ہوں۔ (مظاہر حق)

عَنِ الْبَرَاءِؓ قَالَ سَمِعْتُ رَسُوْلَ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ یَقُوْلُ الْاَنْصَارُ لَا یُحِبُّھُمْ اِلَّا مُؤْمِنٌ وَلَا یُبْغِضُھُمْ اِلَّا مُنَافِقٌ فَمَنْ اَحَبَّھُمْ اَحَبَّہُ اللّٰہُ وَمَنْ اَبْغَضَھُمْ اَبْغَضَہُ اللّٰہُ. (متفق علیہ)

براءؓ روایت فرماتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ فرماتے سنا ہے انصار سے کوئی محبت نہیں رکھے گا مگر مومن اور ان سے بغض نہیں رکھے گا مگر منافق جو ان سے محبت رکھے گا اللہ تعالیٰ اس سے محبت رکھے گا اور جو ان سے بغض رکھے گا۔ اللہ تعالیٰ بھی اس سے بغض رکھے گا۔ (متفق علیہ)

احبہ اللہ اور ابغضہ اللہ کو اگر جملہ دعائیہ بنا دیا جائے تو بھی ممکن ہے یعنی خدا ان سے محبت کرے اور خدا ان سے بغض رکھے۔

عَنْ اَنَسٍؓ اَنَّ النَّبِیَّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ رَاٰی صِبْیَانًا وَّنِسَاءً مُقْبِلِیْنَ مِنْ عُرْسٍ فَقَامَ النَّبِیُّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ فَقَالَ اَللّٰھُمَّ اَنْتُمْ مِنْ اَحَبِّ النَّاسِ اِلَیَّ اَللّٰھُمَّ اَنْتُمْ مِنْ اَحَبِّ النَّاسِ اِلَیَّ. یَعْنِی الْاَنْصَارَ. (متفق علیہ)

انسؓ روایت فرماتے ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے چند بچوں اور عورتوں کو ایک شادی سے واپس آتے ہوئے دیکھا تو کھڑے ہوگئے اور فرمایا۔ سب لوگوں میں تم مجھے بہت ہی محبوب ہو بہت ہی محبوب ہو۔ راوی کہتا ہے کہ یہ خطاب آپ کا انصار کے بچوں اور عورتوں کو تھا۔ (متفق علیہ)

تشریح۔ مہاجرین تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا قبیلہ و خاندان تھے۔ انصار نے غیر ہو کر جو آپ کی مدد کی اس میں خدا کے رسول سے محبت کے سوا اور کیا جذبہ ہوسکتا تھا۔ اس لیے ہر موقعہ پر آپ بھی ان سے محبت آمیز کلمات فرما کر ان کی ہمت افزائی فرمایا کرتے اور یہ بتلایا کرتے تھے کہ خدا کے رسول کو ان کی اس جاں نثاری کی کتنی قدر ہے۔

عَنِ الْبَرَاءِ رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہُ قَالَ رَاَیْتُ النَّبِیَّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ وَالْحَسَنُ بْنُ عَلِیٍّ عَلٰی

عَاتِقِهِ يَقُولُ اَللّٰهُمَّ اِنِّيْ اُحِبُّهٗ فَاَحِبَّهٗ. (متفق علیہ)

وفی روایۃ عن ابی ھریرۃ عنھما اَللّٰهُمَّ اِنِّيْ اُحِبُّهٗ فَاَحِبَّهٗ وَاَحْبِبْ مَنْ يُّحِبُّهٗ.

براءؓ کہتے ہیں کہ میں نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھا کہ حضرت حسنؓ آپ کے کاندھے پر ہیں اور ان کے لئے آپ یہ دعا فرما رہے ہیں اے اللہ میں ان سے محبت کرتا ہوں تو بھی ان سے محبت فرما۔ یہ حدیث متفق علیہ ہے اور ابوہریرہؓ کی ایک روایت میں حسنین نے یہ روایت کیا ہے اے اللہ میں ان سے محبت رکھتا ہوں تو بھی ان سے محبت فرما اور جو ان سے محبت کرے ان سے بھی محبت فرما۔

تشریح۔ رسول کی محبت رکھو گے تو خدا کی محبت پیدا ہو جائے گی اور اگر رسول تم سے محبت کرے گا تو تم خدا کے محبوب بن جاؤ گے اسی لیے قرآن کریم میں فرمایا: ﴿اِنْ كُنْتُمْ تُحِبُّوْنَ اللّٰهَ فَاتَّبِعُوْنِيْ يُحْبِبْكُمُ اللّٰهُ﴾ (آل عمران: ۳۱) اگر تم محبت رکھتے ہو اللہ سے تو میری اتباع کرو، اللہ تعالیٰ تم سے محبت کرے گا۔ اس آیت میں اتباع رسول کا ثمرہ خدائے تعالیٰ کی محبوبیت قرار دیا گیا ہے۔ یہاں بھی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے پہلے اپنی محبت کا اظہار فرمایا ہے اس کے بعد اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں یہ درخواست کی ہے کہ وہ انہیں اپنا محبوب بنا لے۔ اصل یہ ہے کہ محبت میں خدا اور رسول کے درمیان تفریق نہیں ہو سکتی۔ ایک کا محب دوسرے کا محب ہے اور ایک کا محبوب دوسرے کا محبوب بن کر رہتا ہے۔ پہلے روایت میں گذر چکا ہے کہ اہل بیت کی محبت کا اصل رشتہ خدا کے رسول ہی کی ذات مقدس ہے اسی طرح انصار، صحابہ، عرب کی محبت بھی اسی ایمانی رشتے سے وابستہ ہے۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی مرغوب چیز کا مرغوب ہو جانا

عَنْ عُبَيْدِ بْنِ جُرَيْجٍ اَنَّهٗ قَالَ لِابْنِ عُمَرَ رَاَيْتُكَ تَلْبَسُ النِّعَالَ السِّبْتِيَّةَ قَالَ اِنِّيْ رَاَيْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَلْبَسُ النِّعَالَ الَّتِيْ لَيْسَ فِيْهَا شَعْرٌ وَيَتَوَضَّأُ فِيْهَا فَاَنَا اُحِبُّ اَنْ اَلْبَسَهَا. (رواہ الترمذی وغیرہ)

عبید بن جریج رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے دریافت کیا۔ میں دیکھتا ہوں کہ آپ ہمیشہ بے بال چمڑے کے چپل پہنا کرتے ہیں؟ انہوں نے فرمایا کہ میں نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو ایسے ہی چپل پہنے دیکھا تھا جس پر بال نہ ہوا کرتے تھے اس لیے مجھے بھی ایسے ہی چپل پہننا پسند ہیں۔ (ترمذی)

عَنْ اَنَسِ بْنِ مَالِكٍ قَالَ اِنَّ خَيَّاطًا دَعَا رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لِطَعَامٍ صَنَعَهٗ فَقَالَ اَنَسٌ فَذَهَبْتُ مَعَ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اِلٰى ذٰلِكَ الطَّعَامِ فَقَرَّبَ اِلٰى رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ خُبْزًا مِّنْ شَعِيْرٍ وَمَرَقًا فِيْهِ دُبَّاءٌ وَقَدِيْدٌ قَالَ اَنَسٌ فَرَاَيْتُ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَتَتَبَّعُ الدُّبَّاءَ حَوَالَيِ الصَّحْفَةِ فَلَمْ اَزَلْ اُحِبُّ الدُّبَّاءَ مِنْ يَوْمَئِذٍ. (رواہ الشیخان وفی روایۃ للترمذی)

قَالَ اَنَسٌ فَمَا صُنِعَ لِيْ طَعَامٌ اَقْدِرُ عَلٰى اَنْ يُّصْنَعَ فِيْهِ دُبَّاءٌ اِلَّا صُنِعَ.

انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ روایت فرماتے ہیں کہ ایک درزی نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے لئے کچھ کھانا تیار کیا اور آپ کی دعوت کر دی۔ میں بھی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ کھانے پر گیا۔ انہوں نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے جو کی روٹی اور شوربا پیش کیا جس میں لوکی اور گوشت کے ٹکڑے پڑے ہوئے تھے۔ میں نے دیکھا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم لوکی

کے ٹکڑے پیالے میں چاروں طرف تلاش کر رہے ہیں بس اسی دن سے لوکی مجھے محبوب ہو گئی۔ (شیخین)
انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ اس دن کے بعد سے جس سالن میں بھی میں لوکی ڈلوا سکتا تھا ڈلوالیتا تھا۔ (ترمذی)

تشریح۔ عام محبت بھی جب رسوخ پیدا کر لیتی ہے تو نفسیات و طبعیات بلکہ شکل و شباہت پر اس کا اثر پڑنے لگتا ہے۔ جس محبت کا نام ایمان ہے اس میں چونکہ عقیدت بھی شامل ہو جاتی ہے اس لیے اس کی تاثیر بھی کچھ اور ہے۔ شیخ بدرالدین عینی رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں۔ ذکر اصحابنا ان من قال کان النبی صلی اللہ علیہ وسلم یحب القرع فقال اخر لا احب القرع یخشی علیہ من الکفر۔ (ج ۵ ص ۴۴۶) ہمارے اصحاب نے بیان کیا ہے اگر کوئی شخص کہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم لوکی پسند فرماتے تھے اور اس کے مقابلہ میں دوسرا شخص بول اٹھے کہ مجھے تو لوکی پسند نہیں ہے تو اس بے محل انکار پر اس کے کفر کا اندیشہ ہے۔

اس کی مثال یوں سمجھئے کہ ایک مرتبہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے مومن کے لئے امراض میں مبتلا ہونے اور اس پر صبر کے ثواب کا ذکر فرمایا تو ایک شخص نے کہا یارسول اللہ وما الاسقام واللہ ما مرضت قط فقال قم عنا فلست منا (ابوداؤد) یارسول اللہ میں تو بیماری کا نام بھی نہیں جانتا اور خدا کی قسم اب تک کبھی بیمار پڑا ہوں۔ آپ نے فرمایا ہمارے پاس سے اٹھ جا تیرا ہم سے کوئی واسطہ نہیں یا جیسا صحیح مسلم میں ہے کہ ایک مرتبہ ابن عمرؓ نے فرمایا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے عورتوں کو مسجدوں میں جانے سے روکنے کی ممانعت کی ہے ان کے ایک فرزند نے کہا۔ ہمارے زمانے کے حالات بدل گئے ہیں ہم تو ضرور روکیں گے اس پر ابن عمرؓ نے اتنا برا بھلا کہا کہ شاید کبھی عمر بھر کسی کو نہ کہا تھا اور مسند امام احمد میں ہے کہ پھر مرتے دم تک ان سے بات نہ کی۔ ان سب مقامات پر بات خواہ کتنی ہی سچی ہو مگر انداز چونکہ گستاخانہ تھا اس لیے دونوں جگہ عتاب ہوا۔ ایسے وقت جب کہ رسول مسلمانوں کے حق میں بیماری کے فضائل بیان کر رہا ہے یہ کہنا کہ میں تو بیماری کو جانتا بھی نہیں کسے کہتے ہیں یا حدیث رسول سن کر یہ کہنا کہ ہم تو روکیں گے خود رسول اللہ اور حدیث رسول کا صورۃً مقابلہ کرنا ہے۔ اسی طرح آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی پسندیدہ چیز کو سن کر فوراً یہ کہنا کہ مجھے تو پسند نہیں انتہائی گستاخی و بدتہذیبی ہے اسی لیے امام ابو یوسفؒ نے تو ایسے شخص کے قتل کا حکم دے دیا تھا۔ اگر حب ایمانی اس درجہ پیدا ہو چکی ہے تو یقیناً آپ کے اوضاع و اطوار نفسیات و طبعیات بھی بدل جائیں گے اگر یہ مقام حاصل نہیں ہے تو معارضہ و مقابلہ کرنے کی حاجت بھی کیا ہے اگر آپ کو لوکی مرغوب نہیں ہے نہ سہی دانگریز کی محبت نے آپ کے اپنے لباس و طعام شکل و شباہت کا جو حال بنا ڈالا ہے ایک مرتبہ ذرا اس پر غور کر لیجئے۔ پھر جو حال یہاں آپ نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے مرغوبات کے متعلق بنا رکھا ہے یہی حال مکروہات کا بھی سمجھ لینا چاہئے۔

دنیا سے بے رغبتی اور فقر کی زندگی کو ترجیح دینا

عَنْ عَبْدِاللّٰہِ بْنِ مُغَفَّلٍ رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہُ قَالَ جَآءَ رَجُلٌ اِلَی النَّبِیِّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ فَقَالَ اِنِّیْ اُحِبُّکَ قَالَ اُنْظُرْ مَا تَقُوْلُ فَقَالَ وَاللّٰہِ اِنِّیْ لَاُحِبُّکَ ثَلٰثَ مَرَّاتٍ قَالَ اِنْ کُنْتَ صَادِقًا فَاَعِدَّ لِلْفَقْرِ تِجْفَافًا لَلْفَقْرُ اَسْرَعُ اِلٰی مَنْ یُّحِبُّنِیْ مِنَ السَّیْلِ اِلٰی مُنْتَہَاہُ. (رواہ الترمذی)
وَقَالَ ھٰذَا حَدِیْثٌ حَسَنٌ غَرِیْبٌ وَفِیْ حَدِیْثِ اَبِیْ سَعِیْدٍ وَحَسَّنَہٗ اِنَّ الْفَقْرَ اِلٰی مَنْ یُّحِبُّنِیْ

مِنْكُمْ اَسْرَعُ مِنَ السَّيْلِ مِنْ اَعْلَى الْوَادِیْ۔

عبداللہ بن مغفلؓ سے روایت ہے کہ ایک شخص آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا اور بولا میں آپؐ سے محبت رکھتا ہوں، آپؐ نے فرمایا دیکھ کیا کہتا ہے، اس نے پھر کہا خدا کی قسم میں آپؐ سے محبت رکھتا ہوں تین بار کہا۔ آپؐ نے فرمایا اگر تو سچ بولتا ہے تو پھر فقر کی تکلیفوں کے لیے اپنے واسطے ایک آہنی جھول تیار کر لے کیونکہ فقر مجھ سے محبت رکھنے والے کی طرف اس سے زیادہ تیزی کے ساتھ آتا ہے جیسا نشیب میں رو کا پانی۔ (ترمذی)

اور اس کو حسن غریب کہا ہے اور ابوسعیدؓ کی حدیث میں یہ لفظ ہیں بلاشبہ فقر اس شخص کی طرف جو تم میں مجھ سے محبت رکھتا ہے اس سے زیادہ تیزی کے ساتھ آتا ہے جیسا وادی کی بلندی سے پانی۔

تشریح۔ (تجفاف) لغت میں اس زرہ یا جھول کو کہتے ہیں جو جنگ میں گھوڑے کی حفاظت کے لئے اس پر ڈال دی جاتی ہے۔ حدیث کا مطلب یہ ہے کہ جو شخص آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے دعویٰ محبت رکھتا ہے اس کے لیے یہ ضروری ہے کہ وہ آپ کی ہمرنگ زندگی اختیار کرے۔ اپنا پیٹ کاٹ کر بھوکوں کو کھانا کھلا دے اور خود بھوکا رہ جائے۔ پانی دوسرے پیاسوں کو پلا دے اور خود پیاسا رہ جائے۔ اپنی سواری دوسرے ضرورت مند پیادوں کو دے دے اور خود پیدل چلے۔ غرض اپنا مال و اسباب سب دوسروں کو تقسیم کر ڈالے ان کو غنی بنا دے اور خود فقیر بن جائے۔

حدیث کا یہ مطلب نہیں ہے کہ خدا کے رسول کی محبت رکھنے والے فقیر ہی ہوتے ہیں بلکہ یہ مطلب ہے کہ دوسروں کی ہمدردی میں وہ اپنی زندگی خود فقیرانہ بنا لیتے ہیں۔ دنیا میں ہر غمزدہ کا غم ان کے لئے موجب غم ہوتا ہے یہ نہیں ہو سکتا کہ دوسرے بھوکے ہوں یہ شکم سیر، دوسرے پیاسے ہوں یہ سیراب، دوسرے ننگے پھریں اور یہ لباس فاخرہ پہنیں۔ اب اگر کوئی شخص اتنا وسیع ظرف رکھتا ہے کہ وہ اپنی تمام راحت و رفاہیت کو دوسروں پر قربان کر دے تو بے شک اس کو آپ کی محبت کا دعویٰ کرنا چاہیے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے سچے مدعی محبت کو مصائب و آلام کی یہ تمام وادیاں عبور کرنی ہوں گی اور بخوشی عبور کرنی ہوں گی۔ اب اگر کوئی ہمت ہے تو آئے اور اس میدان میں قدم رکھے ورنہ وہ اپنے دعوے میں سچا نہیں سمجھا جا سکتا۔

کوتاہ دیدگان ہمہ راحت طلب کنند　　　عاشق بلا کہ راحت او در بلاء تست

گنہگار کو بھی اللہ اور اس کے رسول کے ساتھ محبت ہو سکتی ہے

عَنْ عُمَرَ بْنِ الْخَطَّابِ رَضِیَ اللہُ تَعَالٰی عَنْهُ اَنَّ رَجُلًا عَلٰى عَهْدِ النَّبِیِّ صَلَّى اللہُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كَانَ اِسْمُهٗ عَبْدَاللہِ وَكَانَ يُلَقَّبُ حِمَارًا وَكَانَ يُضْحِكُ رَسُوْلَ اللہِ صَلَّى اللہُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَكَانَ رَسُوْلُ اللہِ صَلَّى اللہُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَدْ جَلَدَهٗ فِی الشَّرَابِ فَاُتِیَ بِهٖ يَوْمًا فَاَمَرَ بِهٖ فَجُلِدَ فَقَالَ رَجُلٌ مِنَ الْقَوْمِ اَللّٰهُمَّ الْعَنْهُ مَا اَكْثَرَ مَا يُؤْتٰى بِهٖ فَقَالَ النَّبِیُّ صَلَّى اللہُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَا تَلْعَنُوْهُ فَوَاللہِ مَا عَلِمْتُ اَنَّهٗ يُحِبُّ اللہَ وَرَسُوْلَهٗ (رواہ البخاری)

عمر بن الخطابؓ سے روایت ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں ایک شخص تھا اس کا نام عبداللہ اور اس کا لقب حمار تھا۔ وہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو ہنسایا کرتا تھا۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم شراب پینے کے جرم میں ایک مرتبہ اس کے

کوڑے لگانے کا حکم دے چکے تھے۔ ایک دن پھر اسی شکایت میں وہ دوبارہ گرفتار ہو کر آپ ؐ کے سامنے پیش ہوا پھر اس کے کوڑے لگائے جانے کا حکم دیا گیا کوڑے لگا دیئے گئے اس پر ایک شخص بولا یہ شراب کے مقدمہ میں کتنا کثرت سے گرفتار کر کر کے لایا جاتا ہے (اور باز نہیں آتا) اے خدا تو اس پر لعنت فرما یہ سن کر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اس پر لعنت مت برساؤ، بخدا میں جانتا ہوں کہ یہ خدا اور اس کے رسول سے محبت رکھتا ہے۔ (بخاری)

تشریح۔ بر دور میں کچھ لوگوں کے مزاج میں خوش طبعی کا مضمون ہوتا ہے اور اپنے اسی طبعی مزاج کے مطابق وہ جہاں بیٹھتے ہیں ہنسی کی باتیں کیا کرتے ہیں۔ اگر اتنی بات اپنے حدود میں رہ کر ہو تو چنداں معیوب بھی نہیں۔ فتح الباری میں ان کے مذاق کی ایک دلچسپ داستان بھی مذکور ہے ملاحظہ کیجئے۔ حافظ ابن حجرؒ کے کلام سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ واقعہ خیبر کا ہے۔ عرب کی گھٹی میں شراب پڑی ہوئی تھی اور اسی لیے اس کی حرمت بھی آہستہ آہستہ نازل ہوئی ہے۔ اسی درمیان میں بعض آزاد طبع اس میں تساہل ہو گیا ہے مگر اس تساہل کا شرعی نتیجہ پھر بھی انہیں بھگتنا پڑا ہے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے فرمان کا منشاء یہ ہے کہ اگر کوئی خوآسوز، کمزور فطرت، کسی صبر آزما منظر کو دیکھ کر استقامت نہیں دکھلا سکا تو اس کا یہ مطلب نہیں ہے کہ اس پر لعنت برسائی جائے اور بجائے دعا کے اس کے لئے اور بد دعائیں کی جائیں۔ یہ ممکن ہے اور بہت ممکن ہے کہ ایک طرف قلب میں خدا اور رسول کی محبت کی تڑپ بھی موجود ہو اور دوسری طرف تقاضائے محبت کے عملی اظہار میں کچھ قصور رہ ہے اور اس لیے اس تڑپ کا پورا پورا اقتضاء پورا نہ ہو سکے۔ اسی قسم کے ایک دوسرے واقعہ میں مذکور ہے کہ کسی نے اس شخص کو اخزاک اللہ (خدا تجھے رسوا کرے) کہہ دیا تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا لاتقولوا ھکذا، لاتعینو علیہ الشیطان یہ کلمات مت کہو اور اس کے مقابلہ میں شیطان کی اعانت مت کرو۔ (بخاری) اور دوسری روایت میں ہے ولکن قولوا اللّٰھم اغفرلہ اللّٰھم ارحمہ (ابوداؤد) وہ بھی اس کو شراب پلا کر رسوا کرنا چاہتا تھا۔ تم بھی بد دعائیں کر کے اس کا مقصد پورا کرنا چاہتے ہو مناسب یہ ہے کہ اس کے لئے مغفرت اور رحم کی دعا کرو، بالخصوص جب کہ وہ شراب خواری کی پاداش بھگت بھی چکا ہے۔ امام بخاریؒ نے اس حدیث پر حسب ذیل باب قائم کیا ہے۔ باب مایکرہ من لعن شارب الخمر و انہ لیس بخارج من الملۃ شراب خوار پر لعنت کرنا پسندیدہ نہیں ہے (بالخصوص جب کہ اس پر حد بھی قائم ہو چکی ہو) اور اس وجہ سے وہ خارج از ملت بھی نہیں ہوتا۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی محبت کا ثمرہ

عَنْ اَنَسِ بْنِ مَالِکٍؓ اَنَّ رَجُلًا سَأَلَ النَّبِیَّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ مَتَی السَّاعَۃُ یَا رَسُوْلَ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ قَالَ مَا اَعْدَدْتَ لَھَا قَالَ مَا اَعْدَدْتُ لَھَا مِنْ کَثِیْرِ صَلٰوۃٍ وَلَا صَوْمٍ وَلَا صَدَقَۃٍ وَلٰکِنِّیْ اُحِبُّ اللّٰہَ وَرَسُوْلَہٗ قَالَ اَنْتَ مَعَ مَنْ اَحْبَبْتَ. (رواہ البخاری)

انس بن مالکؓ سے روایت ہے کہ ایک شخص نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھا قیامت کب آئے گی؟ آپ نے فرمایا قیامت کے لئے بھلا تو نے کیا تیار کر رکھا ہے؟ اس نے عرض کیا مجھ کو نہ بہت سی نمازیں یاد ہیں نہ روزے نہ صدقے، ہاں ایک بات ہے کہ اللہ اور اس کے رسول سے محبت رکھتا ہوں۔ آپ ؐ نے فرمایا تو پھر (قیامت میں) تو ان کے ساتھ ہوگا جن سے تجھے محبت ہے۔ (بخاری)

تشریح۔ حدیث کا آخری جملہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے کئی موقعہ پر ارشاد فرمایا ہے۔ (۱) یہ جملہ ابن مسعودؓ کی حدیث میں جب کہ صحابہؓ نے ایسے شخص کے متعلق دریافت کیا تھا جو کسی جماعت سے محبت تو رکھتا ہے مگر ان کے سے عمل نہیں کرسکا۔ آپ نے انہیں یہی جواب دیا تھا المرء مع من احب قیامت میں آدمی اسی کے ساتھ ہوگا جس سے دنیا میں محبت رکھتا تھا۔ یہاں بھی اسی جملہ کا اعادہ فرمایا ہے۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ اخروی آئین میں محبت کا ضابطہ معیت ہے اور در حقیقت ایک عاشق کی منتہائے تمنا اس کے سوا اور ہے بھی کیا۔ اسی لیے بعض روایات میں حدیث مذکور کے آخر میں ہے قال انس فما رأیت المسلمین فرحوا بشیء بعد الاسلام فرحھم بھا. انسؓ فرماتے ہیں کہ میں نے اسلام کے بعد صحابہؓ کو اتنا خوش ہوتے ہوئے کسی بات پر نہیں دیکھا جتنا کہ اس خوشخبری پر۔ صاحب مشکوٰۃ نے بیہقی کی ایک روایت نقل کی ہے جس سے اس معیت کی مزید تفصیل معلوم ہوتی ہے۔ عن ابی ھریرۃ قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم لو ان عبدین تحابا فی اللہ عزوجل واحد فی المشرق واٰخر فی المغرب لجمع اللہ بینھما یوم القیامۃ الخ. آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اگر دو شخص جن میں ایک مشرق اور دوسرا مغرب کا رہنے والا خدا کے لیے محبت کریں تو قیامت کے دن اللہ تعالیٰ دونوں کو ایک جگہ جمع کر دے گا۔ ابوہریرہؓ فرماتے ہیں المرء علی دین خلیلہ فلینظر احدکم من یخالل. آدمی اپنے دوست کا دین اختیار کرتا ہے اس لیے خوب دیکھ بھال کر دوستی کرے کس سے کرتا ہے۔ اس حدیث سے معلوم ہوا کہ محبت کا ثمرہ صرف اخروی معیت نہیں ہے بلکہ اس معیت کے آثار اسی دنیا سے شروع ہو جاتے ہیں۔ پھر آخرت کی معیت اسی کے نتیجہ میں ظاہر ہوتی ہے۔ جس طرح محبت کا نتیجہ معیت ہے اسی طرح معیت کا نتیجہ محبت ہے۔ اگر کسی طور پر کسی کی معیت میسر آجائے تو اس کی محبت بھی پیدا ہونا لازمی ہے اس لیے جس طرح دوستی کرنے میں احتیاط ضروری ہے اسی طرح معیت میں بھی احتیاط لازم ہے کہیں ایسا نہ ہو کہ غیر جنس کی معیت اس کی محبت کا موجب بن جائے۔ یہ اصول صرف آخرت کے لیے نہیں دنیوی زندگی کیلئے بھی بہت کارآمد ہیں۔

عَنْ صَفْوَانَ بْنِ قُدَامَةَ قَالَ هَاجَرْتُ إِلَى النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَأَتَيْتُهُ فَقُلْتُ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ نَاوِلْنِي يَدَكَ أُبَايِعْكَ فَنَاوَلَنِي يَدَهُ فَقُلْتُ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ إِنِّي أُحِبُّكَ قَالَ الْمَرْءُ مَعَ مَنْ أَحَبَّ. (رواہ النسائی فی سننہ)

صفوان بن قدامہؓ روایت کرتے ہیں کہ میں ہجرت کر کے آپ کی خدمت میں حاضر ہوا اور عرض کیا یا رسول اللہ لائیے اپنا ہاتھ لائیے میں آپؐ سے بیعت کروں۔ آپؐ نے اپنا دست مبارک بڑھا دیا میں نے عرض کیا یا رسول اللہ مجھے آپؐ سے محبت ہے آپؐ نے فرمایا جس سے محبت ہوگی، آدمی اسی کے ساتھ ہوگا۔ (اس حدیث کو نسائی نے روایت کیا ہے)

تشریح۔ احادیث میں محبت کی جزا معیت بتلائی گئی ہے اور قرآن کریم میں معیت اطاعت کا صلہ قرار دیا گیا ہے اس سے ثابت ہوتا ہے کہ صحیح محبت اطاعت ہی کا نام ہے۔ دعویٰ محبت اور نافرمانی یہ دو باتیں جمع نہیں ہوسکتیں۔ نافرمانی یہ ہے کہ جان بوجھ کر خلاف کرنا، بھول، چوک، غلطی، فطری کمزوری، نافرمانی نہیں ہے اسی لیے پہلی صورت میں ندامت نہیں ہوتی اور ان سب صورتوں میں ندامت ہوتی ہے پھر محبت کے بھی مراتب ہیں ہر مرتبہ کا تقاضہ علیحدہ ہے اس کے ثمرات بھی جدا ہیں اور ان مراتب کے بقدر معیت کے بھی مراتب ہیں جس کی محبت جتنی پختہ اور زیادہ ہوگی اس کو معیت بھی اسی کے موافق نصیب ہوگی۔

یہ عجیب بات ہے کہ قرآن کریم نے مطیعین کے لئے صالحین سے لے کر انبیاء علیہم السلام کی معیت تک کا وعدہ فرمایا ہے مگر کسی ایک جگہ بھی نبوۃ کا وعدہ نہیں فرمایا صحابہ کرام دنیا میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ ہی تھے ان میں صدیق، شہید، صالح بہت ہوئے مگر نبی کوئی نہیں بنا۔ پس معلوم ہوا کہ انبیاء علیہم السلام کے ساتھ رہنے سے نبوت نہیں ملتی یہ صرف خدائے تعالیٰ کے عطا کی بات ہے اور یہ ہم کو بتلا دیا گیا ہے کہ اب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد یہ منصب کسی کو نہیں ملے گا بلکہ دنیا ہی آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی رسالت پر ختم ہو جائے گی۔

عَنْ عَائِشَةَ قَالَتْ كَانَ رَجُلٌ عِنْدَ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَنْظُرُ إِلَيْهِ لَا يَطْرِفُ فَقَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَا بَالُكَ قَالَ بِأَبِيْ أَنْتَ وَأُمِّيْ أَتَمَتَّعُ بِالنَّظَرِ إِلَيْكَ فَإِذَا كَانَ يَوْمُ الْقِيَامَةِ رَفَعَكَ اللّٰهُ بِتَفْضِيْلِكَ فَأَنْزَلَ اللّٰهُ تَعَالٰى وَمَنْ يُّطِعِ اللّٰهَ وَالرَّسُوْلَ فَأُولٰٓئِكَ مَعَ الَّذِيْنَ أَنْعَمَ اللّٰهُ عَلَيْهِمْ مِّنَ النَّبِيّٖنَ وَالصِّدِّيْقِيْنَ وَالشُّهَدَآءِ وَالصّٰلِحِيْنَ وَحَسُنَ أُولٰٓئِكَ رَفِيْقًا (النساء: ۶۹) (رواہ الطبرانی وابن مردویہ کما فی الشفاء)

حضرت عائشہؓ سے روایت ہے ایک شخص آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف ٹکٹکی لگائے ایک نظر دیکھ رہا تھا پلک تک نہ جھپکاتا تھا آپ نے فرمایا تجھے یہ کیا ہو گیا ہے؟ اس نے کہا میرے ماں باپ آپ پر قربان آپ کو دیکھ دیکھ کر لطف اندوز ہو رہا ہوں جب قیامت آئے گی اس وقت تو اللہ تعالیٰ آپ کی فضیلتوں کی وجہ سے آپ کو بلند بلند مراتب مرحمت فرمائے گا (پھر ہم کہاں اور آپ کہاں) اس پر اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل فرمائی۔ جو اللہ تعالیٰ اور رسول کی حکم برداری کریں گے وہ ان لوگوں کے ساتھ ہی ہوں گے جن پر اللہ تعالیٰ نے انعام فرمایا ہے یعنی نبی، صدیق، شہداء اور صالحین اور یہ بہت اچھے ساتھی ہیں۔ (طبرانی ابن مردویہ)

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی توقیر و تعظیم کرنا

قَالَ عَمْرُو بْنُ الْعَاصِ مَا كَانَ أَحَدٌ أَحَبَّ إِلَيَّ مِنْ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَلَا أَجَلَّ فِيْ عَيْنِيْ وَمَا كُنْتُ أُطِيْقُ أَنْ أَمْلَأَ عَيْنِيْ مِنْهُ إِجْلَالًا لَهُ حَتّٰى لَوْ قِيْلَ لِيْ صِفْهُ مَا اسْتَطَعْتُ أَنْ أَصِفَهُ (رواہ فی الشفاء وشرح المواھب)

عمرو بن العاصؓ کہتے ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے زیادہ مجھے کوئی محبوب نہ تھا اور نہ آپ سے زیادہ میری آنکھوں میں کوئی بزرگ و برتر تھا۔ میں آپ کے جلال و بزرگی کی وجہ سے آپ کو آنکھیں بھر کر نہ دیکھ سکتا تھا حتیٰ کہ اگر کوئی مجھ سے پوچھے کہ آپ کیسے تھے تو میں آپ کی صورت بیان نہیں کر سکتا۔ (شفاء شرح مواہب)

تشریح۔ محبت و اجلال دو الگ الگ چیزیں ہیں۔ ایمان بالرسول یہ ہے کہ رسول کی محبت اتنی ہو کہ کوئی دوسرا اس میں شریک نہ ہو سکے اور نظروں میں اس کی عقیدت و بزرگی اتنی ہو کہ دوسرے کے لئے اس میں گنجائش نہ رہے صرف محبت جرأت و گستاخی ہے اور محض جلال و عظمت بے لگ عقیدت ہے۔ محبت میں ادب اور عظمت میں محبت ملحوظ رہے ایمان یہ ہے۔ قرآن کریم اور احادیث کو جو عقل دونوں ہم کو یہی سکھلائیں گے کہ انسانی فرض یہ ہے کہ وہ خدا اور رسول کی پوری عظمت کرے مگر وہ عظمت نہیں جس میں صرف ادب ہو بلکہ وہ عظمت جس میں شوق بھی شامل ہو۔ مسلمانوں میں ایک فریق نے محبت میں اتنا غلو کیا کہ گستاخ بن گئے یہ جاہل صوفی ہے اور ایک فریق اعتقاد عظمت میں اتنا بڑھا کہ محبت کا دامن ان کے ہاتھ سے چھوٹ گیا یہ بالائے خشک ہے۔

صواب ان دونوں کے درمیان ہے۔ وہ ہے وہ لوگ جو رسول کو صرف ایک پیغامبر اور لیڈر کی حیثیت تک سمجھتے ہیں وہ تو اس کی عظمت سے آشنا ہیں نہ محبت سے۔ جس ایمان میں خدا و رسول کے حق نمک خواری کی معرفت بھی حاصل نہ ہو وہ کیا ایمان ہے اصل ایمان وہ ہے جو مرد کے احوال سے حدیث مذکورہ میں بیان کیا ہے بقول شاعر

اشتاقہ فاذا بدا اطرقت من اجلالہ

میں اس کے دیدار کا مشتاق رہتا ہوں مگر جب وہ جلوہ نما ہوتا ہے تو مارے اس کے جلال و بزرگی کے میرا سر نیچا ہو جاتا ہے اور دیدار سے پھر محروم ہو جاتا ہوں۔ پس ایمان کو اس اشتیاق و اجلال کے درمیان سمجھنا چاہیے۔

عَنْ اَنَسٍ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كَانَ يَخْرُجُ عَلٰى اَصْحَابِهٖ مِنَ الْمُهَاجِرِيْنَ وَالْاَنْصَارِ وَهُمْ جُلُوْسٌ فِيْهِمْ اَبُوْبَكْرٍ وَعُمَرُ فَلَا يَرْفَعُ اَحَدٌ مِنْهُمْ اِلَيْهِ بَصَرَهٗ اِلَّا اَبُوْبَكْرٍ وَعُمَرُ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُمَا فَاِنَّهُمَا كَانَا يَنْظُرَانِ اِلَيْهِ وَيَنْظُرُ اِلَيْهِمَا وَيَتَبَسَّمَانِ اِلَيْهِ وَيَتَبَسَّمُ اِلَيْهِمَا (رواه الترمذي)

انسؓ روایت فرماتے ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابہ مہاجرین و انصار مع ابوبکرؓ و عمرؓ کے (جمع ہوتے تھے) آپ ان کے پاس باہر تشریف لاتے تو ان میں کوئی ایسا شخص نہ ہوتا جو آپ کی طرف نظر اٹھا کر دیکھ سکتا سوائے ابوبکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ و عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے کہ یہ دونوں صاحبان آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھا کرتے اور آپ انہیں دیکھا کرتے۔ یہ آپ کو دیکھ دیکھ کر مسکرایا کرتے آپ بھی انہیں دیکھ دیکھ کر مسکرایا کرتے تھے۔ (ترمذی)

تشریح: خالص محبت میں تکلف کی حدود اٹھ جاتی ہیں مگر ادب کا دامن ہاتھ سے چھوٹنے نہیں پاتا۔ ابوبکرؓ و عمرؓ جب خاتم الانبیاء صلی اللہ علیہ وسلم کے نشاط خاطر کا احساس کر لیتے تو شوق نظارہ کے لئے سب سے پہلے ان کی نظریں بے تاب ہوتیں اور جب ذرا طور بدلے ہوئے دیکھتے تو سب سے پہلے آثار خوف ان ہی پر ظاہر ہوتے۔ ذوالیدین کے طویل قصہ میں جہاں آپ کو نماز کے اندر ایک سہو پیش آ گیا تھا۔ راوی نے خاص طور پر ان حضرات کا ذکر کر کے کہا ہے فھابا ان یکلماہ یہ دونوں حضرات بات کرتے ہوئے ڈرے اور انہیں اتنی ہمت نہ ہوئی کہ اس سہو کے متعلق لب کشائی کرتے ہاں ایک شخص ذوالیدین تھے انہوں نے باادب واقعہ عرض کیا۔ یہ ادب کے ساتھ الفت اور الفت کے ساتھ ادب کے مظاہر ہیں۔

عَنْ اُسَامَةَ بْنِ شَرِيْكٍ قَالَ اَتَيْتُ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَاَصْحَابُهٗ حَوْلَهٗ كَاَنَّمَا عَلٰى رُءُوْسِهِمُ الطَّيْرُ۔ (الترمذي)

اسامہ بن شریک رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ میں آپ کی خدمت میں حاضر ہوا کیا دیکھتا ہوں کہ آپ کے صحابہ آپ کے ارد گرد (اور) اس طرح بے حس و حرکت خاموش بیٹھے ہیں گویا ان کے سروں پر کوئی پرندہ (بیٹھا ہوا) ہے۔ (ترمذی)

تشریح: کانما علی رؤسھم الطیر۔ یہ ایک مثل ہے جو عرب میں انتہائی سکون کے لئے بیان کی جاتی ہے۔ اصل یہ ہے کہ شکاری جب کسی پرندہ کے شکار کا ارادہ کرتا ہے تو اپنے اعضاء کو ساکن رکھنے کی انتہائی کوشش کیا کرتا ہے۔ پھر ہر سکون کے موقعہ پر اس کو بطور مثل استعمال کرنے لگے ہیں۔

قَالَ عُرْوَةُ بْنُ مَسْعُوْدٍ حِيْنَ وَجَّهَتْهُ قُرَيْشٌ إِلَى رَسُوْلِ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَامَ الْقَضِيَّةِ وَرَأَى مِنْ تَعْظِيْمِ أَصْحَابِهِ لَهُ مَا رَأَى أَنَّهُ لَا يَتَوَضَّأُ إِلَّا ابْتَدَرُوْا وَضُوْءَهُ وَكَادُوْا أَنْ يَقْتَتِلُوْا عَلَيْهِ وَلَا يَبْصُقُ بُصَاقًا وَلَا يَتَنَخَّمُ نُخَامَةً إِلَّا تَلَقَّوْهَا بِأَكُفِّهِمْ فَدَلَكُوْا بِهَا وُجُوْهَهُمْ وَلَا تَسْقُطُ مِنْهُ شَعْرَةٌ إِلَّا ابْتَدَرُوْهَا وَإِذَا أَمَرَهُمْ بِأَمْرٍ ابْتَدَرُوْا أَمْرَهُ وَإِذَا تَكَلَّمَ خَفَضُوْا أَصْوَاتَهُ عِنْدَهُ وَلَا يُحِدُّوْنَ إِلَيْهِ النَّظَرَ تَعْظِيْمًا لَهُ فَلَمَّا رَجَعَ إِلَى قُرَيْشٍ قَالَ يَا مَعْشَرَ قُرَيْشٍ إِنِّيْ جِئْتُ كِسْرَى فِيْ مُلْكِهِ وَقَيْصَرَ فِيْ مُلْكِهِ وَالنَّجَاشِيَّ فِيْ مُلْكِهِ وَإِنِّيْ وَاللهِ مَا رَأَيْتُ مَلِكًا فِيْ قَوْمٍ قَطُّ مِثْلَ مُحَمَّدٍ فِيْ أَصْحَابِهِ هٰذَا بعض من حديث طويل رواه البخاري ومن هذا لما اذنت قريش لعثمان في الطواف بالبيت حين وجهه في القضية ابى وقال ما كنت لافعل حتى يطوف به رسول الله صلى الله عليه وسلم ذكره اصحاب السير.

ساتویں سال جب قریش نے عروہ بن مسعودؓ کو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس صلح کی گفتگو کرنے کے لئے بھیجا تو اس نے آپؐ کے صحابہ کی حیرت انگیز تعظیم کا جو نقشہ دیکھا وہ ذیل کے الفاظ میں بیان کیا ہے۔ وہ وضو کرتے ہیں تو آپ (صلی اللہ علیہ وسلم) کے وضو کے پانی پر خلقت اس طرف ٹوٹ پڑتی ہے کہ اب ان میں جنگ ہوئی اور جب آپ (صلی اللہ علیہ وسلم) کا بلغم یا تھوک گرتا ہے تو ہاتھوں ہاتھ لے کر اپنے چہروں اور جسموں پر مل لیتے ہیں جب ان کا کوئی بال گرتا ہے تو جلدی سے اس کو لپک لے جاتے ہیں جب آپ (صلی اللہ علیہ وسلم) کوئی حکم دیتے ہیں تو اس کو پورا کرنے کے لیے دوڑ پڑتے ہیں، جب بات کرتے ہیں تو ان پر خاموشی چھا جاتی ہے کوئی شخص نظر بھر کر ان کی طرف دیکھ نہیں سکتا۔ عروہ جب واپس ہوا تو اس نے کہا اے گروہ قریش میں نے کسریٰ و قیصر اور نجاشی کے دربار دیکھے ہیں، خدا کی قسم کسی بادشاہ کو اپنی رعایا کے درمیان ایسا باعظمت و رعب نہیں دیکھا جیسا اپنے رفقاء میں محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو۔ یہ بخاری کی طویل روایت کا ایک مختصر ٹکڑا ہے۔ اس واقعہ میں اصحاب سیر نے یہ اور ذکر کیا ہے کہ جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی جانب سے عثمان غنی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو قریش کے پاس بھیجا اور ان سے عمرہ ادا کرنے کی اجازت مانگی تو انہوں نے کہا اے عثمان (رضی اللہ تعالیٰ عنہ)! اگر صرف تم چاہو تو طواف کر سکتے ہو، انہوں نے انکار کر دیا اور کہا کہ یہ کیسے ہو سکتا ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے طواف کرنے سے پیشتر میں طواف کروں۔

وَفِيْ حَدِيْثِ طَلْحَةَ رَضِيَ اللهُ تَعَالٰى عَنْهُ أَنَّ أَصْحَابَ رَسُوْلِ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالُوْا لِأَعْرَابِيٍّ جَاهِلٍ سَلْهُ عَمَّنْ قَضٰى نَحْبَهُ وَكَانُوْا يَهَابُوْنَهُ وَيُوَقِّرُوْنَهُ فَسَأَلَهُ فَأَعْرَضَ عَنْهُ إِذْ طَلَعَ طَلْحَةُ رَضِيَ اللهُ تَعَالٰى عَنْهُ فَقَالَ هٰذَا مِمَّنْ قَضٰى نَحْبَهُ۔ (رواه الترمذي وحسنه)

طلحہؓ کے قصہ میں ذکر ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابہ آپ کی ہیبت و عظمت کی وجہ سے آپؐ سے براہ راست سوال کرتے ہوئے ڈرتے تھے اس لیے انہوں نے ایک دیہاتی شخص سے کہا کہ وہ آپؐ سے دریافت کرے کہ قرآن کریم میں فمنهم من قضى نحبه (الاحزاب: ۲۳) کا مصداق کون شخص ہے۔ اس نے آپؐ سے پوچھا مگر آپؐ نے اسے جواب نہ

دیا اس اثناء میں طلحہ رضی اللہ عنہ آ نکلے تو آپ نے فرمایا یہ وہ شخص ہیں جو آیت بالا کا مصداق ہیں۔ (ترمذی)

تشریح۔ پوری آیت کا ترجمہ یہ ہے "ان میں کتنے لوگ ہیں جنہوں نے اللہ تعالیٰ سے جاں نثاری کا جو عہد کیا تھا سچ کر دکھایا۔ پھر ان میں سے بعض تو اپنی منت پوری کر گئے اور بعض ایسے ہیں جو ابھی منتظر ہیں۔" یہاں منافقین کی عہد شکنی کے برخلاف مسلمانوں کے عہد پورا کرنے کا ذکر ہے یعنی یہ وہ لوگ ہیں جنہوں نے اللہ و رسول کو زبان دی تو اسے پورا بھی کر دیا۔ ان میں سے کچھ تو اپنی منت پوری کر گئے یعنی جہاد میں جان دے چکے جیسے بدر و احد کے شہداء اور کچھ اللہ تعالیٰ کے راستہ میں قربان ہونے کی راہ دیکھ رہے ہیں۔ یہاں حضرت طلحہ کو آپ نے مَنْ قَضٰى نَحْبَهٗ کی فہرست میں شمار کیا گویا اسی زندگی میں ان کو شہید قرار دے دیا۔ جامع ترمذی میں جابرؓ سے روایت ہے کہ آپؐ نے فرمایا جو زمین پر چلتا پھرتا شہید دیکھنا چاہے وہ طلحہ کو دیکھے۔ صحیح بخاری میں ہے کہ یہ وہ شخص ہیں جن کا ہاتھ جنگ احد میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی حفاظت میں شل ہو کر رہ گیا تھا۔ ان کی جاں نثاری کی وجہ سے ان کو اس فہرست میں شمار کر لیا گیا جو شہید ہو چکے تھے۔

عَنْ اَنَسٍ قَالَ لَقَدْ رَاَيْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَالْحَلَّاقُ يَحْلِقُهٗ وَاَطَافَ بِهٖ اَصْحَابُهٗ فَمَا يُرِيْدُوْنَ اَنْ تَقَعَ شَعْرَةٌ اِلَّا فِيْ يَدِ رَجُلٍ۔ (رواہ مسلم فی حدیث طویل)

انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں میں نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھا کہ حجام آپ کا سر مونڈ رہا ہے صحابہ آپ کو گھیرے ہوئے بیٹھے ہیں اور مقصد صرف یہ ہے کہ جو بال آپ کے سر مبارک سے گرے وہ کسی نہ کسی کے ہاتھ پڑ جائے۔ (مسلم)

تشریح۔ اس حدیث سے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے آثار کے ساتھ تبرک کی اصل بھی ثابت ہوتی ہے۔ خفاجی شرح شفاء میں فرماتے ہیں کہ آپ کا حلق کرانا صرف حج و عمرہ میں ثابت ہوتا ہے۔ حجۃ الوداع میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے بال مونڈنے اور ناخن تراشنے والے کا نام معمر بن عبداللہ عدوی ہے۔ ابن اثیر نے ان کا نام خراش بن امیہ لکھا ہے۔ اور جنہوں نے مقام جعرانہ میں سر مبارک مونڈا ہے ان کا نام ابو ہند ہے۔ (نسیم الریاض ج ۳ ص ۳۳۹)

فِيْ حَدِيْثِ قَيْلَةَ قَالَتْ رَاَيْتُهٗ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ جَالِسًا الْقُرْفُصَاءَ اُرْعِدْتُ مِنَ الْفَرَقِ۔ (رواہ الترمذی فی الشمائل)

قیلہ ایک طویل حدیث میں بیان کرتی ہیں کہ جب میں نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو قرفصاء کی شکل پر بیٹھا ہوا دیکھا تو مارے خوف کے میرے جسم پر لرزہ پڑ گیا۔ (ترمذی شمائل)

تشریح۔ قرفصاء ایک خاص قسم کی سرسری اور نہایت معمولی نشست ہے اس کی صورت یہ ہے کہ اپنی رانیں پیٹ سے لگا لی جائیں اور ہاتھوں کو پنڈلیوں سے باندھ کر سرین کے بل بیٹھ جائے یہ ایک عامیانہ اور غریبوں کی نشست ہے جس کی نظروں میں کسی کی ہیبت و عظمت سما جاتی ہے وہ جس انداز میں بھی دیکھے ہیبت زدہ ہو جاتا ہے یا یوں کہیے کہ خدائی ہیبت ہر حال میں اپنا اثر دکھلاتی ہے یہاں تکلف کی ضرورت نہیں ہوتی۔

عَنِ الْمُغِيْرَةِ بْنِ شُعْبَةَ قَالَ كَانَ اَصْحَابُ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقْرَعُوْنَ بَابَهٗ بِالْاَظَافِيْرِ۔ (رواہ الحاکم والخطیب)

مغیرہ بن شعبہ فرماتے ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابہ (ضرورت کے وقت) آپ کا دروازہ ناخنوں

سے کھٹکھٹایا کرتے تھے۔ (بزار بیہقی)

تشریح۔ اس روایت سے ظاہر ہوتا ہے کہ آپ کا دروازہ لکڑی کا تھا۔ تھانوی نے یہاں کچھ جواب دی ہے ہمارے نزدیک دروازے کی دیوار کے کھٹکے پر بھی حدیث کے الفاظ صادق آسکتے ہیں عرف میں دروازہ کی دیوار کو بھی دروازہ کہہ دیا جاتا ہے اس لیے کوئی ضروری نہیں ہے کہ آپ کا دروازہ لکڑی کا ہو بلکہ اگر دروازے پر پردہ پڑا ہوا ہو جب بھی یہ حدیث بلا تکلف صادق آسکتی ہے۔

عَنِ الْبَرَاءِ بْنِ عَازِبٍ قَالَ لَقَدْ كُنْتُ أُرِيْدُ اَنْ اَسْأَلَ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَنِ الْاَمْرِ فَاُؤَخِّرُ سَنَتَيْنِ مِنْ هَيْبَتِهٖ. (رواہ ابویعلی و صححہ)

براء بن عازب رضی اللہ تعالی عنہ کہتے ہیں کہ میں کوئی بات آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھنا چاہتا تو مارے خوف کے دو دو سال تک نہ پوچھ سکتا تھا۔ (ابویعلی)

تشریح۔ یہ اختلاف حالات اور اشخاص کی بات ہے اسے کلیہ نہ بنانا چاہیے۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے بلند آواز سے بولنے کی ممانعت

عَنِ ابْنِ جُرَيْجٍ رَضِيَ اللّٰهُ تَعَالٰى عَنْهُ قَالَ اَخْبَرَنِي ابْنُ اَبِي مُلَيْكَةَ اَنَّ عَبْدَ اللّٰهِ بْنَ الزُّبَيْرِ اَخْبَرَهُمْ اَنَّهُ قَدِمَ رَكْبٌ مِنْ بَنِي تَمِيْمٍ عَلَى النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقَالَ اَبُوْبَكْرٍ اَمِّرِ الْقَعْقَاعَ بْنَ مَعْبَدٍ وَقَالَ عُمَرُ اَمِّرِ الْاَقْرَعَ بْنَ حَابِسٍ فَقَالَ اَبُوْبَكْرٍ مَا اَرَدْتَ اِلَى اَوْ اِلَّا خِلَافِي فَقَالَ عُمَرُ مَا اَرَدْتُ خِلَافَكَ فَتَمَارَيَا حَتّٰى ارْتَفَعَتْ اَصْوَاتُهُمَا فَنَزَلَ فِي ذٰلِكَ يٰاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تُقَدِّمُوْا بَيْنَ يَدَيِ اللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ (الحجرات: ۱) حَتّٰى انْقَضَتِ الْاٰيَةُ. (رواہ البخاری)

ابن جریج رضی اللہ تعالی عنہ روایت کرتے ہیں کہ مجھ سے ابن ابی ملیکہ نے کہا کہ عبداللہ بن زبیرؓ نے ان سے بیان کیا، بنوتمیم کا ایک قافلہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا تو ابوبکرؓ بولے القعقاع بن معبد کو ان کا امیر بنا دیجئے۔ عمرؓ بولے اقرع بن حابس کو بنا دیجئے۔ ابوبکرؓ نے فرمایا تم نے تو بس میری مخالفت ہی پر کمر باندھ رکھی ہے۔ عمرؓ نے فرمایا کہ میں آپ کی مخالفت نہیں کرتا (بلکہ میری رائے یہی ہے) اسی میں جھگڑا بڑھ گیا حتی کہ ان کی آوازیں بلند ہو گئیں اس پر یہ آیت اتری۔ اے لوگو جو ایمان لا چکے ہو خدا اور اس کے رسول کے سامنے ان سے آگے نہ بڑھا کرو (یعنی ہر بات میں ان کے فیصلہ کا انتظار کیا کرو) آخر آیت تک اس حدیث کو بخاری نے روایت کیا ہے کہ اس آیت کے نزول کے بعد عمرؓ اتنی آہستہ گفتگو کرنے لگے کہ جب تک آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ان سے دوبارہ دریافت نہ کرتے کچھ سمجھ میں نہ آتا کہ کیا فرماتے ہیں۔ فتح الباری میں ابوبکرؓ سے روایت ہے کہ اس آیت کے بعد میں نے عرض کیا یا رسول اللہ میں نے قسم کھائی ہے کہ اب میں آپ سے اس طرح آہستہ بات کیا کروں گا جیسے کوئی اپنا راز آہستہ آہستہ کہتا ہے۔

عَنْ اَنَسٍ قَالَ كَانَ ثَابِتُ بْنُ قَيْسِ بْنِ شَمَّاسٍ خَطِيْبَ الْاَنْصَارِ فَلَمَّا نَزَلَتْ يٰاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تَرْفَعُوْا اَصْوَاتَكُمْ فَوْقَ صَوْتِ النَّبِيِّ (الحجرات: ۲) اِلٰى اٰخِرِ الْاٰيَةِ جَلَسَ ثَابِتٌ فِي بَيْتِهٖ وَاحْتَبَسَ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَسَاَلَ النَّبِيُّ صلی اللہ علیہ وسلم سَعْدَ بْنَ مُعَاذٍ فَقَالَ مَا شَأْنُ ثَابِتٍ يَشْتَكِي فَاَتَاهُ سَعْدٌ

فَذَكَرَ لَهُ قَوْلَ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقَالَ ثَابِتٌ أُنْزِلَتْ هٰذِهِ الْآيَةُ وَلَقَدْ عَلِمْتُمْ أَنِّيْ مِنْ أَرْفَعِكُمْ صَوْتًا عَلٰى رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَأَنَا مِنْ أَهْلِ النَّارِ فَذَكَرَ ذٰلِكَ سَعْدٌ لِلنَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بَلْ هُوَ مِنْ أَهْلِ الْجَنَّةِ (رواہ مسلم والبخاری نحوہ)

انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ ثابت بن قیس رضی اللہ تعالیٰ عنہ انصار کے خطیب تھے جب یہ آیت نازل ہوئی۔ اے ایمان والو! اپنی آواز نبی کی آواز پر بلند مت کرو۔ (آخر آیت تک) تو ثابت رضی اللہ تعالیٰ عنہ اپنے گھر بیٹھ رہے اور آپ کی خدمت میں آنا جانا بند کر دیا۔ آپ (صلی اللہ علیہ وسلم) نے سعد بن معاذ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے دریافت کیا کہ ثابت رضی اللہ تعالیٰ عنہ کیسے ہیں؟ کیا بیمار ہیں؟ سعد رضی اللہ تعالیٰ عنہ ان کے پاس آئے اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے دریافت کرنے کا حال ان سے بیان کیا، ثابت بولے کہ اونچی آواز سے بولنے کی ممانعت نازل ہو چکی ہے اور تم لوگ جانتے ہو کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے دربار میں تم سب میں زیادہ میری ہی آواز بلند ہو جاتی ہے۔ تو مجھے غم یہ ہے کہ میں کہیں دوزخی نہ ہوں سعد رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے آکر یہ بات آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے ذکر کی کہ آپ نے فرمایا کہ وہ دوزخی نہیں بلکہ جنتی شخص ہیں۔ اس حدیث کو مسلم نے روایت کیا ہے۔ اور بخاری نے بھی اسی کے قریب روایت کی ہے۔

تشریح۔ سورۂ حجرات کی ابتدائی کئی آیتیں بارگاہ نبوت کا ادب سکھلانے کے لئے اتری ہیں عرب اپنی سادہ فطرت سے ان دقیق آداب سے اب تک نا آشنا تھے جن کو نبوت کا نازک مقام مقتضی تھا۔ اسلام نے آکر جہاں ان کو رفتہ رفتہ بھائی بھائی، ماں باپ اور تمام باہمی رشتوں کے آداب بتلائے ہیں اس کے ساتھ ہی اب وقت آگیا تھا کہ انہیں خدا اور رسول کے وہ آداب بھی بتلا دیئے جائیں جن سے غفلت اختیار کر کے کرائے اعمال کو اکارت کر دیتا ہے۔ ان میں سے ایک ادب یہ تھا کہ رسول کے سامنے اس طرح زور زور سے بے باکانہ گفتگو نہ کی جائے جیسے باہمی ایک دوسرے کے سامنے کی جاتی ہے اور نہ اس طرح اس کو پکارا جائے جیسا کہ آزادانہ ایک دوسرے کو نام لے کر پکارا جاتا ہے۔ یہ طور و طریق احترام نبوت کے خلاف ہے بعد جو نبوت کا احترام نہیں کرتا خطرہ ہے کہ اس کے عمل اکارت نہ ہو جائیں۔ ثابت بن قیس قدرۃً بلند آواز تھے پس گر وڑ گئے اور سمجھے کہ بارگاہ نبوت میں یہ گستاخی مجھ سے بار بار سرزد ہو چکی ہے اس لئے میرا اب کہیں ٹھکانا ہوگا۔ رحمۃ للعالمین کو جب یہ خبر پہنچی تو ان کی اس ادا پر آپ کا دل بھر آیا اور آپ نے اس ادب کی وجہ سے جس سے ان کا قلب معمور تھا ان کو جنت کی بشارت سنائی۔ اور ان کی اس بلند آوازی کو جو قدرۃً تھی قابل عفو سمجھا۔ معلوم ہوا کہ ادب کا اصل دارو مدار قلب پر ہے پھر ظاہر میں اس کے لئے کچھ علامات بھی مقرر ہیں۔ اگر قلب کی گہرائیوں میں ادب موجود ہے تو ظاہر کی فروگذاشت سے اغماض کیا جا سکتا ہے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد اب آپ کے کلام یعنی حدیث شریف کو یہی کہ اس کا معارضہ و مقابلہ کرنا، اس کا مذاق اڑانا، تن آسانی اور ہوا پرستی کے لئے اس کی تاویلات کرنا یہ سب آپ کی ہی گستاخی کے برابر ہے۔ دنیا اگر کسی شاعر کا احترام کرتی ہے تو اس کے کلام کو بھی بنظر احترام دیکھتی ہے پھر انصاف کرو کہ کیا رسول کا مرتبہ ایک شاعر سے بھی کم ہے۔

اللہ تعالیٰ ہم کو اپنے اور اپنے رسول کے صحیح احترام و ادب کی توفیق دے۔ (آمین یا رب العالمین)

وفات کے بعد آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی مسجد میں آواز بلند کرنے کی ممانعت

عَنِ السَّائِبِ بْنِ يَزِيدَ قَالَ كُنْتُ قَائِمًا فِي الْمَسْجِدِ فَحَصَبَنِي رَجُلٌ فَنَظَرْتُ فَإِذَا عُمَرُ بْنُ الْخَطَّابِ فَقَالَ اذْهَبْ فَأْتِنِي بِهَذَيْنِ فَجِئْتُهُ بِهِمَا قَالَ مَنْ أَنْتُمَا أَوْ مِنْ أَيْنَ أَنْتُمَا قَالَا مِنْ أَهْلِ الطَّائِفِ قَالَ لَوْ كُنْتُمَا مِنْ أَهْلِ الْبَلَدِ لَأَوْجَعْتُكُمَا تَرْفَعَانِ أَصْوَاتَكُمَا فِي مَسْجِدِ رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ (رواہ البخاری)

سائب بن یزید رضی اللہ تعالیٰ عنہ کہتے ہیں کہ میں مسجد میں کھڑا ہوا تھا ایک شخص نے میرے کنکری ماری میں نے دیکھا تو وہ عمر بن الخطاب رضی اللہ تعالیٰ عنہ تھے انہوں نے فرمایا جاؤ ان دونوں کو میرے پاس لے آؤ، میں انہیں لے آیا فرمایا تم کون لوگ ہو یا فرمایا کہاں کے ہو؟ انہوں نے جواب دیا طائف کے باشندے ہیں فرمایا اگر تم مدینہ کے رہنے والے ہوتے تو میں اس وقت تمہیں سزا دیتا۔ تم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی مسجد میں آوازیں بلند کر رہے ہو۔ (اس حدیث کو بخاری نے روایت کیا ہے)

تشریح: چونکہ یہ لوگ باہر کے رہنے والے تھے اس لیے ان کو معاف کر دیا گیا۔ اہل مدینہ چونکہ ان آداب سے آشنا ہو چکے تھے اس لیے اگر ان سے ایسی غلطی ہوتی تو قابل چشم پوشی نہ ہوتی۔ اس حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ صحابہ کرامؓ کے نزدیک آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا ادب وفات کے بعد بھی اسی طرح تھا جیسے کہ زمانہ حیات میں۔

خانگی معاملات میں آواز بلند ہو جانا قابل اغماض ہے

عَنْ سَعْدِ بْنِ أَبِي وَقَّاصٍ قَالَ اسْتَأْذَنَ عُمَرُ عَلَى رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَعِنْدَهُ نِسَاءٌ مِنْ قُرَيْشٍ يُكَلِّمْنَهُ وَيَسْتَكْثِرْنَهُ عَالِيَةً أَصْوَاتُهُنَّ فَلَمَّا اسْتَأْذَنَ عُمَرُ قُمْنَ يَبْتَدِرْنَ الْحِجَابَ فَأَذِنَ لَهُ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَرَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَضْحَكُ فَقَالَ عُمَرُ أَضْحَكَ اللَّهُ سِنَّكَ يَا رَسُولَ اللَّهِ قَالَ عَجِبْتُ مِنْ هَؤُلَاءِ اللَّاتِي كُنَّ عِنْدِي فَلَمَّا سَمِعْنَ صَوْتَكَ ابْتَدَرْنَ الْحِجَابَ قَالَ عُمَرُ فَأَنْتَ يَا رَسُولَ اللَّهِ كُنْتَ أَحَقَّ أَنْ يَهَبْنَ ثُمَّ قَالَ أَيْ عَدُوَّاتِ أَنْفُسِهِنَّ أَتَهَبْنَنِي وَلَا تَهَبْنَ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قُلْنَ نَعَمْ أَنْتَ أَفَظُّ وَأَغْلَظُ مِنْ رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَالَّذِي نَفْسِي بِيَدِهِ مَا لَقِيَكَ الشَّيْطَانُ قَطُّ سَالِكًا فَجًّا إِلَّا سَلَكَ فَجًّا غَيْرَ فَجِّكَ (رواہ البخاری)

سعد بن وقاص فرماتے ہیں کہ عمرؓ نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضری کے لیے اجازت طلب کی اس وقت آپ کے پاس قریش کی چند بیبیاں باتیں کر رہی تھیں اور آپ سے اپنے مقرر مصارف سے زیادہ کا مطالبہ کر رہی تھیں اس گفت وشنید میں ان کی آوازیں بھی اونچی ہو رہی تھیں جب حضرت عمرؓ نے اجازت مانگی تو فوراً وہ اٹھ کھڑی ہوئیں اور جلدی جلدی پردہ میں جا بیٹھیں۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے عمرؓ کو اندر آنے کی اجازت دے دی (عمرؓ آئے) تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم مسکرا رہے تھے۔ تو پوچھا یا رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم) خدا آپ کو ہمیشہ خوش رکھے کیا بات ہے۔ فرمایا مجھے ان عورتوں پر جو ابھی میرے پاس تھیں تعجب ہو رہا ہے (کہ یا تو یہاں وہ شور سے گفتگو ہو رہی تھی) تمہاری آواز سنی تو سب جلدی جلدی پردہ میں چلی گئیں۔ عمرؓ نے

عرض کیا۔ رسول اللہ خوف اور ڈر کے زیادہ مستحق تو آپ تھے اس کے بعد ان کی طرف مخاطب ہو کر بولے اپنی جانوں کی دشمنو! مجھ سے تو ڈرتی ہو اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے نہیں ڈرتیں۔ انہوں نے کہا بے شک آپ زبان کے تیز اور مزاج کے سخت بھی ہیں۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ایسے نہیں۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اس ذات کی قسم جس کے قبضہ میں میری جان ہے جب کہیں شیطان راستہ چلتے تمہیں مل جاتا ہے تو فوراً تمہارا راستہ چھوڑ کر دوسرا راستہ لے لیتا ہے۔ (بخاری)

تشریح۔ شارحین بخاری تصریح کرتے ہیں کہ قریشی عورتوں سے مراد آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی بیبیاں ہیں اور دوسری روایات سے پتہ چلتا ہے کہ یہ گفت وشنید نفقہ کے متعلق تھی۔ باپ بیٹے، شوہر بیوی، بھائی بھائی، دوست دوست کے آداب علیحدہ ہیں شوہر بیوی کے درمیان۔ بے تکلفی کا بھی ایک تعلق ہے اگر اس بناء پر خانگی معاملات میں انداز بے تکلفی پیدا ہو جائے تو یہ قابل اعتراض ہے اسی لیے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو اس حرکت پر ہنسی آ رہی تھی، آپ ناراض گوارا نہ تھے۔ ایک ہی بات موقع ومحل اور متکلم وسامع کے اعتبار سے مختلف حکم پیدا کر لیتی ہے۔ یہاں بیبیوں کی بلند آوازی بے ادبی نہیں تھا بلکہ اپنے محبوب تر شوہر کے ساتھ ایک ناز تھا اور آپ کی مسکراہٹ ناز برداری اور کمال خلق تھا۔ آخر حضرت حسین آپ کے کاندھوں پر بھی سوار ہو جایا کرتے تھے پھر کیا اس کو ادب و بے ادبی سے کوئی تعلق ہے خدا صحیح فہم مرحمت فرمائے۔

عَنْ زِرِّ بْنِ حُبَيْشٍ فِي طَوِيلِ حَدِيثٍ قَالَ أَتَيْتُ صَفْوَانَ بْنَ عَسَّالٍ الْمُرَادِيَّ فَقَالَ لِي مَا جَاءَ بِكَ قُلْتُ ابْتِغَاءُ الْعِلْمِ. قَالَ فَقُلْتُ فَهَلْ حَفِظْتَ مِنْ رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فِي الْهَوَى شَيْئًا قَالَ نَعَمْ كُنَّا مَعَ رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فِي بَعْضِ أَسْفَارِهِ فَنَادَاهُ رَجُلٌ كَانَ فِي أُخْرِ الْقَوْمِ بِصَوْتٍ جَهْوَرِيٍّ جِلْفٍ جَافٍ فَقَالَ يَا مُحَمَّدُ يَا مُحَمَّدُ فَقَالَ لَهُ الْقَوْمُ مَهْ إِنَّكَ قَدْ نُهِيتَ عَنْ هَذَا فَأَجَابَهُ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَلَى نَحْوٍ مِنْ صَوْتِهِ هَاؤُمُ فَقَالَ الرَّجُلُ يُحِبُّ الْقَوْمَ وَلَمَّا يَلْحَقْ بِهِمْ قَالَ فَقَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ الْمَرْءُ مَعَ مَنْ أَحَبَّ (رواه الترمذي)

زر بن حبیش ایک طویل حدیث میں فرماتے ہیں میں صفوان بن عسال رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی خدمت میں حاضر ہوا تو انہوں نے مجھ سے دریافت فرمایا کیسے آنا ہوا؟ میں نے عرض کیا علم کی تلاش میں۔ میں نے ان سے پوچھا آپ کو کسی سے محبت رکھنے کے بارے میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا کوئی ارشاد یاد ہے فرمایا ہاں ہم آپ (صلی اللہ علیہ وسلم) کے ساتھ ایک سفر میں تھے کہ ایک گنوار احمق، اور درشت طبیعت شخص نے کسی آخری گوشے سے آپ (صلی اللہ علیہ وسلم) کو زور سے پکارا اے محمد (صلی اللہ علیہ وسلم)! اے محمد (صلی اللہ علیہ وسلم)! لوگوں نے اسے روکا اور کہا کہ خدا کے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو اس طرح پکارنا (بدتہذیبی ہے) اس کی ممانعت ہو چکی ہے آپ (صلی اللہ علیہ وسلم) نے بھی اسی آواز میں اسے "ہاؤم" کہہ کر جواب دیا اس نے پوچھا ایک شخص کسی جماعت سے محبت رکھتا ہے مگر عمل میں ان کو نہیں پا سکا (اس کے متعلق کیا مسئلہ ہے) آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا (آخرت میں) آدمی اسی کے ساتھ ہوگا جس سے وہ (دنیا میں) محبت کرتا تھا۔ (ترمذی حسن صحیح)

تشریح۔ شائستگی اور ناشائستگی کا تمام مدار و مدار آپ کی معیت اور صحبت پر تھا جن کو آپ کی صحبت سے دور دراز تک ہی اصلاح

تہذیب وادب میں پیچھے رہ گیا۔ یہ شخص تربیت یافتہ نہ ہونے کی وجہ سے اپنی فطری عادت کے مطابق آپ کو چیخ کر پکار رہا تھا۔ صاحب مجمع البحار لکھتے ہیں کہ اسی بلندی آوازی کے ساتھ آپ کا جواب دینا اس حکمت پر مبنی تھا کہ اگر یہ اپنی آواز آپ کی آواز سے پست نہ کرسکا تو آپ نے اپنی آواز اس کی آواز سے بلند کردی تاکہ رسول کی آواز پر آواز بلند کرنے کے نتائج بد سے محفوظ رہے اور اس کے اعمال اکارت نہ ہوں۔ ہمارے نزدیک سیدھی اور بے تکلف بات یہ ہے کہ بلند حیثیت متکلم بسا اوقات مخاطب کی خاطر بھی قصداً تنزل اختیار کرلیتا ہے تاکہ اس کے درمیان راہ افادہ و استفادہ پورے طور پر کھل جائے اگر متکلم اپنی جگہ رہے اور مخاطب اپنی جگہ تو مخاطب بسا اوقات پورے استفادہ پر قادر نہیں ہوتا اسی لیے بادشاہوں میں انداز شہنشاہانہ اور گداؤں میں انداز فقیرانہ اختیار کرنا عین حکمت ہے۔ دوم یہ یاد رکھنا چاہیے کہ یہاں معیت سے مراد عام معیت ہے جنت میں رہنے والے سب ایک ہی جگہ رہنے والے ہیں۔ اگرچہ اپنے اپنے رتبہ کے مناسب ان کے منازل و مقامات میں فرق ہو۔ اس محبت کا اثر یہ ہوگا کہ ان کے باہمی منازل نسبتاً قریب قریب کردیئے جائیں گے یہ مطلب نہیں ہے کہ ایک محبت کرنے والا جس سے محبت کرتا ہے ٹھیک اسی کے مقام و منزل میں رہے گا۔ خفاجی شرح شفا میں تحریر فرماتے ہیں۔ "جنت میں معیت سے مراد باہمی اجتماع و ملاقات کی سہولت ہے اگرچہ مراتب و منازل میں فرق رہے۔" (نسیم الریاض ج ۲ ص ۲۰۲)

اللہ تعالیٰ کے دربار میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا وسیلہ اختیار کرنا

عَنْ عُثْمَانَ بْنِ حُنَيْفٍ قَالَ إِنَّ رَجُلًا ضَرِيرَ الْبَصَرِ أَتَى النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقَالَ ادْعُ اللّٰهَ أَنْ يُعَافِيَنِي فَقَالَ إِنْ شِئْتَ دَعَوْتُ وَإِنْ شِئْتَ صَبَرْتَ فَهُوَ خَيْرٌ لَكَ قَالَ فَادْعُهُ قَالَ فَأَمَرَهُ أَنْ يَتَوَضَّأَ فَيُحْسِنَ الْوُضُوءَ وَيَدْعُوَ بِهٰذَا الدُّعَاءِ اَللّٰهُمَّ إِنِّي أَسْأَلُكَ وَأَتَوَجَّهُ إِلَيْكَ بِنَبِيِّكَ مُحَمَّدٍ نَبِيِّ الرَّحْمَةِ إِنِّي تَوَجَّهْتُ بِكَ إِلَى رَبِّي لِيَقْضِيَ لِي فِي حَاجَتِي هٰذِهِ اَللّٰهُمَّ فَشَفِّعْهُ فِيَّ (رواہ الترمذی)

عثمان بن حنیف کہتے ہیں کہ ایک شخص کی نظر میں کچھ نقصان تھا وہ آپ کی خدمت میں حاضر ہوا اور عرض کی آپ اللہ تعالیٰ سے میری صحت کے لئے دعا فرما دیجئے۔ آپ نے فرمایا چاہو تو دعا کروں اور چاہو تو صبر کرلو کیونکہ یہ (رضا بقضاء کا مقام) تمہارے لئے بہتر ہے۔ اس نے عرض کیا آپ دعا ہی فرما دیجئے آپ نے فرمایا اچھا تو اچھی طرح وضو کرو پھر اس طرح دعا کرو اے اللہ میں تجھ سے دعا کرتا ہوں اور تیرے نبی محمد صلی اللہ علیہ وسلم کا جو نبی الرحمۃ ہیں تیرے دربار میں وسیلہ اختیار کرتا ہوں۔ اے نبی میں نے اپنے رب کے دربار میں آپ کا وسیلہ اس لیے اختیار کیا ہے تاکہ وہ میری یہ ضرورت پوری فرمادے۔ اے اللہ تو ان کی سفارش میرے حق میں قبول فرمالے۔ (ترمذی حسن صحیح)

عَنْ أَنَسٍ أَنَّ عُمَرَ بْنَ الْخَطَّابِ كَانَ إِذَا قُحِطُوا اسْتَسْقَى بِالْعَبَّاسِ بْنِ عَبْدِ الْمُطَّلِبِ فَقَالَ اَللّٰهُمَّ إِنَّا كُنَّا نَتَوَسَّلُ إِلَيْكَ بِنَبِيِّنَا فَتَسْقِينَا وَإِنَّا نَتَوَسَّلُ إِلَيْكَ بِعَمِّ نَبِيِّنَا فَاسْقِنَا فَيُسْقَوْنَ. (رواہ البخاری)

انسؓ سے روایت ہے کہ جب لوگ قحط میں مبتلا ہوتے تو عمر بن الخطاب حضرت عباسؓ کے وسیلہ سے بارش کی دعا مانگتے اور کہتے اے اللہ پہلے ہم تیرے دربار میں اپنے نبی کا وسیلہ اختیار کیا کرتے تھے اور تو بارش برسا دیتا تھا اب ہم اپنے نبی کے چچا کا

وسیلہ اختیار کرتے ہیں تو بارش برسا دے بارش ہو جاتی تھی۔ (بخاری)

حافظ بدر الدین عینی کعب حبار سے روایت کرتے ہیں کہ اپنے نبی کے اہل بیت کے وسیلہ سے بارش مانگنا بنی اسرائیل میں بھی رائج تھا۔ (ج ۲ ص ۴۳۲)

حافظ سہیلی لکھتے ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نبوت سے قبل بھی قریش میں مبارک سمجھے جاتے تھے اور اسی لیے ایک مرتبہ قحط کے موقع پر عبد المطلب نے قریش کے ساتھ جبل ابو قبیس پر چڑھ کر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے وسیلہ سے بارش کی دعا مانگی تھی اور وہ قبول ہو گئی تھی حضرت ابو طالب نے اسی قصہ کی طرف اپنے مشہور قصیدہ میں اشارہ کیا ہے جس کے کچھ اشعار صحیح بخاری میں بھی منقول ہیں۔ شرح مواہب میں ہے کہ ایک مرتبہ مدینہ میں قحط پڑا تو لوگ حضرت عائشہؓ کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ آپ نے فرمایا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے روضہ مبارک کی چھت اتنی کھول دو کہ آسمان نظر آنے لگے۔ گویا یہ بھی ایک طور توسل تھا۔ لوگوں نے ایسا ہی کیا بارش آئی اور اتنی زور سے آئی کہ ہر جگہ سبزہ اگ آیا اور جانوروں کے جسم چربی کی وجہ سے پھٹ پڑے اور وہ سال عام الفتق ہی کے نام سے مشہور ہو گیا۔

کسی مخلوق کے سامنے اللہ تعالیٰ کی سفارش پیش کرنا جہالت ہے

عَنْ جُبَيْرِ بْنِ مُطْعِمٍ قَالَ اَتٰى رَسُوْلَ اللّٰهِ اَعْرَابِيٌّ فَقَالَ جُهِدَتِ الْاَنْفُسُ وَجَاعَ الْعِيَالُ وَنُهِكَتِ الْاَمْوَالُ وَهَلَكَتِ الْاَنْعَامُ فَاسْتَسْقِ اللّٰهَ لَنَا فَاِنَّا نَسْتَشْفِعُ بِكَ عَلَى اللّٰهِ وَنَسْتَشْفِعُ بِاللّٰهِ عَلَيْكَ فَقَالَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ سُبْحَانَ اللّٰهِ سُبْحَانَ اللّٰهِ فَمَا زَالَ يُسَبِّحُ حَتّٰى عُرِفَ ذٰلِكَ فِيْ وُجُوْهِ اَصْحَابِهٖ ثُمَّ قَالَ وَيْحَكَ اِنَّهٗ لَا يُسْتَشْفَعُ بِاللّٰهِ عَلٰى اَحَدٍ شَاْنُ اللّٰهِ اَعْظَمُ مِنْ ذٰلِكَ وَيْحَكَ اَتَدْرِيْ مَا اللّٰهُ اِنَّ عَرْشَهٗ عَلٰى سَمٰوَاتِهٖ لَهٰكَذَا وَقَالَ بِاَصَابِعِهٖ مِثْلَ الْقُبَّةِ عَلَيْهِ وَاِنَّهٗ لَيَئِطُّ بِهٖ اَطِيْطَ الرَّحْلِ بِالرَّاكِبِ۔ (رواہ ابو داؤد)

جبیر بن مطعم سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں ایک دیہاتی شخص آیا اور اس نے کہا لوگوں کی جانیں مشقت میں پڑ گئیں، بچے بھوکے مر گئے، مال تباہ ہو گئے، چوپائے ہلاک ہو گئے، اس لیے اللہ تعالیٰ سے ہمارے لئے بارش کی دعا مانگئے۔ ہم خدا کے سامنے آپ کی سفارش پیش کرتے ہیں اور آپ کے سامنے خدا کی سفارش چاہتے ہیں۔ آپ اس کی اس بے جا بات پر سبحان اللہ سبحان اللہ کہنے لگے اور اتنی دیر تک تسبیح فرماتے رہے حتی کہ آپ کے رفقاء کے چہروں پر بھی اس کا اثر محسوس ہونے لگا۔ اس کے بعد آپ نے فرمایا کہ ارے بیوقوف اللہ کی سفارش کسی کے سامنے پیش نہیں کی جاتی اللہ تعالیٰ کی شان اس سے بہت بالا و برتر ہے۔ تو جانتا بھی ہے کہ اللہ تعالیٰ کی ذات پاک کس قدر بلند ہے اس کا عرش آسمانوں پر اس طرح قائم ہے اور اس کا نقشہ آپ نے اپنی انگلیوں سے قبہ کی شکل بنا کر دکھلایا اور وہ اس کی عظمت سے اس طرح چرچر کر رہا ہے جیسا کجاوہ سوار کے بوجھ سے چرچر کرتا ہے۔ (ابو داؤد)

تشریح۔ خطابی فرماتے ہیں کہ اس حدیث کو امام بخاریؒ نے اگرچہ اپنی صحیح میں تو روایت نہیں کیا مگر اپنی تاریخ میں روایت کیا ہے۔ یہ بار بار بتلایا جا چکا ہے کہ قرآنی حقائق صرف خیالی اور بے حقیقت نہیں ہوتے۔ ان سے صرف دماغی تفریح مقصود ہو اور نہ پوری وہ حقیقت رکھتے ہیں ان کو سمجھنے کے لئے ان کو محسوسات کے مطابق سمجھایا جاتا ہے جیسے اونٹ، سوار، کجاوہ، ان کا دوگی

آوازیں موذنی سوار سے کجاوہ کی چرچراہٹ۔ یعنی اس کا دائرہ محسوسات ہے ایک وراء الوراء اور مجرد ہستی کی عظمت و بزرگی ذہن نشین کرنے کے لئے یہ مادی مثال اس کے سامنے رکھی گئی ہے تاکہ وہ اپنے مانوس مشاہدات سے ایک مافوق ادراک حقیقت سمجھنے کے قابل ہو جائے۔ اب اگر اس طرز بیان سے خدا کی ذات پاک کو کوئی ان حدود میں محدود دیکھنے لگے تو یہ اس کی ناسمجھی ہے اور اگر عرش اور ماورائے عرش کو صرف ایک فرضی یا دل خوش کن افسانہ قرار دے دے تو یہ بھی اس کا ظلم و کجروی ہے۔ راہ صواب یہ ہے کہ ان حقائق پر ایمان رکھا جائے اور ان کی صورت کشی سے اجتناب کیا جائے۔ دوسری بات جو ایمان بالرسول کے سلسلہ میں سب سے زیادہ جاننا ضروری ہے یہ ہے کہ انسان کی کمزوریوں میں سے یہ بھی ایک کمزوری ہے کہ وہ یا تو رسول کا انکار کرتا ہے اور اگر اس کا اقرار کرتا ہے تو اس کی ہستی کبھی تو خدائی ہستی میں مدغم کر دیتا ہے اور کبھی اس کی حیثیت سے بھی نیچے گرا دیتا ہے۔ یہود و نصاریٰ کی گمراہی کا مرکزی نقطہ یہی تھا۔ یہود نے حضرت مسیح علیہ السلام کا انکار کیا اور نصاریٰ نے ان کی ہستی کو خدا کی ہستی میں لپیٹ ڈالا اس لیے خاتم النبیین کو ہر موقعہ پر اپنی امت کو تنبیہ کرنا پڑی ہے تاکہ یہ امت اس گمراہی کا پھر اعادہ نہ کرے۔ یہاں اس اعرابی نے بھی خدا اور رسول کا رشتہ دوستی یا اسی قسم کا کوئی اور رشتہ سمجھا تھا جس میں ایک دوسرے سے سفارش کا حق ہوتا ہے اسی لیے اس نے اپنے پرواز خیال کے مطابق خدا کی سفارش رسول کی بارگاہ میں پیش کی تاکہ رسول کی پوری توجہ اپنی درخواست کی جانب مبذول کرے مگر رسول نے اس کو سمجھایا کہ خدا کی ذات اتنی بلند و ارفع ہے کہ اس کے لیے کسی چھوٹے سے بڑے کے سامنے سفارش کا تخیل قائم کرنا اس کی شان عظمت کے منافی ہے سب رسول اس کے دربار کے سفارشی ہیں اور وہ بھی اس کی اجازت کے بعد۔ یہ اصلاح صرف زبانی نہ تھی بلکہ اس استغفار عظمت کے ساتھ تھی کہ حاضرین کے چہروں پر بھی اس کا اثر نمایاں ہو رہا تھا گویا تعلیم وہ تھی اور تزکیہ یہ تھا۔

رسول کی صداقت کی ایک بہت بڑی دلیل یہ ہے کہ جب اس کے حدود عظمت خدائی حدود سے ٹکرانے لگتے ہیں تو وہ اس کو اسی نفرت کی نگاہ سے دیکھنے لگتا ہے جتنا کہ اپنی توہین کو ایک متوازن سے متوازن طبع انسان اپنی حیثیت سے زیادہ تعریف سن لیتا ہے اور اس پر مسرور بھی ہو سکتا ہے مگر رسول اپنے ادب و احترام و ملامت و حقارت کے دونوں حدود اتنے محفوظ رکھتا ہے کہ گویا یہاں بھی اسے اپنا حظ نفس مقصود نہیں بلکہ خدائی حدود کا تحفظ منظور ہے۔ اگر اس کے منہ پر اسے کوئی یا خیر البریہ کہہ کر پکارتا ہے تو اسے شرم آ جاتی ہے اور وہ گردن جھکا کر کہہ دیتا ہے کہ یہ کلمہ میرے باپ ابراہیم علیہ السلام کے لئے زیادہ موزوں ہے۔ بلاشبہ وہ سب سے افضل ہے اور جہان کا سید و سردار ہے مگر جب اس کے سامنے انت سیدنا کہا جاتا ہے تو اس کے منہ سے بے ساختہ نکل جاتا ہے کہ السید ھو اللہ گویا اگر وہ اپنی تعریف سن سکتا ہے تو صرف ایک حقیقت اور واقعہ کی حد تک اور اگر وہ اپنی مذمت سے ناخوش ہوتا ہے تو صرف اس لیے کہ اس منصب رسالت کی توہین ہے غرض دونوں جانبوں میں اس کا مقصد صرف خدا ہی کی عظمت کی خاطر ہوتا ہے۔ سوچو کہ ایسا انسان کیسا پاک انسان ہوگا جو اپنے نفس کے لئے کسی بات کا طالب نہیں اس کی تمام تر کوشش یہ ہے کہ وہ خدا کی عظمت کا نقش لوگوں کے دلوں میں قائم کر جائے اور بس۔ جو لوگ رسول کو خدائی عظمت دے کر خوش کرنا چاہتے ہیں وہ درحقیقت اس کی ناخوشی خریدتے ہیں اور جو کم بخت رسول کا ادب بھی نہیں جانتے وہ دراصل اپنے خدا کا غصہ مول لے رہے ہیں۔

محمدا از توئی خواہم خدا را   خدایا از توئی خواہم محمد

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نبوۃ تخلیق انسانی سے پہلے کی ہے

عَنْ اَبِیْ ھُرَیْرَۃَؓ قَالَ قَالُوْا یَا رَسُوْلَ اللّٰہِ مَتٰی وَجَبَتْ لَکَ النُّبُوَّۃُ قَالَ وَاٰدَمُ بَیْنَ الرُّوْحِ وَالْجَسَدِ. (رواہ الترمذی وقال ھذا حدیث حسن)

ابوہریرہؓ سے روایت ہے کہ صحابہؓ نے دریافت کیا یا رسول اللہ آپ کو نبوت کب ملی فرمایا اس وقت جب کہ حضرت آدم علیہ السلام ابھی روح وجسم کے درمیان تھے۔ (یعنی ان میں روح نہیں پھونکی گئی تھی) (ترمذی حسن)

تشریح۔ خفاجی شرح شفاء میں تحریر فرماتے ہیں کہ اس حدیث سے دو تین باتیں ثابت ہوتی ہیں (۱) آپ کا عالم ارواح میں نبوت سے حقیقۃً سرفراز ہونا۔ (۲) جس طرح صفت وجود میں آپ کی ذات سب سے مقدم تھی اسی طرح صفت نبوت میں بھی آپ کا سب سے مقدم ہونا اس مضمون کی پوری توضیح کے لئے اس تفصیل کا نقل کرنا ضروری ہے جو حافظ تقی الدین سبکی نے آیت میثاق کی تفسیر میں لکھا ہے۔

وَاِذْ اَخَذَ اللّٰہُ مِیْثَاقَ النَّبِیّٖنَ لَمَآ اٰتَیْتُکُمْ مِّنْ کِتٰبٍ وَّحِکْمَۃٍ ثُمَّ جَآءَکُمْ رَسُوْلٌ مُّصَدِّقٌ لِّمَا مَعَکُمْ لَتُؤْمِنُنَّ بِہٖ وَلَتَنْصُرُنَّہٗ (اٰل عمران ۸۱)

"اور وہ وقت یاد دلایئے جب کہ اللہ تعالیٰ نے نبیوں سے عہد لیا تھا کہ ہم جو تمہیں کتاب وحکمت دیں پھر خدا کا کوئی رسول تمہارے پاس آئے اور جو کتاب تمہارے ساتھ ہو اس کی تصدیق کرے تو (دیکھو) ضرور اس پر ایمان لانا اور ضرور اس کی مدد کرنا۔"

حافظ موصوف نے اس آیت کی شرح میں ایک مستقل رسالہ لکھا ہے اور اس کا نام "التعظیم والمنۃ فی معنی قولہ تعالیٰ (لتؤمنن بہ ولتنصرنہ) رکھا ہے۔ (یوسف بن اسمٰعیل نبہانی نے جواہر البحار میں اس رسالہ کو بجنسہٖ نقل کیا ہے۔ خفاجی نے صرف اس کے منتشر ٹکڑے لیے ہیں۔) وہ فرماتے ہیں کہ اس آیت سے معلوم ہوتا ہے کہ ازل میں انبیاء علیہم السلام سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے لئے اسی طرح کا عہد لیا گیا تھا جیسا کہ امتوں سے نبیوں کے لئے یا رعایا سے خلفاء کے لئے اطاعت ونصرت کا عہد لیا جاتا ہے۔ اس سے ثابت ہوا کہ انبیاء علیہم السلام کے درمیان آپ کا منصب عالی وہ تھا جو امتوں میں انبیاء علیہم السلام کا منصب ہوتا ہے اس لیے اور انبیاء تو صرف نبی ہیں اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نبی الانبیاء ہیں۔ یہ حقیقت اگرچہ عالم اجسام میں صاف طور پر عیاں نہیں ہو سکی مگر عالم ارواح اور اس عالم سے ماوراء عالم میں جہاں دیگر انبیاء علیہم السلام کے ساتھ آپ کا اجتماع ہو گیا ہے ظاہر ہو گئی ہے۔ پہلی بار یہ اجتماع شب معراج میں ہوا تھا جب کہ نماز کے لئے امام کی تلاش ہو رہی تھی۔ اس وقت تمام انبیاء علیہم السلام کی صفوں میں امامت کی مستحق آپ ہی کی ذات گرامی ٹھہری۔ گویا امت میں امامت کا جو حق کہ نبی کا ہوتا ہے وہی حق انبیاء علیہم السلام میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا قرار پایا۔ دوسرا اجتماع محشر میں ہوگا وہاں بھی سب انبیاء آپ ہی کے زیر لواء اور آپ ہی کے جھنڈے کے نیچے ہوں گے جیسا کہ ہر امت اپنے اپنے نبی کے جھنڈے کے نیچے ہوگی تیسری بار شفاعت کا مرحلہ ہے یہاں بھی سب کی خطیب وامام آپ ہی کی ذات مبارک ہوگی۔ خلاصہ دیگر یوں سمجھئے کہ جو منصب نبوت آپ کو اس امت کے لئے حاصل ہے وہی منصب آپ کو جملہ انبیاء کی حاصل ہے البتہ اس کا ظہور ان کے ساتھ اجتماع پر موقوف ہے۔ عالم کی تاریخ میں یہ اجتماع کل تین جگہ ثابت ہوتا ہے اور تینوں جگہ آپ کا یہ منصب عالی ظاہر ہوا ہے۔ مگر اس عالم میں جب انبیاء علیہم السلام کا آپ کے

ساتھ جمع ہو جاتا تو یہ حقیقت یہاں بھی آشکار ہو جاتی۔ چنانچہ آخر زمانہ میں جب حضرت عیسیٰ علیہ السلام تشریف لائیں گے تو ان کا تعلق آپ کی شریعت کے ساتھ وہی ہوگا جو تمام امت کا ہے اور اسی لیے اس اتباع سے ان کی نبوت میں کوئی ادنیٰ شائبہ نقصان بھی لازم نہ آئے گا۔ اسی طرح اگر آپ گذشتہ انبیاء کے زمانہ میں تشریف لے آتے تو وہ بھی اپنی اپنی رسالت پر باقی رہتے ہوئے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا اتباع ہی فرماتے اور اس اتباع کی وجہ سے ان کی رسالت میں بھی کوئی نقص لازم نہ آتا۔

رہا مختلف شریعتوں کا معاملہ تو جس طرح مختلف نبوتیں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت کے ماتحت ہیں اسی طرح مختلف شریعتیں مختلف زمانوں اور امتوں کے لحاظ سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ہی کی شریعتیں ہیں۔ جیسے یہود و نصاریٰ کے لحاظ سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی شریعت تورات و انجیل تھی اور امت محمدیہ کے لحاظ سے آپ کی شریعت قرآن شریف ہے اگر زمانوں اور اشخاص کے اعتبار سے احکام مختلف ہو جائیں تو اس میں کوئی مضائقہ نہیں ہے۔

مذکورہ بالا تحقیق سے دو حدیثوں کی مراد روشن ہو گئی۔ (۱) بعثت الی الناس کافۃ۔ میں تمام لوگوں کی طرف بھیجا گیا ہوں۔ عام طور پر عموم بعثت کے معنی صرف یہ سمجھے جاتے تھے کہ آپ قیامت تک سب انسانوں کے لئے رسول ہیں۔ لیکن اس تحقیق سے ظاہر ہو گیا کہ آپ کی نبوت کا تعلق صرف مستقبل سے نہیں بلکہ ماضی و مستقبل دونوں سے ہے حضرت آدم علیہ السلام سے لے کر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم تک سب رسول آپ کی نبوت کے ماتحت ہیں اگرچہ ماتحتی کی نوعیت بدلی ہوئی ہو۔

(۲) حدیث کنت نبیا وادم بین الماء والطین۔ اس حدیث کی مراد صرف یہ سمجھی جاتی تھی کہ حضرت آدم علیہ السلام کی پیدائش سے پہلے اللہ تعالیٰ کو آپ کی نبوت کا علم حاصل تھا گویا اس میں آپ کی یہ خصوصیت ہے۔ دوسرے انبیاء علیہم السلام کی نبوتوں کا علم بھی اللہ تعالیٰ کو اسی طرح حاصل تھا جیسا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت کا۔

اس تحقیق کی بناء پر حدیث کا مطلب یہ ہوگا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو حضرت آدم علیہ السلام میں نفخ روح سے پہلے نبوت سے نوازا جا چکا تھا۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشاد سے ہمیں اس بات کا علم ہو گیا ہے کہ کمال نبوت آپ کو اس وقت حاصل ہو چکا تھا جب کہ حضرت آدم علیہ السلام انسانی صورت پر مستوی بھی نہ ہونے پائے تھے اور اسی وقت انبیاء علیہم السلام سے آپ کے لیے ایمان و نصرت کا عہد بھی لے لیا گیا تھا تاکہ معلوم ہو جائے کہ آپ کی رسالت عامہ ان کو بھی شامل ہے۔ اس لحاظ سے سب سے پہلے نبی آپ ہوئے مگر چونکہ جسد عنصری کے لحاظ سے آپ کا ظہور سب سے آخر میں ہوا ہے اس لیے آپ آخر الانبیاء بھی کہلائے مگر اس معنی سے نہیں کہ آپ کی نبوت سب سے آخر میں ملی ہے۔ بلکہ اس معنی سے کہ آپ کا ظہور سب کے آخر میں ہوا ہے ورنہ منصب نبوت کے لحاظ سے آپ کی ولادت سے قبل اور ولادت کے بعد، چالیس سال کی عمر سے پہلے اور اس کے بعد کے زمانہ میں کوئی فرق نہیں ہے اس کو ایک مثال سے یوں سمجھئے کہ اگر ایک شخص اپنی لڑکی کی شادی کے لئے کسی کو وکیل بنا دے تو بلا شبہ یہ وکالت صحیح ہے اور اسی وقت سے اس کو تصرف کرنے کا حق بھی حاصل ہے لیکن اس تصرف کا ظہور اس پر موقوف ہے کہ پہلے کہیں اسے کفو ملے تو وہ شادی کرے بعض مرتبہ مدتوں کفو نہیں ملتا اور اس وکالت کا کوئی اثر ظاہر نہیں ہوتا مگر یہ نہیں کہا جا سکتا کہ یہ شخص وکالت سے موصوف نہیں یا اس کو اس سے پیشتر حق تصرف حاصل نہیں اسی طرح آپ کی نبوت کا معاملہ سمجھ لیجیے

یہاں جسم عنصری کی شرط صرف تصرفات نبوت کے ظہور کے لئے ہے۔ نفس منصب نبوت کے لیے نہیں اصل یہ ہے کہ کسی حکم کا کسی شرط سے تعلق دو طرح پر ہوتا ہے کبھی قابل متصرف کے اعتبار سے کبھی محل قابل کے لحاظ سے یہاں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت کے لئے جسم عنصری کی شرط قابل متصرف کی طرف سے نہ تھی کیونکہ حق تعالیٰ نے آپ کو منصب نبوت سے عالم ارواح ہی میں سرفراز کر دیا تھا جسم ناسوتی کی شرط تھی تو صرف اس لیے تھی کہ مبعوث الیہم میں جسم کے بغیر استفادہ کی قابلیت نہ تھی۔ تصرفات نبوۃ یعنی احکام الٰہیہ کی تبلیغ اس پر موقوف تھی کہ آپ جسم عنصری میں تشریف لا کر ان سے خطاب کریں۔ کلام الٰہی انہیں سنائیں اور سمجھائیں اگر مخاطبین میں ان امور کی اس سے قبل صلاحیت ہوتی تو وہ کمال نبوت کا اس سے قبل بھی ادراک کر لیتے اس لیے قالب انسانی کی شرط یہاں نفس نبوت کے لئے نہیں بلکہ قصور مخاطبین کے لحاظ سے تھی۔

سن لو میرے ماں باپ اس پر قربان جو اس وقت بادشاہ اور سردار بن چکا تھا جب کہ آدم علیہ السلام ابھی آب و گل کے درمیان ہی پڑے ہوئے تھے۔ یہ وہی کی رسول ہیں جن کا نام نامی محمدؐ ہے اور

جن کو ہر قسم کی نئی پرانی بزرگیاں حاصل ہیں۔ آپ کی آمد مدتوں بعد ایک خوش بخت زمانہ میں ہوئی۔

مگر آپ کی شہرت ہر دور میں رہی ہے۔ آئے اور ایک شکستہ حال زمانہ کی اصلاح کرنے کے لئے آئے۔

اس لیے زبان خلق اور بخششیں آپ کی ثنا خواں ہے۔ جب آپ کسی بات کا عزم کر لیتے ہیں تو پھر اس کا خلاف نہیں ہوتا۔

اس عالم میں اس سے کوئی مانع نظر آتا ہے۔

عَنْ عِرْبَاضِ بْنِ سَارِيَةَؓ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ إِنِّي عِنْدَ اللّٰهِ مَكْتُوْبٌ خَاتَمُ النَّبِيِّيْنَ وَإِنَّ آدَمَ لَمُنْجَدِلٌ فِيْ طِيْنَتِهٖ۔ (رواہ فی شرح السنۃ و احمد)

عرباض بن ساریہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے میں خدا کے نزدیک اس وقت خاتم النبیین مقرر ہو چکا تھا جب کہ حضرت آدم علیہ السلام ابھی گارے کی شکل ہی میں پڑے ہوئے تھے۔ (یعنی ان میں روح بھی نہیں پھونکی گئی تھی)

اس حدیث کو شرح السنۃ میں اور امام احمد نے اپنی مسند میں روایت کیا ہے اور کنز العمال میں بحوالہ ابن سعد اس حدیث کے لفظ میں بجائے عند اللہ کے ام الکتاب کا لفظ ہے۔ اب حدیث کا مطلب یہ ہوگا کہ میں لوح محفوظ میں خاتم النبیین لکھا جا چکا تھا۔ گویا ابن سعد کے لفظ کو مسند امام احمد کی شرح سمجھنا چاہیے۔

تشریح۔ مواہب میں ہے۔ واخرج مسلم من حدیث عبداللہ بن عمرو بن العاص عن النبی صلی اللہ علیہ وسلم انہ قال ان اللہ عزوجل کتب مقادیر الخلق قبل ان یخلق السموات والارض بخمسین الف سنۃ وکتب فی الذکر ان محمدا خاتم النبیین۔ عبداللہ بن عمرو بن العاص صحیح مسلم میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کرتے ہیں کہ آپؐ نے فرمایا اللہ تعالیٰ نے زمین و آسمانوں کی پیدائش سے پچاس ہزار سال قبل اپنی ہر مخلوق کا اندازہ لکھ دیا تھا اور لوح محفوظ میں یہ بھی لکھ دیا تھا کہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم خاتم النبیین ہیں یعنی جب عالم تکوین کی ہر معمولی سے معمولی چیز مقدر ہوئی تو جس کے وجود پر عالم تکوین کی آبادی کا مدار تھا اس کا خاتم النبیین ہونا بھی اسی وقت مقدر ہو چکا تھا۔ اس روایت کا آخری فقرہ اگرچہ

مسلم کے موجودہ نسخوں میں نہیں ملتا مگر جب مصنف مواہب نے اس کو بحوالہ مسلم نقل کیا ہے تو ضرور اس کے نسخہ میں موجود ہوگا۔
واضح رہے کہ اس حدیث کا منشا بھی صرف تحریر و کتابت نہیں ہے بلکہ مقصود یہ ہے کہ خلعت ختم نبوت آپ کو اس وقت پہنایا جا چکا تھا جب کہ ابوالبشر نے خلعت وجود بھی نہیں پہنا تھا۔ اسی کی طرف حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے اشارہ فرمایا ہے:

عن ابن عباس في حديث الشفاعة فياتون عيسى فيقولون اشفع لنا الى ربنا فليقض بيننا فيقول اني لست هناكم اني اتخذت وامي الهين من دون الله ولكن ارايتم لو ان متاعا في وعاء قد ختم عليه اكان يوصل الى ما في الوعاء حتى يفض الخاتم فيقولون لا فيقول فان محمدا صلى الله عليه وسلم وسلم قد حضر اليوم وقد غفرله ماتقدم من ذنبه وما تاخر رواه الطيالسي ص ۳۵۳. وفي لفظ احمد وابي يعلى ان محمدا صلى الله عليه وسلم خاتم النبيين قد حضر اليوم.

"ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ شفاعت کی طویل حدیث میں روایت کرتے ہیں کہ (قیامت میں شفاعت کے لئے) آخر کار لوگ عیسیٰ علیہ السلام کے پاس آئیں گے اور کہیں گے (آپ ہی ہمارے پروردگار سے سفارش کیجئے تاکہ ہمارا حساب لے لے وہ فرمائیں گے میں یہ کام نہیں کر سکتا کیونکہ میں اس سے شرمندہ ہوں کہ میری امتوں نے مجھے اور میری ماں کو خدا بنا لیا تھا لیکن بتلاؤ اگر کسی برتن کو بند کر کے اس پر مہر لگادی جائے کیا اس برتن کی چیز اس وقت تک لے سکتے ہو، جب تک اس کی مہر توڑ دو لوگ کہیں گے ایسا تو نہیں ہو سکتا۔ عیسیٰ علیہ السلام فرمائیں گے پس محمد صلی اللہ علیہ وسلم (جو انبیاء علیہم السلام کے خاتمہ پر مہر ہیں) آج موجود ہیں ان کی آئندہ گذشتہ سب لغزشیں معاف ہو چکی ہیں (ان کے پاس جاؤ) مسند احمد اور ابو یعلیٰ کے لفظ یہ ہیں کہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم خاتم النبیین ہیں۔ اور آج یہاں موجود ہیں۔ ان الفاظ میں حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے صرف تقدیر کا ذکر نہیں فرمایا۔ بلکہ اس نوازش الٰہیہ کی طرف اشارہ فرمایا ہے جو ازل میں خلعت ختم نبوت پہنا کر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم پر ہو چکی تھی۔ اس لیے شفاعت کا حق ان ہی کا ہے۔

عمر انسانی کی اس حدیث میں اس طرف بھی اشارہ ہے کہ عالم کی ہدایت کے وقت ہی اس کی نہایت آپ کے دور نبوت پر مقدر ہو چکی تھی اسی لیے آپ نے فرمایا ہے عن بريدة قال قال رسول الله صلى الله عليه وسلم بعثت انا والساعة جميعا ان كادت لتسبقني (اخرجه ابن جرير بحواله مسند احمد)

بریدہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے، میں اور قیامت ساتھ ساتھ بھیجے گئے ہیں (اور مبالغہ کے ساتھ فرمایا) وہ تو قریب تھی کہ مجھ سے بھی پہلے آ جاتی۔ اور بخاری میں ہے بعثت انا والساعة كهاتين. آپ نے اپنی دو انگلیوں کی طرف اشارہ کر کے فرمایا میں اور قیامت اس طرح ملے ہوئے بھیجے گئے ہیں یعنی آپ کے زمانہ نبوت اور قیامت کے درمیان کوئی اور نبوت حائل نہیں۔ قیامت جب بھی آئے گی آپ ہی کے دور نبوت میں آئے گی۔

خلاصہ یہ کہ آپ کا دنیا کے آخری دور میں آنا اس وقت طے ہو چکا تھا جب کہ حضرت آدم علیہ السلام میں ابھی روح نہ ہوا تھا گویا کہ یہ بات عالم کے وجود سے بھی پہلے ایک طے شدہ بات تھی اب اس میں شبہ کی کیا گنجائش ہو سکتی ہے۔

عَنْ اَنَسٍ فِیْ حَدِیْثٍ طَوِیْلٍ مَرْفُوْعًا قَالَ تَبَارَکَ وَتَعَالٰی جَعَلْتُ اُمَّتَکَ هُمُ الْاٰخِرُوْنَ وَهُمُ الْاَوَّلُوْنَ

(الی قولہ) جَعَلْتُکَ اَوَّلَ النَّبِیِّیْنَ خَلْقًا وَّاٰخِرَھُمْ (الی قولہ) وَجَعَلْتُکَ فَاتِحًا وَّخَاتِمًا (مترجمہ نور صحیح)

انسؓ سے ایک طویل حدیث میں مرفوعاً روایت ہے کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا تیری امت کو میں نے سب سے آخر میں بھیجا ہے اور وہ حساب میں سب سے پہلے ہوگی اور میں نے تجھ کو نبیوں میں سب سے پہلے پیدا کیا اور سب سے آخر میں بھیجا ہے تجھ کو میں نے فاتح یعنی دورۂ نبوت شروع کرنے والا بنایا ہے اور تجھ کو ہی اس کا ختم کرنے والا بنایا ہے۔ اس حدیث کو ابونعیم نے روایت کیا ہے۔

عَنْ سَلْمَانَؓ فِیْ حَدِیْثِ الشَّفَاعَۃِ یَاْتُوْنَ مُحَمَّدًا فَیَقُوْلُوْنَ یَا نَبِیَّ اللّٰہِ اَنْتَ الَّذِیْ فَتَحَ اللّٰہُ بِکَ وَخَتَمَ وَغَفَرَلَکَ مَاتَقَدَّمَ وَمَا تَاَخَّرَ۔ (رواہ ابن ابی شیبۃ (فتح الباری ۲ ص ٤٩٤)

سلمانؓ شفاعت کی حدیث میں روایت کرتے ہیں۔ لوگ محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آئیں گے اور کہیں گے اے اللہ کے نبی آپ ہی وہ ہیں جن سے اللہ تعالیٰ نے نبوت کو شروع کیا تھا اور جن پر ختم کیا ہے اور آپ کی آئندہ اور گذشتہ سب لغزشیں معاف کر دی ہیں۔ (ابن ابی شیبہ)

عَنْ اَبِیْ ھُرَیْرَۃَؓ فِیْ حَدِیْثِ الْاِسْرَاءِ قَالُوْا یَا جِبْرَئِیْلُ مَنْ ھٰذَا مَعَکَ قَالَ ھٰذَا مُحَمَّدٌ رَسُوْلُ اللّٰہِ وَخَاتَمُ النَّبِیِّیْنَ الی ان قال۔ فَقَالَ لَہٗ تَبَارَکَ وَتَعَالٰی جَعَلْتُکَ اَوَّلَ النَّبِیِّیْنَ خَلْقًا وَّاٰخِرَھُمْ بَعْثًا وَّجَعَلْتُکَ فَاتِحًا وَّخَاتِمًا۔ (رواہ البزار) (مجمع الزوائد ص ٦٧ و ٦١)

ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ معراج کی حدیث میں روایت فرماتے ہیں کہ فرشتوں نے جبرئیلؑ سے دریافت کیا تمہارے ساتھ یہ کون ہیں وہ بولے محمدؐ ہیں جو اللہ کے رسول اور خاتم النبیین ہیں۔ (جب آپ کی دربار الٰہی میں رسائی ہوئی) تو ارشاد ہوا (اے محمدؐ) میں نے پیدائش کے لحاظ سے تم کو سب نبیوں سے پہلے اور بلحاظ بعثت سب سے آخر میں بھیجا ہے۔ نبوت کا شروع کرنے والا اور ختم کرنے والا تم کو ہی بنایا ہے۔ (بزار)

تشریح۔ چونکہ رسولوں کے سلسلہ میں بظاہر سب سے پہلے آنے والے رسول حضرت آدم علیہ السلام تھے اس لیے احادیث میں اس کی وضاحت کی گئی ہے کہ اصل اولیت یعنی باعتبار خلق واتصال نبوت آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ہی کو حاصل ہے۔ گو بلحاظ وجود عنصری حضرت آدم علیہ السلام کی تشریف آوری سب سے اول ہوئی ہے۔

عَنْ اَبِیْ قَتَادَۃَ رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہُ مُرْسَلًا اِنَّمَا بُعِثْتُ خَاتِمًا وَّفَاتِحًا وَّاُعْطِیْتُ جَوَامِعَ الْکَلِمِ وَفَوَاتِحَہٗ۔ (رواہ البیہقی فی شعب الایمان کنز ج ٦ ص ١٠٦)

ابوقتادہؓ مرسلاً روایت کرتے ہیں کہ آپؐ نے فرمایا ہے نبوت کا شروع کرنے والا اور اس کا ختم کرنے والا میں ہی بھیجا گیا ہوں اور مجھے جوامع کلم اور فواتح کلم دیئے گئے ہیں یعنی مختصر جملوں میں بڑے بڑے مضامین ادا کرنا۔ اس حدیث کو بیہقی نے شعب الایمان میں روایت کیا ہے۔

تشریح۔ حکیم ترمذی فرماتے ہیں کہ ہر سید و امیر کو بقدر اپنے دائرۂ ولایت کے خزائن و حشم و خدم درکار ہوتے ہیں۔ جو ایک قریہ یا ایک خطہ کا امیر ہوتا ہے اس کے لیے اس کے مناسب اور جو ایک ملک کا امیر ہوتا ہے اس کے لیے اس کے مناسب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو چونکہ تمام جہان کا سید و امیر بنایا گیا ہے اس لیے آپ کو اسی کے بقدر سامان ولایت کی ضرورت تھی

اسی لیے حدیث میں ارشاد ہے کہ اوتیت خزائن الارض مجھے زمین بھر کے خزانے مرحمت فرما دیئے گئے ہیں اور اسی لیے فرمایا اوتیت جوامع الکلم مجھے جامع کلمات مرحمت کیے گئے ہیں بے شک جس کی مملکت تبلیغ تمام جہان ہو اسے مختصر جملوں میں مضمون کھپانے کی قدرت ملنی چاہیے تا کہ ہر ایک تھوڑے لفظوں میں سب کچھ جان جائے اور ایک اعرابی و فلسفی یکساں طور پر اس سے ہمیشہ مستفید ہوتا رہے اسی بنا پر ترمذی میں ہے کہ ہر نبی کو سات نجیب و رقیب (دوست مددگار) ملے ہیں مجھے چودہ مرحمت ہوئے ہیں۔ غرض کہ جوامع الکلم بعثت عامہ کے مقتضیات و ثمرات میں داخل ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ جو رسول خاص خاص قوموں کی طرف مبعوث ہوئے ان کو ایسے کلمات جامع مرحمت نہیں ہوئے۔

عَنْ قَتَادَةَ كُنْتُ اَوَّلَ النَّاسِ فِي الْخَلْقِ وَاٰخِرَهُمْ فِي الْبَعْثِ. (رواه ابن سعد مرسلا كما في الكنز)

قتادہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ میں سب انسانوں میں بلحاظ پیدائش پہلا ہوں اور سب انبیاء میں باعتبار بعثت پچھلا۔ (ابن سعد)

عَنْ اَبِيْ هُرَيْرَةَ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فِيْ قَوْلِ اللّٰهِ عَزَّوَجَلَّ وَاِذْ اَخَذْنَا مِنَ النَّبِيِّيْنَ مِيْثَاقَهُمْ وَمِنْكَ وَمِنْ نُّوْحٍ (الاحزاب: ٧) الآية قَالَ كُنْتُ اَوَّلَ النَّبِيِّيْنَ فِي الْخَلْقِ وَاٰخِرَهُمْ فِي الْبَعْثِ. (رواه ابن ابي حاتم وابن مردويه)

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے آیت کریمہ وَاِذْ اَخَذْنَا مِنَ النَّبِيِّيْنَ مِيْثَاقَهُمْ وَمِنْكَ وَمِنْ نُّوْحٍ کی تفسیر کرتے ہوئے فرمایا میں باعتبار پیدائش کے سب سے پہلا اور باعتبار بعثت سب سے آخری نبی (صلی اللہ علیہ وسلم) ہوں۔ اس حدیث کو ابن ابی حاتم رضی اللہ تعالیٰ عنہ ابن مردویہ رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ ابو نعیم رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے دلائل النبوۃ میں روایت کیا ہے اور دیلمی، ابن عساکر، ابن ابی شیبہ، ابن جریر رحمۃ اللہ علیہ، ابن سعد رحمۃ اللہ علیہ نے بھی روایت کیا ہے۔

امت محمدیہ کی فضیلت

عَنْ قَتَادَةَ قَالَ ذُكِرَ لَنَا اَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ ذَاتَ يَوْمٍ وَهُوَ مُسْنِدٌ ظَهْرَهُ اِلَى الْكَعْبَةِ نَحْنُ نُكْمِلُ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ سَبْعِيْنَ اُمَّةً نَحْنُ اٰخِرُهَا وَخَيْرُهَا. (رواه ابن جرير في تفسير قوله كنتم خير امة الآية (الدر المنثور ج ٢ ص ٦٤)

قتادہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ ہم سے بیان کیا گیا ہے کہ ایک دن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کعبہ سے کمر لگائے بیٹھے تھے اس وقت آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہم قیامت کے دن ستر امتوں میں ستر ویں امت ہوں گے جن میں ہم سب سے آخر اور سب سے بہتر ہوں گے۔ (در منثور)

تشریح: ان جملہ احادیث میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو فاتح نبوۃ اور خاتم نبوۃ دونوں قرار دیا گیا ہے۔ معلوم ہوا کہ ازل میں آپ کی نبوۃ اور ختم نبوۃ صرف تقدیر کے معنی میں نہ تھی تقدیر تو سب کے لیے یکساں ہے بلکہ اس منصب سے سرفرازی کے لحاظ سے ہے۔ آپ کی آخریت جس طرح خارج میں تھی اسی طرح آپ کی اولیت بھی سمجھنا چاہیے۔ اور جس طرح آپ کی اولیت تھی یعنی

آپ سے پیشتر کوئی رسول نہ تھا اسی طرح آپ کی آخریت سمجھنا چاہیے یعنی آپ کے بعد بھی کسی قسم کا کوئی رسول نہیں ہوگا۔

عَنْ مُحَمَّدِ بْنِ حَزْمٍ تُكْمَلُ يَوْمَ الْقِيَامَةِ سَبْعُوْنَ اُمَّةً نَحْنُ اٰخِرُهَا وَخَيْرُهَا. (رواہ ابو نعیم، ذکرہ فی الکنز ج ۶ ص ۲۳۲)

محمد بن حزم فرماتے ہیں کہ قیامت کے دن ستر امتیں پوری ہو جائیں گی جن میں ہم سب سے آخر اور سب سے بہتر ہوں گے۔ (کنز العمال)

تشریح۔ یہ معلوم نہیں ہے کہ یہاں ستر کا عدد کس مناسبت سے ذکر کیا گیا ہے۔ جب کوئی متکلم کوئی خاص عدد ذکر کرتا ہے تو اس کے ذہن میں اس عدد کا کوئی خاص معیار ہوتا ہے جب تک اس کا وہ معیار اور اعتبار ہمیں معلوم نہ ہو جائے اس وقت تک اس عدد پر بحث کرنا بےسود ہے ایک ہی مقدار کو برسوں کے لحاظ سے ۶۴ اور آنوں کے اعتبار سے ۱۶ اور روپیہ کے لحاظ سے ایک کہا جا سکتا ہے۔ معلوم نہیں کہ یہاں ۷۰ کے عدد میں کس خاص بات کی رعایت کی گئی ہے۔

عَنْ عُمَرَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فِيْ حَدِيْثٍ طَوِيْلٍ يَا يَهُوْدِيُّ اَنْتُمُ الْاَوَّلُوْنَ وَنَحْنُ الْاٰخِرُوْنَ السَّابِقُوْنَ يَوْمَ الْقِيَامَةِ. اخرجه ابن راهويه فى مسنده وابن ابى شيبة فى المصنف. (الخصائص ج ۲ ص ۲۰۱)

حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک طویل حدیث میں فرمایا اے یہودی! تم لوگ ہم سے پہلے ہو اور ہم تم سے آخر میں ہیں مگر قیامت کے دن حساب میں تم سے پہلے ہوں گے۔

اس حدیث کو ابن راہویہ نے اپنی مسند میں اور ابن ابی شیبہ نے مصنف میں روایت کیا ہے۔

عَنْ بَهْزِ بْنِ حَكِيْمٍ عَنْ اَبِيْهِ عَنْ جَدِّهِ مَرْفُوْعًا تُكْمَلُ يَوْمَ الْقِيَامَةِ سَبْعُوْنَ اُمَّةً نَحْنُ اٰخِرُهَا وَخَيْرُهَا. (رواہ ابن ماجہ والترمذی)

بہز بن حکیم اپنے باپ حکیم اور وہ ان کے دادا سے روایت کرتے ہیں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ قیامت کے دن ستر امتیں پوری ہو جائیں گی۔ ہم ان سب سے آخر اور سب سے بہتر ہوں گے۔ (ابن ماجہ، ترمذی)

عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ نَحْنُ اٰخِرُ الْاُمَمِ وَاَوَّلُ مَنْ يُّحَاسَبُ. اَيْنَ الْاُمَّةُ الْاُمِّيَّةُ وَنَبِيُّهَا فَنَحْنُ الْاٰخِرُوْنَ الْاَوَّلُوْنَ. (رواہ ابن ماجہ الکنز ج ۶ ص ۲۳۰)

ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے ہم سب سے آخری امت ہیں اور قیامت میں سب سے پہلے ہمارا حساب ہوگا۔ پکارا جائے گا امت امیہ اور اس کا نبی کہاں ہیں؟ اس لیے گو ہم سب سے آخر میں ہیں مگر (قیامت کے دن) سب سے پہلے ہو جائیں گے۔ اس کو ابن ماجہ نے روایت کیا ہے۔

عَنْ اَبِيْ هُرَيْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ نَحْنُ الْاٰخِرُوْنَ السَّابِقُوْنَ يَوْمَ الْقِيَامَةِ بَيْدَ اَنَّهُمْ اُوْتُوا الْكِتَابَ مِنْ قَبْلِنَا وَاُوْتِيْنَاهُ مِنْ بَعْدِهِمْ. (رواہ الشیخان والنسائی)

ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے ہم سب سے آخر ہیں اور قیامت میں سب سے پہلے ہو جائیں گے صرف اتنی بات ہے کہ پہلی امتوں کو کتاب ہم سے پہلے دی گئی ہے اور ہمیں ان کے بعد ملی ہے۔ (شیخین، ن)

عَنْ حُذَيْفَةَ مِثْلَهُ وَلَفْظُهُ نَحْنُ الْاٰخِرُوْنَ مِنْ اَهْلِ الدُّنْيَا وَالْاَوَّلُوْنَ يَوْمَ الْقِيَامَةِ (رواہ مسلم)

حذیفہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے بھی یہی مضمون مروی ہے اس کے الفاظ یہ ہیں کہ ہم دنیا میں سب سے آخری امت ہیں اور

قیامت میں سب سے پہلے ہوں گے۔ اس حدیث کو مسلم نے روایت کیا ہے۔

تشریح انجیل متی کے باب ۱۹ میں آیت ۲۷ سے لے کر ۳۰ تک امت محمدیہ کے اس وصف کی طرف اشارہ موجود ہے۔

"پطرس نے جواب میں اس سے کہا کہ دیکھ ہم تو سب کچھ چھوڑ کر تیرے پیچھے ہو لئے ہیں پس ہم کو کیا ملے گا؟ یسوع نے ان سے کہا میں تم سے سچ کہتا ہوں کہ جب ابن آدم نئی پیدائش میں اپنے جلال کے تخت پر بیٹھے گا تو تم بھی جو میرے پیچھے ہو لئے ہو بارہ تختوں پر بیٹھ کر اسرائیل کے بارہ قبیلوں کا انصاف کرو گے اور جس کسی نے گھروں یا بھائیوں یا بہنوں یا باپ یا ماں یا بچوں یا کھیتوں کو میرے نام کی خاطر چھوڑ دیا ہے اس کو سو گنا ملے گا۔ اور ہمیشہ کی زندگی کا وارث ہوگا لیکن بہت سے اول آخر ہو جائیں گے اور آخر اول الخ۔"

ان الفاظ میں قرآن کریم کی ایک دوسری آیت کی طرف بھی اشارہ ہے۔ قُلْ اِنْ كَانَ اٰبَآؤُكُمْ وَاَبْنَآؤُكُمْ وَاِخْوَانُكُمْ وَاَزْوَاجُكُمْ وَعَشِيْرَتُكُمْ الآیۃ (التوبۃ: ۲۴)

مسجد نبوی انبیاء علیہم السلام کی مساجد میں آخری مسجد ہے

عَنْ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ اِبْرَاهِيْمَ بْنِ قَارِظٍ اَشْهَدُ اَنِّيْ سَمِعْتُ اَبَا هُرَيْرَةَؓ يَقُوْلُ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَاِنِّيْ اٰخِرُ الْاَنْبِيَاءِ وَمَسْجِدِيْ اٰخِرُ الْمَسَاجِدِ. (رواہ مسلم والنسائی)

عبداللہ بن ابراہیم بن قارظ کہتے ہیں۔ میں گواہی دیتا ہوں کہ میں نے ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو یہ کہتے سنا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے میں سب انبیاء کے آخر میں ہوں اور میری مسجد بھی اب آخری مسجد ہے۔ (مسلم ونسائی)

عَنْ اَبِيْ اُمَامَةَ الْبَاهِلِيِّؓ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فِيْ خُطْبَةٍ وَطَوِيْلٍ اَنَا اٰخِرُ الْاَنْبِيَاءِ وَاَنْتُمْ اٰخِرُ الْاُمَمِ. (رواہ ابن ماجۃ فی باب فتنۃ الدجال وابن خزیمۃ والحاکم والضیاء، منتخب الکنز ج ۱ ص ۲۱)

ابو امامہ باہلی رضی اللہ تعالیٰ عنہ ایک طویل حدیث میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کرتے ہیں کہ میں انبیاء میں آخر ہوں اور تم امتوں میں آخر ہو۔ اس حدیث کو ابن ماجہ نے فتنہ دجال کے باب میں روایت کیا ہے اور ابن خزیمہ، حاکم اور ضیاء الدین نے روایت کیا ہے۔

تشریح۔ اس حدیث سے معلوم ہوا کہ اگر آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد کوئی اور نبی ہوتا اس امت کے بعد کوئی دوسری امت ہوتی مگر چونکہ عالم کا خاتمہ مقدر ہو چکا ہے اس لیے نہ کوئی اور نبی آئے گا نہ کوئی نئی امت۔ یہ نبی بھی آخری نبی ہے اور اس لیے امت بھی آخری امت ہے۔

عَنْ عَائِشَةَؓ قَالَتْ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَنَا خَاتَمُ الْاَنْبِيَاءِ وَمَسْجِدِيْ خَاتَمُ مَسَاجِدِ الْاَنْبِيَاءِ. (رواہ الدیلمی وابن النجار والبزار، الکنز)

حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا میں انبیاء علیہم السلام میں آخری نبی ہوں اور میری مسجد انبیاء کی مسجدوں میں آخری مسجد ہے۔ (دیلمی، ابن النجار، بزار)

اس حدیث سے مسلم کی حدیث کی شرح ہو گئی اور معلوم ہو گیا کہ آپ کا مطلب یہ تھا کہ جس طرح پہلے انبیاء علیہم السلام کے ناموں سے دنیا میں مسجدیں تعمیر ہوئیں اب آئندہ چونکہ کوئی نیا نبی آنے والا نہیں ہے اس لیے کوئی نئی مسجد بھی کسی رسول کے نام سے تعمیر نہ ہوگی بلکہ یہ مسجد نبوی ہی انبیاء علیہم السلام کی مسجدوں میں آخری مسجد رہے گی۔

عَنْ اَنَسٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ لَمَّا اُسْرِیَ بِیْ اِلَی السَّمَاءِ قَرَّبَنِیْ رَبِّیْ تَعَالٰی حَتّٰی کَانَ بَیْنِیْ وَبَیْنَہٗ کَقَابِ قَوْسَیْنِ اَوْ اَدْنٰی قَالَ یَا حَبِیْبِیْ یَا مُحَمَّدُ قُلْتُ لَبَّیْکَ یَا رَبِّ قَالَ هَلْ غَمَّکَ اَنْ جَعَلْتُکَ اٰخِرَ النَّبِیِّیْنَ قُلْتُ لَا یَا رَبِّ قَالَ حَبِیْبِیْ هَلْ غَمَّ اُمَّتَکَ اَنْ جَعَلْتُهُمْ اٰخِرَ الْاُمَمِ قُلْتُ یَا رَبِّ لَا قَالَ اَبْلِغْ عَنِّی السَّلَامَ وَاَخْبِرْهُمْ اَنِّیْ جَعَلْتُهُمْ اٰخِرَ الْاُمَمِ. (رواہ الخطیب والدیلمی. الکنز ج ۶ ص ۱۱۲)

حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جب شب معراج میں مجھے آسمان پر لے گئے تو میرے پروردگار نے مجھے قریب بلایا اور بہت قریب بلایا۔ اور کہا اے میرے حبیب، اے محمد (صلی اللہ علیہ وسلم)! میں نے کہا حاضر ہوں اے پروردگار۔ ارشاد ہوا اگر ہم تمہیں آخر النبیین بنادیں تو تم ناخوش تو نہ ہوگے۔ میں نے عرض کیا اے پروردگار نہیں۔ پھر ارشاد ہوا اگر تمہاری امت کو آخری امت بنادیں تو وہ ناخوش تو نہ ہوگی۔ میں نے عرض کیا نہیں اے پروردگار۔ ارشاد ہوا کہ اچھا تو اپنی امت کو میرا سلام کہنا اور انہیں بتادینا کہ میں نے انہیں آخری امت بنادیا ہے۔ (کنز العمال)

عَنْ اَبِیْ هُرَیْرَةَ رَضِیَ اللّٰہُ عَنْہُ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ لَمَّا خَلَقَ اللّٰہُ عَزَّوَجَلَّ اٰدَمَ عَلَیْہِ السَّلَامُ اَخْبَرَہٗ بِبَنِیْہِ فَجَعَلَ یَرٰی فَضَائِلَ بَعْضِهِمْ عَلٰی بَعْضٍ فَرَاٰی نُوْرًا سَاطِعًا فِیْ اَسْفَلِهِمْ فَقَالَ یَا رَبِّ مَنْ هٰذَا قَالَ هٰذَا ابْنُکَ اَحْمَدُ هُوَ الْاَوَّلُ وَهُوَ الْاٰخِرُ وَهُوَ اَوَّلُ شَافِعٍ وَاَوَّلُ مُشَفَّعٍ. (رواہ ابن عساکر کذا فی الکنز)

ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے جب اللہ تعالیٰ نے آدم علیہ السلام کو پیدا کیا تو انہیں ان کی اولاد بھی بتائی۔ آدم علیہ السلام انہیں دیکھنے لگے کہ بعض بعض پر فضیلت رکھتے ہیں، ان سب کے آخر میں ایک بلند نور دیکھا تو عرض کیا اے میرے پروردگار یہ کون ہیں، ارشاد ہوا یہ تمہارے فرزند احمد ہیں، یہی سب سے پہلے نبی ہیں اور یہی سب سے آخر ہیں، یہی قیامت میں سب سے پہلے شفاعت کریں گے اور ان ہی کی شفاعت سب سے پہلے قبول ہوگی۔ (ابن عساکر)

عَنْ اَبِیْ هُرَیْرَةَ رَضِیَ اللّٰہُ عَنْہُ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ نَزَلَ اٰدَمُ بِالْهِنْدِ وَاسْتَوْحَشَ فَنَزَلَ جِبْرَئِیْلُ فَنَادٰی بِالْاَذَانِ اَللّٰہُ اَکْبَرُ اَللّٰہُ اَکْبَرُ مَرَّتَیْنِ اَشْهَدُ اَنْ لَّا اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ مَرَّتَیْنِ اَشْهَدُ اَنَّ مُحَمَّدًا رَّسُوْلُ اللّٰہِ مَرَّتَیْنِ قَالَ اٰدَمُ لِجِبْرَئِیْلَ مَنْ مُحَمَّدٌ قَالَ اٰخِرُ وَلَدِکَ مِنَ الْاَنْبِیَاءِ. (رواہ ابن عساکر)

ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے آدم علیہ السلام جب ہندوستان میں نازل ہوئے (اور تنہائی کی وجہ سے) گھبرائے تو جبرئیل علیہ السلام تشریف لائے اور اذان دی اللہ اکبر، اللہ اکبر، دو مرتبہ اشہدان لا الہ الا اللہ دو مرتبہ اشہدان محمدا رسول اللہ دو مرتبہ (جب حضرت آدم علیہ السلام نے محمد صلی اللہ علیہ وسلم کا اسم گرامی سنا تو) فرمایا کہ یہ محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کون ہیں؟ جبرئیل علیہ السلام نے کہا انبیاء علیہم السلام میں آپ کے سب سے آخری بیٹے ہیں۔ (ابن عساکر)

تشریح۔ اس روایت سے معلوم ہوتا ہے کہ اذان ابتداء عالم میں بھی ہوئی ہے۔ ضرورت ہے کہ اس حدیث کے طرق جمع کیے جائیں تا کہ اس کے تفصیلی کلمات کا پتہ بھی مل جائے۔ نیز یہ بھی ثابت ہوا کہ اذان کا ایک نفع دفع وحشت بھی ہے معلوم یہ بھی ثابت ہوا کہ حضرت آدم علیہ السلام کی جائے نزول ہندوستان میں کوئی جگہ ہے اگر یہ حدیث صحت کو پہنچ جائے تو تاریخی لحاظ سے

یہ ایک بڑی حقیقت کا انکشاف ہوگا۔ ہم نے اس حدیث کو یہاں صرف آخری جزء کی وجہ سے نقل کیا ہے۔

عَنْ سَلْمَانَؓ فِیْ حَدِیْثٍ طَوِیْلٍ قَالَ جِبْرِیْلُ لِلنَّبِیِّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ اِنَّ رَبَّکَ یَقُوْلُ اِنْ کُنْتُ اصْطَفَیْتُ اٰدَمَ فَقَدْ خَتَمْتُ بِکَ الْاَنْبِیَاءَ وَمَا خَلَقْتُ خَلْقًا اَکْرَمَ مِنْکَ عَلَیَّ. (خصائص ج ۱ ص ۱۹۳)

سلمانؓ سے ایک طویل حدیث میں روایت ہے کہ جبرئیل علیہ السلام نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے کہا آپ کا پروردگار کہتا ہے اگر میں نے آدم کو صفی اللہ کا خطاب دیا ہے تو آپ پر تمام انبیاء کو ختم کر کے (خاتم النبیین کا خطاب دیا ہے) اور میں نے کوئی مخلوق ایسی پیدا نہیں کی جو مجھے آپ سے زیادہ عزیز ہو۔

تشریح۔ اس روایت سے معلوم ہوا کہ آپ کا نبیوں میں آخر ہونا صرف ایک زمانی تاخر نہیں ہے بلکہ خدا کے نزدیک وہ خاص فضیلت ہے جو دیگر انبیاء علیہم السلام کی خصوصیت کے بالمقابل میں آپ کو مرحمت ہوئی ہے۔ عالم کا تدریجی ارتقاء بھی اسی کو مقتضی تھا کہ اس کی آخری کڑی سب میں کامل و برتر ہو۔ اس لیے آخری نبی وہی ہونا چاہیے جو سب میں کامل اور سب سے اکرم ہو۔

ختم نبوت کی ایک ظاہری علامت

عَنْ جَابِرٍؓ قَالَ بَیْنَ کَتِفَیْ اٰدَمَ مَکْتُوْبٌ مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰہِ خَاتَمُ النَّبِیِّیْنَ. (رواہ ابن عساکر، خصائص ج ۱ ص ۷)

جابرؓ سے روایت ہے کہ حضرت آدم علیہ السلام کے دونوں شانوں کے درمیان یہ لکھا ہوا تھا "محمد رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم) خاتم النبیین" ہیں۔ اس حدیث کو ابن عساکر نے روایت کیا ہے۔

تشریح۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی مہر نبوۃ بھی دونوں شانوں کے درمیان تھی مگر دجال کا کفر اس کی پیشانی پر لکھا ہوا ہوگا یعنی مہر نبوۃ کا مقام دونوں شانوں کے درمیان اور مہر دجل و کفر کا محل پیشانی منتخب ہوا ہے۔ اس کی تحقیق بھی علماء نے لکھی ہیں۔

عقیدۂ ختم نبوۃ کلمۂ شہادت کی طرح ایمان کا جزء ہے

عَنْ زَیْدِ بْنِ حَارِثَۃَؓ فِیْ قِصَّۃٍ طَوِیْلَۃٍ لَہٗ حِیْنَ جَاءَتْ عَشِیْرَتُہٗ یَطْلُبُوْنَہٗ مِنْ عِنْدِ رَسُوْلِ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ بَعْدَ مَا اَسْلَمَ فَقَالُوْا لَہٗ اِمْضِ مَعَنَا یَا زَیْدُ فَقَالَ مَا اُرِیْدُ بِرَسُوْلِ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ بَدَلًا وَّلَا غَیْرَہٗ اَحَدًا فَقَالُوْا مُحَمَّدُ اِنَّا مُعْطُوْکَ بِھٰذَا الْغُلَامِ دِیَاتٍ فَسَمِّ مَا شِئْتَ فَاِنَّا حَامِلُوْہُ اِلَیْکَ فَقَالَ اَسْاَلُکُمْ اَنْ تَشْہَدُوْا اَنْ لَّا اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ وَاَنِّیْ خَاتَمُ اَنْبِیَائِہٖ وَرُسُلِہٖ وَاُرْسِلُہٗ مَعَکُمْ الحدیث. اخرجہ الحاکم مطولاً فی المستدرک. (ج ۳ ص ۲۱۴)

زید بن حارثہؓ اپنے ایک طویل قصہ میں ذکر کرتے ہیں کہ جب میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں آ کر مسلمان ہو گیا تو میرا قبیلہ مجھے تلاش کرتا ہوا آپ کے پاس آیا اور مجھ سے کہا اے زید ہمارے ساتھ چلو زید بولے میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے بدلہ میں کسی کو پسند نہیں کر سکتا اور نہ آپ کے سوا کسی دوسرے کا اراده رکھتا ہوں۔ انہوں نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے مخاطب ہو کر فرمایا اے محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) اس لڑکے کے عوض میں ہم آپ کو بہت سا مال دے سکتے ہیں جو آپ چاہیں بتلا دیجئے ہم اسے ادا کر دیں

گے۔ آپ نے ارشاد فرمایا میں تو تم سے صرف ایک چیز مانگتا ہوں وہ یہ کہ تم اس بات کی گواہی دو کہ خدا کوئی نہیں مگر اللہ اور اس کی کہ میں اس کے سب نبیوں اور رسولوں میں آخری نبی اور رسول ہوں۔ بس میں اس لڑکے کو بھی تمہارے ساتھ بھیج دیتا ہوں۔ (مستدرک)

تشریح۔ اس حدیث میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے جس طرح خدا کی توحید پر ایمان لانے کا مطالبہ کیا ہے اسی طرح اپنی ختم نبوۃ پر بھی ایمان لانے کا مطالبہ کیا ہے اس کی وجہ یہ ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی رسالت پر ایمان آپ کی ختم نبوۃ پر ایمان لائے بغیر حاصل ہی نہیں ہوسکتا قرآن کریم میں وَلٰكِنْ رَّسُوْلَ اللّٰهِ کے ساتھ وَخَاتَمَ النَّبِيّٖنَ کا لفظ اسی لیے رکھا گیا ہے کہ آپ صرف رسول اللہ نہیں ہیں بلکہ خاتم النبیین بھی ہیں۔ اسکے برخلاف آپ سے پیشتر جتنے رسول ہوئے ہیں وہ صرف رسول اللہ تھے اسی لیے کسی نے یہ دعویٰ نہیں کیا کہ وہ خاتم النبیین ہے یہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا مخصوص لقب ہے اور آپ نے ہی اس کا دعویٰ کیا ہے اس حدیث سے ظاہر ہوتا ہے کہ آپ کا یہ لقب بطور مدح نہیں بلکہ بہ حیثیت عقیدہ کے ایک عقیدہ ہے۔ خاتم الشعراء اور خاتم المحدثین کی طرح صرف ایک محاورہ نہیں۔

ختم نبوۃ صرف آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا طغرۂ امتیاز ہے

عَنْ اَبِيْ هُرَيْرَةَ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ فُضِّلْتُ عَلَى الْاَنْبِيَاءِ بِسِتٍّ اُعْطِيْتُ جَوَامِعَ الْكَلِمِ وَنُصِرْتُ بِالرُّعْبِ وَاُحِلَّتْ لِيَ الْغَنَائِمُ وَجُعِلَتْ لِيَ الْاَرْضُ مَسْجِدًا وَّطَهُوْرًا وَّاُرْسِلْتُ اِلَى الْخَلْقِ كَافَّةً وَّخُتِمَ بِيَ النَّبِيُّوْنَ۔ (رواہ مسلم والبخاری)

ابوہریرہؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا مجھے انبیاء علیہم السلام پر چھ فضیلتیں دی گئی ہیں (۱) مجھے مختصر کلمات معانی کثیرہ کے حامل دیئے گئے ہیں (۲) دشمن پر رعب ڈال کر میری مدد کی گئی ہے (۳) میرے لیے مال غنیمت حلال کیا گیا ہے۔ (۴) تمام زمین میرے لیے مسجد اور پاک کرنے کا آلہ بنا دی گئی ہے (۵) تمام مخلوق کی طرف مجھے بھیجا گیا ہے۔ (۶) انبیاء کا سلسلہ میری ذات پر ختم کر دیا گیا ہے۔ (مسلم)

تشریح اس حدیث میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی چند خصوصیات شمار کی گئی ہیں یہ خصوصیات صرف چھ تک محدود نہیں بلکہ بہت ہیں۔ حافظ سیوطیؒ نے اسی موضوع پر دو ضخیم جلدوں کی ایک کتاب لکھ دی ہے جو خصائص الکبریٰ کے نام سے مشہور ہے۔ مفہوم عدد علماء کے نزدیک معتبر نہیں۔ یہ متکلم کے وقتی استحضار اور اس کے ذہنی اقتضاء کی بات ہوتی ہے۔ یہاں وہ ۵ خصوصیتیں زیر بحث ہیں بقیہ خصوصیات پر اپنی اپنی جگہ بحث آئے گی خصوصیت (۵) کا مطلب علماء کے نزدیک یہ ہے کہ آپ کی بعثت آپ کے زمانہ سے لے کر قیامت تک کے لیے ہے۔ لیکن شیخ تقی الدین سبکی فرماتے ہیں کہ آپ کی بعثت آپ سے پیشتر اور آپ کے بعد دونوں زمانوں کو شامل ہے۔ آدم علیہ السلام سے لے کر قیامت تک آنے والی دنیا سب آپ کی بعثت کے ماتحت ہے جس کی تفصیل پہلے گذر چکی ہے۔ اس حدیث سے بھی معلوم ہوا کہ خاتم النبیین آپ کی ایک خصوصیت تھی صرف تعریفی لقب نہ تھا جو مجازاً دوسروں پر بھی اطلاق ہوسکتا۔

مہر نبوۃ خود اس کی دلیل تھی کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم خاتم النبیین ہیں

عَنْ عَلِيٍّ قَالَ بَيْنَ كَتِفَيْهِ خَاتَمُ النُّبُوَّةِ وَهُوَ خَاتَمُ النَّبِيِّينَ. (رواہ الترمذی فی شمائلہ)

حضرت علیؓ سے روایت ہے کہ آپ کے دونوں شانوں کے درمیان مہر نبوۃ تھی۔ کیونکہ آپ خاتم النبیین تھے۔ (ترمذی)

تشریح: اس حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ آپ کی اس معنوی خصوصیت کو حسی شکل میں بھی ظاہر کر دیا گیا تھا کتب سابقہ میں مہر نبوۃ آپ کی ایک علامت بتلائی گئی تھی۔ اسی لیے بعض طالبین حق نے منجملہ اور علامات کے آپ کی مہر نبوۃ کو بھی تلاش کیا ہے۔ اس حدیث سے بھی ظاہر ہوتا ہے کہ خاتم النبیین آپ کا شاعرانہ لقب نہ تھا بلکہ مہر نبوۃ اور آخری نبی ہونے کی وجہ سے آپ کو خاتم النبیین کہا جاتا تھا۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا دعویٰ کرنا کہ خاتم النبیین اور آخری نبی میں ہوں

عَنْ عِرْبَاضِ بْنِ سَارِيَةَ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِنِّي عَبْدُ اللّٰهِ وَخَاتَمُ النَّبِيِّينَ (رواہ البیہقی والحاکم)

عرباض بن ساریہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا میں عبداللہ ہوں۔ (اللہ کا بندہ) اور میں خاتم النبیین ہوں۔ (آخری نبی) (بیہقی، حاکم)

تشریح: حضرت مولانا قاسم صاحب نانوتویؒ نے لکھا ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم صرف معنی ترکیبی کے لحاظ سے "عبداللہ" نہیں ہیں بلکہ انبیاء علیہم السلام میں "عبداللہ" آپ کا لقب بھی تھا۔ قرآن کریم میں "عبداللہ" بطور لقب صرف آپ کی ذات پر اطلاق ہوا ہے "لما قام "عبدالله" كادوا يكونون عليه لبدا" جب "عبداللہ" (یعنی محمد صلی اللہ علیہ وسلم) نماز کے لیے کھڑے ہوئے تو قریب تھا کہ وہ جمع ہو کر آپ پر ٹوٹ پڑتے۔" حدیث میں ہے کہ آپ کو اختیار دیا گیا تھا اگر چاہیں رسالت کے ساتھ ملوکیت پسند کر لیں جیسا کہ سلیمان علیہ السلام تھے یا چاہیں تو عبدیت اختیار کر لیں۔ آپؐ نے عبدیت کو ہی پسند فرما لیا اس کے بعد آپ کی نشست و برخاست، طعام و شراب سب میں عبدیت کا پہلو غالب تھا۔ دعا تشہد میں بھی عبدہ و رسولہ تعلیم کیا گیا ہے یعنی عبدیت کو مقدم رکھا گیا ہے حتیٰ کہ ایک شخص نے اس ترتیب کو بدل کر جب رسولہ وعبدہ کہا تو آپؐ نے اس کی اصلاح فرمائی اور کہا کہ وہی عبدہ ورسولہ کہو۔ شیخ اکبرؒ تحریر فرماتے ہیں کہ ایک مرتبہ مجھ پر یہ مقام عبدیت سوئی کے ناکے کے برابر منکشف ہوا تھا تو میں اس کی بھی تاب نہ لا سکا اور قریب تھا کہ جل جاتا۔ اسی طرح آپ کا دوسرا لقب خاتم النبیین ہے۔ پہلا لقب آپ کی ذاتی صفت اور دوسرا بلحاظ انبیاء علیہم السلام ہے۔ آپؐ سے پہلے کسی رسول نے یہ دعویٰ نہیں کیا بلکہ دوسرے رسولوں کی آمد کی بشارت دی ہے اگر یہ لقب صرف شاعرانہ مبالغہ ہوتا تو آپؐ سے پہلے انبیاء پر بھی اس کا اطلاق درست ہوتا۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا دعویٰ کرنا بتلاتا ہے کہ پہلے صحف میں کسی خاتم النبیین کی بشارت موجود تھی آپؐ بتلا رہے ہیں کہ اس کا مصداق میں ہوں۔

عَنْ أَبِي سَعِيدٍ مَرْفُوعًا إِنِّي خَاتَمُ أَلْفِ نَبِيٍّ أَوْ أَكْثَرَ. (رواہ فی المستدرک)

ابوسعید رضی اللہ تعالیٰ عنہ مرفوعاً روایت کرتے ہیں۔ میں ایک ہزار نبی یا اس سے زیادہ کے آخر میں آیا ہوں۔ (مستدرک)

تشریح: مشکوٰۃ میں ایک حدیث میں انبیاء علیہم السلام کا عدد ایک لاکھ چوبیس ہزار مذکور ہے چونکہ یہاں راوی نے اَوْ

اَکْثَرُ کا لفظ کہہ دیا ہے جس سے ثابت ہوتا ہے کہ اس کا اصل عدد محفوظ نہیں رہا اس لیے ان دونوں میں کوئی تعارض نہیں ہے۔ اور یہ بھی ہو سکتا ہے کہ اس حدیث میں ہزار کے عدد سے کسی خاص شان کے نبی مراد لیے گئے ہوں۔

عَنْ اَبِیْ ذَرٍّ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ یَا اَبَا ذَرٍّ اَوَّلُ الْاَنْبِیَاءِ اٰدَمُ وَاٰخِرُھُمْ مُحَمَّدٌ۔ (رواہ ابن حبان)

ابوذر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اے ابوذر انبیاء علیہم السلام میں سب سے پہلے نبی حضرت آدم اور سب کے آخر میں محمد صلی اللہ علیہ وسلم ہیں۔

اس حدیث کو ابن حبان نے اپنی صحیح میں اور ابونعیم نے الحلیہ میں اور ابن عساکر اور حکیم ترمذی نے روایت کیا ہے نیز ابن حبان نے اپنی تاریخ میں ضعفاء کے احوال میں اس کو روایت کیا ہے۔ (ترمذی)

تشریح۔ انبیاء علیہم السلام کے اول و آخر کی اس تحدید سے معلوم ہوتا ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد اب کوئی شخص جس کو نبی کہہ کر پکارا جاسکے نہیں ہوگا۔ پہلے آدم علیہ السلام ہیں اور آخری آپ ہیں۔ نیز اس حدیث میں حضرت آدم علیہ السلام کی نبوت کی تصریح بھی موجود ہے اسی طرح مشکوٰۃ میں ہے جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے دریافت کیا گیا کہ حضرت آدم نبی تھے تو آپ نے فرمایا نعم نبی مکلم ہاں خدا کے نبی تھے۔ خدا تعالیٰ ان سے باتیں کرتا تھا۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی وصیت کہ میرے بعد کوئی نبی نہ ہوگا

عَنِ ابْنِ عُمَرَ یَقُوْلُ خَرَجَ عَلَیْنَا رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ یَوْمًا کَالْمُوَدِّعِ فَقَالَ اَنَا النَّبِیُّ الْاُمِّیُّ ثَلَاثًا وَلَا نَبِیَّ بَعْدِیْ (الی قولہ) فَاسْمَعُوْا وَاَطِیْعُوْا مَا دُمْتُ فِیْکُمْ فَاِذَا ذُھِبَ بِیْ فَعَلَیْکُمْ بِکِتَابِ اللّٰہِ تَعَالٰی اَحِلُّوْا حَلَالَہٗ وَحَرِّمُوْا حَرَامَہٗ۔ (رواہ احمد)

ابن عمرؓ روایت فرماتے ہیں کہ ایک دن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہمارے پاس تشریف لائے (اور اس طرح تقریر فرمائی) جیسے کوئی رخصت ہونے والا تقریر کیا کرتا ہے۔ آپ نے فرمایا "میں نبی امی" (جس کی آمد کی خبر دی گئی) میں ہی ہوں اور میرے بعد اب کوئی نبی نہ ہوگا۔ (اسی تقریر میں یہ بھی فرمایا) جب تک میں تمہارے اندر موجود ہوں میرے احکام سنو اور ان کی اتباع کرتے رہو اور جب مجھے دنیا سے اٹھا لیا جائے تو تم کتاب اللہ کو مضبوط پکڑے رہنا جو اس میں حلال ہے اس کو حلال اور جو حرام ہے اس کو حرام سمجھتے رہنا۔ (احمد)

عَنْ اَبِیْ اُمَامَۃَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ فِیْ خُطْبَتِہٖ یَوْمَ حَجَّۃِ الْوَدَاعِ اَیُّھَا النَّاسُ اِنَّہٗ لَا نَبِیَّ بَعْدِیْ وَلَا اُمَّۃَ بَعْدَکُمْ فَاعْبُدُوْا رَبَّکُمْ وَصَلُّوْا خَمْسَکُمْ وَصُوْمُوْا شَھْرَکُمْ وَاَدُّوْا زَکٰوۃَ اَمْوَالِکُمْ طَیِّبَۃً بِھَا اَنْفُسُکُمْ وَاَطِیْعُوْا وُلَاۃَ اُمُوْرِکُمْ تَدْخُلُوْا جَنَّۃَ رَبِّکُمْ۔ (منتخب کنز علی ھامش مسند احمد ج ۲ ص ۳۹)

ابوامامہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حجۃ الوداع کے خطبہ میں فرمایا اے لوگو نہ تو میرے بعد اب کوئی نبی ہوگا اور نہ تمہارے بعد کوئی امت۔ بس اپنے رب کی عبادت کرتے رہو اور پانچ نمازیں پڑھتے رہو اور رمضان کے روزے رکھے جاؤ اور اپنے مالوں کی زکوٰۃ خوشی خوشی دیے جاؤ اور اپنے حاکموں کی اطاعت کرتے رہو تو اپنے پروردگار کی جنت میں داخل ہو جاؤ گے۔

تشریح۔ مطلب یہ ہے کہ نجات اب صرف ان فرائض اسلام پر عمل کرنے میں منحصر ہو گئی ہے اگر پہلے زمانہ کی طرح آئندہ

کوئی رسول آنے والا ہوتا تو اس پر ایمان لانا بھی ضروری ہوتا۔ اب ایمان کا معاملہ تو مکمل ہو چکا ہے صرف عمل کا مرحلہ باقی ہے وہ بھی اتنا مختصر ہے کہ بس فرائض کے یہ چند قدم ہیں انکو طے کرو اور آگے جنت ہے۔

عَنْ اَبِیْ اُمَامَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ لَا نَبِیَّ بَعْدِیْ وَلَا اُمَّةَ بَعْدَکُمْ فَاعْبُدُوْا رَبَّکُمْ وَصَلُّوْا خَمْسَکُمْ وَصُوْمُوْا شَہْرَکُمْ وَاَطِیْعُوْا وُلَاةَ اَمْرِکُمْ تَدْخُلُوْا جَنَّةَ رَبِّکُمْ (رواہ الطبرانی والضیاء کذا فی المنتخب)

ابو امامہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا میرے بعد اب کوئی نبی نہیں ہوگا اور تمہارے بعد اب کوئی امت نہیں آئے گی پس تم اپنے پروردگار کی عبادت کرتے رہو اپنی پانچ نمازیں ٹھیک ٹھیک پڑھتے رہو ماہ رمضان کے روزے رکھتے رہو اور اپنے حکام کی اطاعت کیے جاؤ اپنے پروردگار کی جنت میں داخل ہو جاؤ گے۔

عَنِ الضَّحَّاکِ بْنِ نَوْفَلٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ لَا نَبِیَّ بَعْدِیْ وَلَا اُمَّةَ بَعْدَ اُمَّتِیْ. (رواہ البیہقی فی کتاب الرؤیا)

ضحاک بن نوفل رضی اللہ تعالیٰ عنہ روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ میرے بعد اب کوئی نبی نہ ہوگا اور میری امت کے بعد کوئی امت نہیں ہوگی۔ (بیہقی)

ملک روم کے گورنر کی ختم نبوت کی تصدیق

عَنْ خَالِدِ بْنِ الْوَلِیْدِ فِیْ حَدِیْثٍ طَوِیْلٍ اَنَّہٗ سَاَلَہٗ مَاہَانُ عَامِلُ مَلِکِ الرُّوْمِ عَلَی الشَّامِ ھَلْ کَانَ رَسُوْلُکُمْ اَخْبَرَ اَنَّہٗ یَاْتِیْ بَعْدَہٗ رَسُوْلٌ قَالَ وَلٰکِنْ اَخْبَرَ اَنَّہٗ لَا نَبِیَّ بَعْدَہٗ وَاَخْبَرَ اَنَّ عِیْسَی بْنَ مَرْیَمَ قَدْ بَشَّرَ بِہٖ قَوْمَہٗ قَالَ الرُّوْمِیُّ وَاَنَا عَلٰی ذٰلِکَ مِنَ الشَّاہِدِیْنَ. (خصائص ج۲ ص ۴۸۴)

خالد بن ولید رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے ایک طویل حدیث میں کہا کہ ماہان نے جو شام پر شاہ روم کا عامل تھا ان سے دریافت کیا کیا تمہارے رسول (صلی اللہ علیہ وسلم) نے تم سے یہ کہا ہے کہ ان کے بعد کوئی اور رسول آئے گا؟ انہوں نے کہا نہیں بلکہ یہ خبر دی ہے کہ ان کے بعد کوئی نبی نہیں ہوگا۔ اور یہ بھی کہا کہ عیسیٰ ابن مریم علیہما السلام نے ان کی آمد کی بشارت اپنی قوم کو دی تھی۔ ماہان رومی نے کہا کہ میں بھی اس پر گواہی دینے والوں میں ہوں۔

تشریح۔ حضرت ابوعبیدہؓ جب یرموک پہنچے تو روم کے لشکر کے سردار نے ان کے پاس ایک قاصد بھیجا اس نے کہا کہ میں ماہان گورنر کے پاس سے آیا ہوں۔ انہوں نے فرمایا ہے کہ آپ اپنی جماعت میں سے ایک عقلمند شخص ہمارے پاس بھیج دیں تاکہ ہم اس سے گفتگو کرلیں حضرت ابوعبیدہؓ نے اس کام کے لئے خالد بن ولیدؓ کو منتخب فرمایا اور انہوں نے وہ گفتگو کی جو اوپر مذکور ہے۔ اس حدیث سے یہ بھی معلوم ہوا کہ پہلی بشارات میں نبی آخر کی ایک علامت یہ بھی تھی کہ اس کے بعد کوئی نبی نہ ہوگا اس لیے دوسری باتوں کے ساتھ اس کی تحقیق بھی کی جاتی تھی کہ اور انبیاء کی طرح آپ نے کسی نبی کی آمد کی خبر تو نہیں دی۔

گوہ کی شہادت

عَنْ عُمَرَ بْنِ الْخَطَّابِ فِیْ حَدِیْثٍ طَوِیْلٍ فَقَالَ الْاَعْرَابِیُّ لَا اٰمَنْتُ بِکَ حَتّٰی یُؤْمِنَ بِکَ هٰذَا الضَّبُّ فَقَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ مَنْ اَنَا یَاضَبُّ فَقَالَ الضَّبُّ بِلِسَانٍ عَرَبِیٍّ مُّبِیْنٍ یَفْهَمُهُ الْقَوْمُ جَمِیْعًا لَبَّیْکَ وَسَعْدَیْکَ یَارَسُوْلَ رَبِّ الْعَالَمِیْنَ قَالَ مَنْ تَعْبُدُ فَقَالَ الَّذِیْ فِی السَّمَاءِ عَرْشُهٗ وَفِی الْاَرْضِ سُلْطَانُهٗ وَفِی الْبَحْرِ سَبِیْلُهٗ وَفِی الْجَنَّةِ رَحْمَتُهٗ وَفِی النَّارِ عَذَابُهٗ قَالَ فَمَنْ اَنَا قَالَ اَنْتَ رَسُوْلُ رَبِّ الْعَالَمِیْنَ وَخَاتَمُ النَّبِیِّیْنَ. الحدیث. اخرجه الطبرانی فی الاوسط والصغیر وابن عدی والحاکم فی المعجزات والبیهقی. وابونعیم وابن عساکر ولیس فی اسناده من ینظر فی حاله سوی محمد بن علی بن الولید البصری السلمی شیخ الطبرانی وابن عدی وقال السیوطی فی الخصائص قلت للحدیث عمر طریق اخر لیس فیه محمد بن علی بن الولید. اخرجه ابونعیم وروی عن عائشة وابی هریرة وعلی رضی الله تعالٰی عنهم مثله کما فی الخصائص. (ج ۲ ص ۶۵)

حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ ایک طویل قصہ میں روایت فرماتے ہیں (کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک دیہاتی آدمی کو اسلام کی دعوت دی) اس نے کہا جب تک یہ گوہ ایمان نہ لائے میں آپ پر ایمان نہیں لاسکتا۔ آپ (صلی اللہ علیہ وسلم) نے فرمایا اے گوہ بتلا میں کون ہوں؟ گوہ نے نہایت فصیح عربی میں جواب دیا جسے سب حاضرین نے سمجھا اے رب العالمین کے رسول میں حاضر ہوں اور آپ (صلی اللہ علیہ وسلم) کی فرمان بردار ہوں آپ (صلی اللہ علیہ وسلم) نے فرمایا بتلا تو کس کے نام کی تسبیح کرتی ہے! وہ بولی جس کا عرش آسمان پر ہے اور جس کا حکم زمین پر نافذ ہے۔ جس نے سمندر میں راستے بنا دیئے۔ جس کی رحمت کا مظہر جنت، جس کے عذاب کا مظہر دوزخ ہے۔ آپ نے فرمایا میں کون ہوں؟ اس نے جواب دیا آپ جہان کے پروردگار کے رسول اور خاتم النبیین ہیں۔ اس حدیث کو طبرانی نے معجم اوسط اور معجم صغیر میں اور ابن عدی نے اور حاکم نے معجزات اور بیہقی ابونعیم اور ابن عساکر نے روایت کیا ہے اور اس کے راویوں میں سوائے محمد بن علی بن الولید کے کوئی راوی ایسا نہیں ہے جس کے معاملہ میں غور کرنے کی ضرورت ہو، یہ طبرانی اور ابن عدی کے شیخ ہیں۔ سیوطی خصائص الکبریٰ میں فرماتے ہیں۔ کہ حدیث عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے لیے ایک اور طریقہ بھی ہے جس میں یہ راوی نہیں ہے ابونعیم نے ان کو بیان کیا ہے نیز حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا اور حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ اور حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے بھی اسی کے ہم معنی مضمون مروی ہے۔

تشریح: حیوانات کی گفتگو اور ان کی شہادت دینا اگر بطور ضرورت وفطرت نقل کی جائے تو بے شک تعجب کرنا چاہیے اگر بطریق معجزہ منقول ہو تو اس پر تعجب کرنے کی کوئی وجہ نہیں ہے انبیاء علیہم السلام کے معجزات تمام خارق عادات ہی ہوتے ہیں اور ان میں بہت سے تواتر سے بھی ثابت ہیں چند اصرف اس وجہ سے حدیث کا انکار نہیں کیا جاسکتا ہاں اگر اس کا روایتی پہلو ناقابل اعتبار ہوتا تو بے شک ایک بات ہوسکتی تھی۔ مگر اس کا روایتی پہلو بھی اتنا مخدوش نہیں ہے۔ یہاں حیوان کی شہادت میں لفظ رسول اللہ کے ساتھ خاتم النبیین کا لفظ ایسا ہی ہے جیسا کہ آیت قرآنی میں یہ دونوں لفظ یکجا رکھے گئے ہیں۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ آنحضرت صلی اللہ

علیہ وسلم کی رسالت کا صحیح اور پورا مفہوم اسی وقت ادا ہوتا ہے جب کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو خاتم النبیین بھی سمجھا جائے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو صرف رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کہنا اور خاتم النبیین نہ کہنا آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی حیثیت کے صرف ایک جزء ہی کو ادا کرتا ہے اور وہ بھی مشترک جزء ہو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے منصب عالی کا ممتاز جزء خاتم النبیین ہے لیکن چونکہ یہ دونوں حیثیتیں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات میں جمع تھیں اور اس طرح جمع تھیں گویا ایک ذات کے دو عنوان ہیں اس لیے عام طور پر صرف اقرار رسالت ختم نبوۃ کے اقرار کے لیے کافی سمجھا گیا تھا جیسے کہ کلمۂ توحید کا۔ اس کا اقرار گو رسالت کے اقرار سے ایک جدا گانہ شئے ہے مگر جو توحید کہ آپ کی تعلیم بردار ی میں تسلیم کی جائے وہ اقرار بالرسالت کے ہم معنی تھی اس لیے بعض احادیث میں صرف کلمۂ توحید کی شہادت کو مدار نجات قرار دے دیا گیا ہے۔ اسی طرح آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی رسالت اور ختم نبوت کا مسئلہ سمجھنا چاہیے۔

وفات کے بعد زید بن خارجہ کی شہادت

عَنِ النُّعْمَانِ بْنِ بَشِيرٍ قَالَ كَانَ زَيْدُ بْنُ خَارِجَةَ مِنْ سَرَاةِ الْأَنْصَارِ فَبَيْنَمَا هُوَ يَمْشِي فِي طَرِيقٍ مِنْ طُرُقِ الْمَدِينَةِ بَيْنَ الظُّهْرِ وَالْعَصْرِ إِذْ خَرَّ فَتُوُفِّيَ فَأُعْلِمَتْ بِهِ الْأَنْصَارُ فَأَتَوْهُ فَاحْتَمَلُوهُ إِلَى بَيْتِهِ وَسَجَّوْهُ كِسَاءً وَبُرْدَيْنِ وَفِي الْبَيْتِ نِسَاءٌ مِنْ نِسَاءِ الْأَنْصَارِ يَبْكِينَ عَلَيْهِ وَرِجَالٌ مِنْ رِجَالِهِمْ فَمَكَثَ عَلَى حَالِهِ حَتَّى إِذَا كَانَ بَيْنَ الْمَغْرِبِ وَالْعِشَاءِ إِذْ سَمِعُوا صَوْتًا قَائِلٌ يَقُولُ أَنْصِتُوا أَنْصِتُوا فَنَظَرُوا فَإِذَا الصَّوْتُ مِنْ تَحْتِ الثِّيَابِ فَحَسَرُوا عَنْ وَجْهِهِ وَصَدْرِهِ فَإِذَا الْقَائِلُ يَقُولُ عَلَى لِسَانِهِ مُحَمَّدٌ رَسُولُ اللّٰهِ النَّبِيُّ الْأُمِّيُّ خَاتَمُ النَّبِيِّينَ لَا نَبِيَّ بَعْدَهُ كَانَ ذٰلِكَ فِي الْكِتَابِ الْأَوَّلِ صَدَقَ صَدَقَ.

نعمان بن بشیر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ زید بن خارجہ انصار کے سرداروں میں تھے ایک دن وہ ظہر و عصر کے درمیان مدینہ کے کسی راستہ پر جا رہے تھے کہ یکا یک گرے اور فوراً وفات ہو گئی انصار کو اس واقعہ کی خبر ہوئی وہ آئے اور انہیں اٹھا کر گھر لے گئے اور ایک کمبل اور دو چادروں سے ان کو ڈھانک دیا۔ گھر میں انصار کی کچھ عورتیں اور مرد ان پر رو رہے تھے یہ گریہ وزاری ہوتا رہا حتی کہ جب مغرب و عشاء کا درمیان ہوا تو دفعۃً ایک غیبی آواز آئی "خاموش رہو، خاموش رہو" ادھر ادھر دیکھا تو معلوم ہوا کہ یہ آواز ان کپڑوں کے نیچے سے ہی آ رہی ہے جس میں میت ہے لوگوں نے ان کا منہ اور سینہ کھول دیا کیا دیکھتے ہیں کہ کوئی غیبی شخص ان کی زبان سے یہ کہہ رہا ہے "محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم، نبی امی، خاتم النبیین (صلی اللہ علیہ وسلم) ہیں ان کے بعد اب کوئی نبی نہیں ہوگا۔ یہ تورات و انجیل میں موجود ہے۔ سچ ہے سچ ہے۔

تشریح: کرامت کے طور پر میت کا بولنا بھی کچھ تعجب کی بات نہیں تھی مگر راوی نے اس کی ایک اور توجیہ بھی کر دی ہے اور وہ یہ کہ یہاں بولنے والے در اصل کوئی فرشتہ تھا میت کی زبان ان کلمات کی ادائیگی کے لئے صرف ایک واسطہ کا کام دے رہی تھی۔ جمادات و حیوانات کے ان خارق عادت شہادات سے مقصود یہ ہے کہ بنی آدم کی فطرت زیادہ سے زیادہ متاثر ہو کر نصیحت و عبرت حاصل کرے اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی تصدیق کے لئے اور زیادہ مستعد ہو جائے۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی رسالت سب انسانوں اور زمانوں کیلئے ہے

عَنِ الْحَسَنِ مُرْسَلًا قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَنَا رَسُوْلُ مَنْ اَدْرَكْتُ حَيًّا وَمَنْ يُوْلَدُ بَعْدِيْ (رواہ ابن سعد، الکنز ج۱ ص ۱۰۰ والخصائص ج۲ ص ۱۸۸)

حضرت حسن رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مرسلا روایت ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ میں ان کا بھی رسول ہوں جو اب زندہ ہیں اور ان کا بھی جو میرے بعد پیدا ہوں گے (ابن سعد)

تشریح۔ بعثت عام اور ختم نبوۃ کو بڑا گہرا ربط ہے اسی لیے پہلی حدیث میں دونوں خصوصیتوں کو ایک جگہ ذکر کیا گیا ہے اگر آپ کی بعثت عام نہ ہوتی اور نبوۃ ختم ہو جاتی تو آنے والی امت بلا رسول رہ جاتی یہ بجائے نعمت کے اور ایک زحمت ہوتی اس لیے جب نبوۃ کا ختم ہونا مقدر ہوا تو آپ کی بعثت کا دامن قیامت تک کے انسانوں پر پھیلا دیا گیا تاکہ رہتی دنیا تک تمام انسان اس کامل و اکمل رسالت کے نیچے آ جائیں اور کسی دوسرے رسول کے محتاج نہ رہیں اور اگر آپ کی بعثت تو عام ہوتی مگر نبوۃ ختم نہ ہوتی تو اب آئندہ اگر کوئی کامل رسول آتا اور آپ کی بجائے اس کی اتباع لازم ہوتی تو آپ کا نقصان ثابت ہوتا اور اگر کوئی ناقص رسول آتا تو کامل کے ہوتے ہوئے ناقص کے دامن میں آنا بجائے رحمت کے زحمت بن جاتا (العیاذ باللہ) اس لیے بعثت عامہ کے بعد نبوۃ کا ختم ہونا ضروری اور لازم ہو گیا۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا ختم نبوۃ کو ایک مثال دے کر واضح کرنا

عَنْ اَبِيْ هُرَيْرَةَ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ اِنَّ مَثَلِيْ وَمَثَلَ الْاَنْبِيَاءِ مِنْ قَبْلِيْ كَمَثَلِ رَجُلٍ بَنٰى بَيْتًا فَاَحْسَنَهٗ وَاَجْمَلَهٗ اِلَّا مَوْضِعَ لَبِنَةٍ مِنْ زَاوِيَةٍ فَجَعَلَ النَّاسُ يَطُوْفُوْنَ بِهٖ وَيَعْجَبُوْنَ لَهٗ وَيَقُوْلُوْنَ هَلَّا وُضِعَتْ هٰذِهِ اللَّبِنَةُ وَاَنَا خَاتَمُ النَّبِيِّيْنَ. رواه الشيخان واحمد والنسائي والترمذي وفي بعض الفاظه فَكُنْتُ اَنَا سَدَدْتُ مَوْضِعَ اللَّبِنَةِ وَخُتِمَ بِيَ الْبُنْيَانُ وَخُتِمَ بِيَ الرُّسُلُ. (رواہ ابن عساکر کذا فی الکنز)

ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ روایت فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ یہ میری مثال اور مجھ سے پہلے انبیاء علیہم السلام کی مثال ایسی ہے جیسے کسی شخص نے گھر بنایا اور اسے خوب آراستہ و پیراستہ کیا مگر اس کے ایک گوشہ میں صرف ایک اینٹ کی جگہ چھوڑ دی لوگ آ آ کر اس کے ارد گرد گھومنے لگے اور تعجب کرنے لگے اور کہنے لگے یہ اینٹ بھی کیوں نہ رکھ دی گئی (تاکہ یہ عیب بھی نہ رہتا) اس کے بعض الفاظ میں یہ ہے کہ میں نے آ کر اس اینٹ کی جگہ کو پُر کر دیا ہے اور اب قصر نبوۃ میری آمد سے مکمل ہو گیا ہے اور مجھ پر تمام رسول ختم کر دیے گئے۔ (کنز العمال)

عَنْ جَابِرٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَثَلِيْ وَمَثَلُ الْاَنْبِيَاءِ مِنْ قَبْلِيْ كَمَثَلِ رَجُلٍ بَنٰى دَارًا فَاَكْمَلَهَا وَاَحْسَنَهَا اِلَّا مَوْضِعَ لَبِنَةٍ فَكَانَ مَنْ دَخَلَهَا فَنَظَرَ اِلَيْهَا قَالَ مَا اَحْسَنَهَا اِلَّا مَوْضِعَ اللَّبِنَةِ فَخُتِمَ بِيَ الْاَنْبِيَاءُ. (رواه الشيخان)

جابر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کہتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے میری مثال اور مجھ سے پہلے نبیاء کی مثال اس شخص کی سی ہے جس نے ایک گھر بنایا اور خوب عمدہ اور مکمل بنایا مگر ایک اینٹ کی جگہ چھوڑ دی جو شخص اس میں داخل ہوتا اور اسے دیکھتا تو کہتا تم گھر کس قدر خوب صورت ہے مگر یہ ایک اینٹ کی جگہ (وہ اینٹ میں ہوں) کہ انبیاء مجھ پر ختم کر دیئے گئے ہیں۔ (شیخین ترمذی بلفظ قریب)

عَنْ اَبِیْ سَعِیْدِ الْخُدْرِیِّ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ مَثَلِیْ وَمَثَلُ النَّبِیِّیْنَ کَمَثَلِ رَجُلٍ بَنٰی دَارًا فَاَتَمَّھَا اِلَّا لَبِنَۃً وَّاحِدَۃً فَجِئْتُ اَنَا وَاَتْمَمْتُ تِلْکَ اللَّبِنَۃَ۔ (رواہ مسلم واحمد)

ابو سعید خدری رضی اللہ تعالیٰ عنہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کرتے ہیں۔ آپ نے فرمایا میری اور نبیوں کی مثال ایسی ہے جیسے ایک شخص نے گھر بنایا اور اس کو پورا بنا دیا مگر ایک اینٹ کی جگہ رہ گئی، میں آیا اور اس اینٹ کو بھی پورا کر دیا۔ (مسلم، احمد)

عَنْ اُبَیِّ بْنِ کَعْبٍ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ قَالَ مَثَلِیْ فِی النَّبِیِّیْنَ کَمَثَلِ رَجُلٍ بَنٰی دَارًا فَاَحْسَنَھَا وَاَکْمَلَھَا وَتَرَکَ مِنْھَا مَوْضِعَ لَبِنَۃٍ فَجَعَلَ النَّاسُ یَطُوْفُوْنَ بِالْبِنَاءِ وَیَعْجَبُوْنَ مِنْہُ وَیَقُوْلُوْنَ لَوْ تَمَّ مَوْضِعُ تِلْکَ اللَّبِنَۃِ وَاَنَا فِی النَّبِیِّیْنَ مَوْضِعُ تِلْکَ اللَّبِنَۃِ۔ (رواہ الترمذی وقال ھذا حدیث حسن صحیح غریب)

ابی بن کعب رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا نبیوں میں میری مثال ایسی ہے جیسے ایک شخص نے گھر بنایا اور نہایت خوشنما مکمل اور آراستہ بنایا لیکن اس میں ایک اینٹ کی جگہ چھوڑ دی لوگ اس محل کے اردگرد گھومتے اور اسے تعجب سے دیکھ دیکھ کر کہتے ہیں کاش اس اینٹ کی جگہ بھی پوری ہو جاتی تو میں نبیوں میں ایسا ہی ہوں جیسے یہ اینٹ اس محل میں۔ (ترمذی)

تشریح۔ ان تشبیہات کا مقصد یہ ہے کہ جس طرح اس قصر میں جو ہر طرح مکمل ہو چکا ہے اب کسی اور اینٹ کی کوئی گنجائش نہیں رہی اسی طرح میری آمد کے بعد اب کسی اور نبی کے آنے کا احتمال نہیں رہا۔ یہاں سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ آپ ختم نبوۃ کے اس موٹے سے مسئلہ کو پیرایہ بہ پیرایہ طریقہ بہ طریقہ آخر کیوں اتنا سمجھا رہے ہیں۔ آپ کا آخری نبی ہونا کوئی دقیق مسئلہ نہیں جس کے لئے اتنی تفہیم کی حاجت ہو پھر یہ اہمیت کیوں ہے؟ اس کا جواب آپ کو ان احادیث کے مطالعہ کے بعد خود واضح ہو جائے گا جن میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد مدعیان نبوت کے متعلق پیشگوئی کی گئی ہے۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد کوئی نبی نہیں خواہ غیر تشریعی نبی ہو

عَنْ سَعْدِ بْنِ اَبِیْ وَقَّاصٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ لِعَلِیٍّ اَنْتَ مِنِّیْ بِمَنْزِلَۃِ ھَارُوْنَ مِنْ مُّوْسٰی اِلَّا اَنَّہٗ لَا نَبِیَّ بَعْدِیْ۔ (رواہ البخاری ومسلم فی غزوۃ تبوک)

وَفِیْ لَفْظِ مُسْلِمٍ خَلَّفَہٗ عَلَیْہِ السَّلَامُ فِیْ بَعْضِ مَغَازِیْہِ فَقَالَ لَہٗ عَلِیٌّ یَا رَسُوْلَ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ خَلَّفْتَنِیْ مَعَ النِّسَاءِ وَالصِّبْیَانِ فَقَالَ لَہٗ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ اَمَا تَرْضٰی اَنْ تَکُوْنَ بِمَنْزِلَۃِ ھَارُوْنَ مِنْ مُّوْسٰی اِلَّا اَنَّہٗ لَا نُبُوَّۃَ بَعْدِیْ وَفِیْ لَفْظٍ اٰخَرَ عِنْدَہٗ اِلَّا اَنَّکَ لَسْتَ نَبِیًّا۔

سعد بن ابی وقاص سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے فرمایا تمہیں مجھ سے وہ نسبت ہے جو ہارون کو حضرت موسیٰ علیہ السلام سے تھی اتنا فرق ہے کہ میرے بعد کوئی نبی نہیں ہو سکتا۔ اس حدیث کو بخاری و مسلم

نے غزوۂ تبوک کے بیان میں روایت کیا ہے اور مسلم کے الفاظ یہ ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک جنگ کے موقعہ پر حضرت علیؓ کو اپنے ساتھ نہ لیا تو حضرت علیؓ نے آپ کی خدمت میں (حسرت سے) عرض کیا یا رسول اللہ! مجھے آپ عورتوں اور بچوں میں چھوڑے جا رہے ہیں؟ آپ نے (ان کی تسلی کے لیے) فرمایا کیا تم اس پر خوش نہیں ہو کہ تمہیں مجھ سے وہ نسبت حاصل ہو جو ہارونؑ کو حضرت موسیٰ سے حاصل تھی مگر فرق یہ ہے کہ میرے بعد نبوۃ باقی نہیں اور مسلم کے دوسرے الفاظ یہ ہیں مگر تم نبی نہیں ہو۔

عَنْ جَابِرِ بْنِ عَبْدِاللّٰہِ رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہُ قَالَ لَمَّا اَرَادَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ اَنْ یُّخَلِّفَ قَالَ لَہٗ عَلِیٌّ مَا یَقُوْلُ النَّاسُ فِیَّ اِذَا خَلَّفْتَنِیْ قَالَ فَقَالَ اَمَا تَرْضٰی اَنْ تَکُوْنَ مِنِّیْ بِمَنْزِلَۃِ ھَارُوْنَ مِنْ مُّوْسٰی اِلَّا اَنَّہٗ لَا یَکُوْنُ بَعْدِیْ نَبِیٌّ۔ (رواہ احمد و ابن ماجۃ و الترمذی)

جابرؓ سے روایت ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے جب یہ ارادہ کیا کہ حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو اپنے ساتھ نہ لے جائیں تو انہوں نے عرض کیا یا رسول اللہ! اگر آپ مجھے (اپنے ہمراہ نہ لے جائیں گے اور) پیچھے چھوڑ جائیں گے تو بھلا لوگ میرے متعلق کیا کیا باتیں کہیں گے۔ راوی کہتا ہے کہ آپ نے فرمایا کیا تم اس پر خوش نہیں ہو کہ میری تمہاری وہ نسبت رہے جو ہارون و موسیٰ کی تھی اتنا فرق ہے کہ میرے بعد کوئی نبی نہیں ہو سکتا۔ (اس حدیث کو احمد، ابن ماجہ اور ترمذی نے روایت کیا ہے)

تشریح۔ ان دونوں حدیثوں میں حضرت علیؓ کو حضرت ہارون علیہ السلام کی ذات سے تشبیہ دینا مقصود نہیں اسی لیے انت بمنزلۃ ہارون نہیں فرمایا بلکہ اس نسبت اور علاقہ سے تشبیہ مقصود ہے جو حضرت موسیٰ و ہارون علیہما السلام کے درمیان تھا اس کا خلاصہ یہ ہے کہ جس طرح حضرت موسیٰ علیہ السلام نے اپنی غیبت کے زمانہ میں اپنی قوم کی نگرانی کے لئے اپنے بھائی حضرت ہارون کا انتخاب کیا تھا اسی طرح اپنی غیبت میں میں تمہارا انتخاب کرتا ہوں۔ اتنا فرق ضرور ہے کہ وہ نبی تھے تم نبی نہیں اور حضرت ہارون کو چونکہ نبوت کے ساتھ خلافت ملی تھی اس لیے اس مجمل تعبیر سے یہ وہم پیدا ہو سکتا ہے کہ حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی خلافت بھی کہیں خلافت نبوت نہ ہو۔ آپ نے اس احتمال کو بھی برداشت نہیں کیا گیا اور اس کو صاف طور پر صاف کر دیا گیا ہے تاکہ آنے والی امت محض الفاظ کے ابہام سے کسی غلط فہمی میں مبتلا نہ ہو۔ یہ بھی ظاہر ہے کہ اگر حضرت علیؓ کو نبوت ملتی تو وہ یقیناً آپ کے اتباع ہی کی بدولت ملتی مگر جب اس احتمال کی بھی نفی کر دی گئی تو اب تو سط یا بلا توسط کسی نبوۃ کا احتمال باقی نہیں رہا۔ اگرچہ نبوت کا کسی نبی کے اتباع سے ملنا خود ایسا مسئلہ ہے جس کے لیے قرآن و حدیث سے کوئی دلیل نہیں ہے اور اسی لیے دنیا کی تاریخ میں کوئی نبی ایسا نہیں بتایا جا سکتا جو کسی نبی کے اتباع کے صدقہ میں اتفاقی طور پر نبی بنا دیا گیا ہو یہ محض رسمی اختراع اور خود ساختہ خیال ہے۔

عَنْ زَیْدِ بْنِ اَبِیْ اَوْفٰی قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ (یَا عَلِیُّ) وَالَّذِیْ بَعَثَنِیْ بِالْحَقِّ مَا اَخَّرْتُکَ اِلَّا لِنَفْسِیْ وَاَنْتَ مِنِّیْ بِمَنْزِلَۃِ ھَارُوْنَ مِنْ مُّوْسٰی اِلَّا اَنَّہٗ لَا نَبِیَّ بَعْدِیْ۔ (رواہ احمد و ابن عساکر مختصرا)

زید بن اوفی رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اے علی! اس ذات کی قسم ہے جس نے مجھے دین حق دے کر بھیجا ہے میں نے تم کو صرف اپنے لیے پسند کیا ہے اور تمہیں مجھ سے وہ نسبت ہے جو ہارون کو موسیٰ علیہ السلام سے حاصل تھی مگر میرے بعد کوئی نبی نہیں ہو سکتا۔ (الخ)

تشریح: یہی مضمون ابو سعید خدریؓ، حبشی بن جنادہؓ، عقیل بن ابی طالبؓ اور ابن عمرؓ سے بھی مروی ہے۔ (کنز العمال)

عَنْ عَلِيٍّ قَالَ وَجِعْتُ وَجْعًا فَأَتَيْتُ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَأَقَامَنِيْ فِيْ مَكَانِهِ وَقَامَ يُصَلِّيْ وَأَلْقٰى عَلَيَّ طَرَفَ ثَوْبِهِ ثُمَّ قَالَ بَرِئْتَ يَا ابْنَ أَبِيْ طَالِبٍ فَلَا بَأْسَ عَلَيْكَ مَا سَأَلْتُ اللّٰهَ شَيْئًا إِلَّا سَأَلْتُ لَكَ مِثْلَهُ وَلَا سَأَلْتُ اللّٰهَ شَيْئًا إِلَّا أَعْطَانِيْهِ غَيْرَ أَنَّهُ قِيْلَ لِيْ إِنَّهُ لَا نَبِيَّ بَعْدِيْ فَقُمْتُ كَأَنِّيْ مَا اشْتَكَيْتُ. (كنز العمال)

حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ ایک مرتبہ میرے درد تھا۔ میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں آیا، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھے اپنی جگہ کھڑا کر دیا اور خود نماز پڑھنے کے لیے کھڑے ہو گئے اور اپنے لباس کا ایک کنارہ میرے اوپر ڈال دیا پھر فرمایا اے علی (رضی اللہ تعالیٰ عنہ) تم شفایاب ہو گئے اب تم میں کوئی مرض نہیں رہا۔ میں نے جو دعا اللہ تعالیٰ سے اپنے لیے کی ہے وہی تمہارے لیے مانگی ہے اور جو دعا میں نے مانگی ہے وہ اس نے قبول فرمائی ہے بجز اس کے کہ مجھ سے یہ کہہ دیا گیا ہے کہ میرے بعد کوئی نبی نہیں ہو سکتا۔ حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ اس کے بعد میں اس طرح اٹھ کھڑا ہوا جیسے کبھی بیمار ہی نہ ہوا تھا۔ (کنز العمال)

تشریح: حضرت موسیٰ علیہ السلام نے حضرت ہارون علیہ السلام کے لیے نبوت کی دعا فرمائی تھی اور وہ قبول ہو گئی تھی۔ واجعل لی وزیرا من اھلی ھارون اخی اشدد بہ ازری واشرکہ فی امری (طٰہٰ: ۲۹۔۳۲) ''اور میرے خاندان میں میرے بھائی ہارون کو میرا مددگار بنا دے ان کے ذریعہ سے میری کمر مضبوط فرما اور میرا شریک کار بنا دے۔'' اس دعا کے بموجب ان کو نبی بنا دیا گیا تھا۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد چونکہ عالم تقدیر میں یہ طے پا چکا تھا کہ اب کوئی نبی نہ ہوگا اس لیے یہ مناسب تھا کہ دعا سے قبل آپ کو عالم تقدیر کے اس فیصلہ کی اطلاع دی جاتی اس لیے اس سے قبل کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کی طرح آپ حضرت علیؓ کے لیے نبوت کی دعا فرماتے یہ کہہ دیا گیا کہ آپ کی ہر دعا قبول ہوگی مگر نبوت کے لیے آپ دعا ہی نہ فرمائیے۔

غور فرمائیے کہ حدیث مذکور میں موسیٰ و ہارون علیہما السلام کے ایک معمولی تشبیہ کے اثرات کتنی دور دور تک پھیل رہے ہیں اور ہر گوشہ میں ختم نبوت کا عقیدہ کس کس طرح نظر آتا چلا جا رہا ہے گویا یہ ایک بنیاد ہے اور بقیہ تمام تفریعات اسی عقیدہ پر قائم ہیں اگر کہیں ذرا بھی اس بنیاد کو ٹھیس لگتی نظر آتی ہے تو فوراً صفائی کے ساتھ اس کی اصلاح کر دی جاتی ہے اور معمولی سے ابہام کو بھی برداشت نہیں کیا جاتا۔ تعجب ہے کہ جہاں نبوت و رسالت کی صریح پیشگوئیوں کی بجائے اتنی گنجائش بھی نہ ہو وہاں نبوت کے دروازے نہیں بلکہ پھاٹک کھول دیے جائیں۔ یہ دوسری بات ہے کہ جب اس میں سے گذرنے والوں کی تعداد دریافت کی جائے تو بمشکل ایک شخص کا نام پیش کیا جائے۔ اور اس میں بھی ابھی تک یہ بحث جاری ہو کہ وہ مستقل نبی و رسول اور اگر معتقدین کا حال چھوڑ کر کہیں خود اس کے دعاوی کو دیکھا جائے تو ایک صحیح الفہم شخص یہ اندازہ کر ہی نہ سکے کہ اتنے مختلف دعوے بھی ایک زبان سے ادا بھی ہو سکتے ہیں۔ واللہ المستعان۔

اچھے خواب نبوت کے اجزا ہیں

عَنْ عَائِشَةَ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَنَّهُ قَالَ لَا يَبْقٰى بَعْدَهُ مِنَ النُّبُوَّةِ شَيْءٌ إِلَّا الْمُبَشِّرَاتُ قَالُوْا يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَمَا الْمُبَشِّرَاتُ قَالَ الرُّؤْيَا الصَّالِحَةُ يَرَاهَا

صالح سے مراد وہ شخص ہے جو عبادات و عادات میں انبیاء علیہم السلام کے قدم بقدم ہو۔ کاہن اور نجومی بھی غیب کی خبریں دیتے ہیں مگر وہ خدا کی طرف سے نہیں ہوتیں اس کا نام اطلاع علی الغیب نہیں اس کے اسباب پر اپنی جگہ مفصل بحث موجود ہے۔ اطلاع علی الغیب نبوۃ کا خاصہ ہے اس کی ابتداء اچھے اور سچے خواب ہیں اور اس کی انتہا وحی نبوت یعنی بحالت بیداری خدا سے قولی یا فرشتہ کے ساتھ مکالمہ۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم بھی نبوۃ سے پیشتر سچے سچے خواب دیکھا کرتے تھے ۶ ماہ تک یہ سلسلہ جاری رہا اس کے بعد وحی کا دور شروع ہوتا جس کی مدت تیئس سال ہے بعض علماء نے یہ دیکھ کر کہ ۶ ماہ ۲۳ سال کا چھیالیسواں جزء ہیں یہ کہہ دیا ہے کہ حضرت انس کی حدیث میں رؤیا مؤمن کو اسی لیے نبوۃ کا چھیالیسواں جزء کہا گیا ہے۔

نبوۃ بالکل ختم ہو گئی اور صرف خواب نبوۃ نہیں ہیں

عَنْ اُمِّ كُرْزٍ قَالَتْ سَمِعْتُ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ ذَهَبَتِ النُّبُوَّةُ وَبَقِيَتِ الْمُبَشِّرَاتُ. (اخرجہ احمد)

ام کرز روایت فرماتی ہیں کہ میں نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے خود سنا ہے نبوۃ تو ختم ہوئی ہاں صرف مبشرات باقی ہیں۔ اس حدیث کو امام احمد و ابن ماجہ نے روایت کیا ہے۔ ابن خزیمہ اور ابن حبان نے اس کو صحیح کہا ہے۔

عَنْ اَنَسٍ رفعه اَنَّ الرِّسَالَةَ وَالنُّبُوَّةَ قَدِ انْقَطَعَتْ فَلَا نَبِيَّ وَلَا رَسُوْلَ بَعْدِيْ وَلٰكِنْ بَقِيَتِ الْمُبَشِّرَاتُ قَالُوْا وَمَا الْمُبَشِّرَاتُ قَالَ رُؤْيَا الْمُسْلِمِيْنَ جُزْءٌ مِّنْ اَجْزَاءِ النُّبُوَّةِ. (ابویعلی فتح الباری)

انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت فرماتے ہیں کہ رسالت اور نبوۃ دونوں ختم ہو گئیں اب میرے بعد نہ کوئی نبی ہوگا نہ رسول لیکن مبشرات باقی ہیں۔ صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم اجمعین نے پوچھا مبشرات کیا چیز ہیں؟ فرمایا مسلمانوں کے خواب۔ یہ اجزاء نبوۃ کا ایک جزء ہیں۔ (ہیثمی)

تشریح۔ قرآن و حدیث اس پر متفق ہیں کہ نبوۃ ختم ہو چکی ہے۔ تشریعی ہو یا غیر تشریعی۔ نبوۃ کی کوئی قسم اب باقی نہیں رہی۔ ہاں اس کے کمالات و برکات باقی رہ جاتی ہیں اور وہ باقی بھی ہیں۔ نبوۃ سے قبل عالم کا ظاہر و باطن تیرہ و تاریک ہوتا ہے۔ جب آفتاب نبوت طلوع کرتا ہے تو عالم کا گوشہ گوشہ اس کے انوار سے منور ہو جاتا ہے۔ ظاہر میں ظلم و فسق کی بجائے رشد و صلاح کی حکومت ہو جاتی ہے۔ انسانی عادات میں افراط و تفریط عجلت و جلد بازی کی بجائے متانت و بردباری، وقار و میانہ روی پیدا ہو جاتی ہے۔ باطن کا رشتہ شیطان سے بکسر کٹ جاتا ہے اور عالم بالا سے ایک رشتہ قائم ہو جاتا ہے کہ اس میں مغیبات کے ادراک کی صلاحیت پیدا ہو جاتی ہے ان ہی کا نام اجزاء نبوۃ یا آثار و برکات نبوۃ ہے ان اوصاف کے وجود سے کوئی شخص نبی نہیں بنتا ہاں نبی سے مستفیض کہا جا سکتا ہے۔ رؤیا صالحہ یعنی اچھے خواب دیکھنا باطن کے اسی تاثر کی نشانی ہے اور عادات کا انقلاب ظاہر کے تاثر کی۔ احادیث میں ایک طرف رؤیا صالحہ کو نبوۃ کا چھیالیسواں جزء کہا گیا ہے دوسری طرف بعض بلند اخلاق کو چوبیسواں جزء قرار دیا گیا ہے۔ حدیث میں ہے التؤدة والاقتصاد وحسن السمت من ستة وعشرين جزء من النبوة. بردباری و متانت، میانہ روی اور اچھی روش نبوۃ کا چھبیسواں جزء ہیں۔ ظاہر ہے کہ ان اخلاق کی وجہ سے کسی کو نبی نہیں کہا جا سکتا۔ جب چھبیسویں

جزو کو نبوۃ نہیں کہا جاتا تو چھیالیسویں جزو کو نبوۃ کیسے کہا جاسکتا ہے۔ ابن جوزی کہتے ہیں کہ رویاء صالحہ کو صرف تشبیہ کی لحاظ سے نبوۃ کا جزء کہا گیا ہے۔ ابن اثیر کہتے ہیں کہ انبیاء علیہم السلام کو غیب کی خبریں وحی کے ذریعہ سے دی جاتی ہیں اب یہ سلسلہ تو منقطع ہوا خواب کا سلسلہ باقی ہے۔ اس اعتبار سے رؤیا کو اجزاء نبوت میں شمار کیا گیا ہے۔ غالباً اسی بنیاد سے اس حدیث کے کسی طریقہ میں رؤیاء صالحہ کا جزء نہیں کہا گیا ہر جگہ نبوت کا جزء کہا گیا ہے رسالت کا زیادہ تعلق احکام سے ہے۔ بعض علماء کہتے ہیں کہ جو خواب نبوۃ کا چھیالیسواں جزء ہے وہ ہر شخص کا خواب نہیں بلکہ خود نبی کا خواب ہے مگر یہ جواب مخدوش ہے۔ اس کے علاوہ یہ کہ جزء ہمیشہ اپنے کل کے مغایر ہوتا ہے یہی کلمات جو مجموعی طور پر اذان کہے جاتے ہیں علیحدہ علیحدہ اذان نہیں کہلاتے۔ عناصر اربعہ انسانی کے اجزاء ہیں مگر ان میں سے کسی کو انسان نہیں کہا جاتا مثلاً تراب انسان کا ۱/۴ حصہ ہے مگر انسان نہیں تو رؤیا صالحہ نبوۃ کا چھیالیسواں جزء ہو کر نبوۃ کیسے ہوسکتے ہیں۔ ہمارے نزدیک یہ بات بالکل واضح ہے کہ رؤیا صالحہ نبوۃ کے حقیقۃً اجزاء نہیں ہیں۔ کیونکہ نبوۃ کسی ایسی حقیقت مرکبہ کا نام نہیں جس کا تجزیہ و تحلیل ممکن ہو وہ ایک منصب ہے جس کا تعلق صرف خدائی اصطفاء و اجتباء پر موقوف ہے ہاں اسکے کچھ لوازم و خصائص ہیں جو اس کی ماہیت کا جزء نہیں ہوتے۔ ان خصائص و خصائص ہی کو مجازاً اجزاء کہہ دیا جاتا ہے۔ یہ تنقیح بھی ہمیں اس لیے کرنی پڑتی ہے کہ اصطلاح میں خصائص و اجزاء میں فرق ہے ورنہ اہل عرف کے نزدیک یہ تدقیقات قطعاً غیر ضروری ہیں۔ ان کے نزدیک عوارض مختلفہ اور لوازمات و اجزاء میں کوئی فرق نہیں۔

امام بخاریؒ کی دقت نظر مشہور ہے انہوں نے یہاں بھی ایک جدت طرازی سے کام لیا ہے۔ پہلے ترجمۃ الباب میں یہ حدیث نقل کی ہے۔ "اچھا خواب نبوۃ کا چھیالیسواں جزء ہے۔" اس کے بعد یہ حدیث روایت کی ہے کہ "اچھے خواب خدا کی طرف سے ہوتے ہیں اور برے شیطان کی طرف سے۔" شارحین کو بحث ہے کہ اس حدیث کو بظاہر باب سے کوئی مناسبت نہیں حافظ ابن حجر لکھتے ہیں کہ یہاں امام بخاریؒ رؤیا صالحہ کے جزء نبوۃ ہونے کی ایک لطیف حکمت کی طرف اشارہ کرنا چاہتے ہیں۔ انما كانت جزء من اجزاء النبوة لانها من الله تعالى بخلاف التى من الشيطان فانها ليست من اجزاء النبوة. (ج ۱۲ ص ۳۱۲) یعنی رؤیا صادقہ کو اجزاء نبوۃ اس لیے کہا گیا ہے کہ وہ خدا کی طرف سے ہوتے ہیں اس کے برخلاف وہ خواب جو شیطان کی طرف سے ہوتے ہیں اجزاء نبوت نہیں ہیں۔ بظاہر امام بخاریؒ کی مراد یہ ہے کہ جس طرح عالم بیداری میں وحی دو قسم پر ہے ایک وحی نبوت جو خدا کی طرف سے ہوتی ہے دوسری ایحاء شیطان۔ ان الشياطين ليوحون الى اوليائهم. اسی طرح خواب کی بھی دو قسمیں ہیں ایک من اللہ دوسرے من الشیطان جو رؤیا من اللہ ہیں ان کا رشتہ نبوۃ سے ہے وہ بھی خدا کی طرف سے ہوتی ہے اور جو من الشیطان ہے اس کا تعلق وحی شیطان سے ہے۔ حدیث نے بھی اس مختصر حقیقت کا فرق واضح کیا ہے یعنی جو خواب من اللہ ہیں ان کا نام رؤیا رکھا ہے اور جو شیطان کے تصرف سے ہیں ان کا نام حلم رکھا ہے غالباً اسی لیے سورۂ یوسف میں فرمایا: ﴿وَمَا نَحْنُ بِتَأْوِيلِ الْأَحْلَامِ بِعَالِمِينَ﴾ (یوسف: ۴۴) یعنی انبیاء کو "احلام" شیطانی خوابوں کی تعبیر کا علم نہیں دیا جاتا۔ ہاں "رؤیا" عالم قدس کی ایک حقیقت ہے۔ اس کی تعبیر کا علم شان نبوۃ کے مناسب ہے۔ اور احلام بے حقیقت شے ہے۔ ان سے انبیاء علیہم السلام کا کوئی واسطہ نہیں خلاصہ کلام یہ کہ رؤیا صالحہ نبوۃ نہیں بلکہ نبوۃ کا حقیقی جزء بھی نہیں اس

لیے ان احادیث میں پہلا عنوان بدل کر نبوۃ کو بالکل ختم کہا گیا ہے اور وحی و مصالح کو جداگانہ ایک چیز قرار دیا گیا ہے۔ اصطلاح نحو کے مطابق پہلی حدیث میں استثناء کو منقطع کہا جائے گا یا اجزاء سے خصائص و آثار مراد ہوں گے۔ اگر سب کو تسلیم کر لیا جائے تو نبوۃ کے اس جزء میں کسی بڑے رتبہ یا کمال یا دعویٰ کی شرط نہیں بلکہ ہر مرد صالح کا اس میں حصہ ہے۔

حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے فضائل

الہام اور فرشتوں کے ساتھ باتیں کرنا بھی نبوت نہیں ہے

عَنْ اَبِیْ هُرَیْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ لَقَدْ كَانَ فِیْمَا قَبْلَكُمْ مِنَ الْاُمَمِ مُحَدَّثُوْنَ فَاِنْ یَّكُنْ فِیْ اُمَّتِیْ اَحَدٌ فَاِنَّهٗ عُمَرُ. وَفِیْ رِوَایَةٍ لَقَدْ كَانَ فِیْمَا قَبْلَكُمْ مِنْ بَنِیْ اِسْرَائِیْلَ رِجَالٌ یُكَلَّمُوْنَ مِنْ غَیْرِ اَنْ یَّكُوْنُوْا اَنْبِیَاءَ فَاِنْ یَّكُنْ فِیْ اُمَّتِیْ مِنْهُمْ اَحَدٌ فَعُمَرُ. (متفق علیہ)

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے تم سے پہلی امتوں میں محدث ہوا کرتے تھے۔ اگر میری امت میں کوئی محدث ہے تو وہ عمر (رضی اللہ تعالیٰ عنہ) ہے اور بعض روایات میں ہے کہ تم سے پہلے بنی اسرائیل میں کچھ لوگ ایسے ہوا کرتے تھے جن سے غیبی طور پر باتیں کی جاتی تھیں مگر وہ نبی نہ ہوتے تھے۔ اگر میری امت میں کوئی شخص ایسا ہے تو وہ عمر (رضی اللہ تعالیٰ عنہ) ہے۔ (متفق علیہ)

تشریح: محدث اور مکلم دونوں لفظ بصیغہ اسم مفعول ہیں۔ ابو سعید خدریؓ سے مرفوعاً روایت ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھا گیا محدث کیسا ہوتا ہے؟ آپ نے فرمایا یہ وہ لوگ ہیں کہ فرشتے ان کی زبان سے بولتے ہیں۔ علماء نے اس کی مختلف تفصیلات کی ہیں۔ اکثر حضرات فرماتے ہیں کہ هو الرجل الصادق الظن یعنی وہ شخص ہے جس کا خیال اکثر صحیح ہو۔ وهو من القی فی روعه شیء من الملاء الاعلی فیکون کالذی حدثه غیره۔ یعنی وہ ہے جس کے قلب میں ملائکہ مقربین کی جانب سے کوئی بات اس طرح ڈالی جائے گویا اس سے کسی نے کہہ دی ہے۔ کوئی کہتا ہے کہ محدث اسے کہتے ہیں جس کی زبان سے صدق و صواب بلاقصد نکلے۔ کسی نے تحدیث کا ترجمہ فراست کیا ہے۔ علماء محققین میں سے حضرت شاہ ولی اللہؒ وغیرہ نے بھی اس پر کافی کلام کیا ہے۔ ہمارے نزدیک تمام علماء نے حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی ذات کو پیش نظر رکھا ہے۔ پھر ان کی ایک ایک خصوصیت کو اپنے خیال کے مطابق چنا ہے اور اس کو محدث کی تعریف میں شامل کر دیا ہے۔ ہمارے نزدیک مناسب یہ ہے کہ ان سب اوصاف کو یکجائی طور پر محدث کی تعریف میں داخل کر لینا ہے یہ حقیقت حدیث سے تجاوز کر کے قرآن تک پہنچ گئی ہے چنانچہ آیت ﴿وَمَا اَرْسَلْنَا مِنْ قَبْلِكَ مِنْ رَّسُوْلٍ وَّلَا نَبِیٍّ﴾ (الحج: ۵۲) میں ابن عباس وَلَا مُحَدَّثٍ کا لفظ زیادہ پڑھا کرتے تھے قرآن کریم میں محدث کو نبی کے بالمقابل رکھا گیا ہے اسی لیے حدیث میں بھی من غیر ان یکونوا انبیاء سے ان کے نبی نہ ہونے کی تصریح کر دی گئی ہے اس کے ساتھ ہی اگر حضرت عمرؓ کے متعلق اس حدیث کو پیش نظر رکھا جائے؟ لو کان بعدی نبی لکان عمرؓ اگر میرے بعد کوئی نبی ہو سکتا تو عمر ہوتا۔ تو یہ بات اور زیادہ صاف ہو جاتی ہے کہ

محدث اور مکلم نبی نہیں ہوتا حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا محدث ہونا اور نبی نہ ہونا دونوں باتیں حدیث سے ثابت ہیں خلاصہ یہ ہے کہ صرف ملائکۃ اللہ کا کسی سے ہم کلام ہونا یا صدق وصواب اس کی زبان پر جاری ہو جانا نبوۃ نہیں ہے۔ جیسا کہ صرف غیب کی خبریں دینا نبوۃ نہیں یا جیسا کہ سچے خواب دیکھنا نبوۃ نہیں ہے۔ یہ سب باتیں انبیاء اور غیر انبیاء بلکہ مسلم و کافر میں بھی پائی جا سکتی ہیں۔ اولیاء کے مکالمات کو الہام کہتے ہیں اور نبی کے مکالمات کو وحی یہ صرف اصطلاحی فرق ہے اس سے ان کی حقیقت نہیں بدلتی۔ اسی طرح قطعیت و ظنیت کے فرق سے بھی ان کی حقیقت پر کوئی روشنی نہیں پڑتی یہ صرف صاحب وحی جانتا ہے کہ وحی یہ ہے اور الہام یہ۔ یہاں بھی علماء نے احادیث میں وحی کے لوازم و خصائص تلاش کر کے بہت کچھ لکھا ہے مگر انصاف یہ ہے کہ نبوۃ و وحی کی حقیقت سوائے نبی کے دوسرا نہیں سمجھ سکتا جب اشیاء خوبصورت کے متعلق علماء کا فیصلہ یہ ہے کہ ان کی حدود حقیقی یا تو غیر ممکن ہیں ورنہ دشوار ضرور ہیں تو روحانیات کے صحیح حدود کیسے ممکن ہیں۔ (ملخص از تقریر)

عَنْ أَبِي سَعِيدٍ الْخُدْرِيِّ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِنَّهُ لَمْ يُبْعَثْ نَبِيٌّ قَطُّ إِلَّا كَانَ فِي أُمَّتِهِ مَنْ يُحَدَّثُ وَإِنْ يَكُنْ فِي أُمَّتِي مِنْهُمْ أَحَدٌ فَهُوَ عُمَرُ (رواہ ابن عساکر کنز)

ابو سعید خدری رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا مجھ سے پہلے کوئی نبی ایسا نہیں بھیجا گیا جس کی امت میں کوئی نہ کوئی محدث نہ ہوا اگر میری امت میں کوئی محدث ہے تو وہ عمر (رضی اللہ تعالیٰ عنہ) ہے۔ (کنز)

عَنْ عَائِشَةَ أَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ مَا كَانَ نَبِيٌّ إِلَّا كَانَ فِي أُمَّتِهِ مُعَلَّمٌ أَوْ مُعَلَّمَانِ فَإِنْ يَكُنْ فِي أُمَّتِي مِنْهُمْ أَحَدٌ فَهُوَ عُمَرُ بْنُ الْخَطَّابِ (الخصائص الکبری ج ۲ ص ۱۳۰)

حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے روایت ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کوئی نبی نہیں گذرا جس کی امت میں ایک دو معلم (محدث) نہ گذرے ہوں۔ اگر میری امت میں کوئی معلم ہے تو وہ عمر بن الخطاب (رضی اللہ تعالیٰ عنہ) ہے۔

امت کا انتظام اور ان کے دینی تحریفات کی اصلاح کرنا بھی نبوۃ نہیں

عَنْ أَبِي حَازِمٍ قَالَ قَاعَدْتُ أَبَا هُرَيْرَةَ خَمْسَ سِنِينَ فَسَمِعْتُهُ يُحَدِّثُ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ كَانَتْ بَنُو إِسْرَائِيلَ تَسُوسُهُمُ الْأَنْبِيَاءُ كُلَّمَا هَلَكَ نَبِيٌّ خَلَفَهُ نَبِيٌّ وَإِنَّهُ لَا نَبِيَّ بَعْدِي وَسَيَكُونُ خُلَفَاءُ فَيَكْثُرُونَ قَالُوا فَمَا تَأْمُرُنَا قَالَ فُوا بِبَيْعَةِ الْأَوَّلِ فَالْأَوَّلِ أَعْطُوهُمْ حَقَّهُمْ فَإِنَّ اللّٰهَ سَائِلُهُمْ عَمَّا اسْتَرْعَاهُمْ (رواہ البخاری)

ابو حازم کہتے ہیں کہ میں ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے ساتھ پانچ سال رہا ہوں میں نے انہیں یہ حدیث بیان کرتے ہوئے سنا ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا بنی اسرائیل کا انتظام خود ان کے انبیاء فرمایا کرتے تھے۔ جب ایک نبی کی وفات ہو جاتی دوسرا اس کا جانشین آ جاتا لیکن میرے بعد کوئی نبی نہیں ہاں خلفاء ہوں گے اور وہ بہت ہوں گے۔ صحابہ نے عرض کیا پھر ان کے متعلق ہمیں کیا حکم ہے۔ فرمایا جو پہلا خلیفہ ہو اس کی بیعت پوری کرنا اور پھر ان کا حق ادا کرتے رہنا اور اس نگرانی کی باز پرس جو اللہ تعالیٰ نے ان کے سپرد کی ہے وہ خود فرمائے گا۔ (بخاری، مسلم، احمد وغیرہ)

تشریح۔ حافظ ابن حجر انبیاء بنی اسرائیل کی سیاست کی تشریح میں لکھتے ہیں انهم كانوا اذا ظهر فيهم فساد بعث الله لهم نبيا يقيم لهم امرهم ويزيل ما غيروا من احكام التورات. یعنی بنی اسرائیل میں جب کوئی فساد رونما ہوتا تو اللہ تعالیٰ کسی نبی کو ان میں بھیج دیتا جو ان کی اصلاح کرتا۔ اور شریعت تورات میں ان کی تحریفات کو دور کر دیتا۔ امت محمدیہ میں یہ خدمات خلفاء کے سپرد کر دی گئی ہیں۔ ان احادیث کا خلاصہ یہ ہے کہ اچھے خواب دیکھنا، الہام اور فرشتوں کے ساتھ مکالمہ کرنا، امت کا دینی اور دنیوی نظم و نسق قائم رکھنا یہ سب محدثین اور خلفاء کے وظائف ہیں منصب نبوت اب ختم ہو گیا۔ اور یہ وظائف نبوۃ امت محمدیہ کے خلفاء کی طرف منتقل کر دیے گئے۔ اس سے امت محمدیہ کے کمالات اور عظمت کا اندازہ کرنا چاہیے کہ جن خدمات کے لیے پہلے انبیاء علیہم السلام بھیجے جاتے تھے اب اس امت کے علماء و خلفاء انہیں انجام دیا کریں گے۔

سوچو کہ امت محمدیہ کی ہتک عزت اس میں ہے کہ اسے نااہل قرار دے کر اس میں نبی پیدا کیا جائے یا اس میں کہ اس کے خلفاء وہ خدمات انجام دیں جو پہلے بھی انبیاء علیہم السلام ادا فرمایا کرتے تھے۔ ابن عساکر نے حضرت ابن عباسؓ سے ایک روایت نقل کی ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا لي النبوة ولكم الخلافة. نبوۃ صرف میرے لیے ہے اور تمہارے لیے خلافت ہے۔ (کنز العمال ج ۱۲ ص ۱۸۰) اس روایت میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے تقسیم کر کے اپنا اور امت کا حصہ علیحدہ علیحدہ بیان کر دیا ہے۔ اچھے خواب میں ہماری شرکت ہے۔ الہام اور فرشتوں سے بات چیت میں ہماری شرکت ہے۔ امت کا نظم ان کی تحریفات کی اصلاح ہمارا حصہ ہے مگر نبوت میں ہماری کوئی شرکت نہیں اسی لیے حضرت علیؓ سے حضرت ہارون علیہ السلام کو تشبیہ دیتے ہوئے یہ صاف فرما دیا گیا تھا کہ تم میرے جانشین ضرور ہو مگر نبی نہیں ہو، نبوت میرا حق ہے اور خلافت تمہارا۔ عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو ان وحی جب بولتے تھے تو قرآن کی ان کی موافقت میں بولتی تھی محدث ہو سکتے ہیں مگر یہ بات ان سے بھی صاف کہہ دی گئی تھی کہ نبوت میرا حق ہے اور محدثیت تمہارا۔ حالانکہ ان کے خواب ان کے الہام، ان کی امت کی نگہداشت و حفاظت اس کی سفارش کر رہی تھیں کہ اگر اس امت میں کوئی نبی ہے بلکہ نبوت بھی جاری ہو تو وہ ان کو دے دی جائے۔ شب ہجرت میں حضرت علیؓ آپؐ کے بستر پر ساری رات آپ کی جگہ قربان ہونے کے شوق میں پڑے ہوئے ہیں صدیق اکبرؓ راہ کے ہر پر خطر موقع پر سربکف حاضر ہیں مگر ثانی الرسول کے مسند کے ان شاہ سواروں کو نبوت کا چھوٹا سا چھوٹا موتی بھی ہاتھ نہ آیا بلکہ اگر کسی کے متعلق سیاق کلام میں نبوت کا کوئی ادنیٰ احتمال بھی پیدا ہوتا نظر آیا تو اس کو بڑی صفائی سے دور کر دیا گیا حتیٰ کہ کسی کے لیے لفظ نبی کی کوئی بھی گنجائش نہیں رکھی گئی۔ اس لیے یہاں ظلی و بروزی نبوت کی بحث کرنا بھی بالکل بے معنی ہے۔ یہ بحث اس وقت قابل توجہ ہو سکتی ہے جب کہ شریعت میں کہیں امت کے کامل پر نبی کا اطلاق درست تسلیم کیا جائے لیکن جب لا تفصیل لانبي بعدي میرے بعد کوئی نبی نہیں۔ کہہ دیا گیا ہے تو اب اصلی یا ظلی و بروزی کی تقسیم کی دوسری اٹھانے کی حاجت نہیں ہے اس کے ماسوا یہ بھی قابل غور ہے کہ جب تاریخ نبوت میں صرف دو ہی قسم کی نبوتیں ملتی ہیں۔ تشریعی، غیر تشریعی، اور یہ دونوں براہ راست نبوتیں ہیں تو نبوت کی اب ایک اور تیسری قسم تراشنا تاریخ نبوت کے خلاف ہے اس کے لیے بہت زبردست شرعی ثبوت درکار ہیں۔ پورے وثوق و تحدی کے ساتھ کہا جا سکتا ہے کہ

قرآن وحدیث میں ایک آیت اور کوئی ایک حدیث بھی دستیاب نہیں ہو سکتی جس میں آنے والی امت کو انبیاء کہا گیا ہو۔ پھر خاتم النبیین کے عموم میں محض اپنی اختراعی تقسیم کی وجہ سے تخصیص پیدا کرنا قرآن دانی کا ثبوت نہیں بلکہ کھلی ہوئی تحریف ہے۔

اپنے متعلق نبوت کا گمان رکھنے والا پرلے درجہ کا جھوٹا ہے

عَنْ ثَوْبَانَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَنَّهٗ سَيَكُوْنُ فِيْ اُمَّتِيْ كَذَّابُوْنَ ثَلٰثُوْنَ كُلُّهُمْ يَزْعَمُ اَنَّهٗ نَبِيٌّ وَاَنَا خَاتَمُ النَّبِيِّيْنَ لَا نَبِيَّ بَعْدِيْ۔ (رواہ مسلم)

ثوبان سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے آگاہ رہو میری امت میں تیس سخت جھوٹے پیدا ہوں گے ان میں ہر ایک اپنے متعلق گمان کرے گا کہ وہ نبی ہے حالانکہ میں سب نبیوں کے آخر میں آیا ہوں میرے بعد کوئی نبی نہیں۔ (مسلم)

عَنْ اَبِيْ بَكْرَةَ قَالَ اَكْثَرَ النَّاسُ فِيْ مُسَيْلِمَةَ الْكَذَّابِ قَبْلَ اَنْ يَّقُوْلَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فِيْهِ شَيْئًا ثُمَّ قَامَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فِي النَّاسِ فَاَثْنٰى عَلَى اللّٰهِ بِمَا هُوَ اَهْلُهٗ ثُمَّ قَالَ اَمَّا بَعْدُ فِيْ شَاْنِ هٰذَا الرَّجُلِ الَّذِيْ قَدْ اَكْثَرْتُمْ فِيْ شَاْنِهٖ فَاِنَّهٗ كَذَّابٌ مِّنْ ثَلٰثِيْنَ يَخْرُجُوْنَ قَبْلَ الدَّجَّالِ۔

حضرت ابو بکرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ مسیلمہ کذاب کے معاملہ میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے کچھ فرمانے سے پیشتر لوگوں میں بڑی چہ میگوئیاں ہو رہی تھیں ایک دن آپ (صلی اللہ علیہ وسلم) نے خطبہ دیا اور بعد حمد وصلوٰۃ کے فرمایا جس شخص کے بارے میں تم باتیں کر رہے ہو وہ ان تیس جھوٹوں میں سے ایک جھوٹا ہے جو دجال سے پہلے آئیں گے۔ (رواہ الطحاوی فی مشکل الآثار ج ۴ ص ۱۰۴)

عَنْ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ الزُّبَيْرِ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَا تَقُوْمُ السَّاعَةُ حَتّٰى يَخْرُجَ ثَلٰثُوْنَ كَذَّابًا دَجَّالًا مِنْهُمُ الْمُسَيْلِمَةُ وَالْعَنْسِيُّ وَالْمُخْتَارُ۔

عبداللہ بن زبیر سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ قیامت اس وقت تک نہیں آسکتی جب تک تیس جھوٹے دجال نہ نکل آئیں جن میں مسیلمہ عنسی اور مختار بھی ہیں۔ (ابو یعلیٰ فتح الباری)

تشریح: انبیاء علیہم السلام کے بیان میں ان کے اندازۂ علم و یقین کے مطابق ایک طاقت و شوکت ہوتی ہے وہی ظاہر ہو رہی ہے۔ مطلب یہ ہے کہ چونکہ علم ازلی میں دجالین کی آمد ثابت ہو چکی ہے اس لیے قیامت کے آنے سے پہلے ان کی آمد یقینی امر ہے دنیا کو چاہیے کہ وہ ان کا انتظار کر کے تھک نہ جائے۔ رہی یہ بات کہ اس امت میں دجالوں کی اتنی کثرت کیوں ہے تو جو اور فتنوں کے متعلق جواب دیا جائے گا وہی جواب اس فتنے کے متعلق بھی ہو جائے گا۔ ایک لطیف بات یہ ضرور معلوم ہوتی ہے جب اس امت میں نبوت کا ختم ہونا مقدر ہوا تو اس کا مقابلہ بھی شیطانی طاقتوں کے لیے ضروری ہو گیا خدا تعالیٰ چاہتا ہے کہ دنیا کے آخری دور میں پھر ایک ایسی عام وحدت پیدا کر دے جیسی آغاز عالم میں ایک مرتبہ ظاہر ہو چکی ہے نسل انسانی ایک ہی باپ کی اولاد تھی جیسا روز اول وہ ایک ہی زمین پر تھی۔ آخر میں پھر اس کو ایک ہی کلمہ ایک ہی قبیلہ اور ایک ہی دین ہو جائے۔ درمیان میں نبوتوں اور رسالتوں کے تفاوت سے شریعت اور منہاج کا جو تفاوت پیدا ہو گیا تھا وہ سب ختم ہو کر صرف ایک شریعت اسلام باقی رہ جائے اس عظیم وحدت کو شکست دینے کے لئے شیطانی لشکروں کو بھاگ دوڑ کرنا ضروری تھا اس لیے اس عام نبوت کے بالمقابل

نبوت کا دعویٰ کرنا لازم ہو گیا۔ اس پیشگوئی کا ظہور آپ کے عہد مبارک سے ہی شروع ہو گیا تھا۔ مسیلمہ اور عنسی آپ کے زمانہ میں ہی ظاہر ہوئے اور آپ کے حکم کے ماتحت صحابہ نے ان کو کاذب سمجھا اور آخر کار جو دجالین کے ساتھ برتاؤ چاہیے تھا وہی ان کے ساتھ کیا گیا۔ رہی یہ بحث کہ دجالوں کے تیس ہونے میں ہی کیا حکمت ہے تو حافظ ابن حجر لکھتے ہیں۔

"ولیس المراد بالحدیث من ادعی النبوۃ مطلقا فانہم لا یحصون لکون غالبہم ینشأ لہم

ذلک عن جنون وسوداء وانما المراد من قامت لہ الشوکۃ"

حدیث مذکور میں مدعیٰ نبوت سے ہر مدعیٔ نبوت مراد نہیں کیونکہ مدعیٔ نبوت تو بے شمار ہیں بیشتر یہ دعویٰ جنون یا سوداویت کی وجہ سے پیدا ہوتے ہیں۔ یہاں مراد وہ مدعیان نبوت ہیں جو باشوکت ہوں گے ان کا کذب تسلیم کیا جائے گا ان کے متبعین کی تعداد زیادہ ہو گی۔

نیز یہ بھی یاد رکھنا چاہیے کہ جس امت میں لاکھوں اور کروڑوں سے متجاوز اولیاء و اقطاب گذر گئے ہوں اس میں تیس دجالوں کا عدد کچھ زیادہ بھی نہیں ہے۔ غور طلب تو یہ ہے کہ اگر آپ کے بعد نبوت کی کوئی چھوٹی سے چھوٹی قسم بھی باقی تھی تو اس کی بشارت کے لیے آخر ایک حدیث بھی کیوں نہیں آئی اور کذابین و دجالین کے متعلق درجنوں حدیثیں کیوں آ گئیں؟ پھر حدیث نمبر ۱۲۶ میں ان کے کاذب ہونے کی وجہ یہ نہیں بتائی گئی کہ وہ درحقیقت نبی نہ ہوں گے بلکہ یہ قرار دی گئی کہ میں خاتم النبیین ہوں اور میرے بعد کوئی نبی نہیں۔ اب آپ ہی انصاف کیجئے کہ ایک طرف تو احادیث میں ہر قسم کی نبوۃ کی نفی آ رہی ہے۔ ہر مدعیٔ نبوت کو کذاب و دجال کہا جا رہا ہے دوسری طرف کسی حدیث سے ظلی و بروزی کی تقسیم ثابت نہیں ہوتی۔ تاریخ نبوت میں ظلی نبی کوئی نظر نہیں آتا۔ پھر آخر کس دلیل سے نبوت کی ایک تیسری قسم مان کر اس کو جاری قرار دیا جائے؟ یہاں یہ تفتیش بھی ضروری ہے کہ نبوت کی جو قسم بھی تسلیم کی جائے اس کا آغاز کب سے ہوا؟ ہر تینی لحاظ سے وہ افراد کون سے تھے؟ جن کو ظلی نبی کہا جا سکتا ہے اور کیا یہ ثابت ہے کہ انہوں نے اپنی نبوت پر ایمان لانے کی امت کو دعوت دی ہو اور کیا کسی ایسے نبی کی امت نے بھی تصدیق کی ہے؟ اگر ایسا کوئی نبی اب تک نہیں گذرا اور اگر گذرا ہے تو امت نے ہمیشہ اس کی تکذیب ہی کی ہے تو پھر کسی دلیل سے یہ تسلیم کر لیا جائے کہ درحقیقت اس امت میں نبوت کی کوئی قسم جاری ہے اور اتنی کثرت کے ساتھ جاری ہے کہ ان کی تعداد دجالین کا مقابلہ کر سکتی ہے۔ تعجب کی بات ہے کہ یہاں انجیل کا بیان بھی حدیث ہی کے موافق ہے۔

"جھوٹے نبیوں سے خبردار رہو جو تمہارے پاس بھیڑوں کے بھیس میں آتے ہیں مگر باطن میں پھاڑنے والے بھیڑیے ہیں ان کے پھلوں سے تم انہیں پہچان لو گے کیا جھاڑیوں سے انگور یا اونٹ کٹاروں سے انجیر توڑتے ہیں۔" (متی باب ۷-۱۵)

جس قدرت نے اس عالم کو تماشا گاہ اضداد بنایا ہے۔ نور کے مقابلہ میں ظلمت، تری کے مقابلہ میں خشکی، صحت کے مقابلہ میں مرض، بلندی کے مقابلہ میں پستی پیدا فرمائی ہے۔ اسی نے عالم روحانیات میں ہدایت کے مقابلہ میں ضلالت ملائکہ کے مقابلہ میں شیاطین، انبیاء علیہم السلام کے مقابلہ میں دجالین بنائے ہیں۔ پس جس طرح خاتم الرسل کی آمد سب رسولوں کے بعد ہوئی ہے اسی طرح مناسب ہے کہ دجال اکبر کے ظہور سے پہلے چھوٹے دجالین دنیا میں آ جائیں۔ یہی وجہ ہے کہ

دجال آئے یعنی عالم بلند جلد جلد کا ظہور خاتم الرسل کے عہد میں ہی مقدر ہوا تاکہ دنیا کے خاتمہ پر ہدایت و ضلالت کی آخری طاقتیں زور آزمائی کر کے ختم ہو جائیں پھر قیامت آ جائے۔ و للہ الحکمۃ البالغۃ۔

خاتم النبیین

جہان کا سردار آ گیا اب کوئی رسول یا نبی نہیں آئے گا۔ دنیا ہی کے زیر رسالت و سیادت ختم ہو جائے گی۔ عالم کی آبادی کا دار و مدار اس کی ہدایت پر ہے اور کارخانہ ہدایت تمام کا تمام رسولوں کی ذات سے وابستہ ہے اس لیے عالم کی ابتداء و انتہاء اور رسالت کی ابتداء و انتہاء میں بڑا گہرا رابطہ ہے۔ پروردگار عالم نے جب ایک طرف عالم کی بنیاد رکھی تو اس کے ساتھ ساتھ دوسری طرف قصر نبوت کی پہلی اینٹ بھی رکھ دی یعنی عالم میں جس کو اپنا خلیفہ بنایا تھا اسی کو قصر نبوت کی خشت اول قرار دے دیا۔ ادھر عالم بتدریج پھیلتا رہا ادھر قصر نبوت کی تعمیر ہوتی رہی۔ آخر کار عالم کے لیے جس عروج پر پہنچنا مقدر تھا پہنچ گیا ادھر قصر نبوت بھی اپنے جملہ محاسن اور خوبیوں کے ساتھ مکمل ہو گیا اور اب یہ ضروری ہو گیا کہ جس طرح عالم کی ابتداء میں رسولوں کی بعثت کی اطلاع دی گئی تھی اس کی انتہاء پر رسولوں کے خاتمہ کا بھی اعلان کر دیا جائے تا کہ قدیم سنت کے مطابق آئندہ اب کوئی شخص رسول کی آمد کا انتظار نہ کرے۔

یٰبَنِیْٓ اٰدَمَ اِمَّا یَاْتِیَنَّکُمْ رُسُلٌ مِّنْکُمْ یَقُصُّوْنَ عَلَیْکُمْ اٰیٰتِیْ فَمَنِ اتَّقٰی وَاَصْلَحَ فَلَا خَوْفٌ عَلَیْهِمْ وَلَا هُمْ یَحْزَنُوْنَ (الاعراف: ۳۵)

اے آدم کی اولاد (دیکھو) تمہارے پاس تم میں سے ہی رسول آئیں گے جو میری آیتیں تمہیں پڑھ پڑھ کر سنائیں گے جس نے تقویٰ کی راہ اختیار کی اور نیک رہا تو اس پر نہ گذشتہ کا خوف نہ آئندہ کا غم۔

اس اعلان کے مطابق خدا کی زمین پر بہت سے رسول آئے مگر کسی نے یہ دعویٰ نہیں کیا کہ وہ خاتم النبیین ہے بلکہ ہر رسول نے اپنے بعد دوسرے رسول آنے کی بشارت سنائی حتیٰ کہ وہ زمانہ آ گیا جب کہ اسرائیلی سلسلہ کے آخری رسول نے اسماعیلی سلسلہ کے اس رسول کی بشارت دے دی جس کا اسم مبارک احمد تھا۔ وَمُبَشِّرًا بِرَسُوْلٍ یَّاْتِیْ مِنْ بَعْدِی اسْمُهٗٓ اَحْمَدُ (الصف: ۶)

عالم نے اس منتظر اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے اس مبشر رسول نے دنیا میں آ کر ایک نیا اعلان کیا اور وہ یہ تھا کہ میں اب آخری رسول ہوں خود عالم کا زمانہ بھی آخر ہے اور ہاتھ کی دو انگلیوں کی طرف اشارہ کر کے فرمایا کہ میں اور قیامت اس طرح قریب قریب ہیں عالم اپنے پورے عروج کو پہنچ چکا ہے قصر نبوت میں ایک ہی اینٹ کی کسر باقی تھی وہ میری آمد سے پوری ہو گئی ہے دونوں تعمیریں مکمل ہو گئیں ہیں اب صلاح و تقویٰ کا نتیجہ دیکھنے کا زمانہ آ رہا ہے۔ قرآن کریم میں آپ کی ختم نبوت کا اعلان ان الفاظ میں کیا گیا ہے۔

مَا کَانَ مُحَمَّدٌ اَبَآ اَحَدٍ مِّنْ رِّجَالِکُمْ وَلٰکِنْ رَّسُوْلَ اللّٰهِ وَخَاتَمَ النَّبِیّٖنَ وَکَانَ اللّٰهُ بِکُلِّ شَیْءٍ عَلِیْمًا (الاحزاب: ۴۰)

یعنی اب تک جتنے رسول آئے وہ صرف رسول ہی تھے آپ رسول اللہ ہونے کے علاوہ خاتم النبیین بھی ہیں اس بناء پر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے تصور کے لیے دو باتوں کا تصور ضروری ہے ایک یہ کہ آپ رسول اللہ ہیں اور یہ کہ آپ خاتم النبیین بھی ہیں۔ آپ سے قبل صرف رسول اللہ کا تصور آپ کی ذات کا پورا اور جامع تصور ہے بلکہ ان ہر دو تصورات میں آپ کا امتیازی

تصور خاتم النبیین ای کی ہے۔ ختم نبوت کی اسی اہمیت کی وجہ سے گزشتہ احادیث میں آپ مطالعہ فرما چکے ہیں کہ اس مسئلہ کی نشر و اشاعت نبوت آدم علیہ السلام بلکہ وجود آدم سے بھی پہلے لوح محفوظ اور عرش عظیم پر کر دی گئی تھی اور کاتب تقدیر نے حضرت آدم علیہ السلام کے دونوں شانوں کے درمیان آپ کے اسم مبارک کے ساتھ آپ کی خاتم النبیین ہونے کی صفت بھی بصورت حروف نقش کر دی تھی۔ حضرت آدم علیہ السلام نسل انسانی کی بنیاد تھے لوح محفوظ جملہ حوادث عالم کی بنیاد ہے اور عرش عظیم ان اصولوں کے اعلان کا سب سے بلند بورڈ ہے جو دربار الٰہی میں طے شدہ اور ناقابل ترمیم تصور کیے گئے ہیں اس لیے ان مقامات پر اعلان کا یہ مطلب تھا کہ ختم نبوت بھی عالم کے ان بنیادی اور بدیہی مسائل میں داخل ہے جن کا علم سب پر فرض ہے اور جن میں اب کسی تبدیلی و ترمیم کی گنجائش نہیں۔ اسی لیے آسمانوں پر فرشتوں نے، زمین پر حیوانات نے، محشر میں انبیاء علیہم السلام نے غرض ابتداء سے لے کر انتہا تک، عالم بالا سے لے کر عالم اسفل تک ہر ذی شعور اور غیر ذی شعور نے آپ کی ختم نبوت کا نعرہ بلند کیا ہے۔ جب آپ عالم ناسوت میں جلوہ افروز ہوئے تو آپ کی یہ امتیازی شان مہر نبوت کی صورت میں بھی نمایاں کر دی گئی تاکہ جس کی آمد کا غلغلہ اب تک عالم میں بلند ہو رہا تھا اس کی شناخت میں کوئی دشواری نہ رہے۔ (۱) خدائے تعالیٰ کی یہ عجب حکمت ہے کہ مہر نبوت کے ظہور کے لیے آپ کے جسم مبارک میں بھی وہی جگہ منتخب ہوئی جو حضرت آدم علیہ السلام کے جسم مبارک میں منتخب ہوئی تھی۔

(۱)۔ (قرطبی شرح مسلم میں لکھتے ہیں کہ خاتم نبوت کو اسی لیے خاتم نبوت کہا جاتا ہے کہ یہ بھی منجملہ اور علامات کے آپ کی نبوت کی ایک علامت تھی اسی لیے حضرت سلمان فارسیؓ آپ کی غائبانہ تلاش میں جب آپ کی خدمت میں پہنچ گئے تو نہایت متجسسانہ نظروں سے خاتم نبوت کو تلاش کرنے لگے آپ نے ان کے طور طریق سے ان کا مقصد پہچان لیا اور چادر مبارک خاتم نبوت سے ہٹا دی پھر کیا تھا سلمانؓ دیکھ کر بے خود ہو گئے اور اسی عالم بے خودی میں اس کو بوسہ دینے لگے اور فوراً حلقہ بگوش اسلام بن گئے۔ بحیرا راہب کے قصہ میں بھی موجود ہے کہ اس نے کہا "انی اعرفه بخاتم النبوة" میں خاتم نبوت کی وجہ سے آپ کو پہچانتا ہوں۔ غرض علماء اہل کتاب کے نزدیک نبی منتظر کی یہ ایک بڑی علامت تھی۔ زرقانی شرح مواہب۔

قرآن کریم سے معلوم ہوتا ہے کہ قیامت کا عقیدہ ہر رسول کی دعوت کا جزو اہم رہا ہے اس لیے قیاس چاہتا ہے کہ جس رسول کے زمانہ سے قیامت کی آمد قریب ہے اس کو تذکرہ بھی ان کا فرض منصبی رہا ہوگا۔ گویا ختم نبوۃ کا عقیدہ قیامت کے عقیدہ کے دوش بدوش ہمیشہ تعلیم دیا گیا ہے۔ شفاء قاضی عیاض اور کنز العمال میں ایک ضعیف اسناد کے ساتھ مروی ہے کہ خدا کے سب رسولوں نے خاتم الانبیاء کی آمد کی بشارت سنائی ہے۔ حافظ ابن کثیرؒ فرماتے ہیں۔

وقد اخبر الله تبارک وتعالی فی کتابه ورسوله صلی الله علیه وسلم فی السنة المتواترة عنه انه لا نبی بعده لیعلموا ان کل من ادعی هذا المقام فهو کذاب، افاک، دجال، ضال۔

اللہ تعالیٰ نے اپنی کتاب میں اور اس کے رسول نے احادیث متواترہ میں ختم نبوت کا اعلان اس لیے فرمایا ہے تاکہ معلوم ہو جائے کہ جو شخص اب اس منصب کا دعویٰ کرے گا وہ جھوٹا، افتراء پرداز، دجال اور پرلے درجہ کا گمراہ ہوگا۔

علماء محققین لکھتے ہیں کہ ختم نبوت کے اعلان میں ایک حکمت یہ بھی ہے کہ دنیا متنبہ ہو جائے کہ اب یہ پیغمبر آخری پیغمبر ہے

اور یہ دین آخری دین ہے جس کو جو حاصل کرنا ہے کر لے۔ اس کے بعد دنیا کی یہ پینٹھ اجڑنے والی ہے جیسا شام کے وقت ایک دکاندار اعلان کرتا ہے کہ میں اب دکان بڑھاتا ہوں جسے جو سودا لینا ہے لے لے یا جیسا ایک معلم بوقت رخصت آخری ابلاغ دیتا ہے اور کہتا ہے کہ میری تم سے اب یہ آخری ملاقات ہے جو کہتا ہوں خوب غور سے سن لو۔ اسی طرح خالق زمین و زماں کو جو آخری ہدایات دینا تھیں وہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی معرفت دے دیں اور اعلان کر دیا کہ اب یہ رسول آخری رسول ہے ایمانیات، اخلاقیات، معیشت، تمدن کے سب اصول مکمل کر دیے گئے اس لیے یہ دین آخری دین ہے جسے جو عمل کرنا ہے کر لے۔ حیلہ و حجت کا وقت نہیں رہا، بحث و جدل کی بجائے عمل کی فرصت نکالنی چاہیے وقت تھوڑا رہ گیا ہے اور حساب کی ذمہ داری سر پر ہے۔

اب نہ کوئی رسول آنے کا نہ نبی، نہ تشریعی نہ غیر تشریعی، نہ ظلی نہ بروزی مگر اس معنی سے نہیں کہ آنحضرت نفوس انسانیہ کو کمال و تکمیل سے محروم کر دیا گیا ہے۔ بلکہ اس معنی سے کہ اب یہ منصب ہی ختم ہو گیا ہے پہلے عالم کی عمر میں بہت وسعت تھی اور اس منصب پر تقرری کی گنجائش بھی کافی تھی اس لیے انبیاء علیہم السلام برابر آتے رہے اب دنیا کی عمر اتنی باقی نہیں رہی کہ اس میں اور تقرری کی گنجائش ہوتی اس لیے اس کے خاتمہ پر آپ کو بھیج کر یہ اعلان کر دیا گیا ہے کہ اب نبی نہیں آئیں گے، قیامت آئے گی۔

چونکہ سنت الٰہیہ یہ ہے کہ جب وہ کسی چیز کو ختم فرمانے کا ارادہ کرتا ہے تو کامل ہی ختم کرتا ہے ناقص ختم نہیں کرتا۔ نبوت بھی اب اپنے کمال کو پہنچ چکی تھی اس لیے مقدر یوں ہوا کہ اس کو بھی ختم کر دیا جائے اگر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد نبوت جاری ہو تو لازم آئے گا کہ اس کا خاتمہ نقصان پر ہو ظاہر ہے کہ ایک نہ ایک دن عالم کا خاتمہ ضروری ہے اس سے قبل کسی نہ کسی نبی کا آخری نبی ہونا بھی عقلاً لازم ہے اب اگر وہ آپ سے زیادہ کامل ہو تو اس کے لیے اسلامی عقیدہ میں گنجائش نہیں اور اگر ناقص ہو تو نبوت کا خاتمہ نقصان پر تسلیم کرنا لازم ہوگا۔

اس کی تفصیل یہ ہے کہ جب تم فطرت عالم پر غور کرو گے تو تم کو ہر شے میں ایک حرکت نظر آئے گی۔ ہر حرکت ایک ارتقاء اور کمال کی متلاشی ہوتی ہے۔ پھر ایک حد پر پہنچ کر یہ حرکت ختم ہو جاتی ہے اور جہاں ختم ہوتی ہے وہی اس کا نقطہ کمال کہا جاتا ہے۔ انواع پر نظر ڈالئے تو جمادات سے نباتات اور نباتات سے حیوانات پھر حیوانات سے انسان کی طرف ایک ارتقائی حرکت نظر آ رہی ہے مگر انسان پر پہنچ کر یہ ارتقائی حرکت ختم ہو جاتی ہے اس لیے کہا جاتا ہے کہ انسان تمام انواع میں کامل تر نوع ہے خود انسان کی حقیقت پر اگر غور کیا جائے تو وہ بھی نطفہ سے متحرک ہو کر رحم و علقہ و مضغہ کے قالب طے کرتا ہوا خلق آخر پر جا کر ٹھہر جاتا ہے اور اسی کو اس کی استعداد فطرت کا آخری کمال کہا جاتا ہے پیدا ہونے کے بعد اس کے اعضاء میں پھر ایک حرکت اور ایک نشوونما نظر آتا ہے وہ دور شباب پر جا کر ختم ہو جاتا ہے اور اسی کو اس کا زمانہ کمال کہا جاتا ہے نباتات و اشجار کو دیکھئے تو وہ بھی ایک چھوٹی سی گٹھلی سے حرکت کرتے کرتے ایک تناور درخت بن جاتے ہیں۔ آخر کار اس پر پھل نمودار ہوتے ہیں اور جب پھل نمودار ہو جاتے ہیں تو یہ اس کا کمال سمجھا جاتا ہے اس کمال پر پہنچ کر درخت کا ایک دور حیات ختم ہوتا ہے آئندہ اپنے اور حیات کے لیے پھر اس کو بہت سے انہیں ادوار کو دہرانا پڑتا ہے جن میں گزر کر وہ اس منزل تک پہنچا تھا۔ جبھی موسم خزاں آتا ہے اور اس کے ایک دور حیات کو ختم کر جاتا ہے۔ اگر قدرت کو اس کی پھر نشاۃ ثانیہ منظور نہ ہوتی تو وہ یونہی سوکھ کر ختم ہو گیا ہوتا مگر چونکہ اس کو ابھی باقی رکھنا منظور ہوتا ہے اس لیے پھر اسے وہی سبز سبز پتیاں، وہی ہری ہری لچک دار ڈالیاں مل جاتی ہیں، پھر اس پر پھول آتے ہیں اور آخر میں پھر پھل نمودار ہو جاتے

تب اسی طرح جب تک یہ درخت موجود رہتا ہے اپنے ارتقائی مدارج کو ایک سرے سے لے کر دوسرے سرے تک دہرایا کرتا ہے۔ جو درخت اپنی ابتدائی کڑیوں کو پھر نہیں دہراتے وہ ایک مرتبہ پھل دے کر اپنی زندگی ختم کر دیتے ہیں جیسے کیلے کا درخت۔

اگر یہ صحیح ہے تو عالم نبوۃ میں بھی ایک تدریج نمایاں ہے حضرت آدم علیہ السلام سے لے کر تمام شریعتوں پر نظر ڈالیے تو آپ کو معلوم ہوگا کہ تمام نبوتیں کسی ایک کمال کی جانب متحرک ہیں۔ ہر پچھلی شریعت پہلی سے نسبۃً ارتقائی شکل میں نظر آتی ہے اس لیے اس طبعی اصول کے مطابق ضروری ہے کہ یہ حرکت بھی کسی نقطہ پر جا کر ختم ہو جس کو اس کا کمال کہا جائے لیکن جب خود نبوۃ ہمارے ادراک سے بالاتر حقیقت ہے تو اس کے آخری نقطۂ کمال کا ادراک بدرجۂ اولیٰ ہماری پرواز سے باہر ہونا چاہیے اس لیے ضروری ہوا کہ قدرت خود ہی اس کا تکفل فرمائے اور خود ہی اس کا اعلان کر دے کہ نبوت کا ارتقاء جہاں ختم ہوا ہے وہ مرکزی اور کامل ہستی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی مبارک ہستی ہے اسی لیے ... قرآن کریم میں وَلٰكِنْ رَّسُولَ اللّٰهِ وَخَاتَمَ النَّبِيّٖنَ کے بعد فرمایا ہے وَكَانَ اللّٰهُ بِكُلِّ شَيْءٍ عَلِيْمًا یعنی اللہ تعالیٰ ہی کو ہر چیز کا علم ہے وہی یہ جانتا ہے کہ نبیوں میں خاتم النبیین اور آخری کون ہے یہ بات تمہاری دریافت سے باہر ہے کہ تم معلوم کر سکو کہ اس کے رسولوں کی مجموعی تعداد کتنی ہے ان میں اول کون ہے اور آخر کون۔ مگر اسے عالم کا بقاء اور منظور ہوتا تو شاید وہ آپ کی آمد کو بھی کچھ دن کے لیے اور مؤخر کر دیتا لیکن چونکہ دنیا کی اجل مقدر پوری ہو چکی تھی اس لیے ضروری تھا کہ نبوت کی آخری اینٹ بھی لگا دی جائے اور اعلان کر دیا جائے کہ دنیا کی عمر کے ساتھ ساتھ قصر نبوۃ کی بھی تکمیل ہو گئی ہے۔ نبوت نے اپنا مقصد پا لیا ہے۔ آپ کے بعد اب کوئی رسول نہیں آئے گا کیونکہ اگر کوئی رسول آئے تو وہ آپ سے افضل ہوگا یا مفضول۔ اگر افضل ہو تو تسلیم کرنا پڑے گا کہ نبوت نے ابھی تک اپنے اس کمال کو نہیں پایا جس کے لیے وہ متحرک ہوئی تھی اور اگر مفضول ہو تو کمال کے بعد پھر یہ نزولی حرکت اسی وقت مناسب ہو سکتی ہے جب کہ عالم کی بہار ختم اور خزاں تسلیم کی جائے۔ قرآن کریم سے ثابت ہے کہ نبوت اب اپنے ارتقائی کمال کو پہنچ چکی ہے اب کوئی اور کمال منتظر اس کے لیے باقی نہیں رہا اس لیے اس فطری اصول کے مطابق اسے ختم ہو جانا چاہیے۔

اَلْيَوْمَ اَكْمَلْتُ لَكُمْ دِيْنَكُمْ وَاَتْمَمْتُ عَلَيْكُمْ نِعْمَتِيْ وَرَضِيْتُ لَكُمُ الْاِسْلَامَ دِيْنًا (المائدہ: ۳) یعنی تمہارا دین کمال کو پہنچ چکا ہے اب ناقص نہ ہوگا۔ خدا کی نعمت پوری ہو چکی ہے اب آئندہ اس سے زیادہ اسکے تمام کی توقع غلط ہے اور تمہارے رب نے اب ہمیشہ کے لیے دین اسلام کو پسند کر لیا ہے اس لیے کوئی دین اس کا ناسخ بھی نہیں آئے گا۔ عربی زبان میں کمال و تمام دونوں لفظ نقصان کے مقابل ہیں ان میں فرق یہ ہے کہ کمال اوصاف خارجیہ کے نقصان کے مقابلہ میں بولا جاتا ہے اور تمام اجزاء کے مقابلے مثلاً اگر انسان کا ایک ہاتھ نہ ہو تو وہ ناقص ہے یعنی ناتمام انسان کہا جائے گا۔ خواہ کتنا ہی حسین کیوں نہ ہو اور اگر اس کے اعضاء پورے ہیں مگر صورت اچھی نہیں۔ اخلاق درست نہیں خصائل زشت و ناہموار ہیں تو اس کو بجائے ناتمام کے ناکمل انسان کہا جائے گا۔ آیت ہذا میں یہاں دونوں لفظوں کو جمع کر کے یہ بتلا دیا گیا ہے کہ دین اسلام اب ہر پہلو سے مکمل ہو چکا ہے نہ اس میں اجزاء کا نقصان باقی ہے نہ اوصاف کا۔ اس لیے اب اس کی حرکت ارتقائی ختم ہو گئی ہے۔ اس سے یہ بھی ظاہر ہو گیا کہ آپ کا آخری نبی ہونا صرف ایک تاخر زمانی نہیں ہے۔ کسی شخصیت کا صرف آخر میں آنا فضیلت کی کوئی دلیل نہیں ہوتی بلکہ [illegible] چونکہ یہ ہے کہ ہر شے کا خاتمہ

کمال پر کیا جائے اس لیے یہاں آپ کا آخر میں آنا آپ کے انتہائی کمال کی دلیل ہے۔ اسی حقیقت کو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے قصر نبوت سے ایک تشبیہ دے کر واضح فرما دیا تھا۔ یہود کو جب خدا کے اس اکمال و اتمام کی خبر پہنچی تو ان سے رہا نہ گیا اور انھوں نے ازراہ حسد کہا اے عمرؓ اگر یہی آیت ہمارے حق میں اتری ہوتی تو اس دن کو عید کا دن بنا لیتے۔ حافظ ابن کثیرؒ فرماتے ہیں۔

هذه اكبر نعم الله على هذه الامة حيث اكمل تعالى لهم دينهم فلا يحتاجون الى دين غيره ولا الى نبي غير نبيهم صلوات الله وسلامه عليه ولهذا جعله خاتم الانبياء وبعثه الى الجن والانس.

اللہ تعالیٰ کا اس امت پر یہ بہت بڑا انعام ہے کہ اس نے اس امت کا دین کامل کر دیا ہے کہ اب اسے نہ کسی اور دین کی ضرورت رہی نہ کسی اور نبی کی۔ اسی لیے آپ کو خاتم النبیین بنایا ہے اور انسان و جن سب کے لیے رسول بنا کر بھیجا ہے۔

معلوم ہوا کہ ختم نبوت دینی ارتقا اور خدائے تعالیٰ کے انتہائی انعام کا اقتضا ہے اور وہ کمال ہے کہ اس سے بڑھ کر امت کے لیے کوئی اور کمال نہیں ہو سکتا تھا کہ یہود کو بھی ہمارے اس کمال پر حسد ہے۔ پھر حیرت ہے کہ ایسے عظیم الشان کمال کو نقص و محرومی سے کیسے تعبیر کیا جا سکتا ہے۔

حقیقت یہ ہے کہ ختم نبوت کا صحیح مفہوم سمجھنے ہی میں چند غلط فہمیاں پیدا ہو گئی ہیں۔ شاید اس کا مفہوم یہ سمجھا گیا ہے کہ نبوت پچھلی امتوں کے لیے ولایت و صدیقیت کی طرح ایک ممکن الحصول کمال تھا۔ اب یہ امت دوسرے اور مراتب تو حاصل کر سکتی ہے مگر کمال نبوت کو حاصل نہیں کر سکتی۔ یہ سخت غلط فہمی اور حقیقت نبوت سے قطعی جہالت کی دلیل ہے۔ نبوت ان کمالات کی قسم نہیں ہے جو ریاضات و مجاہدات کے صلہ میں بطور معاوضہ کسی وقت بھی بخشا گیا ہو بلکہ ایک الٰہی منصب ہے جس کا تعلق تکوینی ضرورت اور براہ راست خدائے تعالیٰ کی صفت اجتبا و اصطفا کے ساتھ ہے وہ جسے چاہتا ہے اس منصب کے لیے چن لیتا ہے۔ اگر نبوت ان کمالات میں ہوتی جو مجاہدات و ریاضات، پاک بازی و حسن نیت کے صلہ میں انعامی طور پر ملتے ہیں تو یقیناً اس کے لیے سب سے موافق زمانہ خود نبی کی موجودگی کا زمانہ ہوتا کیونکہ یہی عملی جد و جہد، اتباع شریعت کا سچا جذبہ خود اس کے زمانہ میں ہوتا ہے اس کے بعد نہیں ہوتا مگر نبوت کی تاریخ اس کے برخلاف ہے یعنی جب خدائے تعالیٰ کی زمین شر و فساد، طغیان و سرکشی، تکبر و تمرد سے بھر گئی ہے۔ صلاح و تقویٰ کا تخم نابود ہو گیا ہے، رشد و ہدایت کے آثار محو ہو گئے ہیں۔ وہی انبیاء کی آمد کا سب سے زیادہ موزوں زمانہ سمجھا گیا ہے۔ کیا اس سے یہ نتیجہ نکالنا آسان نہیں کہ نبوت وہ انعام نہیں ہے جو ولایت و صدیقیت کی طرح امتوں میں تقسیم کی جائے بلکہ دنیا کے انتہائی دورِ ضلالت میں خدائی صفت ہدایت کا ذاتی اقتضا ہے۔ ذاتی اقتضا سے ہمارا مطلب یہ ہے کہ یہاں اسباب و ماحول کی مساعدت و نامساعدت کا کوئی دخل نہیں۔ نبوت کا ماحول تو چاہتا ہے کہ خدائی رحمت کی بجائے خدا کا قہر ٹوٹے مگر اللہ تعالیٰ کے اسماء حسنیٰ میں ایک اسم ہادی بھی ہے یہ اس کا اقتضا ہے کہ جب ملک کا ملک اور قوم کی قوم اس کا راستہ گم کر دے اور بھولے سے نہیں بلکہ شرارت و شیطنت کی بنا پر تو وہ اپنی طرف سے پھر ان کی ہدایت کے لیے ایک دروازہ کھول دے۔

حضرت موسیٰ علیہ السلام کو جب منصب رسالت سے سرفراز کیا گیا ان کا زمانہ انسانی کمالات کے عروج و ارتقا کا زمانہ نہ تھا بلکہ دنیا فطری پستی، دنائت و خست، اور احسان فراموشی کے اس تاریک گڑھے میں پڑی ہوئی تھی کہ ایک کافر انسان کو خدائی کا دعویٰ کرتے بھی شرم نہ آتی تھی۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام کو یہ خیال بھی نہ تھا کہ انھیں اس دعویٰ کے ابطال کے لیے مامور کیا جائے

گ۔ اچانک کوہِ طور کے ایک گوشے سے رحمتِ نبوت کے بادل اٹھے اور حقیقت موسویہ پر اس طرح برسے کہ دم کے دم میں موسیٰ بن عمران حضرت موسیٰ کلیم اللہ بن گئے۔ بیوی کے لئے آگ لینے کی فکر میں آئے تھے اور سب بھول بھال کر اب آتشِ کفر بجھانے کی فکر میں جا رہے ہیں۔ اس مدعی الوہیت (خدائی کے دعویٰ کرنے والے) کا مقابلہ کرنا ہے جس کے پاس سلطنت کی ساری مادی طاقتیں جمع ہیں اور اپنے پاس قوتِ بیان بھی ناقص ہے۔ اس لیے دبے لہجے میں فرماتے ہیں:

رَبِّ اشْرَحْ لِي صَدْرِي ۝ وَيَسِّرْ لِي أَمْرِي ۝ وَاحْلُلْ عُقْدَةً مِّن لِّسَانِي ۝ يَفْقَهُوا قَوْلِي ۝
وَاجْعَل لِّي وَزِيرًا مِّنْ أَهْلِي ۝ هَارُونَ أَخِي ۝ اشْدُدْ بِهِ أَزْرِي ۝ وَأَشْرِكْهُ فِي أَمْرِي (طٰہٰ: ۲۵-۳۲)

دوسری جگہ سورۃ القصص میں فرمایا:

وَأَخِي هَارُونُ هُوَ أَفْصَحُ مِنِّي لِسَانًا فَأَرْسِلْهُ مَعِيَ رِدْءًا يُصَدِّقُنِي ۖ إِنِّي أَخَافُ أَن يُكَذِّبُونِ (القصص: ۳۴)

ان دعاؤں کا حاصل یہ ہے کہ اے اللہ میرا سینہ کشادہ فرما اور مجھے ایسا حوصلہ مند بنا دے کہ خلافِ طبع معاملات کو خندہ پیشانی سے برداشت کر سکوں اور میرے لیے ایسے سامان فراہم کر کہ یہ عظیم الشان خدمت آسان ہو جائے اور لڑکپن میں زبان جل جانے کی وجہ سے میری گفتگو میں جو لکنت پیدا ہو گئی ہے اس کو دور فرما کہ وہ میری بات تو سمجھ لیں اور میرے گھر میں میرے بھائی کو میرا معین بنا دے کہ وہ میرا کام بٹائیں اور ان کی وجہ سے مجھے سہارا بھی رہے۔ سورۂ قصص میں اس کی تفصیل اور ہے کہ میرے بھائی مجھ سے زیادہ فصیح اللسان ہیں انہیں میرے ہمراہ کر دے تا کہ وہ میری اعانت میں میری تصدیق کرتے رہیں مجھے اندیشہ ہے کہ میرے پہلے معاملات کی وجہ سے کہیں وہ سب میری تکذیب نہ کر دیں اس وقت کم از کم ایک ایسا شخص تو میرے ساتھ ہو جو میری تصدیق کر دے اور اگر مناظرہ کی نوبت آ جائے تو ان سے مناظرہ بھی کر لے۔

اس دعاء سے اس پر کافی روشنی پڑتی ہے کہ نبوت کو ان کمالات میں سمجھ لینا جو پہلی امتوں کو کسی عبادت و ریاضت کے صلہ میں یا انعام کے طور پر تقسیم کیے گئے ہیں سخت غلط فہمی ہے بلکہ یہ صرف بشری ضرورتوں کی تکمیل کا ایک منصب ہے جس میں قدرت اس کی صلاحیت پیدا کرتی ہے اسی کو اس منصب کے لئے منتخب کر لیتی ہے یہی وجہ ہے کہ حضرت موسیٰ نے اپنی درخواست میں یہاں حضرت ہارون کی کسی ایسی جد و جہد کا ذکر نہیں کیا جو ان کی نبوت کی سفارش کر سکتی بلکہ ان صلاحیتوں کا ذکر کیا ہے جو اس منصب کیلئے درکار تھیں۔

حضرت موسیٰ علیہ السلام کے دور کے بعد ذرا اور آگے چلیں تو پھر ضلالت و ہدایت میں یہی کشمکش نظر آتی ہے کبھی ضلالت کے اندھیرے ہدایت کی شمعوں کو گل کر دیتے تھے کبھی نورِ ہدایت کفر کی تاریکیوں کے ٹکڑے کر ڈالتا تھا حتیٰ کہ دنیا کے آخری دور میں پھر ضلالت کا ابرِ محیط تھا اور اس شان سے اٹھا کر تمام کرۂ ارض پر تاریکی چھا گئی کوئی خطہ نہ رہا جہاں آفتابِ ہدایت کی کوئی معمولی کرن بھی چمکتی۔ عالم کا وہ مرکزی نقطہ بھی جس کو ام القریٰ کہا جاتا تھا تیرہ و تاریک ہو گیا اور خانۂ خدا پر کفر کا پرچم لہرانے لگا تو اس عالم گمراہی کے ماحول میں اسم ہادی کا پھر تقاضا ہوا کہ اس کے مقابلہ کے لیے ایسی ہی عام ہدایت بھیجے جو خطہ و ملک اور قوم و زمان کی قید سے آزاد ہو۔ وہ ہدایت بصورت محمد صلی اللہ علیہ وسلم دنیا میں ظاہر ہوئی اور تھوڑے ہی عرصہ میں کفر نے شکست کھائی، کفر کا پھریرا اتار کر پھینک دیا گیا اور اس کی جگہ خدائی نصرت و فتح کا جھنڈا نصب کر دیا گیا اور یہ اعلان کر دیا گیا کہ اب کفر

ہمیشہ کے لیے شکست کھا چکا ہے اب کبھی نہیں ہوگا کہ کلمہ توحید مٹ جائے اور ہدایت کے آثار و نشانات اس طرح تباہ و برباد ہو جائیں کہ خدا کی زمین پھر کسی نبی کو پکارنے لگے۔ مکہ مکرمہ اب اسلامی دارالسلطنت بن گیا ہے اور اسی لیے اب یہاں سے ہجرت کرنا منسوخ ہو گیا ہے شیطان جو سرچشمہ کفر تھا اب مایوس ہو گیا ہے کہ مصلین جزیرۂ عرب میں اس کی عبادت کریں گے۔ دین اسلام کامل ہو چکا ہے اس کی روشنی اقصائے عالم میں پھیل چکی ہے خدائی نعمت پوری ہونے میں کوئی کسر باقی نہیں رہی اور ہمیشہ کے لیے ایک اسلام ہی پسندیدہ دین ٹھہر چکا ہے اس لیے آئندہ نہ گمراہی اتنا تسلط حاصل کر سکتی ہے کہ ہدایت کا خاتمہ کر دے اس کے تمام چشمے خشک ہو جائیں۔ اس کی ایک کرن بھی چمکتی نہ رہے اور نہ اس لیے کسی رسول کے آنے کی ضرورت باقی ہے۔ پھر ختم نبوت در حقیقت اس کا اعلان ہے کہ نور نبوت اب تمام عالم کو اس طرح روشن کر چکا ہے کہ کفر تا قیامت سر پٹکے مگر وہ اس کے بجھائے بجھ نہیں سکتا۔ خدا کا اقرار، اس کے صفات کی معرفت غیب کا یقین، مجموعہ عالم کا اس طرح جزو بن گیا ہے کہ اگر کہیں اس مرتبہ پھر یہ معرفت ختم ہو گئی تو اس کے ساتھ ہی عالم کی روح بھی نکل جائے گی فضاء عالم میں بیماریاں پھیلیں اور صحت عامہ کو خطرہ میں ڈال دیں پھر کوئی ڈاکٹر نہ ہے شفا خانہ نہ ہو تو یقیناً یہ ایک بڑی مصیبت ہے لیکن اگر کسی ملک کی آب و ہوا ہی صاف ہو وہاں کے باشندے شفا خانے اور ڈاکٹر کے محتاج ہی نہ ہوں تو بتلاؤ کہ یہاں بھی کسی شفا خانہ کے قیام کی حاجت ہے؟ کیا ایسی صحت و تندرستی کے ماحول میں بیماروں کے قیام کے لیے مکانات ڈاکٹروں اور شفا خانوں کا وجود حقائی ضروریات میں داخل سمجھا جائے گا اور اگر یہ بھی فرض کر لو کہ اس خطہ کے باشندوں کو علم طب کی باضابطہ تعلیم دی گئی ہو تو کیا یہ شکوہ بجا ہوگا کہ جس طرح فلاں ملک کے لیے ڈاکٹر مقرر کر کے بھیجا گیا ہے ہمارے لیے بھی اسی طرح ڈاکٹر کیوں نہیں بھیجا گیا۔

لَقَدْ مَنَّ اللّٰهُ عَلَى الْمُؤْمِنِيْنَ اِذْ بَعَثَ فِيْهِمْ رَسُوْلًا مِّنْ اَنْفُسِهِمْ يَتْلُوْا عَلَيْهِمْ اٰيٰتِهٖ وَيُزَكِّيْهِمْ وَيُعَلِّمُهُمُ الْكِتٰبَ وَالْحِكْمَةَ وَاِنْ كَانُوْا مِنْ قَبْلُ لَفِيْ ضَلٰلٍ مُّبِيْنٍ. (آل عمران: ۱۶۴)

یعنی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اس عام گمراہی کے بعد تشریف لا کر صرف خدائی آیات پڑھ کر ہی نہیں سنائیں بلکہ اس کو سمجھا بھی دیا اور اس پر پریکٹیکل طور سے عمل بھی کرا دیا ہے۔ اس لیے اب آپ کی اس ہمہ گیر تعلیم کے بعد اول تو یہ ممکن ہی نہیں کہ جراثیم کفر اس طرح غالب آ جائیں کہ عالم کی صحت عامہ کسی بیرونی ڈاکٹر کی محتاج ہو جائے دوم ان کو اس حد تک اصول طب کی تعلیم بھی دے دی گئی ہے کہ اگر کہیں کفر سر نکالے تو اس کا آنی علاج وہ خود کر سکتے ہیں۔ اگر اس پر وہ کاربند نہ ہوں تو یہ ان کا قصور رہے گا۔ لیکن یہ بڑی غلط فہمی ہے کہ ختم نبوت کو کمالات کے ختم کے ہم معنی سمجھ لیا گیا ہے۔ ہمارے اس بیان سے روشن ہو گیا کہ نبوۃ کا ختم ہونا تو خدائی نعمت کے اتمام اور دین کے انتہائی ارتقاء و عروج کی دلیل ہے۔ البتہ کمالات و برکات کا خاتمہ بلاشبہ محرومی اور بڑی محرومی ہے مگر یہ روایات سے ثابت ہے کہ امت مرحومہ کے کمالات تمام امتوں سے زیادہ ہیں اور اتنے زیادہ ہیں کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام جیسے نبی کو بھی اس امت کے کمالات پر رشک کرتا ہو سکتی ہے کہ وہ بھی اس امت کے ایک فرد ہوتے۔

خفاجی نسیم الریاض کی شرح میں حضرت انسؓ سے ایک روایت نقل کرتے ہیں۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اللہ تعالیٰ نے حضرت موسیٰ علیہ السلام پر وحی بھیجی کہ جو شخص احمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کا انکار کر کے میرے پاس آئے گا میں اسے دوزخ میں ڈالوں

کہ انہوں نے عرض کیا یا احمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کون ہیں؟ ارشاد ہوا وہ ایسے ہیں جن سے زیادہ مجھے اپنی مخلوق میں کوئی عزیز نہیں۔ زمین و آسمان سے قبل ہی میں نے ان کا نام اپنے نام کے ساتھ ساتھ عرش پر لکھ دیا تھا اور یہ بات طے کر دی تھی کہ جب تک وہ اور ان کی امت جنت میں داخل نہ ہو لیں کوئی اور جنت میں داخل نہیں ہو سکے گا۔ موسیٰ علیہ السلام نے اس امت کے اوصاف پوچھے۔ ارشاد ہوا کہ وہ امت ہر وقت ہماری تعریف کرے گی بلندی پر چڑھے گی تو تعریف کرتی ہوئی پستی میں اترے گی تو تعریف کرتی ہوئی غرض ہر حال میں ہماری حمد و ثنا کرے گی۔ اپنی کمریں باندھنے والی اپنے اعضاء دھونے والی، دن کی روشنی میں شیر کی طرح (بہادر) اور رات کی تاریکیوں میں درویش صفت ہوگی۔ ان کا تھوڑا سا عمل میں قبول کروں گا اور کلمہ شہادت پر انہیں جنت میں داخل کروں گا۔ موسیٰ علیہ السلام نے فرمایا اے اللہ تو مجھے اسی امت کا نبی بنا دے۔ ارشاد ہوا کہ اس کا نبی تو خود ان ہی میں سے ہوگا۔ عرض کیا اچھا تو پھر اس نبی کی امت ہی میں بنا دے۔ ارشاد ہوا کہ تم ان سے پہلے ہو وہ تمہارے بعد آئیں گے البتہ میں اپنے دار جنان میں تمہیں ان کے ساتھ جمع کروں گا۔ (خفاجی فرماتے ہیں رواہ ابو نعیم فی الحلیۃ وورد معناہ من طرق کثیرۃ کما فی الخصائص (نسیم الریاض ج ۲ ص ۳۰)

مسند ابوداؤد طیالسی واحمد وابویعلیٰ میں ہے۔ کادت ھذہ الامۃ ان تکون انبیاء کلھا۔

یہ امت مجموعی اعتبار سے بلحاظ کمالات انبیاء ہونے کے قریب ہے۔

شیخ جلال الدین سیوطیؒ نے اسی مضمون کو بحوالہ تورات و انجیل کعب احبار سے نقل کیا ہے۔ کنز العمال میں اسی کے ہم معنی روایت آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے بھی مروی ہے۔ جامع ترمذی میں حضرت عمرؓ کے متعلق آپ پڑھ ہی چکے ہیں اگر نبوت باقی ہوتی تو ان کو اس منصب پر فائز کر دیا جاتا۔ مبشرات، الہام، تحدیث مع الملائکہ، تعلیم و تزکیۂ امت، بدعت اور تحریف فی الدین کی اصلاح حتیٰ کہ خلافت حقہ تک تمام یہ سب اس امت کے مناصب و کمالات میں داخل ہیں۔ کتاب اللہ کی حفاظت، دین کی تکمیل، ایک ایسی مضبوط جماعت کا بقا جو ہمیشہ جادۂ مستقیم پر قائم رہنے والی ہو اور حسب ضرورت ایسے افراد و جماعات کی بعثت جو پوری ذمہ داری کے ساتھ تحریفات کی اصلاح کرتی رہیں ان سب امور کا خود قدرت ایزدی تکفل فرما چکی ہے۔ آپ ہی سوچیے کہ اس کے بعد اب کون سا کمال باقی ہے جو پہلی امتوں میں تھا اور اس امت میں نہیں ہے اور جس کے لیے نبوت کی ضرورت ہے بلکہ صحیح بخاری کی حدیث میں تو یہ ہے کہ سیاست امت کی جو خدمت پہلے انبیاء علیہم السلام انجام دیا کرتے تھے اب وہ خدمات اس امت کے خلفاء انجام دیا کریں گے۔ پس پہلی امتوں کا ایسا کوئی کمال نہیں ہے جو اس امت کو نہ ملا ہو۔ ہاں اس امت کے بہت سے ایسے خصائص ہیں جن سے پہلی امتیں محروم ہیں۔

دوسرا مغالطہ یہ ہے کہ ختم نبوت کا مطلب یہ سمجھ لیا گیا ہے کہ نبوت کی بندش گویا ختم نبوت کی وجہ سے ہوئی ہے اگر آپ تشریف نہ لاتے تو شاید کچھ اور افراد کو نبوت مل جاتی۔ یہ بھی انتہائی جہل ہے خاتم النبیین کا صحیح مفہوم یہ ہے کہ سلسلہ انبیاء علیہم السلام میں آپ سب سے آخری نبی ہیں اس لیے آپ کی آمد ہی اس وقت ہوئی ہے جب کہ انبیاء علیہم السلام کا ایک ایک فرد آ چکا تھا اس لیے آپ کی آمد نے نبوت کو بند نہیں کیا بلکہ جب نبوت ختم ہو گئی ہے تو اس کی دلیل یہی کہ آپ تشریف لائے ہیں اور اسی معنی سے آپ کو خاتم النبیین کہا گیا ہے۔ اگر علم ازلی میں کچھ اور افراد کے لیے نبوت مقدر ہوتی تو یقیناً آپ کی آمد کا زمانہ بھی ابھی اور متاخر ہو جاتا۔ آپ کا لقب خاتم النبیین اسی وقت واقع کے مطابق ہو سکتا ہے جب کہ آپ کے بعد کوئی نبی نہ آئے اگر

آپ کے بعد بھی کوئی نبی آتا ہے تو آپ کو آخری نبی کہنا ایسا ہی ہوگا جیسا درمیانی اولاد کو آخری اولاد کہنا۔ آپ پہلے پڑھ چکے ہیں کہ حضرت آدم علیہ السلام خدا کے پہلے رسول تھے، پس جس طرح ان سے پہلے کوئی رسول نہ تھا نہ ظلی نہ بروزی، اسی طرح آپ آخر النبیین ہیں آپ کے بعد بھی نہ کوئی ظلی نبی ہونا چاہیے نہ بروزی۔

تیسری غلطی یہاں سب سے زیادہ فاحش یہ ہے کہ اس پر غور ہی نہیں کیا گیا کہ پہلے ایک نبی کے بعد دوسرا نبی کیوں آتا تھا اس کی وجہ یہ ہے کہ پہلی نبوتیں خاص قوم اور خاص زمانہ کے لیے ہوتی تھیں اس لیے ہر نبی کے بعد لامحالہ دوسرے نبی کی ضرورت باقی رہتی تھی لیکن جب وہ نبی آ گیا جس کی نبوت کسی خطہ، کسی قوم اور کسی زمانہ کے ساتھ مقید نہیں تو اب اس کے بعد نبوت کا سوال ایسا ہی ہے جیسا کہ اس کی موجودگی کے زمانہ میں، اگر اس وقت یہ سوال بجا تھا تو اب بھی بجا ہے اور اگر اس وقت نامعقول تھا تو اب بھی نامعقول ہے۔ یہاں ذہن اس طرف جاتا ہی نہیں کہ آپ کا دورِ نبوت دوسرے انبیاء علیہم السلام کی طرح ختم نہیں ہوا۔ پس درحقیقت نبوت تو اب بھی باقی ہے اور وہ نبوت باقی ہے جو تمام نبوتوں سے کامل تر ہے۔ ہاں نبی کوئی اور باقی نہیں رہا۔ عجب بات ہے کہ یہاں بقاء نبوت ہی ختم نبوت کو مستلزم ہے یعنی آپ کی نبوت کا بقاء اس کو مستلزم ہے کہ کوئی اور نبی نہ ہو۔ ناسمجھ الٹا یہ سمجھتے ہیں کہ آپ کی ختم نبوت دوسروں کی نبوت کے بقاء کو مستلزم ہے یہ اس وقت تو معقول ہوتا جب کہ دوسرے انبیاء علیہم السلام کی طرح آپ کی نبوت بھی ختم ہو جاتی لیکن جب آپ ہی کی نبوت باقی ہے تو اب جدید نبوت کا سوال خود بخود ختم ہو جاتا ہے اللہ تعالیٰ نے آپ کو صرف خاتم النبیین نہیں بنایا بلکہ رحمۃ للعالمین بھی بنایا ہے اس کا مطلب یہ تھا کہ اب خاتم بذات خود تمام جہان کے لیے رحمت بن کر آ گیا ہے۔ اتنی بڑی رحمت کہ اس کے بعد کسی اور رحمت کی ضرورت باقی نہیں رہی۔ آج تک ہر رسول کے بعد دوسرے رسول کے انکار سے کفر کا خطرہ لگا رہتا تھا خاتم النبیین کی آمد سے یہ کتنی بڑی رحمت ہوئی کہ اس راہ سے اب کفر کا کوئی خطرہ باقی نہیں رہا نہ کسی اور رسول کے آنے کا امکان ہے نہ کسی کے انکار سے کفر کا اندیشہ باقی ہے۔ پہلے ہر امت کی داستان اطاعت و عصیان دوسری امتوں کے سامنے رکھی جاتی تھی مگر اس امت مرحومہ کی داستان عمل اب کسی امت کے سامنے نہیں رکھی جائے گی۔ خلاصہ یہ کہ ختم نبوت ایک رحمت نہیں بلکہ اس کے دامن میں بے شمار رحمتوں اور کمالات کا دریا بہہ رہا ہے اس لیے اس امت کو نبی بننے کی ضرورت نہیں۔ اب یہ وہ زمانہ ہے جس میں ایک اسرائیلی نبی کے امتی بن کر آنے کا انتظار ہو رہا ہے۔ کمالات نبوت ختم نہیں۔ ہاں وہ دور ضلالت و گمراہی ختم ہو گیا ہے جس کے سبب جدید نبوت کی ضرورت پیش آتی ہے۔ یاد رکھو اب نبی نہیں آئیں گے بلکہ قیامت آئے گی یا وہ جھوٹے نبی آئیں گے جن کو زبان نبوت نے دجال کہا ہے۔ انجیل میں ہے "جھوٹے نبیوں سے خبردار رہو جو تمہارے پاس بھیڑوں کے بھیس میں آتے ہیں مگر باطن میں پھاڑنے والے بھیڑیے ہیں ان کے پھلوں سے تم انہیں پہچان لو گے۔" (متی، باب ۷ آیت ۱۵، ۱۶)

توراۃ میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی بعض علامات

عَنْ عَطَاءِ بْنِ يَسَارٍ قَالَ لَقِيتُ عَبْدَ اللّٰهِ بْنَ عَمْرِو بْنِ الْعَاصِ قُلْتُ أَخْبِرْنِي عَنْ صِفَةِ رَسُولِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فِي التَّوْرَاةِ بِبَعْضِ صِفَتِهِ فِي الْقُرْآنِ يَا أَيُّهَا النَّبِيُّ إِنَّا أَرْسَلْنَاكَ شَاهِدًا وَمُبَشِّرًا وَنَذِيرًا وَحِرْزًا لِلْأُمِّيِّينَ أَنْتَ عَبْدِي وَرَسُولِي سَمَّيْتُكَ الْمُتَوَكِّلَ لَيْسَ بِفَظٍّ وَلَا غَلِيظٍ وَلَا سَخَّابٍ

فِي الْأَسْوَاقِ وَلَا يَدْفَعُ بِالسَّيِّئَةِ السَّيِّئَةَ وَلٰكِنْ يَعْفُو وَيَغْفِرُ وَلَنْ يَقْبِضَهُ اللّٰهُ حَتّٰى يُقِيْمَ بِهِ الْمِلَّةَ الْعَوْجَاءَ بِأَنْ يَقُوْلُوْا لَا إِلٰهَ إِلَّا اللّٰهُ وَيَفْتَحُ بِهَا أَعْيُنًا عُمْيًا وَآذَانًا صُمًّا وَقُلُوْبًا غُلْفًا (رواہ البخاری)

عطاء بن یسار فرماتے ہیں کہ عبداللہ بن عمرو بن العاصؓ سے میری ملاقات ہوئی تو میں نے ان سے تورات میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی علامات کے متعلق دریافت کیا انہوں نے فرمایا خدا کی قسم تورات میں بھی ان کی علامات قرآن کریم کے قریب قریب ہی مذکور ہیں چنانچہ تورات میں ہے اے نبی ہم نے آپ کو امت پر گواہ، خوش خبری سنانے والا، خدا کے عذاب سے ڈرانے والا اور ان پڑھ عربوں کے لیے حفاظت بنا کر بھیجا ہے۔ آپ ہمارے بندہ اور رسول ہیں۔ آپ کا نام ہم نے متوکل رکھا ہے (خدا پر بھروسہ رکھنے والا) آپ نہ زبان دراز ہیں نہ سخت دل ہیں، بازاروں میں شور مچانے والے بھی نہیں، برائی کا بدلہ برائی سے نہیں دیتے بلکہ عفو و درگذر فرماتے ہیں۔ خدا تعالیٰ آپ کو اس وقت تک نہیں اٹھائے گا جب تک آپ کے ذریعہ سے اس ملت کو جو ٹیڑھی ہو گئی ہے سیدھا نہ کر دے اس طرح پر کہ وہ یہ اقرار کر لیں کہ خدا کوئی نہیں مگر ایک اللہ اور بند آنکھوں سے پردے نہ اٹھا دے اور بہرے کانوں کو شنوا نہ بنا دے اور بے فہم دلوں میں فہم نہ ڈال دے۔ (بخاری)

وَعَنْ كَعْبٍ يَحْكِي عَنِ التَّوْرَاةِ قَالَ نَجِدُ مَكْتُوْبًا مُحَمَّدٌ رَسُوْلُ اللّٰهِ عَبْدِيَ الْمُخْتَارُ لَا فَظٌّ وَلَا غَلِيْظٌ وَلَا سَخَّابٌ فِي الْأَسْوَاقِ وَلَا يَجْزِيْ بِالسَّيِّئَةِ السَّيِّئَةَ وَلٰكِنْ يَعْفُو وَيَغْفِرُ مَوْلِدُهُ بِمَكَّةَ وَهِجْرَتُهُ بِطَيْبَةَ وَمُلْكُهُ بِالشَّامِ وَأُمَّتُهُ الْحَمَّادُوْنَ يَحْمَدُوْنَ اللّٰهَ فِي السَّرَّاءِ وَالضَّرَّاءِ يَحْمَدُوْنَ اللّٰهَ فِي كُلِّ مَنْزِلَةٍ وَيُكَبِّرُوْنَهُ عَلٰى كُلِّ شَرَفٍ رُعَاةٌ لِلشَّمْسِ يُصَلُّوْنَ الصَّلٰوةَ إِذَا جَاءَ وَقْتُهَا يَتَأَزَّرُوْنَ عَلٰى أَنْصَافِهِمْ وَيَتَوَضَّئُوْنَ عَلٰى أَطْرَافِهِمْ مُنَادِيْهِمْ يُنَادِيْ فِي جَوِّ السَّمَاءِ صَفُّهُمْ فِي الْقِتَالِ وَصَفُّهُمْ فِي الصَّلٰوةِ سَوَاءٌ لَهُمْ بِاللَّيْلِ دَوِيٌّ كَدَوِيِّ النَّحْلِ (الدارمی)

کعب تورات سے نقل کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ تورات میں ہم یہ لکھا ہوا دیکھتے ہیں محمد رسول اللہ میرے بندہ ہیں جن کو میں نے چن لیا ہے، نہ زبان دراز ہیں، نہ سخت دل ہیں، بازاروں میں شور مچانے والے نہیں برائی کا بدلہ برائی سے نہیں دیتے بلکہ عفو و درگذر فرما دیتے ہیں، ان کی جائے پیدائش مکہ مکرمہ اور ہجرت کی جگہ مدینہ طیبہ اور ان کا ملک شام تک ہوگا، ان کی امت اللہ تعالیٰ کی ہر وقت ثنا کرنے والی ہوگی نرمی اور گرمی کے ہر حال میں خدا کی تعریف کرے گی۔ ہر جگہ خدا کی حمد، ہر بلندی پر خدا کی تکبیر کہے گی (اچھے اوقات صلوٰۃ کے لیے) آفتاب (کے تغیرات) کا انتظار کرے گی، جب نماز کا صحیح وقت آ جائے گا فوراً نماز ادا کرے گی نصف ساق تک لنگیاں باندھے گی، اپنے ہاتھ پیر دھوئے گی (یعنی وضو) ان کا منادی (موذن) فضاء آسمان میں اعلان کرے گا (یعنی اذان بلند جگہ ہوگی) جہاد میں اور نماز میں ان کی صفیں یکساں ہوں گی، شب میں ان کے (تلاوت قرآن کی) آواز شہد کی مکھیوں کی بھنبھناہٹ کے مشابہ ہوگی۔ (یعنی دھیمی دھیمی آئے گی) (دارمی)

تشریح: قرآن کریم نے بھی اوقات صلوٰۃ کو آفتاب کے تغیر سے شروع کیا ہے:

أَقِمِ الصَّلٰوةَ لِدُلُوْكِ الشَّمْسِ إِلٰى غَسَقِ اللَّيْلِ (الاسراء: ٧٨) آفتاب کے ڈھلنے سے لے کر رات کی تاریکی

تک نماز قائم کیجئے۔ بہر حال اس حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ کتب سابقہ میں اس امت کے جو اوصاف بطور شعار مذکور ہیں وہ حسب ذیل ہیں کہ ان میں مراتب کے لحاظ سے تفاوت ہو۔ (۱) بروقت نماز ادا کرنا۔ (۲) پستی اور بلندی کی ہر تبدیلی میں خدا کی تعریف کرنا۔ (۳) ازار اونچی باندھنا۔ (۴) وضو کرنا۔ (۵) بلند جگہ اذان دینا۔ (۶) نماز میں سیدھا اور پاس پاس صف بنا کر کھڑا ہونا۔ (۷) شب میں متوسط آواز کے ساتھ قرآن کریم کی تلاوت کرنا تیسرا نمبر عرب کی پوشش کے لحاظ سے ہے ورنہ پاجامہ کا حکم بھی یہی ہے۔ یہاں اتنا سمجھ لینا چاہیے کہ جو امور خدا کی مقدس کتابوں میں اس امت کے شعار قرار دیے گئے ہیں ان کی نگہداشت کرنا ہر امتی کا فرض ہونا چاہیے ورنہ اپنے شعار کو فنا کر کے اس امت میں ہونے کا دعویٰ بے دلیل رہ جائے گا۔

عَنْ عَبْدِاللّٰهِ بْنِ سَلَامٍ قَالَ مَكْتُوْبٌ فِي التَّوْرَاةِ صِفَةُ مُحَمَّدٍ (صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ) وَعِيْسَى بْنِ مَرْيَمَ (عليهما الصلوة والسلام) يدفن معه قال ابو مودود فقد بقي في البيت موضع قبر. (رواه الترمذي)

عبداللہ بن سلام رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ توراۃ میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی علامت لکھی ہوئی ہے اور یہ کہ عیسیٰ علیہ الصلوۃ والسلام آپؐ کے پاس دفن کیے جائیں گے۔ ابو مودود راوی حدیث کہتا ہے کہ حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے گھر میں جہاں آپؐ مدفون ہیں ابھی ایک قبر کی جگہ باقی ہے۔ (ترمذی)

تشریح۔ حضرت عیسیٰ علیہ الصلوۃ والسلام کی حیات اور تشریف آوری ایک ایسی مسلم حقیقت ہے جس کا ذکر انجیل سے لے کر قرآن کریم تک برابر ہوتا چلا آیا ہے۔ اس پر تفصیلی بحث تو اپنی جگہ آئے گی جو بات یہاں توجہ کے لائق ہے وہ یہ ہے کہ اگر درحقیقت ان کی وفات ہو گئی تھی تو تاریخی لحاظ سے ان کی قبر آج تک کیوں لاپتہ رہی۔ ذرا خیال کیجیے کہ ان کی امت کا تسلسل کبھی درمیان میں نہیں ٹوٹا جو امت اپنے بزرگوں کے قبروں کی پرستش کی ہمیشہ سے خوگر رہی ہو وہ اپنے نبی کی قبر کو یک لخت فراموش کر بیٹھے یہ کسی طرح قرین قیاس نہیں ہو سکتا۔ یہ حق کسی اور شخص کو نہیں ہے کہ وہ اپنی جانب سے ہر نامعلوم قبر کو حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی قبر بنا ڈالے اور صرف اس بے بنیاد دعویٰ پر قرآن کریم کے قطعی بیان کا انکار کر دے۔ یہ غور کرنا چاہیے کہ جو پیشگوئی یہاں حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے حق میں ہے وہی حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ اور حضرت عمرؓ کے حق میں بھی موجود ہے۔ واقعات یہ ہیں کہ یہ حضرات بعد از وفات آپؐ کے پہلو میں حقیقتاً ہی مدفون ہوئے پھر کوئی وجہ نہیں کہ اسی پیشگوئی کا رخ ہم حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے معاملہ میں کسی اور طرف تبدیل کر دیں۔ اس لیے تسلیم کرنا ہو گا کہ عیسیٰ علیہ السلام بھی اسی طرح آپؐ کے قریب مدفون ہوں گے۔ نیز راویوں کا یہ بیان کرنا کہ ابھی تک بیت عائشہؓ میں ایک قبر کی جگہ خالی ہے ظاہر کرتا ہے کہ یہ پیشگوئی امت میں ہمیشہ اپنے ظاہر پر محمول رہی ہے اور اسی لیے راوی یہ بتا چلا جاتا ہے کہ اس کے پورا ہونے کے لیے بیت عائشہؓ میں ایک عملی شہادت موجود ہے صرف اتنا ہی نہیں بلکہ کتب مقدسہ میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی علامات میں شمار کیا گیا ہے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا مدفن آپؐ کے پاس ہو گا اس لیے ضروری ہے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام سر دست زندہ ہوں پھر وفات پائیں اور آپؐ کے پاس دفن ہوں۔ بہر حال بحث اسی پر ختم نہیں ہوتی یہاں حدیث کے مناسب یہ صرف ایک مکمل نوٹ ہے۔

عَنْ اَنَسٍ اَنَّ غُلَامًا يَهُوْدِيًّا كَانَ يَخْدِمُ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَمَرِضَ فَاَتَاهُ النَّبِيُّ صَلَّى

اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَعُوْدُهُ فَوَجَدَ اَبَاهُ عِنْدَ رَأْسِهٖ يَقْرَأُ التَّوْرَاةَ فَقَالَ لَهٗ رَسُوْلُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَا يَهُوْدِيُّ اَنْشُدُكَ بِاللهِ الَّذِيْ اَنْزَلَ التَّوْرَاةَ عَلٰى مُوْسٰى هَلْ تَجِدُ فِي التَّوْرَاةِ نَعْتِيْ وَصِفَتِيْ وَمَخْرَجِيْ قَالَ لَا قَالَ الْفَتٰى بَلٰى وَاللهِ يَا رَسُوْلَ اللهِ اِنَّا نَجِدُكَ فِي التَّوْرَاةِ نَعْتَكَ وَصِفَتَكَ وَمَخْرَجَكَ وَاِنِّيْ اَشْهَدُ اَنْ لَّا اِلٰهَ اِلَّا اللهُ وَاَنَّكَ رَسُوْلُ اللهِ فَقَالَ النَّبِيُّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَقِيْمُوْا هٰذَا مِنْ عِنْدِ رَأْسِهٖ وَلُوْا اَخَاكُمْ. (رواه البيهقي في دلائل النبوة)

انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ ایک یہودی غلام آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت کیا کرتا تھا وہ بیمار پڑ گیا آپ صلی اللہ علیہ وسلم اس کے پاس عیادت کے لئے تشریف لے گئے دیکھا تو اس کا باپ سرہانے بیٹھا ہوا تورات پڑھ رہا ہے، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس سے پوچھا اے یہودی تجھے اس خدا کی قسم دیتا ہوں جس نے حضرت موسیٰ علیہ السلام پر تورات نازل فرمائی کیا میری نعت وصفت اور میری آمد کہیں تجھے تورات میں ملتی ہے۔ اس نے کہا نہیں۔ لڑکا بولا خدا کی قسم یا رسول اللہ! کیوں نہیں ہمیں آپ کی نعت وصفت اور آپ کی آمد کا ذکر سب چیزیں تورات میں ملتی ہیں۔ اور میں گواہی دیتا ہوں کہ خدا کوئی نہیں مگر ایک اللہ اور گواہی دیتا ہوں کہ آپ بلاشبہ اللہ تعالیٰ کے رسول ہیں۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم اجمعین سے فرمایا کہ اس یہودی کو اس کے سرہانے سے اٹھا دو اور اپنے بھائی کی تجہیز وتکفین کے تم خود متکفل ہو۔ (بیہقی)

تشریح۔ اس حدیث سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی علامت کے سوا چند اصولی فوائد بھی معلوم ہو گئے۔ (۱) کافر سے خدمت لینا درست ہے (۲) اپنا خادم خواہ یہودی ہی کیوں نہ ہو اس کی بھی عیادت کرنا چاہیے۔ (۳) بچے کا اسلام معتبر ہے۔ (۴) مسلمان کی تجہیز وتکفین مسلمانوں کے ذمہ ہے۔

عَنْ عَلِيٍّ اَنَّ يَهُوْدِيًّا كَانَ يُقَالُ لَهٗ فُلَانٌ حَبْرٌ كَانَ لَهٗ عَلٰى رَسُوْلِ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ دَنَانِيْرُ فَتَقَاضَى النَّبِيَّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقَالَ لَهٗ يَا يَهُوْدِيُّ مَا عِنْدِيْ مَا اُعْطِيْكَ قَالَ فَاِنِّيْ لَا اُفَارِقُكَ يَا مُحَمَّدُ حَتّٰى تُعْطِيَنِيْ فَقَالَ رَسُوْلُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اِذًا اَجْلِسُ مَعَكَ فَجَلَسَ مَعَهٗ فَصَلّٰى رَسُوْلُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ الظُّهْرَ وَالْعَصْرَ وَالْمَغْرِبَ وَالْعِشَاءَ الْاٰخِرَةَ وَالْغَدَاةَ وَكَانَ اَصْحَابُ رَسُوْلِ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَتَهَدَّدُوْنَهٗ وَيَتَوَعَّدُوْنَهٗ فَفَطِنَ رَسُوْلُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَا الَّذِيْ يَصْنَعُوْنَ بِهٖ فَقَالُوْا يَا رَسُوْلَ اللهِ يَهُوْدِيٌّ يَحْبِسُكَ فَقَالَ رَسُوْلُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَنَعَنِيْ رَبِّيْ اَنْ اَظْلِمَ مُعَاهِدًا وَغَيْرَهٗ فَلَمَّا تَرَجَّلَ النَّهَارُ قَالَ الْيَهُوْدِيُّ اَشْهَدُ اَنْ لَّا اِلٰهَ اِلَّا اللهُ وَاَشْهَدُ اَنَّكَ رَسُوْلُ اللهِ وَشَطْرُ مَالِيْ فِيْ سَبِيْلِ اللهِ اَمَا وَاللهِ مَا فَعَلْتُ بِكَ الَّذِيْ فَعَلْتُ اِلَّا لِاَنْظُرَ اِلٰى نَعْتِكَ فِي التَّوْرَاةِ مُحَمَّدُ بْنُ عَبْدِ اللهِ مَوْلِدُهٗ بِمَكَّةَ وَمُهَاجَرُهٗ بِطَيْبَةَ وَمُلْكُهٗ بِالشَّامِ لَيْسَ بِفَظٍّ وَّلَا غَلِيْظٍ وَّلَا سَخَّابٍ فِي الْاَسْوَاقِ وَلَا مُتَزَيٍّ بِالْفُحْشِ وَلَا قَوْلِ الْخَنَا اَشْهَدُ اَنْ لَّا اِلٰهَ اِلَّا اللهُ وَاَنَّكَ رَسُوْلُ اللهِ هٰذَا مَالِيْ فَاحْكُمْ فِيْهِ بِمَا اَرَاكَ اللهُ وَكَانَ الْيَهُوْدِيُّ كَثِيْرَ الْمَالِ. (رواه البيهقي في دلائل النبوة)

حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ ایک یہودی کے متعلق یہ مشہور تھا کہ فلاں یہودی بڑا عالم ہے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم پر اس کے کچھ دینار قرض تھے اس نے آپ پر تقاضہ کیا آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اے یہودی تیرے دینے کے لئے اس وقت تو میرے پاس کچھ نہیں ہے۔ وہ بولا اے محمد (صلی اللہ علیہ وسلم)! تو میں آپ (صلی اللہ علیہ وسلم) سے اس وقت تک جدا نہیں ہوں گا جب تک کہ آپ میرا قرض ادا نہ کر دیں آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اچھا تو میں تمہارے پاس بیٹھ جاتا ہوں یہ کہہ کر آپ صلی اللہ علیہ وسلم اس کے پاس بیٹھ گئے اور ظہر، عصر اور مغرب وعشاء اور صبح کی نمازیں وہیں ادا کیں، آپ کے صحابہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم اجمعین (چپکے چپکے) اسے دھمکیاں دیتے اور ڈراتے تھے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے صحابہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم اجمعین کی اس حرکت کو محسوس فرمالیا تو صحابہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم اجمعین نے عرض کیا یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ایک یہودی اور آپ کو روکے بیٹھا ہے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ میرے پروردگار نے مجھے اس بات سے منع کیا ہے کہ میں معاہد یا کسی اور شخص کا حق دباؤں۔ جب دن چڑھ گیا تو یہودی نے کہا میں اس بات کی گواہی دیتا ہوں کہ خدا کوئی نہیں مگر ایک اللہ۔ اور اس بات کی کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم بلاشبہ اللہ کے رسول ہیں لیجئے میرا نصف مال، اللہ کے راستہ میں ہے۔ خدا کی قسم جو حرکت بھی میں نے آپ کے ساتھ کی تھی وہ صرف اس لیے تھی کہ جو صفت آپ کی تورات میں موجود تھی میں اس کو آزما دیکھوں۔ وہ محمد بن عبد اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہے ان کی پیدائش کی جگہ مکہ مکرمہ اور ہجرت کی مدینہ منورہ ہے اور ان کا ملک شام تک ہے وہ سخت زبان نہیں، سخت دل نہیں، بازاروں میں شور مچانے والے نہیں، فحش اور بیہودہ گوئی سے متصف نہیں، میں اس بات کی گواہی دیتا ہوں کہ خدا کوئی نہیں مگر ایک اللہ اور بلاشبہ آپ اللہ تعالیٰ کے رسول ہیں۔ لیجئے یہ میرا مال حاضر ہے اب آپ اس میں اللہ تعالیٰ کی مرضی کے مطابق جس طرح چاہیں حکم فرمائیں۔ (راوی کہتا ہے) یہ یہودی بڑا مالدار شخص تھا۔ (بیہقی)

تشریح۔ تورات میں آپ کی جو صفات مذکور ہیں ان کا بہت بڑا عنصر آپ کی اخلاقیات سے متعلق ہے احادیث سے بھی یہی پتہ لگتا ہے کہ آپ کی بعثت کا بڑا مقصد مکارم اخلاق کی تکمیل تھی جو انسان، انسانوں کے ساتھ اخلاقیات میں مکمل ہو وہ اللہ تعالیٰ کی عبادت میں بھی کامیاب نہیں ہو سکتا۔ اسلام میں انسانی بلندی کا معیار اخلاق کی بلندی پر رکھا گیا ہے اس لیے خواص کو اخلاقیات میں عوام سے اونچا ہونا چاہیے نبی کو اپنے امتی سے بلند ہونا چاہیے اور اسی لیے انبیاء علیہم السلام میں جو سب سے بڑے نبی ہیں وہ اخلاقیات میں بھی سب سے آگے تھے حتیٰ کہ ان کی نبوت کا معیار بھی ان کی اخلاقی آزمائش تھی اسی لیے اس یہودی نے اپنے نزدیک آپ کے اخلاق کو سب سے سخت کسوٹی پر پرکھ کر دیکھا اور جو کچھ مخالص سے مخالص ہونے کا ہو سکتا تھا وہی آپ کے اخلاق کا دیکھا۔

انبیاء علیہم السلام کی آنکھیں سوتی ہیں اور دل بیدار رہتے ہیں

عَنْ شَرِيْكِ بْنِ عَبْدِ اللّٰهِ رَضِيَ اللّٰهُ تَعَالٰى عَنْهُ قَالَ سَمِعْتُ أَنَسَ بْنَ مَالِكٍ رَضِيَ اللّٰهُ تَعَالٰى عَنْهُ يُحَدِّثُنَا عَنْ لَيْلَةِ أُسْرِيَ بِالنَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مِنْ مَسْجِدِ الْكَعْبَةِ جَاءَهُ ثَلَاثَةُ نَفَرٍ قَبْلَ أَنْ يُوْحٰى إِلَيْهِ وَهُوَ نَائِمٌ فِي الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ فَقَالَ أَوَّلُهُمْ أَيُّهُمْ هُوَ فَقَالَ أَوْسَطُهُمْ هُوَ خَيْرُهُمْ وَقَالَ آخِرُهُمْ خُذُوْا خَيْرَهُمْ فَكَانَتْ تِلْكَ فَلَمْ يَرَهُمْ حَتّٰى جَاءُوْا لَيْلَةً أُخْرٰى فِيْمَا يَرٰى قَلْبُهُ وَالنَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ نَائِمَةٌ عَيْنَاهُ وَلَا يَنَامُ

قَلْبُهُ وَكَذٰلِكَ الْاَنْبِيَاءُ تَنَامُ اَعْيُنُهُمْ وَلَا تَنَامُ قُلُوْبُهُمْ فَتَوَلَّاهُ جِبْرِيْلُ ثُمَّ عَرَجَ بِهٖ اِلَى السَّمَاءِ (رواہ البخاری)

شریک بن عبداللہ فرماتے ہیں کہ میں نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی اس شب کا واقعہ جس میں آپ کو مسجد حرام سے (اعجازی طور پر آسمانوں پر) سیر کے لیے لے گئے تھے حضرت انسؓ سے خود سنا ہے وہ ہم سے بیان کرتے تھے کہ وحی آنے سے پیشتر آپؐ کے پاس تین فرشتے آئے اس وقت آپ مسجد حرام میں (دیکھا شخاص کے درمیان لیٹے ہوئے) سو رہے تھے ان میں سے پہلے نے کہا بھلا ان میں وہ شخص کون ہیں؟ درمیانی فرشتہ بولا، جو درمیان میں لیٹے ہوئے ہیں، یہی سب میں افضل ہیں۔ آخری فرشتے نے کہا اچھا تو جو ان سب میں بہتر ہیں ان کو لے چلو۔ اس شب تو اتنی ہی بات ہو کر رہ گئی۔ پھر آئندہ کسی شب میں یہی فرشتے آپؐ کے خواب میں آئے اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی حالت یہ تھی کہ جب سوتے تو صرف آپ کی آنکھیں سوتی تھیں دل بیدار رہتا تھا اور تمام انبیاء علیہم السلام کا حال یہی ہوتا ہے کہ جب سوتے ہیں تو صرف ان کی آنکھیں سوتی ہیں ان کے دل بیدار رہتے ہیں۔ اس کے بعد حضرت جبرئیل علیہ السلام نے آپ کو اپنی سپردگی میں لیا اور آسمان پر لے گئے۔ (بخاری)

تشریح۔ شریک بن عبداللہ کی یہ روایت گو بخاری شریف میں موجود ہے مگر محدثین نے اس میں بہت سے اوہام شمار کیے ہیں۔ از انجملہ یہ کہ اس میں معراج کا واقعہ نزول وحی سے پہلا قرار دیا گیا ہے اور سب سے بڑھ کر یہ کہ واقعہ اسراء جو کہ جمہور کے نزدیک بیداری کا واقعہ تھا خواب کا واقعہ بتایا گیا ہے۔ یہاں ہمیں صرف انبیاء علیہم السلام کے قلبی صفت تیقظ کا بیان کرنا منظور ہے۔ اس روایت سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ صفت تمام انبیاء علیہم السلام میں موجود ہوتی ہے پس جہاں آپؐ کے ساتھ خصوصیت کا شبہ ہو وہاں امت کے مقابلہ میں خصوصیت مراد لینا چاہیے نہ کہ انبیاء علیہم السلام کے مقابلہ میں۔ حافظ ابن حجرؒ کا رجحان بھی کچھ اسی طرف ہے۔ اصل یہ ہے کہ جن قلوب کو اللہ تعالیٰ مہبط وحی بنا لیتا ہے ان کو عالم قدس سے ایک غیر معمولی اتصال میسر آ جاتا ہے۔ اسی بیداری کا ثمرہ ہے کہ انبیاء علیہم السلام کے خواب وحی سمجھے جاتے ہیں اسی لیے حضرت ابراہیم علیہ السلام نے حضرت اسمٰعیل علیہ الصلوٰۃ والسلام کے ذبح کرنے کا خواب ہی دیکھا تھا کہ اتنی بڑی قربانی کے لیے تیار ہو گئے۔ حضرت اسمٰعیل علیہ السلام بھی اس حقیقت کو سمجھ کر بول اٹھے یا اَبَتِ افْعَلْ مَا تُؤْمَرُ. اے باپ جو حکم آپ کو ملا ہے اسے پورا کیجئے۔ یہاں خواب کی بات کو امر الٰہی فرمایا ہے۔ اس کے بالمقابل جو رجال شیطنت کی باطل طاقتیں ہیں ان کو بھی ایک فطری بیداری حاصل ہوتی ہے۔ وہ بھی پیشگوئیاں کرتے ہیں۔ مگر عالم قدس سے انہیں کوئی مناسبت نہیں ہوتی بلکہ انہیں شیاطین کے ساتھ اتصال میسر ہوتا ہے۔ اسی لیے جب ابن صیاد کے حالات کی تحقیق کے لئے آپ تشریف لے گئے تو اس نے بھی اپنی یہی صفت بیان کی کہ صرف میری آنکھیں سوتی ہیں میرا دل بیدار رہتا ہے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے پہلے اس کا امتحان لیا اور اس کو سمجھایا کہ عالم قدس سے اس کو کوئی اتصال حاصل نہیں ہے۔ وہاں ہر بات صاف ستھری اور طے شدہ موجود ہوتی ہے اس کو صرف شیطانوں سے اتصال میسر ہے اسی لیے غیب پر اسے کوئی دسترس نہیں صرف قیاسات اور معمولی ادھورے اٹکے پچے ہیں اسی کو انبیاء علیہم السلام کی صفت نبوت کے ہم پلہ سمجھ رکھا ہے اس لیے فرمایا اخسأ فلن تعدو قدرک. (جا بد نصیب تو

اپنے رتبہ سے آگے نہیں جاسکتا) انبیاء علیہم السلام کی یہ صفت جبلاً دائمی ہوتی ہے صرف حالتِ نوم پر منحصر نہیں۔ اس بیداری کی پوری حقیقت سمجھنا ہمارے ادراک سے باہر بات ہے۔ لفظاً ہم اس غیبی حقیقت کو پورا ادا نہیں کر سکتے۔ صوفیاء کرام کی نسبت "یادداشت" شاید اس سے کوئی بعید مشابہت رکھتی ہو۔ والعلم عند اللّٰہ العظیم۔

نبی کی نظر

عَنْ اُسَامَةَ بْنِ زَيْدٍ قَالَ اَشْرَفَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَلٰى اُطُمٍ مِنْ اٰطَامِ الْمَدِيْنَةِ فَقَالَ هَلْ تَرَوْنَ مَا اَرٰى قَالُوْا لَا قَالَ فَاِنِّيْ لَاَرَى الْفِتَنَ تَقَعُ خِلَالَ بُيُوْتِكُمْ كَوَقْعِ الْمَطَرِ (متفق علیہ)

اسامہ بن زیدؓ روایت فرماتے ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم مدینہ کے بلند مقاموں سے کسی مقام پر چڑھے اور فرمایا کیا تم بھی وہ دیکھ رہے ہو جو میں دیکھ رہا ہوں، صحابہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم اجمعین نے عرض کیا نہیں آپ نے فرمایا کہ میں تو یہ دیکھ رہا ہوں کہ تمہارے گھروں میں فتنے اسی طرح برس رہے ہیں جیسے بارش۔ (متفق علیہ)

تشریح۔ یہ وہ فتنے تھے جو صحابہ کے درمیان آئندہ پیش آنے والے تھے آپ کی نظر دور بین سالوں پہلے انہیں دیکھ رہی تھی۔

عَنْ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ عَبَّاسٍ فِيْ قِصَّةِ صَلٰوةِ الْكُسُوْفِ قَالُوْا يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ رَاَيْنَاكَ تَنَاوَلْتَ شَيْئًا فِيْ مَقَامِكَ هٰذَا ثُمَّ رَاَيْنَاكَ تَكَعْكَعْتَ فَقَالَ اِنِّيْ رَاَيْتُ الْجَنَّةَ فَتَنَاوَلْتُ مِنْهَا عُنْقُوْدًا وَلَوْ اَخَذْتُهُ لَاَكَلْتُمْ مِنْهُ مَا بَقِيَتِ الدُّنْيَا وَرَاَيْتُ النَّارَ فَلَمْ اَرَ كَالْيَوْمِ مَنْظَرًا قَطُّ اَفْظَعَ وَرَاَيْتُ اَكْثَرَ اَهْلِهَا النِّسَاءَ قَالُوْا بِمَ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ قَالَ بِكُفْرِهِنَّ قِيْلَ يَكْفُرْنَ بِاللّٰهِ قَالَ يَكْفُرْنَ الْعَشِيْرَ وَيَكْفُرْنَ الْاِحْسَانَ لَوْ اَحْسَنْتَ اِلٰى اِحْدَاهُنَّ الدَّهْرَ ثُمَّ رَاَتْ مِنْكَ شَيْئًا قَالَتْ مَا رَاَيْتُ مِنْكَ خَيْرًا قَطُّ۔ (متفق علیہ)

صلوٰۃ کسوف کے قصہ میں عبداللہ بن عباسؓ سے روایت ہے کہ صحابہؓ نے پوچھا یارسول اللہ ہم نے آپ کو دیکھا کہ اسی مقام پر آپ نے کسی چیز کے لینے کے لئے ہاتھ بڑھایا تھا۔ پھر دیکھا کہ آپ پیچھے ہٹ گئے (یہ کیا بات تھی) فرمایا میں نے جنت دیکھی تو یہ ارادہ کیا تھا کہ اس میں سے ایک خوشہ لے لوں، اگر لے لیتا تو جب تک دنیا باقی تم اس میں سے کھاتے رہتے پھر دوزخ دیکھی تو ایسا خوفناک منظر کبھی نہیں دیکھا جیسا آج دیکھا تھا، میں نے دیکھا کہ اس میں زیادہ تر عورتیں تھیں۔ انہوں نے عرض کیا، یارسول اللہ کیوں؟ فرمایا اپنی حق ناشناسی کی وجہ سے، پوچھا گیا کیا خدا کی حق شناس نہیں ہوتیں؟ فرمایا اپنے شوہر کا حق نہیں پہچانتیں اور احسان فراموش ہوتی ہیں اگر کسی کے ساتھ تم عمر بھر بھی احسان کرو گے پھر تمہاری جانب سے کوئی ادنیٰ کوتاہی دیکھ پائے تو بھی کہہ دیتی ہے کہ ہم نے تمہاری کبھی کوئی بھلائی دیکھی ہی نہیں۔ (متفق علیہ)

تشریح۔ جنت خود غیر فانی ہے اس کی ہر نعمت بھی غیر فانی ہے اس لیے اگر آپ اس کی کوئی چیز لے لیتے تو وہ بھی دائمی اور غیر فانی ہوتی۔ اس حقیقت کو توڑنا بھی منظور تھا اور عالم غیب کو غیب کی حد تک باقی رکھنا بھی مدنظر تھا اس لیے صرف اتنا ہوا کہ دست مبارک آگے نہ بڑھے۔ اندازہ کیجئے کہ یہ روایت کتنی قوی رویت ہوگی۔ انبیاء علیہم السلام اس جہان میں بھی اہل جنت کے خواص رکھتے ہیں۔

عَنْ أَبِیْ ذَرٍّ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ اِنِّیْ أَرٰی مَا لَا تَرَوْنَ وَأَسْمَعُ مَا لَا تَسْمَعُوْنَ أَطَّتِ السَّمَاءُ وَحُقَّ لَہَا أَنْ تَئِطَّ مَا فِیْہَا مَوْضِعُ أَرْبَعِ أَصَابِعَ إِلَّا وَمَلَکٌ وَاضِعٌ جَبْہَتَہٗ لِلّٰہِ سَاجِدًا وَاللّٰہِ لَوْ تَعْلَمُوْنَ مَا أَعْلَمُ لَضَحِکْتُمْ قَلِیْلًا وَلَبَکَیْتُمْ کَثِیْرًا وَمَا تَلَذَّذْتُمْ بِالنِّسَاءِ عَلَی الْفُرُشِ وَلَخَرَجْتُمْ إِلَی الصُّعُدَاتِ تَجْأَرُوْنَ إِلَی اللّٰہِ لَوَدِدْتُ أَنِّیْ کُنْتُ شَجَرَةً تُعْضَدُ. (رواہ الترمذی)

ابوذر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا میں وہ چیزیں دیکھتا ہوں جو تم نہیں دیکھتے اور وہ آوازیں سنتا ہوں جو تم نہیں سنتے۔ آسمان چرچرا رہا ہے اور اس کو ایسا ہی کرنا چاہیے کیونکہ اس میں کہیں چار انگشت برابر بھی جگہ خالی نہیں ہے جہاں کوئی فرشتہ خدا کے سامنے سجدہ میں نہ پڑا ہوا ہو۔ خدا کی قسم ہے جو میں جانتا ہوں اگر کہیں تم جان لیتے تو ہنستے بہت کم اور روتے بہت اور اپنے نرم بستروں پر عورتوں سے لطف اندوز نہ ہو سکتے اور یقیناً اللہ اللہ پکارتے ہوئے جنگلوں میں نکل جاتے۔ یہ کہہ کر ابوذر رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں میری تمنا ہے کاش کہ میں ایک درخت ہوتا جو کٹ کر نابود ہو جاتا۔ (ترمذی)

تشریح۔ اس حدیث میں صفت سمع و بصر اور علم کے متعلق بتایا گیا ہے کہ انبیاء علیہم السلام میں یہ تینوں صفات اتنی کامل ہوتی ہیں کہ عوام میں ان صفات کی کچھ بھی نسبت نہیں ہوتی۔ اگر ان کے مسموعات و مبصرات و معلومات کی دنیا کسی اور کے سامنے پیش کر دی جائے تو اس کا نظام زندگی ہی معطل ہو جائے۔ پھر وہ نہ آرام کی نیند سو سکتا ہے اور نہ بستیوں میں آباد رہ سکتا ہے۔ یہ انبیاء علیہم السلام کا ہی ظرف ہے کہ وہ قالب انسانی میں رہ کر ان سب امور کا مشاہدہ کرتے رہتے ہیں جن کا ذوات ملکیت مشاہدہ کرتی ہے اور پھر نظام انسانیت کو درہم برہم ہونے نہیں دیتے۔ کمال یہ نہیں کہ انسان فرشتہ بن جائے۔ فرشتے تو پہلے بھی موجود تھے کمال تو یہ ہے کہ انسان انسان رہے پھر اپنی بہیمیت کو قالب روحانیت میں ایسا ڈھال دے کہ یہ مجموعہ ملکیت کے لیے قابل صد رشک بن جائے۔ یہ ہے وہ انسان جو عام انسانوں کی طرح ایک انسان بھی نہیں اور فرشتہ بھی نہیں بلکہ وہ کامل انسان ہے جس کو ملک پر بھی فوقیت حاصل ہے۔

انسان کامل کے علمی و عملی کمالات دیکھ کر بندۂ مادیت اس کا تصور نہیں لا سکتا اور اس لیے ان کو اتنا سا دوسرے مادہ پرست بنا دیتا ہے کہ ایک طرف وہ ان کے انکار ہی کے مرادف ہو جاتا ہے جب وہ انسان کامل کی قوت سمع و بصر کا حال سنتا ہے پھر اس نوع کی قوت انسان اسفل میں نہیں دیکھتا تو نہایت سادگی سے اس کو راویوں کی مبالغہ آمیزی اور حاملان مذہب کی خوش عقیدگی پر محمول کر کے ان کو بھی اسی صف میں ملانے کی کوشش کرتا ہے جس میں وہ خود کھڑا ہے گویا اس کے نزدیک سمع و بصر کی طاقت صرف اسی قدر ہے جتنا اس کو خود محسوس ہے دوسری طرف ایک سفید عقیدت مند ہے وہ اس پر بھی راضی نہیں ہوتا کہ راویوں کی بیان کردہ قوتوں ہی پر بس کر دے بلکہ اپنی جانب سے اور ہزاروں حاشیہ آرائیاں کرتا ہے اور آخر کار وہ بھی ایک بلند حقیقت کو بے حقیقت بنا کر چھوڑتا ہے۔ یہ دونوں راستے افراط و تفریط کے راستے ہیں ہم نہ اس کے مجاز ہیں کہ انبیاء علیہم السلام کے متعلق ایک ذرہ برابر بھی اس سے زیادہ کوئی عقیدہ رکھیں جتنا کہ خود انہوں نے ہم کو بتایا ہے اور نہ اس کے حقدار ہیں کہ ان کے ان فضائل و کمالات کو بھی ناقابل تسلیم کہہ دیں جو قدرت نے ان عظیم القدر ہستیوں کو اپنا نشان قدرت دکھانے کے لیے عطا کیے ہیں افسوس کہ انسان خود اپنے نفس کی طاقتوں کو بھی نہیں پہچانتا کاش اگر وہ ان کو پہچان لیتا تو اس کو اپنے رب کی معرفت بھی آسان ہو جاتی۔ ایک ایٹم بم کی طاقت سے دنیا عالم حیرت میں پڑی ہوئی ہے اور ابھی

دیکھیے کہ قوام عالم کی مسلسل دیرینہ اس کی طاقت کا اور کہاں تک پہونچی ہے۔ جنھوں نے عالم روحانیات کا ذائقہ چکھا ہے اور اس کی طاقتوں کا اندازہ لگایا ہے ان کے نزدیک یہ کمالات غلامان انبیاء علیہم السلام میں بھی بقدر نصیب تقسیم ہو گئے ہیں۔ کمالات انبیاء علیہم السلام کچھ اور ہیں اگر کہیں ان کو ظاہر کر دیا جائے تو ظاہر پرستوں کے لیے ایک تماشہ ہاتھ آ جائے اور عقیدت مندوں کی عقیدت سرد پڑ جائے۔ بھائی میرے وہ کمالات ان کی صبر و استقامت اخلاص و انابت، بلند ہمتی و شجاعت، وقار و کرامت، عدم یقین و تنگ صدری، انشراح و انشراح، مانند جاشیر مجر، امانت و صدق، رافت و رحمت خلق، طہارت ذیل، نظافت جیب، اخبات الی اللہ و وسائل غیب، خصائل بتضرع و تبتل، استقامت جود و شکر، توریث علم و عمل، عدم توریث مال و منال، ترک مالا یعنی، حفاظت لسان، متابعت و مطاوعت حق، عدم طمع دنیا میں زہادت زخارف دنیا سے بے التفاتی اور نشر و اشاعت دین ہیں۔ وہ کمالات ان کے ظاہر و باطن کی یک رنگی ہے ایسی یک رنگی جس میں سرمو کوئی فرق نہ آئے۔ ان کی پہاڑوں کی طرح استقامت ہے جو بادشاہوں کی تہدید و تخویف سے متزلزل نہ ہو، ان کی وہ بے طمعی ہے جس میں ارباب اموال کی دولت کوئی لچک پیدا نہ کر سکے۔ ان تمام کمالات کے باوجود ان کو نہ کبھی ناز ہو نہ تکبر وہ سرتا پا کمال ہو کر سراپا اخلاص مخلوق میں بیٹھنا پسند کریں خود ایذائیں اٹھائیں کسی کو ایذا نہ دیں اور یہ جو کچھ ہو کسی ریاضت و کسب کا مرہون منت نہ ہو بلکہ سب کچھ عطاء رحمانی اور موہبت ربانی ہو۔

دلبر با است کہ از حسن خداداد آمد

یہ وہ انسان کامل ہے جس کی طاقتوں کے سامنے تمام عالم ملکوت سر جھکاتا ہے۔ خدا کی تمام کائنات دست بستہ حکم برداری کے لیے حاضر ہے وہ خلیفہ ہے اور سب اس کے زیر دست محکوم مگر افسوس یہ ہے کہ ان تمام طاقتوں سے انسان غافل ہے۔ غافل نہیں بلکہ منکر ہے۔ انبیاء علیہم السلام آ کر بھی بتاتے اور دکھاتے ہیں مگر یہ پھر بھی نہ دیکھتا ہے نہ سنتا ہے۔ فصبر جمیل۔

نبی کبھی اپنے پشت کی جانب سے بھی دیکھ لیتا ہے

عَنْ اَبِیْ هُرَیْرَةَ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ قَالَ هَلْ تَرَوْنَ قِبْلَتِیْ هٰهُنَا وَاللّٰهِ مَا یَخْفٰی عَلَیَّ رُكُوْعُكُمْ وَلَا خُشُوْعُكُمْ وَاِنِّیْ لَاَرَاكُمْ مِنْ وَرَاءِ ظَهْرِیْ. (رواہ البخاری)

ابو ہریرہؓ سے روایت ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کیا تم میرا قبلہ تو صرف سامنے کی طرف سمجھتے ہو، خدا کی قسم تمہارا رکوع کرنا اور تمہارا قلبی خوف بھی مجھ پر پوشیدہ نہیں رہتا، میں تمہیں اپنی پشت کی جانب سے بھی دیکھتا رہتا ہوں۔ (بخاری)

تشریح۔ یہ روایت تو اس عالم کی رؤیت ہے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی چشم دور بیں اس عالم سے گذر کر کبھی کبھی جنت و دوزخ کا بھی مشاہدہ کر لیتی تھی۔ آپ تو آپ ہی ہیں آپ کے صحابہ تک جنگ کے موقعوں پر کبھی کبھی ملائکہ کو دیکھ لیا کرتے تھے۔ کسی صحابی کو خدا کا فرشتہ سلام کرتا اور وہ اس کی آواز سن لیتا تھا۔ عمر فاروقؓ مقام نہاوند کی جنگ مدینہ میں بیٹھ کر دیکھتے تھے اور آپ کی "یا ساریۃ الجبل" کی آواز آپ کا جرنیل نہاوند میں سن لیتا تھا۔ آج ریڈیو کی ایجاد نے "صوت" یعنی آواز کا مسئلہ تو ختم کر دیا ہے۔ اگر ذرا اس وسعت دے کر بصر کے متعلق بھی آپ اس حقیقت کو تسلیم کر لیں تو چنداں دشوار نہیں ہے۔ اب بھی خورد بین

اور دوربین کے ذریعہ سے ہم جن چیزوں کا مشاہدہ کر لیتے ہیں عام آنکھیں ان کا مشاہدہ نہیں کر سکتیں۔ خوردبین سے بیماریوں کے جراثیم چلتے پھرتے نظر آجاتے ہیں۔ دوربین کے ذریعہ سے سینکڑوں میل کا فاصلہ کس طرح کف دست معلوم ہونے لگتا ہے اگر ارباب روحانیت وتزکیہ کی نظر بھی ماورائیات میں ڈوبی ہوئی نظروں سے کسی بلند عالم کا مشاہدہ کرتی ہیں تو ہمیں اس کا بھی انکار نہیں کرنا چاہیے اور یہ سمجھنا چاہیے کہ بیماری کے باریک جراثیم کی طرح ان کے دیکھنے کا ہمارے پاس کوئی آلہ نہیں ہے۔ اگر فرض کرو کہ وہ تیزی نظر ہمیں بھی میسر آجائے تو ہم بھی خوردبین کے بغیر ان جراثیم کا مشاہدہ کر لیں یہاں انکار یا تاویل کرنا دونوں راستے غلط ہیں۔ انکار تو اس لیے کہ جو خود دیکھتا ہے نہ دیکھنے والے کو اس کے مشاہدہ کے رد کرنے کا کوئی حق حاصل نہیں۔ اسے اپنی قصور نظر کا اعتراف کرنا چاہیے نہ کہ ایک قوی النظر شخص کی رؤیت کا انکار۔ اسی لیے ایک حدیث میں ہے کہ ایک مرتبہ حضرت جبرائیل علیہ السلام نے حضرت عائشہ کو اپنا سلام کہلوایا تو آپ نے جواب دیا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے عرض کیا تری ما لا نری یعنی آپ تو ان کو دیکھ رہے ہیں ہم نہیں دیکھتے۔ گویا اپنی قصور نظر کا اعتراف کیا اور آپ کے مشاہدہ کی تصدیق کی عالم روحانیات کے متعلق قرآن نے بطور کلیہ یہ بیان کیا ہے کہ ہماری ایک ایسی مخلوق ہے جسے تم نہیں دیکھتے اور وہ تمہیں دیکھتی ہے۔ انه یراکم هو وقبیله من حیث لا ترونهم.

انبیاء علیہم السلام اور ارباب روحانیت کو ایسی حدت نظر مرحمت ہو جاتی ہے کہ وہ ان کا بھی مشاہدہ کرنے لگتے ہیں آخر جب عام طور پر نظروں میں قوت بصر کے لحاظ سے تفاوت ہوتا ہے تو اگر انبیاء علیہم السلام کی نظر عام نظروں سے کچھ اور تیز مان لی جائے تو اس کے انکار کی کیا وجہ ہو سکتی ہے اور تاویل کرنا اس لیے غلط ہے کہ جو شخص خود دیکھتا ہے وہ اپنے متعلق یہی عقیدہ رکھتا ہے اور دوسروں کو بھی یہی باور کرانا چاہتا ہے کہ وہ در حقیقت دیکھتا ہے اور وہی الفاظ استعمال کرتا ہے جو صرف دیکھنے کیلئے مستعمل ہیں اور اس کے خلاف کوئی ادنیٰ ایماء و اشارہ تک نہیں کرتا تو ان کو کشف و الہام پر محمول کر لینا یقیناً غلط ہے۔ بلکہ ایک واقعہ کا انکار ہے۔ ہمیں اس کا کیا حق ہے کہ اگر ہماری آنکھیں کچھ چیزوں کو نہیں دیکھتیں تو جو آنکھیں انہیں دیکھتی ہیں ہم ان کے لیے بھی تاویلیں تراشنے بیٹھ جائیں۔ بعض لوگوں نے تو اسی مغالطہ میں تمام جگہ آپ کے چشم دید حالات کو صرف کشف کہہ دیا ہے حتی کہ معراج کو بھی ایک قسم کا کشف ہی کہہ ڈالا ہے تعجب ہے کہ خود دیکھنے والا تو اپنے متعلق دیکھنے کا عقیدہ رکھتا ہے اور یہی باور کرانے کی سعی کرتا ہے مگر سننے والا ہے کہ اس کی خیر خواہی میں صرف اس لیے اس کے الفاظ کی تاویل کرنے لگتا ہے کہ اس کی آنکھوں نے اس کو نہیں دیکھا۔

بہت سے لوگ چاند نہیں دیکھتے مگر صرف دیکھنے والوں کے اعتبار پر روزہ رکھ لیتے ہیں اور اس بناء پر کہ چونکہ خود انہوں نے نہیں دیکھا وہ اس سے انکار نہیں کرتے اور نہ دیکھنے والوں کے لیے کوئی تاویل کرتے ہیں بلکہ اپنا قصور نظر ہی سمجھتے ہیں۔ اسی طرح انبیاء علیہم السلام کے جم غفیر کے مقابلہ میں مخلوق کو چاہیے کہ وہ اپنے قصور نظر کا اعتراف کر لے نہ یہ کہ ان کے معجزات و مرئیات کا ہی انکار کر دے۔ اس تحقیق سے مقصد یہ ہے کہ انبیاء علیہم السلام کی رؤیت کے متعلق کسی صاف اشارہ و ایماء کے بغیر ہم کوئی تاویل نہیں کریں گے اسی طرح رؤیت کو صرف محسوس ایک جسم کے حصہ میں منحصر سمجھ لینا بھی غلط ہے کائنات عالم میں سائنس آئے

دن نئے سے نئے عجائبات پیش کرتی رہتی ہے اور وہ کبھی اس لیے قابل انکار نہیں سمجھے جاتے کہ پہلے واقعات کے خلاف ہیں بلکہ ہر نئے واقعہ کو قدرت کا ایک نیا شاہکار سمجھا جاتا ہے اگر اس لحاظ سے نبی کی شخصیت بھی کچھ مجموعہ عجائبات مان لی جائے تو اس میں کیا استبعاد ہے۔ بالخصوص جب کہ اس کی شخصیت اپنے دور کے انسانوں میں ہی نہیں بلکہ عالم کے عالم میں انقلاب برپا کرنے والی ہو۔ اگر وہ خود بھی قوتوں میں عام قوتوں سے اونچی نظر آئے تو اس کا کیوں انکار کیا جائے۔

ہمارے نزدیک نبی اور امتی کی قوت بصریہ میں ایک فرق یہ ہے کہ امتی کی نظر اس عالم میں صرف اسی عالم کی اشیاء تک محدود رہتی ہے جب وہ اس جہاں سے گذر کر برزخ میں جا پہنچتا ہے تو پھر اس کی سیرگاہ عالم برزخ بن جاتا ہے اور جب برزخ سے آخرت کی طرف بڑھ جاتا ہے تو کائنات آخرت اس کے نظر کی جولانگاہ ہو جاتی ہیں۔ غرض جس عالم میں وہ خود ہوتا ہے اس کی نظر بھی اسی عالم میں محدود رہتی ہے۔ نبی کی نظر اسی عالم میں تمام عالمین کی سیر کر سکتی ہے وہ اسی عالم میں برزخ اور آخرت کی کائنات کا اس طرح مشاہدہ کر سکتی ہے۔ جیسا امتی کی نظر اس عالم میں تحقیق کر لیتی۔ انبیاء علیہم السلام اس جہاں میں بھی اہل جنت کے خواص رکھتے ہیں۔ اس لیے دنیا میں بھی ان کی قوتوں کے وہ آثار ملتے ہیں جو اہل جنت کے جنت میں منقول ہیں۔

نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا علم

عَنْ عَائِشَةَ قَالَتْ كَانَ رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِذَا أَمَرَهُمْ، أَمَرَهُمْ مِنَ الْأَعْمَالِ بِمَا يُطِيقُونَ قَالُوا إِنَّا لَسْنَا كَهَيْئَتِكَ يَا رَسُولَ اللّٰهِ إِنَّ اللّٰهَ قَدْ غَفَرَ لَكَ مَا تَقَدَّمَ مِنْ ذَنْبِكَ وَمَا تَأَخَّرَ فَيَغْضَبُ حَتّٰى يُعْرَفَ الْغَضَبُ فِي وَجْهِهِ ثُمَّ يَقُولُ إِنَّ أَتْقَاكُمْ وَأَعْلَمَكُمْ بِاللّٰهِ أَنَا. (رواه البخاری فی الایمان)

حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا روایت فرماتی ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم جب کسی بات کا صحابہ کو حکم دیتے تو ایسی بات کا حکم دیتے جو ان سے سہولت ہو سکے وہ (شوق شوق میں) عرض کرتے یا رسول اللہ ہم آپ کی طرح تو نہیں۔ آپ کی تو اللہ تعالیٰ نے اگلی پچھلی سب ہی لغزشیں معاف کر دی ہیں اس پر آپ کو اتنا غصہ آتا کہ اس کا اثر چہرۂ مبارک پر نمایاں ہونے لگتا پھر آپ فرماتے دیکھو تم سب میں زیادہ پرہیزگار اور اللہ تعالیٰ کی ذات و صفات کا سب میں زیادہ عالم میں ہوں۔ (بخاری)

عَنْ عَائِشَةَ صَنَعَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ شَيْئًا تَرَخَّصَ فِيهِ وَتَنَزَّهَ عَنْهُ قَوْمٌ فَبَلَغَ ذٰلِكَ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَحَمِدَ اللّٰهَ وَأَثْنٰى عَلَيْهِ ثُمَّ قَالَ مَا بَالُ أَقْوَامٍ يَتَنَزَّهُونَ عَنِ الشَّيْءِ أَصْنَعُهُ فَوَاللّٰهِ إِنِّي لَأَعْلَمُهُمْ بِاللّٰهِ وَأَشَدُّهُمْ لَهُ خَشْيَةً. (رواه البخاری فی الاعتصام)

حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا فرماتی ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے (ایک مرتبہ) کوئی ایسا عمل کیا جس میں رخصت کا پہلو اختیار کیا۔ بعض لوگوں نے اس عمل کے اختیار کرنے سے احتراز کیا۔ یہ بات آپ تک پہنچ گئی اس وقت آپ نے خدا کی حمد و ثناء (خطبہ) کے بعد فرمایا لوگوں کا بھی کیا حال ہے بھلا اس عمل سے احتراز کرتے ہیں جسے میں کرتا ہوں خدا کی قسم ان سب میں زیادہ خدا کا علم رکھنے والا اور سب سے زیادہ اس سے ڈرنے والا تو میں ہوں۔ (بخاری)

تشریح۔ علم دراصل خشیت الٰہی کا ہی نام ہے اسی لیے قرآن کریم میں فرمایا ہے انما یخشی اللہ من عبادہ العلماء (فاطر: ۲۸) اللہ کی ذات پاک سے ڈرنے والے صرف علماء ہیں۔ خشیت اس خوف کو کہتے ہیں جو کسی ذات کے استحضار عظمت کے ساتھ ہو، ہر خوف کو خشیت نہیں کہتے عالم اگر ڈرتا ہے تو وہ خدا کی ذات کی عظمت وجلال کا تصور کر کے ڈرتا ہے، غیر عالم کو ان امور کا اتنا علم نہیں ہوتا اس لیے وہ ڈرتا ہے تو صرف اس کے عذاب کا تصور کر کے ڈرتا ہے۔ اس حدیث سے معلوم ہوا کہ نبی وقت کے سب سے زیادہ عالم ہونے کا مطلب یہی ہے کہ خدا کے ذات وصفات کا سب سے زیادہ علم اس کو ہوتا ہے اور اس لیے سب سے زیادہ خدا سے ڈرنے والا بھی وہی ہوتا ہے۔ جس مقصد کے لیے نبی کو بھیجا جاتا ہے وہ مخلوق کی ہدایت ہے اسی لیے تمام علوم ہدایت اس کو مرحمت کیے جاتے ہیں۔ آنحضرت کی ذات مقدس سب سے زیادہ کامل تر ہے اس لیے آپ کو یہ علوم بھی سب میں کامل تر ملے ہیں۔ ان کے علاوہ انبیاء علیہم السلام کو اور بھی بہت سے امور کا علم مرحمت ہوتا ہے جو مقصد دعوت وتبلیغ میں ان کے لیے کارآمد ہوں۔ اسی طرح بعض علوم وہ ہوتے ہیں جو انبیاء علیہم السلام کو قصداً نہیں سکھائے جاتے اور اس لیے نہیں سکھلائے جاتے کہ وہ شایان شان نبوت نہیں ہوتے ارشاد ہوتا ہے وما علمناہ الشعر وما ینبغی لہ (یٰس: ۶۹) ہم نے شعر گوئی آپ کو نہیں سکھائی اور یہ آپ کی شایان شان بھی نہیں تھی۔ گویا نبوت اور شاعری دو متضاد صفتیں ہیں اسی لیے شعر گوئی تو درکنار آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے شعر خوانی بھی ثابت نہیں ہوتی ایک آدھا شعر پڑھنا منقول ہے اس میں بھی علماء کو بحثیں ہیں۔ بہر حال کچھ علوم ایسے بھی ہیں جو بتصریح قرآن کریم شان نبوت کے مناسب نہیں سمجھے گئے۔ معلوم ہوا کہ اصولاً یہ بحث ہی غلط ہے کہ انبیاء علیہم السلام کو تمام علوم حاصل ہوتے ہیں۔ اساسی طور پر ان کو وہی علوم سکھائے جاتے ہیں جن کی تبلیغ کے لیے ان کو دنیا میں بھیجا جاتا ہے اسی لیے حضرت موسیٰ علیہ السلام کو باوجود اتنے بلند امتیاز کے ان علوم کا کوئی حصہ نہیں دیا گیا جس کا در یا حضرت خضر علیہ السلام کے سامنے بہہ رہا تھا۔ اتنا ہی نہیں بلکہ فطرت موسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام میں ان علوم کے تحمل کی گنجائش ہی نہیں رکھی گئی تھی وہ ہر موقع پر گو صبر دکھانا چاہتے تھے مگر بے تاب ہو کر معترضانہ تنقید کر گذرتے تھے آخر چند یوم کی صحبت بھی نہ نبھا سکے اور اس پر تیار ہو گئے کہ جس کے سامنے کچھ دن استفادہ کے لیے آئے تھے ہمیشہ کے لیے اس کو نداء الفراق سنا دیں۔ یہی وہ بات تھی جس کو حضرت خضر علیہ السلام نے پہلے دن کہہ دیا تھا۔ انک لن تستطیع معی صبرا (الکہف: ۶۷) اے موسیٰ علیہ السلام تم میرے علوم کا تحمل نہیں رکھتے اس لیے میرے ساتھ رہ بھی نہیں سکتے۔ وہی ہوا اور حضرت خضر علیہ السلام کو حضرت موسیٰ علیہ السلام کی بار بار بے صبری دیکھ کر آخر یہ کہہ دینا پڑا ھذا فراق بینی وبینک۔ جائیے اب بہت ہو لیا میرا اور آپ کا ساتھ ختم ہوتا ہے اور لیجئے اب ان علوم کی تشریح بھی سنتے جائیے۔ صحیح بخاری میں ہے کہ عجائبات موسیٰ وخضر علیہما السلام کا تذکرہ کر کے خاتم الانبیاء صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں کاش اگر موسیٰ علیہ السلام کچھ اور صبر سے کام لے لیتے تو ہمیں کچھ اور عجائبات کا حال بھی کھل جاتا۔

خلاصہ یہ ہے کہ جب یہ معلوم ہو گیا کہ جو علوم انبیاء علیہم السلام کے دائرہ سے متعلق ہیں وہ صرف علوم ہدایت ہیں۔ سالم کشتی کے تختے توڑ دینے، اچھے خاصے کھیلتے ہوئے بچے کو قتل کر ڈالنے اور ایک ٹرچھی دیوار کو سیدھا کر کے نااہلوں پر احسان رکھنے کے رموز وحکم ان کے علوم میں داخل نہیں وہ یہ گوارا ہی نہیں کر سکتے کہ کسی محسن کی کشتی کا تختہ اپنے ہاتھوں سے اکھاڑ پھینکیں خواہ اس کا انجام کتنا

ہی بہتر کیوں نہ ہو وہ کسی بچہ کے قتل کی اجازت دے سکتے ہیں۔ خواہ اس کے والدین کے لیے اس کی بقا کتنی ہی مضر کیوں نہ ہو اور نہ وہ آئندہ کے امور پر اطلاع پا کر ایسے احسان کی ترغیب دے سکتے ہیں جو ان کی نجات و بے کسی میں اور اضافہ کا موجب بن جائے بس ان سے علم کے متعلق نفی و اثبات کی جو بحث ہوگی وہ ان کی نوعیت علم ہی کے دائرہ تک رہے گی۔ ایک سائنس داں شخص کے متعلق یہ کہنا کہ وہ سب کچھ پڑھ چکا ہے یہ مطلب نہیں رکھتا کہ اس کو طباعت و کتابت کے علوم بھی حاصل ہیں ایک عالم کی علمی منقبت کا مطلب یہ کبھی نہیں سمجھا جا سکتا کہ وہ زراعت یا تجارت کے علوم بھی جانتا ہے۔ پس جس طرح ہر اہل فن کو اپنے ہی فن کا علم حاصل ہوتا ہے اور اس میں بھی اس کی مہارت کا معیار یہ نہیں ہوتا کہ وہ اس فن کے ہر معمولی اور غیر معمولی معلومات کا علم رکھتا ہے بلکہ صرف اس کا اجمالی استحضار اس میں ایک ملکہ و رسوخ کا پیدا ہو جانا اس کے غیر معمولی عالم کہلانے کے لئے کافی ہو جاتا ہے حتیٰ کہ اس کے ادنیٰ مسائل کا ذہول اس کے لیے عیب شمار نہیں ہوتا اسی طرح خدا کے برگزیدہ نبیوں کا اپنی مہارت کا فن ہے وہ جب دنیا میں آتے ہیں تو کبھی اپنے فن کے سوا دوسرے فنون میں دخل انداز نہیں ہوتے نہ اس کا دعویٰ رکھتے ہیں وہ اگر دنیا کو مجبور کرتے ہیں تو اس علم پر چلنے کے لئے مجبور کرتے ہیں جو ان کے منصب نبوت سے متعلق ہیں اس کے سوا دوسرے قسم کے علوم کا نہ انہیں دعویٰ ہوتا ہے نہ اس کے فصول و ابواب پر وہ بحث کرتے ہیں اور نہ اس فن کے ماہرین سے الجھنا پسند کرتے ہیں اس جگہ یہ یاد رکھنا چاہیے کہ یہاں مقصد صرف رخصت پر عمل نہ کرنے پر نہیں ہے بلکہ ان کے اس احتراز اور تحرز پر ہے جو ایک غلط بنیاد پر ان کے دل میں پیدا ہو چکا تھا۔ نبی کے مغفور ہونے کا یہ مطلب نہیں ہوتا کہ وہ اب خدا کی عبادت کا محتاج نہیں رہا بلکہ اس کی عبادت اور زیادہ بڑھ جاتی ہے اور اس لیے بڑھ جاتی ہے کہ وہ اس نعمت کا شکر ادا کرنا چاہتا ہے۔ حدیث آخر میں افلا اکون عبدا شکورا کا یہی مطلب ہے۔

عَنْ رَافِعِ بْنِ خَدِيجٍ رَضِيَ اللهُ تَعَالَى عَنْهُ قَالَ قَدِمَ النَّبِيُّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ الْمَدِينَةَ وَهُمْ يَأْبُرُونَ النَّخْلَ فَقَالَ مَا تَصْنَعُونَ قَالُوا كُنَّا نَصْنَعُهُ قَالَ لَعَلَّكُمْ لَوْ لَمْ تَفْعَلُوا كَانَ خَيْرًا فَتَرَكُوهُ فَنَقَصَتْ قَالَ فَذَكَرُوا ذَلِكَ لَهُ فَقَالَ إِنَّمَا أَنَا بَشَرٌ إِذَا أَمَرْتُكُمْ بِشَيْءٍ مِنْ أَمْرِ دِينِكُمْ فَخُذُوا بِهِ وَإِذَا أَمَرْتُكُمْ بِشَيْءٍ مِنْ رَأْيٍ فَإِنَّمَا أَنَا بَشَرٌ۔ (رواہ مسلم)

رافع بن خدیج فرماتے ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم جب مدینہ تشریف لائے تو اس وقت لوگوں کی عادت یہ تھی کہ وہ اپنے کھجوروں کے درختوں کی "تابیر" کیا کرتے تھے۔ آپ نے پوچھا ایسا کیوں کرتے ہو؟ انہوں نے عرض کیا (پھلوں میں زیادتی کے لیے) ہم یہ کام پہلے سے کرتے آئے ہیں۔ آپ نے فرمایا اگر اب نہ کرو تو شاید بہتر ہو یہ سن کر لوگوں نے تابیر کرنا چھوڑ دیا پھل کم آنے لگا اس پر لوگوں نے آپ کی خدمت میں عرض کیا۔ آپ نے فرمایا دیکھو میں بشر ہوں جب تمہیں تمہارے دین کے بارے میں کسی بات کا حکم دوں تو اس کو فوراً اپنا لو اس پر عمل اختیار کر لو اور جب (دنیا کے معاملات میں) کوئی بات اپنی رائے سے کہوں تو میں صرف ایک بشر ہوں۔ (مسلم)

عَنْ أَنَسٍ أَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَرَّ عَلَى قَوْمٍ يُلَقِّحُونَ فَقَالَ لَوْ لَمْ تَفْعَلُوا لَصَلُحَ قَالَ فَخَرَجَ شِيصًا فَمَرَّ بِهِمْ فَقَالَ مَا لِنَخْلِكُمْ قَالُوا قُلْتَ كَذَا وَكَذَا قَالَ أَنْتُمْ أَعْلَمُ بِأَمْرِ دُنْيَاكُمْ (رواہ مسلم کتاب الفضائل فی باب وجوب امتثال ما قالہ شرعا)

انسؓ سے روایت ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ایک ایسی قوم کی طرف گذرے جو کھجوروں کے درختوں میں "تلقیح" کیا کرتی تھی آپ نے ان سے فرمایا اگر تم یوں نہ کرو تو اچھا ہو، راوی کہتا ہے کہ (اس سال) درختوں پر ردی پھل آئے۔ پھر اس طرف جب آپ گذرے تو پوچھا تمہارے درختوں کو کیا ہو گیا، انہوں نے عرض کیا آپ نے اس اس طرح ارشاد فرمایا تھا (حسب الامر ہم نے تلقیح نہیں کی) اس پر آپ نے فرمایا کہ اپنی دنیوی زندگی کو تم خود بہتر جانتے ہو۔ (مسلم)

تشریح: عرب میں تابیر اور تلقیح کا قدیم سے رواج تھا۔ اس عمل کی صورت یہ تھی کہ وہ مذکر کل کا خوشہ لے کر مؤنث کے ساتھ ملا دیتے تھے اس کے بعد جب پھل آتا تو بہت کثرت سے آتا۔ پچھلی حدیث میں آپ نے یہ فرمایا ہے کہ خدا کی ذات و صفات کا تم سب سے زیادہ جاننے والا میں ہوں۔ یہاں یہ ارشاد ہے کہ دنیا کے دھندوں کو سب سے زیادہ جاننے والے تم ہو۔ یہ علوم نبوت نہیں ہیں۔ ہر اہل فن کو اپنے فن کا علم حاصل ہونا کمال سمجھا جاتا ہے۔ انبیاء علیہم السلام کے علوم یہ نہیں ہیں کہ کسی آموں کو قلمی کیسے بنایا جاتا ہے کس زمین میں کیسا کھاد و پانی چاہیے، کس فصل میں کیا بویا جاتا ہے، ان علوم کو دنیا ان کے آنے سے پہلے بھی جانتی ہے اور ان کے بعد بھی ان میں ہزاروں ترقیاں کرتی رہتی ہے۔ آج ہماری دنیا کے علوم جہاں تک پہنچ چکے ہیں ان کا ہر شخص کو تو تصور کرنا بھی مشکل ہے۔ جنگ کے متعلق محیر العقول ایجادات، زراعت میں بے موسم پیداوار، بجلی اور بھاپ کے انوکھے سے انوکھے کارنامے آنکھوں کے سامنے ہیں۔ کیا ان علوم میں سے کسی کی طرف صاحب نبوت نے تعرض فرمایا ہے۔ یہاں تمہاری عقول کو آزادی دی گئی ہے۔ اجتہاد اور جد وجہد کے جتنے مدارج ہیں طے کیے جائیں اور اپنی دنیا کو جتنا مزین کر سکتے ہیں کیے جائیں۔ ان علوم میں شریعت کوئی دست اندازی نہیں کرتی جب تک کہ آپ ان سے ٹکرائیں نہیں۔ ہاں جن علوم کے لیے انبیاء علیہم السلام آتے ہیں وہ علوم ہدایت ہیں اور وہ سب اتنے مکمل ہو چکے ہیں کہ ایک نقطہ لگانے کی اس میں گنجائش نہیں رہتی۔ یہ وہ علوم ہیں جن کو دنیا نہ انبیاء علیہم السلام کی آمد سے پہلے جانتی ہے نہ ان کے بعد اس میں ایک شوشہ کا اضافہ کر سکتی ہے۔ وہی ان کو دنیا کے سامنے پیش کرتے ہیں اور وہی ان کا کمال سمجھے جاتے ہیں۔ ان کے سوا اور علوم کا نہ انہیں دعویٰ ہوتا ہے نہ ان میں دخل اندازی وہ پسند کرتے ہیں۔ یہاں کسی کو یہ دھوکا نہ لگے کہ ہم نے دنیا کو دین سے علیحدہ کر دیا ہے اور اپنی دنیا کو ہدایات شریعت سے گویا بے نیاز سمجھ لیا ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ دنیا کا بڑا شعبہ ہمارے دین کا جزء ہے مگر وہ دنیا شریعت میں دین کے نام سے پکاری جاتی ہے۔ اس دنیا میں انبیاء علیہم السلام بھی شریک ہوتے ہیں بلکہ اس کے موسس اور معلم وہی ہوتے ہیں۔ دنیا کا دوسرا شعبہ وہ ہے جو دین سے متعلق نہیں، وہ انبیاء علیہم السلام کی دنیا نہیں تمہاری دنیا ہے اسے تم خود جانتے ہو مثلاً زراعت کرنا انسانی زندگی کے لیے کس حد تک مفید ہے اس کے اصول کلیہ کیا ہیں، کب اور کس سے، کن شرائط سے کرنا مناسب ہے۔ تجارت میں ایجاب و قبول، نفع کے حدود، بائع و مشتری کے اختیارات، اختلاف کی صورتوں میں فیصلہ کی راہ، جنگ و صلح کے نقض و ابرام کے شرائط وغیرہ وغیرہ یہ سب انبیاء علیہم السلام کی دنیا ہے جسے وہ خود سکھاتے بتاتے ہیں، اس کے اصول و فروع، ابواب و فصول خود قائم کرتے ہیں۔ اس دنیا کو دین کہا جاتا ہے لیکن ان اصول و کلیات کے بعد زراعت کی یہ تفصیلات کہ اس کے لیے کس کس سامان کے فراہم کرنے کی

ضرورت ہے کہ کس کس قسم کے مصنوعات درکار ہیں یہ تمہاری دنیا ہے۔ اسے تم خود جتنے بہتر سمجھتے ہو۔ اسی کی طرف حدیث مذکور میں
لفظ "دنیا کم" سے اشارہ فرمایا گیا ہے۔ دین کا حاصل یہ ہے کہ دنیا کا ایک شعبہ خود دین کا جزء ہے۔ دینی ہدایات بھی اس کے ذمہ
ہیں۔ اس کا دوسرا شعبہ دین کا جزء نہیں جس کو تمہارے صوابدید پر چھوڑ دیا گیا ہے وہ تمہاری دنیا ہے تم اس میں خود مختار رہو۔ ان حدود
کو جدا جدا پہچاننے کے لیے ان تفصیلات کے معلوم کرنے کی ضرورت ہے جو شرعی دنیا کے متعلق موجود ہیں ان کو پیش نظر رکھے بغیر
صرف چند سطور لکھ کر کوئی ایسا واضح خط تو متعین کیا جا سکتا جو دنیا کے ان دونوں شعبوں میں پورا پورا امتیاز پیدا کر دے۔

شیخ عبدالعزیز دباغ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی کیفیت مشاہدہ کے سلسلہ میں ضمناً اس حدیث پر بھی گذر گئے ہیں وہ
فرماتے ہیں کہ انبیاء علیہم السلام کو کائنات عالم کے ہر ہر ذرہ میں قدرت کی کارفرمائی کا ایسا مشاہدہ حاصل ہوتا ہے کہ پھر مسببات کا
اپنے اسباب کے ساتھ ارتباط صرف برائے بیت نظر آنے لگتا ہے یہ یقین و مشاہدہ ان پر ہمہ وقت مستولی رہتا ہے۔ اس لیے وہ
عالم کی ہر حرکت و سکون کا حقیقی کارساز حق تعالیٰ ہی کو دیکھتے ہیں اور اس یقین کے ساتھ دیکھتے ہیں جیسا کہ ہم اسباب کو۔ ایک
مومن کو بھی انبیاء علیہم السلام کے طفیل میں اس نوع کا مشاہدہ نصیب ہو جاتا ہے مگر وہ اتنا قوی نہیں ہوتا اور نہ دائم۔ پھر بہت جلد
اسباب پر غفلت طاری ہو جاتی ہے پھر اسے اپنی عقل و کشش کے مطابق اسباب ہی کی کارفرمائی نظر آنے لگتی ہے۔ جس پر پہلا مشاہدہ
غالب ہوتا ہے وہ بے شک اسباب کی ضعیف کڑیوں کو کوئی اہمیت نہیں دے گا قدرت بھی اس کے مشاہدہ و یقین کے مطابق اس
کے ساتھ معاملہ کرے گی۔ لیکن جس پر یہ مشاہدہ غالب نہیں وہ اسباب ہی کو دیکھ رہا ہے وہ اپنے مشاہدہ کا پابند ہوتا ہے۔ قدرت
بھی اس کے مشاہدہ کے مطابق اس سے معاملہ کرتی ہے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم پہلے مقام میں تھے اس لیے آپ نے جو فرمایا
درست فرمایا تھا لیکن صحابہ کرام پر چونکہ ابھی مشاہدہ کا غلبہ نہ تھا اس لیے نہیں اس درجہ کا جزم و یقین بھی حاصل نہ تھا قدرت نے بھی
ان کے ساتھ ان کے اندازہ یقین کے مطابق معاملہ کیا اور آخر درختوں پر پھل کم آیا۔ اگر وہ یقین کے اسی درجہ پر آ جاتے تو تابیر کیے
بغیر بھی پھل کم نہ ہوتا آپ نے یہ محسوس کر کے کہ اس مشاہدہ پر دوام ان کے لیے مشکل ہے جانب طبعی ان کی اسباب کی طرف ہی
مائل کرتا رہے گا انہیں معذور سمجھا اور فرمایا کہ اچھا تو پھر تم اپنی دنیا کو بہتر جانتے ہو۔ واللہ تعالیٰ اعلم بحقیقة الحال۔

عَنْ عَبْدِ الرَّحْمٰنِ بْنِ عَائِشٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ رَأَيْتُ رَبِّيْ فِيْ أَحْسَنِ
صُوْرَةٍ قَالَ فِيْمَ يَخْتَصِمُ الْمَلَأُ الْأَعْلٰى قُلْتُ أَنْتَ أَعْلَمُ قَالَ فَوَضَعَ كَفَّهٗ بَيْنَ كَتِفَيَّ فَوَجَدْتُ بَرْدَهَا
بَيْنَ ثَدْيَيَّ فَعَلِمْتُ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَالْأَرْضِ وَتَلَا ﴿وَكَذٰلِكَ نُرِيْ إِبْرَاهِيْمَ مَلَكُوْتَ السَّمٰوٰتِ
وَالْأَرْضِ وَلِيَكُوْنَ مِنَ الْمُوْقِنِيْنَ﴾ (الانعام: ٧٥) رواه الدارمي مرسلا وللترمذي نحوه عنه
وعن ابن عباس ومعاذ بن جبل وزاد فيه قال يا محمد هل تدري فيم يختصم الملأ الأعلى
المكث في المساجد بعد الصلوات وإبلاغ الوضوء في المكاره فمن فعل ذلك عاش بخير
ومات بخير وكان من خطيئته كيوم ولدته أمه وقال يا محمد إذا صليت فقل اللهم إني
أسألك فعل الخيرات وترك المنكرات وحب المساكين فإذا أردت بعبادك فتنة فاقبضني

اِلَیْکَ غَیْرَ مَفْتُوْنٍ قَالَ وَالدَّرَجَاتُ اِفْشَاءُ السَّلَامِ وَاِطْعَامُ الطَّعَامِ وَالصَّلٰوۃُ بِاللَّیْلِ وَالنَّاسُ نِیَامٌ

عبدالرحمن ابن عائش سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا میں نے اپنے پروردگار کو ایک بڑے حسین و جمیل انداز میں دیکھا۔ اس نے ارشاد فرمایا (بتایئے) ملائکہ مقربین کس مسئلہ میں کرار کری سے گفتگو کر رہے ہیں میں نے عرض کیا آپ ہی زیادہ جاننے والے ہیں۔ آپ نے فرمایا کہ اس کے بعد پروردگار عالم نے اپنا دست قدرت میرے دونوں شانوں کے درمیان رکھ دیا جس کی خنکی میں نے اپنے دونوں چھاتیوں کے درمیان محسوس کی اور آسمانوں اور زمین میں جو بات (چھپی ہوئی) تھی وہ سب جان گیا اس کے بعد یہ آیت تلاوت کی کہ اسی طرح ہم نے ابراہیم علیہ السلام کو آسمانوں اور زمین کی سلطنت دکھائی تاکہ وہ یقین رکھنے والوں میں ہو جائے۔ ترمذی نے حضرت ابن عباس و معاذ بن جبل سے اس پر اتنا اور اضافہ کیا ہے کہ ہاتھ رکھنے کے بعد اللہ تعالیٰ نے پھر ارشاد فرمایا اے محمدؐ اب بتایئے کہ ملائکہ مقربین کیا گفتگو کر رہے ہیں؟ میں نے عرض کیا کہ ہاں ان اعمال کے متعلق کر رہے ہیں جن سے گناہ بخشے جاتے ہیں وہ اعمال یہ ہیں نمازوں کے بعد دوسری نمازوں کے انتظار میں مسجدوں میں رہنا۔ پیادہ پا چل کر نماز باجماعت کے لیے جانا تکلیف اٹھا کر وضو پورا کرنا (جیسا جاڑوں میں) جس نے یہ عمل کیے اس کی زندگی بھی مطمئن اور موت بھی مطمئن حال میں ہوگی اور اس کی خطائیں ایسی دور ہو جائیں گی جیسے ماں سے پیدائش کے دن تھیں (یعنی کچھ نہ رہیں گی) اور نیز یہ فرمایا کہ اے محمد نماز کے بعد یہ کلمات بھی پڑھ لیا کیجئے۔ اَللّٰھُمَّ اِنِّیْ اَسْئَلُکَ اے اللہ میں تجھ سے یہ مانگتا ہوں کہ بھلائیاں کروں، برائیاں چھوڑ دوں، مسکینوں سے محبت رکھوں۔ اور جب تو اپنے بندوں کی آزمائش کا ارادہ کرے تو میری آزمائش کیے بغیر مجھے اٹھا لینا اور فرمایا کہ جن اعمال سے درجات بلند ہوتے ہیں وہ یہ ہیں ہر کس و ناکس کو سلام کرنا، اللہ کی راہ میں کھانا کھلانا اور شب میں اس وقت نماز ادا کرنا جب کہ لوگ پڑے سو رہے ہوں۔

تشریح۔ محققین کے نزدیک تجلیات الہیہ کی رؤیت کو اللہ تعالیٰ کی رؤیت سے تعبیر کیا جاتا ہے۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے کوہ طور پر ایک آگ ہی کی صورت دیکھی تھی لیکن جو آواز اس آگ سے آئی وہ "انا ربک" کی آواز تھی۔ اسی طرح خواب میں اللہ تعالیٰ کی رؤیت درحقیقت تجلیات الہیہ کی رؤیت ہوتی ہے۔ اس حدیث سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ ایک ایسے معاملہ کا پتہ چلتا ہے جیسا کہ ایک مرتبہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کے ساتھ پیش آ چکا تھا۔ آسمان و زمین کے عجائبات کا مشاہدہ خلیل اللہ کو بھی کرایا گیا تھا۔ اسی قسم کا ایک مشاہدہ یہاں حبیب اللہ کو بھی کرایا گیا ہے لیکن اس تمام مشاہدہ میں سوال و جواب سے ظاہر ہوتا ہے کہ اصل مقصد ان علوم کا ہی انکشاف کرنا تھا جن کے لیے انبیاء مبعوث ہوتے ہیں۔ چنانچہ جب آپ سے سوال کیا گیا تو جامیٹری اور الجبرے کے کسی فارمولہ کا سوال نہ تھا اور نہ عالم تکوینیات کے کسی باریک مسئلہ کا سوال تھا بلکہ اسی دائرہ کا سوال تھا۔ جو انبیاء علیہم السلام سے متعلق ہیں۔ رب العزت نے جب ان علوم کا افاضہ چاہا تو اس کے لیے عالم رؤیا میں شفقت و کرم کی ایک نرالی صورت اختیار کی اور اس کے بعد جب پھر سوال ہوا تو وہی پہلا سوال تھا اس سے صاف ظاہر ہوتا ہے کہ یہاں متکلم و مخاطب دونوں کے درمیان جن علوم کا افادہ و استفادہ ہو رہا تھا وہ وہی علوم تھے جو منصب نبوت سے متعلق ہیں۔ حضرت حذیفہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ

قَالَ قَامَ فِیْنَا رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ مَقَامًا مَا تَرَکَ شَیْئًا یَکُوْنُ فِیْ مَقَامِہٖ ذٰلِکَ اِلٰی قِیَامِ

الساعة الا حدث به حفظه من حفظه ونسيه من نسيه قد علمه اصحابي هؤلاء وانه ليكون منه الشيء قد نسيته فاراه فاذكره كما يذكر الرجل وجه الرجل اذا غاب عنه ثم اذا راٰه عرفه. (متفق علیہ)

''آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک مرتبہ وعظ فرمایا اور قیامت تک جو حوادث ہونے والے تھے ان میں کوئی واقعہ نہیں چھوڑا جو بیان نہ کر دیا ہو جس نے یاد رکھا یاد رکھا اور جو بھول گیا بھول گیا، یہ بات میرے یہ سب رفقاء بھی جانتے ہیں۔ کبھی ایسا ہوتا ہے کہ ایک واقعہ مجھے یاد نہیں آتا۔ جب پیش آجاتا ہے اور میں اسے دیکھتا ہوں تو اس طرح یاد آجاتا ہے جیسے کوئی شخص کسی کو غائبانہ یاد کرے اور یاد نہ آئے، جب دیکھے تو یاد آجائے اور پہچان لے۔'' (متفق علیہ)

اس حدیث کو اگر دنیا کے فتنوں پر محمول کیا جائے تو اس کا مضمون بالکل صاف ہے اور مطلب یہ ہے کہ اس وعظ میں آپ نے قبل از قیامت جو عام اور خاص فتنے پیش آنے والے تھے سب بیان فرما دیئے تھے۔ لیکن اگر نبی زادہ صحابہؓ کے مخصوص احوال کو چھوڑ کر لفظی عموم پر اتر آؤ اور ''ما ترک شیئا'' کا مفہوم یہ لو کہ ہر چھوٹے بڑے واقعات خواہ وہ دنیا کے کسی معاملے سے متعلق ہوں، آپ نے سب بیان کر دیئے تھے۔ تو پھر یہی حدیث عقل و نقل دونوں کے خلاف ہو جائے گی کیونکہ ایک وعظ میں زیادہ سے زیادہ صرف ایک گھنٹہ بلکہ ایک منٹ کے واقعات بھی تمام نہیں ہو سکتے۔ قیامت تک کے واقعات تو کجا اس قسم کی موشگافیاں اگر ہمارے روزمرہ کے محاورات میں پیدا کر دی جائیں تو ہماری تمام بات کرنا دوبھر ہو جائے بلکہ نظام علم و کلام درہم برہم ہو جائے۔ سوچئے اگر ایک ایسے شخص سے جو انگریزی کالج میں پی۔ ایچ۔ ڈی کی ڈگری حاصل کر چکا ہے آپ یہ دریافت کریں کہ کیا وہ تمام کتابیں پڑھ چکا ہے تو یقیناً اس کا جواب اثبات ہی میں ہوگا اب اگر آپ اس پر یہ اعتراض کریں کہ جب تک تم نے فلسفہ، ریاضی اور علم الاخلاق وغیرہ وغیرہ کی کتابیں نہیں پڑھیں تو پھر تمہارا ''تمام'' کا لفظ کہنا جھوٹ ہے اس کا حاصل یہی ہوگا کہ اس پر آپ بات چیت کا دروازہ ہی بند کر دیں۔

اس حدیث میں بھی نبی اور خدا کے مابین تعلیم و تعلم کی ایک محفل کا ذکر ہے اس کے سیاق و سباق سے یہ صاف ظاہر ہے کہ اس مجلس کا خلاصہ ان علوم کا افاضہ تھا جو آسمانوں میں ایک اونچی سوسائٹی کے درمیان زیر بحث تھے۔ اللہ تعالیٰ نے ازراہ کرم و تکریم ان علوم کو براہ راست آپ کو سکھا دیا آپ نے یہ کرم فرمایا کہ ان کو صرف سینہ میں نہیں رکھا بلکہ اپنی امت کو بھی پہنچا دیا اور اس طرح ''نبی رحمت'' کی وجہ سے آپ کی امت نے بھی ان علوم کو حاصل کر لیا۔ جس سے عام فرشتے بھی ناآشنا تھے۔ لیکن یہ دعویٰ عجیب ہے کہ اس حدیث میں جتنے امور بتائے گئے تھے بس وہ اتنے ہی تھے۔ نہ اس حساب اپ قول کا کوئی حق ہے لیکن یہ ضرور ہی بہت سے امور کا انکشاف ہوا ہو، لیکن جن علوم سے منصب نبوت کی عظمت ظاہر ہوتی ہے ان کا جو حصہ ہم تک پہنچا ہے وہ صرف اتنا ہی ہے اس سے زیادہ کی ہم نفی نہیں کرتے۔ کسی دلیل صریح کے بغیر اس کے اثبات پر تم اصرار مت کرو۔ درحقیقت یہ ایک بڑی گستاخی اور جہالت کی بات ہے کہ ایک حقیر مخلوق خدا اور اس کے رسول کے علوم کا احتساب شروع کر دے۔ ہمیں ہرگز اس کا حق نہیں کہ ہم خدائے تعالیٰ کے تمام علوم اٹھا کر نبی کے دامن میں ڈال دیں اور نہ اس کا کہ اپنی جانب سے کوئی ایسی صاف تقسیم کر دیں جس کے بعد خدا اور اس کے رسول کے علوم میں پورا پورا امتیاز ہو جائے، یہ سب مباحث تفریق بین الرسل کی بنیاد ہیں۔ ہمارے ایمان کے لیے صرف اتنا کافی ہے کہ اللہ تعالیٰ کا علم غیر متناہی ہے اس میں سے وہ جس رسول کو جتنا چاہے دے دیتا ہے اس غیب الغیب میں سے جتنے علوم اس نے ہمارے رسول کو بخشے

اتنے حصے اپنے رسولوں میں سے کسی کو نہیں بخشا۔ بعد از خدا بزرگ توئی قصہ مختصر۔ اس سے زیادہ بحث عبث اور فضول ہے۔

أَخْبَرَنِي أَنَسُ بْنُ مَالِكٍ أَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ خَرَجَ حِيْنَ زَاغَتِ الشَّمْسُ فَصَلَّى لَهُمْ صَلٰوةَ الظُّهْرِ فَلَمَّا سَلَّمَ قَامَ عَلَى الْمِنْبَرِ فَذَكَرَ السَّاعَةَ وَذَكَرَ أَنَّ قَبْلَهَا أُمُوْرًا عِظَامًا ثُمَّ قَالَ مَنْ أَحَبَّ أَنْ يَّسْأَلَنِيْ عَنْ شَيْءٍ فَلْيَسْأَلْنِيْ عَنْهُ فَوَاللّٰهِ لَا تَسْأَلُوْنَنِيْ عَنْ شَيْءٍ إِلَّا أَخْبَرْتُكُمْ بِهٖ مَا دُمْتُ فِيْ مَقَامِيْ هٰذَا قَالَ أَنَسُ بْنُ مَالِكٍ فَأَكْثَرَ النَّاسُ الْبُكَاءَ حِيْنَ سَمِعُوْا ذٰلِكَ مِنْ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَأَكْثَرَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَنْ يَّقُوْلَ سَلُوْنِيْ فَقَامَ عَبْدُ اللّٰهِ بْنُ حُذَافَةَ فَقَالَ مَنْ أَبِيْ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ قَالَ أَبُوْكَ حُذَافَةُ فَلَمَّا أَكْثَرَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَنْ يَّقُوْلَ سَلُوْنِيْ بَرَكَ عُمَرُ فَقَالَ رَضِيْنَا بِاللّٰهِ رَبًّا وَّبِالْإِسْلَامِ دِيْنًا وَّبِمُحَمَّدٍ رَّسُوْلًا قَالَ فَسَكَتَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ حِيْنَ قَالَ عُمَرُ ذٰلِكَ ثُمَّ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَالَّذِيْ نَفْسُ مُحَمَّدٍ بِيَدِهٖ لَقَدْ عُرِضَتْ عَلَيَّ الْجَنَّةُ وَالنَّارُ آنِفًا فِيْ عُرْضِ هٰذَا الْحَائِطِ فَلَمْ أَرَ كَالْيَوْمِ فِي الْخَيْرِ وَالشَّرِّ قَالَ ابْنُ شِهَابٍ أَخْبَرَنِيْ عُبَيْدُ اللّٰهِ بْنُ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ عُتْبَةَ قَالَ قَالَتْ أُمُّ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ حُذَافَةَ لِعَبْدِ اللّٰهِ بْنِ حُذَافَةَ مَا سَمِعْتُ بِابْنٍ قَطُّ أَعَقَّ مِنْكَ أَأَمِنْتَ أَنْ تَكُوْنَ أُمُّكَ قَدْ قَارَفَتْ بَعْضَ مَا تُقَارِفُ نِسَاءُ أَهْلِ الْجَاهِلِيَّةِ فَتَفْضَحَهَا عَلٰى أَعْيُنِ النَّاسِ قَالَ عَبْدُ اللّٰهِ بْنُ حُذَافَةَ وَاللّٰهِ لَوْ أَلْحَقَنِيْ بِعَبْدٍ أَسْوَدَ لَلَحِقْتُهُ. (رواہ مسلم)

انس بن مالک رضی اللہ تعالیٰ عنہ بیان فرماتے ہیں کہ آفتاب ڈھلنے کے بعد آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم باہر تشریف لائے اور صحابہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم اجمعین کو ظہر کی نماز پڑھائی جب سلام پھیر چکے تو منبر پر کھڑے ہوئے اور قیامت کا ذکر فرمایا اس ضمن میں یہ بھی ذکر کیا کہ قیامت سے پہلے بڑے بڑے واقعات رونما ہوں گے۔ اس کے بعد فرمایا جو شخص چاہے مجھ سے جو چاہے پوچھ لے خدا کی قسم جب تک میں اس جگہ کھڑا ہوا ہوں تم مجھ سے جو دریافت کرو گے میں تم کو بتا دوں گا۔ حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ کہتے ہیں لوگ یہ سن کر بہت روئے ادھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم بار بار فرماتے تھے کہ پوچھو پوچھو آخر عبداللہ بن حذافہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کھڑے ہوئے اور پوچھا یا رسول اللہ میرے والد کون ہیں (ان کے نسب میں لوگ تہمت لگاتے تھے) فرمایا تیرے والد حذافہ ہیں۔ جب اس کے بعد بھی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم یہی فرماتے رہے کہ اور پوچھو اور پوچھو تو عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ گھٹنوں کے بل بیٹھ گئے اور فرمایا ہم خدا کو رب اور اسلام کو دین اور محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو رسول مان کر راضی ہیں۔ راوی کہتا ہے کہ عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی اس معذرت کے بعد آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم خاموش ہو گئے۔ پھر فرمایا خبردار اس ذات کی قسم ہے جس کے قبضہ میں محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کی جان ہے ابھی ابھی دیوار کی طرف جنت اور دوزخ مثالی طور پر میرے سامنے پیش کی گئی

تھیں میں نے برائی اور بھلائی کا ایسا منظر جیسا آج دیکھا تھا کبھی نہیں دیکھا۔ ابن شہاب اپنی اسناد سے بیان کرتے ہیں کہ عبداللہ بن حذافہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی والدہ نے عبداللہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے کہا کہ تجھ جیسی نالائق اولاد میں نے نہیں دیکھی تیرے پاس اس کی کیا ضمانت تھی کہ تیری ماں نے زمانہ جاہلیت کی عورتوں کی طرح کوئی ناشایاں حرکت نہیں کی اگر کہیں ایسا ہوا ہوتا تو آج بھری محفل میں تو نے اپنی ماں کو رسوا کر دیا ہوتا۔ عبداللہ بن حذافہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے کہا خدا کی قسم اگر آپ صلی اللہ علیہ وسلم مجھے کسی حبشی غلام کی بھی اولاد قرار دیتے تو میں اپنے آپ کو اسی کی اولاد سمجھ لیتا۔ (مسلم و بخاری)

تشریح۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے غیر متعلق سوالات کرنے کی ممانعت فرمائی تھی اس پر بھی بعض طبائع سوال سے باز نہ آئیں تو ایک مرتبہ آپ کو اس قدر ناگواری پیش آئی کہ منبر پر کھڑے ہو کر آپؐ نے یہ اعلان فرما دیا کہ اچھا اب جسے جو پوچھنا ہے پوچھ ہی لے۔ اس ناگواری کا عام لوگوں نے احساس نہ کیا لیکن آخر حضرت عمرؓ نے بڑھتے ہوئے آثار ناگواری دیکھ کر معذرت کی کہ ہم میں سے خام طبائع کے یہ سوالات اپنی نااہلیت کی بناء پر ہیں ورنہ نہ تو آپ کی رسالت کی آزمائش منظور ہے نہ دین اسلام کے سوا کسی اور دین کی تلاش ہے۔ نہ اللہ تعالیٰ کے سوا ہم نے کسی دوسرے کو اپنا رب بنانے کا ارادہ کیا ہے یہ سن کر جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا غصہ فرو ہو گیا۔ بعد کو آپ نے اپنا ایک بلند مشاہدہ بیان فرمایا جو جنت و جہنم سے متعلق تھا۔ یہاں جو کچھ آپؐ نے دیکھا ان ہی آنکھوں سے دیکھا تھا البتہ جنت و نار عالم مثال میں نظر آ گئیں۔ یہ پہلے بتایا جا چکا ہے کہ نبی کی نظر عالم اجسام اور عالم مثال کو یکساں دیکھتی ہے۔

امام بخاریؒ نے اس واقعہ کو کتاب العلم میں بھی ذکر کیا ہے مگر کتاب الاعتصام میں ایک ایسی قید مذکور ہے جو اور جگہ مذکور نہیں اور وہ مادمت فی مقامی ھذا ہے۔ یعنی جب تک میں اس جگہ ہوں۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ آپ کا ہر سوال کے جواب کے لیے تیار ہو جانا صرف ایک وقتی کیفیت تھی جیسا کہ سامنے دیوار پر اس وقت جنت اور نار کا تمثل۔ اس کی علت یہ نہیں کہ انبیاء علیہم السلام کو رسالت کے ذیل میں قیامت تک کے انسان اور ان کے باپ دادوں کے نام بھی بتا دیئے جاتے ہیں۔ اگر یہ علوم رسالت ہوتے تو ان کے دریافت کرنے سے آپ کو غصہ ہی کیوں آتا۔ لیکن ایسا بھی ہو جاتا ہے کہ جب رسول کو زیادہ تنگ کیا جاتا ہے تو کبھی قدرت اس کا تکفل فرما لیتی ہے کہ جو ان سے پوچھا جائے گا اس کا جواب وہ اسی وقت انہیں القا کر دے گی جیسا کہ سیر معراج کے واقعہ میں جب آپ کا بیت مقدس کا سفر مشرکین مکہ کو بعید نظر آیا تو انہوں نے امتحاناً آپؐ سے مسجد اقصیٰ کے متعلق سوالات شروع کیے حدیث میں آتا ہے کہ اس وقت آپ کو اتنی بے چینی ہوئی کہ کبھی نہ ہوئی تھی۔ ظاہر ہے کہ ایک دیکھنے والا ہر وقت اتنے غور سے تو دیکھتا نہیں کہ ہر چیز کے سب خط و خال محفوظ کر لے۔ اب اگر آپ ان کے سوالات کے جوابات نہیں دیتے تو منکرین کو مذاق اڑانے کا موقعہ ہاتھ آتا ہے اور اگر جواب دیتے ہیں تو اس اندازہ سے آپؐ نے بیت مقدس کو دیکھا نہ تھا کہ قریش مکہ کو اس کا امتحان بھی دینا ہے۔ یہ بے چینی آپؐ کے مربی حقیقی نے محسوس کی آپ فرماتے ہیں کہ بیت مقدس میرے سامنے کر دیا گیا وہ مجھ سے سوال کرتے جاتے میں بڑی سہولت سے دیکھ دیکھ کر اس کا جواب دیتا جاتا بہر حال اس قسم کی جزئیات

بھی رسول کی زندگی میں ملتی ہیں مگر اس کو منصب رسالت و نبوت کا نہ جزء سمجھا جاتا ہے نہ کمال بلکہ حق تعالیٰ کی اس وقت مشیت پر موقوف ہے اگر چاہے تو نگاہوں کی تسلی کے لیے خرق عادت کے طور پر اس قسم کا تماشہ بھی دکھلا دے۔ یہی حال تمام معجزات کا ہے وہ بھی نبی کی طاقت سے باہر ہوتے ہیں اس کی طاقت سے ظاہر نہیں ہوتے نہ اصولی طور پر معجزات کی ان کو کلی طاقت دی جاتی ہے بلکہ وقت و مصلحت کے لحاظ سے اگر اللہ تعالیٰ کو منظور ہوتا ہے تو اپنی غیر متناہی طاقت کا ان کے ہاتھوں پر اظہار کرا دیتا ہے اور جب نہیں چاہتا نہیں کرتا۔ اسی لیے کفار کے عجوبہ نمائیوں کی فرمائشوں کی مجموعہ کے جواب میں آپ سے یہ کہہ دیا گیا تھا ﴿قُلْ سُبْحَانَ رَبِّيْ هَلْ كُنْتُ اِلَّا بَشَرًا رَّسُوْلًا﴾ (بنی اسرائیل: ۹۳) آپ کہہ دیجئے میرا رب پاک ہے میں تو صرف بشر اور رسول ہوں۔ اعجوبہ نمائیاں میرا کام نہیں۔ یہی وجہ ہے کہ انبیاء علیہم السلام کو فتح کے ساتھ شکست بھی کھانی پڑتی ہے بلکہ عام انسانوں کی طرح بہت سی آزمائشوں میں سے بھی گذرنا پڑتا ہے بلکہ آزمائش کے جو مراحل انہیں طے کرنا پڑتے ہیں وہ کسی اور کو طے کرنا نہیں پڑتے بلکہ ان کی بزرگیوں اور فضیلتوں کا معیار ابتلاء و محن کا یہی لق و دق خارستان ہوتا ہے۔ یہ آزمائشوں کی پر خار وادیوں میں سے نکل کر اپنی بشریت کا ثبوت دیا کرتے ہیں دینی نظریات کے مطابق اسے مختلف رنگ دیا کرتی ہے۔

مخلوق میں سب سے شدید آزمائش انبیاء کی ہوتی ہے

عَنْ سَعْدٍ قَالَ سُئِلَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَيُّ النَّاسِ اَشَدُّ بَلَاءً قَالَ الْاَنْبِيَاءُ ثُمَّ الْاَمْثَلُ فَالْاَمْثَلُ يُبْتَلَى الرَّجُلُ حَسَبَ دِيْنِهٖ فَاِنْ كَانَ فِيْ دِيْنِهٖ صُلْبًا اشْتَدَّ بَلَاؤُهٗ وَاِنْ كَانَ فِيْ دِيْنِهٖ رِقَّةٌ هُوِّنَ عَلَيْهِ فَمَا زَالَ كَذٰلِكَ حَتّٰى يَمْشِيَ مَا لَهٗ ذَنْبٌ. (رواہ الترمذی)

سعد رضی اللہ تعالیٰ عنہ روایت فرماتے ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے دریافت کیا گیا لوگوں میں سب سے زیادہ آزمائش کس کی ہوتی ہے۔ فرمایا انبیاء کی۔ اس کے بعد درجہ بدرجہ جو افضل ہو (قاعدہ یہ ہے) کہ آدمی کی آزمائش اس کی دینداری کے اندازہ کے مطابق ہوتی ہے اگر وہ اپنے دین میں سخت ہوتا ہے تو اس کی آزمائش بھی سخت ہوتی ہے اور اگر نرم ہوتا ہے تو اس کی آزمائش بھی ہلکی ہوتی ہے آزمائشوں کا یہی دور رہتا ہے حتیٰ کہ اس طرح چلتا پھرتا ہے کہ اس پر کوئی گناہ باقی نہیں رہتا۔ (ترمذی)

عَنْ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ مَسْعُوْدٍ قَالَ دَخَلْتُ عَلَى النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَهُوَ يُوْعَكُ فَمَسِسْتُهٗ بِيَدِيْ فَقُلْتُ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ اِنَّكَ لَتُوْعَكُ وَعْكًا شَدِيْدًا فَقَالَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَجَلْ اِنِّيْ اُوْعَكُ كَمَا يُوْعَكُ رَجُلَانِ مِنْكُمْ قَالَ فَقُلْتُ ذٰلِكَ لِاَنَّ لَكَ اَجْرَيْنِ فَقَالَ اَجَلْ ثُمَّ قَالَ مَا مِنْ مُسْلِمٍ يُصِيْبُهٗ اَذًى مِنْ مَرَضٍ فَمَا سِوَاهُ اِلَّا حَطَّ اللّٰهُ تَعَالٰى بِهٖ سَيِّئَاتِهٖ كَمَا تَحُطُّ الشَّجَرَةُ وَرَقَهَا. (متفق علیہ)

عبداللہ بن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا اس وقت آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو بخار چڑھا ہوا تھا میں نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے جسم مبارک کو ہاتھ لگایا (تو بخار بہت تیز تھا) میں نے عرض کیا یا رسول اللہ (صلی

اللہ علیہ وسلم) آپ کو تو بخار بہت تیز ہے فرمایا ہاں مجھے اتنا بخار ہے جتنا تم میں دو شخصوں کو ہوتا ہے میں نے عرض کیا یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یہ اس لیے ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا اجر بھی تو دوگنا ملتا ہے۔ فرمایا ہاں اس کے بعد فرمایا کوئی مسلمان ایسا نہیں جس کو مرض وغیرہ کی کوئی تکلیف لاحق ہو مگر اللہ تعالیٰ اس کی وجہ سے اس کی برائیاں اس طرح ساقط کر دیتا ہے جیسا درخت اپنے پتے۔ (متفق علیہ)

عَنْ عَائِشَةَ قَالَتْ مَا رَأَيْتُ أَحَدًا الْوَجَعُ عَلَيْهِ أَشَدُّ مِنْ رَسُولِ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ. (متفق علیہ)

حضرت عائشہؓ فرماتی ہیں کہ میں نے بیماری کی تکلیف اتنی سخت کسی پر نہیں دیکھی جتنی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم پر دیکھی تھی۔ (متفق علیہ)

عَنْ أَنَسٍ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِنَّ عِظَمَ الْجَزَاءِ مَعَ عِظَمِ الْبَلَاءِ وَإِنَّ اللهَ عَزَّ وَجَلَّ إِذَا أَحَبَّ قَوْمًا ابْتَلَاهُمْ فَمَنْ رَضِيَ فَلَهُ الرِّضَى وَمَنْ سَخِطَ فَلَهُ السَّخَطُ. (رواہ الترمذی وابن ماجہ)

انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ روایت فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ثواب کی زیادتی کا مدار آزمائش کی سختی پر ہے جتنی سخت آزمائش اسی قدر زیادہ ثواب۔ اللہ تعالیٰ جب کسی قوم سے محبت کرتا ہے تو اسے آزمائش میں ڈال دیتا ہے۔ پھر جو راضی رہا اس سے خدا بھی راضی رہتا ہے اور جو ناراض ہوا اس سے خدا بھی ناراض ہو جاتا ہے۔ (ترمذی، ابن ماجہ)

تشریح: ان روایات سے معلوم ہوا کہ ابتلاء اور آزمائش نقص و عیب کی دلیل نہیں بلکہ کمال کی دلیل ہے کوتاہ فہم سمجھتے ہیں کہ مقربین وہ ہیں جو ہر قید سے آزاد ہو جائیں گویا محکومیت سے نکل کر دائرہ حاکمیت میں قدم رکھ دیں۔ سیرت انبیاء علیہم السلام یہ بتاتی ہے کہ یہاں جو سب سے بزرگ ہیں وہی سب سے زیادہ پابند ہے۔ جس کے متعلق سب سے زیادہ حاکمیت کا گمان ہے وہی سب سے زیادہ محکومیت و عبدیت کا اقرار کر رہا ہے جس طرح سونے کی حقیقت بھٹی میں کھلتی ہے اسی طرح انبیاء علیہم السلام کے صبر و استقامت کے کمالات ابتلاء کی چکی میں پس کر نظر آتے ہیں۔ سونے کا کمال یہ نہیں کہ اس کو کسوٹی پر ساتھ جائے اگر کسا نہ جائے تو اس کا کمال ظاہر کیسے ہو گرمی نہ ستائے، فاقہ نہ پہنچے، بیمار نہ پڑیں، خلق خدا کی ایذائیں نہ اٹھائیں۔ کمال یہ ہے کہ جب شکست کھائیں تو ایسے ہی راضی نظر آئیں جیسے کہ فتح کے حال میں نظر آتے تھے، جب سردی و گرمی، فاقہ و بیماری کی تکلیفیں جھیلیں تو ماتھے پر شکن نہ پڑے، سب کی ایذائیں اٹھائیں اور کسی کو ایذا نہ دیں۔ ان کی بشریت کی ایک ایک خصلت سخت سے سخت آزمائش میں ڈالی جائے اور وہ ہر آزمائش میں کبریت احمر کی طرح کھری ثابت ہوتی رہے۔

وَإِذِ ابْتَلَىٰ إِبْرَاهِيمَ رَبُّهُ بِكَلِمَاتٍ فَأَتَمَّهُنَّ (البقرۃ: ۱۲۴)

"ابراہیم کے پروردگار نے کئی باتوں میں اس کا امتحان لیا وہ ان سب میں پورا اترا۔"

اگر یہ آزمائشیں نہ ہوتیں تو مدعی و غیر عاشق اور عاشق و غیر مدعی میں فرق کہاں سے نظر آتا۔ قرآن کریم میں غزوات کی ایک حکمت یہ بھی بتائی ہے کہ مومن خالص اور منافق خالص کا امتیاز نہیں ہو سکتا۔ جب تک کہ ان کو آب شمشیر پر پرکھا نہ جائے۔ روز مرہ کی محفلوں میں تو دونوں یکساں نظر آتے ہیں۔ مسجدوں میں شرکت میں بھی کچھ ادھر ادھر

بڑی ہوتی رہتی ہے۔ مگر جہاں ایمان ونفاق نکھرتا ہے وہ احد کا میدان ہے۔ دشمن یوں خوش ہیں کہ مسلمان شکست کھا گئے مسلمان اس پر نازاں ہیں کہ چلو ایک موقعہ تو ایسا ملا جہاں ہماری عاشقی کی لاج رہ گئی۔ یہ تو خدا ان انبیاء علیہم السلام کے جذبات ہیں انبیاء علیہم السلام کے صبر ورضا کا حال وہی جانیں۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی اطاعت

قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كُلُّكُمْ يَدْخُلُ الْجَنَّةَ إِلَّا مَنْ أَبٰى، قَالُوْا وَمَنْ أَبٰى يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ، قَالَ مَنْ أَطَاعَنِيْ دَخَلَ الْجَنَّةَ وَمَنْ عَصَانِيْ فَقَدْ أَبٰى.

تم میں سے ہر ایک جنت میں جائے گا سوائے اس کے جو انکار کرے، لوگوں نے عرض کیا، یا رسول اللہ! بھلا ایسا کون ہوگا جو انکار کرے؟ آپ نے فرمایا، جس نے میری اطاعت کی وہ جنت میں جائے گا اور جس نے میری نافرمانی کی تو (سمجھ لو کہ اس نے جنت میں جانے ہی سے) انکار کیا ہے۔ (بخاری شریف)

تشریح: حدیث زیر درس کا پہلا لفظ "کلکم" ہے (جس کے معنی ہیں تم میں کا ہر شخص) اس لفظ سے حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی امت مسلمہ کے جملہ اہل ایمان افراد مراد لئے ہیں، خواہ وہ مرد ہو یا عورت، بچہ ہو یا بوڑھا، شریف ہو یا رذیل، عالم ہو یا عامی، مالدار ہو یا نادار، سب ہی لوگ مراد ہیں، دوسرا فقرہ ہے: "یدخل الجنۃ" (جس کے معنی ہیں، جنت میں داخل ہوگا) جس کی تشریح یہ ہے کہ مرنے کے بعد (قیامت اور حشر سے پہلے) صرف اس کی روح جنت میں داخل ہوگی، اور قیامت کے روز وہ شخص بذات خود اپنے جسم وروح کے ساتھ جنت میں داخل ہوگا۔ اس جنت کو "دار الابرار، دار المتقین اور دار السلام" بھی کہتے ہیں۔ دار الابرار تو اس لئے کہتے ہیں کہ اس میں صرف "ابرار" (نیکوکار) ہی داخل ہوں گے، جو حسب ایمان اور اعمال طاعت ہوں گے۔ اور اسے "دار المتقین" اس لئے کہا گیا ہے کہ اس میں صرف اہل التقویٰ اور متقی و پرہیزگار لوگ ہی داخل ہوں گے۔ اسے "دار السلام" اس لئے کہا گیا ہے کہ اس میں رہنے والوں کو ہر طرح کی سلامتی حاصل رہے گی۔ انہیں کوئی غم، تکلیف، مرض اور بڑھاپا وغیرہ کچھ لاحق نہ ہوگا اور نہ انہیں موت آئے گی، ہمیشہ کی زندگی سلامتی اور مسرت وخوشی کی رہے گی۔

اس حدیث میں ایک لفظ "ابی" آیا ہے، جس کے معنی انکار کرنے کے ہوتے ہیں تو حدیث کے دوسرے فقرے کا مطلب یہ ہوا کہ جنت میں وہی لوگ نہ جائیں گے جو خود ہی جنت کا انکار کریں گے اور چھوڑ دیں گے، جس کی صورت یہ ہوگی کہ جو لوگ خدا اور رسول کی نافرمانی کرکے کفر وشرک میں مبتلا ہو جائیں گے، جس کی وجہ سے جنت سے محروم رہیں گے ان کے حق میں یہ کہنا خلاف واقعہ ہوگا کہ انہوں نے اپنی بدعملیوں اور کفر وشرک کے ارتکاب کی وجہ سے خود ہی جنت میں جانا نہ چاہا اور اسے چھوڑ دیا ہے۔

اللہ تعالیٰ اور رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی محبت

حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد گرامی ہے:

قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَحِبُّوا اللّٰهَ لِمَا يَغْذُوْكُمْ بِهِ مِنْ نِعَمِهِ وَأَحِبُّوْنِيْ بِحُبِّ اللّٰهِ تَعَالٰى.

اللہ تعالیٰ سے محبت کرو، کیونکہ وہ تمہیں کیسی کیسی نعمتیں اور اچھی اچھی چیزیں کھلاتا ہے اور محبت الٰہی کی وجہ سے تم مجھ سے بھی محبت رکھو۔ (ترمذی شریف)

تشریح: غَذَا يَغْذُو عربی میں غذا دینے کے معنی میں آتا ہے۔ جس سے جسم کی نشوونما ہو سکے۔ اللہ تعالیٰ نے ہمارے لئے طرح طرح کے انواع واقسام کی غذائیں اور نعمتیں پیدا کی ہیں جن کو شمار بھی نہیں کیا جاسکتا۔ اللہ تعالیٰ کے ان بے شمار انعامات کا تقاضا یہ ہے کہ ہم اللہ تعالیٰ سے محبت کریں اور چونکہ اللہ تعالیٰ اپنے نبی ورسول حضرت محمد صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو محبوب رکھتے ہیں، لہذا ہمارے لئے یہ بات ضروری ہو جاتی ہے کہ ہم بھی حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے محبت کریں کیونکہ اللہ تعالیٰ سے محبت کرنے کا تقاضا یہی ہے کہ اللہ تعالیٰ کو جو کچھ محبوب ہو اور جو لوگ محبوب ہوں ان سے بھی محبت کی جائے۔

اسی لئے حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا ہے "اَحِبُّوا اللّٰهَ لِمَا يَغْذُوكُمْ بِهِ مِنَ النِّعَمِ" کہ چونکہ اللہ تعالیٰ نے تم کو کیسی کیسی نعمتیں دی ہیں (جن کا تم شمار بھی نہیں کر سکتے) اس لئے اللہ تعالیٰ سے تمہاری محبت ایک فطری تقاضا ہے۔ "اَلْاِنْسَانُ عَبْدُ الْاِحْسَانِ" انسان احسان کا بندہ اور غلام ہو جاتا ہے۔ تو اللہ تعالیٰ کے ان بے شمار احسانات کی وجہ سے اللہ تعالیٰ کی محبت وغلامی فطری طور پر ضروری ہے۔

اس کے بعد آپ نے دوسرا فقرہ یہ فرمایا ہے "وَاَحِبُّوْنِیْ بِحُبِّ اللّٰهِ تَعَالٰی" یعنی اللہ تعالیٰ سے محبت رکھنے کے تقاضے میں تم مجھ سے بھی محبت رکھو۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ سے محبت رکھنے کا مطلب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ جس سے محبت رکھیں اس سے بھی محبت رکھی جائے اور اللہ تعالیٰ کی محبت حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے ظاہر ہے کہ اللہ تعالیٰ نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو مصطفےٰ بنایا، آپ کو اپنی رسالت بلکہ ختم رسالت کے لئے پسند فرمایا۔ اور اپنے تمام انبیاء ورسل پر آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو فضیلت بخشی۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو لیلۃ المعراج میں آسمانوں پر بلایا اور وحی جانے وہاں کیا کچھ آپ سے فرمایا (وَاَوْحٰی اِلٰی عَبْدِهٖ مَا اَوْحٰی)

حدیث بالا پر غور کرنے سے خدا اور رسول کی محبت کے معاملہ میں اصل ترتیب یہ معلوم ہوتی ہے کہ اصل محبت تو اللہ تعالیٰ سے ہو اور اس کے تقاضے اور نتیجے میں حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے، اور پھر آپ کے واسطہ سے بقیہ دوسرے محبوبین سے محبت رکھی جائے اور اللہ تعالیٰ کی محبت کا ذریعہ اتباع رسول ہے جو محبت رسول کا نتیجہ ہے۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی ولادت باسعادت

آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی والدہ ماجدہ کا ایک نور مشاہدہ کرنا

عَنِ الْعِرْبَاضِ بْنِ سَارِيَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِنِّيْ عِنْدَ اللّٰهِ لَخَاتَمُ النَّبِيِّيْنَ وَإِنَّ آدَمَ لَمُنْجَدِلٌ فِيْ طِيْنَتِهٖ وَسَأُنَبِّئُكُمْ بِأَوَّلِ ذٰلِكَ دَعْوَةُ إِبْرَاهِيْمَ وَبُشْرٰى عِيْسٰى وَرُؤْيَا أُمِّي الَّتِيْ رَأَتْ وَكَذٰلِكَ أُمَّهَاتُ الْمُؤْمِنِيْنَ يَرَيْنَ وَفِيْ رِوَايَةٍ وَإِنَّ أُمَّ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ رَأَتْ حِيْنَ وَضَعَتْهُ نُوْرًا أَضَاءَتْ مِنْهُ قُصُوْرُ الشَّامِ. (رواہ احمد)

عرباض بن ساریہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ میں اللہ تعالیٰ کے نزدیک خاتم النبیین تھا اور آدم علیہ السلام ابھی آب و گل ہی کی حالت میں تھے یعنی ان کا پتلا بھی تیار نہ ہوا تھا اور لو میں تم کو اس کی ابتداء بتاتا ہوں۔ میں حضرت ابراہیم علیہ السلام کی دعا اور عیسیٰ علیہ السلام کی بشارت کا مصداق ہوں اور اپنی والدہ کے اس خواب کی تعبیر ہوں جو انہوں نے دیکھا تھا۔ چنانچہ جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم پیدا ہوئے تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی والدہ نے ایک نور دیکھا کہ جس کی روشنی سے شام کے محلات جگمگا اٹھے اور اسی طرح دیگر انبیاء علیہم السلام کی والدہ بھی دیکھا کرتی تھیں۔ (مسند احمد، بیہقی، مستدرک)

تشریح: یہاں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی دایہ حضرت سعدیہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے چند ان غیر معمولی برکات کا بھی تذکرہ کیا ہے جو ان کے گھر کے اندر مشاہدہ میں آئی ہیں یعنی ان کے مال و متاع میں برکت اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے اٹھان میں وہ نشوونما جو بالعموم دوسرے بچوں کو ایک ماہ میں میسر آتی وہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو ایک دن ہی میں حاصل ہو جاتی۔ حضرت حلیمہ سعدیہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کا آپ کے متعلق یہ بیان اس بیان سے بہت ہی ملتا جلتا ہے جو قرآن پاک میں حضرت مریم علیہا السلام کے متعلق ذکر کیا ہے ”وانبتها نباتا حسنا“

یہاں محدثین نے اس نور کے ساتھ جو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی بوقت ولادت نمودار ہوا، اور بھی بعض خصوصیت کو ذکر کیا ہے۔ مثلاً آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا عام بچوں کے برخلاف اپنی انگشت مبارک اٹھانے دست مبارک زمین پر رکھنا وغیرہ۔ ظاہر ہے کہ ان واقعات کا بیان کرنے والا آپ کی والدہ ماجدہ کے سوا اور کون ہو سکتا ہے اور چالیس سال کی عمر تک اس کے نقل پورے ضبط و اتفاق کے ساتھ کہاں مل سکتے تھے۔ مگر اس پر تعجب ہی تعجب ہوتا ہے کہ اس واقعہ کو کئی محدثین نے ایسی اسانید کے ساتھ پیش کیا ہے جو ان کے نزدیک معتبر تھیں جن کی تفصیلات ہم عربی میں نقل کر چکے ہیں اردو خواں احباب کے سامنے ان کا پیش کرنا عام طور پر غیر مفید

معلوم ہوا۔ حدیث مذکورہ سے ایک جدید بات یہ بھی معلوم ہوئی کہ یہ نظارہ نہ صرف آپ کی والدہ کو نظر آیا بلکہ اس میں دیگر انبیاء علیہم السلام کی والدات کو بھی شرکت نصیب تھی اور ایسا ہی ہونا بھی چاہیے تھا۔ ہر نبی کی شخصیت کوئی معمولی نہیں ہوتی۔ لہٰذا ان کی ولادت پر ان کی والدات اگر کچھ عجائبات کا نظارہ کر لیں تو وہ کوئی عجیب بات نہیں بلکہ ان کا نظارہ نہ کرنا عجیب ہے۔ آج بھی ہم غیر معمولی نیک بخت بچوں کی ولادت پر اس قسم کے واقعات سنتے اور ان کا یقین کر لیتے ہیں حالانکہ ان کا مشاہدہ کرنے والا ان کی والدہ یا چند عورتوں کے سوا اور کوئی نہیں ہوتا اور اس موقع پر سند کا مطالبہ اور وہ بھی بخاری کی شرط کا مطالبہ کرنا غیر معقول تصور کیا جاتا ہے۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے متعلق جنات کی غیبی آوازیں

عَنْ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ عُمَرَ قَالَ مَا سَمِعْتُ عُمَرَ لِشَيْءٍ قَطُّ يَقُوْلُ اِنِّيْ لَاَظُنُّهُ كَذَا اِلَّا كَانَ كَمَا يَظُنُّ بَيْنَمَا عُمَرُ جَالِسٌ اِذْ مَرَّ بِهِ رَجُلٌ جَمِيْلٌ فَقَالَ لَقَدْ اَخْطَأَ ظَنِّيْ اَوْ اِنَّ هٰذَا عَلٰى دِيْنِهِ فِي الْجَاهِلِيَّةِ اَوْ لَقَدْ كَانَ كَاهِنَهُمْ عَلَيَّ الرَّجُلَ فَدُعِيَ لَهُ فَقَالَ لَهُ ذٰلِكَ فَقَالَ مَا رَاَيْتُ كَالْيَوْمِ اسْتُقْبِلَ بِهِ رَجُلٌ مُسْلِمٌ قَالَ فَاِنِّيْ اَعْزِمُ عَلَيْكَ اِلَّا مَا اَخْبَرْتَنِيْ قَالَ كُنْتُ كَاهِنَهُمْ فِي الْجَاهِلِيَّةِ قَالَ فَمَا اَعْجَبُ مَا جَاءَتْكَ بِهِ جِنِّيَّتُكَ قَالَ بَيْنَمَا اَنَا يَوْمًا فِي السُّوْقِ اِذْ جَاءَتْنِيْ اَعْرِفُ فِيْهَا الْفَزَعَ فَقَالَتْ اَلَمْ تَرَ الْجِنَّ وَاِبْلَاسَهَا وَيَاْسَهَا مِنْ بَعْدِ اِنْكَاسِهَا وَلُحُوْقَهَا بِالْقِلَاصِ وَاَحْلَاسِهَا قَالَ عُمَرُ صَدَقَ بَيْنَمَا اَنَا نَائِمٌ عِنْدَ اٰلِهَتِهِمْ اِذْ جَاءَ رَجُلٌ بِعِجْلٍ فَذَبَحَهُ فَصَرَخَ بِهِ صَارِخٌ لَمْ اَسْمَعْ صَارِخًا قَطُّ اَشَدَّ صَوْتًا مِنْهُ يَقُوْلُ يَا جَلِيْحُ اَمْرٌ نَجِيْحٌ رَجُلٌ فَصِيْحٌ يَقُوْلُ لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ فَوَثَبَ الْقَوْمُ قُلْتُ لَا اَبْرَحُ حَتّٰى اَعْلَمَ مَا وَرَاءَ هٰذَا ثُمَّ نَادٰى يَا جَلِيْحُ اَمْرٌ نَجِيْحٌ رَجُلٌ فَصِيْحٌ يَقُوْلُ لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ فَقُمْتُ فَمَا نَشِبْنَا اَنْ قِيْلَ هٰذَا نَبِيٌّ. (رواه البخاری)

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ روایت کرتے ہیں کہ ایسا کبھی نہیں ہوا کہ میں نے حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو یہ فرماتے سنا ہو کہ میرا گمان ہے کہ یہ واقعہ اس طرح ہوگا پھر وہ ٹھیک اسی طرح نہ نکلا ہو۔ ایک دن کا واقعہ ہے کہ وہ تشریف فرما تھے سامنے سے ایک حسین شخص گزرا۔ آپ رضی اللہ عنہ نے اس کو دیکھتے ہی فرمایا: یا تو میرا خیال غلط ہے ورنہ یہ شخص یا تو اپنی اسی کفر کی حالت پر قائم ہے یا وہ پہلے کاہن ہوگا اچھا اس کو میرے پاس لاؤ۔ چنانچہ وہ سامنے حاضر کر دیا گیا۔ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اس سے بھی وہی بات فرمائی اس نے کہا: آج سے پہلے میں نے اس سے زیادہ تعجب کی بات اور کوئی نہیں دیکھی تھی کہ ایک مسلمان آدمی سے ایسی بات کہی جائے۔ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا: میں تجھ کو قسم دیتا ہوں کہ تو مجھ کو بات کی اصلیت ضرور بتا۔ اس نے کہا: اچھا تو پھر بات یہ ہے کہ میں جاہلیت کے زمانے میں کاہن تھا۔ اس پر حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے پوچھا جو جن تمہارے پاس خبریں لایا کرتا تھا ان میں سب سے زیادہ تعجب خیز خبر کون سی تھی؟ اس نے کہا ایک دن میں بازار میں تھا کیا دیکھتا ہوں کہ وہ میرے پاس آیا اور کچھ گھبرایا ہوا معلوم ہوتا تھا۔ اس نے کہا: کیا تم نے جنات اور ان کی ناامیدی کا حال نہیں دیکھا وہ اوندھے منہ ذلیل ہو کر کس طرح مایوس پڑے ہیں اور اپنی اونٹنیوں اور کجاووں میں جا گھسے ہیں (یعنی اب بستیوں میں آمد و رفت نہ ہوگی جنگل میں رہا کریں گے) یہ سن کر حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ نے فرمایا: اس نے ٹھیک کہا۔ ایک دن ایسا اتفاق ہوا

کہ میں ان کے بتوں کے پاس سو رہا تھا ایک شخص ایک بچھڑا لے کر آیا اور اس نے اس کو بھینٹ چڑھایا تھا۔ کہ ایک غیبی چیخ مارنے والے کی آواز سنی کہ ایسی شدید آواز اس سے پہلے کبھی نہیں سنی تھی۔ کوئی کہتا ہے "او جلیح (: بے باک) ایک کامیاب بات ظاہر ہوئی ایک فصیح شخص کہتا ہے کہ خدا کے سوا اور کوئی خدا نہیں۔" یہ سن کر اور لوگ تو کود کر بھاگ گئے مگر میں نے کہا کہ میں تو یہاں سے اس وقت تک نہ ہلوں گا جب تک کہ اس کی صحیح صحیح حقیقت معلوم نہ کر لوں۔ پھر وہی آواز آئی اے جلیح! ایک کامیاب بات ظاہر ہوئی ایک فصیح شخص کہتا ہے "ایک خدا کے سوا اور کوئی خدا نہیں" اس کے بعد میں اٹھ کھڑا ہوا ابھی تھوڑے ہی دن گزرے ہوں گے کہ یہ شہرت اڑ گئی کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے نبوت کا دعویٰ کیا ہے۔ (بخاری شریف)

تشریح: حافظ ابن کثیر رحمۃ اللہ علیہ نے اس جن آدمی کا نام سواد بن قارب ازدی لکھا ہے اور اسی طرح بعض لفظوں میں کچھ کچھ فرق بھی نقل کیا ہے۔ "وياسها من بعد انكاسها" کے بجائے "وایاسها من دينها" اور جلیح کے بجائے ذریح کا لفظ ہے اور ابن اسحاق سے نقل کیا ہے کہ یہ کلمات شعر نہیں مسجع ہیں۔ (دیکھو البدایہ ص ۳۳۳ ج ۲) صحیح بخاری کی اس روایت سے جنات میں سجع کا پڑھا جانا اور بتوں سے آواز آنے کا ثبوت ملتا ہے اور یہ بھی ثابت ہوتا ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے ظہور کی برکات میں بتوں کا اوندھے منہ جا پڑنا بھی شامل ہے مگر آج کل ہر واقعہ کی تاویل کرنے والے یہاں بھی کب رک سکتے ہیں۔

بتوں کی یہ آواز درحقیقت جنات ہی کی آواز تھی جن کا ان مجسموں کے ساتھ اتصال تھا۔ معلوم رہے کہ یہ واقعہ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے اسلام سے قبل کا ہے اس لیے ان کا بت خانہ میں ہونا کچھ جائے تعجب نہیں۔

تنبیہ: "مولف" جن اور کاہنوں کی اخبار کا یہ واقعہ صحیح بخاری سے ثابت ہے۔ اس سے آپ اندازہ فرما سکتے ہیں کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت کی شہرت ان کے درمیان کتنی ہوگی۔ پھر وہ بھی مجاز اور استعارہ کے رنگ میں یا حقیقت کے رنگ میں؟

عن ابن عباس قال انطلق رسول الله صلى الله عليه وسلم في طائفة من اصحابه الى سوق عكاظ وقد حيل بين الشياطين وبين خبر السماء وارسلت عليهم الشهب فرجعت الشياطين فقالوا ما لكم قالوا حيل بيننا وبين خبر السماء وارسلت علينا الشهب ما حال بينكم وبين خبر السماء الا ما حدث فاضربوا مشارق الارض ومغاربها فانظروا ما هذا الامر الذي حدث فانطلقوا فضربوا مشارق الارض ومغاربها ينظرون ما هذا الامر الذي حال بينهم وبين خبر السماء قال فانطلق الذين توجهوا نحو تهامة الى رسول الله صلى الله عليه وسلم بنخلة وهو عامد الى سوق عكاظ وهو يصلي باصحابه صلوة الفجر فلما سمعوا القرآن تسمعوا له فقالوا هذا الذي حال بينكم وبين خبر السماء فهنالك رجعوا الى قومهم فقالوا يقومنا انا سمعنا قرانا عجبا يهدي الى الرشد فامنا به ولن نشرك بربنا احدا وانزل الله تعالى على نبيه صلى الله عليه وسلم قل اوحي الي انه استمع نفر من الجن وانما اوحي اليه قول الجن. (رواه البخاری)

ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ بیان کرتے ہیں کہ ایک مرتبہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اپنے صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم کو لے

کر عکاظ کے بازار کی طرف چلے یہ وہ زمانہ تھا جبکہ آسمانوں کی خبریں سننے کے لیے شیاطین کے اوپر جانے کی بندش ہو چکی تھی اور ان پر آتش بازی ہونے لگی تھی۔ اس پر شیاطین واپس آ کر باہم یہ گفتگو کرنے لگے۔ آخر یہ بات کیا ہے کہ اب ہم آسمانوں پر خبریں سننے کے لیے جا ہی نہیں سکتے اور ہمارے اوپر شہب کی بھرمار کی جاتی ہے ہو نہ ہو ضرور کوئی نئی بات ہوئی ہے۔ لہٰذا مشرق و مغرب کو چھان کر اس کی تحقیق کرو کہ بات کیا پیش آئی ہے۔ چنانچہ جنات اس واقعہ کی تحقیق کے لیے مشرق و مغرب میں پھیل پڑے۔ اتفاق سے جو جماعت تہامہ کی طرف چلی تھی وہ مقام نخلہ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آ پہنچی۔ اس وقت آپ صلی اللہ علیہ وسلم بازار عکاظ کو جاتے ہوئے اپنے صحابہ کو صبح کی نماز پڑھا رہے تھے۔ جب انہوں نے قرآن پاک سنا تو اور غور کے ساتھ کان لگا کر اس کو سننے لگے تو بے ساختہ بول اٹھے کہ وہ بات ضرور یہی ہے جس کی وجہ سے ہمارے اور آسمانی خبروں کے درمیان بندش ہو گئی ہے۔ بس اسی وقت اپنی قوم کی طرف واپس ہوئے اور اپنی قوم سے کہا ہم نے ایک عجیب و غریب قرآن سنا ہے جو لوگوں کو بھلائی کی راہ دکھاتا ہے ہم تو اس پر ایمان لا چکے ہیں اور اب ہم اپنے پروردگار کا کسی کو ہرگز شریک نہیں ٹھہرا سکتے۔ اس واقعہ کی تصدیق کے لیے اللہ تعالیٰ نے اپنے رسول پر یہ آیت نازل فرمائی: قل اوحی الیّ الخ

تشریح: صحیح بخاری کی ان روایات سے معلوم ہوتا ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے ظہور و بعثت کا حال بہت کچھ جنات کو بھی معلوم ہو چکا تھا اور ان کے لیے پریشانی کا موجب بھی بنا ہوا تھا۔ لہٰذا اگر جنات کے متعلق اسی قسم کی دوسری حدیثیں کچھ زیادہ تفصیل کے ساتھ متوسط اسانید سے مروی ہوں تو ان کو بے اصل سمجھنا یہ ایک ناانصافی ہے اور ان کے متعلق باطل اور خرافات کے الفاظ استعمال کرنا تو ظلم صریح ہے۔ یہ عجیب بات ہے کہ جو احادیث متوسط یا ضعیف اسانید کے ساتھ کتب دلائل میں روایت کی گئی ہیں ان کی پشت پر کوئی نہ کوئی حدیث مجمل یا مفصل کتب صحیحہ میں بھی موجود نظر آتی ہے۔ اس لیے بجز اس کے آپ انکار یا تاویل کی راہ اختیار کریں لیکن اس نوعیت کے معجزہ کا ثبوت ماننا ہی پڑتا ہے۔

عَنْ مُجَاهِدٍ قَالَ حَدَّثَنِيْ شَيْخٌ اَدْرَكَ الْجَاهِلِيَّةَ وَنَحْنُ فِيْ غَزْوَةِ رُوْدِسَ يُقَالُ لَهُ ابْنُ عَبْسٍ قَالَ كُنْتُ اَسُوْقُ بَقَرَةً لَنَا فَسَمِعْتُ مِنْ جَوْفِهَا يَا آلَ ذَرِيْحٍ. قَوْلٌ فَصِيْحٌ. رَجُلٌ يَصِيْحُ اَنْ لَّا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ. قَالَ فَقَدِمْنَا مَكَّةَ فَوَجَدْنَا النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَدْ خَرَجَ بِمَكَّةَ. (رواہ احمد و رجالہ ثقات مجمع الزوائد)

مجاہد کہتے ہیں کہ مجھ سے ایک شیخ نے بیان کیا جس کو ابن عبس کہا جاتا تھا اس وقت ہم غزوہ رودس میں مشغول تھے۔ اس نے کہا کہ میں اپنے خاندان کی گائے چرا رہا تھا میں نے اس کے اندر سے ایک آواز سنی اے ذریح کے خاندان والو! ایک فصیح بات ایک خیر خواہ شخص کہتا ہے کہ خدا کے سوا اور خدا کوئی نہیں اس کے بعد جب ہم مکہ پہنچے تو کیا دیکھتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم دعوے نبوت کا اعلان کر چکے ہیں۔ (مسند احمد)

عَنْ جَابِرِ بْنِ عَبْدِ اللّٰهِ قَالَ اِنَّ اَوَّلَ خَبَرٍ قَدِمَ عَلَيْنَا مِنْ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَنَّ امْرَاَةً كَانَتْ لَهَا تَابِعٌ قَالَ فَاَتَاهَا فِيْ صُوْرَةِ طَيْرٍ فَوَقَعَ عَلٰى جِذْعٍ لَهُمْ قَالَ فَقَالَتْ اَلَا تَنْزِلُ فَتُخْبِرَنَا وَنُخْبِرَكَ قَالَ اِنَّهُ قَدْ خَرَجَ بِمَكَّةَ رَجُلٌ حَرَّمَ عَلَيْنَا الزِّنَا وَمَنَعَ مِنَّا الْقَرَارَ. (رواہ احمد والطبرانی)

جابر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کہتے ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے متعلق جو سب سے پہلی خبر ہم کو ملی وہ اس صورت سے ملی کہ ایک عورت کے ایک جن تابع تھا ایک دن وہ ایک پرندہ کی شکل میں اس کے گھر کے ایک کھجور کے تنے پر آ کر بیٹھا وہ کہتی ہے میں نے کہا آ ہمارا مہمان ہو جا اور تو ہم کو خبریں سنا اور ہم تجھ کو سنائیں۔ اس نے کہا ایک نبی مکہ میں ظاہر ہوئے ہیں جنھوں نے ہم پر زنا حرام کر دیا ہے اور ہمیں جا کر رہنے سے ہم کو روک دیا ہے۔ (معجم طبرانی)

تشریح: ان احادیث سے اہل کتاب اور جنات کے درمیان آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت کا مشہور ہونا ثابت ہوتا ہے اور ایسے رجال کی روایت سے ثابت ہے جن کی توثیق کی گئی ہے۔ لہٰذا اگر اس قسم کی شرح میں کچھ زیادہ تفصیل کے ساتھ کتب دلائل میں ملتی ہیں تو وہ نہ قابل انکار ہو سکتی ہیں نہ قابل تاویل۔ ان کو تسلیم کر لینا چاہیے ہاں جزم کے ساتھ ان کو اصطلاحی صحیح کا درجہ دے دینا یہ بھی بے محل ہوگا لیکن ان کی تکذیب کرنا اور ان کے بے اصل ہونے کی سعی کر کے دماغوں کو یہ باور کرانا کہ گویا کہ یہ روایت ان محدثین کی صرف ایک من گھڑت باتیں تھیں یہ کوئی قرین انصاف نہیں ہے بلکہ خلاف واقع اور اپنے منصب سے اونچی بات ہے۔ یہاں ہم نے اس قسم کی احادیث کے استیعاب کا ارادہ نہیں کیا بلکہ صرف مشتے نمونہ از خروارے کے طور پر یہ بتانا چاہتے ہیں کہ اگر کسی متقدم عالم کو کچھ کلام ہوتی ہو اور ان معجزات کا انکار کرتے ہی ہو تو وہ ذرا تفصیل کر لیجیے اور یہ نہ سمجھئے کہ ما لی اللہ دنیا　ش

اس باب میں سوا اور بھی بہت کچھ ہیں

تنبیہ: جابر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی یہ حدیث اس روایت سے بہت ملتی جلتی ہے جو صحیح بخاری کی آپ کے ملاحظہ سے ابھی گزر چکی اور اسی بات پر ہم نے تنبیہ کی تھی کہ کسی متوحد روایت پر بے بنیاد ہونے کا حکم لگانے سے پہلے یہ بھی دیکھ لینا ضروری ہے کہ کیا اس کی پشت پر دوسری صحیح سے صحیح روایت موجود تو نہیں۔

عَنْ عَائِشَةَ قَالَتْ كَانَ يَهُوْدِيٌّ قَدْ سَكَنَ مَكَّةَ فَلَمَّا كَانَتِ اللَّيْلَةُ الَّتِيْ وُلِدَ فِيْهَا النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ يَا مَعْشَرَ قُرَيْشٍ هَلْ وُلِدَ فِيْكُمُ اللَّيْلَةَ مَوْلُوْدٌ قَالُوْا لَا نَعْلَمُ قَالَ انْظُرُوْا فَإِنَّهُ وُلِدَ فِيْ هٰذِهِ اللَّيْلَةِ نَبِيُّ هٰذِهِ الْأُمَّةِ بَيْنَ كَتِفَيْهِ عَلَامَةٌ لَا يُرْضَعُ لَيْلَتَيْنِ لِأَنَّ عِفْرِيْتًا مِنَ الْجِنِّ وَضَعَ يَدَهُ عَلٰى فَمِهِ فَانْصَرَفُوْا فَسَأَلُوْا فَقِيْلَ لَهُمْ قَدْ وُلِدَ لِعَبْدِ اللّٰهِ بْنِ عَبْدِ الْمُطَّلِبِ غُلَامٌ فَذَهَبَ الْيَهُوْدِيُّ مَعَهُمْ إِلٰى أُمِّهِ فَأَخْرَجَتْهُ لَهُمْ فَلَمَّا رَأَى الْيَهُوْدِيُّ الْعَلَامَةَ خَرَّ مَغْشِيًّا عَلَيْهِ وَقَالَ ذَهَبَتِ النُّبُوَّةُ مِنْ بَنِيْ إِسْرَائِيْلَ يَا مَعْشَرَ قُرَيْشٍ أَمَا وَاللّٰهِ لَيَسْطُوَنَّ بِكُمْ سَطْوَةً يَخْرُجُ خَبَرُهَا مِنَ الْمَشْرِقِ وَالْمَغْرِبِ۔ قَالَ الْحَافِظُ رَوَاهُ يَعْقُوْبُ بْنُ سُفْيَانَ بِإِسْنَادٍ حَسَنٍ (فتح الباری ص [illegible] ج [illegible])

حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا فرماتی ہیں کہ ایک یہودی تھا جو مکہ مکرمہ میں رہا کرتا تھا جس شب میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی ولادت ہوئی تھی اس نے لوگوں سے تحقیق کی کہ آج کی شب میں کیا تمہارے گھرانہ میں کوئی بچہ پیدا ہوا ہے؟ لوگوں نے کہا ہم کو معلوم نہیں۔ اس نے کہا اچھا جاؤ تحقیق کرو کیونکہ اس شب میں ضرور اس امت کا نبی پیدا ہو چکا ہے اس کے دو شانوں کے درمیان ایک علامت ہے اور وہ دو راتوں سے اس نے ماں کا دودھ بھی نہیں لیا ہے کیونکہ ایک سرکش جن نے اپنا ہاتھ اس کے

منہ پر رکھ چھوڑا ہے (یہ جھوٹ کہا) لوگ واپس ہوئے اور تحقیق شروع کی تو ان سے کہا گیا کہ ہاں عبداللہ بن عبدالمطلب کے گھر ایک فرزند پیدا ہوا ہے وہ یہودی ان کو ساتھ لے کر ان کی والدہ کے پاس گیا انہوں نے آپ کو دکھایا یہودی کا اس علامت کو دیکھنا تھا کہ وہ بیہوش ہو کر گر پڑا اور بولا افسوس! بنی اسرائیل میں سے نبوت کا خاتمہ ہو گیا۔ اے قریش! یاد رکھو کہ یہ تم پر ایسا زبردست حملہ کریں گے جس کی خبر مشرق سے مغرب تک اڑ جائے گی۔ (فتح الباری)

تشریح: یہ ایک یہودی کی شہادت ہے جس سے یہ پتہ لگتا ہے کہ ان کی کتب میں صرف آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی صفات ہی کا ذکر نہ تھا بلکہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے وقت ولادت تک کا ذکر موجود تھا اسی بناء پر وہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی ولادت کی تحقیق کے لیے نکلا تھا۔ یہ روایت اگرچہ صحیح بخاری میں موجود نہیں ہے مگر حافظ ابن حجر رحمۃ اللہ علیہ جو اس کے بڑے شارحین میں سے ہیں اپنی مشہور کتاب فتح الباری میں اس کی سند کو حسن قرار دیتے ہیں جس کی رو سے صحیح کہنا درست ہے۔ گو اصطلاحی الفاظ سے اس میں فرق ہو۔

عَنْ كَعْبٍ يَحْكِي عَنِ التَّوْرَاةِ قَالَ نَجِدُ مَكْتُوبًا مُحَمَّدٌ رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَبْدِي الْمُخْتَارُ لَا فَظٌّ وَلَا غَلِيظٌ وَلَا سَخَّابٌ فِي الْأَسْوَاقِ وَلَا يَجْزِي بِالسَّيِّئَةِ السَّيِّئَةَ وَلٰكِنْ يَعْفُو وَيَغْفِرُ مَوْلِدُهُ بِمَكَّةَ وَهِجْرَتُهُ بِطَيْبَةَ وَمُلْكُهُ بِالشَّامِ وَأُمَّتُهُ الْحَمَّادُونَ يَحْمَدُونَ اللّٰهَ فِي السَّرَّاءِ وَالضَّرَّاءِ يَحْمَدُونَ اللّٰهَ فِي كُلِّ مَنْزِلَةٍ وَيُكَبِّرُونَهُ عَلَى كُلِّ شَرَفٍ رُعَاةٌ لِلشَّمْسِ يُصَلُّونَ الصَّلَاةَ إِذَا جَاءَ وَقْتُهَا يَتَأَزَّرُونَ عَلَى أَنْصَافِهِمْ وَيَتَوَضَّئُونَ عَلَى أَطْرَافِهِمْ مُنَادِيهِمْ يُنَادِي فِي جَوِّ السَّمَاءِ صَفُّهُمْ فِي الْقِتَالِ وَصَفُّهُمْ فِي الصَّلَاةِ سَوَاءٌ لَهُمْ بِاللَّيْلِ دَوِيٌّ كَدَوِيِّ النَّحْلِ. هذا لفظ المصابيح

وروى الدارمي مع تغيير يسير (مشكوٰة ص [illegible]) وروى البخاري نحوه عن عطاء بن يسار

کعب رضی اللہ تعالیٰ عنہ تورات سے ناقل ہیں کہ ہم آپ کی صفات تورات میں یہ لکھی ہوئی پاتے ہیں کہ محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اللہ تعالیٰ کے پیغمبر ہیں اور میرے پسندیدہ بندے ہیں نہ درشت زبان و طبیعت نہ بازاروں میں شور کرنے والے نہ برائی کا بدلہ برائی سے دینے والے بلکہ بہت معاف کرنے والے اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی پیدائش کی جگہ مکہ مکرمہ اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی ہجرت کا مقام مدینہ طیبہ ہے اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت اور آپ کا دین ملک شام تک (جو انبیاء علیہم السلام کا مرکز ہے) اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی امت خدا تعالیٰ کی اتنی تعریف کرنے والی ہے کہ اس کا لقب حمادون ہے یعنی راحت و تکلیف میں خدا کی تعریف کرے گی۔ ہر مقام پر خدا کی حمد کرنے والی اور ہر اونچے مقام پر خدا کی تکبیر پڑھنے والی آفتاب کی طرف ٹکٹکی لگا کر دیکھنے والی نماز کو اپنے وقتوں پر ادا کرنے والی نصف پنڈلیوں تک اپنی لنگی باندھنے والی اور اپنے ہاتھ اور پیر یعنی جسم کے اطراف کا وضو کرنے والی ان کا موذن بلند مقام پر کھڑے ہو کر اذان کہنے والا ان کی صف نمازوں میں ایسی سیدھی جیسی جہاد میں شب کی تاریکی میں پست آواز سے اس طرح تلاوت قرآن کرنے والی جیسے شہد کی مکھیوں کی بھن بھن۔

اہل کتاب کے پاس آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی صورت مبارکہ موجود ہونیکا ثبوت

عَنْ جُبَيْرِ بْنِ الْمُطْعِمِ قَالَ كُنْتُ أَكْرَهُ أَذَى قُرَيْشٍ لِلنَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَلَمَّا ظَنَنْتُ أَنَّهُمْ سَيَقْتُلُوْنَهُ خَرَجْتُ حَتّٰى لَحِقْتُ بِدَيْرٍ مِنَ الدِّيَارَاتِ فَذَهَبَ أَهْلُ الدَّيْرِ إِلٰى رَأْسِهِمْ فَأَخْبَرُوْهُ فَقَالَ اجْتَمِعُوْا لَهُ حَقَّهُ الَّذِيْ يَجِبُ لَهُ ثَلَاثًا إِلٰى أَنْ قَالَ إِنَّ لَهُ لَشَأْنًا فَاسْئَلُوْهُ مَا شَأْنُهُ قَالَ فَأَتَوْهُ فَسَأَلُوْهُ فَقَالَ لَا وَاللّٰهِ إِلَّا أَنَّ فِيْ قَرْيَةِ إِبْرَاهِيْمَ ابْنَ عَمِّيْ يَزْعُمُ أَنَّهُ نَبِيٌّ فَآذَاهُ قَوْمُهُ فَخَرَجْتُ لِئَلَّا أَشْهَدَ ذٰلِكَ فَذَهَبُوْا إِلٰى صَاحِبِهِمْ فَأَخْبَرُوْهُ قَوْلِيْ قَالَ هَلُمُّوْا فَأَتَيْتُهُ فَقَصَصْتُ عَلَيْهِ قِصَّتِيْ قَالَ تَخَافُ أَنْ يَقْتُلُوْهُ قُلْتُ نَعَمْ قَالَ وَتَعْرِفُ شِبْهَهُ لَوْ تَرَاهُ مُصَوَّرًا قُلْتُ عَهْدِيْ بِهِ مُنْذُ قَرِيْبٍ فَأَرَاهُ صُوَرًا مُغَطَّاةً فَقُلْتُ مَا رَأَيْتُ شَيْئًا أَشْبَهَ بِشَيْءٍ مِنْ هٰذِهِ الصُّوْرَةِ بِهِ كَأَنَّهُ طُوْلُهُ وَجِسْمُهُ وَبُعْدُ مَا بَيْنَ مَنْكِبَيْهِ قَالَ فَتَخَافُ أَنْ يَقْتُلُوْهُ قُلْتُ أَظُنُّهُمْ قَدْ فَرَغُوْا مِنْهُ قَالَ وَاللّٰهِ لَا يَقْتُلُوْهُ وَلَيَقْتُلُنَّ مَنْ يُرِيْدُهُ فَإِنَّهُ لَنَبِيٌّ وَلَيُظْهِرَنَّهُ اللّٰهُ. الحديث رواه الطبراني عن شيخه مقدام بن داؤد ضعفه النسائي

وقال ابن دقيق العيد في الإمام إنه وثق وهو حديث حسن (مجمع الزوائد ص ۲۳۳ / ۸)

جبیر بن مطعم کہتے ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو قریش کی ایذا رسانی مجھ کو سخت ناپسند تھی جب مجھ کو یہ خطرہ گزرنے لگا کہ اب یہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو قتل کرنے والے ہی ہیں تو میں (مکہ سے) باہر نکل گیا یہاں تک کہ ایک گرجے میں جا پہنچا گرجے کے لوگ اس کے سردار کے پاس گئے اور اس کو میری اطلاع دی۔ اس نے کہا "تین دن تک اس کی مناسب مہمانی کرو اس کے بعد کہا ضرور اس کو کوئی خاص بات پیش آئی ہے جاؤ اس سے جا کر پوچھو کیا واقعہ پیش آیا ہے۔ (راوی کہتا ہے) وہ آئے اور اس سے آ کر پوچھا اس نے کہا خدا کی قسم اور تو کوئی بات نہیں صرف اتنی بات ہے کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کے وطن یعنی شہر مکہ میں میرے چچازاد بھائی کا خیال ہے کہ وہ نبی ہے اس پر ان کی قوم نے ان کو ایذا دینا شروع کی یہ دیکھ کر میں وہاں سے چلا آیا ہوں تاکہ میں اپنی آنکھوں سے ان واقعات کو نہ دیکھوں۔ انہوں نے میری اس ساری داستان کی اطلاع اپنے رئیس کو جا کر دی اس نے کہا اس کو یہاں بلا لاؤ۔ میں ان کے پاس گیا اور یہ سارا ماجرا اس کو کہہ سنایا اس نے کہا کیا تم کو یہ ڈر ہے کہ وہ لوگ اس کو قتل کر ڈالیں گے؟ میں نے کہا جی ہاں۔ اس نے کہا اگر تم دیکھو گے تو کیا ان کی صورت پہچان لو گے؟ میں نے کہا میں ابھی ابھی تو ان کے پاس سے آ رہا ہوں۔ اس کے بعد اس نے چند تصویریں دکھائیں جو غلاف سے ڈھانکی ہوئی تھیں۔ میں نے ان کو دیکھ کر کہا کہ یہ تصویر ان سب تصویروں میں ان کے بہت مشابہ معلوم ہوتی ہے بس وہی آپ کا قد و قامت وہی آپ کی جسامت اور وہی آپ کے شانوں کے درمیان کا فاصلہ ہے۔ اس نے کہا تم کو یہ ڈر ہے کہ وہ ان کو قتل کر دیں گے؟ میں نے کہا میرا تو یہ یقین ہے کہ وہ ان کو قتل کر کے فارغ بھی ہو چکے ہوں گے۔ اس نے کہا بخدا وہ ان کو قتل نہیں کر سکتے بلکہ جو ان کے قتل کا ارادہ کرے گا وہی اس کو قتل کریں گے کیونکہ وہ نبی ہیں اور ضرور اللہ تعالیٰ ان کو غالب کر کے رہے گا۔ (طبرانی)

أنَّ هِشَامَ بْنَ الْعَاصِ وَنُعَيْمَ بْنَ عَبْدِ اللّٰهِ وَرَجُلًا آخَرَ قَدْ سَمَّاهُ بُعِثُوا إِلَى مَلِكِ الرُّوْمِ زَمَنَ أَبِي بَكْرٍ قَالَ فَدَخَلْنَا عَلَى جَبَلَةَ الْأَيْهَمِ وَهُوَ بِالْغُوطَةِ فَذَكَرَ الْحَدِيثَ وَأَنَّهُ انْطَلَقَ بِهِمْ إِلَى الْمَلِكِ وَأَنَّهُمْ وَجَدُوْا عِنْدَهُ رَبْعَةً الْعَظِيمَةَ مُذَهَّبَةً وَإِذَا فِيهَا أَبْوَابٌ صِغَارٌ فَفَتَحَ مِنْهَا بَابًا فَاسْتَخْرَجَ مِنْهُ خِرْقَةَ حَرِيرٍ سَوْدَاءَ فِيهَا صُوْرَةٌ بَيْضَاءُ وَذَكَرَ صِفَةَ آدَمَ ثُمَّ فَتَحَ بَابًا آخَرَ فَاسْتَخْرَجَ مِنْهُ حَرِيرَةً وَفِيهَا صُوْرَةُ نُوْحٍ ثُمَّ إِبْرَاهِيمَ ثُمَّ أَرَاهُمْ حَرِيرَةً فِيهَا صُوْرَةُ مُحَمَّدٍ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقَالَ هٰذَا آخِرُ الْأَبْوَابِ لَكِنِّي عَجَّلْتُهُ لِأَنْظُرَ مَا عِنْدَكُمْ ثُمَّ فَتَحَ أَبْوَابًا أُخَرَ وَأَرَاهُمْ صُوْرَةَ بَقِيَّةِ الْأَنْبِيَاءِ مُوسَى وَهَارُوْنَ وَدَاوُدَ وَعِيسَى ابْنِ مَرْيَمَ عَلَيْهِمُ السَّلَامُ وَصِفَةَ لُوْطٍ وَصِفَةَ إِسْحَاقَ وَذَكَرَ أَنَّ هٰذَا عِنْدَهُمْ قَدِيمًا مِنْ عَهْدِ آدَمَ وَأَنَّ دَانِيَالَ صَوَّرَهَا بِأَعْيَانِهَا. رواه موسى بن عقبة. (الجواب الصحيح ص ۲۰۶ ج ۳)

ہشام بن العاص رضی اللہ تعالیٰ عنہ اور نعیم بن عبداللہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ اور ایک شخص اور تھے جن کا نام انہوں نے بیان کیا تھا۔ صدیق اکبر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے زمانے میں شاہ روم کے پاس روانہ کیے گئے۔ وہ کہتے ہیں کہ ہم جبلہ بن الایہم کے پاس گئے اس وقت وہ مقام غوطہ میں تھا اور پورا قصہ ذکر کیا اور یہ بھی ذکر کیا کہ وہ شاہ کے پاس ان تینوں کو لے گئے تو اس کے پاس ایک بہت بڑا معظم صندوقچہ دیکھا اس میں چھوٹے چھوٹے خانے بنے ہوئے تھے اس میں ایک خانہ کھولا اور اس میں سے ایک سیاہ ریشم کا ٹکڑا نکالا اس میں ایک سفید رنگ کی تصویر تھی اس کے بعد آدم علیہ السلام کی صورت کا ذکر کیا۔ پھر دوسرا خانہ کھولا اور اس میں سے بھی ایک ریشم کا ٹکڑا نکالا اس میں نوح علیہ السلام کی تصویر تھی۔ اس کے بعد حضرت ابراہیم علیہ السلام کی صورت نکالی اس کے بعد ان کو آنحضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی تصویر دکھائی اور کہا کہ یہ سب سے آخری خانہ کی ہے لیکن میں نے اس کو نکالنے میں اس لیے جلدی کی ہے تاکہ میں تم سے ان کے متعلق پوچھوں اس کے بعد اور خانے کھولے اور بقیہ انبیاء علیہم السلام کی تصویریں دکھلائیں۔ موسیٰ ہارون داؤد علیہم السلام اور عیسیٰ علیہ السلام اور لوط علیہ السلام اور اسحاق علیہ السلام کی صورتیں بھی دکھائیں اور کہا یہ ہمارے ہاں آدم علیہ السلام کے زمانے سے چلی آرہی ہیں اور ان کو دانیال علیہ السلام نے بنایا ہے۔ (موسیٰ بن عقبہ) (الجواب الصحیح ص ۲۰۶ ج ۳)

عَنِ الْمُغِيْرَةِ بْنِ شُعْبَةَ أَنَّهُ لَمَّا دَخَلَ عَلَى الْمُقَوْقِسِ مَلِكِ مِصْرَ وَالْإِسْكَنْدَرِيَّةِ مَلِكِ النَّصَارَى أَخْرَجَ لَهُ صُوَرَ الْأَنْبِيَاءِ وَأَخْرَجَ لَهُ صُوْرَةَ نَبِيِّنَا صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَعَرَفَهَا. (كذا في الجواب الصحيح)

مغیرہ بن شعبہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ جب وہ مقوقس شاہ مصر و اسکندریہ شاہ نصاریٰ کے پاس گئے تو اس نے ان کو انبیاء علیہم السلام کی تصویریں دکھائیں اور ہمارے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی صورت بھی دکھائی جس کو مغیرہ نے پہچان لیا۔ (الجواب الصحیح ص ۲۰۶ ج ۳)

تشریح: فتوح شام کے ابتداء میں بھی اس کا تذکرہ موجود ہے جس سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ یہود کے بڑے بڑے علماء کے ذہن میں بھی آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی تصویر مبارک موجود تھی۔ حافظ ابن تیمیہ رحمۃ اللہ علیہ کی شہادت ہی کافی تھی کیونکہ وہ ان لوگوں میں سے نہیں جو موضوعات اور اقاویل کو اپنی کتاب میں درج کر لیتے اور پھر ان پر تنقید نقد ونظر کے ساتھ رکھ دیتے لیکن ان روایات کو انہوں نے مستند جان کر ہی پیش کیا ہے۔

عَنْ جُبَيْرٍ يَقُوْلُ لَمَّا بَعَثَ اللّٰهُ نَبِيَّهٗ (صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ) وَظَهَرَ اَمْرُهٗ بِمَكَّةَ خَرَجْتُ اِلَى الشَّامِ فَلَمَّا كُنْتُ بِبُصْرٰى اَتَتْنِيْ جَمَاعَةٌ مِنَ النَّصَارٰى فَقَالُوْا لِيْ اَمِنَ الْحَرَمِ اَنْتَ قُلْتُ نَعَمْ قَالُوْا فَتَعْرِفُ هٰذَا الَّذِيْ تَنَبَّاَ فِيْكُمْ قُلْتُ نَعَمْ قَالَ فَاَخَذُوْا بِيَدِيْ فَاَدْخَلُوْنِيْ دَيْرًا لَهُمْ فِيْهِ تَمَاثِيْلُ وَصُوَرٌ فَقَالُوْا لِيْ اُنْظُرْ هَلْ تَرٰى صُوْرَةَ هٰذَا النَّبِيِّ الَّذِيْ بُعِثَ فِيْكُمْ فَنَظَرْتُ فَلَمْ اَرَ صُوْرَتَهٗ قُلْتُ لَا اَرٰى صُوْرَتَهٗ فَاَدْخَلُوْنِيْ دَيْرًا اَكْبَرَ مِنْ ذٰلِكَ الدَّيْرِ فِيْهِ صُوَرٌ اَكْثَرُ مِمَّا فِيْ ذٰلِكَ الدَّيْرِ فَقَالُوْا لِيْ اُنْظُرْ هَلْ تَرٰى صُوْرَتَهٗ فَنَظَرْتُ فَاِذَا اَنَا بِصِفَةِ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَصُوْرَتِهٖ وَاِذَا اَنَا بِصِفَةِ اَبِيْ بَكْرٍ وَصُوْرَتِهٖ وَهُوَ اٰخِذٌ بِعَقِبِ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقَالُوْا لِيْ اُنْظُرْ هَلْ تَرٰى صِفَتَهٗ قُلْتُ نَعَمْ قَالُوْا هُوَ هٰذَا وَاَشَارُوْا اِلٰى صِفَةِ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قُلْتُ اَللّٰهُمَّ نَعَمْ اَشْهَدُ اَنَّهٗ هُوَ قَالُوْا اَتَعْرِفُ هٰذَا الَّذِيْ اٰخِذٌ بِعَقِبِهٖ قُلْتُ نَعَمْ قَالُوْا نَشْهَدُ اَنَّ هٰذَا صَاحِبُكُمْ وَاَنَّ هٰذَا الْخَلِيْفَةُ مِنْ بَعْدِهٖ. رواہ البخاری فی تاریخہ وقال فیہ قال الذی اراہ الصور لم یکن نبی الا کان بعدہ نبی الا ہذا النبی و رواہ ابو نعیم فی دلائل النبوۃ. کذا فی الجواب الصحیح ص ۲۴۳ ج ۴)

جبیر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کہتے ہیں کہ جب اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو مبعوث فرمایا اور مکہ مکرمہ میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی شہرت از گئی تو اتفاق سے میں شام کے لیے نکلا، جب بصریٰ پہنچا تو میرے پاس نصرانیوں کی ایک جماعت آئی اور مجھ سے پوچھا کیا تم حرم کے رہنے والے ہو؟ میں نے کہا جی ہاں انھوں نے پوچھا ...... کیا تم اس شخص کو بھی پہچانتے ہو جس نے نبوت کا دعویٰ کیا ہے؟ میں نے کہا کیوں نہیں۔ یہ کہتے ہیں اس کے بعد انھوں نے میرا ہاتھ پکڑا اور اپنے ایک گرجے میں لے گئے جس میں کچھ تصویریں وغیرہ تھیں اور مجھ سے کہا ذرا غور کر کے دیکھنا کہ ان میں کوئی شکل وصورت اس نبی کی بھی ہے جو تم میں بھیجے گئے ہیں؟ میں نے دیکھا تو ان میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی کوئی صورت نظر نہ پڑی۔ میں نے کہا ان کی صورت تو ان میں کوئی نہیں۔ پھر وہ اس سے ایک بڑے گرجے میں مجھ کو لے گئے جس میں پہلے سے زیادہ تصویریں تھیں اور مجھ سے کہا اچھا ان میں سے کسی کی صورت ان سے ملتی جلتی نظر آتی ہے۔ میں نے غور کیا تو ایک تصویر بالکل آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی سی تھی اور ایک تصویر بالکل صدیق اکبر رضی اللہ تعالیٰ عنہ جیسی بھی تھی۔ اس تصویر میں صدیق اکبر رضی اللہ تعالیٰ عنہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے پیچھے پکڑے ہوئے تھے۔ انھوں نے کہا خوب غور سے دیکھنا یہ تصویر تم کو بالکل آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی تصویر معلوم ہوتی ہے یا نہیں؟ میں نے کہا جی ہاں۔ پھر آپ کی تصویر کی طرف اشارہ کر کے انھوں نے کہا یہ تصویر یہی ہے میں نے کہا جی ہاں بخدا میں اس کا گواہ ہوں کہ یہ آپ کی ہی تصویر ہے۔ پھر انھوں نے کہا یہ شخص جو ان کے پیر کو پکڑے ہوئے ہیں ان کو بھی پہچانتے ہو؟ میں نے کہا جی ہاں۔ اس کے بعد انھوں نے کہا ہم سب گواہی دیتے ہیں کہ تمہارے نبی یہی ہیں اور جو شخص ان کے پیروں کے پاس ہیں یہ ان کے بعد ان کے خلیفہ ہیں۔ بخاری نے اپنی تاریخ میں اس پر اتنا اور نقل کیا ہے کہ جو شخص ان کو صورتیں دکھا رہا تھا اس نے کہا کہ جو نبی گزرا ہے اس کے بعد دوسرا نبی ضرور پیدا ہوا ہے مگر یہ نبی ایسے ہیں کہ ان کے بعد کوئی اور نبی پیدا نہیں ہوگا۔ (الجواب الصحیح ص ۲۴۳ ج ۴)

تشریح: ان جملہ روایات سے جن میں یقینی اور ساقط بھی ہیں آپ کی تصاویر کے موجود ہونے کا ثبوت ملتا ہے اور ان سب کے بیانات میں اتنا اشتراک ہے کہ قیاس نہیں کہتا کہ مختلف ادوار کی یہ صرف من گھڑت کہانیاں ہوں بالخصوص جبکہ ثقات محدثین بھی ان کو اپنی کتاب میں نقل کر کے اپنے دشمنوں کے سامنے بطریق حجت پیش کرتے ہوئے نظر آ رہے ہیں۔

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے دست مبارک میں کنکریوں کا تسبیحات پڑھنا

عَنْ سُوَيْدِ بْنِ يَزِيْدَ قَالَ رَأَيْتُ أَبَا ذَرٍّ جَالِسًا وَحْدَهُ فَاغْتَنَمْتُ ذٰلِكَ فَجَلَسْتُ إِلَيْهِ فَذَكَرْتُ لَهُ عُثْمَانَ فَقَالَ لَا أَقُوْلُ لِعُثْمَانَ أَبَدًا إِلَّا خَيْرًا لِشَيْءٍ رَأَيْتُهُ عِنْدَ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كُنْتُ أَتَتَبَّعُ خَلَوَاتِ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَأَتَعَلَّمُ مِنْهُ فَذَهَبْتُ يَوْمًا فَإِذَا هُوَ قَدْ خَرَجَ فَاتَّبَعْتُهُ فَجَلَسَ فِيْ مَوْضِعٍ فَجَلَسْتُ عِنْدَهُ فَقَالَ يَا أَبَا ذَرٍّ مَا جَاءَ بِكَ قَالَ قُلْتُ اللّٰهُ وَرَسُوْلُهُ قَالَ فَجَاءَ أَبُوْ بَكْرٍ فَسَلَّمَ فَجَلَسَ عَنْ يَمِيْنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقَالَ لَهُ مَا جَاءَ بِكَ يَا أَبَا بَكْرٍ قَالَ اللّٰهُ وَرَسُوْلُهُ قَالَ فَجَاءَ عُمَرُ فَجَلَسَ عَنْ يَمِيْنِ أَبِيْ بَكْرٍ فَقَالَ يَا عُمَرُ مَا جَاءَ بِكَ قَالَ اللّٰهُ وَرَسُوْلُهُ قَالَ فَتَنَاوَلَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ سَبْعَ حَصَيَاتٍ أَوْ تِسْعَ حَصَيَاتٍ فَسَبَّحْنَ فِيْ يَدِهِ حَتّٰى سَمِعْتُ لَهُنَّ حَنِيْنًا كَحَنِيْنِ النَّحْلِ ثُمَّ وَضَعَهُنَّ فَخَرِسْنَ ثُمَّ وَضَعَهُنَّ فِيْ يَدِ أَبِيْ بَكْرٍ فَسَبَّحْنَ فِيْ يَدِهِ حَتّٰى سَمِعْتُ لَهُنَّ حَنِيْنًا كَحَنِيْنِ النَّحْلِ ثُمَّ وَضَعَهُنَّ فَخَرِسْنَ ثُمَّ تَنَاوَلَهُنَّ فَوَضَعَهُنَّ فِيْ يَدِ عُثْمَانَ فَسَبَّحْنَ فِيْ يَدِهِ حَتّٰى سَمِعْتُ لَهُنَّ حَنِيْنًا كَحَنِيْنِ النَّحْلِ ثُمَّ وَضَعَهُنَّ فَخَرِسْنَ. (رواه البزار باسنادين ورجال احدهما ثقات وفي بعضهم ضعف. قلت وقد تقدم في الخلافة له طريق عن ابي ذر ايضا وقال الزهري فيها يعني الخلافة رواه الطبراني في الاوسط وزاد في احدى طريقيه يسمع تسبيحهن من في الحلقة في كل واحد وقال ثم دفعهن الينا فلم يسبحن مع احدنا (مجمع الزوائد)

سوید بن یزید رضی اللہ تعالیٰ عنہ بیان کرتے ہیں کہ میں نے ایک مرتبہ ابوذر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو تنہا دیکھا تو فرصت کو غنیمت سمجھ کر ان کے پاس جا بیٹھا اور ان کے سامنے حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا تذکرہ آ گیا۔ انہوں نے فرمایا کہ ان کی شان میں بھلائی کے سوا میں ایک کلمہ بھی اپنی زبان سے نہیں نکال سکتا کیونکہ ان کی ایک خاص بات میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے دیکھ چکا ہوں۔ بات یہ تھی کہ میں اکثر ایسے موقعوں کی تلاش میں رہا کرتا تھا کہ کہیں آپ کو تنہا پا جاؤں تو کچھ باتیں آپ سے حاصل کر لوں۔ ایک دن اسی تلاش میں گیا تو آپ باہر جا چکے تھے میں بھی پیچھے پیچھے ہو لیا۔ آپ ایک جگہ پر جا کر بیٹھ گئے میں بھی آپ کے پاس جا بیٹھا آپ نے پوچھا ابوذر! کیوں کیسے آئے؟ میں نے عرض کی صرف اللہ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے۔ یہ کہتے ہیں کہ اتنے میں ابوبکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ آ نکلے اور سلام کر کے آپ کے دائیں جانب آ بیٹھے آپ نے ان سے بھی یہی پوچھا انہوں نے بھی یہی جواب دیا کہ اللہ اور اس کے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے۔ پھر اس کے بعد عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ آ گئے وہ آ کر ابوبکرؓ کے دائیں بیٹھ گئے آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان سے

بھی وہی پوچھا کیوں آئے؟ انہوں نے بھی وہی جواب دیا۔ اس کے بعد آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے دست مبارک میں سات یا نو کنکریاں لیں تو وہ آپ کے ہاتھ میں تسبیح پڑھنے لگیں یہاں تک کہ ان کی آواز شہد کی مکھیوں کی بھنبھناہٹ کی طرح میں نے بھی صاف صاف سن لی۔ پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو زمین پر رکھ دیا تو وہ خاموش ہو گئیں۔ اس کے بعد ان کو ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو دے دیا یہاں تک کہ وہ ان کے ہاتھ میں پھر اسی طرح تسبیح پڑھنے لگیں اور ان کی شہد کی مکھیوں کی طرح بھن بھن کی آواز میں نے بھی صاف صاف سن لی پھر ان کو زمین پر رکھ دیا وہ پھر خاموش ہو گئیں پھر ان کو لے کر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے ہاتھ میں رکھ دیا وہ پھر تسبیح پڑھنے لگیں یہاں تک کہ میں نے بھی سنی وہ اسی طرح کی آواز تھی جیسی شہد کی مکھیوں کی ہوتی ہے۔ اس کے بعد ان کو زمین پر رکھ دیا تو وہ پھر خاموش ہو گئیں۔

تشریح: اصل واقعہ تو کتب مشہورہ میں صحیح احادیث سے ثابت ہے جو قطعاً انکار نہیں ہو سکتا لیکن کنکریوں کا تسبیح کرنا بھی معتبر طرق سے آئمہ حدیث نے ثابت کیا ہے جس کے حوالہ جات ہم عربی عبارت میں اوپر نقل کر چکے ہیں۔ ان کے غور سے ملاحظہ کرنے کے بعد کنکریوں کی تسبیح پڑھنے کے انکار کی کوئی گنجائش باقی نہیں رہتی۔ فماذا بعد الحق الا الضلال

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے فضلات کے متعلق حدیث کا فیصلہ

عَنْ عَائِشَۃَ قُلْتُ یَا رَسُوْلَ اللّٰہِ اِنِّیْ اَرَاکَ تَدْخُلُ الْخَلَاءَ ثُمَّ یَجِیءُ الَّذِیْ بَعْدَکَ فَلَا یَرٰی لِمَا یَخْرُجُ مِنْکَ اَثَرًا فَقَالَ یَا عَائِشَۃُ اَمَا عَلِمْتِ اَنَّ اللّٰہَ اَمَرَ الْاَرْضَ اَنْ تَبْتَلِعَ مَا یَخْرُجُ مِنَ الْاَنْبِیَاءِ۔ اخرجہ الدارقطنی فی الافراد و رجال اسنادہ ثقات ولذا قال السیوطی هذا سند ثابت وهو اقوی طرق هذا الحدیث انتهی واخرجه البیهقی بسند فیه حسین بن علوان لحکم علیه من موضوعات حسین بن علوان فقد تابع عبدة ابن علوان کماهو عند الدارقطنی وتابعه ایضا ارطاة بن قیس الاسلمی عن هشام اخرجه ابوبکر الشافعی وهی متابعة تامة وله طریق اخری عند ابن سعد و رجاله ثقات الا محمد بن زاذان المدنی فمتروک وطریق اخری عند الحاکم فی مستدرکه و طریق اخری عند ابی نعیم و اخری عند ابی بکر الشافعی. فقول البیهقی انه موضوع محمول علی انه لم یطلع علی هذه الطرق اذا یطیر معها دعوی الوضع. شرح المواهب ص ۲۲۹/۴ وفی الشفاء لابن سبع بسکون الباء عن بعض الصحابة قال صحبته صلی الله علیه وسلم فی سفر فلما اراد قضاء الحاجة تامله وقد دخل مکانا فقضی حاجته فدخلت الموضع الذی خرج منه فلم ارله اثر غائط ولا بول ورایت فی ذلک الموضع ثلاثة احجار فاخذتهن فوجدت لهن رائحة طیبة وعطرٌ بکسر العین قال العلامة القسطلانی وقد سئل الحافظ عبدالغنی المقدسی المتوفی سن ۶۰۰ھ "هل روی انه صلی الله علیه وسلم کان مایخرج منه تبتلعه الارض فقال قد روی ذلک من وجه غریب ای ضعیف والظاهر المنقول یؤیده فانه لم یذکر عن احد من الصحابة انه راٰه ولا ذکره دلولم یبلعه

الارض تواری فی بعض الاوقات" (شرح المواھب ص ۲۲۸ ج ۴)

حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا بیان فرماتی ہیں کہ انہوں نے عرض کی یا رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم)! میں یہ دیکھتی ہوں کہ آپ جائے ضرورت میں تشریف لے جاتے ہیں پھر جو شخص آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد وہاں جاتا ہے وہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے فضلہ کا کوئی نشان تک نہیں دیکھتا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا عائشہ! کیا تم کو یہ معلوم نہیں کہ اللہ تعالیٰ نے زمین کو حکم دیا ہے کہ وہ انبیاء علیہم السلام کے فضلات کو نگل لے۔ (دار قطنی)

تشریح: مناسب معلوم ہوتا ہے کہ اس جگہ وہ پوری سند بھی نقل کر دی جائے جس کو دار قطنی نے افراد میں ذکر کیا ہے۔ "حدثنا موسیٰ بن سلیمان انبانا محمد بن حسان الاموی انبانا عبدۃ بن سلیمان عن ھشام بن عروۃ عن ابیہ عن عائشۃ الحدیث۔"

موسیٰ بن سلیمان جو اس سند کے راوی ہیں یہ دار قطنی کے شیخ تھے ان کے متعلق دار قطنی کہتے ہیں کہ وہ ثقہ شخص تھے اس کے دوسرے راوی محمد بن حسان ہیں۔ ان کے متعلق شارح صاحب لکھتے ہیں "ثقہ" یعنی یہ بھی ثقہ ہیں اور عبدہ تو رجال صحیحین میں سے ہیں۔ اس کے بعد سند سب معروف ہے۔ اس کے علاوہ حافظ زرقانی نے اس کے دوسرے متابعات بھی ذکر فرمائے ہیں جو ہم نے متن کتاب میں نقل کر دیے ہیں۔ اس کے بعد حافظ موصوف فرماتے ہیں کہ ان اسانید کے پیش نظر حدیث مذکور پر "موضوع" کا حکم لگانا بہت مشکل ہے اس لیے بیہقی کا اس پر وضع کا حکم لگانا اسی پر محمول کرنا چاہیے کہ ان کو ان سب طریقوں کی اطلاع نہ ہوئی۔

حافظ عبد الغنی مقدسی متوفی ۶۰۰ھ سے اس مسئلہ کے متعلق سوال ہوا تو انہوں نے اس کی اس سند کی بناء پر جو ان کے علم میں تھی اس پر ضعف کا حکم لگایا ہے مگر ایک قیاس ایسا ذکر فرمایا ہے جس سے ان کی رائے کا اندازہ بھی ہوتا ہے۔ وہ فرماتے ہیں کہ "جو صحابہ سفر وغیرہ میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے ہمراہ رہتے تھے ان میں سے کسی نے بھی یہ ذکر نہیں کیا کہ انہوں نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا فضلہ بھی دیکھا تھا۔ لہٰذا یہ ماننا پڑتا ہے کہ اگر زمین اس کو نگل نہ لیتی تو وہ کبھی تو کسی کو نظر آتا۔" یہ واضح رہے کہ دار قطنی کی روایت میں اس حدیث کا راوی حسین بن علوان نہیں ہے اور اسی کی بناء پر امام بیہقی نے اس پر موضوع ہونے کا حکم لگایا ہے۔

عَنْ اُمِّ اَيْمَنَ قَالَتْ قَامَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مِنَ اللَّيْلِ اِلٰى فَخَّارَةٍ فِيْ جَانِبِ الْبَيْتِ فَبَالَ فِيْهَا فَقُمْتُ مِنَ اللَّيْلِ وَاَنَا عَطْشَانَةٌ فَشَرِبْتُ مَا فِيْهَا وَاَنَا لَا اَشْعُرُ فَلَمَّا اَصْبَحَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ يَا اُمَّ اَيْمَنَ قُوْمِيْ فَاَهْرِيْقِيْ مَا فِيْ تِلْكَ الْفَخَّارَةِ قُلْتُ وَاللّٰهِ شَرِبْتُ مَا فِيْهَا قَالَتْ فَضَحِكَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ حَتّٰى بَدَتْ نَوَاجِذُهٗ ثُمَّ قَالَ اَمَا وَاللّٰهِ لَا يَيْجَعَنَّ بَطْنُكِ اَبَدًا۔ اخرجہ الحافظ الحسن بن سفیان العسقری المتوفی ۳۰۳ ھجری فی مسندہ والحاکم والدارقطنی والطبرانی وابو نعیم وام ایمن ھی مولاتہ صلی اللہ علیہ وسلم وحاضنتہ (شرح المواھب ص ۲۳۱ و ۲۳۲ ج ۴)

وفیہ قال الدارقطنی ھو حدیث حسن صحیح وتعقب انہ قال فی علتہ انہ مضطرب جاء عن ابی مالک النخعی وھو ضعیف اھ۔ قال النووی ان القاضی حسینا قال بطھارۃ جمیع

فضلاته صلی الله علیه وسلم وبهذا قال ابو حنیفة کما قاله العینی وقال شیخ الاسلام ابن حجر قد تکاثرت الادلة علی طهارة فضلاته صلی الله علیه وسلم (شرح فقه اکبر ص ۲۲۲)

وقال العینی بعد ما نقل عدة روایات من هذا الباب وانا اعتقد انه لایقاس علیه غیره وان قالوا غیر ذلک فاذنی عنه صماء. (عمدة القاری ص۷۷/۱)

وفیه وکیف یقول ذلک (ابو حنیفة) وهو یقول بطهارة بوله وسائر فضلاته صلی الله علیه وسلم. (عمدة القاری ص ۶۴۱/۱)

اُم ایمن رضی اللہ تعالیٰ عنہا بیان کرتی ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ایک شب میں اُٹھے تو آپ نے مٹی کے ایک برتن میں جو گھر کے ایک گوشہ میں رکھا ہوا تھا پیشاب کیا اسی شب میں میں اتفاق سے اُٹھی تو اس وقت مجھ کو پیاس لگ رہی تھی میں جا کر جو کچھ اس برتن میں تھا پی گئی اور مجھ کو اس بات کا کچھ علم نہ تھا کہ اس میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا پیشاب رکھا ہوا تھا۔ جب صبح ہوئی تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ام ایمن جاؤ اور جو کچھ اس برتن میں ہے اس کو بہا دو میں نے تعجب سے کہا بخدا میں تو (شب میں) اس کو پی گئی وہ کہتی ہیں یہ سن کر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے چہرہ پر مسکراہٹ کے آثار نمایاں ہوئے یہاں تک کہ دندان مبارک بھی ظاہر ہو گئے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جا تیرے پیٹ میں کبھی کوئی تکلیف نہ ہوگی۔ (حاکم، دار قطنی) یہ ام ایمنؓ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی دایہ تھیں اور آپؐ نے ان کو آزاد کر دیا تھا۔

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی بعض جسمانی خصوصیات کا ذکر

عَنْ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ مَالِكٍ ابْنِ بُحَيْنَةَ الْاَسَدِيِّ قَالَ كَانَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اِذَا سَجَدَ فَرَّجَ بَيْنَ يَدَيْهِ حَتّٰى نَرٰى اِبْطَيْهِ قَالَ قَالَ بُكَيْرٌ لَنَا بُكَيْرٌ وَقَالَ بَيَاضَ اِبْطَيْهِ. رواه البخاری وذکر انسٌ انه کان یرفع یدیه (فی الاستسقاء) حتی یری بیاض ابطیه وقال ابو موسٰی دعا النبیؐ صلی الله علیه وسلم ورفع یدیه ورأیت بیاض ابطیه. (البخاری)

عبداللہ بن مالک رضی اللہ تعالیٰ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جب سجدہ کرتے تو اپنے دونوں ہاتھ اتنے کشادہ کر دیتے کہ ہم آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے بغل دیکھ لیتے تھے۔ راوی کہتا ہے یعنی بغل کی سپیدی دیکھ لیتے تھے۔ حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ کہتے ہیں کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم جب بارش کے لیے دعا مانگتے تو اپنے دونوں ہاتھ اتنے اٹھا دیتے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی بغلوں کی سپیدی نظر آنے لگتی تھی۔ ابوموسیٰ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا بیان ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے دعا فرمائی اور اپنے دونوں ہاتھ اٹھائے تو میں نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی بغلوں کی سپیدی دیکھ لی۔ (صحیح بخاری)

عَنِ الْعَبَّاسِ بْنِ عَبْدِ الْمُطَّلِبِ قَالَ وُلِدَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَخْتُوْنًا مَسْرُوْرًا. الحدیث. رواه البیهقی. قال الحافظ ابن کثیر وفی صحته نظر وقد رواه الحافظ ابن عساکر من طریق عدیدة وزعم بعضهم انه متواتر وفی هذا کله نظر. (کذا فی البدایة والنهایة ص۲۶۵/۲)

عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مختون اور ناف بریدہ پیدا ہوئے تھے۔ (بیہقی)

عَنْ سَعْدٍ قَالَ مَرِضْتُ مَرَضًا اَتَانِی النَّبِیُّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ یَعُوْدُنِیْ فَوَضَعَ یَدَہٗ بَیْنَ ثَدْیَیَّ حَتّٰی وَجَدْتُ بَرْدَھَا عَلٰی فُؤَادِیْ وَقَالَ اِنَّکَ رَجُلٌ مَفْؤُوْدٌ اِئْتِ الْحَارِثَ بْنَ کَلَدَۃَ اَخَا ثَقِیْفٍ فَاِنَّہٗ رَجُلٌ یَتَطَبَّبُ فَلْیَاْخُذْ سَبْعَ تَمَرَاتٍ مِنْ عَجْوَۃِ الْمَدِیْنَۃِ فَلْیَجَاْھُنَّ بِنَوَاھُنَّ ثُمَّ لِیَلُدَّکَ بِھِنَّ. (رواہ ابو داؤد)

سعد رضی اللہ تعالیٰ عنہ بیان کرتے ہیں ایک مرتبہ میں شدید بیمار پڑا، آپ صلی اللہ علیہ وسلم میری عیادت کے لئے تشریف لائے اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنا دست مبارک میری چھاتیوں کے درمیان رکھا اور اتنی دیر تک رکھا کہ میں نے اپنے قلب میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے دست مبارک کی خنکی محسوس کی۔ اس کے بعد آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تم کو قلب کی شکایت ہے۔ جاؤ حارث بن کلدہ کے پاس جا کر اپنا علاج کراؤ، وہ شخص طبیب ہے مدینہ طیبہ کی عجوہ کھجور لے کر اس کو مع گٹھلیوں کے کوٹ لے پھر اس کو بطریق "لدود" استعمال کرائے یعنی منہ میں ڈالے۔ (ابو داؤد)

تشریح: آنحضرت سرور کائنات صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات ستودہ صفات جبکہ مجمع کمالات تھی ان کی جسمانی خصوصیت کو اس قدر معمولی بات سمجھ لینا بہت زیادہ خلاف واقع ہے۔ پسینہ بالعموم جسم کا ایک بدبودار فضلہ ہوتا ہے لیکن آنحضرت سرور کائنات صلی اللہ علیہ وسلم کے پسینے کے متعلق صحیح حدیثوں میں صحابہ کرام رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین کا بیان یہ ہے کہ وہ ان کی بہتر سے بہتر خوشبوؤں میں صرف تبرکاً نہیں بلکہ اضافۂ خوشبو کے لیے شامل کیا جاتا تھا۔ جس گلی کوچہ سے آپ صلی اللہ علیہ وسلم گزر جاتے تھے وہ معطر ہو جاتی تھی جو آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے مصافحہ کرتا تھا آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے دست مبارک کی خوشبو سے مست ہو جاتا تھا۔ ان صحیح خصوصیات کو معمولی بات کہہ کر ٹال دینا معمولی بات نہیں۔

اَنَّ النَّبِیَّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ دَخَلَ عَلٰی سَعْدِ بْنِ اَبِیْ وَقَّاصٍ یَعُوْدُہٗ بِمَکَّۃَ وَھُوَ یَشْتَکِیْ قَالَ فَوَضَعَ یَدَہٗ عَلٰی جَبْھَتِیْ فَمَسَحَ وَجْھِیْ وَصَدْرِیْ وَبَطْنِیْ فَمَازِلْتُ یُخَیَّلُ اِلَیَّ اَنِّیْ اَجِدُ بَرْدَ یَدِہٖ عَلٰی کَبِدِیْ حَتَّی السَّاعَۃِ. رواہ الامام احمد واصل الحدیث عند البخاری فی المختصر. (شرح المواہب ص ۸۳ ج ۴)

ایک مرتبہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سعد بن ابی وقاص رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی عیادت کے لیے تشریف لے گئے۔ اس وقت یہ مکہ مکرمہ میں تھے اور بہت بیمار تھے ان کا بیان ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنا دست مبارک میری پیشانی اور سینہ اور پیٹ پر پھیرا تو آج تک مجھ کو یوں معلوم ہوتا ہے گویا آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے دست مبارک کی خنکی کا اثر میرے قلب و جگر میں ہے۔ (امام احمد)

تشریح: واضح رہے کہ ان حدیثوں میں تین باتیں قابل غور ہیں: (۱) آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے ید مبارک کا برد (یعنی خنکی) (۲) خنکی بھی وہ جو برف سے زیادہ تیز (۳) پھر اس برد کا اثر سینہ کے اندر تک محسوس ہونا۔ مزید اس کے ساتھ خوشبو کا محسوس ہونا۔ یہ الگ بات ہے کہ آپ اس کو عام انسانوں کی عادات میں شمار کر سکتے ہیں۔

عَنْ یَزِیْدَ بْنِ الْاَسْوَدِ قَالَ نَاوَلَنِیْ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ یَدَہٗ فَاِذَا ھِیَ اَبْرَدُ مِنَ الثَّلْجِ وَاَطْیَبُ رِیْحًا مِنَ الْمِسْکِ. (رواہ البیہقی کما فی شرح المواہب ص ۸۳ ج ۴)

یزید بن الاسود رضی اللہ تعالیٰ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنا دست مبارک میری طرف بڑھایا تو میں نے شوق کے ہاتھوں سے اس کو لیا تو وہ برف سے زیادہ ٹھنڈا اور مشک کی خوشبو سے زیادہ مہک رہا تھا۔ (بیہقی)

عَنِ الْمُسْتَوْرِدِ بْنِ شَدَّادٍ عَنْ اَبِیْهِ قَالَ اَتَیْتُ النَّبِیَّ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ فَاَخَذْتُ بِیَدِهٖ فَاِذَا هِیَ اَلْیَنُ مِنَ الْحَرِیْرِ وَاَبْرَدُ مِنَ الثَّلْجِ (رواہ الطبرانی)

مستورد ابن شداد رضی اللہ تعالیٰ عنہ بیان کرتے ہیں کہ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا میں نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا دست مبارک جو پکڑا تو وہ تو ریشم سے زیادہ نرم اور برف سے زیادہ خنک تھا۔ (طبرانی)

عَنْ اَبِیْ جُحَیْفَةَ قَالَ خَرَجَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ بِالْهَاجِرَةِ اِلَی الْبَطْحَاءِ فَتَوَضَّأَ ثُمَّ صَلَّی الظُّهْرَ رَكْعَتَیْنِ وَالْعَصْرَ رَكْعَتَیْنِ وَبَیْنَ یَدَیْهِ عَنَزَةٌ (وَقَالَ شُعْبَةُ عَنْ عَوْنٍ عَنْ اَبِیْهِ عَنْ اَبِیْ جُحَیْفَةَ قَالَ) كَانَ یَمُرُّ مِنْ وَّرَائِهَا الْمَرْاَةُ وَقَامَ النَّاسُ فَجَعَلُوْا یَاْخُذُوْنَ یَدَیْهِ فَیَمْسَحُوْنَ بِهِمَا وُجُوْهَهُمْ فَاَخَذْتُ بِیَدِهٖ فَوَضَعْتُهَا عَلٰی وَجْهِیْ فَاِذَا هِیَ اَبْرَدُ مِنَ الثَّلْجِ وَاَطْیَبُ رَائِحَةً مِّنَ الْمِسْكِ. رواہ البخاری فی باب صفة النبی صلی اللہ علیه وسلم ص ۵۰۲/۱ یقول العبد الضعیف والبرد ههنا كالبرد فی حدیث سعد حین جاء ہ رسول اللہ صلی اللہ علیه وسلم یعودہ ووضع یدہ بین ثدییه فوجد بردها علی فؤادہ كما عند ابی داؤد كالبرد فی حدیث علیؓ حین جاءہ بعد ما اخذ مضجعه فقعد بینه وبین فاطمةؓ فوجد برد قدمیه كما عند البخاری فی مناقب علیؓ. ولعل البرد فی حدیث عبدالرحمٰن بن عائش فی رؤیته صلی اللہ علیه وسلم ربّه حین وضع كفه بین كتفیه فوجد بردها بین ثدییه. كما فی ترجمان السنة ص ۲۳۳/۱ من نحو هذا النوادی.

ابی جحیفہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کہتے ہیں کہ ایک بار حضور صلی اللہ علیہ وسلم دوپہر کے وقت بطحا (مقام) کی طرف چلے وہاں آپ نے وضو کیا پھر ظہر کی نماز دو رکعت پڑھی اور عصر کی بھی دو رکعت پڑھیں اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے ایک لکڑی گڑی ہوئی تھی کہ اس کے آگے سے عورت بھی گزر رہی تھی اور لوگ بیٹھے اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے دونوں ہاتھوں کی تری پونچھتے اور ان کو اپنے چہروں پر مل لیتے۔ میں نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا ایک دست مبارک ہاتھ میں لیا اور اپنے چہرہ سے لگایا تو وہ برف سے زیادہ ٹھنڈا اور مشک سے بھی زیادہ بہتر خوشبودار تھا۔ (بخاری)

تشریح: اس حدیث میں جس خنکی اور ٹھنڈک کا ذکر ہے یہ اسی جنس کا ہے جیسا کہ ابوداؤد نے حضرت سعد رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے واقعہ میں ذکر کیا ہے کہ اتفاق سے وہ بیمار پڑے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ان کی عیادت کے لیے تشریف لائے اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنا دست مبارک ان کے سینے کے اوپر رکھا تو انھوں نے آپ کے دست مبارک کی یہ خنکی اپنے قلب تک میں محسوس کی۔ اسی واقعہ جیسا امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے مناقب میں نقل کیا ہے کہ ایک مرتبہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کسی ضرورت سے ان کے گھر ایسی حالت میں تشریف لے گئے جبکہ وہ سونے کے لیے اپنے بستر پر لیٹ چکے تھے آپ ان

کے اور حضرت فاطمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے درمیان تشریف فرما ہوئے تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے قدمِ مبارک جب ان کے جسم سے لگے تو انہوں نے اس خنکی کو محسوس کیا اور اصل واقعہ کی روایت کے وقت اس حقیقت کو بھی اہتمام کے ساتھ بیان کیا۔ شاید عبدالرحمن ابن عائش کی وہ حدیث جو انہوں نے خواب میں آنحضرت سرورِ کائنات صلی اللہ علیہ وسلم کے دیدارِ والہی کے متعلق روایت فرمائی ہے جس میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے بجملہ دیگر امور کے اس کا تذکرہ خصوصیت سے بیان فرمایا ہے کہ جب رب العزت نے اپنا دستِ قدرت میرے دونوں شانوں کے درمیان رکھا تو اس کی خنکی میں نے اپنے سینہ کے درمیان محسوس کی۔

آنحضرت سرورِ کائنات صلی اللہ علیہ وسلم کے معجزاتِ حسی اور معنوی تو عوام اور خواص سب کی نظروں میں ہیں لیکن یہاں میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے ان معجزات کی ایک خاص نوع کی طرف توجہ مبذول کرانا چاہتا ہوں جو عام نظروں سے اوجھل ہوں گی اور معجزات کی تاویل کرنے والوں کے لیے شاید موجبِ اعتراض بھی ہوں۔

اصحابِ شمائل اور احادیثِ صحیحہ میں بیاضِ ابطین کے ساتھ چند چیزیں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی ایسی بھی روایت کی جاتی ہیں جن میں آپ کی جسمانی اور خصوصیات کا بھی ان کی نظروں میں اہتمام نظر آتا ہے یعنی مختون اور ناف بریدہ ہونا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے دونوں شانوں کے درمیان کچھ زیادہ فاصلہ ہونا اور خاتمِ نبوت کا موجود ہونا اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے پسینے کی خوشبو اتنی غیر معمولی ہوتی کہ جس راہ سے آپ صلی اللہ علیہ وسلم گزریں اس کا معطر ہو جانا بلکہ ان کی مستقل خوشبوؤں میں جسدِ اطہر کے عرقِ مبارک کا ایک جزو بنا کر شامل کر لینا آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے قدِ مبارک کا اس طور پر بیان ہونا کہ جب بھی لوگوں کے درمیان کھڑے ہوں تو سب سے اونچے نظر آتا اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے اعضاء کی وہ خنکی اور خوشبو جس کو راوی جگہ جگہ اہتمام کے ساتھ اپنی روایت میں بیان کرتا ہے۔ یہ اور اس کے مثل بعض اور اشیاء بھی حدیثوں میں ایسی نظر آتی ہیں کہ جن کو دیکھ کر یہ ماننا پڑتا ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی ذاتِ اطہر میں بھی قدرت نے کچھ عجائبات اور عادت کے خلاف ایسی چیزیں رکھی تھیں جو عام انسانوں میں نہ تھیں بھلا سوچئے کہ شانوں کے درمیان کا فاصلہ کیا یہ عام انسانوں میں نہیں ہوتا پھر یہ کیا ایسی نئی بات تھی جس کو اصحابِ شمائل خصوصیت کے ساتھ آپ کی صورتِ مبارک کا نقشہ کھینچنے کے ذیل میں تذکرہ کرتے ہیں اور سلاطین و احبار کے پاس جیسی کچھ تصاویر بھی آپ کی ثبت ہوتی تھیں ان میں بھی اس فاصلہ کا خصوصیت سے تذکرہ آتا ہے۔ خاتمِ نبوت کا تو کیا کہنا وہ تو تقریباً متواتر ہے۔ پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی بیاضِ ابطین کو بھی اگر انہیں خصوصیات میں شمار کر لیا جائے تو وہ کچھ چونک پڑنے کی بات تو نہیں راوی جگہ جگہ مختلف حدیثوں میں اور مختلف واقعات میں معلوم نہیں کیوں اس بیاضِ ابطین کا تذکرہ کرتا ہے اور معلوم نہیں کیوں آپ کے دستِ مبارک کی برودت اور خوشبو حیرت ناک انداز و لہجہ میں نقل کرتا ہے عقل کام نہیں کرتی کہ یوں البتہ عام انسانوں کے ہاتھ پیر بھی عام حالت میں نرم رہتے ہوں پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے اعضاء مبارک میں یہ برودت کیوں تھی اور اس کی حقیقت کیا تھی جس کو ہر جگہ اور بڑا بیان کرنا ضروری سمجھا گیا تو اگر اس قسم کی خصوصیات آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے جسمانی فضائل میں درج کی جائیں اور پھر محدثین کے طریقے کے موافق معجزات کے ذیل میں کھینچی جائیں تو کوئی تعجب نہیں ورنہ ان پر انکار اور تشدد کا قلم چلانے کی ضرورت ہے۔

اُم معبد کے مکان میں ظاہر ہونیوالے معجزات وبرکات

عن هشام صاحب رسول الله صلى الله عليه وسلم ان رسول الله صلى الله عليه وسلم خرج من مكة مهاجرا الى المدينة وابو بكر ومولى ابي بكر عامر بن فهيرة ودليلهما الليثي عبد الله بن اريقط مروا على خيمتي ام معبد الخزاعية وكانت امرأة برزة جلدة تحتبي بفناء الخيمة ثم تسقي وتطعم فسألوها لحما وتمرا ليشتروا منها فلم يصيبوا عندها شيئا من ذلك وكان القوم مرملين مسنتين فنظر رسول الله صلى الله عليه وسلم الى شاة في كسر الخيمة فقال ما هذه الشاة يا ام معبد قالت شاة خلفها الجهد عن الغنم فقال هل بها من لبن قالت هي اجهد من ذلك قال اتأذنين لي ان احلبها قالت بابي انت وامي ان رأيت بها حلبا فاحلبها فدعا بها رسول الله صلى الله عليه وسلم فمسح بيده ضرعها وسمى الله تعالى ودعا لها في شاتها فتفاجت عليه ودرت فاجترت فدعا باناء يربض الرهط فحلب فيه ثجا حتى علاه البهاء ثم سقاها حتى رويت وسقى اصحابه حتى رووا وشرب آخرهم حتى اراضوا ثم حلب فيه الثانية على هدة حتى ملأ الاناء ثم غادره عندها ثم بايعها وارتحلوا عنها فقل ما لبثت حتى جاء زوجها ابو معبد ليسوق اعنزا عجافا يتساوكن هزلا مخهن قليل فلما رأى ابو معبد اللبن اعجبه قال من اين لك هذا يا ام معبد والشاة عازب حيال ولا حلوب في البيت قالت لا والله الا انه مر بنا رجل مبارك من حاله كذا وكذا قال صفيه لي يا ام معبد قالت رأيت رجلا ظاهر الوضاءة ابلج الوجه حسن الخلق لم تعبه ثجلة ولم تزر به صعلة وسيم قسيم في عينيه دعج وفي اشفاره وطف وفي صوته صهل وفي عنقه سطع وفي لحيته كثاثة ازج اقرن ان صمت فعليه الوقار وان تكلم سما وعلاه البهاء اجمل الناس وابهاه من بعيد واحسنه واجمله من قريب حلو المنطق فصلا لا نزر ولا هذر كأن منطقه خرزات نظم يتحدرن ربعة لا تشنأه من طول ولا تقتحمه عين من قصر غصن بين غصنين فهو انضر الثلاثة منظرا واحسنهم قدرا له رفقاء يحفون به ان قال سمعوا لقوله وان امر تبادروا الى امره محفود محشود لا عابس ولا مفند قال ابو معبد والله صاحب قريش الذي ذكرنا من امره ولقد هممت ان اصحبه ولافعلن ان وجدت الى ذلك سبيلا واصبح صوت بمكة عاليا يسمعون الصوت ولا يدرون من صاحبه وهو يقول.

جزى الله رب الناس خير جزائه ... رفيقين حلا خيمتي ام معبد

هما نزلاها بالهدى واهتدت به ... فقد فاز من امسى رفيق محمد

فيا لقصي ما زوى الله عنكم ... به من فعال لا تجازى وسودد

ليهن أبا بكر سعادة جده — بصحبته من يسعد الله يسعد

ليهن بني كعب مقام فتاتهم — ومقعدها للمؤمنين بمرصد

سلوا أختكم عن شاتها وإنائها — فإنكم إن تسألوا الشاة تشهد

فغادره رهنا لديها لحالب — يرددها في مصدر بعد مورد

فلما سمع حسان الهاتف بذلک شبب يجاوب الهاتف

لقد خاب قوم زال عنهم نبيهم — وقدس من يسري إليهم ويغتدي

ترحل عن قوم فضلت عقولهم — وحل على قوم بنور مجدد

هداهم به بعد الضلالة ربهم — فأرشدهم من يتبع الحق يرشد

وهل يستوي ضلال قوم تسفهوا — عمی وهداة يهتدون بمهتد

وقد نزلت منه على أهل يثرب — ركاب هدى حلت عليهم بأسعد

نبي يرى ما لا يرى الناس حوله — ويتلو كتاب الله في كل مشهد

وإن قال في يوم مقالة غائب — فتصديقها في اليوم أو في ضحى الغد

اخرجه الحاكم في المستدرک من عدة طرق. وقال الحاكم صحيح الاسناد ولم يخرجاه وقصة أم معبد الشعر صحيح ونزول المصطفیٰ بالخيمتين متواتر في اخبار صحيحة ثم ذكر دلائل صحته ص ۱۰/۳ وذكره ابن القيم في زاد المعاد واعتنى بقصتها وبحل الفاظها ابن قتيبة وابن الأثير في النهاية والحافظ السهيلي في الروض الانف وعدها الشاه ولي الله من معجزاته صلى الله عليه وسلم في ازالة الخفاء. وقال الذهبي ليس من هذه الطرق على شرط الصحيح. واستشهد الحافظ بقصة أم معبد في الفتح ص ۱۶۸/۷ وذكرها في الاصابة مفصلة واخرجها ابن السكن من حديث أم معبد نفسها بطريقين واخرجها ابن سعد من طرق كما اخرجها ابو عمر في الاستيعاب وذكرها عمر بن شبه في كتاب مكة ايضا وفي مجمع الزوائد ان أم معبد اسمها عاتكة بنت خالد اي بني كعب من خزاعة وهي اخت حبيش بن خالد وله صحبة. واخرج الهيثمي في موضع اخر انها قالت بعثت الى النبي صلى الله عليه وسلم بشاة ذبحنا فردها وقال الغني شاة لاتحلب قال رواه الطبراني ورجاله رجال الصحيح غير حزام بن هشام بن حبيش وابيه وكلاهما ثقة مجمع الزوائد ص ۳۰۳/۸ وفي شرح المواهب وصححه البيهقي وصاحب الغيلانيات ومن طريقه اليعمري عن ابي سليط الانصاري البدري وابن عبدالبر و ابن شاهين وابن السكن والطبراني عن اخي أم معبد

صاحب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ص ۳۴۰ ر ۱ وراجع البدایہ والنہایہ ص ۱۹۲ ر ۲.

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابی ہشام رضی اللہ تعالیٰ عنہ کہتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ابوبکرؓ اور ان کے غلام عامر بن فہیرہؓ اور عبداللہ بن اریقط رضی اللہ تعالیٰ عنہ جو راستہ بتانے والے تھے مکہ مکرمہ سے مدینہ طیبہ ہجرت کے لیے چلے، راستے میں ان کا گزر ام معبد کے خیموں پر ہوا۔ یہ بن رسیدہ اور مشہور عورت تھیں اپنے خیمہ کے سامنے بیٹھی رہتیں اور مسافروں کے کھانے پانی سے خاطر کیا کرتی تھیں۔ ان صاحبوں نے اس سے کچھ گوشت اور کھجور کے متعلق دریافت کیا تاکہ اس سے خرید لیں وہاں قحط پڑ رہا تھا اس لیے ان کو کچھ نہ ملا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی نظر ایک بکری پر پڑی جو خیمہ کے ایک کونے میں کھڑی تھی۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے دریافت فرمایا "ام معبد! یہ بکری کیسی کھڑی ہے؟" انہوں نے عرض کی کمزوری کی وجہ سے ریوڑ کے ساتھ نہیں جا سکی۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے پوچھا کہ اس کے نیچے کچھ دودھ ہے؟ انہوں نے عرض کی اس میں اتنا دم کہاں! آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا مجھ کو اجازت دو تو میں دودھ نکال کر دیکھوں؟ اس نے عرض کی "میرے ماں باپ آپ صلی اللہ علیہ وسلم پر قربان! آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو دودھ معلوم ہو تو شوق سے نکال لیجیے۔" آپ نے اس بکری کو اپنے پاس بلوایا اور اس کے تھنوں پر ہاتھ پھیرا اور بسم اللہ کہہ کر برکت کی دعا فرمائی۔ اس نے فوراً ٹانگیں پھیلا دیں اور جگالی کرنے لگی اور دودھ دینے لگی۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک برتن منگوایا جو ایک جماعت کو سیراب کر سکے اور اس میں خوب دھاروں کے ساتھ دودھ نکالا یہاں تک کہ برتن پر جھاگ آ گئے، پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کو پلایا یہاں تک کہ وہ شکم سیر ہو گئیں، پھر اپنے رفقاء کو پلایا یہاں تک کہ انہوں نے خوب پیٹ بھر کر پی لیا، بعد میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے نوش فرمایا یہاں تک کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے سب ہمراہی شکم سیر ہو کر زمین پر سو رہے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے تھوڑی دیر کے بعد پھر دودھ نکالا یہاں تک کہ برتن بھر گیا۔ وہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کے پاس چھوڑ دیا اس کے بعد اس کو بیعت فرمایا اور روانہ ہو گئے۔ ابھی تھوڑی ہی دیر گزری ہو گی کہ اس کے شوہر ابو معبد آ گئے تاکہ جو دبلی لاغر کمزور بکریاں جن کی ہڈیوں میں گودا بھی نہ رہا تھا ان کو ہی ہانک کر لے جائیں۔ جب ابو معبد کی نظر دودھ پر پڑی تو ان کو بڑا تعجب ہوا۔ انہوں نے پوچھا "اے ام معبد! یہ دودھ کہاں سے آیا؟ بکریوں میں تو کوئی بچہ دینے والی نہ تھی اور گھر میں کوئی دوسری دودھ کی بکری بھی نہیں (پھر یہ دودھ کیسا؟)" اس نے کہا بخدا اور تو کچھ نہیں صرف یہ بات ہوئی ہے کہ ایک مبارک شخص کا ہمارے پاس سے گزر ہوا۔ بس یہ ان ہی کے قدم کی برکت ہے۔ انہوں نے کہا اچھا ان کا کچھ نقشہ تو بیان کرو، انہوں نے کہا کھلا ہوا جمال، بڑے خوش رو، جسم کی ساخت بڑی خوبصورت، نہ بڑے پیٹ کا عیب نہ چھوٹا سا سر، بڑے خوبصورت، آنکھیں تیز سیاہ و سفید، دراز مژگان، بڑی شیریں آواز، دراز گردن، ریش مبارک گھنی، ابرو خمیدہ اور درمیان سے ملی ہوئی اور گھنی، اگر خاموش رہیں تو باوقار اور گفتگو فرمائیں تو فصاحت میں سب سے بلند، بس مجسم رونق و رعنائی اور جمال ہی جمال، کیا دور سے اور کیا قریب سے، گفتگو بڑی صاف اور شیریں، ایک ایک حرف نہ بیکار اور نہ زیادہ۔ یوں معلوم ہوتا کہ ہار کے موتی ہیں جو کہ بعد دیگرے گر رہے ہیں، میانہ قد، نہ بہت دراز کہ برا معلوم ہو اور نہ ناپست کہ اس پر نظر پڑے، بس متوسط، تینوں میں سے دیکھنے میں سب سے زیادہ حسین اور بلند، ان کے خدام حلقہ بستہ، اگر آواز نکالیں تو ہمہ تن گوش اور حکم دیں تو اس کی تعمیل کو دوڑ پڑیں، کامل مخدوم، ان کا جی چاہا ہوا، نہ کسی

کی برائی کرتا۔ یہ سن کر ابو معبد بے ساختہ بول اٹھے خدا کی قسم! تم نے یہ اوصاف جن کے بیان کیے ہیں یہ تو وہی قریش والے ہیں۔ خدا کی قسم! میرے دل میں آتا ہے کہ میں بھی ان کے ہمراہ چلوں اور اگر کوئی صورت نکلی تو ضرور ایسا کروں گا۔ ادھر مکہ کرمہ کا حال سنئے کہ یہاں بلند آواز سے کوئی پڑھنے والا یہ اشعار پڑھتا تھا مگر یہ معلوم نہ ہوتا تھا کہ وہ کون ہے۔

(۱) خدا بھلا کرے ان دو رفیقوں کا جو ام معبد کے خیمے میں آ کر رونق افروز ہوئے۔

(۲) وہ ہدایت لے کر تشریف لائے اور ام معبد کو ان کے طفیل میں ہدایت نصیب ہوگئی اور جو محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا رفیق بنا وہ یقیناً کامیاب ہوا۔

(۳) قبیلہ قصی پر افسوس اور صد افسوس کہ اللہ تعالیٰ نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے ہجرت کر جانے کی وجہ سے ان کی سرداری پر اور ان کے اچھے اچھے افعال سب پر پانی پھیر دیا۔

(۴) اس رفاقت پر ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو اپنے دادا کی سعادت مبارک ہو اور بات تو یہ ہے کہ جس کو خدا سعادت نصیب فرمائے سعادت اسی کو نصیب ہوتی ہے۔

(۵) بنو کعب کو اپنے خاندان کی یہ عورت اور مسلمانوں کے انتظار میں اس کا یہ بیٹھنا مبارک۔

(۶) اپنی بہن سے جا کر بکری اور دودھ کے برتن کا حال تحقیق کرے تو دیکھو بلکہ اگر خود ان کی بکری سے پوچھو گے تو وہ بھی آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی رسالت کی گواہی دے گی۔

(۷) آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک بے دودھ والی اس سے منگوائی تو فوراً اس کے تھن دودھ سے لبریز ہوگئے اور دودھ بہنے لگا۔

(۸) آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس بکری کو ام معبد کے گھر چھوڑ دیا تاکہ اب دودھ نکالنے والا ہمیشہ اس کا دودھ نکالتا رہے۔

(حسان بن ثابت رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو جب اس ہاتف غیبی کے یہ اشعار پہنچے تو انہوں نے اس کے جواب میں ذیل کے اشعار کہے)

(۹) وہ قوم بڑے نقصان میں پڑ گئی جن کا نبی ان کو چھوڑ گیا اور جن کی طرف وہ رخ کر کے چلا وہ مقدس بن گئی۔

(۱۰) ان لوگوں کی عقل ماری گئی جن کو چھوڑ کر آپ صلی اللہ علیہ وسلم رخصت ہوگئے اور نور در خشاں لے کر دوسری قوم میں جلوہ افروز ہوئے۔

(۱۱) گمراہی کے بعد ان کے پروردگار نے ان کو ہدایت نصیب فرمائی اور جو حق قبول کرے وہی راہ یاب رہتا ہے۔

(۱۲) کیا وہ گمراہ لوگ جو اپنے اندھے پن کی وجہ سے بے توفیق رہ کر بیٹھے ان کے برابر ہو سکتے ہیں۔ وہ جو ایک ہدایت یافتہ شخص سے ہدایت حاصل کر چکے۔

(۱۳) اور یثرب والوں کے پاس ہدایت کا قافلہ ایک ایسے شخص کے ساتھ آ کر اترا جو سب میں بڑھ کر سعید تھا۔

(۱۴) وہ ایک نبی ہیں جو اپنی آنکھوں سے وہ وہ باتیں دیکھتے ہیں جو عام لوگ نہیں دیکھتے اور ہر مجمع میں اللہ کی کتاب تلاوت فرماتے ہیں۔

(۱۵) اور اگر آج وہ کوئی پیشین گوئی فرماتے ہیں تو وہ فوراً ہی بالکل سچی ثابت ہو جاتی ہے۔

تشریح: ام معبد کی اس روایت کو متعدد سے متعدد جراح سیرت نگار محدثین نے بنظر اعتبار ذکر کیا ہے پھر اس جنس کے معجزات مسلم اسانید کے ساتھ ثابت ہیں مگر ہمارے سیرت نگاروں نے اس کو بھی غیر مستند معجزات کی فہرست میں داخل کر دیا ہے اور حافظ ذہبی کی عبارت کا ایسا ترجمہ کر دیا ہے جو کم از کم اردو خواں اصحاب کے لیے تو بہت زیادہ موہم ہو سکتا ہے۔ مذکورہ بالا روایت کو حاکم نے اپنے دستور کے مطابق بخاری و مسلم کی شرط کے ہم پلہ قرار دیا ہے۔ ذہبی تلخیص المستدرک میں فرماتے ہیں:

"لیس من هذه الطرق علی شرط الصحیح" یعنی ان طریقوں میں سے کوئی طریقہ اصطلاحاً صحیح کی شرطوں کے مطابق نہیں اس کے علاوہ انہوں نے اس پر کوئی جرح نہیں فرمائی۔ ظاہر ہے کہ جن کو صحیح و حسن کے درمیان اصطلاحی فرق معلوم نہ ہو وہ یہ سمجھ سکتے ہیں کہ ذہبی نے اس حدیث کے معتبر ہونے سے ہی انکار کر دیا ہے۔ اردو میں صحیح کے معنی معتبر کے ہیں حالانکہ یہاں سب اصطلاحی بحث تھی۔ ہمارے لیے بس اتنی بات کافی ہے کہ اس روایت کو معجزات کی فہرست میں ذکر کرنے والے بڑے بڑے محدثین موجود ہیں جن کے نام ہم نے اصل عربی متن میں تفصیل کے ساتھ ذکر کر دیے ہیں مگر منکرین نے عمداً یا سہواً اس پر تنبیہ نہیں کی کہ حافظ ذہبی کی عبارت کی صحیح مراد کیا تھی کہ وہ اس صحت کا انکار کرتے ہیں جس کے لیے محدثین کے نزدیک خاص خاص شرائط ہیں یا اس کے معتبر ہونے سے ہی منکر ہیں۔ یہ مغالطہ بہت ہی قابل افسوس ہے اور مترجم کی بڑی بد ذوقی پر شاہد ہے۔ اس حدیث میں آپ کے معجزہ کے سوا اس کا ثبوت بھی ملتا ہے کہ آپ کی شکل و شمائل عادات و خصائل کی شہرت اس وقت شہری اور بدوی لوگوں میں کس درجہ پر تھی اور آپ کی صفات کا تذکرہ کتنا صاف صاف موجود تھا کہ لوگ صرف انہیں کو سن کر آپ کی صداقت و نبوت پر ایمان لانے کے لیے مضطرب اور مجبور تھے کیا یہ شہرت اور لوگوں کی معرفت صرف "عادات" اور "استعارات" سے حاصل ہو سکتی ہے۔

اشیائے خورد و نوش میں برکت سے متعلق معجزات

عَنِ الْمِقْدَادِ قَالَ اَقْبَلْتُ اَنَا وَصَاحِبَانِ لِيْ وَقَدْ ذَهَبَتْ اَسْمَاعُنَا وَاَبْصَارُنَا مِنَ الْجَهْدِ فَجَعَلْنَا نَعْرِضُ اَنْفُسَنَا عَلٰى اَصْحَابِ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَلَيْسَ اَحَدٌ مِنْهُمْ يَقْبَلُنَا فَاَتَيْنَا النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَانْطَلَقَ بِنَا اِلٰى اَهْلِهِ فَاِذَا ثَلَاثَةُ اَعْنُزٍ فَقَالَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ احْتَلِبُوْا هٰذَا اللَّبَنَ بَيْنَنَا قَالَ فَكُنَّا نَحْتَلِبُ فَيَشْرَبُ كُلُّ اِنْسَانٍ مِنَّا نَصِيْبَهُ وَنَرْفَعُ لِلنَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ نَصِيْبَهُ قَالَ فَيَجِيْءُ مِنَ اللَّيْلِ فَيُسَلِّمُ تَسْلِيْمًا لَا يُوْقِظُ نَائِمًا وَيُسْمِعُ الْيَقْظَانَ قَالَ ثُمَّ يَاْتِي الْمَسْجِدَ فَيُصَلِّيْ ثُمَّ يَاْتِيْ شَرَابَهُ فَاَتَانِي الشَّيْطَانُ ذَاتَ لَيْلَةٍ وَقَدْ شَرِبْتُ نَصِيْبِيْ فَقَالَ مُحَمَّدٌ يَاْتِي الْاَنْصَارَ فَيُتْحِفُوْنَهُ وَيُصِيْبُ عِنْدَهُمْ مَا بِهِ حَاجَةٌ اِلٰى هٰذِهِ الْجُرْعَةِ فَاَتَيْتُهَا فَشَرِبْتُهَا فَلَمَّا اَنْ وَغَلَتْ فِيْ بَطْنِيْ وَعَلِمْتُ اَنَّهُ لَيْسَ اِلَيْهَا سَبِيْلٌ قَالَ نَدَّمَنِي الشَّيْطَانُ فَقَالَ وَيْحَكَ مَا صَنَعْتَ اَشَرِبْتَ شَرَابَ مُحَمَّدٍ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَيَجِيْءُ فَلَا يَجِدُهُ فَيَدْعُوْ عَلَيْكَ فَتَهْلِكُ فَتَذْهَبُ دُنْيَاكَ وَاٰخِرَتُكَ وَعَلَيَّ شَمْلَةٌ اِذَا وَضَعْتُهَا عَلٰى قَدَمَيَّ خَرَجَ رَاْسِيْ وَاِذَا وَضَعْتُهَا عَلٰى رَاْسِيْ خَرَجَ قَدَمَايَ وَجَعَلَ لَا يَجِيْئُنِي النَّوْمُ وَاَمَّا صَاحِبَايَ فَنَامَا وَلَمْ يَصْنَعَا مَا صَنَعْتُ

قَالَ فَجَاءَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَسَلَّمَ كَمَا كَانَ يُسَلِّمُ ثُمَّ أَتَى الْمَسْجِدَ فَصَلَّى ثُمَّ أَتَى شَرَابَهُ فَكَشَفَ عَنْهُ فَلَمْ يَجِدْ فِيهِ شَيْئًا فَرَفَعَ رَأْسَهُ إِلَى السَّمَاءِ فَقُلْتُ الْآنَ يَدْعُو عَلَيَّ فَأَهْلِكُ فَقَالَ اللّٰهُمَّ أَطْعِمْ مَنْ أَطْعَمَنِي وَأَسْقِ مَنْ سَقَانِي قَالَ فَعَمَدْتُ إِلَى الشَّمْلَةِ فَشَدَدْتُهَا عَلَيَّ وَأَخَذْتُ الشَّفْرَةَ فَانْطَلَقْتُ إِلَى الْأَعْنُزِ أَيُّهَا أَسْمَنُ فَأَذْبَحُهَا لِرَسُولِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَإِذَا هِيَ حَافِلٌ وَإِذَا هُنَّ حُفَّلٌ كُلُّهُنَّ فَعَمَدْتُ إِلَى إِنَاءٍ لِآلِ مُحَمَّدٍ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَا كَانُوا يَطْمَعُونَ أَنْ يَحْتَلِبُوا فِيهِ قَالَ فَحَلَبْتُ فِيهِ حَتَّى عَلَتْهُ رَغْوَةٌ فَجِئْتُ إِلَى رَسُولِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقَالَ أَشَرِبْتُمْ شَرَابَكُمُ اللَّيْلَةَ قَالَ قُلْتُ يَا رَسُولَ اللّٰهِ اشْرَبْ فَشَرِبَ ثُمَّ نَاوَلَنِي فَقُلْتُ يَا رَسُولَ اللّٰهِ اشْرَبْ فَشَرِبَ ثُمَّ نَاوَلَنِي فَلَمَّا عَرَفْتُ أَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَدْ رَوِيَ وَأَصَبْتُ دَعْوَتَهُ ضَحِكْتُ حَتَّى أُلْقِيتُ عَلَى الْأَرْضِ قَالَ فَقَالَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِحْدَى سَوْآتِكَ يَا مِقْدَادُ فَقُلْتُ يَا رَسُولَ اللّٰهِ كَانَ مِنْ أَمْرِي كَذَا وَكَذَا وَفَعَلْتُ كَذَا فَقَالَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَا هٰذِهِ إِلَّا رَحْمَةٌ مِنَ اللّٰهِ عَزَّ وَجَلَّ أَفَلَا كُنْتَ آذَنْتَنِي فَنُوقِظَ صَاحِبَيْكَ فَيُصِيبَانِ مِنْهَا قَالَ فَقُلْتُ وَالَّذِي بَعَثَكَ بِالْحَقِّ مَا أُبَالِي إِذَا أَصَبْتَهَا وَأَصَبْتُهَا مَعَكَ مَنْ أَصَابَهَا مِنَ النَّاسِ۔ (رواہ مسلم فی باب اکرام الضیف)

مقداد رضی اللہ تعالیٰ عنہ روایت کرتے ہیں کہ میں اور میرے دو رفیق ایسے فقر و فاقہ کی حالت میں آئے کہ ہماری شنوائی اور بینائی دونوں جا چکی تھیں۔ ہم نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابہ کی خدمت میں اپنے آپ کو پیش کیا مگر کسی نے ہمارا بار منظور نہ کیا۔ بالآخر ہم آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم ہم کو لے کر اپنے گھر تشریف لائے دیکھا تو گھر میں تین بکریاں موجود تھیں، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ ان بکریوں کا دودھ نکال کر ہم سب کے درمیان تقسیم کر لیا کرو۔ ہمارا دستور یہ تھا کہ ہم ان بکریوں کا دودھ نکالتے اور ہم میں سے ہر شخص اپنا اپنا حصہ پی لیتا اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے حصہ کا دودھ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے رکھ چھوڑتا۔ شب میں جب کبھی آپ صلی اللہ علیہ وسلم تشریف لاتے تو بس اتنی ہلکی آواز سے سلام کرتے کہ اگر کوئی سوتا ہو تو بیدار نہ ہو اور بیدار ہو تو وہ سن لے۔ اس کے بعد مسجد میں تشریف لے جاتے اور نماز پڑھتے، اس کے بعد تشریف لا کر اپنا حصہ نوش فرماتے۔ ایک شب کا قصہ ہے کہ میں اپنا حصہ پی چکا تھا، شیطان نے مجھے بہکایا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم تو انصار کے ہاں تشریف لے جاتے ہیں وہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں کچھ نہ کچھ پیش کرتے ہی ہیں اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم ان کے ہاں تناول بھی فرما لیتے ہیں بھلا اس گھونٹ بھر دودھ کی آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو کیا ضرورت ہے یہ سوچ کر میں گیا اور جا کر آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے حصہ کا دودھ بھی پی گیا۔ جب میں نے اس کو اپنے پیٹ میں ڈال لیا اور اب گنجائش نہ رہی تو اب شیطان نے مجھے اتنا شرمندہ کیا اور کہا بدبخت تو نے یہ کیا ناشائستہ حرکت کی کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے حصہ کا دودھ بھی پی گیا۔ جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم تشریف لائیں گے اور اپنا حصہ نہ پائیں گے تو کہیں ایسا نہ ہو کہ تیرے حق میں بددعا فرما دیں اور تیرے دین و دنیا دونوں برباد ہو کر رہ جائیں۔ میں ایک چھوٹی سی چادر اوڑھے ہوئے تھا اگر پیر ڈھانکتا تو میرا سر کھل جاتا اور اگر سر ڈھانکتا تھا تو پیر

کھل جاتے اور اس فکر میں کسی طرح نیند نہ آتی تھی۔ میرے دو رفیق جنہوں نے یہ حرکت نہ کی تھی وہ آرام سے سو گئے اس کے بعد آپ صلی اللہ علیہ وسلم تشریف لائے اور حسب عادت سلام کیا پھر مسجد میں تشریف لے گئے اور نماز پڑھی اس کے بعد اپنے حصہ کا دودھ پینے کے لیے آئے برتن کھولا تو وہاں کچھ نہ تھا آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنا سر مبارک آسمان کی طرف اٹھایا میں نے کہا اب آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے میرے اوپر بددعا فرمائی اور میں برباد ہوا۔ مگر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ دعا فرمائی "خدایا! جو مجھ کو کھلائے تو اس کو کھلا اور جو مجھ کو پلائے تو اس کو پلا" (آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی یہ دعا سن کر) میں نے اپنی چادر سنبھالی اور چھری ہاتھ میں لے کر بکریوں کی طرف بڑھا کہ ان میں جو فربہ ہو میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے اس کو ذبح کروں لیکن کیا دیکھتا ہوں کہ سب کے تھنوں میں دودھ بھرا ہوا ہے۔ یہ دیکھ کر میں ایک برتن کی طرف بڑھا جس کے متعلق آپ کے گھر والوں کو یہ خیال بھی نہ گزرا تھا کہ کبھی دودھ اتنا ہوگا کہ اس برتن میں دوہا جائے گا لیکن میں نے اس میں دودھ دوہا تو وہ بھر گیا یہاں تک کہ اس کے اوپر جھاگ آ گئے میں اس کو لے کر آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا آپ نے پوچھا کیا تم لوگوں نے اپنا حصہ پی لیا ہے؟ میں نے عرض کیا یا رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم)! آپ نوش فرمائیے آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے کچھ پی کر مجھ کو عنایت فرما دیا میں نے عرض کیا اور نوش فرمائیے آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اور پی لیا اور پھر مجھ کو عنایت فرما دیا جب میں سمجھ گیا کہ آپ خوب شکم سیر ہو چکے ہیں اور آپ کی دعا مجھ کو لگ چکی ہے تو میں ہنس پڑا اور ہنستے ہنستے زمین پر گر پڑا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا مقداد! یہ کیا ناشائستہ حرکت ہے میں نے عرض کیا یا رسول اللہ! میرا یہ واقعہ ہے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا یہ برکت صرف اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہے ایک رحمت تھی تم نے پہلے اس کی مجھ کو خبر کیوں نہ دی کہ ہم تمہارے دونوں رفیقوں کو بھی جگا دیتے اور وہ بھی اس برکت الٰہی میں شریک ہو جاتے؟ میں نے کہا اس خدا کی قسم! جس نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو حق دے کر بھیجا ہے جب وہ برکت آپ کو پہنچ گئی اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے طفیل مجھ کو بھی نصیب ہو گئی تو پھر مجھ کو اس کی کوئی پرواہ نہیں رہی کہ کسی اور کو بھی پہنچی یا نہیں۔ (مسلم شریف)

تشریح: حدیث مذکور میں آپ کے دعائیہ کلمات میں ہم نے "فمن اطعمنی" کا ترجمہ مستقبل کا کیا ہے تا کہ اصل مطلب واضح ہو جائے۔ بعض علماء نے اس کا ترجمہ ماضی کا کر ڈالا ہے جس کی وجہ سے از اول تا آخر مراد خبط ہو کر رہ گئی ہے۔ چنانچہ نووی مسلم کی شرح میں لکھتے ہیں "فیہ الدعاء للمحسن والخادم ولمن سیفعل خیرا" یعنی ان کلمات کا مقصد اپنے محسن اور خادم کو اور جو شخص آپ کے ساتھ آئندہ کوئی اچھا سلوک کرے ان سب کے لیے دعا کرنا تھا۔

اسی لیے راوی حدیث ان کلمات کو سن کر بکریوں کی طرف لپکا تا کہ وہ بھی آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی دعا میں شریک ہو جائے اور اسی لیے آپ نے اس سے فرمایا کاش! تو اپنے رفیقوں کو بھی بیدار کر لیتا تو وہ بھی خدا تعالیٰ کی اس رحمت میں شریک ہو جاتے مگر ضعیف انسان ایسا ظرف کہاں سے لائے کہ جب اس کا مقصد حاصل ہو جائے تو وہ اس کامیابی میں دوسروں کی شرکت کی بھی تمنا رکھے یہ تو انبیاء علیہم السلام ہی کا حوصلہ ہوتا ہے کہ وہ ہر رحمت میں اپنی امتوں کو سب سے پہلے یاد رکھتے ہیں۔ "فصلوات اللہ وسلامہ علیہم اجمعین"

"احدی سوءاتک" کا لفظی ترجمہ یہ ہے کہ تیری ایک ناشائستہ حرکت تو اس مبالغہ کے ساتھ ہنسنا بھی

وسلم نے فرمایا ہاں وہ تو یہی کہتے ہیں۔ اس نے کہا میں گواہی دیتا ہوں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا دین حق ہے اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے جو یہ کام کیا ہے یہ تو نبی کے سوا کوئی دوسرا کر ہی نہیں سکتا اور میں اب آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ چلتا ہوں۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ابھی یہ تم کو مشکل ہوگا لیکن جب تم کو میرے ظہور کی خبر ملے اس وقت تم ہمارے پاس آ جانا۔ (مستدرک)

تشریح: اس روایت کو حافظ ابن حجر اور حافظ ذہبی دونوں نے صحیح کہا ہے مگر بعض سیرت نگاروں نے اس کو تسلیم نہیں کیا اور اس میں بھی ایک شاخ یہ نکال دی ہے کہ ہجرت کا واقعہ صحیحین میں موجود ہے مگر اس معجزہ کا اس میں نام ونشان تک نہیں۔ یہ نرالا ہی اصول پر مبنی ہے کہ جب کوئی واقعہ صحیحین میں موجود ہو اور کسی دوسرے طریقے سے اس میں کوئی بات اعجاز کی ثابت ہو تو اس کو صحیحین کے خلاف اور غیر معتبر سمجھا جائے یا کم از کم اس کے ثبوت میں شک پیدا کر دیا جائے حالانکہ جب ایک زیادتی صحت کے ساتھ ثابت ہے اور اس کے منافی کوئی چیز موجود نہیں تو اس کا انکار کرنے کی کوئی وجہ نہیں ہے بلکہ زیادتی ثقہ کا تسلیم کرنا ایک مسلم مسئلہ ہے۔ ہاں اگر یہ زیادتی معارض ہو یا منافی ہو تو محل نظر ہو سکتا ہے اس کا انکار قطعی طور پر پھر بھی نہیں کیا جا سکتا۔

یہ واقعہ ام معبد والے واقعہ سے بہت ملتا جلتا ہے وہاں بھی دودھ بکری کی برکت سے پیدا ہوا اور یہاں بھی یہی صورت ظہور پذیر ہوئی۔ فتبارک الذی بیدہ الملک وھو علی کل شیء قدیر "اس جگہ حیرت ہوتی ہے کہ انکار معجزات کے شغف نے اس حدیث صحیح کے انکار پر صرف اتنی سی بات سے آمادہ کر دیا کہ یہ واقعہ صحیحین کی حدیث میں مذکور نہیں اور جب اسی قسم کا دوسرا واقعہ ام معبد رضی اللہ عنہا کی حدیث میں نظر آیا تو اس کو جرح وتعدیل کے چکر میں ڈال دیا تاکہ بکری کی برکت سے دودھ پیدا ہونے کا نام بھی احادیث سے مٹ جائے۔ اگر کاش اس صحیح سند سے ثابت شدہ واقعہ اس کی صحت سند کی بنا پر تسلیم کر لیا جاتا اور حدیث ام معبدؓ کے واقعہ کو اس کی تائید میں سمجھ لیا جاتا تو اتنا حرج تو نہ تھا کہ محققین تو اب صرف ضعیفوں کی آڑ میں اس رسول اعظم صلی اللہ علیہ وسلم کے اس معجزہ کو اس طرح چھپاتے پھرتے گویا کہ وہ کوئی عیب تھا جس کو چھپایا جائے کہ "وللناس فیما یعشقون مذاھب"

عَنِ ابْنَةِ خَبَّابٍ قَالَتْ خَرَجَ خَبَّابٌ فِيْ سَرِيَّةٍ فَكَانَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَتَعَاهَدُنَا حَتّٰى كَانَ يَحْلُبُ عَنْزًا لَنَا فَكَانَ يَحْلُبُهَا فِيْ جَفْنَةٍ فَكَانَتْ تَمْتَلِئُ حَتّٰى تَطْفَحَ قَالَتْ فَلَمَّا قَدِمَ خَبَّابٌ حَلَبَهَا فَعَادَ حِلَابُهَا إِلٰى مَا كَانَ قَالَتْ فَقُلْنَا لِخَبَّابٍ كَانَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَحْلُبُهَا حَتّٰى تَمْتَلِئَ جَفْنَتُنَا فَلَمَّا حَلَبْتَهَا نَقَصَ حِلَابُهَا۔ (رواہ احمد والطبرانی)

خباب رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی دختر بیان کرتی ہیں کہ میرے والد خباب رضی اللہ تعالیٰ عنہ ایک چھوٹے سے لشکر کے ساتھ ایک غزوہ میں چلے گئے۔ ان کے پیچھے ہماری ضروریات کا خیال خود رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فرمایا کرتے تھے یہاں تک کہ ہماری ایک بکری تھی اس کا دودھ بھی ایک پیالہ میں نکال دیا کرتے تھے اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی برکت سے وہ اتنا بھر جاتا تھا کہ چھلکنے لگتا تھا وہ کہتی ہیں جب خباب رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے واپس آ کر دودھ خود نکالا تو جتنا وہ پہلے اترتا تھا پھر اتنا ہی رہ گیا۔ وہ کہتی ہیں ہم نے خباب رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے کہا جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم دودھ نکالا کرتے تھے تو ہمارا برتن خوب بھر جایا کرتا تھا پھر جب سے کہ اس کا دودھ آپ نے نکالنا شروع کیا ہے تو وہ بہت گھٹ گیا ہے۔

غارِ حرا کے منہ پر مکڑی کا جالا تن دینا

عَنْ اَنَسِ بْنِ مَالِکٍ اَنَّ اَبَابَکْرٍ الصِّدِّیْقَ قَالَ نَظَرْتُ اِلٰی اَقْدَامِ الْمُشْرِکِیْنَ عَلٰی رُؤُسِنَا وَنَحْنُ فِی الْغَارِ فَقُلْتُ یَا رَسُوْلَ اللّٰہِ لَوْ اَنَّ اَحَدَھُمْ نَظَرَ اِلٰی قَدَمَیْہِ اَبْصَرَنَا فَقَالَ یَا اَبَابَکْرٍ مَا ظَنُّکَ بِاثْنَیْنِ اللّٰہُ ثَالِثُھُمَا۔ (متفق علیہ۔ بحوالہ صاحب المشکوٰۃ فی اول باب المعجزات)

انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ بیان کرتے ہیں کہ صدیق اکبر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا جب میں نے دیکھا کہ مشرکین کے قدم اب ہمارے سر پر پہنچ چکے ہیں اور ہم غار میں موجود ہیں تو گھبرا کر عرض کی یا رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم)! اگر ان میں سے کسی کی ذرا بھی اپنے قدموں کی طرف نظر گئی تو وہ ہم کو فوراً دیکھ لے گا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ان دو شخصوں کے متعلق تمہارا گمان کیا ہونا چاہیے جن کا نگہبان تیسرا "اللہ" ہو۔ (متفق علیہ)

تشریح: صاحب مشکوٰۃ نے اس واقعہ کو معجزات کی فہرست میں سب سے پہلے ذکر کیا ہے۔ اگرچہ قصہ کے صرف مذکورہ بالا الفاظ ہی اس کے معجزہ ہونے کے لیے کافی ہیں لیکن جب دوسری روایت سے اس واقعہ کی مزید تفصیلات بھی سامنے آ جاتی ہیں تو پھر اس کا معجزہ ہونا اور زیادہ عیاں ہو جاتا ہے جیسا کہ حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی روایت سے واضح ہے۔ حافظ ابن قیم رحمۃ اللہ علیہ جیسے شخص آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے واقعہ ہجرت کا تذکرہ کرتے ہوئے اپنی کتاب الفوائد میں لکھتے ہیں: (یہ کتاب بدائع الفوائد کے علاوہ ہے)

فدخل الصدیق بدخوله لیکون وقایة له ان کان ثم مؤذ انبت الله شجرة لم تکن قبل فاظلت المطلوب واضلت الطالب وجاءت عنکبوت فحاکت وجه الغار فحاکت ثوب نسجها علی منوال الستر فاحکمت الشقة حتی عمی علی القائف مُطلب وارسل حمامتین فاتخذتا هناک عشا جعل علی ابصار الطالبین غشاوة۔ وهذا ابلغ فی الاعجاز من مقاومة القوم والجنود۔ (الفوائد ص ۴۳)

"غار میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے پہلے خود صدیق اکبر رضی اللہ تعالیٰ عنہ اس لیے داخل ہوئے تھے کہ اگر اس میں کوئی موذی جانور ہو تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو ایذا نہ پہنچے ادھر اللہ تعالیٰ نے اسی وقت وہاں ایک درخت پیدا فرما دیا تھا جو پہلے سے نہ تھا تا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو چھپا لے اور جو آپ کا پیچھا کرنے والے تھے ان کو رستہ کا پتہ نہ چلے۔ ادھر ایک مکڑی آئی اور اس نے اپنے لعاب دہن سے غار کے منہ پر جالا بنایا اور اس کا پردہ سا بنا کر غار کا منہ اس طرح مضبوط بند کر دیا کہ کھوج لگانے والوں کو اندر کا کچھ پتہ ہی نہ چل سکا۔ اسی کے ساتھ اللہ تعالیٰ نے دو کبوتر بھیج دیے جنہوں نے آ کر اس میں ایک گھونسلہ رکھ دیا اور اس طرح پیچھا کرنے والوں کی آنکھوں پر پردہ پڑ گیا۔ حفاظت کی یہ معجزانہ صورت اس سے کہیں بڑھ کر تھی کہ لشکر سے دشمن کا مقابلہ کیا جاتا۔" (وہ عادت کے موافق بات ہوتی اور یہ خارق عادت تھی)

عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ فِیْ قَوْلِہٖ تَعَالٰی وَاِذْ یَمْکُرُبِکَ الَّذِیْنَ کَفَرُوْا فَذَکَرَ قِصَّۃَ الْھِجْرَۃِ حَتّٰی قَالَ فَاقْتَصُّوْا اَثَرَہٗ فَلَمَّا بَلَغُوا الْجَبَلَ اِخْتَلَطَ عَلَیْھِمْ فَصَعِدُوا الْجَبَلَ فَمَرُّوْا بِالْغَارِ فَرَأَوْا عَلٰی بَابِہٖ نَسْجَ الْعَنْکَبُوْتِ فَقَالُوْا لَوْ دَخَلَ ھٰھُنَا لَمْ یَکُنْ نَسْجُ الْعَنْکَبُوْتِ عَلٰی بَابِہٖ فَمَکَثَ فِیْہِ ثَلَاثَ لَیَالٍ۔ (رواہ احمد)

حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ آیت "وإذ یمکر بک الذین کفروا" کی تفسیر میں ہجرت کا قصہ بیان کرتے

ہونے کہتے ہیں کہ کفار آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے نشانات تلاش کرتے کرتے جب ٹھیک غار والے پہاڑ تک آ پہنچے تو ان کو آگے آپ کے نشانات نہ ملے وہ پہاڑ کے اوپر چڑھ گئے اور اس غار پر سے گزرے جب اس کا منہ دیکھا تو اس پر مکڑی نے جالا تن رکھا تھا اس کو دیکھ کر باہم یہ گفتگو کرنے لگے کہ اگر اس میں آپ داخل ہوئے ہوتے تو مکڑی کا یہ جالا غار کے منہ پر نہ ہوتا (یہ کہہ کر وہ واپس ہو گئے) اور آپ اس غار میں تین دن تک پوشیدہ رہے۔ (مسند احمد)

تشریح: کہنے والوں نے تو اس واقعہ کو بھی صرف ایک معمولی سا واقعہ کہہ کر ٹال دیا ہے لیکن کیا کیجئے کہ صورت حالات کا خود مشاہدہ کرنے والے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے دشمن جو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے تعاقب میں بڑی جدوجہد کے بعد یہاں تک پہنچے تھے وہ اس کو صرف اتفاق پر محمول نہ کر سکے بلکہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے غار میں داخل نہ ہونے کا بدیہی ثبوت سمجھے اور واپس ہو گئے۔ اتنی کھلی بات کے بعد یہ کہنا بے جا ہے کہ راوی کے الفاظ سے اس واقعہ کا غیر معمولی ہونا ظاہر نہیں ہوتا کیونکہ اس سے زیادہ اور راوی کیا کہتا بھی تو کیا کہتا۔ نیز راوی کے ذمہ یہ نہیں ہے کہ جب وہ کسی واقعہ کو نقل کرے تو اس کے ساتھ اس کا معجزہ ہونا بھی مدلل بیان کرے۔ یہ صورت واقعہ پر غور کرنے والے کی اپنی عقل کی بات ہے جس سفر میں آپ کے تعاقب کرنے والے دشمن کے گھوڑے کے پاؤں دھنس جانے کا معجزہ ابھی ابھی پیش آ چکا تھا وہاں اس ضعیف حیوان کی اس مختصر جالا تنی پر اتنی بڑی کی تعال کون نکال سکتا ہے کہ یہ صرف ایک حسن اتفاق تھا یا اعجازی حفاظت کا ایک کرشمہ تھا۔ اس لیے محدثین نے اس کو بھی آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی معجزانہ حفاظت میں شمار کر لیا ہے اور طریقہ بھی یہی ہے کہ دنیا جب اس قسم کے حفاظتی واقعات اچانک اور بے داعیہ گمان کسی کے لیے جمع دیکھتی ہے تو طبعاً اس کو قدرتی حفاظت کی فہرست میں شمار کرنے پر مجبور ہو جاتی ہے۔ تعجب کرنے والے تو اسی پر تعجب کر رہے ہیں لیکن حافظ زرقانی نے اسی قسم کا واقعہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابی عبداللہ بن انیس رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو بھی پیش آنا نقل کیا ہے جن کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے خالد بن سفیان یا سفیان بن خالد نامی شخص کے قتل کے لیے بھیجا تھا۔ جب عبداللہ ابن انیس رضی اللہ تعالیٰ عنہ ایک غار میں داخل ہوئے تو اس کے منہ پر بھی مکڑی نے جالا تن دیا تھا۔ اسی طرح جب حضرت زید بن علی بن الحسین بن علی بن ابی طالب رضی اللہ تعالیٰ عنہم کو بے ستر سولی دی گئی تو مکڑی نے آپ کے مستور عضو پر بھی جالا تن دیا تھا۔ (شرح المواہب ص ۳۳۸ ج ۱) اب یہاں ایک مذاق تو یہ ہے کہ یہ سب معمولی روزمرہ کے واقعات تھے اور دوسرا مذاق یہ ہے کہ یہ قدرت کے غیر معمولی حفاظت کے نشانات تھے اسی لیے تاریخوں میں اور کتب سیر میں ان کو معجزات اور کرامات کی فہرست میں داخل کیا جاتا رہا ہے ورنہ معمولی واقعات کے تدوین کی ضرورت کس کو ہے۔

بعض وحشی جانوروں کا آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی توقیر کرنا

عَنْ عَائِشَةَ قَالَتْ كَانَ لِآلِ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَحْشٌ إِذَا خَرَجَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اشْتَدَّ وَلَعِبَ وَأَقْبَلَ وَأَدْبَرَ فَإِذَا أَحَسَّ بِرَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَدْ دَخَلَ رَبَضَ فَلَمْ يَتَرَمْرَمْ كَرَاهِيَةَ أَنْ يُؤْذِيَهُ. (رواہ ابو یعلی)

حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے گھر میں ایک جنگلی جانور تھا۔ جب آپ

صلی اللہ علیہ وسلم باہر چلے جاتے تو ادھر ادھر دوڑتا اور کھل زیاں کرتا اور جہاں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی تشریف آوری کی آہٹ محسوس کرتا بس فوراً ایک گوشہ میں دبک کر بیٹھ جاتا اور ذرا آواز نہ نکالتا۔ اس خیال سے کہ مبادا آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو تکلیف ہو۔ (مسند احمد ابو یعلیٰ)

تشریح: جہاں تک الفاظ روایت سے معلوم ہوتا ہے یہ وحشی جانور ہرن تھا جس میں تربیت کا اثر بہت کم ہوتا ہے ہاں بعض اور حیوانات ایسے ہیں جن میں تدریب و تربیت سے کچھ نہ کچھ تہذیب کی حرکات پیدا ہو جاتی ہیں۔ مگر یہ ظاہر ہے کہ اس وقت عرب میں بالعموم ہرن کی تربیت و تہذیب کرنے کی عادت نہ تھی بالخصوص بیت نبوت میں حیوانات کی تربیت کا کیا تصور کیا جا سکتا ہے۔ پھر جو جانور گھروں میں گھل مل جاتے ہیں وہ عام طور پر اپنے مالک کو دیکھ کر خوشی میں کودنے اچھلنے لگتے ہیں مگر یہاں صورت اس کے برعکس تھی یعنی جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم باہر تشریف لے جاتے تو وہ کودتا اچھلتا اور جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھ لیتا بس فوراً خاموش ہو کر ایک گوشہ میں جا بیٹھتا۔ چونکہ دوسری احادیث میں حیوانات میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے ادب و احترام کے واقعات ایک سے زیادہ موجود ہیں اس سے اگر علماء نے اس ایک واقعہ کو بھی حیوانات کی عام عادت کے بجائے قدم میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے ادب و احترام کے واقعات میں شمار کر لیا ہے تو یہ کوئی بڑا جرم نہیں کیا بالخصوص جبکہ یہاں اس کا ایک واضح ثبوت بھی موجود ہے وہ یہ کہ حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا جیسی صاحب فہم جو اس واقعہ کا مشاہدہ کرنے والی تھیں وہ اس واقعہ کو معمولی واقعہ کی طرح ادا نہیں فرماتیں بلکہ اس کو اس جانور کے ادب و احترام کا احساس ہی قرار دیتی ہیں۔ یہاں ان کے آخری الفاظ پر غور فرمایئے "مبادا آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو تکلیف ہو" اب اگر واقعہ کا مشاہدہ کرنے والی بی بی صاحب واقعہ کو ایک غیر معمولی بات کی فہرست میں شمار کر رہی ہیں تو مشاہدہ نہ کرنے والوں کو آخر حق کیا ہے کہ وہ اس کو ایک معمولی واقعہ کی فہرست میں داخل کرنے کی سعی فرمائیں۔ تعجب ہے کہ انکار معجزات کی دھن میں یہاں "وحش" کا ترجمہ پالتو جانور کیا گیا ہے حالانکہ روایت میں صاف "وحش" کا لفظ موجود ہے۔ پھر اس واقعہ کے متعلق یہ لکھ جانا کتنی بڑی جرات ہے کہ "درحقیقت یہ کوئی معجزہ نہیں بلکہ عام لوگوں سے بھی جانور اسی طرح ہل مل جاتے ہیں۔" حافظ ابن کثیر نے البدایہ والنہایہ میں نقل کیا ہے:

"وکان یحترمه ویوقره ویبجله" (یعنی یہ جانور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا احترام اور آپ کی تعظیم بجا لاتا تھا۔)

ایک نبی کے زمانے میں آفتاب ٹھہر جانے کا معجزہ

عَنْ اَبِیْ ھُرَیْرَۃَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ غَزَا نَبِیٌّ مِّنَ الْاَنْبِیَاءِ فَقَالَ لِقَوْمِہٖ لَا یَتْبَعْنِیْ رَجُلٌ مَلَکَ بُضْعَ امْرَأَۃٍ وَھُوَ یُرِیْدُ اَنْ یَّبْنِیَ بِھَا وَلَمَّا یَبْنِ بِھَا وَلَا اَحَدٌ بَنٰی بُیُوْتًا وَلَمْ یَرْفَعْ سُقُوْفَھَا وَرَجُلٌ اِشْتَرٰی غَنَمًا اَوْ خَلِفَاتٍ وَھُوَ یَنْتَظِرُ وِلَادَھَا فَغَزَا فَدَنَا مِنَ الْقَرْیَۃِ صَلٰوۃَ الْعَصْرِ اَوْ قَرِیْبًا مِّنْ ذٰلِکَ فَقَالَ لِلشَّمْسِ اِنَّکِ مَاْمُوْرَۃٌ وَّاَنَا مَاْمُوْرٌ اَللّٰھُمَّ احْبِسْھَا عَلَیْنَا فَحُبِسَتْ حَتّٰی فَتَحَ اللّٰہُ عَلَیْہِ فَجَمَعَ الْغَنَائِمَ فَجَاءَتْ یَعْنِی النَّارَ لِتَاْکُلَھَا فَلَمْ تَطْعَمْھَا فَقَالَ اِنَّ فِیْکُمْ غُلُوْلًا فَلْیُبَایِعْنِیْ مِنْ کُلِّ قَبِیْلَۃٍ رَجُلٌ فَلَزِقَتْ یَدُ رَجُلٍ بِیَدِہٖ فَقَالَ فِیْکُمُ الْغُلُوْلُ فَجَاءُوْا بِرَأْسٍ مِّثْلِ رَأْسِ بَقَرَۃٍ مِّنَ الذَّھَبِ فَوَضَعُوْھَا فَجَاءَتِ النَّارُ فَاَکَلَتْھَا۔ (متفق علیہ)

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا' خدا تعالیٰ کے پیغمبروں میں سے ایک پیغمبر نے جہاد کا ارادہ کیا تو انہوں نے اپنی قوم سے مخاطب ہو کر یوں فرمایا' میرے ساتھ وہ شخص نہ چلے جس نے نکاح کیا ہو اور ابھی اس نے اپنی بی بی سے صحبت نہ کی ہو اور نہ وہ شخص چلے جس نے مکان بنایا ہو اور ہنوز اس کی چھت نہ ڈالی ہو اور وہ شخص بھی نہ چلے جس نے بکریاں اور گابھن اونٹنیاں خریدی ہوں اور وہ ان کے جننے کا منتظر ہو (اس لیے کہ ان لوگوں کا دل ان چیزوں میں پڑا رہے گا اور وہ اطمینان سے جہاد نہ کر سکیں گے) یہ کہہ کر وہ پیغمبر جہاد کے لیے چلے اور عصر کے وقت یا عصر کے قریب اس بستی کے پاس پہنچے (جہاں ان کو جہاد کرنا تھا) تو پیغمبر نے سورج سے کہا تجھ کو غروب ہونے کا حکم ہے اور مجھ کو جہاد کا حکم۔ اے اللہ تھوڑی دیر کے لیے تو اس کو غروب ہونے سے روک دے (تاکہ ہفتہ کی رات نہ آ جائے کیونکہ ہفتہ کو جنگ کرنا ان کی شریعت میں درست نہ تھا اور یہ لڑائی جمعہ کے دن ہوئی تھی) چنانچہ سورج ٹھہر گیا یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ نے ان کو فتح نصیب فرمائی۔ پھر لوگوں نے مال غنیمت ایک جگہ لا کر جمع کر دیا۔ حسب دستور اس کے جلانے کے لیے آسمان سے آگ آئی لیکن اس نے نہ جلایا' اس پر ان کے پیغمبر نے کہا تم میں سے کسی شخص نے اس مال میں ضرور خیانت کی ہے (جب ہی تو یہ مال قبول نہ ہوا) لہٰذا تم میں سے ہر ہر قبیلہ کا ایک آدمی مجھ سے آ کر بیعت کرے۔ چنانچہ سب نے بیعت کی ایک شخص کا ہاتھ جب پیغمبر کے ہاتھ سے لگا تو ان کے ہاتھ سے چپک گیا' پیغمبر نے کہا بس! یہ چوری تم ہی میں سے کسی نے کی ہے۔ پھر انہوں نے بیل کے سر کے برابر سونا لا کر رکھ دیا' اس کے بعد آگ آئی اور اس کو جلا گئی۔ (بخاری ومسلم)

تشریح: یہ پیغمبر حضرت یوشع بن نون علیہ السلام حضرت موسیٰ علیہ السلام کے خلیفہ تھے۔ شام کے ملک اریحا شہر میں جمعہ کے دن یہ لڑائی ہوئی تھی۔ سرسری نظر میں یہ معجزہ ایک ہی معجزہ نظر آتا ہے لیکن اگر اس حدیث پر آپ غور سے نظر ڈالیں تو یہ تین معجزات ہیں۔

(۱) آفتاب ٹھہر جانا۔ یہ تو بہرحال معجزہ ہے خواہ زمین کو متحرک کہیں یا آسمان کو اس بحث میں پڑنا ہم نہیں چاہتے جو بطلیموس اور موجودہ فلسفے میں بھی تک نزاعی مسئلہ ہے جس کے دلائل بڑی کتابوں میں مکمل کتاب "ہدیہ سعیدیہ" میں جانبین کی طرف سے جمع کر دیئے گئے ہیں۔

(۲) آگ کا آسمان سے آنا اور قبول شدہ مال کو نہ جلانا۔ ظاہر ہے کہ یہ بات عام عادت کے خلاف ہے اور جب یہ غور کیا جاتا ہے کہ وہ آگ حلال اور حرام مال میں بھی فرق کرتی تھی تو تعجب اور زیادہ بڑھ جاتا ہے۔ بہرحال جیسا کچھ بھی ہو اس آگ کی آمد اور اس کا یہ فعل "احراق" قرآن پاک سے بھی ثابت ہے۔ اس کو عالم کی عام عادات میں سے ایک لمحے کے لیے بھی شمار نہیں کیا جا سکتا۔

الَّذِيْنَ قَالُوْا اِنَّ اللّٰهَ عَهِدَ اِلَيْنَآ اَلَّا نُؤْمِنَ لِرَسُوْلٍ حَتّٰى يَاْتِيَنَا بِقُرْبَانٍ تَاْكُلُهُ النَّارُ الخ

"جن لوگوں نے یہ (غلط) کہا کہ اللہ تعالیٰ نے ہم سے یہ عہد کیا ہے کہ ہم اس وقت تک اس پر ایمان نہ لائیں جب تک کہ وہ (سابقہ دستور کے مطابق) ہمارے پاس وہ آگ نہ لائے جو ہمارے صدقات کو کھایا کرے۔"

(۳) جس قبیلہ میں چوری واقع ہوئی تھی اس میں سے چوری کرنے والے شخص کا ہاتھ نبی کے ہاتھ سے آ چپکا نہ اس میں کوئی مادی سبب نظر آتا ہے اور نہ یہ آج تک اتنی تحقیقات کے بعد بھی عالم کی عادت قرار دیا جا سکتا ہے۔

یہ تینوں معجزات اپنی نوعیت میں بالکل الگ الگ ہیں اس لیے ان تینوں کو ایک اور ایک کو تین والی منطق نہ سمجھی جائے

اور ثالث اشد ہے مگر اس پر انکار کا حکم بھی نہ لگانا چاہیے۔

حضرت مولانا محمد قاسم صاحب نانوتوی قدس سرہ تو یہ فرماتے ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا معجزہ شق القمر اس سے بڑھ کر معجزہ تھا کیونکہ کسی متحرک جسم کا ساکن ہو جانا اتنا عجیب نہیں جتنا کہ ایک مضبوط جسم کے دو ٹکڑے ہو جانا عجیب ہے۔ (تفصیل کیلئے حجۃ الاسلام ص ۳۳ تا ص ۳۵ ملاحظہ فرمائیے)

حقیر کے نزدیک حبس الشمس سے رد الشمس بڑھ کر ہے کیونکہ حبس الشمس ایک گردش کا اپنے مدار پر توقف کا نام ہے اور رد الشمس میں حرکت معکوس ہے اور ظاہر ہے کہ توقف کی نسبت معکوس حرکت زیادہ مشکل ہے۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔ لیکن حضرت مولانا نے جو مثال پیش فرمائی ہے وہ رد الشمس سے بھی زیادہ بدیہی اور واضح ہے جیسا کہ ان کی تقریر سے ظاہر ہے۔

الرسول الاعظم ومعجزة ردّ الشمس له صلوات الله وسلامه عليه

عَنْ أَسْمَاءَ ابْنَتِ عُمَيْسٍ أَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ صَلَّى الظُّهْرَ بِالصَّهْبَاءِ ثُمَّ أَرْسَلَ عَلِيًّا رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ وَقَدْ صَلَّ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ الْعَصْرَ فَوَضَعَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ رَأْسَهُ فِي حِجْرِ عَلِيٍّ فَلَمْ يُحَرِّكْهُ حَتّٰى غَابَتِ الشَّمْسُ فَقَالَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَللّٰهُمَّ إِنَّ عَبْدَكَ عَلِيًّا احْتَبَسَ بِنَفْسِهِ عَلٰى نَبِيِّكَ فَرُدَّ عَلَيْهِ شَرْقَهَا. قَالَتْ أَسْمَاءُ فَطَلَعَتِ الشَّمْسُ حَتّٰى وَقَعَتْ عَلَى الْجِبَالِ وَ عَلَى الْأَرْضِ ثُمَّ قَامَ عَلِيٌّ فَتَوَضَّأَ وَصَلَّى الْعَصْرَ ثُمَّ غَابَتْ وَذٰلِكَ فِي الصَّهْبَاءِ. (اخرجه الامام الطحاوي في مشكل الآثار)

اسماء رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مقام صہباء میں ظہر کی نماز پڑھی اور نماز عصر سے فارغ ہو کر حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو بلایا (حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے ابھی تک عصر کی نماز نہیں پڑھی تھی) جب وہ تشریف لائے تو آپ نے ان کی گود میں اپنا سر مبارک رکھا (اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی آنکھ لگ گئی) حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے آپ کو بیدار کرنا پسند نہیں کیا یہاں تک کہ آفتاب قریب الغروب ہو گیا (اور عصر کی نماز کا وقت نکل گیا) جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی آنکھ کھلی تو (آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے دیکھا کہ حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی نماز عصر کا وقت جا رہا ہے) تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے دعا فرمائی "خدایا! تیرا بندہ علی تیرے نبی کی خدمت میں تھا (اور اس کی نماز عصر جاتی رہی) تو تو آفتاب کو پھر مشرق کی جانب لوٹا دے۔ اسماء رضی اللہ تعالیٰ عنہا بیان کرتی ہیں کہ آفتاب لوٹ آیا کہ اس کی دھوپ پہاڑوں پر اور زمین پر پھر پڑنے لگی۔ اس کے بعد حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ اٹھے اور وضو فرما کر عصر کی نماز ادا فرمائی۔ اس کے بعد آفتاب غروب ہوا۔ یہ واقعہ مقام صہباء کا ہے۔ (مشکل الآثار)

امام طحاوی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ اس باب کی سب حدیثیں علامات نبوت میں داخل ہیں۔ احمد بن صالح کہتے ہیں کہ جس شخص کا مشغلہ علم ہو اس کے لیے اس حدیث کے حفظ کرنے سے غفلت کرنی نہ چاہیے کیونکہ یہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت کا ایک بہت بڑا معجزہ ہے اور فرمایا کہ اس حدیث کے سب راوی ثقہ ہیں اور ہر راوی اپنے شیخ سے بلا واسطہ روایت کرتا چلا آیا ہے۔

یہاں ابن جوزی کا اس حدیث کو موضوع کہنا بھی قابل التفات نہیں ہے۔ حافظ ابن حجر رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں کہ ابن الجوزی رحمۃ اللہ علیہ نے اور اسی طرح حافظ ابن تیمیہ رحمۃ اللہ علیہ نے اس پر موضوع ہونے کا حکم لگا دینے میں غلطی کی ہے۔

تشریح: اس حدیث میں حضرت یوشع علیہ السلام کے "معجزہ" حبس شمس سے بڑھ کر آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا ایک "معجزہ" "رد شمس" کا منقول ہے۔ کہ انبیاء علیہم السلام اگر قدرتی طور پر سو جاتے تھے تو ان کو بیدار نہ کرنا یہ امتوں کا ایک مستقل دستور تھا اور جب کسی شرعی عذر سے نماز جاتی رہے تو قدرت اس کی تلافی اور اپنے رسول کی اظہار عظمت کی خاطر اگر کوئی معجزہ دکھا دے تو یہ بالکل ممکن ہے۔ معجزات کا ظہور مشیت الٰہیہ اور اس کی حکمت پر موقوف ہے اس لیے یہ ضروری نہیں ہے کہ جہاں کہیں آپ کی نماز کے قضا ہونے کا ذکر آئے وہاں اس قسم کے کسی معجزہ کا ظہور بھی لازم ہو۔

واضح رہے کہ حضرت یوشع علیہ السلام کے لیے حبس شمس کا معجزہ تو صحیح بخاری سے ثابت ہے۔ اس میں تو کسی کو کلام کرنے کی گنجائش ہی نہیں۔ لہذا عقلی اور تاریخی اور علم ہیئت کے جتنے اعتراضات یہاں پیدا ہوں ان کا جواب پہلے وہاں سوچ لیجئے پھر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے اس معجزہ پر کیا تعجب ہو سکتا ہے جبکہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے معجزات میں سے ایک "شق القمر" بھی ہے۔ ظاہر ہے کہ رد الشمس شق القمر سے زیادہ عجیب نہیں ہے۔ جب وہ مسلم ہو چکا تو اس میں بھی تردد کی کوئی وجہ نہیں۔ اب یہ دوسری بات ہے کہ بعض کج فہم جماعتوں نے جب اس کو حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے فضائل میں شمار کر کے اس کی صحیح نسبت ہی کو مسخ کر ڈالا تو جو محدثین ان کی تردید کے درپے ہوئے ہیں انہوں نے اس حدیث ہی کو بیکار کرنے کی سعی کی۔ پھر یہ اسی ایک حدیث پر موقوف نہیں بلکہ فضائل کی جتنی حدیثیں اس سلسلہ میں آئی ہیں وہ سب اسی بحث و تمحیص کے چکر میں پڑ گئی ہیں لیکن جبکہ مستند محدثین اس کو صحیح شمار کر رہے ہوں تو پھر آپ کے انصاف کا پلہ ان منکرین ہی کی طرف کیوں جھکتا ہے کیا یہ اسی اصول پر مبنی نہیں کہ جہاں کسی معجزہ کے باب کی حدیث میں دو پہلو نظر آئیں وہاں اسی پہلو کو ترجیح دیدی جائے جس میں اس معجزہ کا انکار نکلتا ہو۔

بکن اے بتان خراب ولم آخر ایں خانہ را خدائے ہست

ہمارے نزدیک جن طبائع پر یہ غلط نقش قائم ہو گیا ہے کہ محدثین نے آپ کے معجزات میں انبیائے سابقین کے معجزات کی مثالیں زبردستی نکالنے کی کوشش کی ہے ان کے متعلق اس کے سوا اور کیا کہا جائے کہ خدا ان کو معاف کرے۔ انہوں نے معجزات کی تفہیم کی خاطر خود اپنے عقائد ہی زخمی کر ڈالے۔

اے چشم اشکبار ذرا دیکھ تو سہی یہ گھر جو بہہ رہا ہے کہیں تیرا گھر نہ ہو

تنبیہ: حدیث مذکور میں ہم نے غابت کا ترجمہ قریب الغروب کر دیا ہے یہ کسی زور و خوف کی وجہ سے نہیں بلکہ ایک صریح اور صحیح حقیقت کی بنا پر ہے کیونکہ احادیث میں اصفرار شمس کو غیابت شمس سے متعدد مقامات پر تعبیر کیا گیا ہے اور اس کا نکتہ یہ ہے کہ اس وقت شرعی نظر میں عصر کا وقت گویا ختم ہو جاتا ہے اس لیے اصفرت الشمس کو غابت الشمس سے تعبیر کر دیتے ہیں۔ جمع بین الصلوٰتین کی احادیث پر نظر رکھنے والوں کے لیے یہ محاورہ مخفی نہ ہوگا اور اس کی وجہ عبداللہ الصنابحی کی حدیث میں مرفوعاً بلفظ احمد

-

ونسائی کے یہاں اس طرح مذکور ہے "فاذا ادنت للغروب قارنہا فاذا غربت فارقہا" یعنی آفتاب کے ساتھ شیطان کی مقارنت اس وقت سے شروع ہوجاتی ہے جب سے کہ وہ قریب الغروب ہوتا ہے پھر وہ اس کے غروب ہونے تک باقی رہتی ہے اسی لیے طلوع وغروب میں نماز پڑھنے کی ممانعت آئی ہے اور اسی لیے قریب الغروب کو غروب سے ادا کیا گیا ہے اور یوں بھی قریب الوقوع کو واقع سے تعبیر کرنا قرآن کریم کا عام محاورہ ہے اس سے زیادہ اس کو طول دینا اضاعت وقت ہے۔

تنبیہ: حدیث کے مطالعہ کرنے والوں پر مخفی نہیں ہے کہ جب روافض اور دیگر اقوام نے حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ وغیرہ کے مناقب میں بے سروپا احادیث نقل کرنا شروع کیں تو ان کے مقابلے میں بعض تیز مزاج محدثین نے کچھ صحیح احادیث کو بھی لپیٹ میں لے لیا ہے۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم پر بادل کے سایہ فگن ہونے کا معجزہ

عَنْ عَائِشَةَ قَالَتْ لِلنَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ هَلْ أَتَى عَلَيْكَ يَوْمٌ كَانَ أَشَدَّ عَلَيْكَ مِنْ يَوْمِ أُحُدٍ قَالَ لَقَدْ لَقِيتُ مِنْ قَوْمِكِ مَا لَقِيتُ وَكَانَ أَشَدَّ مَا لَقِيتُ مِنْهُمْ يَوْمَ الْعَقَبَةِ إِذْ عَرَضْتُ نَفْسِي عَلَى ابْنِ عَبْدِ يَالِيْلَ بْنِ عَبْدِ كُلَالٍ فَلَمْ يُجِبْنِي إِلَى مَا أَرَدْتُ فَانْطَلَقْتُ وَأَنَا مَهْمُومٌ عَلَى وَجْهِي فَلَمْ أَسْتَفِقْ إِلَّا وَأَنَا بِقَرْنِ الثَّعَالِبِ فَرَفَعْتُ رَأْسِي فَإِذَا أَنَا بِسَحَابَةٍ قَدْ أَظَلَّتْنِي فَنَظَرْتُ فَإِذَا فِيهَا جِبْرِيلُ فَنَادَانِي فَقَالَ إِنَّ اللّٰهَ قَدْ سَمِعَ قَوْلَ قَوْمِكَ لَكَ وَمَا رَدُّوا عَلَيْكَ وَقَدْ بَعَثَ اللّٰهُ إِلَيْكَ مَلَكَ الْجِبَالِ لِتَأْمُرَهُ بِمَا شِئْتَ فِيهِمْ فَنَادَانِي مَلَكُ الْجِبَالِ فَسَلَّمَ عَلَيَّ ثُمَّ قَالَ يَا مُحَمَّدُ فَقَالَ ذٰلِكَ فِيمَا شِئْتَ إِنْ شِئْتَ أُطْبِقُ عَلَيْهِمُ الْأَخْشَبَيْنِ قَالَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بَلْ أَرْجُوا أَنْ يُخْرِجَ اللّٰهُ عَزَّ وَجَلَّ مِنْ أَصْلَابِهِمْ مَنْ يَعْبُدُ اللّٰهَ عَزَّ وَجَلَّ وَحْدَهُ لَا يُشْرِكُ بِهِ شَيْئًا. (رواہ البخاری)

حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا روایت فرماتی ہیں کہ انہوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے دریافت کیا کیا غزوۂ احد سے بڑھ کر بھی کوئی اور سخت وقت آپ صلی اللہ علیہ وسلم پر گزرا ہے؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے جواب دیا تمہاری قوم کی طرف سے جو جو مصائب میں نے برداشت کیے وہ تو کیے ہی تھے لیکن ایک بڑا سخت وقت مجھ پر وہ گزرا ہے جبکہ میں نے ابن عبد یالیل کے سامنے اپنی نبوت کو پیش کیا تو اس نے میری مرضی کا جواب نہ دیا اور صاف انکار کر دیا میں سر جھکائے مغموم چلا آ رہا تھا مقام قرن الثعالب پر آ کر ذرا میری طبیعت سنبھلی تو میں نے اپنا سر اٹھایا کیا دیکھتا ہوں کہ ایک بادل کا ٹکڑا مجھ پر سایہ کیے ہوئے ہے۔ اس کی طرف نظر کی دیکھا تو اس میں جبرئیل علیہ السلام موجود ہیں اور فرماتے ہیں اللہ تعالیٰ نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی قوم کا جواب سن لیا اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں پہاڑوں پر متوکل فرشتہ کو بھیجا ہے آپ صلی اللہ علیہ وسلم ان کے متعلق جو چاہیں اس کو حکم دیں۔ اس کے بعد ملک الجبال (پہاڑوں پر متوکل فرشتہ) نے مجھ کو سلام کیا اور کہا اے محمد (صلی اللہ علیہ وسلم)! یہ درست بات ہے اب فرمایئے کیا حکم فرماتے ہیں اگر حکم ہو تو میں ان دو پہاڑوں کے درمیان ان سب کو کچل ڈالوں؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا نہیں

نہیں مجھ کو یہ امید ہے کہ اللہ تعالیٰ ان کی نسل میں کوئی بندہ ایسا پیدا کرے گا جو خدائے وحدہٗ لاشریک لہٗ کی عبادت کرے۔ (بخاری شریف)

تشریح: جو لوگ مشرکین عرب کے متعلق آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی تمناؤں کا اندازہ رکھتے ہیں وہ یہ سمجھ سکتے ہیں کہ پیہم ناکامیوں کے بعد جب یہاں بھی آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو ناکامی کا سامنا ہوا ہوگا تو آپ کے قلب مبارک پر کیا کچھ گزرا ہوگا۔ نبوت عامہ کے بار عظیم کی ذمہ داری ادھر پہلے ہی مرحلے میں ناکامیوں پر ناکامیاں پس آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے قلب مبارک پر غم کے پہاڑ توڑ رہی تھیں۔ مشکلات سہتے سہتے انسان کو کچھ برداشت کی عادت پڑ جاتی ہے لیکن ابتدائی قدم پر جو خلاف امید ناکامی پیش آتی ہے وہ بہت صبر آزما ہوتی ہے۔ اس کا اندازہ اس سے کر لیجئے کہ جس طرح آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی تسلی کیلئے یہاں قدرت نے اپنی طاقت کا مظاہرہ فرمایا تھا اس طرح کہیں کم ہی پیش آیا ہے۔ صحیح بخاری کی اس روایت میں صاف موجود ہے کہ میرے اوپر ایک بادل کا ٹکڑا سایہ کیے ہوئے تھا۔ پھر اگر بحیرا کے ایک واقعہ میں آپ کے اوپر بادل کا سایہ کرنا مذکور ہے تو آپ اس سے اتنے سراسیمہ کیوں ہوتے ہیں جس پر رحمت باری تعالیٰ سایہ فگن رہتی ہو اس پر اگر سو بار بادل سایہ کرے تو تعجب کیا ہے۔

یہاں یہ بات قابل غور ہے کہ اس سب سے بڑھ کر صبر آزما موقع پر آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا جواب کتنی بڑی عالی حوصلگی کا ہے۔ زیادہ تفصیل کی اب وقت میں گنجائش نہیں۔

سخت تعجب ہے کہ محدثین و سیرت نگاروں نے بڑی مشکل سے بحیرا راہب کے قصہ میں آپ کے اوپر ایک بادل کے سایہ فگن رہنے کو تسلیم کیا ہے اور اس کے سوا کوئی دوسرا واقعہ نقل نہیں کیا حالانکہ یہ واقعہ صحیح بخاری میں بھی صاف صاف الفاظ میں موجود ہے۔ اب اگر معجزات سے منحرف طبائع پر یہ گراں ہو تو ان کو اختیار ہے کہ وہ اس کی بھی تاویل کر ڈالیں۔ بہرحال عربی میں اس کے لیے "تظلیل سحابہ" سے زیادہ اور کوئی صریح لفظ نہیں ہو سکتا اگر تاویل کا قلم کہیں رکا نہیں جا سکتا۔ "فبای حدیث بعدہ یؤمنون"

یہ بات یاد رکھنی چاہیے کہ جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنا سر مبارک اوپر اٹھایا تو اسی میں سے جبرئیل علیہ السلام کی وہ آواز آئی جو اوپر منقول ہوئی اس لیے اس کو اتفاقیات پر محمول کرنا غیر معقول ہے۔ درحقیقت یہ بادل قصداً قدرت کی طرف سے آپ صلی اللہ علیہ وسلم پر سایہ کرنے کے لیے مامور تھا تاکہ اگر ایک طرف لوگوں نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو چھوڑ دیا ہو تو دوسری طرف رحمت الٰہی کا آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ ہونا آپ کے سامنے ہو۔

عہد رسالت میں بعض اوقات درندوں کا آدمیوں کی طرح کلام کرنا

عَنْ اَبِیْ سَعِیْدِ نِ الْخُدْرِیِّ قَالَ عَدَا الذِّئْبُ عَلٰی شَاۃٍ فَاَخَذَھَا فَطَلَبَہُ الرَّاعِیْ فَانْتَزَعَھَا مِنْہُ فَاَقْعَی الذِّئْبُ عَلٰی ذَنَبِہٖ فَقَالَ اَلَا تَتَّقِی اللّٰہَ تَنْزِعُ مِنِّیْ رِزْقًا سَاقَہُ اللّٰہُ اِلَیَّ؟ فَقَالَ یَا عَجَبًا ذِئْبٌ مُقْعٍ عَلٰی ذَنَبِہٖ یُکَلِّمُنِیْ کَلَامَ الْاِنْسِ فَقَالَ الذِّئْبُ اَلَا اُخْبِرُکَ بِاَعْجَبَ مِنْ ذٰلِکَ مُحَمَّدٌ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ بِیَثْرِبَ یُخْبِرُ النَّاسَ بِاَنْبَاءِ مَا قَدْ سَبَقَ قَالَ فَاَقْبَلَ الرَّاعِیْ یَسُوْقُ غَنَمَہٗ حَتّٰی دَخَلَ الْمَدِیْنَۃَ فَزَوَاھَا اِلٰی زَاوِیَۃٍ مِنْ زَوَایَاھَا ثُمَّ اَتَی النَّبِیَّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ فَاَخْبَرَہٗ فَاَمَرَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ فَنُوْدِیَ الصَّلٰوۃُ جَامِعَۃً ثُمَّ خَرَجَ فَقَالَ لِلْاَعْرَابِیِّ اَخْبِرْھُمْ فَاَخْبَرَھُمْ فَقَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ

وَسَلَّمَ صَدَقَ وَالَّذِي نَفْسُ مُحَمَّدٍ بِيَدِهِ لَا تَقُومُ السَّاعَةُ حَتَّى تُكَلِّمَ السِّبَاعُ الْإِنْسَ وَيُكَلِّمَ الرَّجُلَ عَذَبَةُ سَوْطِهِ وَشِرَاكُ نَعْلِهِ وَيُخْبِرَهُ فَخِذُهُ بِمَا أَحْدَثَ أَهْلُهُ بَعْدَهُ. رواه الامام احمد وفي رواية عن ابي هريرة قال وكان الراعي يهوديا فاسلم و قال فيه اعجب من هذا رجل في النخلات بين الحرتين يخبركم بما مضى وبما هو كائن بعدكم. وكذالك رواه الترمذي. وقال بيهقي اسناده صحيح وقد رواه ابن كثير عن الامام احمد بطريقين وحكم على واحد منهما انه اسناد على شرط الحسن ص ۵/۹۵ وعلى اخر انه اسناد على شرط الصحيح ص ۶/۱۴۳ البدايه والنهايه۔

ابوسعید خدری رضی اللہ تعالیٰ عنہ روایت کرتے ہیں کہ ایک بھیڑیے نے کسی بکری پر حملہ کیا اور اس کو دبا لیا' چرواہے نے اس کا پیچھا کیا اور بکری کو اس سے چھڑا لیا' بھیڑیا دم دبا کر بیٹھ گیا' اور یوں بولا' او چرواہے! تجھ کو خدا کا خوف نہیں آتا' اللہ تعالیٰ نے مجھ کو رزق عطا فرمایا تھا اور تو نے اس کو مجھ سے چھین لیا۔ یہ سن کر چرواہا کہنے لگا' کیسے تعجب کی بات ہے کہ ایک بھیڑیا دم دبا کر بیٹھا ہوا کس طرح انسانوں کی طرح باتیں کر رہا ہے۔ بھیڑیے نے جواب دیا' میں تجھ کو اس سے بڑھ کر ایک اور عجیب بات سناتا ہوں اور وہ یہ کہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم یثرب میں لوگوں کو وہ خبریں بتا رہے ہیں جو گزر چکی ہیں' چرواہا اپنی بکریاں ہانکتا ہوا مدینہ میں پہنچا اور ان کو ایک کونہ میں کر کے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے سارا ماجرا عرض کیا' آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے نماز کے لیے حکم دیا۔ چنانچہ اعلان کر دیا گیا کہ نماز تیار ہے۔ اس کے بعد آپ صلی اللہ علیہ وسلم تشریف لائے اور اس گنوار سے فرمایا ان لوگوں کو بھی وہ بات سنا دو۔ اس نے جو واقعہ دیکھا تھا من و عن سب بیان کیا۔ اس کے بعد آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا "سچ کہتا ہے اس ذات کی قسم! جس کے قبضے میں میری جان ہے قیامت اس وقت تک ہرگز نہیں آئے گی جب تک کہ درندے انسانوں سے باتیں نہ کرنے لگیں اور جان دار تو درکنار آدمی کے چابک کا پھندنا اور اس کے جوتے کا تسمہ بھی اس سے باتیں کرے گا بلکہ خود انسان کی ران بتائے گی کہ اس کے جانے کے بعد اس کی بی بی نے کیا کیا ہے۔" (مسند احمد)

بیہقی اور ترمذی کی روایت میں اتنا اضافہ اور ہے کہ وہ چرواہا یہودی تھا پھر اور یہ کہ وہ مسلمان ہو گیا۔ بھیڑیے نے کہا کہ ایک بات اس سے بھی عجیب تر ہے کہ ایک شخص جو کھجوروں کے باغ میں دو سنگستانوں کے درمیان واقع ہے (یعنی مدینہ طیبہ) وہ تم کو گزشتہ اور آئندہ کی خبریں دے رہا ہے۔ بیہقی کہتے ہیں کہ اس حدیث کی اسناد صحیح ہیں۔

تشریح: جس دور میں حیوانات کا ارتقائی حرکت سے انسان بن جانا قابل تسلیم حقیقت ہو وہاں حیوانات کی صرف زبان کا ارتقاء کوئی تعجب کی بات نہ رہنی چاہیے بالخصوص جبکہ حیوانات میں سے طوطا اور مینا جیسے جانوروں میں اب بھی اس صلاحیت کا ثبوت ملتا ہے۔ مگر تعجب ہے کہ یہاں جو انسان حیوانات کی ذات میں ارتقاء پر ایمان لا سکتا ہے وہی ان کی آوازوں کی ارتقاء پر مذاق اڑاتا نظر آتا ہے۔ (قتل الانسان ما اکفرہ)

حدیث مذکور میں اس قسم کے خوارق عادات پر تعجب کرنے والوں کے لیے اس بھیڑیے کی تقریر قابل یادداشت ہے کہ جب ایک انسان رسالت کا دعویٰ کرتا ہے اور اس کے اثبات میں گزشتہ و مستقبل واقعات کے راز کھول کھول کر بیان کرتا ہے تو

پھر اس عجیب حقیقت کی تصدیق کرنے کے بعد دوسرا واقعہ کونسا ہے جس کی تصدیق کرنا اس سے بھی عجیب تر ہو۔

بیشک الوہیت اور رسالت کا تسلیم کرنا سب سے عجیب بات کی تصدیق کرنا ہے اور اگر یہ عجیب بات کسی وجوہات کی بناء پر قابل تسلیم ہے تو پھر ایک نہیں ہزاروں جتنے بعید سے بعید معجزات ہیں ان کی تصدیق کرنے میں بھی کوئی تردد نہ ہونا چاہیے جیسے کہ شب معراج کے سفر پر جب مشرکین مکہ نے مذاق اڑایا تو صدیق اکبر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے ان کو یہی مستحسن جواب دیا تھا کہ جب ہم آسمان کی خبروں پر آپ کی تصدیق کر چکے تو بیت المقدس کا سفر تو ایک زمین ہی کی خبر ہے اس کی تصدیق کرنے میں ہم کو کیا تامل ہو سکتا ہے۔

حدیث بالا سے یہ بھی معلوم ہوا کہ جو بات اس وقت خوارق عادت میں شامل تھی وہ قرب قیامت میں عادات میں داخل ہو جائے گی۔

شب معراج کا سفر کرنے سے قبل آپ کے شق صدر کا واقعہ

عن مالک بن صعصعۃ ان النبی صلی اللہ علیہ وسلم حدثہم عن لیلۃ اسری بہ بینما انا فی الحطیم وربما قال فی الحجر مضطجعا اذ اتانی ات فشق ما بین ھذہ الی ھذہ یعنی من ثغرۃ نحرہ الی شعرتہ فاستخرج قلبی ثم اتیت بطست من ذہب مملوء ایمانا فغسل قلبی ثم حشی ثم اعید وفی روایۃ ثم غسل البطن بماء زمزم ثم ملئ ایمانا وحکمۃ ثم ذکر قصۃ المعراج بطولہا۔ (مشکوٰۃ ص ٥٢١)

مالک بن صعصعہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے صحابہ کرام رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین سے اس شب کا واقعہ جس میں آپ کو بیت المقدس اور آسمانوں کی سیر کرائی گئی تھی اس طرح بیان فرمایا کہ میں حطیم میں لیٹا ہوا تھا اور کبھی حجر کا لفظ کہا (مراد دونوں کی ایک ہے) کہ ایک فرشتہ آیا اور اس نے یہاں سے لے کر یہاں تک میرا پیٹ چاک کیا یعنی گردن کے پاس سے لے کر زیر ناف تک پھر اس نے میرے قلب کو نکالا اور اس کے بعد ایک سونے کا طشت ایمان و حکمت سے بھرا ہوا لایا گیا اور اس فرشتے نے میرے قلب کو زمزم سے دھویا اور پھر واپس اس کی جگہ رکھ دیا۔ (خلاصۂ ترجمہ)

تشریح: اس بیان کے اس واقعہ کے تفصیل میں شبہ اس کو ہو سکتا ہے جس کے ذہن میں واقعہ معراج کی کوئی اہمیت ہی نہ ہو۔ ایک روحی تحریک کو سماویات اور فوق السموات کی سیر معمولی بات نہیں۔ یہ شرف دنیا میں صرف ایک ہی رسول اعظم صلی اللہ علیہ وسلم کو نصیب ہوا اور وہ بھی تمام عمر میں بحالت بیداری صرف ایک بار پھر عہد طفولیت کا واقعہ دوسروں کا چشم دید تھا اور یہ واقعہ خود آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی زبان فیض ترجمان کا بیان کردہ ہے۔ ایک برق رفتار سواری پر سوار ہونا اور سموات کو طے کر کے فوق السموات جا پہنچنا اس کے لیے قلب میں کتنی کبریائیت الہیہ کی طاقت درکار ہوگی۔ ایک مادی طبیعت بھلا اس کا کیا اندازہ کر سکتی ہے۔ اگر اس کو بھی شرح صدر بنا ڈالا جائے تو شق صدر سرے سے احادیث میں معدوم ہو جائے گا اور پھر کیا یہ سوال پیدا نہیں ہو سکتا کہ جب شرح صدر آپ کے زمانہ طفولیت میں ہو چکا تھا تو پھر قبل از معراج دوبارہ اس کے ہونے کی ضرورت کیا تھی مگر جو شخص حدیث سے بے خبر ہو اس کی نظر عقلی دائرہ میں اتنی محدود ہوتی ہے کہ وہ یہ سمجھنے سے بھی قاصر ہوتا ہے کہ جو شق کی تفاصیل احادیث میں موجود ہیں کیا ان کو شرح صدر پر محمول کرنا معقول ہے۔ یہاں صرف یک شق کے لفظ پر بحث نہیں بلکہ غور کرنا یہ ہے کہ شق کی جو تفصیلی کیفیت آئی ہیں کیا وہ بھی اس تاویل کی متحمل ہو سکتی ہیں یا نہیں۔ مثلاً ایک فرشتہ کی آمد اور شکم مبارک کا چاک کرنا

اور صدر وشق کی تحدید کرنا اور پھر قلب مبارک کو باہر نکالنا پھر ایک طشت میں اس کو دھونا اور اس طشت کا سونے کا ہونا پھر اس پانی کا نام لے کر ماء زمزم بتانا اسی طرح سے پھر اس کی درستگی کی تفصیلی کیفیت بیان کرنا اگر ان سب چیزوں کا نام شرح صدر ہو تو کیا یہ تاویل ہوگی یا الفاظ کا مسخ کرنا ہوگا اور اس طرح کی تاویلات کرنے سے جن کے لیے الفاظ میں گنجائش نہ ہو کیا شریعت سے امان اٹھ جانا نہیں ہے؟ اگر یہ شق صدر بہ معنی شرح صدر ہوا ہے جو بقول منکرین ہر نبی کو حاصل ہوتا ہے تو کیا ان تفصیلات کا ثبوت کسی نبی کی زندگی میں پیش کیا جا سکتا ہے؟ یہ شرح صدر بھی عجیب تھا جس کو ہر نبی کے لیے ثابت کیا جائے مگر شق کی ان تفصیلات کا ثبوت گزشتہ انبیاء علیہم السلام کے جم غفیر میں سے کسی ایک کے اندر بھی پیش نہ کیا جا سکے۔ "فیا للعجب والفضیحۃ الادب"

عَنْ اَنَسِ بْنِ مَالِكٍ كَانَ اَبُوْذَرٍّ يُحَدِّثُ اَنَّ رَسُوْلَ اللهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ فُرِجَ سَقْفِيْ وَاَنَا بِمَكَّةَ فَنَزَلَ جِبْرِيْلُ فَفَرَجَ صَدْرِيْ ثُمَّ غَسَلَهُ بِمَاءِ زَمْزَمَ ثُمَّ جَاءَ بِطَسْتٍ مِنْ ذَهَبٍ مُمْتَلِئٍ حِكْمَةً وَّاِيْمَانًا فَاَفْرَغَهَا فِيْ صَدْرِيْ ثُمَّ اَطْبَقَهُ ثُمَّ اَخَذَ بِيَدِيْ فَعَرَجَ بِيْ اِلَى السَّمَاءِ الدُّنْيَا فَقَالَ جِبْرِيْلُ لِخَازِنِ السَّمَاءِ الدُّنْيَا اِفْتَحْ قَالَ مَنْ هٰذَا قَالَ جِبْرِيْلُ. (رواہ البخاری ص ۲۲۱)

ابوذر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی یہ روایت صرف پہلی روایت کی تائید میں پیش کی گئی ہے اس میں بھی شق صدر کی وہی تمام تفصیلات ذکر کی گئی ہیں جو پہلی روایت میں مذکور ہیں اور وہ کسی طرح شرح صدر اور علم لدنی پر منطبق نہیں ہو سکتیں۔

اس حدیث کا اردو ترجمہ تقریباً وہی ہے جو ابھی پہلی حدیث کا ترجمہ گزرا۔ اس حدیث کو صرف دوسرے گواہ کے طور پر پیش کیا گیا ہے۔ یہ معلوم منکرین اور مخالفین ان احادیث کی بھی کیا تاویل کرڈالیں۔

سفر معراج سے واپسی پر منکرین کے سوالوں کے جوابات

عَنْ اَبِیْ هُرَيْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَقَدْ رَاَيْتُنِيْ فِي الْحِجْرِ وَقُرَيْشٌ تَسْاَلُنِيْ عَنْ مَسْرَايَ فَسَاَلَتْنِيْ عَنْ اَشْيَاءَ مِنْ بَيْتِ الْمَقْدِسِ لَمْ اُثْبِتْهَا فَكُرِبْتُ كُرْبًا مَا كُرِبْتُ مِثْلَهُ فَرَفَعَهُ اللّٰهُ لِيْ اَنْظُرُ اِلَيْهِ مَا يَسْاَلُوْنِيْ عَنْ شَيْءٍ اِلَّا اَنْبَاْتُهُمْ ثُمَّ ذَكَرَ لِقَاءَهُ مِنَ الْاَنْبِيَاءِ وَنَعْتَهُمْ. (رواہ مسلم، مشکوٰۃ ص ۵۲۹)

رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ میں حطیم میں کھڑا ہوا تھا اور قریش مجھ سے میرے شب میں سفر معراج کے متعلق الٹا طرح طرح کے سوالات کر رہے تھے۔ چنانچہ انہوں نے بیت المقدس کی بہت کی چیزوں کے متعلق بھی مجھ سے کھود کرید کرنا شروع کی جو مجھ کو ٹھیک ٹھیک یاد نہ رہی تھیں تو اب مجھے (ان کے تکذیب کے اندیشے سے) ایسی بے چینی پیش آئی کہ اس سے پہلے ایسی کبھی پیش نہ آئی تھی (قدرت کا کرشمہ دیکھو) کہ حق تعالیٰ نے بیت المقدس کو میرے سامنے اس طرح کر دیا کہ میں اس کو دیکھ دیکھ کر ان کے ہر ہر سوال کا جواب دیتا رہا۔ اس کے بعد آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے انبیاء علیہم السلام سے اپنی ملاقات اور ان کی صورتوں کا بیان کیا۔ (رواہ مسلم)

عَنْ جَابِرٍ اَنَّهٗ سَمِعَ رَسُوْلَ اللهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُوْلُ لَمَّا كَذَّبَنِيْ قُرَيْشٌ قُمْتُ فِي الْحِجْرِ فَجَلَّى اللّٰهُ لِيْ بَيْتَ الْمَقْدِسِ فَطَفِقْتُ اُخْبِرُهُمْ عَنْ اٰيَاتِهٖ وَاَنَا اَنْظُرُ اِلَيْهِ. (متفق علیہ، مشکوٰۃ ص ۵۳۰)

جابر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہتے تھے کہ انہوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے خود سنا ہے کہ جب قریش نے میری تکذیب کرنا شروع کی اس وقت میں حطیم میں کھڑا تھا کہ حق تعالیٰ نے میرے اور بیت المقدس کے درمیان سب پردے اٹھا کر اس کو اس طرح سامنے کر دیا کہ میں اس کے ایک ایک نشان کی خبر دیکھ دیکھ کر ان کو دیتا رہا۔ (متفق علیہ)

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا آسمانوں پر ایک عظیم الشان معجزہ یعنی شق قمر

عَنْ أَنَسٍ أَنَّ أَهْلَ مَكَّةَ سَأَلُوْا رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَنْ يُرِيَهُمْ آيَةً فَأَرَاهُمْ اِنْشِقَاقَ الْقَمَرِ وَفِيْ رِوَايَةٍ شِقَّتَيْنِ حَتّٰى رَأَوْا حِرَاءَ بَيْنَهُمَا۔ (رواہ البخاری)

انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ بن مالک بیان کرتے ہیں کہ اہل مکہ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے اس بات کی فرمائش کی کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم ان کو کوئی معجزہ دکھائیں تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو چاند پھٹ کر دو ٹکڑے ہو جانے کا معجزہ دکھایا۔ یہاں تک کہ انہوں نے کوہ حراء کو ان دونوں ٹکڑوں کے درمیان دیکھ لیا۔ (متفق علیہ) ترمذی میں یہ اضافہ اور ہے کہ اس کے بعد ہی سورۂ قمر نازل ہوئی۔ (گویا یہی معجزہ اس کا مصداق ہے)

تشریح: اس روایت سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ معجزہ اہل مکہ کی فرمائش پر دکھایا گیا ہے۔ درمنثور میں ان کفار کے نام بھی مذکور ہیں مگر وہ روایت ضعیف ہے۔ بعض روایات میں ہے کہ دو پہاڑوں پر چاند کے یہ ٹکڑے الگ الگ نظر آئے ان کے نام ابوقبیس اور سویداء مذکور ہیں۔

عَنِ ابْنِ مَسْعُوْدٍ قَالَ اِنْشَقَّ الْقَمَرُ عَلٰى عَهْدِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ شِقَّتَيْنِ فَقَالَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اِشْهَدُوْا۔ (رواہ البخاری فی باب علامات النبوۃ)

ابن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ روایت فرماتے ہیں کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے عہد مبارک میں چاند پھٹ کر دو ٹکڑے ہو گیا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا دیکھو گواہ رہنا۔ (بخاری)

عَنْ عَبْدِ اللّٰهِ قَالَ اِنْشَقَّ الْقَمَرُ وَنَحْنُ مَعَ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بِمِنًى فَقَالَ اِشْهَدُوْا وَذَهَبَتْ فِرْقَةٌ نَحْوَ الْجَبَلِ۔ (رواہ البخاری)

ابن مسعود رضی اللہ تعالیٰ بیان کرتے ہیں کہ ہم آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ مقام منیٰ میں تھے کہ چاند پھٹ گیا اور اس کا ایک ٹکڑا پھٹ کر اس پہاڑ کی طرف چلا گیا (اور دوسرا دوسرے پہاڑ پر چلا گیا) آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا "گواہ رہو" (بخاری شریف)

تشریح: محدثین نے تصریح کی ہے کہ شق القمر کا معجزہ تواتر سے ثابت ہے۔ روایت بالا میں اس معجزہ کا محل وقوع بھی مذکور ہے یعنی یہ معجزہ منیٰ میں ظاہر ہوا تھا۔ دوسری اہم بات یہ بھی ہے کہ اس روایت میں اور مشاہدہ کرنے والوں کے ساتھ حضرت ابن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ اپنا خود مشاہدہ کرنا بھی نقل کرتے ہیں۔ گویا اب اس روایت کی حیثیت صرف ایک روایت کی نہیں رہی بلکہ چشم دید شہادت کی ہو گئی ہے۔ تیسری بات یہ بھی واضح ہوتی ہے کہ یہ معجزہ ہجرت سے پہلے ظاہر ہوا تھا کیونکہ ہجرت کے بعد پہلی بار مکہ مکرمہ کا سفر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے صلح حدیبیہ کے سال میں کیا ہے لیکن اس سال آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو حدیبیہ ہی سے واپس ہونا پڑا تھا۔ اس کے بعد آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا دوسرا سفر فتح مکہ کے لیے ہوا ہے جبکہ کفار کی شوکت بالکل ختم ہو چکی تھی

مشرکین کے سرغنہ جنگ بدر میں پہلے ہی ختم ہو چکے تھے اور فتح مکہ کے بعد تو کسی کو لب کشائی کا حوصلہ بھی باقی نہ رہا تھا۔ اس سفر میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا منیٰ میں جانا کہیں ثابت نہیں ہوتا اور اگر بالفرض تسلیم بھی کر لیا جائے تو اب کس کی مجال تھی کہ اس طرح آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے آ کر معجزہ کی فرمائش کر سکتا۔ نویں سال آپ صلی اللہ علیہ وسلم تشریف ہی نہیں لائے۔ دسویں سال حجۃ الوداع تھا اس سال آپ صلی اللہ علیہ وسلم منیٰ میں ضرور تشریف لائے مگر اب ماحول صرف مسلمانوں کا ہی تھا مشرکین کی حج میں آمد کی ممانعت کا اعلان پہلے سال کیا جا چکا تھا اس لیے اس معجزہ کا منیٰ میں ہونا اس کا واضح ثبوت ہے کہ یہ واقعہ قبل از ہجرت ہی کا ہے۔ چنانچہ جب اس کے متعلق ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے پوچھا گیا تو انہوں نے فرمایا:

"قد مضی ذلک قبل الهجرة" (یعنی یہ معجزہ ہجرت سے پہلے ہو چکا ہے)

عَنْ جُبَيْرِ بْنِ مُطْعِمٍ فِي قَوْلِهِ وانشق القمر قَالَ انْشَقَّ الْقَمَرُ وَنَحْنُ بِمَكَّةَ عَلَى عَهْدِ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ حَتّٰى صَارَ فِرْقَتَيْنِ فِرْقَةٌ عَلٰى هٰذَا الْجَبَلِ وَفِرْقَةٌ عَلٰى هٰذَا الْجَبَلِ فَقَالَ النَّاسُ سَحَرَنَا مُحَمَّدٌ فَقَالَ رَجُلٌ إِنْ كَانَ سَحَرَكُمْ فَإِنَّهُ لَا يَسْتَطِيْعُ أَنْ يَّسْحَرَ النَّاسَ كُلَّهُمْ. (رواہ احمد والبیهقی)

جبیر بن مطعم آیت "وانشق القمر" کی تفسیر میں فرماتے ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے عہد مبارک میں ہم لوگ مکہ مکرمہ میں تھے کہ چاند پھٹ کر دو ٹکڑے ہو گیا یہاں تک کہ ایک ٹکڑا اس پہاڑ پر اور دوسرا ٹکڑا اس پہاڑ پر نظر آنے لگا اس پر مشرکوں نے یہ بات بنائی کہ محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) نے ہمارے اوپر جادو کر دیا ہے مگر کسی نے یہ کہا اگر جادو کیا ہوگا تو صرف ہمارے اوپر ہی کیا ہوگا ساری دنیا پر تو نہیں کر سکتا۔ (احمد، بیہقی)

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے اللہ تعالیٰ کا گوش صحابہ کو کھول دینا

عَنْ عَائِشَةَ أَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ جَلَسَ يَوْمَ الْجُمُعَةِ عَلَى الْمِنْبَرِ فَقَالَ لِلنَّاسِ اِجْلِسُوْا فَسَمِعَهُ عَبْدُ اللّٰهِ بْنُ رَوَاحَةَ وَهُوَ فِيْ بَنِيْ غَنْمٍ فَجَلَسَ فِيْ مَكَانِهٖ. اخرجه البیهقی وابو نعیم بیهقی

سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا بیان کرتی ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم ایک بار جمعہ کے دن منبر پر بیٹھے اور لوگوں سے فرمایا "تم سب بیٹھ جاؤ" عبداللہ بن رواحہؓ جو محلہ بنی غنم میں تھے وہ کہتے ہیں کہ انہوں نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی آواز سنی تو وہیں اپنی جگہ چپکے سے بیٹھ گئے۔ (بیہقی)

عَنْ عَبْدِ الرَّحْمٰنِ بْنِ مُعَاذٍ التَّيْمِيِّ قَالَ خَطَبَنَا رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بِمِنًى فَفُتِحَتْ أَسْمَاعُنَا وَفِيْ لَفْظٍ فَفَتَحَ اللّٰهُ أَسْمَاعَنَا حَتّٰى إِنْ كُنَّا لَنَسْمَعُ مَا يَقُوْلُ وَنَحْنُ فِيْ مَنَازِلِنَا.

اخرجه ابن سعد و ابو نعیم (کذا فی الخصائص ص ۹۶ ج ۱)

عبدالرحمن بن معاذ تیمی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کہتے ہیں کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے مقام منیٰ میں ہم کو خطبہ دیا تو ہمارے کان کھل گئے۔ دوسری روایت ہے کہ پھر اللہ تعالیٰ نے ہمارے کان کھول دیئے یہاں تک کہ ہم اپنے اپنے گھروں میں رہتے تھے اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشادات کو سن لیا کرتے تھے۔ (ابن سعد)

إِذَا أَنَا بِرِجَالٍ عَلَيْهِمْ ثِيَابٌ بِيضٌ اَللّٰهُ أَعْلَمُ مَا بِهِمْ مِنَ الْجَمَالِ فَانْتَهَوْا إِلَيَّ فَجَلَسَ طَائِفَةٌ مِنْهُمْ عِنْدَ رَأْسِ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَطَائِفَةٌ مِنْهُمْ عِنْدَ رِجْلَيْهِ ثُمَّ قَالُوْا بَيْنَهُمْ مَا رَأَيْنَا عَبْدًا قَطُّ أُوْتِيَ مِثْلَ مَا أُوْتِيَ هٰذَا النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِنَّ عَيْنَيْهِ تَنَامَانِ وَقَلْبَهُ يَقْظَانُ اِضْرِبُوْا لَهُ مَثَلًا مَثَلُ سَيِّدٍ بَنٰى قَصْرًا ثُمَّ جَعَلَ مَأْدُبَةً فَدَعَا النَّاسَ إِلٰى طَعَامِهِ وَشَرَابِهِ فَمَنْ أَجَابَهُ أَكَلَ مِنْ طَعَامِهِ وَشَرِبَ مِنْ شَرَابِهِ وَمَنْ لَمْ يُجِبْهُ عَاقَبَهُ أَوْ قَالَ عَذَّبَهُ ثُمَّ ارْتَفَعُوْا وَاسْتَيْقَظَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عِنْدَ ذٰلِكَ فَقَالَ سَمِعْتَ مَا قَالَ هٰؤُلَاءِ وَهَلْ تَدْرِيْ مَنْ هُمْ قُلْتُ اَللّٰهُ وَرَسُوْلُهُ أَعْلَمُ قَالَ هُمُ الْمَلَائِكَةُ فَتَدْرِيْ مَا الْمَثَلُ الَّذِيْ ضَرَبُوْهُ قُلْتُ اَللّٰهُ وَرَسُوْلُهُ أَعْلَمُ قَالَ الْمَثَلُ الَّذِيْ ضَرَبُوْهُ الرَّحْمٰنُ بَنَى الْجَنَّةَ وَدَعَا إِلَيْهَا عِبَادَهُ فَمَنْ أَجَابَهُ دَخَلَ الْجَنَّةَ وَمَنْ لَمْ يُجِبْهُ عَاقَبَهُ أَوْ عَذَّبَهُ هٰذَا

حديث حسن صحيح غريب من هذا الوجه. (رواه الترمذي ص ۱۱۲)

ابن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ روایت فرماتے ہیں کہ ایک بار رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم عشاء کی نماز سے فارغ ہوئے اور میرا ہاتھ پکڑ کر مجھ کو بطحاء مکہ کی طرف لے چلے اور پھر مجھ کو بٹھا کر ایک دائرہ میرے چاروں طرف کھینچا پھر فرمایا دیکھنا اسی دائرہ کے اندر اندر ہی رہنا کچھ لوگ تمہارے پاس تک آئیں گے ان سے گفتگو نہ کرنا وہ بھی تم سے کوئی بات نہ کریں گے۔ یہ کہہ کر پھر جہاں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو جانا تھا وہاں تشریف لے گئے ابھی میں اپنے دائرہ کے اندر ہی تھا کیا دیکھتا ہوں کہ کچھ لوگ ہیں جو جٹوں کے مشابہ دراز قامت اور ان کے جسموں پر اتنے لمبے لمبے بال تھے کہ ان کے اعضاء مستور اور ان کے جسم کا رنگ تک نظر نہ آتا تھا وہ میرے دائرہ کے پاس تو آ جاتے مگر اس کے اندر نہ گھستے تھے اس کے بعد وہ لوگ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف واپس لوٹ گئے پھر جب آخری شب ہوگئی تو کیا دیکھتا ہوں کہ آپ میرے پاس آ رہے ہیں اور میں اس وقت بیٹھا ہوا ہی تھا فرمایا تم کو پتہ ہے کہ آج کی شب مجھ میں نے ذرا بھی آنکھ نہیں لگائی (یہ کہہ کر) آپ صلی اللہ علیہ وسلم اس دائرہ کے اندر تشریف لے آئے اور میری ران سے تکیہ لگا کر سو رہے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی عادت مبارکہ یہ تھی کہ جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم سو جاتے تو آپ کے خراٹوں کی آواز آنے لگتی۔ میں اسی حالت میں بیٹھا ہوا تھا اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم میری ران سے تکیہ لگائے ہوئے تھے۔ دفعتہً کچھ لوگ نظر پڑے جن کے اوپر سفید پوشاک تھی اور ان کے جمال کا حال خدا تعالیٰ ہی کو معلوم ہے ان کا عجب حسن تھا۔ وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آ، آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے سرہانے بیٹھ گئے اور کچھ پیروں کی طرف آ بیٹھے۔ پھر بولے ہم نے ایسا کوئی شخص نہیں دیکھا جس کو وہ کمالات نصیب ہوئے ہوں جو اس نبی کو مرحمت ہوئے۔ عجیب بات ہے کہ ان کی آنکھیں سوتی نظر آتی ہیں مگر ان کا دل بیدار رہتا ہے۔ اچھا ان کی مثال بیان کرو وہ یہ ہے کہ کسی سردار نے ایک محل تیار کر کے اس میں کھانے کا خوان لگایا پھر لوگوں کو اس پر کھانے اور پینے کی دعوت دی اب جس نے اس کی دعوت کو قبول کیا اس نے کھانا بھی کھایا اور پانی بھی پیا اور جس نے اس کی دعوت رد کر دی اس سے اس کا انتقام لیا یہ کہہ کر چلے گئے۔ ادھر آپ خواب سے بیدار ہو گئے اور فرمایا تم نے سنا انہوں نے کیا کہا تھا اور جانتے ہو یہ کون لوگ تھے میں نے عرض کی اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہی کو معلوم ہے آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا یہ فرشتے تھے اچھا ان کی بیان

کر دو شخصوں کو بھی سمجھے۔ میں نے عرض کی اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہی کو معلوم ہے پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کی تفصیل بیان فرمائی کہ وہ سید تو "الرحمٰن" ہے جس نے جنت بنائی اور اپنے بندوں کو اس میں دعوت دی اب جس نے اس کی دعوت قبول کر لی وہ جنت میں گیا اور جس نے رد کر دی اس کا اس نے بدلہ لیا اور عذاب دیا۔ (ترمذی)

تشریح: لیلۃ الجن کا یہ واقعہ بسند صحیح ثابت ہے اور امام ترمذی رحمۃ اللہ علیہ نے اس کو ابواب الامثال میں ذکر کیا ہے۔ اس میں آپ کا جنات کی تبلیغ دین کے لیے تشریف لے جانا اور تمام شب اس میں مصروف رہنا ثابت ہوتا ہے۔ موجودہ زمانے میں تو لوگ جنات کے وجود ہی کے قائل نہیں ان کی تبلیغ کے لیے صرف آپ کا جانا ہی معجزہ شمار ہو سکتا ہے لیکن یہاں ابن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا فرشتوں کی زیارت کرنا اور ان کے کلمات طیبہ سے مستفیض ہونا بھی ثابت ہوتا ہے۔ بیداری کے بعد آپ کا ان کی تشریح فرمانا اور آپ کی صفات میں سے یہ ذکر کرنا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی آنکھیں تو سوتی ہوئی نظر آتی ہیں مگر آپ کا قلب مبارک بیدار ہی بیدار رہتا ہے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی اس عجیب صفت کا تذکرہ تو الگ رہا یہاں اس کا مشاہدہ بھی ثابت ہوتا ہے ابھی ابھی آپ خراٹوں کے ساتھ سوتے ہوئے یہ باتیں بھی سن رہے تھے مگر آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے قلب مبارک کی بیداری کا یہ عالم تھا کہ بیدار ہوتے ہی سب سے پہلے جو بات آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی زبان مبارک سے نکلی وہ اس واقعہ کی تفصیل تھی جو سوتے میں آپ نے سنا تھا اب یہ فیصلہ کرنا مشکل ہے کہ آپ کے عالم نوم اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے عالم بیداری میں فرق کیا تھا؟ یہ صرف انبیاء علیہم السلام ہیں کہ ان کا قلب مبارک سونے کی حالت میں بھی عالم بالا سے متصل رہتا ہے۔ دنیا میں سونے والے کے حواس معطل ہوتے ہیں اور یہاں اتنے بیدار کہ عالم بالا کے ایک ایک حال سے خبردار ہوتے ہیں۔ اسی وجہ سے ان کے خواب کو وحی کا مقام حاصل ہے۔

معجزات خدا تعالیٰ کی قدرت کے سامنے کچھ بھی حقیقت نہیں رکھتے

عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ قَالَ قَالَتْ قُرَيْشٌ لِلنَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اُدْعُ لَنَا رَبَّكَ يَجْعَلْ لَنَا الصَّفَا ذَهَبًا وَنُؤْمِنُ لَكَ قَالَ وَتَفْعَلُوْنَ؟ قَالُوْا نَعَمْ قَالَ فَدَعَا فَاَتَاهُ جِبْرَئِيْلُ فَقَالَ اِنَّ رَبَّكَ يُقْرِئُكَ السَّلَامَ وَيَقُوْلُ اِنْ شِئْتَ اَصْبَحَ الصَّفَا لَهُمْ ذَهَبًا فَمَنْ كَفَرَ مِنْهُمْ بَعْدَ ذٰلِكَ عَذَّبْتُهُ عَذَابًا لَا اُعَذِّبُهُ اَحَدًا مِّنَ الْعَالَمِيْنَ وَاِنْ شِئْتَ فَتَحْتُ لَهُمْ بَابَ التَّوْبَةِ وَالرَّحْمَةِ قَالَ بَلْ بَابُ التَّوْبَةِ وَالرَّحْمَةِ. (رواه احمد والطبراني نحوه)

عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ روایت کرتے ہیں کہ قریش نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے فرمائش کی آپ صلی اللہ علیہ وسلم اپنے پروردگار سے دعا فرما دیجئے کہ وہ ہمارے لیے اس صفا پہاڑی کو سونے کا بنا دے تو ہم آپ کے اوپر ایمان لے آئیں گے؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اچھا تم ایمان لے آؤ گے؟ انہوں نے کہا ضرور۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے دعا فرمائی اس پر جبرئیل علیہ السلام نازل ہوئے اور فرمایا آپ کا پروردگار آپ کو سلام کہتا ہے اور فرماتا ہے کہ آپ چاہیں تو ان کے لیے صفا پہاڑی سونے کی بنا دی جائے لیکن اس کے بعد اگر کوئی شخص ان میں سے منکر ہوگا تو اس کو میں ایسا عذاب دوں گا کہ تمام جہانوں میں کسی کو نہیں دیا ہوگا اور اگر آپ صلی اللہ علیہ وسلم چاہیں تو ان کے لیے توبہ اور رحمت کا دروازہ کھول دوں۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے عرض کی بلکہ توبہ اور رحمت کا دروازہ کھول دے۔ (مسند احمد و نسائی)

سب سے بڑا معجزہ سورہ فاتحہ قرآن عظیم ہے

عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَا مِنَ الْأَنْبِيَاءِ نَبِيٌّ إِلَّا أُعْطِيَ مِنَ الْآيَاتِ مَا مِثْلُهُ آمَنَ عَلَيْهِ الْبَشَرُ وَإِنَّمَا كَانَ الَّذِي أُوْتِيْتُهُ وَحْيًا أَوْحَاهُ اللّٰهُ إِلَيَّ فَأَرْجُوْا أَنْ أَكُوْنَ أَكْثَرَهُمْ تَابِعًا يَوْمَ الْقِيَامَةِ. (صحیح بخاری)

آیات رسل بود ہمہ معجز و برتر　　آیات تو قرآن ہمہ دانی ہمہ گیری

(شیخ العلامہ محمد انور شاہ کشمیری قدس سرہ)

ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ انبیاء علیہم السلام میں سے کوئی نبی ایسا نہیں گزرا جس کو خاص خاص معجزات ایسے عطا نہ ہوئے ہوں جن کے مناسب لوگ ان پر ایمان لائے ہیں مگر جو خاص معجزہ مجھ کو عنایت ہوا ہے وہ وحی ہے جو اللہ تعالیٰ نے مجھ پر نازل فرمائی ہے اس لیے میں اُمید کرتا ہوں کہ قیامت کے دن انبیاء علیہم السلام کی جماعت میں اتباع کرنے والوں کی سب سے بڑی تعداد میری اُمت کی ہوگی۔ (صحیح بخاری)

عَنْ أَبِي ذَرٍّ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِنَّكُمْ لَا تَرْجِعُوْنَ إِلَى اللّٰهِ بِشَيْءٍ أَفْضَلَ مِمَّا خَرَجَ مِنْهُ يَعْنِي الْقُرْآنَ. (رواہ الحاکم)

ابوذر رضی اللہ تعالیٰ عنہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم سے نقل کرتے ہیں کہ تم لوگ اللہ جل شانہ کی طرف رجوع اور اس کے یہاں تقرب اس چیز سے بڑھ کر کسی اور چیز سے حاصل نہیں کر سکتے جو خود حق سبحانہ سے نکلی ہے یعنی کلام پاک۔ (حاکم اعلی ہو داؤد نجام ترمذی)

عَنْ عِيَاضِ بْنِ حِمَارٍ الْمُجَاشِعِيِّ قَالَ فِي بَابِ الْإِنْذَارِ وَالتَّحْذِيرِ وَفِيهِ وَقَالَ إِنَّمَا بَعَثْتُكَ لِأَبْتَلِيَكَ وَأَبْتَلِيَ بِكَ وَأَنْزَلْتُ عَلَيْكَ كِتَابًا لَا يَغْسِلُهُ الْمَاءُ تَقْرَؤُهُ نَائِمًا وَيَقْظَانَ الخ (رواہ مسلم مشکوۃ ص ۴۰۰)

عیاض بن حمار مجاشعی ایک طویل روایت میں ذکر فرماتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے یہ بھی فرمایا کہ میں نے تیری استقامت و تیرا صبر و شکر آزمانے کے لیے تجھ کو بھیجا اور اس لیے کہ لوگوں کی آزمائش تیرے ذریعہ سے کروں (کہ وہ تیری اطاعت کرتے ہیں اور تجھ کو مانتے ہیں یا نہیں) اور تیرے ساتھ ایک ایسی کتاب نازل فرمائی جس کو پانی نہیں دھو سکتا تو اس کو سوتے اور جاگتے پڑھا کرے گا الخ (مسلم شریف)

تشریح: اس روایت میں قرآن پاک کی دو ممتاز صفتوں کا ذکر فرمایا گیا ہے یعنی دنیا میں ہر کتاب کے نقوش کسی نہ کسی ذریعے سے مٹ سکتے ہیں اور کم از کم جب تک مطابع نہ تھے ہر کتاب کی سیاہی پانی کے ذریعے مٹائی جا سکتی تھی لیکن قرآن پاک کسی صورت بھی سینوں سے مٹانے مٹ نہیں سکتا۔ دوسری صفت اس میں یہ ہے کہ وہ اس طرح محفوظ ہے کہ سوتے جاگتے ہر حالت میں پڑھی جا سکتی ہے۔ انبیاء علیہم السلام کا تو سونا بھی ان کے جاگنے کے برابر ہوتا ہے لیکن کسی کسی شوقین آدمی سے سوتے میں بھی قرآن کا پڑھنا مستبعد نہیں۔ اصل مراد تو یہاں اس کا حفظ ہوتا ہے۔ محاورہ میں بولا کرتے ہیں کہ بلی کو خواب میں چھیچھڑے نظر آتے ہیں۔ اسی طرح حافظ بچے سوتے میں بھی قرآن شریف کی آیات بے ارادہ اور بے شعوری کی حالت میں تلاوت کر جاتے ہیں۔ پھر آنکھ بند کرکے پڑھنا بھی اسی قرآن عزیز کی خصوصیات میں سے ہے جو کتاب بھی اس

کے سوا ہے اس کو آنکھیں کھول کر تو غور و پڑھنا تو ممکن ہے لیکن آنکھیں بند کر کے سونے کی شکل میں پڑھنا ممکن نہیں۔ خلاصہ یہ ہے کہ اس کی قرأت کے لیے ہر حالت کا استیعاب کرنا مقصود ہے۔

عَنْ عَبْدِ اللّٰہِ بْنِ عَمْرٍو وَمَنْ قَرَأَ الْقُرْآنَ فَقَدِ اسْتَدْرَجَ النُّبُوَّةَ بَيْنَ جَنْبَيْهِ غَيْرَ أَنَّهُ لَا يُوحَى إِلَيْهِ لَا يَنْبَغِي لِصَاحِبِ الْقُرْآنِ أَنْ يَجِدَ مَعَ مَنْ وَجَدَ وَلَا يَجْهَلَ مَعَ مَنْ جَهِلَ وَفِي جَوْفِهِ كَلَامُ اللّٰهِ. (رواہ الحاکم وصححہ)

عبداللہ بن عمرو رضی اللہ تعالیٰ عنہ کہتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جس شخص نے قرآن شریف پڑھ لیا اس نے گویا نبوت کو اپنی دونوں پسلیوں کے درمیان لے لیا سوائے اس کے کہ اس پر کوئی وحی نہیں اترتی اس لیے قرآن والے کے لیے یہ مناسب نہیں کہ جو شخص غصہ کرے وہ بھی غصہ کا جواب غصہ سے دے اور جاہلوں کے ساتھ جہالت کرنے پر اتر آئے اور اس کا خیال نہ کرے کہ اس کے سینے میں کلام اللہ موجود ہے۔

تشریح: کلام اللہ خدا کی وحیوں میں سے سب سے بڑی وحی ہے جو خدا تعالیٰ کے سب سے بڑے نبیوں میں سے ایک نبی پر نازل ہوئی۔ یہ وحی بجز نبی کے کسی اور پر نازل نہیں ہوتی لیکن جس شخص کے سینے میں یہ وحی محفوظ ہو اگرچہ وہ نبی تو نہیں بنتا کیونکہ اس پر یہ وحی نازل نہیں ہوئی لیکن چونکہ یہ نازل شدہ وحی اس کے سینے میں محفوظ ہے اس لحاظ سے یہ کہا جا سکتا ہے کہ اس کے سینے میں علوم نبوت کا ایک ذخیرہ موجود ہے۔ گویا کہ ایک طرح سے نبوت مل گئی ہے اگرچہ اس پر وحی نازل نہ ہونے کی وجہ سے اس کو نبی یک لحظہ کے لیے بھی نہ کہہ سکتے لیکن یہ فضیلت اس کے لیے کیا کم ہے کہ اس کے سینے میں وحی نبوت کا مجموعہ محفوظ ہے۔ نبی بننے کے مشتاق اگر اس حدیث میں کچھ اترنا چاہیں اور ایک نہایت خوبصورت انداز بیان کو حقیقت کا لباس پہنانا چاہیں تو ان کو واضح رہنا چاہیے کہ پھر مسلمانوں میں ہر وہ بچہ جو حافظ ہوگا اپنے دور طفولیت ہی میں نبی کہلانے کا مستحق ہو سکے گا۔ یہاں تو مقصد یہ ہے کہ جس کے سینے میں قرآن ہو سب سے پہلے خود اس کو اپنے قرآن کا احترام لازم ہے۔ اب نہ غصہ کرنا اس کا کام ہونا چاہیے اور نہ جہالت کی باتوں میں پڑنا اس کا مشغلہ ہونا چاہیے۔ قرآن کے احترام اور ختم نبوت کے اس نظریے کے ساتھ یہ باتیں کچھ جوڑ نہیں کھاتیں۔ حدیث میں مبشرات اور دوسرے چیدہ چیدہ فضائل کو نبوت کے اجزاء میں شمار کیا گیا ہے مگر خاتم الانبیاء صلی اللہ علیہ وسلم کی تشریف آوری کے بعد کسی کو یہ وہم بھی نہیں گزرا کہ کسی کو وہم دلایا جائے تو اس اشتراک نبوت میں دخل ہے یہ نئی حرص ہوس کا شیوہ ہے جو اپنے جہل سے نہ نبوت کو جانتے ہیں اور ایک مشت خاک کی طرح اس کو پھینک دینا چاہتے ہیں مگر پھر اس کو صرف ایک اپنی ذات کے سوا اپنے خاندان تو کیا اپنی اولاد کو بھی دینا نہیں چاہتے۔ ایک طرف دعویٰ نبوت اور دوسری طرف بخل کا یہ عالم حیرت انگیز ہے۔

اب ذرا ایک علمی بات سنتے جائیے اور وہ یہ کہ نبوت کوئی وصف مجرد نہیں بلکہ ایک صفت اور ایسے اعراض میں سے ہے جو مجموعہ انسان کے ساتھ قائم ہوتی ہے اس کو کسی خاص حصہ میں الگ کر کے نہیں جا سکتا۔ عرف میں کہتے ہیں کہ فلاں شخص کے سینے میں قرآن ہے۔ ایک محدث کے متعلق کہا جاتا ہے کہ اس کا سینہ حدیثوں سے لبریز ہے لیکن ان تمام استعمالات میں یہ کوئی نہیں سمجھتا کہ علم حدیث کا ذخیرہ اس کے جسم کے کسی گوشہ میں علیحدہ رکھا ہوا ہے اسی طرح حدیث مذکور میں اگر نبوت سے مراد علوم نبوت نہ ہوتے تو نبوت کو اس کے سینے میں رکھا ہوا نہ بتایا جاتا بلکہ اس کی ذات کو نبی کہہ دیا جاتا۔ جیسا کہ انسان کی ذات کو عالم و فقیہ

دیا جاتا ہے لیکن یہاں صرف اسی پر کفایت نہیں کی گئی کہ اس پر نبی کا اطلاق نہیں کیا گیا بلکہ "غیر انہ لم یوحی الیہ" کہہ کر حریصوں کی حرص کو خاک میں ملا دیا گیا ہے۔ اب جو نبی ایسا ہو کہ اس پر وحی کا ایک لفظ نہ اتر سکے وہ ایسا ہی نبی ہے جیسا نواب بے ملک اور بے تاج کا بادشاہ لہٰذا حدیث نے تو "غیر انہ لم یوحی الیہ" کہہ کر خاتم الانبیاء صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد کسی کے نبی ہونے کی جڑ ہی کاٹ دی ہے اور اپنے زمانے میں حفاظ کی کثرت کے باوجود کسی ایک شخص کو بھی نہ کبھی خود شخص نیس نبی کہا نہ اس حدیث کے ماتحت کسی دوسرے کے دل میں نبی کہنے کا خیال گزرا لیکن جن کے پاس نہ نبوت کا علم ہے نہ ختم نبوت کا وہ بیچارے زبردستی نبوت کو جاری تو کرنا چاہتے ہیں مگر پھر اس کو ایک ایسے شخص کے اندر منحصر کر دیتے ہیں جس کے سینے میں کلام اللہ یا نبوت کا پتہ بھی نہ تھا۔ اب اگر اس کو نواب بے ملک نہ کہا جائے تو اور کیا کہا جائے۔ "انا للہ وانا الیہ راجعون" یہاں ہم نے بے وجہ اس تطویل سے ناظرین کو بدمزہ تو کیا لیکن یہ جو کچھ بھی گناہ کیا چند بدمذاقوں کی خاطر کیا۔ ونستغفر اللہ عزوجل

عَنْ اَبِیْ سَعِیْدٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ یَقُوْلُ الرَّبُّ تَبَارَکَ وَتَعَالٰی وَذَکَرَ فِیْہَا وَفَضْلُ کَلَامِ اللّٰہِ عَلٰی سَائِرِ الْکَلَامِ کَفَضْلِ اللّٰہِ عَلٰی خَلْقِہٖ۔ (رواہ الترمذی والدارمی والبیہقی فی شعب الایمان)

ابوسعید رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حق سبحانہ تعالیٰ کا یہ ارشاد نقل فرمایا جس میں یہ بات بھی بیان فرمائی کہ حق تعالیٰ خود فرماتا ہے کہ کلام اللہ کی فضیلت دوسرے سب کلاموں پر ایسی ہی فضیلت ہے جیسا کہ حق تعالیٰ شانہ کی تمام مخلوق پر۔

تشریح: حدیث مذکور میں کلام اللہ کی فضیلت کے لیے جو انداز بیان اختیار کیا گیا ہے اس کا حاصل یہ ہے کہ وہ حیطہ بیان سے خارج ہے یعنی حق تعالیٰ شانہ کے کلام کی فضیلت دوسرے اور کلاموں پر بیان کرنا اتنا ہی ناممکن ہے جتنا کہ خود حق تعالیٰ کی ذات کی افضلیت کا اس کی مخلوق پر بیان کرنا ناممکن ہے۔

چہ نسبت خاک را با عالم پاک

نہ باقی کو فانی کے ساتھ اور کامل کو ناقص کے ساتھ اور مظلم کو نور و منور کے ساتھ سوائے تباین کے اور کوئی نسبت ہے۔ یہی نسبت ان دونوں کے کلاموں کے درمیان سمجھنی چاہیے۔ اس نسبت تباین کا بیان حدیث مذکور میں جس اسلوب سے کیا گیا ہے اس سے زیادہ مستحسن کوئی دوسرا بہتر اسلوب اختیار کرنا بھی غیر ممکن ہے۔

عَنِ الْحَارِثِ الْاَعْوَرِ قَالَ مَرَرْتُ فِی الْمَسْجِدِ فَاِذَا النَّاسُ یَخُوْضُوْنَ فِی الْاَحَادِیْثِ فَدَخَلْتُ عَلٰی عَلِیٍّ فَاَخْبَرْتُہٗ فَقَالَ اَوَ قَدْ فَعَلُوْہَا قُلْتُ نَعَمْ قَالَ اَمَا اِنِّیْ سَمِعْتُ رَسُوْلَ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ یَقُوْلُ اَلَا اِنَّہَا سَتَکُوْنُ فِتْنَۃٌ قُلْتُ مَا الْمَخْرَجُ مِنْہَا یَا رَسُوْلَ اللّٰہِ قَالَ کِتَابُ اللّٰہِ فِیْہِ نَبَأُ مَا قَبْلَکُمْ وَخَبَرُ مَا بَعْدَکُمْ وَحُکْمُ مَا بَیْنَکُمْ ھُوَ الْفَصْلُ لَیْسَ بِالْہَزْلِ مَنْ تَرَکَہٗ مِنْ جَبَّارٍ قَصَمَہُ اللّٰہُ وَمَنِ ابْتَغَی الْہُدٰی فِیْ غَیْرِہٖ اَضَلَّہُ اللّٰہُ وَھُوَ حَبْلُ اللّٰہِ الْمَتِیْنُ وَھُوَ الذِّکْرُ الْحَکِیْمُ وَھُوَ الصِّرَاطُ الْمُسْتَقِیْمُ ھُوَ الَّذِیْ لَا تَزِیْغُ بِہِ الْاَھْوَاءُ وَلَا تَلْتَبِسُ بِہِ الْاَلْسِنَۃُ وَلَا یَشْبَعُ مِنْہُ الْعُلَمَاءُ وَلَا یَخْلَقُ عَنْ کَثْرَۃِ الرَّدِّ وَلَا یَنْقَضِیْ عَجَائِبُہٗ ھُوَ الَّذِیْ لَمْ تَنْتَہِ الْجِنُّ اِذْ سَمِعَتْہُ حَتّٰی قَالُوْا اِنَّا سَمِعْنَا قُرْاٰنًا عَجَبًا یَّہْدِیْ اِلَی الرُّشْدِ فَاٰمَنَّا بِہٖ مَنْ قَالَ بِہٖ صَدَقَ وَمَنْ عَمِلَ بِہٖ

أُجِرَ وَمَنْ حَكَمَ بِهِ عَدَلَ وَمَنْ دَعَا إِلَيْهِ هُدِيَ إِلَى صِرَاطٍ مُسْتَقِيْمٍ. (رواہ الترمذی والدارمی)

حارث اعور رضی اللہ تعالیٰ عنہ روایت کرتے ہیں کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی مسجد شریف میں سے میرا گزر ہوا' کیا دیکھتا ہوں کہ لوگ مسجد میں دنیوی باتیں کر رہے ہیں۔ میں حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی خدمت میں حاضر ہوا تو میں نے آپ سے یہ حال عرض کیا آپ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے افسوس اور تعجب سے فرمایا' اچھا کیا لوگ مسجد میں باتیں کرنے لگے ہیں' میں نے عرض کی جی ہاں۔ اس پر آپ نے فرمایا' میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ فرماتے خود سنا ہے کہ آئندہ زمانے میں فتنے ہوں گے' میں نے پوچھا یا رسول اللہ! (صلی اللہ علیہ وسلم) پھر ان سے بچنے کا کیا راستہ ہوگا؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا' بس خدا تعالیٰ کی کتاب یعنی قرآن کریم' جس میں گزشتہ قوموں کے حالات' اور آئندہ کے واقعات اور تمہارے معاملات کے فیصلے یہ سب موجود ہیں۔ یہ کتاب کیا ہے؟ بس آخری فیصلہ ہے کچھ ہنسی مذاق نہیں' جس کسی جابر بادشاہ نے اس کو چھوڑا' خدا تعالیٰ نے اس کو ذلیل کیا اور جس نے راہ ہدایت اس کے سوا کہیں اور تلاش کی اللہ تعالیٰ نے اس کو گمراہ کیا۔ یہی خدا تعالیٰ کی (مخلوق کے لیے) ایک مضبوط رسی ہے یہی وہ ذکر ہے جو حکمت سے لبریز ہے اور یہی سیدھی راہ ہے' لوگوں کی خواہشات اس کے معانی بدل نہیں سکتیں۔ مختلف زبانیں اس میں غلط ملط نہیں کر سکتیں۔ علماء کے دل بھی اس سے نہیں بھرتے' کتنا ہی کوئی پڑھے مگر وہ ہر دم تازہ کا لطف دیتا ہے۔ اس کے عجائبات کبھی ختم ہونے والے نہیں' جنات جیسی مخلوق نے جب اس کو سنا تو وہ بھی بے ساختہ بول اٹھے "انا سمعنا الخ" "لوگو! آج ہم نے ایک عجیب قرآن سنا ہے جو کامیابی کی راہ دکھاتا ہے ہم تو فوراً اس پر ایمان لے آئے' جس نے قرآن پڑھا اس نے سچ ہی سچ بولا جس نے اس پر عمل کیا اس نے بے شبہ ثواب کمایا' جس نے اس کے مطابق فیصلہ کیا اس نے یقیناً انصاف کا فیصلہ کیا اور جس نے اللہ کی طرف دعوت دی' اس نے بلا شبہ راہ راست کی دعوت دی۔ (ترمذی' دارمی)

تشریح: ہر چند کہ اس حدیث میں اسنادی ضعف موجود ہے لیکن اس کا ایک ایک کلمہ اپنی جگہ حقیقت ثابتہ ہے اور اس کی تائید صرف دیگر احادیث سے ہی نہیں بلکہ واقعات سے بھی ہوتی ہے۔ یہاں ہم نے اس حدیث کو اس کے ضعف کے باوجود اس لیے نقل کیا ہے کہ قرآن کی صداقت کے ساتھ ساتھ اس کی چند دیگر صفات سے بھی آشنا ہو جائیں اور اگر اس کو حدیث کا درجہ نہ دے سکیں تو کم از کم تشریحی نوٹ کے قائم مقام تو سمجھ ہی لیں اس کے بہت سے جملے تفصیل طلب ہیں لیکن جب اس کی اسنادی مجبول ہوا اس پر اپنی وسعت میں اتنی گنجائش بھی نہ ہو تو پھر اس اجمال پر ہی کفایت کر دینا مناسب معلوم ہوتا ہے۔ یہاں قرآنی اعجاز کے موضوع میں اس کے فضائل کا تذکرہ اس کے معجزہ ہونے کی گویا ایک شرح سمجھنی چاہیے۔

آنحضرت سرور کائنات صلی اللہ علیہ وسلم کا استوانہ حنانہ کا مشہور معجزہ

عَنْ جَابِرٍ اَنَّ امْرَاَةً مِنَ الْاَنْصَارِ قَالَتْ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ اَلَا اَجْعَلُ لَكَ شَيْئًا تَقْعُدُ عَلَيْهِ فَاِنَّ لِيْ غُلَامًا نَجَّارًا قَالَ اِنْ شِئْتِ قَالَ فَعَمِلَتْ لَهُ الْمِنْبَرَ فَلَمَّا كَانَ يَوْمُ الْجُمُعَةِ قَعَدَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَلَى الْمِنْبَرِ الَّذِيْ صُنِعَ لَهُ فَصَاحَتِ النَّخْلَةُ الَّتِيْ كَانَ يَخْطُبُ عَلَيْهَا حَتّٰى كَادَتْ اَنْ تَنْشَقَّ فَنَزَلَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَضَمَّهَا اِلَيْهِ فَجَعَلَتْ تَئِنُّ اَنِيْنَ الصَّبِيِّ الَّذِيْ يُسَكَّتُ حَتَّى اسْتَقَرَّتْ. (رواہ البخاری)

جابر رضی اللہ تعالیٰ عنہ روایت فرماتے ہیں کہ ایک انصاری عورت نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں عرض کیا اجازت ہو تو میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے کوئی چیز (یعنی منبر) تیار کرا دوں جس پر بیٹھ کر آپ صلی اللہ علیہ وسلم خطبہ دیا کریں کیونکہ میرا ایک غلام ہے جو بڑھئی کا کام جانتا ہے آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اگر تم چاہو تو تیار کرا دو جب جمعہ کا دن آیا تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اس منبر پر بیٹھے جو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے تیار کیا گیا تھا تو کھجور کا وہ درخت جس کا سہارا لے کر آپ صلی اللہ علیہ وسلم پہلے خطبہ دیا کرتے تھے اب چیخ چیخ کر رونے لگا گویا غم کے مارے پھٹ جائے گا اس کے نالہ و بکا پر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم منبر سے اترے اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے آ کر اس کو گلے لگایا تو وہ اس طرح ہچکی لگا جیسا روتے ہوئے بچے کو پیار کر کے خاموش کرتے ہیں اور وہ سسکیاں بھرنے لگتا ہے یہاں تک کہ بالکل خاموش ہو گیا۔ (بخاری، مسلم)

تشریح: اسطوانہ حنانہ کا معجزہ بہت مشہور ہے اور اس کے متعلق مؤلفین کی کوئی تاویل بھی نظروں سے نہیں گزری اور اس کے بعض حقائق شروع مقالہ میں آپ کی نظروں سے گزر چکے ہیں اور بعض روایات میں یوں آتا ہے کہ آپ نے اپنے تسلی آمیز کلمات میں اسے یہ بھی فرمایا کیا تو اس بات پر راضی نہیں کہ جنت میں میرے ساتھ رہے۔ بہر حال وہ ستون آج تک روضہ جنت میں (جس کو عوام جنت کی کیاری سے ملقب کرتے ہیں) مدفون ہے اور اس کے لیے یہ فضیلت ہی کچھ کم نہیں کیونکہ یہ ٹکڑا جنت ہی کا ٹکڑا ہے جو قیامت میں اٹھا کر جنت میں لے لیا جائے گا۔

گوشت کا پتھر بن جانا

عَنْ مَوْلَى لِعُثْمَانَ قَالَ أُهْدِيَ لِأُمِّ سَلَمَةَ بَضْعَةٌ مِنْ لَحْمٍ وَكَانَ النَّبِيُّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يُعْجِبُهُ اللَّحْمُ فَقَالَتْ لِلْخَادِمِ ضَعِيهِ فِي الْبَيْتِ لَعَلَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَأْكُلُهُ فَوَضَعَتْهُ فِي كُوَّةِ الْبَيْتِ وَجَاءَ سَائِلٌ فَقَامَ عَلَى الْبَابِ فَقَالَ تَصَدَّقُوا بَارَكَ اللَّهُ فِيكُمْ فَقَالُوا بَارَكَ اللَّهُ فِيكَ فَذَهَبَ السَّائِلُ فَدَخَلَ النَّبِيُّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقَالَ يَا أُمَّ سَلَمَةَ هَلْ عِنْدَكُمْ شَيْءٌ أَطْعَمُهُ فَقَالَتْ نَعَمْ قَالَتْ لِلْخَادِمِ اذْهَبِي فَأْتِي رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بِذَلِكَ اللَّحْمِ فَذَهَبَتْ فَلَمْ تَجِدْ فِي الْكُوَّةِ إِلَّا قِطْعَةَ مَرْوَةٍ فَقَالَ النَّبِيُّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَإِنَّ ذَلِكَ اللَّحْمَ عَادَ مَرْوَةً لِمَا لَمْ تُعْطُوهُ السَّائِلَ. (رواه البيهقي في دلائل النبوة)

حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے ایک مولیٰ بیان کرتے ہیں کہ حضرت ام سلمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے گھر گوشت کا ایک ٹکڑا کہیں سے بطور ہدیہ آیا چونکہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو گوشت مرغوب تھا اس لیے انہوں نے گھر کی خادمہ سے کہا اس کو حفاظت سے رکھ چھوڑو شاید آپ صلی اللہ علیہ وسلم تشریف لائیں اور اس کو تناول فرمائیں۔ خادمہ نے گوشت کا وہ ٹکڑا اٹھا کر ایک طاق میں رکھ دیا۔ اتفاق سے ایک سائل آ نکلا اور دروازہ پر آ کر اس نے یہ صدا دی "کچھ صدقہ دو اللہ تم کو برکت عطا فرمائے" عرب کے دستور کے مطابق جواب ملا اللہ تعالیٰ تم کو بھی برکت عطا فرمائے۔ (جب کسی وجہ سے فقیر کو نہ دینا ہو تو یہ کلمہ کہہ دیا جاتا ہے) یہ سن کر سائل واپس چلا گیا۔ جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم گھر میں تشریف لائے تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے پوچھا ام سلمہ! تمہارے پاس

کھانے کے لیے کچھ ہوگا انہوں نے عرض کی جی ہاں اور خادمہ کو حکم دیا کہ قورا جائے اور وہ گوشت لاکر آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں پیش کرے وہ گوشت لینے گئی کیا دیکھتی ہے کہ وہاں تو ایک پتھر کے ٹکڑے کے سوا اور کچھ نہ تھا جب یہ ماجرا آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے بیان کیا گیا تو آپ نے فرمایا وہ گوشت پتھر کا ٹکڑا بن گیا کیونکہ تم نے اس سائل کو نہیں دیا تھا۔ (بیہقی)

تشریح: گوشت کا یہ ٹکڑا کس کی نیت سے رکھا گیا تھا؟ مگر اللہ کی راہ میں ایک محتاج کو نہ دینے کا نتیجہ آپ نے دیکھا ایسے معجزہ کے لیے ایسا ہی گھر مناسب تھا جہاں خدا تعالیٰ کی وحی اترا کرتی ہو۔ اب فرمایئے کہ گوشت کے پتھر بن جانے کا کیا فلسفہ سوچا جائے۔ سوائے اس کے کہ جو قطرہ آب کو انسان ناطق بنا سکتا ہے وہ گوشت کے پتھر بنادینے پر بھی قادر ہے اور بنادیا۔ "فتبارک اللہ احسن الخالقین" اگر اس قسم کے واقعات کا نزول وحی اور بیت نبوت میں ہی ظہور نہ ہوتا رہتا تو بوے کیا صرف بیان سے اس قدرت مطلقہ کا اس بدیہی طور پر کسی کو یقین حاصل ہو سکتا۔ آج تو علوم عقلیہ اور نقلیہ کے ذخیرے سب موجود ہیں مگر سوچئے وہ کیا نہیں رہا جس کے ہونے سے ایک بدو کو بھی اس بداہت کا یقین حاصل ہو جاتا۔ جی ہاں قدرت کے وہ مظاہر جو ہر وقت آنکھوں کے سامنے ہر کس و ناکس کو اس پر یقین دلانے کے لیے مجبور کرتے تھے صرف ان کا مشاہدہ ہی آج آنکھوں سے غائب ہے اور بس۔

اگر تو خاموش رہتا تو دست پر دست دیئے چلا جاتا

عَنْ اَبِيْ عُبَيْدٍ قَالَ طَبَخْتُ لِلنَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قِدْرًا وَكَانَ يُعْجِبُهُ الذِّرَاعُ فَنَاوَلْتُهُ الذِّرَاعَ ثُمَّ قَالَ نَاوِلْنِي الذِّرَاعَ فَنَاوَلْتُهُ ثُمَّ قَالَ نَاوِلْنِي الذِّرَاعَ فَقُلْتُ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ وَكَمْ لِلشَّاةِ مِنْ ذِرَاعٍ فَقَالَ وَالَّذِيْ نَفْسِيْ بِيَدِهٖ لَوْ سَكَتَّ لَنَاوَلْتَنِي الذِّرَاعَ مَا دَعَوْتُ. (رواہ الترمذی فی الشمائل)

ابو عبید رضی اللہ تعالیٰ عنہ کہتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے سالن کی ایک ہنڈی پکائی چونکہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو دست کا گوشت مرغوب تھا اس لیے میں نے پہلے دست ہی آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں پیش کیا۔ اس کے بعد آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے دوسرا دست طلب فرمایا میں نے دوسرا دست بھی پیش کر دیا اس کے بعد جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے تیسرا دست طلب کیا تو میں نے یا ادب عرض کی یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! بکری کے کل دو دست ہوتے ہیں آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اس ذات کی قسم جس کے قبضہ میں میری جان ہے اگر تم خاموشی کے ساتھ دیتے رہتے تو جب تک میں تم سے مانگتا رہتا تم مجھ کو دست پر دست دیتے ہی رہتے۔ (رواہ الترمذی)

تشریح: ایک طرف یہ صورت اعجاز دیکھئے کہ جب تک آپ صلی اللہ علیہ وسلم دست طلب فرماتے رہتے قدرت کی جانب سے خلاف عادت کا ظہور ہوتا رہتا اور یہ حساب ہی رکھا رہتا کہ بکری کے کتنے دست ہوتے ہیں۔ یہ سب ہی جانتے ہیں کہ دو ہی دست ہوتے ہیں مگر یہ رسول ہی جانتے ہیں کہ ان کے فرمان پر اگر ٹوکا نہ جائے تو قدرت کاملہ ان کے ذریعے دست پر دست دے دے کر ان کے لیے یہ جدید کرشمہ بھی دکھا سکتی ہے۔ دوسری طرف یہ بات بھی عجیب ہے کہ ایک موقع پر نہیں بہت سے مواقع پر جب عالم غیب کی کوئی بات مخفی رکھنا منظور ہوتی ہے تو پھر خود بخود قدرتی طور پر وہاں اس کے ظہور کے خلاف اسباب بھی رونما ہو جاتے ہیں۔ اب دیکھئے کہ کس طرح یہاں اس مخلص صحابی کے منہ سے ایک ایسا کلمہ نکل گیا جو اس محیر العقول برکت کے ظہور سے مانع ہو گیا۔ اگر ایسا نہ ہوتا تو کیا اس صادق و مصدوق فداہ ابی و امی کے خلاف ہونا ممکن تھا۔ صلوات اللہ وسلامہ علیہ۔

اگر ایسا ظاہر بھی ہو جاتا تو وہ ان معجزات سے کچھ زیادہ عجیب تر نہ ہوتا جو صحیحین شمائل و دلائل النبوۃ وغیرہ میں ثابت ہوئے ہیں۔ مثلاً چند لوگوں کا کھانا سینکڑوں کو کافی ہو جاتا تو پھر اس سے کم درجے کے معجزات کے لیے سوء ظن لگانے کا فائدہ کیا۔ اس کے نظائر ان ہی اوراق میں آپ کی نظروں سے گزرنے والے ہیں ان شاء اللہ تعالیٰ۔ جیسے حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے کھجوروں کا قصہ اور جیسے ایک مقدس بی بی کی چکی کا واقعہ وغیرہ وغیرہ۔

(نوٹ) اس حدیث سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے فرمانے پر کسی کے ٹوک دینے کا نتیجہ تو آپ نے دیکھ ہی لیا لیکن آج تک بھی امت میں متشرع اشخاص نے برکات والی چیز ٹوکنے کا طریقہ چھوڑ دیا ہے اور ان کا یہ فعل شاید اسی قسم کی حدیثوں کے ماتحت ہوگا۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا کھانے اور پینے کی اشیاء میں برکت کا معجزہ

عَنْ عَائِشَةَ قَالَتْ لَقَدْ تُوُفِّيَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَمَا فِيْ رَفِّيْ مِنْ شَيْءٍ يَأْكُلُهُ ذُوْ كَبِدٍ إِلَّا شَطْرُ شَعِيْرٍ فِيْ رَفٍّ لِيْ فَأَكَلْتُ مِنْهُ حَتّٰى طَالَ عَلَيَّ فَكِلْتُهُ فَفَنِيَ. (رواہ البخاری)

حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا فرماتی ہیں کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا انتقال اس حال میں ہوا کہ میرے پیالے اور الماری میں کوئی ایسی چیز نہ تھی جسے کوئی جاندار کھا سکے بس صرف تھوڑے سے جو رکھے ہوئے تھے تو میں اس میں سے کھاتی رہی یہاں تک کہ مدت گزر گئی بس میں نے ایک دن انہیں ناپ لیا بس اسی دن سے وہ برکت ختم ہو گئی۔ (بخاری)

تشریح: ہم پہلے تنبیہ کر چکے ہیں کہ برکت کی چیز کو ناپنا یا تولنا یہ جانچنے کا انداز ہوگا۔ یہ اس برکت کو ختم کر دیتا ہے کیونکہ جب تک اس کو نہ ناپا تھا روزمرہ کے خرچ سے اس میں کمی و بیشی کا اندازہ نہ ہو سکتا تھا۔ اب جب ناپ لیا تو وہ بھی برکت فنا کیوں نہ ہو جاتی۔ عالم غیب کی دنیا میں ٹوہ لگانا اچھی نہیں ہوتی جس غیب کو غیب ہی رہنے دینا چاہیے ہم اس جگہ ایک اہم تنبیہ کرتے ہیں کہ سنت اللہ یہ ہے کہ فانی دنیا میں وہ کسی کا باقی رہنا پسند نہیں کرتی اس لیے اس کے فنا کی صورتیں غیب سے ظاہر ہو کر اس کو فنا کر ڈالتی ہیں۔ اگرچہ وہ اپنے اعمال سے ہوتی ہیں مگر سنت الٰہیہ یہی ٹھہر چکی ہے۔ سب احادیث میں آپ اس کی رعایت رکھئے کہ احادیث کی تشریحات میں ہر ہر جگہ ہم اس کا اعادہ نہیں کریں گے۔ اگر آپ قسمت والے ہیں تو اس علمی نکتہ سے اپنے گھروں میں عملی فائدہ بھی اٹھا سکتے ہیں۔ یہ صرف کتاب تک محدود شے نہیں بلکہ آپ کے گھروں کے اندر ایک بڑی برکت کا باعث بھی ہو اور اس بحث کو رہنے دیجئے کہ تھوڑی چیز بہت کیسے ہو سکتی ہے اور آسمان کی طرف نظریں اٹھائے رکھئے اور ان میں مخفی برکات کا انتظار کیجئے۔ ومن لم یجعل اللہ لہ نوراً فما لہ من نور

عَنْ جَابِرِ بْنِ عَبْدِ اللّٰهِ أَنَّ أَبَاهُ اسْتُشْهِدَ وَتَرَكَ دَيْنًا وَتَرَكَ سِتَّ بَنَاتٍ فَلَمَّا حَضَرَ جِدَادُ النَّخْلِ قَالَ أَتَيْتُ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقُلْتُ قَدْ عَلِمْتَ أَنَّ وَالِدِيْ قَدِ اسْتُشْهِدَ يَوْمَ أُحُدٍ وَتَرَكَ دَيْنًا كَثِيْرًا وَإِنِّيْ أُحِبُّ أَنْ يَّرَاكَ الْغُرَمَاءُ قَالَ اذْهَبْ فَبَيْدِرْ كُلَّ تَمْرٍ عَلٰى نَاحِيَةٍ فَفَعَلْتُ ثُمَّ دَعَوْتُهُ فَلَمَّا نَظَرُوْا إِلَيْهِ كَأَنَّهُمْ أُغْرُوْا بِيْ تِلْكَ السَّاعَةَ فَلَمَّا رَأٰى مَا يَصْنَعُوْنَ أَطَافَ حَوْلَ أَعْظَمِهَا بَيْدَرًا ثَلَاثَ مَرَّاتٍ ثُمَّ جَلَسَ عَلَيْهِ ثُمَّ قَالَ ادْعُ لِيْ أَصْحَابَكَ فَمَا زَالَ يَكِيْلُ لَهُمْ حَتّٰى

أَدَّى اللّٰهُ عَنْ وَالِدِيْ أَمَانَتَهُ وَأَنَا أَرْضٰى أَنْ يُؤَدِّيَ اللّٰهُ عَنْ وَالِدِيْ أَمَانَتَهُ وَلَا أَرْجِعَ إِلٰى أَخَوَاتِيْ بِتَمْرَةٍ فَسَلَّمَ اللّٰهُ الْبَيَادِرَ كُلَّهَا حَتّٰى أَنِّيْ لَأَنْظُرُ إِلَى الْبَيْدَرِ الَّذِيْ كَانَ عَلَيْهِ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كَأَنَّهَا لَمْ تَنْقُصْ تَمْرَةً وَاحِدَةً رَوَاهُ الْبُخَارِيُّ. وَفِيْ رِوَايَةٍ أَنَّ أَبَاهُ تَرَكَ عَلَيْهِ ثَلَاثِيْنَ وَسْقًا لِرَجُلٍ مِنَ الْيَهُوْدِ فَاسْتَنْظَرَهُ جَابِرٌ فَأَبٰى أَنْ يُنْظِرَهُ فَكَلَّمَ جَابِرٌ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لِيَشْفَعَ لَهُ إِلَيْهِ فَجَاءَهُ وَكَلَّمَ الْيَهُوْدِيَّ لِيَأْخُذَ تَمْرَ نَخْلِهِ بِالَّذِيْ لَهُ فَأَبٰى فَدَخَلَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ النَّخْلَ فَمَشٰى فِيْهَا ثُمَّ قَالَ لِجَابِرٍ جُدَّ لَهُ فَأَوْفِ لَهُ فَجَدَّهُ بَعْدَ مَا رَاحَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ ثَلَاثِيْنَ وَسْقًا وَفَضَلَ لَهُ سَبْعَ عَشَرَةَ وَسْقًا فَجَاءَ جَابِرٌ لِيُخْبِرَهُ بِالَّذِيْ كَانَ فَوَجَدَهُ يُصَلِّي الْعَصْرَ فَلَمَّا انْصَرَفَ أَخْبَرَهُ بِالْفَضْلِ. فَقَالَ أَخْبِرْ بِذٰلِكَ ابْنَ الْخَطَّابِ فَذَهَبَ جَابِرٌ إِلٰى عُمَرَ فَأَخْبَرَهُ فَقَالَ عُمَرُ لَقَدْ عَلِمْتُ حِيْنَ مَشٰى فِيْهَا رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَيُبَارِكَنَّ فِيْهَا.

حضرت جابر بن عبداللہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کہتے ہیں کہ ان کے والد شہید ہو گئے اور ان پر کچھ قرض اور چھ بیٹیاں چھوڑ گئے تو جب کھجوریں توڑنے کا زمانہ آیا تو میں نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہو کر عرض کیا کہ آپ کو معلوم ہے کہ جنگ احد میں میرے والد شہید ہو گئے ان پر بہت قرض تھا میں یہ چاہتا تھا کہ آپ میرے کھجوروں کے ڈھیروں کے پاس چلیں اور قرض خواہ لوگ آپ کو دیکھ لیں (تو ممکن ہے کچھ نرمی کریں گے) تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جاؤ اور ہر قسم کی کھجوروں کے الگ الگ ڈھیر لگاؤ جب قرض خواہوں نے ان ڈھیروں کو (یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو) دیکھا تو اس وقت یکبارگی میرے خلاف وہ لوگ بہت مشتعل ہو گئے۔ جب حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ ماجرا دیکھا کہ وہ لوگ کیا کر رہے ہیں تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم ان میں سے سب سے بڑے ڈھیر کے گرد تین بار گھومے پھر اسی پر بیٹھ گئے پھر مجھ سے فرمایا جاؤ اپنے قرض خواہوں کو میرے پاس بلا لاؤ۔ اس کے بعد حضور صلی اللہ علیہ وسلم ان کو ناپ ناپ کر دیتے رہے یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ نے میرے والد پر جو قرض امانت تھی وہ سب ادا کرادی اور میں تو اس پر بھی راضی تھا کہ اللہ تعالیٰ بس میرے والد پر جو قرض ہے وہی ادا کر دے خواہ میں اپنی بہنوں کے پاس ایک کھجور بھی بچا کر نہ لے جا سکوں تو کچھ پرواہ نہیں لیکن آپ کی برکت سے اللہ تعالیٰ نے وہ سب کے سب ڈھیر بالکل بچا دیئے اور جس ڈھیر پر حضور صلی اللہ علیہ وسلم بیٹھے تھے اس کو تو میں نے یہ دیکھا کہ گویا اس میں سے ایک کھجور بھی کم نہیں ہوئی ہے۔ (بخاری)

تشریح: اور دوسری روایت میں ہے کہ ان کے والد پر تیس (۳۰) وسق کھجوریں ایک یہودی کی قرض تھیں تو جابر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے چاہا کہ اس قرض خواہ سے کچھ مہلت لے لیں مگر اس نے مہلت دینے سے انکار کر دیا تب جابر حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس یہ کہنے آئے کہ ذرا اس یہودی سے آپ کچھ مہلت دینے کی سفارش کر دیں تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم اس یہودی کے پاس گئے اور اس سے کہا کہ جتنا تمہارا قرضہ ہے اس کے عوض تم ایک درخت کی کھجوریں لے لو تو اس نے منظور نہیں کیا اس پر آپ صلی اللہ علیہ وسلم ان کے کھجوروں کے باغ میں تشریف لے گئے اور کچھ ٹہلے اس کے بعد آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے جابر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے فرمایا کہ کھجوریں لے کر اس کا پورا قرض ادا کر دو پھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم واپس چلے گئے تب جابر رضی اللہ تعالیٰ عنہ

نے اس کو ناپ کر تیس وسق کھجوریں دے دیں اس کے بعد بھی ان کے پاس سترہ (۱۷) وسق کھجوریں بچ رہیں تو حضرت جابر رضی اللہ تعالیٰ عنہ اس ماجرے کی خبر دینے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آئے تو دیکھا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم عصر کی نماز پڑھ رہے ہیں۔ جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم نماز سے فارغ ہو گئے تو حضرت جابر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو کھجوروں کے بچ جانے کی خبر دی تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جاؤ اس کی اطلاع عمر ابن خطاب کو بھی کر دو۔ جابر حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے پاس آئے حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ بولے کہ جب حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اس باغ میں چہل قدمی فرمائی تھی میں اسی وقت سمجھ گیا تھا کہ حق تعالیٰ اس میں ضرور بالضرور برکت دے کر رہیں گے۔

آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی چہل قدمی سے اس برکت کا ظہور کسی سائنسی ضابطے کے تحت نہیں آ سکتا اس سے چند معجزات کی حقیقت کو مسخ کر کے ان کو مادی ضوابط کے تحت بنانے کی سعی کرنا نقش بر آب ہے۔

عَنْ جَابِرٍ أَنَّ أُمَّ مَالِكٍ كَانَتْ تُهْدِي لِلنَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فِي عُكَّةٍ لَهَا سَمْنًا فَيَأْتِيهَا بَنُوهَا فَيَسْأَلُونَ الْأُدْمَ وَلَيْسَ عِنْدَهُمْ شَيْءٌ فَتَعْمِدُ إِلَى الَّذِي كَانَتْ تُهْدِي فِيهِ لِلنَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَتَجِدُ فِيهِ سَمْنًا قَالَ فَمَازَالَ يُقِيمُ لَهَا أُدْمَ بَيْتِهَا حَتَّى عَصَرَتْهُ فَأَتَتِ النَّبِيَّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقَالَ عَصَرْتِيهَا؟ فَقَالَتْ نَعَمْ قَالَ لَوْ تَرَكْتِيهَا مَازَالَ قَائِمًا۔ (رواہ مسلم)

حضرت جابر رضی اللہ تعالیٰ عنہ راوی ہیں کہ ام مالک رضی اللہ تعالیٰ عنہا کا دستور تھا کہ ایک کپی میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس گھی ہدیۃً بھیجا کرتی تھیں۔ پھر جب ان کے پاس ان کے لڑکے آتے اور کچھ سالن مانگتے اور ان کے یہاں سالن کے قسم کی اور کوئی چیز نہ ہوتی تو وہی بی بی ام مالکؓ اس کپی کی طرف بڑھتیں جس میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس گھی ہدیہ بھیجا کرتی تھیں تو برابر اس میں گھی پاتیں۔ راوی کہتے ہیں کہ عرصے تک برابر وہ کپی ان کے لیے سالن مہیا کر دیا کرتی تھی۔ بس ایک دن انہوں نے اس کپی کو اچھی طرح نچوڑ کر پونچھ پانچھ لیا اور اس کے بعد حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آئیں (اور نچوڑنے کا ذکر کیا) تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ارے کیا تم نے اسے نچوڑ کر صاف کر دیا؟ کہنے لگیں جی ہاں فرمایا کہ اگر تم اسے ویسے ہی رہنے دیتیں تو وہ برکت برابر قائم و باقی رہتی۔ (مسلم شریف)

تشریح: دیکھیے وہی بات۔ دیکھئے کہ یہاں برکت کی فنا کے سبب ان کا عصر یعنی کپی کو نچوڑنا برکت ختم ہونے کا باعث بن گیا اور پہلی حدیث میں حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کا جَو کا ناپ لینا ان کے ختم ہونے کا سبب بنا اور اس سے بہت پہلی حدیث میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی طلب پر ایک صحابی کا یہ کہنا کہ بکری کے دو ہی دست ہوتے ہیں نامبارک ٹھہرا۔

عَنْ جَابِرٍ أَيْضًا قَالَ جَاءَ رَجُلٌ إِلَى النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَسْتَطْعِمُهُ فَأَطْعَمَهُ شَطْرَ وَسْقِ شَعِيرٍ فَمَا زَالَ الرَّجُلُ يَأْكُلُ مِنْهُ وَامْرَأَتُهُ وَضَيْفُهُمَا حَتَّى كَالَهُ فَأَتَى النَّبِيَّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقَالَ لَوْ لَمْ تَكِلْهُ لَأَكَلْتُمْ مِنْهُ وَلَقَامَ لَكُمْ۔ (رواہ مسلم)

حضرت جابر رضی اللہ تعالیٰ عنہ ہی اس کے بھی راوی ہیں کہ ایک آدمی حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آیا اور کھانے کو کچھ مانگا آپ

صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کو تھوڑے سے جو مرحمت فرما دیئے تو عرصے تک وہ آدمی اور اس کی بیوی اور ان دونوں کے آئے گئے مہمان اسی میں سے کھاتے رہے یہاں تک کہ ایک دن اس نے وہ ناپ ڈالے اس کے بعد حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کاش! تم نے اسے نا پا ہوتا تو تم برابر اس میں سے کھاتے رہتے اور وہ اسی طرح باقی رہتا۔ (مسلم شریف)

عَنْ اَنَسِ بْنِ مَالِکٍ قَالَ تَزَوَّجَ النَّبِیُّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ فَدَخَلَ بِاَھْلِہٖ قَالَ فَصَنَعَتْ اُمُّ سُلَیْمٍ حَیْسًا فَجَعَلَتْہُ فِیْ تَوْرٍ مِّنْ حِجَارَۃٍ فَقَالَتْ یَا اَنَسُ اِذْھَبْ بِھٰذَا اِلٰی رَسُوْلِ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ فَقُلْ بَعَثَتْ بِھٰذَا اِلَیْکَ اُمِّیْ وَھِیَ تُقْرِئُکَ السَّلَامَ وَتَقُوْلُ اِنَّ ھٰذَا لَکَ مِنَّا قَلِیْلٌ. فَقَالَ ضَعْہُ ثُمَّ قَالَ اِذْھَبْ فَادْعُ فُلَانًا وَّ فُلَانًا وَمَنْ لَقِیْتَ وَسَمّٰی رِجَالًا قَالَ فَدَعَوْتُ مَنْ سَمّٰی وَمَنْ لَقِیْتُ قَالَ الْجَعْدُ وَھُوَ الرَّاوِیْ عَنْ اَنَسٍ عَدَدُکُمْ کَانُوْا؟ قَالَ کَانُوْا زُھَاءَ ثَلَاثِ مِائَۃٍ وَقَالَ لِیْ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ یَا اَنَسُ ھَاتِ التَّوْرَ قَالَ فَدَخَلُوْا حَتّٰی امْتَلَأَتِ الصُّفَّۃُ وَالْحُجْرَۃُ فَقَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ لِیَتَحَلَّقْ عَشَرَۃٌ عَشَرَۃٌ وَّلْیَاْکُلْ کُلُّ اِنْسَانٍ مِّمَّا یَلِیْہِ قَالَ فَاَکَلُوْا حَتّٰی شَبِعُوْا قَالَ فَخَرَجَتْ طَائِفَۃٌ وَّدَخَلَتْ طَائِفَۃٌ حَتّٰی اَکَلُوْا کُلُّھُمْ فَقَالَ یَا اَنَسُ ارْفَعْ فَرَفَعْتُ فَمَا اَدْرِیْ حِیْنَ وَضَعْتُ کَانَ اَکْثَرَ اَمْ حِیْنَ رَفَعْتُ قَالَ وَجَلَسَ طَوَائِفُ مِنْھُمْ یَتَحَدَّثُوْنَ وَذَکَرُوْا نُزُوْلَ اٰیَۃِ الْحِجَابِ. (رواہ مسلم)

انس بن مالک رضی اللہ تعالیٰ عنہ کہتے ہیں کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی شادی فرمائی اور اپنی زوجہ مطہرہ کے ساتھ شب باشی فرمائی تو ام سلیم نے حریرہ پکا کر اسے پتھر کے ایک برتن میں رکھ دیا اور کہا کہ اے انس! اسے لے کر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس جاؤ (تو وہ اسے لے کر حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آئے) اور کہا کہ میری والدہ نے آپ کو سلام کہا ہے اور آپ کی خدمت میں یہ ہدیہ بھیجا ہے اور کہا ہے کہ یہ ہماری طرف سے آپ کی خدمت میں ایک حقیر ہدیہ ہے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اچھا اسے رکھ دو اور جاؤ فلاں اور فلاں اور فلاں کو بلا لاؤ اور بھی چند آدمیوں کا نام لیا اور فرمایا کہ جو شخص تمہیں ملے اسے بھی بلا لاؤ۔ راوی کہتے ہیں کہ جس جس کا نام حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے لیا تھا ان کو اور جو جو مجھے ملا ان کو بھی میں بلا لایا۔ ابو جعد (راوی کا نام ہے) نے حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے پوچھا کہ ان سب کی تعداد کل کتنی ہوگی؟ تو انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے کہا کہ وہ سب کچھ اوپر تین سو آدمی تھے۔ پھر مجھ سے حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اے انس! وہ برتن تو لاؤ۔ پھر وہ مہمان آنا شروع ہوئے تو یہاں تک کہ صفہ اور حجرہ شریف سب بھر گیا۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا دس دس آدمی حلقہ بنا بنا کر بیٹھیں اور ہر شخص اپنے سامنے ہی سے لے کر کھائے۔ راوی کہتے ہیں کہ ان سبھوں نے کھایا اور پیٹ بھر کر کھایا۔ اس طرح ایک ٹولی کھا کر نکلتی اور دوسری ٹولی اندر جاتی یہاں تک کہ سبھوں نے کھا لیا تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اے انس! اب اسے اٹھاؤ تو انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ کہتے ہیں کہ مجھے کچھ پتا نہیں چلا کہ جب میں نے وہ پیالہ لا کر رکھا تھا جب زیادہ تھا یا جب اس کو اٹھایا (یعنی جوں کا توں رہا) حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ کہتے ہیں کہ یہ اسی موقع کا واقعہ ہے کہ ان میں سے کچھ لوگ حضور کے گھر ہی میں بیٹھ گئے اور ادھر ادھر کی باتیں کرنے لگے اور آیت حجاب کا نزول اسی موقع پر بیان کیا گیا ہے۔ (رواہ مسلم)

عَنْ سَمُرَةَ بْنِ جُنْدُبٍ قَالَ كُنَّا مَعَ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ نَتَدَاوَلُ مِنْ قَصْعَةٍ مِنْ غُدْوَةٍ حَتَّى اللَّيْلِ يَقُوْمُ عَشَرَةٌ وَيَقْعُدُ عَشَرَةٌ قُلْنَا فَمَا كَانَتْ تُمَدُّ قَالَ فَمِنْ اَيِّ شَيْءٍ تَعْجَبُ مَا كَانَتْ تُمَدُّ اِلَّا مِنْ هٰهُنَا وَاَشَارَ بِيَدِهِ اِلَى السَّمَاءِ. (رواہ الترمذی والدارمی)

سمرہ بن جندب رضی اللہ تعالیٰ عنہ روایت کرتے ہیں کہ ہم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں تھے اور صبح و شام ایک ہی پیالہ میں سے کھانا کھاتے رہے اور ہم (ایک مرتبہ میں) اس پر دس آدمی بیٹھتے ان کے بعد پھر اور دس آدمی اس پر بیٹھ جاتے تو ہم نے پوچھا کہ یہ برکت اس میں ہوتی کہاں سے تھی؟ اس پر جواب ملا کہ تم کو تعجب کس بات پر ہے یہ برکت اور کہاں سے آتی یہ کہہ کر آسمان کی طرف اشارہ فرمایا (یعنی آسمان سے آتی تھی)۔

عَنْ جَابِرٍ قَالَ لَمَّا حُفِرَ الْخَنْدَقُ رَأَيْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ خَمَصًا فَانْكَفَأْتُ اِلَى امْرَأَتِي فَقُلْتُ لَهَا هَلْ عِنْدَكِ شَيْءٌ فَاِنِّي رَأَيْتُ . . . رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ خَمَصًا شَدِيْدًا فَاَخْرَجَتْ لِي جِرَابًا فِيْهِ صَاعٌ مِنْ شَعِيْرٍ وَلَنَا بُهَيْمَةٌ دَاجِنٌ قَالَ فَذَبَحْتُهَا وَطَحَنَتْ فَفَرَغَتْ اِلَى فَرَاغِي فَقَطَّعْتُهَا فِي بُرْمَتِهَا ثُمَّ وَلَّيْتُ اِلَى رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقَالَتْ لَا تَفْضَحْنِي بِرَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَمَنْ مَعَهُ قَالَ فَجِئْتُ فَسَارَرْتُهُ فَقُلْتُ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ اِنَّا ذَبَحْنَا بُهَيْمَةً لَنَا وَطَحَنْتُ صَاعًا مِنْ شَعِيْرٍ عِنْدَنَا فَتَعَالَ اَنْتَ وَنَفَرٌ مَعَكَ فَصَاحَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَقَالَ يَا اَهْلَ الْخَنْدَقِ اِنَّ جَابِرًا قَدْ صَنَعَ سُوْرًا فَحَيَّ هَلًا بِكُمْ وَقَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَا تُنْزِلُنَّ بُرْمَتَكُمْ وَلَا تَخْبِزُنَّ عَجِيْنَكُمْ حَتَّى اَجِيْءَ فَجِئْتُ وَجَاءَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقْدُمُ النَّاسَ حَتَّى جِئْتُ امْرَأَتِي فَقَالَتْ بِكَ وَبِكَ قَالَ قَدْ فَعَلْتُ الَّذِي قُلْتِ لِي فَاَخْرَجَتْ لَهُ عَجِيْنًا فَبَصَقَ فِيْهِ وَبَارَكَ ثُمَّ عَمَدَ اِلَى بُرْمَتِنَا فَبَصَقَ فِيْهَا وَبَارَكَ ثُمَّ قَالَ اُدْعِي لِي خَابِزَةً فَلْتَخْبِزْ مَعَكِ وَاقْدَحِي مِنْ بُرْمَتِكُمْ وَلَا تُنْزِلُوْهَا وَهُمْ اَلْفٌ فَاُقْسِمُ بِاللّٰهِ لَاَكَلُوْا حَتَّى تَرَكُوْهُ وَانْحَرَفُوْا وَاِنَّ بُرْمَتَنَا لَتَغِطُّ كَمَا هِيَ وَاِنَّ عَجِيْنَنَا لَيُخْبَزُ كَمَا هُوَ. (رواه الشيخان) وفي رواية قال جابر انا يوم الخندق نحفر فعرضت كُدية شديدة فجاؤا الى رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فقالوا هذه كدية عرضت فقال انا نازل فقام وبطنه معصوب بحجر ولبثنا ثلاثا لا نذوق ذواقا فاخذ النبيُّ صلى الله عليه وسلم المعول فضرب فعاد كثيبا اهيل فقلت يا رسول الله ائذن لي الى البيت فقلت لامرأتي اني رأيت من رسول الله صلى الله عليه وسلم شيئا ما في ذلك صبر. قالت عندي شعيرٌ وعناقٌ فذبحت العناق وطحنت الشعير حتى جعلنا اللحم في البُرْمَة ثم جئت الى رسول الله صلى الله عليه وسلم والعجين قد انكسر والبُرْمَة بين الاثافي قد كادت ان تنضج فقلت طُعَيِّمٌ لي فَقُمْ انت يا رسول الله ورجل او رجلان.

قال کم ھو فذکرت لہ فقال کثیرٌ طیبٌ قال قل لھا لا تنزع البرمۃ ولا الخبز من التنور حتی آتی فقال قوموا فقام المھاجرون والانصار فلما دخل علی امرأتہ قالت ویحک جاء النبی صلی اللہ علیہ وسلم بالمھاجرین والانصار ومن معھم قالت ھل سألک قلت نعم فقال ادخلوا ولا تضاغطوا فجعل یکسر الخبز ویجعل علیہ اللحم ویخمر البرمۃ والتنور اذا اخذ منہ ویقرّب الی اصحابہ ثم ینزع فلم یزل یکسر ویغرف حتّٰی شبعوا وبقی بقیۃ قال کلی ھذا واھدی فان الناس اصابتھم مجاعۃٌ.

جابر رضی اللہ تعالیٰ عنہ بیان کرتے ہیں کہ جب (جنگ کے لیے مدینہ کے ارد گرد) خندق کھودی جا رہی تھی تو میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو بھوکا دیکھا میں فوراً لوٹ کر اپنی بی بی کے پاس آیا اور میں نے کہا تمہارے یہاں کھانے کے لیے کچھ ہے کیونکہ میں نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم پر شدید بھوک کا اثر دیکھا ہے؟ اس نے ایک تھیلا نکالا اس میں ایک صاع جَو ہوں گے اور ہمارے یہاں گھر کا پلا ہوا بکری کا بچہ تھا۔ بس میں نے تو اس کو ذبح کیا اور بی بی نے جَو پیسے۔ اُدھر وہ آٹا پیس کر فارغ ہوئی اور اِدھر میں گوشت بنا کر فارغ ہو گیا اور میں نے اس کی بوٹیاں بنا کر ہانڈی میں ڈال دیں اور گھر سے واپس ہو کر آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضری کا ارادہ کیا۔ بی بی نے کہا دیکھنا (ذرا سا کھانا ہے) ہم کو آپ کے اور آپ کے ہمراہیوں میں کہیں شرمندہ نہ کرنا۔ یہ کہتے ہیں میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا اور میں نے چپکے سے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے کان میں کہا یا رسول اللہ! (صلی اللہ علیہ وسلم) ہم نے ایک چھوٹا سا بکری کا بچہ ذبح کیا ہے اور بی بی نے ایک صاع جَو کا آٹا پیسا ہے۔ پس آپ صلی اللہ علیہ وسلم اور چند لوگ آپ کے ساتھ تشریف لے آئیں۔ یہ سن کر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے عام اعلان فرما دیا کہ جابر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے تم سب کی دعوت کی ہے لہٰذا تم سب جلدی سے چلو اور آپ نے فرمایا جب تک میں نہ آؤں اپنی گوشت کی ہانڈی چولھے پر سے نہ اتارنا اور نہ آٹے کی روٹی پکانا میں گھر آیا اور لوگوں کے آگے آگے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تشریف لا رہے تھے میں بی بی کے پاس آیا (اور سب ماجرا کہا) اس نے کہا خدا تمہارا بھلا کرے میں نے کہا کہ میں نے تمہارے کہنے کے مطابق خاموشی کے ساتھ ہی آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو اطلاع دی تھی (لیکن میں کیا کروں کہ اب سب آ گئے) میں نے آٹا نکال کر آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے پیش کر دیا آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس میں اپنا لعاب دہن ڈالا اور برکت کے لیے دعا فرمائی اس کے بعد ہماری ہانڈی کے پاس آئے اور اس میں بھی لعاب دہن ڈالا اور برکت کے لیے دعا فرمائی پھر فرمایا اب ایک عورت بلا لاؤ جو تمہارے ساتھ روٹیاں پکاتی رہے اور اپنی ہانڈی سے گوشت نکال نکال کر دیتی رہو مگر دیکھنا ہانڈی چولھے پر سے اتارنا مت۔ اس وقت کھانے والوں کی تعداد ایک ہزار تھی خدا کی قسم! سب نے وہ کھانا کھا لیا یہاں تک کہ سب لوگ کھا کر واپس ہو گئے اور کھانا باقی رہ گیا اور ہماری ہانڈی جیسی تھی ویسی کی ویسی ہی بھری ہوئی اور آٹا بھی اتنا کا اتنا ہی پڑا رہا۔ (بخاری)

عَنْ اَبِیْ ھُرَیْرَۃَ اَنَّہٗ کَانَ یَقُوْلُ وَاللّٰہِ الَّذِیْ لَا اِلٰہَ اِلَّا ھُوَ اِنْ کُنْتُ لَاَعْتَمِدُ بِکَبِدِیْ عَلَی الْاَرْضِ مِنَ الْجُوْعِ وَاِنْ کُنْتُ لَاَشُدُّ الْحَجَرَ عَلٰی بَطْنِیْ مِنَ الْجُوْعِ وَلَقَدْ قَعَدْتُ یَوْمًا عَلٰی طَرِیْقِھِمُ الَّذِیْ یَخْرُجُوْنَ مِنْہُ فَمَرَّ اَبُوْ بَکْرٍ فَسَاَلْتُہٗ عَنْ اٰیَۃٍ مِّنْ کِتَابِ اللّٰہِ مَا سَاَلْتُہٗ اِلَّا لِیَسْتَتْبِعَنِیْ

فَمَرَّ وَلَمْ يَفْعَلْ ثُمَّ مَرَّ بِي أَبُو الْقَاسِمِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَتَبَسَّمَ حِينَ رَآنِي وَعَرَفَ مَا فِي وَجْهِي وَمَا فِي نَفْسِي ثُمَّ قَالَ يَا أَبَا هِرٍّ قُلْتُ لَبَّيْكَ يَا رَسُولَ اللَّهِ. قَالَ الْحَقْ وَمَضَى فَاتَّبَعْتُهُ فَدَخَلَ فَاسْتَأْذَنَ فَأَذِنَ لِي فَدَخَلْتُ فَوَجَدَ لَبَنًا فِي قَدَحٍ فَقَالَ مِنْ أَيْنَ هَذَا اللَّبَنُ قَالُوا أَهْدَاهُ لَكَ فُلَانٌ أَوْ فُلَانَةُ. قَالَ يَا أَبَا هِرٍّ قُلْتُ لَبَّيْكَ يَا رَسُولَ اللَّهِ قَالَ الْحَقْ إِلَى أَهْلِ الصُّفَّةِ فَادْعُهُمْ لِي. قَالَ وَأَهْلُ الصُّفَّةِ أَضْيَافُ الْإِسْلَامِ لَا يَأْوُونَ إِلَى أَهْلٍ وَلَا إِلَى مَالٍ إِذَا أَتَتْهُ صَدَقَةٌ بَعَثَ بِهَا إِلَيْهِمْ وَلَمْ يَتَنَاوَلْ مِنْهَا شَيْئًا وَإِذَا أَتَتْهُ هَدِيَّةٌ أَرْسَلَ إِلَيْهِمْ وَأَصَابَ مِنْهَا وَأَشْرَكَهُمْ فِيهَا فَسَاءَنِي ذَلِكَ فَقُلْتُ وَمَا هَذَا اللَّبَنُ فِي أَهْلِ الصُّفَّةِ كُنْتُ أَحَقُّ أَنْ أُصِيبَ مِنْ هَذَا اللَّبَنِ شَرْبَةً أَتَقَوَّى بِهَا فَإِذَا جَاءُوا أَمَرَنِي فَكُنْتُ أَنَا أُعْطِيهِمْ وَمَا عَسَى أَنْ يَبْلُغَنِي مِنْ هَذَا اللَّبَنِ وَلَمْ يَكُنْ مِنْ طَاعَةِ اللَّهِ وَطَاعَةِ رَسُولِهِ بُدٌّ فَأَتَيْتُهُمْ فَدَعَوْتُهُمْ فَأَقْبَلُوا وَاسْتَأْذَنُوا فَأَذِنَ لَهُمْ وَأَخَذُوا مَجَالِسَهُمْ مِنَ الْبَيْتِ فَقَالَ أَبَا هِرٍّ. قُلْتُ لَبَّيْكَ يَا رَسُولَ اللَّهِ قَالَ خُذْ فَأَعْطِهِمْ فَأَخَذْتُ الْقَدَحَ فَجَعَلْتُ أُعْطِيهِ الرَّجُلَ فَيَشْرَبُ حَتَّى يَرْوَى ثُمَّ يَرُدُّ عَلَيَّ الْقَدَحَ حَتَّى انْتَهَيْتُ إِلَى النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَقَدْ رَوِيَ الْقَوْمُ كُلُّهُمْ فَأَخَذَ الْقَدَحَ فَوَضَعَهُ عَلَى يَدِهِ فَنَظَرَ إِلَيَّ فَتَبَسَّمَ فَقَالَ يَا أَبَا هِرٍّ قُلْتُ لَبَّيْكَ يَا رَسُولَ اللَّهِ قَالَ بَقِيتُ أَنَا وَأَنْتَ. قُلْتُ صَدَقْتَ يَا رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ اقْعُدْ فَاشْرَبْ فَقَعَدْتُ فَشَرِبْتُ فَمَا زَالَ يَقُولُ اشْرَبْ حَتَّى قُلْتُ لَا وَالَّذِي بَعَثَكَ بِالْحَقِّ مَا أَجِدُ لَهُ مَسْلَكًا. قَالَ فَأَرِنِي فَأَعْطَيْتُهُ الْقَدَحَ فَحَمِدَ اللَّهَ وَسَمَّى وَشَرِبَ الْفَضْلَةَ. (رواہ البخاری)

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرمایا کرتے تھے کہ قسم ہے اس ذات کی جس کے سوا کوئی معبود نہیں کہ (ایک وقت مجھ پر ایسا بھی گزرا ہے کہ) میں بھوک میں کبھی کبھی زمین سے اپنا کلیجہ لگایا کرتا تھا اور کبھی کبھی بھوک کے مارے اپنے پیٹ پر پتھر باندھ لیا کرتا تھا اور ایک دن تو میں اس راستے پر جا بیٹھا جس سے مسلمان گزرا کرتے تھے تو ابوبکر رضی اللہ تعالیٰ گزرے تو میں نے ان سے قرآن کی ایک آیت کا مطلب محض اس لیے پوچھا کہ شاید یہ میرا حال پوچھیں اور مجھ کو اپنے ساتھ لیجا کر کچھ کھانے کو دیں مگر وہ گزرتے ہوئے چلے گئے اور انہوں نے میری بات نہ پوچھی پھر حضرت ابوالقاسم صلی اللہ علیہ وسلم گزرے جب مجھے دیکھا تو مسکرائے اور میرے چہرے بلکہ میرے دل میں جو آثار اور خواہش تھی اسے پہچان گئے پھر فرمایا اے ابوہریرہ! میں نے کہا جی یا رسول اللہ! فرمایا آؤ میرے ساتھ چلو اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم چلے میں پیچھے پیچھے چلا آپ گھر میں چلے گئے پھر میں نے اجازت مانگی تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اندر آنے کی اجازت دی تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک پیالے میں کچھ دودھ رکھا ہوا پایا۔ آپ نے دریافت فرمایا یہ دودھ کہاں سے آیا؟ لوگوں نے کہا اسے فلاں مرد یا عورت نے (راوی کو اس میں شک ہے) آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس ہدیہ بھیجا ہے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے خوش ہو کر مجھ سے فرمایا: اے ابوہریرہ! میں نے کہا جی یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جاؤ اہل صفہ کے پاس اور ان کو میرے پاس بلا لاؤ۔ ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ

کہتے ہیں یہ اصحاب الصفہ صرف اسلامی مہمان تھے ان کا نہ کہیں گھر بار تھا نہ کوئی کاروبار تھا جب کبھی حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس کہیں سے کوئی صدقہ خیرات کا کھانا آتا تب تو آپ اسے سب کا سب انہی لوگوں کے پاس بھیج دیتے اور خود اس میں سے کچھ نہ لیتے اور جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس کچھ ہدیہ آتا تو آپ ان کے پاس بھی بھیجتے اور خود بھی اس میں سے کچھ تناول فرماتے اور اصحاب صفہ کو بھی اس میں شریک کر لیتے تو مجھ کو یہ حکم اصحاب صفہ کا بلوانا ذرا شاق گزرا اور میں نے دل میں سوچا کہ اصحاب صفہ کی تعداد تو بہت ہے یہ ایک پیالہ دودھ بھلا کیا کافی ہو سکے گا میں زیادہ مستحق تھا کہ اس دودھ سے اتنا پینے کو مل جاتا جس سے مجھ میں کچھ جان آ جاتی جب وہ لوگ آئے تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم مجھ ہی کو تقسیم کا حکم دیتے تھے میں ہی ان کو دیتا تھا اور امید نہ تھی کہ اس میں سے کچھ بچ کر مجھے بھی مل سکتا مگر کرتا کیا اللہ اور اس کے رسول کے حکم کو خوشی سے ماننے کے سوا کوئی اور چارہ کار نہ تھا۔ غرض میں اصحاب صفہ کے پاس آیا اور میں نے دعوت پہنچا دی تو وہ سب لوگ آ پہنچے اور انہوں نے اندر آنے کی اجازت طلب کی۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو اجازت دی اور وہ لوگ مکان میں آ کر اپنی اپنی جگہ بیٹھ گئے تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے محبت کے لہجہ میں فرمایا "اے ابو ہریرہ! میں نے کہا جی یا رسول اللہ! (صلی اللہ علیہ وسلم) فرمایا یہ لو اور ان کو تقسیم کر دو۔ میں نے وہ پیالہ لے کر ہر ایک آدمی کو باری باری دیا وہ پی لیتا اور جب وہ خوب سیر ہو لیتا تب وہ شخص پیالہ مجھے واپس کرتا یہاں تک کہ میں اسے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے لے کر پہنچا اور سب لوگ سیر ہو کر پی چکے تھے تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے وہ پیالہ لے کر اسے اپنے دست مبارک پر رکھا پھر میری طرف دیکھا اور مسکرائے اور فرمایا "اے ابو ہریرہ! میں نے عرض کیا جی یا رسول اللہ! (صلی اللہ علیہ وسلم) فرمایا تو اب میں اور تم ہی باقی رہ گئے ہیں۔ میں نے عرض کیا آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے سچ فرمایا رسول اللہ! (صلی اللہ علیہ وسلم) فرمایا بیٹھو اور پیو۔ میں بیٹھ گیا اور میں نے پیا۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم بار بار فرماتے جاتے اور پیو اور پیو آخر میں نے کہا کہ اس ذات پاک کی قسم جس نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو دین حق دے کر بھیجا اب میرے پیٹ میں ذرا بھی گنجائش نہیں۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اچھا تو لاؤ مجھے پلاؤ۔ میں نے وہ پیالہ حضور سرور کونین حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کو دیا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے خدا کی تعریف کی بسم اللہ پڑھی اور بقیہ دودھ خود پی لیا۔ (بخاری)

تشریح: اس حدیث میں اعجاز کی صورت تو بالکل نمایاں ہے مگر اس میں کچھ اسلامی آداب بھی موجود ہیں یعنی ضرورت کے وقت اپنے گھر بلا کر تہذیب کے ساتھ پہلے سب کی تواضع کرنی لوگوں کو مجبور کرنے کے بجائے اپنی اپنی جگہ مرتب بیٹھ جانا اس کے بعد ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا ان پر دور کرنا پھر خود ان کو دودھ پلانے کے لیے بیٹھنے کا امر فرمانا اور اپنی ضرورت کو سب سے آخر میں پورا کرنا۔ یہاں یہ شان بھی عجیب ہے کہ جس دودھ نے ابھی ابھی سب کو سیراب کیا تھا وہ آپ کے پی لینے پر ختم کیسے ہو گیا کیا اس کو بھی معجزہ قرار نہ دیا جائے کیا خوب بابرکت وہ ذات تھی جس نے قطرہ کو سمندر کر دیا اور پھر سمندر کو قطرہ بنا کر دکھا دیا۔ اللھم صل علی سیدنا محمد و بارک علیہ

عَنْ عَبْدِ الرَّحْمٰنِ بْنِ اَبِیْ بَکْرِ نِ الصِّدِّیْقِ قَالَ کُنَّا مَعَ رَسُوْلِ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ ثَلَاثِیْنَ

ثين ومائة فقال النبي صلى الله عليه وسلم هل مع أحد منكم طعام فإذا مع رجل صاع من طعام أو نحوه فعجن ثم جاء رجل مشعان الرأس ثائر الرأس طويل بغنم يسوقها فقال النبي صلى الله عليه وسلم أبيعا أم عطية أو قال هبة قال بل بيع فاشترى منه شاة فصنعت وأمر النبي صلى الله عليه وسلم بسواد البطن أن يشوى وايم الله ما في الثلاثين ومائة إلا قد حز له النبي صلى الله عليه وسلم حزة من سواد بطنها إن كان شاهدا أعطاه وإن كان غائبا خبأه له فجعل منها قصعتين فأكلوا أجمعون وشبعنا ففضلت القصعتان فحملناه على البعير أو كما قال. (رواہ مسلم)

حضرت عبدالرحمن بن ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہما کہتے ہیں کہ ہم ایک سو تیس آدمی حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ہمراہ تھے تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کسی کے پاس کھانے کی کوئی چیز بھی ہے؟ معلوم ہوا کہ ایک شخص کے پاس ایک صاع (ساڑھے تین سیر) آٹا ہے تو اس نے آٹا گوندھا۔ اتنے میں ایک شخص جس کے بال بکھرے ہوئے تھے اور کشیدہ قامت تھا کچھ بکریاں ساتھ لے کر آیا تو اس سے آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے دریافت کیا کہ قیمت سے دو گے یا عطیہ اور ہبہ کے طور پر دو گے؟ اس نے کہا نہیں بلکہ قیمت سے دوں گا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس سے ایک بکری خرید لی اور ذبح کی وہ بنائی گئی اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کے پیٹ کی کلیجی دل گردہ وغیرہ کو بھوننے کا حکم دیا اور خدا کی قسم! ایک سو تیس آدمیوں میں کوئی ایک شخص بھی نہیں بچا جس کو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کے کلیجی اور دل گردہ میں سے نہ دیا ہو اگر وہ موجود ہوتا تو اسے دے دیتے اور جو موجود نہ ہوتا اس کے لیے رکھ دیتے اور اس سے ایک پیالہ بھر کر رکھا تو سب لوگوں نے اس میں سے کھایا اور خوب شکم سیر ہو کر کھایا اس کے بعد دو پیالے بچ گئے اور ہم اسے اونٹ پر لاد کر لے گئے۔ (رواہ البخاری)

تشریح: یہ بھی ایک ادب اسلامی ہے کہ پہلے دریافت کیا جائے کہ کسی شخص کو بیچنا منظور ہے یا ہدیہ پیش کرنا اور بغیر رضا کے کسی بات کا اس پر جبر نہ کیا جائے۔ تعجب ہے کہ ایسے مثالی اخلاق اور دوسروں کو ادب سکھانے والے پر بعض مستشرقین نے لوٹ مار کا الزام لگاتے شرم نہیں کی۔ مال غنیمت کو لوٹ کا مال سمجھنا غنیمت کی حقیقت سے ناواقفی کا نتیجہ ہے اس بحث کو معجزات کے ضمن میں پھیلایا نہیں جا سکتا۔ مال غنیمت کا مال حلال ہونا خاص اسی امت کا طرۂ امتیاز ہے اور لوٹ کا حرام ہونا ابدی شریعت ہے پھر کیا یہ درکار ہو۔

عن أنس بن مالك قال قال أبو طلحة لأم سليم لقد سمعت صوت رسول الله صلى الله عليه وسلم ضعيفا أعرف فيه الجوع فهل عندك من شيء فقالت نعم فأخرجت أقراصا من شعير ثم أخذت خمارا لها فلفت الخبز ببعضه ثم دسته تحت ثوبي وردتني ببعضه ثم أرسلتني إلى رسول الله صلى الله عليه وسلم قال فذهبت به فوجدته جالسا في المسجد ومعه الناس فسلمت عليهم فقال رسول الله صلى الله عليه وسلم أرسلك أبو طلحة فقلت نعم قال بطعام قلت نعم فقال رسول الله صلى الله عليه وسلم لمن معه قوموا قال فانطلق وانطلقت معهم حتى جئت أبا طلحة فأخبرته فقال أبو طلحة يا أم سليم قد جاء رسول الله صلى الله عليه

وَسَلَّمَ بِالنَّاسِ وَلَيْسَ عِنْدَنَا مَا نُطْعِمُهُمْ فَقَالَتْ اَللّٰهُ وَرَسُوْلُهٗ اَعْلَمُ قَالَ فَانْطَلَقَ اَبُوْ طَلْحَةَ حَتّٰى لَقِيَ
رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَاَقْبَلَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَاَبُوْ طَلْحَةَ مَعَهٗ فَدَخَلَ
رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَقَالَ هَلُمِّيْ يَا اُمَّ سُلَيْمٍ مَا عِنْدَكِ فَاَتَتْ بِذَالِكَ الْخُبْزِ فَفُتَّ
وَعَصَرَتْ عَلَيْهِ اُمُّ سُلَيْمٍ عُكَّةً لَهَا فَاَدَمَتْهُ ثُمَّ قَالَ فِيْهِ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَاشَاءَ اللّٰهُ
اَنْ يَّقُوْلَ ثُمَّ قَالَ ائْذَنْ لِعَشَرَةٍ فَاَذِنَ لَهُمْ فَاَكَلُوْا حَتّٰى شَبِعُوْا ثُمَّ خَرَجُوْا ثُمَّ قَالَ ائْذَنْ لِعَشَرَةٍ
فَاَذِنَ لَهُمْ فَاَكَلُوْا حَتّٰى شَبِعُوْا ثُمَّ قَالَ ائْذَنْ لِعَشَرَةٍ فَاَذِنَ لَهُمْ فَاَكَلُوْا حَتّٰى شَبِعُوْا ثُمَّ خَرَجُوْا
ثُمَّ قَالَ ائْذَنْ لِعَشَرَةٍ فَاَذِنَ لَهُمْ حَتّٰى اَكَلَ الْقَوْمُ كُلُّهُمْ وَشَبِعُوْا وَالْقَوْمُ سَبْعُوْنَ رَجُلًا اَوْ
ثَمَانُوْنَ رواه الشيخان وفي طريق البخاري ثمانون وقال في رواية ثُمَّ اَكَلَ رَسُوْلُ اللّٰهِ
صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَاَبُوْ طَلْحَةَ وَاُمُّ سُلَيْمٍ وَاَنَسٌ وَفَضَلَ فَضْلَةٌ فَاَهْدَيْنَاهَا لِجِيْرَانِنَا۔

حضرت انس بن مالک رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے بیان کیا کہ حضرت ابوطلحہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے ام سلیم سے کہا کہ آج میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی آواز سنی تو بہت کمزور سی تھی مجھے اس میں بھوک کی شدت کا اثر محسوس ہوا تھا تو تمہارے پاس کھانے کو کچھ ہے؟ انہوں نے کہا ہاں ہے۔ اس کے بعد انہوں نے جو کی چند روٹیاں نکالیں پھر انہوں نے اپنی ایک اوڑھنی نکال کر اس کے ایک حصہ میں تو روٹیاں لپیٹ دیں پھر اسے میرے کپڑوں کے نیچے چھپایا اور اس کے دوسرے حصہ کو مجھے اوڑھا دیا پھر مجھے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس بھیجا میں اسے لے کر گیا تو میں نے دیکھا کہ آپ مسجد میں بیٹھے ہیں اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ بہت سے لوگ بیٹھے تھے تو میں نے ان کو سلام کیا تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کیا تم کو ابوطلحہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے بھیجا ہے؟ میں نے کہا جی ہاں۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے پوچھا کچھ کھانا دے کر بھیجا ہے؟ میں نے کہا جی ہاں۔ تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے ساتھ کے لوگوں سے فرمایا "اٹھو چلو" حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ کہتے ہیں کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم چلے اور میں بھی آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے ہمراہ چلا۔ یہاں تک کہ میں ابوطلحہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے پاس پہنچا اور میں نے ان کو خبر دی تو ابوطلحہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے ام سلیم سے کہا اے سلیم حضور صلی اللہ علیہ وسلم تو سب لوگوں کو ہمراہ لیے آ پہنچے ہیں اور ہمارے پاس تو کچھ ہے نہیں کیا آپ کو کھلائیں۔ وہ بولیں اب اللہ اور اللہ کے رسول (صلی اللہ علیہ وسلم) ہی اس کو خوب سمجھتے ہیں۔ حضرت ابوطلحہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ باہر آ کر حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے ملے تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم آگے بڑھے اور ابوطلحہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے ہمراہ تھے آپ صلی اللہ علیہ وسلم گھر میں تشریف لے گئے اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہا اچھا ہاں اے ام سلیم لاؤ دیکھیں تمہارے پاس کیا ہے؟ تو وہ وہی روٹیاں سامنے لے آئیں۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان روٹیوں کو توڑ کر چورا چورا کیا اس کے بعد ام سلیم گھی کی کپی (شیشی) لے آئیں اور ان روٹیوں پر گھی لگایا۔ پھر حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اس پر کچھ پڑھا جو اللہ تعالیٰ نے ان سے پڑھوایا اس کے بعد آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے حکم دیا کہ دس آدمیوں کو اندر بلاؤ تو ان کو آنے کی اجازت دی تو انہوں نے پیٹ بھر کر کھایا۔ پھر حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا دس آدمیوں کو اور بلاؤ تو انہوں نے بھی پیٹ بھر کر کھایا اور باہر چلے

گئے۔ پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا دس آدمیوں کو اور بلا لو وہ بھی بلا لیے گئے یہاں تک کہ پوری جماعت نے شکم سیر ہو کر کھانا کھا لیا۔ اس وقت اس جماعت میں ستر یا اسی (۷۰ یا ۸۰) آدمی تھے۔ (بخاری مسلم) اور بخاری میں (۸۰) کی تعداد ہے اور ایک دوسری روایت میں ہے کہ پھر حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اور ابو طلحہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اُم سلیم رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے اور انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے بھی کھایا پھر بھی جو کچھ بچ رہا اسے ہم نے اپنے پڑوسیوں کے پاس ہدیہ بھیج دیا۔

تشریح: یہاں آداب اسلامیہ میں سے یہ معلوم ہوا کہ اگر کوئی چیز خدا تعالیٰ کی طرف سے برکت ظہور میں آئے تو جو اپنی ضرورت سے بچ رہے اس کو دوسرے لوگوں میں تقسیم کر دینا چاہیے بجائے گھر میں رکھ لینا اور محتاجوں کو محروم رکھنا اور دوسروں کی اپنی حاجت پوری ہونے کے بعد آداب اسلامیہ میں سے نہیں۔

عَنْ سَلَمَةَ قَالَ كُنَّا مَعَ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فِيْ غَزْوَةِ خَيْبَرَ فَاَمَرَنَا اَنْ نَجْمَعَ مَا بَقِيَ مِنْ اَزْوَادِنَا يَعْنِيْ مِنَ التَّمْرِ فَبَسَطَ نِطْعًا نَثَرَ عَلَيْهِ اَزْوَادَنَا قَالَ فَتَمَطَّيْتُ فَتَطَاوَلْتُ فَنَظَرْتُ فَحَزَرْتُهٗ كَرَبْضَةِ شَاةٍ وَنَحْنُ اَرْبَعَ عَشَرَةَ مِائَةً قَالَ فَاَكَلْنَا ثُمَّ تَطَاوَلْتُ فَنَظَرْتُهٗ فَحَزَرْتُهٗ كَرَبْضَةِ شَاةٍ. (رواہ مسلم)

حضرت سلمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کہتے ہیں کہ ہم غزوہ خیبر میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ہمراہ تھے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ہم کو حکم دیا کہ جو کچھ ہمارے توشہ دانوں میں ہے یعنی کھجوریں اسے ایک جگہ جمع کریں اس کے بعد حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے چمڑے کا دسترخوان بچھایا اور اسی پر ہمارے توشہ دانوں کا سامان انڈیل لیا۔ راوی کہتے ہیں کہ میں نے گردن اونچی کی اور اس ڈھیر کو دیکھا تو میرے اندازے میں وہ ڈھیر بکری کے بیٹھنے کی جگہ کے برابر تھا اور ہم لوگوں کی تعداد چودہ سو تھی تو ہم سب نے کھایا اس کے بعد پھر میں نے گردن اٹھائی اور اس کا اندازہ کیا تو میرے اندازے میں وہ ڈھیر اب بھی بکری کے بیٹھنے کی جگہ کے برابر ہی تھا (یعنی اتنے کا اتنا ہی تھا)۔

عَنْ اَبِيْ هُرَيْرَةَ قَالَ اَتَيْتُ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بِتَمَرَاتٍ وَقُلْتُ اُدْعُ اللّٰهَ لِيْ فِيْهِنَّ بِالْبَرَكَةِ قَالَ فَصَفَّهُنَّ اَوْ ضَمَّهُنَّ بَيْنَ يَدَيْهِ قَالَ ثُمَّ دَعَا فَقَالَ اِجْعَلْهُنَّ فِيْ مِزْوَدِكَ وَاَدْخِلْ يَدَكَ وَلَا تَنْثُرْ قَالَ فَحَمَلْتُ مِنْهُ كَذَا وَكَذَا وَسْقًا فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ وَنَاْكُلُ وَنُطْعِمُ وَكَانَ لَا يُفَارِقُ حَقْوِيْ فَلَمَّا قُتِلَ عُثْمَانُ اِنْقَطَعَ مِنْ حَقْوِيْ فَسَقَطَ. رواہ الامام الترمذی عن عمران بن حصین بنحوہ و قال حدیث حسن غریب من ھذا الوجہ وقد ذکرہ الحافظ ابن تیمیۃ من طرق عدیدۃ

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کہتے ہیں کہ میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس کچھ کھجوریں لے کر آیا اور میں نے عرض کیا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم میرے لیے ان میں برکت کی دعا فرما دیجئے تو کہتے ہیں کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو اپنے سامنے ترتیب سے لگا دیا یا ان کو خوب ملا کر رکھ لیا۔ کہتے ہیں کہ پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے دعا فرمائی پھر مجھ سے فرمایا کہ اسے اپنے توشہ دان میں ڈال لو اور دیکھو جب اپنا ہاتھ ڈال کر نکالنا چاہو تو ہاتھ ڈال کر نکالتے رہنا مگر پھیلانا مت۔ کہتے ہیں کہ میں نے اس میں سے اتنے اتنے وسق تو کھجوریں اللہ کے راستے میں بانٹیں اور خود کھائیں دوستوں کو کھلائیں اور وہ تھیلی میرے تہبند کے ساتھ ہی بندھی رہا کرتی تھی۔ جب حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ شہید ہوئے تو وہ تھیلی میرے پاس سے کہیں ٹوٹ کر جا پڑی۔ (ترمذی)

تشریح: دیکھئے یہاں کھجوروں کے چھپانے کی ممانعت ویسی ہی تھی جیسا کہ حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کو اپنے کھانے کے دیتوں لئے کی۔ بس غیب کو غیب ہی کی حد تک رہنے دیجئے اور ٹوہ کر اور چھپا کر اس غائبانہ برکت کا انقطاع مت کیجئے۔ یہاں تقدیر اس راستہ سے تو نہ آئی مگر شہادت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے دوسرے راستہ سے ظاہر ہوگئی اور برکت کی وہ تھیلی جو حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی شہادت تک باقی تھی آخر وہ گم ہو ہی گئی اور پھر کہیں نہ ملی۔

عَنْ اَبِیْ هُرَیْرَةَ وَاَبِیْ سَعِیْدٍ وَسَلَمَةَ بْنِ الْاَکْوَعِ وَاللَّفْظُ لِمُسْلِمٍ عَنْ اَبِیْ هُرَیْرَةَ رَضِیَ اللّٰهُ عَنْهُ قَالَ کُنَّا مَعَ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ فِیْ مَسِیْرٍ قَالَ فَنَفِدَتْ اَزْوَادُ الْقَوْمِ حَتّٰی هَمُّوْا بِنَحْرِ بَعْضِ حَمَائِلِهِمْ قَالَ فَقَالَ عُمَرُ یَا رَسُوْلَ اللّٰهِ لَوْ جَمَعْتَ مَا بَقِیَ مِنْ اَزْوَادِ الْقَوْمِ فَدَعَوْتَ اللّٰهَ عَلَیْهِ. قَالَ فَفَعَلَ فَجَاءَ ذُو الْبُرِّ بِبُرِّهٖ وَذُو التَّمْرِ بِتَمْرِهٖ وَذُو النَّوٰی بِنَوَاهُ. قِیْلَ وَمَا کَانُوْا یَصْنَعُوْنَ بِالنَّوٰی. قَالَ یَمُصُّوْنَهٗ وَیَشْرَبُوْنَ عَلَیْهِ الْمَاءَ قَالَ فَدَعَا عَلَیْهَا حَتّٰی مَلَأَ الْقَوْمُ اَزْوِدَتَهُمْ قَالَ فَقَالَ عِنْدَ ذٰلِکَ اَشْهَدُ اَنْ لَّا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَاَنِّیْ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ لَا یَلْقَی اللّٰهَ بِهِمَا عَبْدٌ غَیْرُ شَاکٍّ فِیْهِمَا اِلَّا دَخَلَ الْجَنَّةَ. قَالَ لَمَّا کَانَ یَوْمُ غَزْوَةِ تَبُوْکَ اَصَابَ النَّاسَ مَجَاعَةٌ فَقَالُوْا یَا رَسُوْلَ اللّٰهِ لَوْ اَذِنْتَ لَنَا فَنَحَرْنَا نَوَاضِحَنَا فَاَکَلْنَا وَادَّهَنَّا فَقَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ افْعَلُوْا. قَالَ فَجَاءَ عُمَرُ فَقَالَ یَا رَسُوْلَ اللّٰهِ اِنْ فَعَلْتَ قَلَّ الظَّهْرُ وَفِیْ رِوَایَةٍ مَا بَقَاؤُهُمْ بَعْدَ اِبِلِهِمْ وَلٰکِنْ اُدْعُهُمْ بِفَضْلِ اَزْوَادِهِمْ ثُمَّ ادْعُ لَهُمْ بِالْبَرَکَةِ لَعَلَّ اللّٰهَ اَنْ یَّجْعَلَ فِیْ ذٰلِکَ فَقَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ نَعَمْ فَدَعَا بِنِطَعٍ فَبَسَطَهٗ ثُمَّ دَعَا بِفَضْلِ اَزْوَادِهِمْ قَالَ فَجَعَلَ الرَّجُلُ یَجِیْءُ بِکَفِّ ذُرَةٍ وَیَجِیْءُ الْاٰخَرُ بِکَفِّ تَمْرٍ وَیَجِیْءُ الْاٰخَرُ بِکِسْرَةٍ حَتَّی اجْتَمَعَ عَلَی النِّطَعِ مِنْ ذٰلِکَ شَیْءٌ یَسِیْرٌ قَالَ فَدَعَا رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ بِالْبَرَکَةِ ثُمَّ قَالَ خُذُوْا فِیْ اَوْعِیَتِکُمْ قَالَ فَاَخَذُوْا فِیْ اَوْعِیَتِهِمْ حَتّٰی مَا تَرَکُوْا فِی الْعَسْکَرِ وِعَاءً اِلَّا مَلَؤُوْهُ قَالَ فَاَکَلُوْا حَتّٰی شَبِعُوْا وَفَضَلَتْ فَضْلَةٌ (متفق علیہ، رواہ الشیخان)

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ اور ابو سعید رضی اللہ تعالیٰ عنہ اور سلمہ بن اکوع بیان کرتے ہیں (اور مسلم کی روایت میں صرف ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے) کہ ہم لوگ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ ایک سفر میں جا رہے تھے تو سب لوگوں کے توشے ختم ہو گئے یہاں تک (تکلیف بڑھی) کہ لوگوں نے بعض سامان اٹھانے والے اونٹوں کو ذبح کرنے کا ارادہ کیا۔ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے عرض کیا یا رسول اللہ! (صلی اللہ علیہ وسلم) کاش! آپ اس پوری جماعت کے بقیہ توشے کو اکٹھا کر لیں اور اس پر اللہ تعالیٰ سے دعائے برکت فرما دیں۔ راوی کا بیان ہے کہ اس اعلان کے بعد ایک گیہوں والا اپنے پاس کا گیہوں لایا اور کھجور رکھنے والا اپنے پاس کی کھجوریں لایا اور جس کے پاس صرف کھجور کی گٹھلیاں تھیں وہ اُن ہی کو لے آیا۔ کسی نے پوچھا کھجور کی گٹھلی سے کیا کام لیا جاتا تھا؟ تو کہنے لگے کہ وہ اسے چوس لیتے تھے اور پھر اس پر پانی پی لیتے تھے۔ راوی کہتے ہیں کہ پھر حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اس ذخیرہ پر دعائے برکت کی تو اتنی برکت ہوئی کہ تمام لوگوں نے اپنے اپنے توشہ دان

بھر لیے۔ راوی کہتے ہیں کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اس موقع پر کہا کہ میں گواہی دیتا ہوں اس کی کہ اللہ کے سوا اور کوئی معبود نہیں اور اس کی کہ میں یقیناً اللہ کا رسول ہوں جو بندہ اللہ تعالیٰ سے ان دونوں باتوں کی گواہی لے کر ملے گا کہ اسے ان میں ذرا بھی شک نہ ہو تو وہ جنت میں جائے گا۔ راوی کہتا ہے کہ جب تبوک کی لڑائی ہوئی تو لوگوں کو بھوک کی تکلیف ہوئی تو لوگوں نے عرض کی یا رسول اللہ! (صلی اللہ علیہ وسلم) کاش آپ ہمیں اجازت دیتے کہ ہم اپنے بعض دودھ والے جانور ذبح کرتے اور اس کا گوشت کھاتے اور اس کی چربی بدن پر ملتے تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اچھا ایسا ہی کرلو۔ مگر راوی کہتے ہیں کہ اتنے میں حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ آ نکلے اور انہوں نے عرض کیا یا رسول اللہ! (صلی اللہ علیہ وسلم) اگر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایسا کیا تو سواریاں کم ہو جائیں گی اور دوسری روایت میں ہے کہ اونٹوں کے ذبح ہونے کے بعد پھر ان کی زندگی بیکار ہو جائے گی بلکہ بجائے اس کے ان سب سے ان کے بچے کچھے توشے منگوائیے اور پھر اس پر دعائے برکت فرمایئے۔ امید ہے کہ اللہ تعالیٰ اس میں برکت دے دے تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی فرمایا کہ یہاں یہی صورت مناسب ہے۔ اس کے بعد آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے چمڑے کا دسترخوان منگوا کر بچھایا پھر سب سے ان کا بچا کھچا کھانا منگوایا تو کوئی آدمی ایک مٹھی آٹا لانے لگا کوئی آدمی ایک مٹھی کھجور اور کوئی ایک روٹی کا ٹکڑا۔ اس طرح اس دسترخوان پر کچھ تھوڑا سا کھانے کا سامان اکٹھا ہو گیا۔ راوی کہتے ہیں کہ پھر حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اس پر دعائے برکت کی پھر فرمایا کہ اپنے اپنے برتنوں کو لے کر آؤ اور انہیں بھرلو تو لوگ اپنے اپنے برتن لائے اور لشکر کا کوئی برتن ایسا نہ بچا جسے لوگوں نے نہ بھر لیا ہو۔ راوی کہتے ہیں کہ اس کے بعد سب نے کھایا اور شکم سیر ہو کر کھایا اور اس کے بعد بھی بہت سا بچ گیا۔ (بخاری ومسلم)

تشریح: اس روایت سے ظاہر ہوتا ہے کہ معجزہ نبی کی ذاتی خواہش سے ظاہر نہیں ہوتا ورنہ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے فرمانے کی ضرورت ہی کیا تھی۔ دوم حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی اصابت رائے بھی معلوم ہوتی ہے۔ کیا خوب مشورہ دیا۔ پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی دعا کا اثر دیکھئے کہ ادھر آپ کے ہاتھ اٹھے پھر دیر کیا تھی ادھر کھانے میں برکت کا وہ ظہور ہوا کہ ڈھیر کے ڈھیر لگ گئے نہ یہاں آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے کوئی مادی عمل کیا تھا نہ اس کی کامیابی میں اونی سا تردد بس آن کی آن میں یہ سب کا سب ہو گیا۔ یعنی اونٹ ذبح ہونے سے بچ گئے اور جتنے بھوکے تھے وہ سب خود شکم سیر ہی نہیں ہوئے بلکہ آئندہ کے لیے ذخیرہ بھی بنا کر اپنے ہمراہ لے گئے۔

عَنْ اَبِیْ هُرَیْرَةَ قَالَ کَانَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ فِیْ غَزْوَةٍ فَاَصَابَهُمْ عَوَزٌ مِنَ الطَّعَامِ فَقَالَ یَا اَبَا هُرَیْرَةَ عِنْدَکَ شَیْءٌ؟ قَالَ قُلْتُ لَا اِلَّا شَیْءٌ مِنَ التَّمْرِ فِیْ مِزْوَدِیْ قَالَ جِئْنِیْ بِهٖ. فَجِئْتُ بِالْمِزْوَدِ وَقَالَ هَاتِ نِطْعًا فَجِئْتُ بِالنِّطْعِ فَبَسَطَهٗ فَاَدْخَلَ یَدَهٗ فَقَبَضَ عَلَی التَّمْرِ فَاِذَا هُوَ اِحْدٰی وَعِشْرُوْنَ تَمْرَةً قَالَ ثُمَّ قَالَ بِسْمِ اللّٰهِ فَجَعَلَ یَضَعُ کُلَّ تَمْرَةٍ وَیُسَمِّیْ حَتّٰی اَتٰی عَلَی التَّمْرِ فَقَالَ بِهٖ هٰکَذَا فَجَمَعَهٗ فَقَالَ اُدْعُ فُلَانًا وَاَصْحَابَهٗ فَاَکَلُوْا وَشَبِعُوْا وَخَرَجُوْا ثُمَّ قَالَ اُدْعُ فُلَانًا وَاَصْحَابَهٗ فَاَکَلُوْا وَشَبِعُوْا وَخَرَجُوْا قَالَ وَفَضَلَ تَمْرٌ فَقَالَ لِیْ اُقْعُدْ فَقَعَدْتُ فَاَکَلَ وَاَکَلْتُ قَالَ وَفَضَلَ تَمْرٌ فَاَخَذَهٗ فَاَدْخَلَهٗ فِی الْمِزْوَدِ فَقَالَ یَا اَبَا هُرَیْرَةَ اِذَا اَرَدْتَّ شَیْئًا فَاَدْخِلْ یَدَکَ وَلَا تَکْفَأْ فَیُکْفَأَ عَلَیْکَ. قَالَ فَمَا کُنْتُ اُرِیْدُ تَمْرًا اِلَّا اَدْخَلْتُ یَدِیْ فَاَخَذْتُ مِنْهُ خَمْسِیْنَ وَسْقًا فِیْ سَبِیْلِ

اللّٰہِ عَزَّ وَجَلَّ وَکَانَ مُعَلَّقًا خَلْفَ ظَهْرِي فَوَقَعَ زَمَانَ عُثْمَانَ فَذَهَبَ رَوَاهُ الْحَافِظُ عَبْدُ الْغَنِيِّ.

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کہتے ہیں کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم ایک لڑائی میں گئے تھے تو فوج کو کھانے کی تنگی ہوئی تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اے ابوہریرہؓ! تمہارے پاس کچھ کھانے کو ہے؟ کہتے ہیں کہ میں نے عرض کیا حضور! بجز تھوڑی سی کھجوروں کے اور کچھ نہیں۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا انہی کو لے آؤ میں لے کر حاضر خدمت ہوا' آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا چمڑے کا ایک دستر خوان لاؤ میں لے کر حاضر ہوا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنا ہاتھ اس میں ڈالا اور مٹھی میں کل کھجوریں لے لیں تو وہ اکیس کھجوریں تھیں' پھر بسم اللہ شریف پڑھی پھر ہر کھجور کو بسم اللہ کہہ کر رکھتے جاتے یہاں تک کہ کل کھجوریں رکھ دیں' پھر راوی نے اُن کو دبانے کا اشارہ کر کے بتایا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اس طرح کیا۔ پھر فرمایا' جاؤ فلاں شخص کو اور اس کے ساتھیوں کو بلا لاؤ' تو ان سب نے خوب کھایا اور شکم سیر ہو کر کھایا اور چلے گئے۔ تب آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا' اب جاؤ فلاں شخص کو اور اس کے ساتھیوں کو بلا لاؤ' تو وہ لوگ بھی آئے اور خوب پیٹ بھر کر کھا کے چلے گئے' پھر بھی کچھ کھجوریں بچ گئیں تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھ سے فرمایا' بیٹھو' میں بیٹھ گیا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی کھجوریں نوش فرمائیں اور میں نے بھی کھائیں۔ ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کہتے ہیں کہ اس کے بعد بھی کچھ کھجوریں بچ گئیں تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے وہ کھجوریں لیں اور ان کو میرے توشہ دان میں رکھ دیں' پھر مجھ سے فرمایا' اے ابوہریرہؓ! جب تم اس میں سے کچھ لینا چاہو تو اس کے اندر ہاتھ ڈال کر نکالنا اور اس کو الٹنا مت ورنہ وہ ختم ہو جائیں گی۔ راوی کہتے ہیں کہ پھر جب مجھے کھجوریں درکار ہوتیں تو میں اس توشہ دان میں ہاتھ ڈالتا' اس طرح میں نے اسی توشہ دان میں سے پچاس وسق کھجوریں تو اللہ عزوجل کی راہ میں دے دیں اور وہ توشہ دان میری پیٹھ کے پیچھے لٹکا رہتا تھا' پھر حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے زمانہ شہادت میں اسے اتار کر رکھا تو وہ توشہ دان غائب ہو گیا۔

عَنْ دُکَیْنِ بْنِ سَعِیْدٍ الْمُزَنِيِّ قَالَ أَتَیْنَا رَسُوْلَ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ أَرْبَعِیْنَ وَأَرْبَعَمِائَةٍ نَسْأَلُہُ الطَّعَامَ فَقَالَ لِعُمَرَ اذْهَبْ فَأَعْطِهِمْ فَقَالَ یَا رَسُوْلَ اللّٰہِ مَا بَقِيَ إِلَّا آصُعٌ مِنْ تَمْرٍ مَا أُرَی أَنْ یُقَیِّظَ بَنِيَّ قَالَ اذْهَبْ فَأَعْطِهِمْ. قَالَ سَمْعًا وَطَاعَةً قَالَ فَأَخْرَجَ عُمَرُ الْمِفْتَاحَ مِنْ حُجْزَتِهِ فَفَتَحَ الْبَابَ فَإِذَا شِبْهُ الْفَصِیْلِ الرَّابِضِ مِنْ تَمْرٍ فَقَالَ لَنَا خُذُوْا فَأَخَذَ كُلٌّ مِنَّا مَا أَحَبَّ ثُمَّ الْتَفَتُّ وَكُنْتُ آخِرَ الْقَوْمِ وَكَأَنَّا لَمْ نَرْزَأْ تَمْرَةً. (رواہ الامام احمد)

دکین ابن سعید مزنی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کہتے ہیں کہ ہم لوگ جو چار سو چالیس تھے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں کھانے کی چیزیں مانگنے آئے' آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے فرمایا جاؤ ان کو دیدو' انہوں نے عرض کیا یا رسول اللہ! (صلی اللہ علیہ وسلم) اب تو بجز چند صاع کھجوروں کے کچھ نہیں رہا ہے تو موسم گرما میں میرے بچوں کے لیے بھی کافی نہ ہوں گی' آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے پھر فرمایا' جاؤ ان کو دیدو۔ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے کہا بہت اچھا۔ راوی کہتے ہیں کہ پھر

حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے کنجی لی اپنے حجرے سے نکالی اور دروازہ کھولا تو کیا دیکھتے ہیں کہ کھجوروں کا اتنا بڑا ڈھیر ہے جیسا کہ دودھ پیتا چھوٹا جانور کا بچہ بیٹھا معلوم ہوتا انہوں نے ہم سب سے کہا لیتے جاؤ تو ہم میں سے ہر ایک نے جتنا چاہا لے لیا پھر میں بعد متوجہ ہوا اور میں ان میں سب سے آخر میں تھا ایسا معلوم ہوتا تھا کہ ہم نے ایک کھجور بھی کم نہیں کی۔ (احمد)

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے انگشتان مبارک سے پانی کا اُبل پڑنا

عَنْ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ مَسْعُوْدٍ قَالَ كُنَّا نَعُدُّ الْاٰيَاتِ بَرَكَةً وَاَنْتُمْ تَعُدُّوْنَهَا تَخْوِيْفًا كُنَّا مَعَ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فِيْ سَفَرٍ فَقَلَّ الْمَاءُ فَقَالَ اُطْلُبُوْا فَضْلَةً مِّنْ مَّاءٍ فَجَاءُوْا بِاِنَاءٍ فِيْهِ مَاءٌ قَلِيْلٌ فَاَدْخَلَ يَدَهٗ فِي الْاِنَاءِ ثُمَّ قَالَ حَيَّ عَلَى الطَّهُوْرِ الْمُبَارَكِ وَالْبَرَكَةُ مِنَ اللّٰهِ فَلَقَدْ رَاَيْتُ الْمَاءَ يَنْبُعُ مِنْ بَيْنِ اَصَابِعِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَلَقَدْ كُنَّا نَسْمَعُ تَسْبِيْحَ الطَّعَامِ وَهُوَ يُؤْكَلُ. (رواه البخاري)

عبداللہ بن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ بیان کرتے ہیں کہ ہم تو معجزات کو برکت سمجھتے تھے اور تم ان کو خوف کی چیز سمجھتے ہو۔ ہم ایک سفر میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ہمراہ تھے پانی کی کمی ہو گئی آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تلاش کرو کسی کے پاس کچھ پانی بچا ہو تو لے آؤ لوگ ایک برتن لے آئے جس میں ذرا سا پانی تھا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے برتن میں اپنا دست مبارک ڈالا اور فرمایا چلو اور وضو کا پانی اور خدا کی برکت لو میں نے بچشم خود دیکھا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی انگلیوں سے پانی چشمہ کی طرح پھوٹ رہا ہے اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے عہد مبارک میں ایسا بھی ہوتا تھا کہ ہم کھانا کھایا کرتے تھے کھانے کی تسبیح اپنے کانوں سے سنا کرتے تھے۔ (بخاری شریف)

تشریح: ملا علی قاری رحمۃ اللہ علیہ اس حدیث کے یہ معنی بیان فرماتے ہیں کہ عام لوگوں کو وہ معجزات سود مند ہوتے ہیں جن میں عذاب اور خوف کا ظہور ہو اور صحابہ کرام کو وہ معجزات نافع ہوتے تھے جو موجب برکت ہوتے۔

امام طحاوی رحمۃ اللہ علیہ نے اس کا مطلب یہ بیان فرمایا ہے کہ صحابہ کرام رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین کے قلوب میں معجزات دیکھ کر حق تعالیٰ کی ہیبت پیدا ہوتی اور اس سے ان کے ایمانوں میں اور ترقی ہوتی اس لیے معجزات ان کے لیے موجب برکت ہوتے تھے۔ تم معجزات دیکھ کر صرف ڈرتے تو ہو مگر تمہارے ایمانوں میں اس سے نہ تو کوئی ترقی ہوتی ہے اور نہ اعمال کا کوئی نیا جذبہ ابھرتا ہے۔ اس لیے وہ تمہارے حق میں موجب برکت نہیں ہوتے۔ (مظاہر حق)

عَنْ مُعَاذِ بْنِ جَبَلٍ قَالَ خَرَجْنَا مَعَ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَامَ غَزْوَةِ تَبُوْكَ فَكَانَ يَجْمَعُ الصَّلٰوةَ فَصَلَّى الظُّهْرَ وَالْعَصْرَ جَمِيْعًا وَالْمَغْرِبَ وَالْعِشَاءَ جَمِيْعًا حَتّٰى اِذَا كَانَ يَوْمًا اَخَّرَ الصَّلٰوةَ ثُمَّ خَرَجَ فَصَلَّى الظُّهْرَ وَالْعَصْرَ جَمِيْعًا ثُمَّ دَخَلَ ثُمَّ خَرَجَ بَعْدَ ذٰلِكَ فَصَلَّى الْمَغْرِبَ وَالْعِشَاءَ جَمِيْعًا ثُمَّ قَالَ اِنَّكُمْ سَتَاْتُوْنَ غَدًا اِنْ شَاءَ اللّٰهُ عَيْنَ تَبُوْكَ وَاِنَّكُمْ لَنْ تَاْتُوْهَا حَتّٰى يُضْحِيَ النَّهَارُ فَمَنْ جَاءَهَا مِنْكُمْ فَلَا يَمَسَّ مِنْ مَّائِهَا شَيْئًا حَتّٰى اٰتِيَ فَجِئْنَاهَا وَقَدْ سَبَقَنَا اِلَيْهَا رَجُلَانِ وَالْعَيْنُ مِثْلُ الشِّرَاكِ تَبِضُّ بِشَيْءٍ مِّنْ مَّاءٍ فَسَاَلَهُمَا رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ هَلْ مَسَسْتُمَا مِنْ

حَاجَةٌ بِمَائِهِ. قَالَ فَاَتَى النَّاسُ فَاسْتَقَوْا حَتّٰى رَوُوْا قَالَ فَقُلْتُ هَلْ بَقِيَ اَحَدٌ لَهُ حَاجَةٌ فَرَفَعَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَدَهُ مِنَ الْجَفْنَةِ وَهِيَ مَلْأَى. (رواہ مسلم فی اواخر صحیحہ)

جابر رضی اللہ تعالٰی عنہ کی وہ حدیث جس کو عبادۃ ابن الولید نے روایت کیا ہے اس کے آخر میں مذکور ہے کہ ہم اپنے لشکر میں پہنچے تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے (ان سے وضو کیلئے پانی طلب فرمایا جب شلا) تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا لشکر میں تلاش کرو میں نے عرض کی قافلہ بھر میں ایک قطرہ پانی بھی مجھ کو نہیں ملا۔ انصار میں ایک شخص تھے جو خاص طور پر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے اپنی مشکوں میں پانی ٹھنڈا کیا کرتے تھے آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اس کے پاس ہی جا کر دیکھو اس کی مشک میں کچھ بھی پانی ہے میں گیا تو ان کے مشک میں بھی اتنا سا پانی ملا کہ اگر میں اس کو انڈیلتا تو جو حصہ اس کا خشک تھا وہ اس کو پی جاتا۔ میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا اور عرض کی کہ ان کی مشک میں تو صرف اتنا ہی پانی ہے کہ اگر میں اس کو انڈیلوں تو وہ اس کے خشک حصہ میں جذب ہو کر رہ جائے گا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جاؤ اور جا کر وہی لے آؤ میں اس کو لے آیا آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کو اپنے دست مبارک میں لیا اور اس پر کچھ پڑھنے لگے مجھ کو معلوم نہیں کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے کیا پڑھا تھا اور اس کو اپنے ہاتھ سے ملنے لگے۔ اس کے بعد آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جس کسی کے پاس اتنا بڑا پیالہ ہو جو پورے قافلے کے لیے کافی ہو جائے اس کو آواز دو میں نے اعلان کر دیا کہ جس کے پاس بھی ایسا پیالہ ہو وہ لے آئے چنانچہ اتنا ہی بڑا ایک پیالہ پیش کیا گیا جس کو لوگ اٹھا کر لائے۔ میں نے اس کو آپ کے سامنے لا کر رکھ دیا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس میں اپنا دست مبارک ڈال کر اپنی انگلیاں پھیلا دیں اور اس کو طشت کے اندر رکھ دیا اور فرمایا کہ جابر لو اور بسم اللہ کہہ کر میرے ہاتھ پر ڈالو میں نے بسم اللہ کہہ کر پانی ڈالا میں نے دیکھا کہ پہلے آپ کی انگلیوں کے درمیان سے پانی اٹھا پھر پورے پیالہ میں پانی جوش سے چکر لگانے لگا حتی کہ پیالہ پانی سے لبریز ہو گیا آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جابر! اعلان کر دو جس کو پانی کی ضرورت ہو وہ آ کر لے لے۔ یہ بیان کرتے ہیں کہ لوگ (دوڑ دوڑ) کر آتے رہے اور پی پی کر سیراب ہوتے گئے۔ یہ بیان کرتے ہیں میں نے کہا کوئی شخص ایسا اور ہے جس کو پانی کی ضرورت ہو؟ اس کے بعد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے پیالے سے اپنا ہاتھ باہر نکال لیا اور پیالہ تھا کہ جوں کا توں بھرا کا بھرا تھا۔ (مسلم)

تشریح: یہاں آپ صلی اللہ علیہ وسلم انگشتان مبارک سے پانی کا جوش مار کر پھوٹنے کا تذکرہ ہے اور وہ بھی اس حد تک کہ اس وقت خدا تعالٰی کی جتنی مخلوق تھی وہ سب اس سے سیراب ہو گئی مگر یہ تنبیہ کرنا ضروری معلوم ہوتا ہے کہ اس عہد میمون میں برتن بہت بڑے بڑے بنائے جایا کرتے تھے اس لیے یہاں پیالہ کے بڑے ہونے کی وجہ سے چند لوگوں کو اس کو اٹھا کر لانا پڑا اور اس بارے میں اب تک بھی شہر اور گاؤں کے برتنوں میں فرق ہوتا ہے گاؤں کے برتن شہر کے برتنوں کی نسبت اکثر بڑے ہوتے ہیں۔

(نوٹ) شجر تین کے جس واقعہ کا ذکر اس حدیث میں ہے اس کا ذکر آگے آئے گا۔

عَنْ عِمْرَانَ ابْنِ حُصَيْنٍ قَالَ كُنْتُ مَعَ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فِيْ مَسِيْرٍ لَهُ فَاَدْلَجْنَا لَيْلَتَنَا حَتّٰى اِذَا كَانَ وَجْهُ الصُّبْحِ عَرَّسْنَا فَغَلَبَتْنَا اَعْيُنُنَا حَتّٰى بَزَغَتِ الشَّمْسُ فَكَانَ اَوَّلَ مَنِ اسْتَيْقَظَ مِنَّا

أبو بكر الصديق وكنا لا نوقظ رسول الله صلى الله عليه وسلم من منامه حتى يكون هو الذي يستيقظ لانا لا ندري ما يحدث له في نومه ثم استيقظ عمر فجعل يكبر حتى استيقظ رسول الله صلى الله عليه وسلم فلما رفع رأسه ورأى الشمس قد بزغت قال ارتحلوا فسار بنا حتى ابيضت الشمس نزل فصلى بنا الغداة فاعتزل رجل من القوم لم يصل معنا فلما انصرف قال له رسول الله صلى الله عليه وسلم ما منعك ان تصلي معنا قال اصابتني جنابة ولا ماء. قال له عليك بالصعيد فانه يكفيك فتيمم بالصعيد فصلى ثم عجلني في ركب بين يديه نطلب الماء وقد عطشنا عطشا شديدا فبينما نحن نسير اذا نحن بامرأة سادلة رجليها بين مزادتين فقلنا لها اين الماء فقالت ايهاه ايهاه لا ماء لكم. فقلنا كم بين اهلك وبين الماء قالت مسيرة يوم وليلة قلنا انطلقي الى رسول الله صلى الله عليه وسلم. قالت وما رسول الله صلى الله عليه وسلم فلم نملكها من امرها شيئا حتى انطلقنا بها فاستقبلنا بها رسول الله صلى الله عليه وسلم فسألها فاخبرته مثل الذي اخبرتنا انها مؤتمة لها صبيان ايتام فامر براويتها فانيخت فمج في العزلاوين العلياوين ثم بعث براويتها فشربنا ونحن اربعون رجلا عطاشا حتى روينا وملأنا كل قربة معنا واداوة وغسلنا صاحبنا غير انا لم نسق بعيرا وهي تكاد تنضرج من الماء يعني المزادتين ثم قال هاتوا ما عندكم فجمعنا لها من كسر وتمر وصر لها صرة وقال لها اذهبي فاطعمي عيالك واعلمي انا لم نرزأ من مائك شيئا. فلما اتت اهلها قالت لقد رأيت اسحر البشر او انه لنبي كما زعم كان من امره ذيت وذيت فهدى الله عز وجل ذلك الصرم بتلك المرأة فاسلمت واسلموا. (رواہ الشیخان والبخاری)

عمران بن حصین رضی اللہ تعالیٰ عنہ بیان کرتے ہیں میں ایک سفر میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ہمرکاب تھا ہم ساری رات چلتے رہے صبح کے قریب آرام کے لیے اترے اور (ایسے غافل سو گئے) کہ ہماری آنکھ نہ کھل سکی یہاں تک کہ آفتاب چمک اٹھا جو شخص ہم سب میں پہلے بیدار ہوئے وہ ابوبکر رضی اللہ تعالیٰ تھے۔ ہمارا دستور یہ تھا کہ ہم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو سوتے میں جگایا نہ کرتے تھے یہاں تک کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم خود ہی بیدار ہو جاتے کیونکہ ہم نہیں جانتے تھے کہ وہ کیا بات ہے جو بحالت خواب آپ کو پیش آرہی ہے۔ اس کے بعد عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ بیدار ہوئے اور اللہ اکبر کہنے لگے یہاں تک کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بھی جاگ اٹھے آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے جب سر اٹھایا اور دیکھا کہ آفتاب چمک اٹھا ہے تو فرمایا یہاں سے نکل چلو اور ہم کوچ کر روانہ ہو گئے یہاں تک کہ اب دھوپ میں سفیدی آ گئی تھی (یعنی کراہت کا وقت نکل گیا تھا) آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اتر کر ہم کو نماز پڑھائی ہمارے ساتھ ایک شخص تھا کہ وہ علیحدہ جا کر بیٹھ گیا اور اس نے ہمارے ساتھ نماز نہیں پڑھی۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے نماز سے فارغ ہو کر اس سے سوال کیا ہمارے ساتھ تم نے نماز کیوں نہیں پڑھی اس نے

عرض کی کہ مجھ کو غسل کی ضرورت پیش آ گئی تھی اور پانی تھا نہیں! آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس سے فرمایا مٹی سے تیمم کر لے وہ تیرے لیے کافی ہے اس نے تیمم کیا اور نماز ادا کی۔ پھر ہم کو سخت پیاس لگی تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے پانی کی تلاش کے لیے ایک قافلہ جو آگے جا رہا تھا اس کی طرف جلدی سے ہم کو روانہ کیا' ہم چل دیئے' کیا دیکھتے ہیں کہ ایک عورت اپنی چھاگلوں کے درمیان اونٹنی پر پیر لٹکائے جا رہی ہے' ہم نے اس سے پوچھا پانی کا چشمہ کہاں ملے گا؟ اس نے جواب دیا ارے پانی کہاں' ہم نے اس سے پوچھا تیرے گھر اور پانی کے درمیان کتنا فاصلہ ہوگا؟ اس نے کہا ایک دن رات کا' ہم نے کہا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس چل اس نے کہا رسول اللہ کس کو کہتے ہیں؟ ہم اس کے ساتھ اور کوئی بات نہ کر سکے بس اس کو ساتھ لے کر چل دیئے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے لا کر اس کو پیش کر دیا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے پانی کے متعلق اس سے دریافت کیا اس نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو بھی وہی جواب دیا جو ہم کو دیا تھا اور یہ کہنے لگی کہ میں ایک بیوہ عورت ہوں اور میرے بچے یتیم ہیں آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے حکم دیا کہ اس کی اونٹنی بٹھا دی جائے۔ چنانچہ تعمیل ارشاد کی گئی آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کی چھاگلوں کے اوپر کے دہانے میں دہن مبارک سے کلی کر کے پانی ڈال دیا اور اس کی اونٹنی کو کھڑا کر دیا (تاکہ نیچے کے دہانے سے پانی لے لیا جا سکے) اس وقت ہم چالیس شخص تھے اور سب پیاسے تھے سب نے شکم سیر ہو کر پانی پیا اور اپنے اپنے پانی کے کھاونٹ اور مشکیزے اور جتنے برتن تھے سب پانی سے بھر لیے اور ہمارے ساتھی نے غسل بھی کر لیا مگر صرف اتنا کیا کہ اپنے اونٹوں کو پانی نہیں پلایا لیکن چھاگلیں تھیں کہ پانی کے جوش کے مارے پھٹی جا رہی تھیں اس کے بعد آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اب تھوڑا بہت جو کچھ کھانے کا سامان تمہارے پاس ہو وہ اس کے لیے لے آؤ' ہم نے اس عورت کے لیے کچھ روٹی کے ٹکڑے اور کھجوریں جمع کر دیں۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو ایک تھیلی میں ڈال کر اس سے کہا جا اپنے بچوں کو جا کر کھلا دے اور یہ یاد رکھنا کہ ہم نے تیرے پانی کا کچھ نقصان نہیں کیا ہے' جب وہ اپنے گھر آئی تو اس نے کہا میں نے یا بڑا جادوگر کوئی نہیں دیکھا ورنہ تو تسلیم کرنا ہوگا کہ وہ شخص سچا نبی ہے۔ جیسا کہ اس کا دعویٰ ہے اس نے یہ کرشمے دکھائے۔ راوی بیان کرتا ہے کہ اس عورت کی بدولت اللہ تعالیٰ نے اس کے قبیلے کے قبیلے کو ہدایت نصیب فرمائی۔ چنانچہ خود وہ اور اس کا سب خاندان مسلمان ہو گیا۔ (بخاری مسلم)

تشریح: اس حدیث میں پانی کے معجزہ کے سوا کچھ اور بھی امور ہیں جو بہت زیادہ قابل یادداشت ہیں۔ پہلی بات جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے بیدار نہ کرنے کے متعلق صحابہ کرام رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین کی عادت میں منقول ہے حالانکہ وہ خود صحابہ کرام رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین کی عادت میں منقول ہے۔ دوسری بات یہ ہے کہ اس میں اختلاف ہے کہ پہلے بیدار ہونے والوں میں کون شخص تھے۔ روایت مذکورہ سے حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا نام معلوم ہوتا ہے۔ تیسری بات یہ ہے کہ جب نماز قضا ہو جائے تو اس کی قضا وقت مکروہ میں نہ کرنی چاہیے۔ یہاں راوی نے "حتی ابیضت الشمس" اور "ابزغت" کے لفظ فرما کر اس بات کو صاف کر دیا ہے۔ بقیہ طرق میں سب جگہ اجمال ہے اس کو اسی تفصیل پر محمول کر لینا چاہیے۔

عَنْ اَبِیْ قَتَادَةَ قَالَ خَطَبَنَا رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقَالَ اِنَّكُمْ تَسِيْرُوْنَ عَشِيَّتَكُمْ

وَلَيْلَتَكُمْ وَتَأْتُونَ الْمَاءَ غَدًا إِنْ شَاءَ اللّٰهُ فَانْطَلَقَ النَّاسُ لَا يَلْوِي أَحَدٌ عَلَى أَحَدٍ وَذَكَرَ حَدِيثَ النَّوْمِ فِي الْوَادِي فَقَالَ ثُمَّ دَعَا بِمِيضَأَةٍ كَانَتْ مَعِيَ فِيهَا شَيْءٌ مِنْ مَاءٍ فَتَوَضَّأَ مِنْهَا وُضُوءًا دُونَ وُضُوءٍ وَبَقِيَ فِيهَا شَيْءٌ مِنْ مَاءٍ ثُمَّ قَالَ لِأَبِي قَتَادَةَ احْفَظْ عَلَيْنَا مِيضَأَتَكَ فَسَيَكُونُ لَهَا نَبَأٌ ثُمَّ قَالَ أَصْبَحَ النَّاسُ فَقَدُوا نَبِيَّهُمْ فَقَالَ أَبُو بَكْرٍ وَعُمَرُ إِنَّ رَسُولَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بَعْدَكُمْ لَمْ يَكُنْ لِيُخَلِّفَكُمْ وَقَالَ النَّاسُ إِنَّ رَسُولَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بَيْنَ أَيْدِيكُمْ فَإِنْ تُطِيعُوا أَبَا بَكْرٍ وَعُمَرَ تَرْشُدُوا قَالَ فَانْتَهَيْنَا إِلَى النَّاسِ حِينَ امْتَدَّ النَّهَارُ وَحَمِيَ كُلُّ شَيْءٍ وَهُمْ يَقُولُونَ يَا رَسُولَ اللّٰهِ هَلَكْنَا عَطِشْنَا فَقَالَ لَا هُلْكَ عَلَيْكُمْ ثُمَّ قَالَ أَطْلِقُوا لِي غُمَرِي قَالَ وَدَعَا بِالْمِيضَأَةِ فَجَعَلَ رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَصُبُّ وَأَبُو قَتَادَةَ يَسْقِيهِمْ فَلَمْ يَعْدُ أَنْ رَأَى النَّاسُ مَاءً فِي الْمِيضَأَةِ تَكَابُّوا عَلَيْهَا فَقَالَ رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَحْسِنُوا الْمَلَأَ كُلُّكُمْ سَيَرْوَى قَالَ فَفَعَلُوا فَجَعَلَ رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَصُبُّ وَأَسْقِيهِمْ حَتَّى مَا بَقِيَ غَيْرِي وَغَيْرُ رَسُولِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ ثُمَّ صَبَّ رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقَالَ لِي اشْرَبْ فَقُلْتُ لَا أَشْرَبُ حَتَّى تَشْرَبَ يَا رَسُولَ اللّٰهِ قَالَ إِنَّ سَاقِيَ الْقَوْمِ آخِرُهُمْ شُرْبًا فَشَرِبْتُ وَشَرِبَ رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ فَأَتَى النَّاسُ الْمَاءَ جَامِّينَ رِوَاءً قَالَ عَبْدُ اللّٰهِ بْنُ رَبَاحٍ إِنِّي لَأُحَدِّثُ بِهٰذَا الْحَدِيثِ فِي مَسْجِدِ الْجَامِعِ إِذْ قَالَ لِي عِمْرَانُ بْنُ حُصَيْنٍ انْظُرْ كَيْفَ تُحَدِّثُ فَأَنَا أَحَدُ الرَّكْبِ تِلْكَ اللَّيْلَةَ فَقُلْتُ أَنْتَ أَعْلَمُ فَقَالَ مِمَّنْ أَنْتَ؟ قُلْتُ مِنَ الْأَنْصَارِ قَالَ أَنْتُمْ أَعْلَمُ بِحَدِيثِكُمْ قَالَ عِمْرَانُ لَقَدْ شَهِدْتُ تِلْكَ اللَّيْلَةَ وَمَا شَعَرْتُ أَحَدًا حَفِظَهُ كَمَا حَفِظْتُهُ. (رواه مسلم)

ابوقتادہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ بیان کرتے ہیں کہ ایک بار رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ہمارے سامنے خطبہ دیا اور اس میں فرمایا کہ تم لوگ آج شام اور ساری رات سفر کرنے کے بعد کل ان شاء اللہ تعالیٰ چشمہ پر پہنچ جاؤ گے۔ پس لوگ چل پڑے اور ایک دوسرے کی طرف توجہ نہ کرتا تھا بس سفر طے کرنے میں مشغول تھے۔ اس کے بعد وادی میں پہنچے اور وہاں غفلت کی نیند سو جانے کا قصہ بیان کیا۔ اس کے بعد یہ کہتے ہیں کہ وضو کے پانی کا جو برتن میرے ساتھ تھا آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کو منگوایا اس میں تھوڑا سا پانی تھا آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس پانی سے مختصر سا وضو فرمایا اور جو پانی بچا اس کے متعلق فرمایا کہ اس کو محفوظ رکھنا آئندہ چل کر اس سے ایک بڑا معجزہ ظاہر ہوگا۔ یہ کہتے ہیں کہ جب صبح ہوگئی تو انہوں نے دیکھا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ابھی تک تشریف نہیں لائے۔ اس پر ابوبکر و عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما نے فرمایا یہ نہیں ہو سکتا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم وعدہ فرمائیں اور پھر اس کا خلاف کریں لوگوں نے یہ مشورہ دیا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تمہارے سامنے ہیں اور ابوبکر اور عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما جیسے بڑے صحابہ موجود ہیں اگر ان کی رائے پر عمل کرو گے تو کامیاب ہوگے۔

راوی بیان کرتے ہیں کہ ہم ان لوگوں سے اس وقت آکر ملے جب کہ دن چڑھ چکا تھا اور آفتاب کی تمازت سے ہر چیز جلنے لگی

تھی لوگوں نے آپ سے فریاد کی یا رسول اللہ! (صلی اللہ علیہ وسلم) ہم تو پیاس سے مرے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تمہیں اس کی کوئی بات نہیں ہوگی یہ کہہ کر اپنے وضو کے پانی کا برتن منگوایا رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم برتن سے پانی ڈالتے تھے اور ابوقتادہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ لے کر لوگوں کو پلاتے جا رہے تھے لوگوں کا برتن کے پانی کو دیکھنا تھا کہ اس پر ٹوٹ پڑے آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اپنے اخلاق درست رکھو تم میں سے ہر ہر فرد پانی پی کر سیراب ہوگا۔ چنانچہ فوراً لوگوں نے تعمیل ارشاد کی اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم بدستور پانی ڈالتے رہے اور ابوقتادہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ لے لے کر لوگوں کو پلاتے رہے یہاں تک کہ مجمع بھر میں میرے اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے علاوہ کوئی نہ رہا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اب تم بھی پی لو میں نے عرض کی جب تک آپ صلی اللہ علیہ وسلم نہ پی لیں میں کیسے پی سکتا ہوں۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا طریقہ یہی ہے کہ جو تقسیم کرنے والا ہوتا ہے اس کا نمبر سب سے آخر ہی میں ہوتا ہے۔ چنانچہ میں نے پانی پی لیا اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی نوش فرمایا۔ راوی کہتا ہے کہ پھر لوگ (اگلے روز) خوشی سے پانی پر پہنچے اور وہ خوب سیراب تھے۔ عبداللہ بن رباح رضی اللہ تعالیٰ عنہ کہتے ہیں کہ میں اس حدیث کو جامع مسجد میں بیان کر رہا تھا کہ حضرت عمران بن حصین رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے مجھ کو ٹوکا اور فرمایا ذرا سوچ کر حدیث بیان کرو کیونکہ اس شب کے قافلے میں میں بھی شریک تھا میں نے عرض کی کہ آپ مجھ سے زیادہ جاننے والے ہیں انہوں نے پوچھا تم کس قبیلے کے آدمی ہو میں نے کہا انصار کا عمران بن حصین رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا کہ تم اپنی حدیث کو بہتر جانتے ہو۔ عمران رضی اللہ تعالیٰ عنہ کہتے ہیں کہ اس شب میں میں بھی شریک تھا اور مجھ کو یہ خیال نہ تھا کہ اس واقعہ کو جس طرح تم نے محفوظ کیا ہے اس طرح کسی اور نے محفوظ کیا ہوگا۔ (مسلم)

وَفِي الْحَدِيثِ الَّذِي رَوَاهُ الْإِمَامُ وَالتِّرْمِذِيُّ وَأَبُو دَاوُدَ وَابْنُ مَاجَةَ طَوْلًا مِنْهُ عَنْ زِيَادَةَ بْنِ الْحَارِثِ الصُّدَائِيِّ قَالَ فِي آخِرِهِ ثُمَّ قُلْنَا يَا نَبِيَّ اللَّهِ إِنَّ لَنَا بِئْرًا إِذَا كَانَ الشِّتَاءُ وَسِعَنَا مَاؤُهَا وَاجْتَمَعْنَا عَلَيْهَا وَإِذَا كَانَ الصَّيْفُ قَلَّ مَاؤُهَا فَتَفَرَّقْنَا عَلَى مِيَاهٍ حَوْلَنَا وَقَدْ أَسْلَمْنَا وَكُلُّ مَنْ حَوْلَنَا عَدُوٌّ فَادْعُ اللَّهَ لَنَا فِي بِئْرِنَا أَنْ يَسَعَنَا مَاؤُهَا فَنَجْتَمِعَ عَلَيْهَا وَلَا نَتَفَرَّقَ فَدَعَا بِسَبْعِ حَصَيَاتٍ فَعَرَكَهُنَّ فِي يَدِهِ وَدَعَا فِيهِنَّ ثُمَّ قَالَ اذْهَبُوا بِهَذِهِ الْحَصَيَاتِ فَإِذَا أَتَيْتُمُ الْبِئْرَ فَأَلْقُوا وَاحِدَةً وَاحِدَةً وَاذْكُرُوا اسْمَ اللَّهِ عَزَّ وَجَلَّ قَالَ الصُّدَائِيُّ فَفَعَلْنَا مَا قَالَ لَنَا فَمَا اسْتَطَعْنَا بَعْدُ أَنْ نَنْظُرَ إِلَى قَعْرِهَا۔

زیاد بن حارث صدائی سے روایت ہے جس کو امام احمد اور ترمذی رحمۃ اللہ علیہما اور ابوداؤد رحمۃ اللہ علیہ نے اختصار کے ساتھ نقل کیا ہے جس کے آخر میں ہے کہ اس کے بعد ہم نے عرض کیا یا رسول اللہ! (صلی اللہ علیہ وسلم) ہمارا کنواں ہے جب جاڑوں کا موسم آتا ہے تو اس کا پانی ہم کو کافی ہوتا ہے اور ہم اس کے گرد آباد ہو جاتے ہیں اور جب گرمی کا موسم آتا ہے تو اس میں پانی بہت کم رہ جاتا ہے اور ہم اپنے ارد گرد کے پانیوں پر پھیل کر متفرق ہو جاتے ہیں اور ہمارے چاروں طرف ہمارے دشمن آباد ہیں آپ ہمارے کنویں کے لیے دعا فرما دیجئے کہ اس کا پانی ہمیشہ ہم کو کافی ہو جایا کرے اور ہم کو ادھر ادھر متفرق ہونے کی ضرورت نہ ہو؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے سات کنکریاں منگوائیں اور ان کو اپنے ہاتھ میں ملا اور ان پر کچھ دعا پڑھی اور فرمایا اچھا ان کنکریوں کو لے جاؤ اور جب اپنے کنویں پر جاؤ تو ان کو بسم اللہ کہہ کر ایک ایک کر کے ڈالنا۔ صدائی بیان کرتے ہیں ہم نے آپ صلی

اللہ علیہ وسلم کے حکم کی تعمیل کی تو کنویں میں اتنا پانی ہو گیا کہ ہم کوشش کر کے بھی اس کی تہہ کو نہ دیکھ سکتے تھے۔

عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ قَالَ أَصْبَحَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ ذَاتَ يَوْمٍ وَلَيْسَ فِي الْعَسْكَرِ مَاءٌ فَأَتَاهُ رَجُلٌ فَقَالَ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَيْسَ فِي الْعَسْكَرِ مَاءٌ قَالَ هَلْ عِنْدَكَ شَيْءٌ قَالَ نَعَمْ قَالَ فَأْتِنِيْ بِهٖ قَالَ فَأَتَاهُ بِإِنَاءٍ فِيْهِ شَيْءٌ مِّنْ مَّاءٍ قَلِيْلٍ قَالَ فَجَعَلَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَصَابِعَهُ عَلٰى فَمِ الْإِنَاءِ وَفَتَحَ أَصَابِعَهُ قَالَ فَانْفَجَرَتْ مِنْ بَيْنِ أَصَابِعِهٖ عُيُوْنٌ وَأَمَرَ بِلَالًا فَقَالَ نَادِ فِي النَّاسِ الْوَضُوْءَ الْمُبَارَكَ. (رواہ الامام احمد)

ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ ایک مرتبہ لشکر میں کسی کے پاس پانی نہ باقی تھا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں ایک شخص حاضر ہوا اور عرض کی یا رسول اللہ! (صلی اللہ علیہ وسلم) لشکر کے پاس پانی نہیں رہا آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے پوچھا تمہارے پاس کچھ پانی ہے؟ اس نے کہا کہ ہے عرض کیا آپ کو میرے پاس لے آتا تو وہ ایک برتن لے آیا اس میں تھوڑا سا پانی تھا آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی انگلیاں برتن کے اوپر پھیلا دیں۔ یہ بیان کرتے ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی انگلیوں میں سے پانی کے چشمے ابل پڑے آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے بلال رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے فرمایا آؤ اور لوگوں کو وضو کے لیے برکت کا پانی دے دو۔ (مسند احمد)

مِنْ حَدِيْثِ سَلَمَةَ بْنِ الْأَكْوَعِ بِنَحْوِهٖ قَالَ خَرَجْنَا مَعَ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فِيْ غَزْوَةٍ فَأَصَابَنَا جَهْدٌ حَتّٰى هَمَمْنَا أَنْ نَّنْحَرَ بَعْضَ ظَهْرِنَا فَأَمَرَنَا نَبِيُّ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَجَمَعْنَا مَزَاوِدَنَا فَبَسَطْنَا لَهٗ نِطَعًا فَاجْتَمَعَ زَادُ الْقَوْمِ عَلَى النِّطَعِ قَالَ فَتَطَاوَلْتُ لِأَحْزِرَهٗ كَمْ هُوَ فَحَزَرْتُهٗ كَرَبْضَةِ الْعَنْزِ وَنَحْنُ أَرْبَعَ عَشْرَةَ مِائَةً قَالَ فَأَكَلْنَا حَتّٰى شَبِعْنَا جَمِيْعًا ثُمَّ حَشَوْنَا جُرُبَنَا فَقَالَ نَبِيُّ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَهَلْ مِنْ وَّضُوْءٍ قَالَ فَجَاءَ رَجُلٌ بِإِدَاوَةٍ فِيْهَا نُطْفَةٌ فَأَفْرَغَهَا فِيْ قَدَحٍ فَتَوَضَّأْنَا كُلُّنَا نُدَغْفِقُهٗ دَغْفَقَةً أَرْبَعَ عَشْرَةَ مِائَةً ثُمَّ جَاءَ بَعْدَ ذٰلِكَ ثَمَانِيَةٌ فَقَالُوْا هَلْ مِنْ طَهُوْرٍ فَقَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَرَغَ الْوَضُوْءُ. (رواہ البخاری)

سلمہ بن اکوع رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی حدیث میں بھی اسی طرح ہے وہ کہتے ہیں کہ ہم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ہمراہ ایک غزوہ میں تھے تو ہمیں بھوک سے تکلیف ہونے لگی یہاں تک کہ ہمارا ارادہ یہ ہو گیا کہ اپنی بعض سواری کے اونٹ کو ذبح کر دیں تب ہم کو اللہ کے نبی نے حکم دیا کہ ہم سب اپنے اپنے ناشتہ دانوں کو اکٹھا کریں تو ہم نے چمڑے کا ایک دسترخوان بچھایا اور سب لوگوں کا توشہ اسی دسترخوان پر اکٹھا ہوا تو میں نے گردن اٹھائی کہ اس کا اندازہ کروں کہ کل ملا کر کتنا جمع ہو گیا تو میں نے اندازہ کیا کہ وہ کل اتنا ہو گا جیسے کہ بکری کی بیٹھک ہوتی ہے (یعنی اس کی نشست گاہ) اور ہماری تعداد چودہ سو تھی۔ راوی کہتے ہیں کہ ہم سب نے کھایا اور پیٹ بھر بھر کر کھایا پھر ہم سب نے اپنے اپنے توشہ دان بھی بھر لیے تو اللہ کے نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہیں کچھ پانی بھی ہے؟ راوی کہتے ہیں کہ ایک شخص ایک برتن لے کر آیا جس میں چند قطرے پانی تھا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اسے ایک برتن میں انڈیل لیا تو ہم سب چودہ سو آدمیوں نے تھوڑا تھوڑا پانی لے کر وضو کیا اس کے بعد آٹھ آدمی اور آئے

اور انہوں نے پوچھا کہ کیا وہ پانی وضو کے لیے بچا ہے یا نہیں؟ تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا نہیں اب پانی ختم ہو گیا۔ (بخاری)

عن انس رضی اللہ عنہ قال ان النبی صلی اللہ علیہ وسلم واصحابہ بالزوراء والزوراء بالمدینۃ عند السوق والمسجد ثم دعا بقدح فیہ ماء فوضع فیہ کفہ فجعل ینبع بین اصابعہ فتوضأ جمیع اصحابہ قال قلت کم کانوا یا ابا حمزۃ قال کانوا زھاء الثلاث مائۃ وفی روایۃ بماء لا یغمر اصابعہ (رواہ الشیخان)

انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے یہ روایت بھی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابہ مقام زوراء میں تھے یہ مدینہ میں بازار کے پاس ایک مقام کا نام تھا اور وہاں مسجد بھی تھی۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے پیالہ منگوایا جس میں تھوڑا سا پانی تھا آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس میں اپنا ہاتھ مبارک ڈالا تو پانی آپ کی انگلیوں سے پھوٹ پھوٹ کر نکلنے لگا یہاں تک کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے سب ہمراہیوں نے وضو کر لیا میں نے پوچھا اے ابو حمزہ! (حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی کنیت ہے) آپ کے ان ساتھیوں کی کل تعداد کتنی ہوگی؟ انہوں نے جواب دیا تقریباً تین سو کے قریب صحابہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم ہوں گے۔ دوسری روایت میں ہے کہ پانی اتنا تھا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی انگلیاں بھی اس میں نہ ڈوبتی تھیں۔ (شیخین)

عنہ قال رایت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم وحانت صلوٰۃ العصر فالتمس الناس الوضوء فلم یجدوہ فاتی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بوضوء فوضع فی ذلک الاناء یدہ وامر الناس ان یتوضؤا منہ قال فرایت الماء ینبع من تحت اصابعہ فتوضأ الناس حتی توضؤا من عند اخرھم۔ (رواہ الشیخان)

انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ بیان کرتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھا اس وقت نماز عصر کا وقت آ چکا تھا لوگوں نے وضو کے لیے پانی تلاش کیا تو نہ ملا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے تھوڑا سا پانی پیش کیا گیا آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس برتن میں اپنا دست مبارک ڈالا اور لوگوں سے کہا کہ وضو کریں۔ ان کا بیان ہے کہ میں نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی انگلیوں سے پانی ابل ابل کر نکلتا ہوا دیکھا اور تمام حاضرین نے ایک ایک کر کے وضو کر لیا۔ (شیخین)

عن جابر قال قد رایتنی مع رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم وقد حضرت صلوٰۃ العصر ولیس معنا ماء غیر فضلۃ فجعل فی اناء فاتی النبی صلی اللہ علیہ وسلم فادخل یدہ فیہ وفرج اصابعہ ثم قال حی علی الوضوء والبرکۃ من اللہ۔ فلقد رایت الماء یتفجر من بین اصابعہ فتوضأ الناس وشربوا فجعلت لا الو ما جعلت فی بطنی منہ فعلمت انہ برکۃ قلت لجابر کم کنتم یومئذ قال الفا واربع مائۃ۔ (رواہ الشیخان)

جابر رضی اللہ تعالیٰ عنہ بیان کرتے ہیں کہ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ہمرکاب تھا میں نے دیکھا کہ عصر کی نماز کا وقت آ گیا ہے اور ہمارے پاس پانی نہیں ہے صرف جو کسی کے پاس بچا کھچا رہ گیا تھا بس وہی تھا تو وہ ایک برتن میں ڈال کر آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے پیش کیا گیا آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنا دست مبارک اس میں ڈالا اور اپنی انگلیاں پھیلا دیں اس

کے بعد فرمایا لو گو چلو اور وضو کا پانی اور اللہ کی طرف سے برکت لو۔ تو میں نے دیکھا کہ پانی تھا کہ پھوٹ پھوٹ کر آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی انگلیوں سے ابل رہا تھا حتی کہ تمام صحابہ کرام رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین نے وضو بھی کر لیا اور خوب پی بھی لیا اور میں نے تو جتنا پانی میرے پیٹ میں سما سکتا تھا وہ بری طرح پی ڈالا کیونکہ میں جان چکا تھا کہ یہ برکت ہی برکت کا پانی ہے۔ میں نے جابر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے سوال کیا اس وقت تم کتنے صحابہ تھے؟ انہوں نے کہا ایک ہزار اور چار سو۔ (بخاری)

عَنْ جَابِرٍ اَيْضًا قَالَ عَطِشَ النَّاسُ يَوْمَ الْحُدَيْبِيَةِ وَالنَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بَيْنَ يَدَيْهِ رَكْوَةٌ فَتَوَضَّاَ فَجَهِشَ النَّاسُ نَحْوَهُ قَالَ مَالَكُمْ. قَالُوْا لَيْسَ عِنْدَنَا مَا نَتَوَضَّاُ وَلَا نَشْرَبُ اِلَّا مَا بَيْنَ يَدَيْكَ. فَوَضَعَ يَدَهُ فِي الرَّكْوَةِ فَجَعَلَ الْمَاءُ يَفُوْرُ بَيْنَ اَصَابِعِهِ كَاَمْثَالِ الْعُيُوْنِ فَشَرِبْنَا وَتَوَضَّأْنَا. قُلْتُ كَمْ كُنْتُمْ قَالَ لَوْ كُنَّا مِائَةَ اَلْفٍ لَكَفَانَا كُنَّا خَمْسَ عَشْرَةَ مِائَةً. (رواه البخاري)

یہ روایت بھی جابر رضی اللہ تعالیٰ عنہ ہی سے ہے کہ صلح حدیبیہ میں ہم کو پانی نہ مل سکا اور ہم کو سخت پیاس لگی آپ کے سامنے ایک چمڑے کا تھیلا تھا آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس سے پانی لے کر وضو کیا پھر کیا تھا لوگ پانی دیکھ کر بے تابی کے ساتھ اس کی طرف جھپٹے آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ دیکھ کر فرمایا تمہیں کیا ہو گیا ہے؟ انہوں نے عرض کی ہمارے پاس نہ وضو کے لیے پانی ہے نہ پینے کے لیے بس یہی ہے جو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے ہے آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس تھیلے میں اپنا دست مبارک ڈالا بس پانی تھا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی انگلیوں سے چشمے کی طرح ابل ابل کر نکلنے لگا ہم نے خوب پیا بھی اور وضو بھی کیا میں نے پوچھا تم کتنے تھے؟ یہ بیان کرتے ہیں کہ اگر ہم ایک لاکھ بھی ہوتے تو پانی کا عالم یہ تھا کہ ان کو بھی کافی ہو جاتا مگر اس وقت ہم پندرہ سو تھے۔ (بخاری)

تشریح: بخاری کے واقعات متفرق ہیں ان کے اجزاء میں کہیں کہیں تفاوت بھی ہے آپ چاہیں ان سب کو ایک واقعہ سمجھ سکتے ہیں۔ اس میں اگر کچھ نقصان ہو گا تو آپ ہی کا نقصان ہے کہ پیغمبر خدا صلی اللہ علیہ وسلم کے معجزات کی تقلیل لازم آئے گی اور تکلف بھی اختیار کرنا پڑے گا۔ بہر حال اپنے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے معجزات کو لطف اندوزی کے لیے یہاں سب کو یکجا تو بعض طرق کو جمع کر دیا ہے۔ ان میں کہیں انگلیوں کا کرشمہ ہے تو کہیں لعاب دہن کا۔

عَنِ الْبَرَاءِ بْنِ عَازِبٍ قَالَ تَعُدُّوْنَ اَنْتُمُ الْفَتْحَ فَتْحَ مَكَّةَ وَقَدْ كَانَ فَتْحُ مَكَّةَ فَتْحًا وَنَحْنُ نَعُدُّ الْفَتْحَ بَيْعَةَ الرِّضْوَانِ يَوْمَ الْحُدَيْبِيَةِ كُنَّا مَعَ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَرْبَعَ عَشْرَةَ مِائَةً وَالْحُدَيْبِيَةُ بِئْرٌ فَنَزَحْنَاهَا فَلَمْ نَتْرُكْ فِيْهَا قَطْرَةً فَبَلَغَ ذٰلِكَ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَاَتَاهَا فَجَلَسَ عَلٰى شَفِيْرِهَا ثُمَّ دَعَا بِاِنَاءٍ مِّنْ مَّاءٍ فَتَوَضَّاَ ثُمَّ تَمَضْمَضَ ثُمَّ صَبَّهُ فِيْهَا فَتَرَكْنَاهَا غَيْرَ بَعِيْدٍ ثُمَّ اِنَّهَا اَصْدَرَتْنَا مَا شِئْنَا نَحْنُ وَرِكَابَنَا وَكُنَّا اَلْفًا وَاَرْبَعَمِائَةٍ اَوْ اَكْثَرَ مِنْ ذٰلِكَ. (رواه البخاري)

براء بن عازب رضی اللہ تعالیٰ عنہ روایت کرتے ہیں کہ تم لوگ فتح مکہ کو فتح عظیم کا مصداق سمجھتے ہو اور کسی شک و شبہ کے بغیر وہ بڑی فتح تھی لیکن ہم تو بیعت الرضوان کو جو صلح حدیبیہ کے موقع پر ہوئی تھی بڑی فتح سمجھتے ہیں۔ ہم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ چودہ سو صحابہ تھے اور حدیبیہ وہاں ایک کنواں تھا جس کا پانی ہم نے سب کھینچ کھینچ کر نکال لیا تھا حتی کہ

اس میں پانی کا ایک قطرہ تک باقی نہیں چھوڑا تھا۔ یہ خبر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو بھی پہنچ گئی آپ صلی اللہ علیہ وسلم تشریف لائے اور اس کی منڈیر پر آکر بیٹھ گئے اور ایک برتن میں کچھ پانی منگوایا، وضو فرمایا اور کلی کر کے وہ پانی اس کنوئیں میں ڈال دیا۔ ہم نے کچھ زیادہ دیر بھی نہیں کی تھی کہ اس میں اتنا پانی بڑھ گیا کہ جتنا ہو سکا ہم نے خود پانی پیا اور اپنے اونٹوں کو بھی پلایا۔ اس وقت ہماری تعداد چودہ سو ہوگی یا اس سے کچھ زیادہ۔ (بخاری شریف)

پانی، کھانے اور پھلوں میں برکت

عَنْ اَنَسٍ اَنَّ النَّبِیَّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ دَعَا بِمَاءٍ فَاُتِیَ بِقَدَحٍ رَحْرَاحٍ فَجَعَلَ الْقَوْمُ یَتَوَضَّؤُوْنَ فَحَزَرْتُ مَا بَیْنَ سَبْعِیْنَ اِلَی الثَّمَانِیْنَ. (رواہ الشیخان) وَفِیْ رِوَایَۃٍ عَنْہُ اَنَّ النَّبِیَّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ خَرَجَ فِیْ بَعْضِ مَخَارِجِہٖ وَمَعَہٗ اُنَاسٌ مِنْ اَصْحَابِہٖ فَانْطَلَقُوْا یَسِیْرُوْنَ فَحَضَرَتِ الصَّلٰوۃُ فَلَمْ یَجِدُوْا مَا یَتَوَضَّؤُوْنَ بِہٖ فَانْطَلَقَ رَجُلٌ مِنَ الْقَوْمِ فَجَاءَ بِقَدَحٍ فِیْہِ مَاءٌ یَسِیْرٌ فَاَخَذَہُ النَّبِیُّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ فَتَوَضَّأَ ثُمَّ مَدَّ اَصَابِعَہُ الْاَرْبَعَ عَلَی الْقَدَحِ ثُمَّ قَالَ قُوْمُوْا فَتَوَضَّؤُوْا فَتَوَضَّؤُوْا وَکَانُوْا سَبْعِیْنَ اَوْ نَحْوَہٗ.

انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کچھ پانی طلب فرمایا، آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے ایک کشادہ پیالہ پیش کیا گیا اور لوگوں نے اس سے وضو کرنا شروع کر دیا۔ راوی کہتا ہے کہ میں نے اندازہ لگایا تو کوئی ستر اور اسی کے درمیان لوگ تھے۔ (شیخین) یہی واقعہ بعض روایات میں اس طرح ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کسی سفر میں باہر تشریف لے گئے اور اس سفر میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے ہمراہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے کچھ صحابہ بھی تھے وہ چلتے رہے یہاں تک کہ نماز کا وقت آ گیا اور وضو کے لیے پانی نہ مل سکا۔ قافلہ میں سے ایک شخص گیا اور ایک پیالہ میں تھوڑا سا پانی لے کر آیا، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کو لے کر وضو فرمایا اور اپنی چاروں انگلیاں پانی کے پیالے پر پھیلا دیں اور فرمایا لوگو اٹھو اور وضو کر لو یہ لوگ ستر یا کچھ کم و بیش ہوں گے۔

تشریح: اس واقعہ میں کل ستر اور اسی افراد موجود ہونے کا پتہ لگتا ہے۔ آپ کا دل گوارا کرے تو اس کو علیحدہ واقعہ شمار کر لیجئے یا ایک ہی شمار کیجئے۔ ہمارا مقصد تو صرف معجزات شماری کا ایک نمونہ پیش کرنا ہے۔

عَنْ عَبْدِ الرَّحْمٰنِ بْنِ اَبِیْ بَکْرٍ قَالَ اِنَّ اَصْحَابَ الصُّفَّۃِ کَانُوْا اُنَاسًا فُقَرَاءَ وَاِنَّ النَّبِیَّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ قَالَ مَنْ کَانَ عِنْدَہٗ طَعَامُ اثْنَیْنِ فَلْیَذْھَبْ بِثَالِثٍ وَمَنْ کَانَ عِنْدَہٗ طَعَامُ اَرْبَعَۃٍ فَلْیَذْھَبْ بِخَامِسٍ اَوْ سَادِسٍ وَاِنَّ اَبَا بَکْرٍ جَاءَ بِثَلٰثَۃٍ وَانْطَلَقَ النَّبِیُّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ بِعَشَرَۃٍ وَاِنَّ اَبَا بَکْرٍ تَعَشّٰی عِنْدَ النَّبِیِّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ ثُمَّ لَبِثَ حَتّٰی صُلِّیَتِ الْعِشَاءُ ثُمَّ رَجَعَ فَلَبِثَ حَتّٰی تَعَشَّی النَّبِیُّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ فَجَاءَ بَعْدَ مَا مَضٰی مِنَ اللَّیْلِ مَا شَاءَ اللّٰہُ قَالَتْ لَہُ امْرَاَتُہٗ مَا حَبَسَکَ عَنْ اَضْیَافِکَ قَالَ اَوَعَشَّیْتِھِمْ قَالَتْ اَبَوْا حَتّٰی تَجِیْءَ فَغَضِبَ وَقَالَ وَاللّٰہِ لَا اَطْعَمُہٗ اَبَدًا فَحَلَفَتِ الْمَرْاَۃُ اَنْ لَا تَطْعَمَہٗ وَحَلَفَ الْاَضْیَافُ اَنْ لَا یَطْعَمُوْہُ قَالَ اَبُوْ بَکْرٍ کَانَ ھٰذَا مِنَ الشَّیْطَانِ فَدَعَا بِالطَّعَامِ فَاَکَلَ وَاَکَلُوْا فَجَعَلُوْا لَا یَرْفَعُوْنَ لُقْمَۃً اِلَّا رَبَتْ مِنْ اَسْفَلِھَا اَکْثَرُ مِنْھَا فَقَالَ لِامْرَاَتِہٖ یَا اُخْتَ بَنِیْ فِرَاسٍ مَا ھٰذَا قَالَتْ وَقُرَّۃِ عَیْنِیْ اِنَّھَا الْاٰنَ لَاَکْثَرُ مِنْھَا قَبْلَ

فَذٰلِكَ يَعْنِي مِرَارًا فَأَكَلُوْا وَبَعَثَ بِهَا إِلَى النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَذَكَرَ أَنَّهُ أَكَلَ مِنْهَا رَوَاهُ الشَّيْخَانِ وَذُكِرَ عَبْدُ اللّٰهِ بْنُ مَسْعُوْدٍ كُنَّا نَسْمَعُ تَسْبِيْحَ الطَّعَامِ فِي الْمُعْجِزَاتِ.

حضرت عبدالرحمن بن ابی بکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ بیان کرتے ہیں کہ اصحاب صفہ تنگ دست لوگ تھے اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے حکم فرمایا کہ جس شخص کے پاس دو آدمیوں کا کھانا ہو اسے چاہیے کہ تیسرے کو اپنے ساتھ لے جائے اور جس کے پاس چار آدمیوں کا کھانا ہو اسے چاہیے کہ پانچویں یا چھٹے آدمی کو اپنے ساتھ (کھانا کھلانے) لے جائے اور حضرت ابوبکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ تین آدمیوں کو ساتھ لے کر گھر آئے اور خود حضور صلی اللہ علیہ وسلم دس آدمیوں کو ہمراہ لے کر چلے اور خود ابوبکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے بھی رات کا کھانا نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے یہاں کھا لیا پھر ٹھہرے رہے یہاں تک کہ عشاء کی نماز پڑھی گئی۔ پھر نماز سے لوٹے اور اتنی دیر ٹھہرے رہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی رات کا کھانا کھا لیا اور ابوبکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ رات کا اتنا حصہ گزرنے کے بعد گھر پہنچے جتنا اللہ تعالیٰ نے چاہا تو ان کی بیوی نے ان سے پوچھا کہ اپنے مہمانوں کو چھوڑ کر آپ اتنی دیر کہاں رک گئے؟ تو ابوبکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے پوچھا کیا تم نے ان کو کھانا کھلا دیا نہیں؟ کہنے لگیں کہ ان لوگوں نے کہا کہ اس وقت تک نہ کھائیں گے جب تک تم نہ آجاؤ گے تو حضرت ابوبکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو غصہ آیا اور انہوں نے کہا کہ خدا کی قسم! میں تو کھانا نہ کھاؤں گا تو ان کی بی بی نے بھی قسم کھا لی کہ میں بھی کھانا نہ کھاؤں گی اس پر ان مہمانوں نے بھی قسم کھالی کہ پھر ہم بھی یہ کھانا نہ کھائیں گے۔ اب حضرت ابوبکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو تعجب ہوا اور فرمانے لگے کہ یہ سب کچھ شیطان کی وجہ سے ہوا ہے اس کے بعد انہوں نے کھانا منگوایا اور خود کھایا تو مہمانوں نے بھی کھانا کھایا تو یہ حال تھا کہ جب وہ لوگ ایک لقمہ اٹھاتے تھے تو اس کے نیچے اس سے زیادہ کھانا خود اضافہ ہو جاتا تھا تو انہوں نے اپنی بی بی سے فرمایا کہ اے بنو فراس کی خاتون! دیکھو یہ کیا ہے؟ اے میری آنکھوں کی ٹھنڈک! ارے یہ تو پہلے سے تین گنا زیادہ ہو گیا ہے تو ان سب نے خوب کھایا اور ابوبکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے وہ کھانا حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس بھجوایا۔ راوی کہتا ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی اس میں سے کھایا۔ (شیخین) عبداللہ بن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے معجزات میں بیان کرتے ہیں کہ ہم کھانے کے اندر سے تسبیح سنتے تھے۔

سفر ہجرت میں سراقہ کا واقعہ

عَنِ الْبَرَاءِ بْنِ عَازِبٍ فِي حَدِيْثِ هِجْرَةِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَأَبِيْ بَكْرٍ مِنْ مَكَّةَ إِلَى الْمَدِيْنَةِ قَالَ فَتَبِعَهُ سُرَاقَةُ بْنُ مَالِكِ بْنِ جُعْشُمٍ وَنَحْنُ فِيْ جَلَدٍ مِنَ الْأَرْضِ فَقُلْتُ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أُتِيْنَا قَالَ لَا تَحْزَنْ إِنَّ اللّٰهَ مَعَنَا فَدَعَا عَلَيْهِ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَارْتَطَمَتْ فَرَسُهُ إِلَى بَطْنِهَا فَقَالَ إِنِّيْ قَدْ عَلِمْتُ أَنَّكُمَا دَعَوْتُمَا عَلَيَّ فَادْعُوَا لِيْ وَاللّٰهِ لَكُمَا أَنْ أَرُدَّ عَنْكُمَا الطَّلَبَ فَدَعَا اللّٰهَ فَنَجَا فَرَجَعَ لَا يَلْقَى أَحَدًا إِلَّا قَالَ قَدْ كُفِيْتُمْ مَا هٰهُنَا فَلَا يَلْقَى أَحَدًا إِلَّا رَدَّهُ وَفِيْ لَفْظٍ فَسَاخَ فَرَسُهُ فِي الْأَرْضِ إِلَى بَطْنِهِ وَوَثَبَ عَنْهُ وَقَالَ يَا مُحَمَّدُ قَدْ عَلِمْتُ أَنَّ هٰذَا عَمَلُكَ فَادْعُ اللّٰهَ أَنْ يُخَلِّصَنِيْ مِمَّا أَنَا فِيْهِ وَلَكَ عَلَيَّ لَأُعَمِّيَنَّ عَلَى مَنْ وَرَائِيْ. (رواه الشيخان)

آئے کہ جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور ابوبکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو قتل کرے یا قید کرے تو اس کو ان میں سے ہر ایک کے عوض میں ایک دیت کی برابر مال ملے گا۔ یہ کہتے ہیں کہ ابھی کچھ دیر گزرنے نہ پائی تھی کہ میں اپنی قوم بنی مدلج میں بیٹھا ہوا تھا کہ ایک شخص سامنے سے آیا اور کہنے لگا اے سراقہ! دریا کے کنارے میں نے ابھی ابھی کچھ لوگ دیکھے ہیں جن کے متعلق میرا غالب گمان یہی ہے کہ وہ محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) اور ان کے رفیق ہوں گے۔ اس کے پتہ دینے پر میں سمجھ تو گیا کہ ہوں نہ ہوں یہ وہی ہیں مگر بات ٹالنے کے لیے میں نے اس سے کہہ دیا وہ بھلا کہاں ہوتے، شاید تو نے فلاں فلاں کو دیکھا ہوگا پھر تھوڑا سا وقفہ دے کر میں وہاں سے اٹھ کھڑا ہوا اور اپنے گھر جا کر اپنی باندی سے کہا کہ میرا گھوڑا باہر نکالے اور وہ ایک ٹیلہ کے پیچھے تھا اور اس کو لے کر کھڑی رہے ادھر میں اپنا نیزہ لے کر گھر کی پشت کی طرف سے نکلا اور اس کی بھال زمین کی طرف کر دی اور اس کے اوپر کے حصہ کو نیچے کر دیا (تاکہ کسی کی نظر نہ پڑے) یہاں تک کہ اپنے گھوڑے پر آ کر سوار ہو گیا اور اس کو تیز کر دیا تاکہ وہ جلد ان کو جا پکڑے۔ جب میں ان کے نزدیک جا پہنچا تو میرا گھوڑا دفعتہً پھسلا اور میں اس کے اوپر سے جا پڑا۔ کھڑے ہو کر میں نے اپنے ترکش کے تیر نکالے اور ان کا پانسا گھمایا تاکہ یہ دیکھوں کہ میں ان کو نقصان پہنچا سکوں گا یا نہیں، دیکھا تو اس میں ایسی بات نکلی جس کو میں ناپسند کرتا تھا مگر پھر بھی میں نے اس کی کوئی پروا نہ کی اور پھر گھوڑے پر سوار ہو کر ان کے اور نزدیک جا پہنچا جہاں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے قرآن پڑھنے کی آواز آ رہی تھی۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کسی طرف توجہ نہ فرماتے تھے اور ابوبکر بار بار مڑ مڑ کر دیکھ رہے تھے جب میں اتنا قریب جا پہنچا تو اس مرتبہ میرے گھوڑے کے دونوں ہاتھ زمین میں دھنس گئے یہاں تک کہ گھٹنوں تک جا پہنچے اور میں پھر اس کی پشت سے جا پڑا۔ میں پھر اٹھ کھڑا ہوا اور اس کو زور سے ڈانٹا مگر وہ اپنے ہاتھ زمین سے نہ نکال سکا پھر جب بمشکل وہ سیدھا کھڑا ہوا تو زمین سے دھوئیں کی طرح ایک غبار نکلا میں نے پھر اپنے تیر گھمائے مگر پھر وہی بات نکلی جو مجھ کو ناپسند تھی اس پر میں نے امن کے لیے آواز دی وہ ٹھہر گئے۔ میں گھوڑے پر سوار ہو کر جب بالکل ان کے پاس پہنچ گیا تو اپنی اس ناکامی کی وجہ سے میرے دل میں اب یہ یقین ہو گیا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا دین ضرور غالب ہو کر رہے گا۔ اس کے بعد پورا واقعہ نقل کیا۔ (متفق علیہ)

تشریح: ہجرت کا یہ واقعہ صحیح بخاری وغیرہ میں مختلف جگہ پر موجود ہے ہم نے صرف اس کے وہ ٹکڑے پیش کیے ہیں تاکہ آپ یہ اندازہ کر سکیں کہ کہنے کو تو یہ ایک ہی واقعہ ہے مگر نہ معلوم کتنے معجزات کا حامل ہے اور کیوں نہ ہو کہ آج خدا کا محبوب صلی اللہ علیہ وسلم اپنے وطن مألوف محبوب سے خدا کے لیے باہر کیا جا رہا ہے۔ ایک ذی حس انسان تصور کرے کہ ان حالات میں اس کے اوپر کیا گزر سکتی ہے پھر اس کی تسلی کے لیے قدرت جو کرشمے اپنی رافت و رحمت کے دکھائے ان کا تصور خود کر لیجیے۔ اپنی خوابگاہ پر کس طرح حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو لٹایا کس طرح دشمنوں کے جھرمٹ میں سے صاف آنکھوں میں دھول جھونک کر نکل گئے کس طرح تعاقب کرنے والے دشمنوں کا حشر ہوا کس طرح غار ثور میں تحفظ رہا کس طرح ام معبد پر گزر ہوا کس طرح دودھ کے متعلق دوسرے واقعات ظاہر ہوئے۔ یہ سب واقعات ان ہی اوراق میں آپ کی نظروں سے گزر چکے ہیں اور جو جو معجزات ہماری نظروں سے اب تک ہماری کم علمی کی وجہ سے غائب رہے یا راویوں کے سہو و نسیان کے

نذر ہو گئے یا ان کے زمانے کے واقعات ہونے کی وجہ سے ان کے نزدیک قابل بیان نہ تھے یا سندی بحثوں نے ان کو سرے
سے ساقط ہی کر دیا ان کی تعداد اس قدر زائد ہے کہ ان کے بیان کے لیے کئی ضخیم جلدیں چاہئیں۔

دُعائے مبارک کی شانِ قبولیت

عَنْ عَلِيٍّ قَالَ بَعَثَنِي رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِلَى الْيَمَنِ قَاضِيًا فَقُلْتُ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ تُرْسِلُنِيْ وَأَنَا حَدِيْثُ السِّنِّ لَا عِلْمَ لِيْ بِالْقَضَاءِ فَقَالَ إِنَّ اللّٰهَ سَيَهْدِيْ قَلْبَكَ وَيُثَبِّتُ لِسَانَكَ. إِذَا تَقَاضَى إِلَيْكَ رَجُلَانِ فَلَا تَقْضِ لِلْأَوَّلِ حَتّٰى تَسْمَعَ كَلَامَ الْآخَرِ فَإِنَّهُ أَحْرٰى أَنْ يَتَبَيَّنَ لَكَ الْقَضَاءُ قَالَ فَمَا شَكَكْتُ فِيْ قَضَاءٍ بَعْدُ (رواہ الترمذی و ابو داؤد و ابن ماجۃ)

حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ بیان فرماتے ہیں کہ مجھے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے یمن کی طرف قاضی بنا کر بھیجا میں نے عرض کیا یا رسول اللہ! آپ صلی اللہ علیہ وسلم مجھے قاضی و منصف بنا کر بھیج رہے ہیں حالانکہ میں ابھی کم عمر ہوں اور مجھے جھگڑے چکانا نہیں آتا۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اللہ تعالیٰ تمہارے دل کو حق بات کی طرف رہنمائی فرمایا کرے گا اور تمہاری زبان کو حق بات پر جما کر رکھے گا۔ لہٰذا جب بھی تمہارے پاس دو فریق آئیں تو تم ایک ہی شخص کی باتوں کو سن کر فیصلہ نہ کر دیا کرنا جب تک کہ تم فریق ثانی کی بات بھی نہ سن لو کیونکہ اس صورت میں معاملہ تمہارے سامنے خوب زیادہ واضح ہو جائے گا۔ حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ پھر اس کے بعد مجھے کسی معاملہ میں شک و شبہ نہیں ہوا۔ (ترمذی)

عَنْ كَعْبِ بْنِ مَالِكٍ قَالَ كَانَ أُبَيُّ بْنُ خَلَفٍ أَخُوْ بَنِيْ جُمَحٍ قَدْ حَلَفَ وَهُوَ بِمَكَّةَ لَيَقْتُلَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَلَمَّا بَلَغَتْ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ حَلْفَتُهُ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بَلْ أَنَا أَقْتُلُهُ إِنْ شَاءَ اللّٰهُ فَأَقْبَلَ أُبَيٌّ مُقَنَّعًا فِي الْحَدِيْدِ وَهُوَ يَقُوْلُ لَا نَجَوْتُ إِنْ نَجَا مُحَمَّدٌ فَحَمَلَ عَلٰى رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يُرِيْدُ قَتْلَهُ فَاسْتَقْبَلَهُ مُصْعَبُ بْنُ عُمَيْرٍ أَخُوْ بَنِيْ عَبْدِ الدَّارِ يَقِيْ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بِنَفْسِهِ فَقُتِلَ مُصْعَبُ بْنُ عُمَيْرٍ وَأَبْصَرَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ تَرْقُوَةَ أُبَيِّ بْنِ خَلَفٍ مِنْ فُرْجَةٍ بَيْنَ سَابِغَةِ الدِّرْعِ وَالْبَيْضَةِ فَطَعَنَهُ فِيْهَا بِحَرْبَتِهِ فَوَقَعَ أُبَيٌّ عَنْ فَرَسِهِ وَلَمْ يَخْرُجْ مِنْ طَعْنَتِهِ دَمٌ فَأَتَاهُ أَصْحَابُهُ فَاحْتَمَلُوْهُ وَهُوَ يَخُوْرُ خُوَارَ الثَّوْرِ. فَقَالُوْا لَهُ مَا أَجْزَعَكَ إِنَّمَا هُوَ خَدْشٌ فَذَكَرَ لَهُمْ قَوْلَ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَنَا أَقْتُلُ أُبَيًّا. ثُمَّ قَالَ وَالَّذِيْ نَفْسِيْ بِيَدِهِ لَوْ كَانَ هٰذَا الَّذِيْ بِيْ بِأَهْلِ ذِي الْمَجَازِ لَمَاتُوْا أَجْمَعُوْنَ فَمَاتَ إِلَى النَّارِ. (رواہ موسیٰ بن عقبۃ عن ابن شہاب الزہری)

کعب بن مالک رضی اللہ تعالیٰ عنہ بیان کرتے ہیں کہ ابی بن خلف نے جو بنو جمح کا بھائی لگتا تھا مکہ میں اس پر قسم اٹھائی تھی کہ وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو ضرور قتل کر کے چھوڑے گا جب اس کی اس قسم کی خبر آپ کو ہوئی تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے

فرمایا "ان شاء اللہ میں ہی اس کو قتل کروں گا۔" چنانچہ جب ابی چاروں طرف سے ہتھیاروں سے لیس ہو کر میدان جنگ میں آیا تو اس نے پکار کر کہا "آج کے دن اگر محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) بچ گئے تو خدا کرے کہ میں زندہ نہ بچوں۔" یہ کہہ کر اس نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم پر حملہ کیا مصعب بن عمیر جو بنو عبدالدار کے بھائی لگتے تھے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی حفاظت کے لیے فوراً سامنے آ گئے اور شہید ہو گئے۔ ادھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے دیکھا تو اس کے خود اور لمبی چوڑی زرہ کے درمیان اس کی ہنسلی کے پاس ذرا سی جگہ کھلی ہوئی تھی آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک نیزہ دے کر اس جگہ پر ہلکا سا نیزہ لگایا تھا کہ وہ اپنے گھوڑے سے گر پڑا اور حال یہ تھا کہ آپ کے نیزہ سے ذرا سا خون بھی نہ نکلا۔ اس کے ساتھی اس کو اٹھا کر لے گئے اور وہ بیل کی طرح ڈکارتا رہا تو اس پر اس کے رفقاء نے کہا کتنا بزدل شخص ہے یہ کیا زخم ہے صرف ایک معمولی سی خراش ہے۔ یہ سن کر اس نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی پیشین گوئی کا ذکر کیا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تھا میں ہی ابی کو قتل کروں گا۔ اس کے بعد کہا اس ذات کی قسم جس کے قبضہ میں میری جان ہے جو تکلیف مجھے ہے اگر یہ سارے ذی المجاز (ایک بازار کا نام ہے) والوں کو ہوتی تو وہ سب اس کی وجہ سے ختم ہو جاتے یہ کہہ کر وہ واصل جہنم ہو گیا۔ (مستدرک وغیرہ)

عَنْ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ مَسْعُوْدٍ قَالَ بَيْنَمَا رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يُصَلِّيْ عِنْدَ الْبَيْتِ وَاَبُوْ جَهْلٍ وَاَصْحَابٌ لَهُ جُلُوْسٌ وَقَدْ نُحِرَتْ جَزُوْرٌ بِالْاَمْسِ فَقَالَ اَبُوْ جَهْلٍ اَيُّكُمْ يَقُوْمُ اِلٰى سَلَا جَزُوْرِ بَنِيْ فُلَانٍ فَيَاْخُذُهُ فَيَضَعُهُ فِيْ كَتِفَيْ مُحَمَّدٍ اِذَا سَجَدَ فَانْبَعَثَ اَشْقَى الْقَوْمِ فَاَخَذَهُ فَلَمَّا سَجَدَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَضَعَهُ بَيْنَ كَتِفَيْهِ قَالَ فَاسْتَضْحَكُوْا وَجَعَلَ بَعْضُهُمْ يَمِيْلُ عَلٰى بَعْضٍ وَاَنَا قَائِمٌ اَنْظُرُ لَوْ كَانَتْ لِيْ مَنَعَةٌ طَرَحْتُهُ عَنْ ظَهْرِ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَالنَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ سَاجِدٌ لَا يَرْفَعُ رَاْسَهُ حَتَّى انْطَلَقَ اِنْسَانٌ اِلٰى فَاطِمَةَ فَجَاءَتْ وَهِيَ جُوَيْرِيَةٌ فَطَرَحَتْهُ عَنْهُ ثُمَّ اَقْبَلَتْ عَلَيْهِمْ تَسُبُّهُمْ فَلَمَّا قَضَى النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ صَلَاتَهُ رَفَعَ صَوْتَهُ ثُمَّ دَعَا عَلَيْهِمْ وَكَانَ اِذَا دَعَا دَعَا ثَلَاثًا وَاِذَا سَاَلَ سَاَلَ ثَلَاثًا ثُمَّ قَالَ اللّٰهُمَّ عَلَيْكَ بِقُرَيْشٍ ثَلَاثَ مَرَّاتٍ فَلَمَّا سَمِعُوْا صَوْتَهُ ذَهَبَ عَنْهُمُ الضِّحْكُ وَخَافُوْا دَعْوَتَهُ ثُمَّ قَالَ اللّٰهُمَّ عَلَيْكَ بِاَبِيْ جَهْلِ بْنِ هِشَامٍ وَعُتْبَةَ بْنِ رَبِيْعَةَ وَشَيْبَةَ بْنِ رَبِيْعَةَ وَالْوَلِيْدِ بْنِ عُتْبَةَ وَاُمَيَّةَ بْنِ خَلَفٍ وَعُقْبَةَ بْنِ اَبِيْ مُعَيْطٍ وَذَكَرَ السَّابِعَ لَمْ اَحْفَظْهُ فَوَالَّذِيْ بَعَثَ مُحَمَّدًا بِالْحَقِّ لَقَدْ رَاَيْتُ الَّذِيْنَ سَمّٰى صَرْعٰى يَوْمَ بَدْرٍ ثُمَّ سُحِبُوْا اِلَى الْقَلِيْبِ قَلِيْبِ بَدْرٍ۔ (رواه الشيخان)

وَكَانَ اَبُوْ لَهَبٍ لَمَّا عَادَى النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَمَرَ ابْنَيْهِ اَنْ يُطَلِّقَا ابْنَتَيِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ رُقَيَّةَ وَاُمَّ كُلْثُوْمٍ قَبْلَ الدُّخُوْلِ وَقَالَ عُتَيْبَةُ لِرَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كَفَرْتُ بِدِيْنِكَ وَفَارَقْتُ ابْنَتَكَ لَا تَجِيْئُنِيْ وَلَا اَجِيْئُكَ ثُمَّ تَسَلَّطَ عَلَيْهِ بِالْاَذٰى وَشَقَّ قَمِيْصَهُ فَقَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اللّٰهُمَّ سَلِّطْ عَلَيْهِ كَلْبًا مِّنْ كِلَابِكَ فَخَرَجَ فِيْ نَفَرٍ مِّنْ قُرَيْشٍ حَتّٰى نَزَلُوْا فِيْ

فكان من الشام يقال له الزرقاء ليلا فطاف بهم الأسد تلك الليلة فجعل عتيبة يقول ويل أمي هو والله آكلي كما دعا محمد علي قتلني وهو بمكة وأنا بالشام فعدا عليه الأسد من بين القوم وأخذ برأسه فضغمه وفي رواية هشام بن عروة عن أبيه قال لما طاف الأسد بهم تلك الليلة انصرف عنهم فناموا وجعلوا عتيبة في وسطهم فأقبل الأسد يتخطاهم حتى أخذ برأس عتيبة ففدغه كما هو المشهور عند أصحاب السير ذكره ابن تيمية في الجواب الصحيح ص [illegible] ج ٣ ورواه الحاكم في المستدرك وصححه الذهبي وذكره القرطبي في تفسير سورة والنجم وابن كثير في البداية والنهاية ص [illegible] ج [illegible])

حضرت ابن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ کہتے ہیں کہ ایک مرتبہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بیت اللہ شریف کے پاس نماز ادا فرما رہے تھے اور ابوجہل اور اس کے رفقاء موجود وہاں جمع تھے ان میں سے کسی نے ایک اونٹ ذبح کیا تھا اس کی اوجھڑی وہاں پڑی ہوئی تھی ابوجہل بولا تم میں سے ہے کوئی شخص جو اٹھ کر اس اونٹ کی اوجھڑی کو لے آئے اور جب آپ سجدہ کریں تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے شانوں پر جا کر رکھ دے آخر جو ان میں سب سے زیادہ بدنصیب تھا اس نے یہ ہمت کی اور جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم سجدہ میں تشریف لے گئے تو اس نے وہ اوجھڑی لا کر آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے شانوں پر ڈال دی پھر کیا تھا ایک قہقہہ لگا کہ ہنسی کے مارے ایک دوسرے پر جا جا کر گرنے لگے میں یہ سب ماجرا کھڑا دیکھ رہا تھا کاش میرے ساتھ کوئی چھوٹی سی جماعت بھی ہوتی تو میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے شانوں سے اس کو اٹھا کر پھینک دیتا۔ ادھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بدستور سر بسجود تھے اور اپنا سر مبارک نہ اٹھاتے تھے۔ اتنے میں کسی نے جا کر حضرت فاطمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے اس کی خبر کی یہ اس وقت بہت کم سن تھیں بھاگی ہوئی آئیں اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے شانوں سے وہ اوجھڑی اٹھا کر پھینک دی پھر ان بدکرداروں کو برا بھلا کہنے لگیں۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم جب نماز سے فارغ ہو گئے تو با آواز بلند ان پر بددعا فرمائی اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا دستور مبارک یہ تھا کہ جب بددعا فرماتے تو تین بار فرماتے اسی طرح جب کوئی بات مانگتے تو تین بار مانگتے پھر فرمایا ”الٰہی! قریش سے انتقام لے“ جب انہوں نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی زبان مبارک سے یہ کلمہ سنا تو ان کی سب ہنسی خوشی غائب ہو گئی اور سہم کر رہ گئے۔ اس کے بعد آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے نام لے لے کر بددعائیں فرمائیں الٰہی! ابوجہل، عتبہ، شیبہ، ولید، امیہ، عقبہ سے (اور ایک ساتویں شخص کا اور نام لیا جو اس وقت مجھ کو یاد نہیں رہا) انتقام لے۔ اس ذات کی قسم! جس نے محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو دین حق دے کر بھیجا ہے جن جن مشرکین کے آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے نام لیے تھے میں نے ان میں سے ایک ایک کو جنگ بدر کے میدان میں مقتول پڑا ہوا دیکھا اس کے بعد وہ گھسیٹ کر وہاں ایک کنوئیں میں ڈال دیے گئے۔ (بخاری، مسلم)

جب ابولہب حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا دشمن ہو گیا تو اس نے اپنے دونوں بیٹوں کو حکم دیا کہ وہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی دونوں صاحبزادیوں رقیہ اور ام کلثوم رضی اللہ تعالیٰ عنہما کو رخصتی سے قبل ہی طلاق دے دیں تو عتیبہ نے تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے جا کر بدتمیزی سے یوں کہا کہ میں تمہارے دین کو نہیں مانتا اور میں نے تمہاری لڑکی کو چھوڑ دیا ہے نہ وہ میرے بلانے پر آئے نہ میں اس کو بلانے پر آؤں (یعنی نہ وہ مجھے جواب دے نہ میں اسے جواب دوں) پھر اس بدبخت نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو ایذا دینے کا

قصد کیا اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا پیراہن مبارک پھاڑ دیا تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے بددعا فرمائی کہ اے میرے اللہ! اس پر اپنے کتوں میں سے کوئی کتا مسلط کر دیجئے۔ کچھ دنوں کے بعد قریش کے ایک قافلے کے ساتھ وہ (لڑکا) کسی سفر کو نکلا ملک شام میں ایک مقام پر جس کا نام زرقا تھا وہ قافلہ رات کو اترا ایک شیر رات میں ان کے پاس سے گھوم گیا تو عتیبہ کہنے لگا اے بھائی! بڑا غضب ہو گیا یہ شیر بخدا مجھے کھا جائے گا جیسے محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) نے مجھ پر بددعا کی ہے حالانکہ وہ اس وقت مکہ میں ہیں اور میں شام میں ہوں۔ بس پھر اس شیر نے قافلے کے بیچ میں سے گزر کر اسی پر حملہ کیا اور اس کا سر پکڑا اور اسے مار ڈالا اور ہشام نے اپنے والد عروہ سے یوں روایت کی ہے کہ جب شیر آیا رات میں ان کے پاس سے گھوم گیا تو قافلے والے اٹھ بیٹھے اور انہوں نے عتیبہ کو بیچ میں کر کے چاروں طرف خود بیٹھ گئے تو وہ شیر سب کے بیچ میں سے گزرتا ہوا آ گیا اور اس نے عتیبہ کا سر پکڑا اور اسے توڑ ڈالا۔ اہل سیر کے یہاں اسی طرح مشہور ہے۔ ابن تیمیہ رحمۃ اللہ علیہ نے اس کا ذکر الجواب الصحیح میں کیا ہے۔

دنیا میں حصول ہدایت اور آخرت میں عزت و کرامت

وفي مغازيه أن عمير بن وهب الجمحي لما رجع من المشركين إلى مكة وقد قتل الله من قتل منهم، أقبل عمير حتى جلس إلى صفوان بن أمية في الحجر. فقال صفوان قبح الله العيش بعد قتلى بدر قال أجل والله ما في العيش خير بعدهم ولولا دين علي لا أجد له قضاء وعيال لا أدع لهم شيئا لرحلت إلى محمد فقتلته إن ملأت عيني منه فإن لي عنده علة أعتل بها. أقول قدمت على ابني الذي هذا الأسير. ففرح صفوان بقوله وقال له علي دينك وعيالك أسوة عيالي في النفقة فحمله صفوان وجهزه وأمر بسيف عمير فصقل وسم فأقبل عمير حتى قدم المدينة فنزل بباب المسجد وعقل راحلته وأخذ السيف فعمد لرسول الله صلى الله عليه وسلم فنظر إليه عمر بن الخطاب وهو في نفر من الأنصار يتحدثون فقال عمر عندكم الكلب هذا عدو الله الذي حرش بيننا يوم بدر وحزرنا للقوم ثم قام عمر حتى دخل على رسول الله صلى الله عليه وسلم وذكر الحديث إلى أن قال له رسول الله صلى الله عليه وسلم ما أقدمك؟ قال أسيري عندكم ففادونا في أسيرنا فإنكم العشيرة والأهل. قال فما بال السيف في عنقك؟ قال عمير قبحها الله من سيوف فهل أغنت عنا شيئا إنما نسيته في عنقي حين نزلت. فقال له رسول الله صلى الله عليه وسلم اصدقني ما أقدمك؟ قال ما قدمت إلا في أسيري قال فماذا شرطت لصفوان بن أمية في الحجر؟ ففزع عمير وقال ماذا شرطت؟ قال تحملت له بقتلي على أن يعول بنيك ويقضي دينك والله حائل بينك وبين ذلك. فقال عمير أشهد أنك رسول الله صلى الله عليه وسلم وأن لا إله إلا الله كنا نكذبك بالوحي وبما يأتيك من السماء وهذا الحديث كان بيني وبين صفوان في الحجر لم يطلع عليه أحد غيري وغيره فأخبرك الله به. (الطبراني)

عمیر بن وہب اکی جب مشرکین مکہ مکرمہ کے پاس واپس آیا اور جنگ بدر میں جن کفار کو قتل ہونا تھا وہ قتل ہو گئے تو اب عمیر صفوان بن امیہ کے پاس حجر میں آ کر بیٹھا اور بولا صفوان! جنگ کے مقتولین کے بعد ہماری اس زندگی پر تف ہے اس نے کہا بیشک ان کے بعد جینے کا کوئی مزہ نہیں۔ اگر میرے ذمہ قرض نہ ہوتا جس کی ادائیگی کا میرے پاس کوئی سامان نہیں ہے اور یہ بچے نہ ہوتے جن کے لیے میرے بعد کوئی سرمایہ نہیں ہے تو میں جا کر محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کو قتل کر دیتا (نعوذ باللہ) اگر تم میرے بچوں اور قرض کی طرف سے مجھ کو مطمئن کر دیتے تو میرے لیے ان سے اس وقت بہانہ کرنے کا ایک موقع بھی ہے۔ میں ان سے یہ کہوں گا کہ میں اپنے قیدی کا فدیہ دینے کے لیے آیا ہوں اس کی اس بات سے صفوان بڑا خوش ہوا اور بولا کہ اچھا تیرا قرض میرے ذمہ ہے اور تیرے بچوں کے سب اخراجات میرے بچوں کے برابر رہیں گے صفوان نے اس کو سواری دی اور سب سازو سامان تیار کر دیا اور حکم دیا کہ صفوان کی تلوار صیقل کر کے زہر میں بجھا دی جائے اب عمیر روانہ ہو گیا مدینہ پہنچا اور مسجد شریف کے دروازہ پر آ کر اترا اور اپنی سواری باندھی اور تلوار لے کر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف چلا۔ عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اس کو دیکھا اس وقت وہ جماعت انصار کے درمیان بیٹھے ہوئے کچھ گفتگو فرما رہے تھے اس کو دیکھ کر انہوں نے فرمایا یہ وہی کتا خدا کا دشمن ہے اب تمہارے سامنے ہے جس نے جنگ بدر میں ہمارے درمیان جنگ کی سازش مرتب کی تھی اور لوگوں کو ہمارے خلاف ابھارا تھا اس کے بعد عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کھڑے ہو گئے اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے اس کے بعد آپ سے پورا واقعہ بیان کیا بات یہاں تک پہنچی کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے عمیر سے پوچھا تم کیوں آئے ہو؟ وہ بولا میرا ایک قیدی آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس ہے لہٰذا مجھ سے اس کا فدیہ قبول کر لیجئے آخر آپ صلی اللہ علیہ وسلم ہمارے قبیلہ و کنبہ ہی کے تو ہیں۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اچھا تو تمہاری گردن میں یہ تلوار کیسی لٹک رہی ہے؟ عمیر نے کہا خدا تعالیٰ اس کا ستیاناس کرے جنگ بدر میں اس نے ہم کو کیا نفع دیا جب میں اترا تو اس کو نکالنا ہی بھول گیا اور میری گردن میں لٹکی رہ گئی۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے پھر پوچھا اچھا سچ سچ بتاؤ کیوں آئے ہو؟ اس نے کہا میں تو صرف اسی مقصد کے لیے آیا ہوں کہ اپنے قیدی کا فدیہ دیدوں۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا بھلا تم نے حجر میں بیٹھ کر صفوان کے ساتھ کس معاملہ پر شرط باندھی تھی؟ اب تو وہ گھبرا اٹھا اور بولا میں نے تو کسی بات پر شرط نہیں باندھی تھی۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اس بات پر کہ تم مجھے قتل کر دو گے اور وہ تمہارے بچوں کے مصارف کا کفیل رہے گا اور تمہارا قرض ادا کرے گا اور اللہ تعالیٰ میرے اور تیرے اس ارادہ کے درمیان حائل ہے (تو مجھے قتل نہیں کر سکتا) یہ سن کر عمیر نے فوراً کلمہ شہادت پڑھا اور کہا بیشک آپ صلی اللہ علیہ وسلم اللہ تعالیٰ کے رسول ہیں ہم وحی اور ان تمام باتوں کو جو آسمان سے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو بتائی جاتی ہیں جھٹلایا کرتے تھے لیکن یہ بات جو حجر میں بیٹھ کر میرے اور صفوان کے درمیان ہوئی تھی اس کی خبر میرے اور اس کے سوا کسی کو بھی نہیں لہٰذا ضرور اللہ تعالیٰ نے ہی آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو اس کی خبر دی ہے۔ (طبرانی)

عَنْ اَنَسٍ قَالَ بَعَثَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَقْوَامًا مِنْ بَنِيْ سُلَيْمٍ اِلٰى بَنِيْ عَامِرٍ فِيْ سَبْعِيْنَ فَلَمَّا قَدِمُوْا قَالَ لَهُمْ خَالِيْ اَتَقَدَّمُكُمْ فَاِنْ اَمَّنُوْنِيْ حَتّٰى اُبَلِّغَهُمْ عَنْ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَاِلَّا كُنْتُمْ مِنِّيْ قَرِيْبًا فَتَقَدَّمَ فَاَمَّنُوْهُ فَبَيْنَمَا هُوَ يُحَدِّثُهُمْ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ

إذ أو ماؤا إلى رجل منهم فطعنه فأنفذه فقال فزت ورب الكعبة ثم مالوا على بقية أصحابه فقتلوهم إلا رجلا أعرج صعد الجبل وآخر معه فأخبر جبريل النبي صلى الله عليه وسلم أنهم قد لقوا ربهم فرضي الله عنهم وأرضاهم فكنا نقرء أن بلغوا عنا قومنا أنا لقينا ربنا فرضي عنا وأرضانا ثم نسخ بعد فدعا عليهم أربعين صباحا على رعل وذكوان وعصية وبني لحيان الذين عصوا الله ورسوله وكان في هؤلاء عامر بن فهيرة قال عنه عامر بن الطفيل لقد رأيته بعد ما قتل رفع إلى السماء حتى إني لأنظر إلى السماء بينه وبين الأرض. (رواه البخاري)

حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے قبیلہ بنی سلیم کے ستر اشخاص کو قبیلہ بنو عامر کے پاس بھیجا، جب وہ وہاں پہنچے تو میرے ماموں نے کہا میں تم سے آگے جاتا ہوں اگر انہوں نے مجھ کو امن دیا یہاں تک کہ میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا ان سے تعارف کراؤں تو فبہا ورنہ تم میرے نزدیک ہی تو ہو گے چنانچہ آگے چلے گئے۔ بنو عامر نے ان کو امن دیا اور یہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے متعلق ابھی ان سے مصروف گفتگو ہی تھے کہ انہوں نے چپکے سے ایک شخص کو اشارہ کیا اس نے ان کے نیزہ مارا جو پار کر دیا، یہ والہانہ انداز میں بول اٹھے رب کعبہ کی قسم میں تو کامیاب ہو گیا۔ اس کے بعد بنو عامر نے ان کے اور ساتھیوں پر حملہ کر دیا اور سب کو قتل کر ڈالا بجز دو صحابی کے ایک تو لنگڑے تھے جو پہاڑ پر چڑھ گئے تھے اور دوسرے ان کے ساتھ تھے۔ حضرت جبرئیل علیہ السلام نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو اطلاع دی کہ تقریباً وہ سب شہید ہو چکے اور اللہ تعالیٰ ان سے راضی ہو گیا اور اس نے ان کو بھی خوش کر دیا (جیسا کہ الفاظ ہیں) پہلے ہم قرآن کریم کی اس آیت میں یہ الفاظ پڑھا کرتے تھے۔ (بلغوا عنا قومنا انا لقینا ربنا فرضی عنا وارضانا) یعنی ہماری قوم کو یہ خبر پہنچا دو کہ ہم اپنے رب سے آ ملے اور وہ ہم سے خوش ہو گیا اور ہم کو بھی اس نے خوش کر دیا اس کے بعد اس آیت کی تلاوت منسوخ کر دی گئی۔ ان مقتولین میں عامر بن فہیرہ بھی شامل تھے۔ اس واقعہ پر قبیلہ رعل و ذکوان اور عصیہ و بنی لحیان پر جنہوں نے اللہ و رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی نافرمانی کی تھی چالیس دن تک آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے بددعا فرمائی۔ عامر بن طفیل بیان کرتے ہیں کہ عامر بن فہیرہ کی شہادت کے بعد میں نے دیکھا کہ ان کی لاش آسمان کی طرف اٹھائی گئی اور میں اس کو آسمان اور زمین کے درمیان اپنی آنکھوں سے اٹھتا ہوا دیکھتا رہا۔ (بخاری)

تشریح: اس میں ایک عامر بن فہیرہ کے آسمان کی طرف اٹھائے جانے کے سوا اور بھی معجزات ہیں جو تفصیل روایات میں موجود ہیں۔ یہاں رفع الی السماء کو محال کہنے والے دیکھیں کہ جو معجزہ ان کے نزدیک ہزاروں سوالات کے بعد بھی اب تک طے نہ ہو سکا وہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے متعدد خدام کے ساتھ پیش آ چکا ہے اور آج تو جدید تحقیقات کی نظر میں یہ ایک مضحکہ خیز ہے جبکہ مریخ پر راکٹ جا رہے ہوں، کرۂ نار و کرۂ زمہریر ایک افسانہ پارینہ قرار دیا جا چکا ہو ان کا ایسے لوگوں کا پیش کرنا جو وحی کے بھی مدعی ہوں خود ان کی وحی کے بطلان کے لیے کافی اور وافی ہے۔

لعاب دہن اور دست مبارک کی برکت وتاثیر

عن عاصم بن عمر بن قتادة عن أبيه قتادة بن النعمان أنه أصيبت عينه في الغزو مع

فَفَتَحْتُ الْبَابَ وَكَانَ أَبُو رَافِعٍ يُسْمَرُ عِنْدَهُ وَكَانَ فِي عَلَالِيَّ لَهُ فَلَمَّا ذَهَبَ عَنْهُ أَهْلُ سَمَرِهِ
صَعِدْتُ إِلَيْهِ فَجَعَلْتُ كُلَّمَا فَتَحْتُ بَابًا أَغْلَقْتُ عَلَيَّ مِنْ دَاخِلٍ قُلْتُ إِنَّ الْقَوْمَ لَوْ نَذِرُوا بِي لَمْ
يَخْلُصُوا إِلَيَّ حَتَّى أَقْتُلَهُ فَانْتَهَيْتُ إِلَيْهِ فَإِذَا هُوَ فِي بَيْتٍ مُظْلِمٍ وَسْطَ عِيَالِهِ لَا أَدْرِي أَيْنَ هُوَ مِنَ
الْبَيْتِ قُلْتُ أَبَا رَافِعٍ قَالَ مَنْ هَذَا فَأَهْوَيْتُ نَحْوَ الصَّوْتِ فَضَرَبْتُهُ ضَرْبَةً بِالسَّيْفِ وَأَنَا دَهِشٌ فَمَا
أَغْنَيْتُ شَيْئًا وَصَاحَ فَخَرَجْتُ مِنَ الْبَيْتِ فَمَكَثْتُ غَيْرَ بَعِيدٍ ثُمَّ دَخَلْتُ إِلَيْهِ فَقُلْتُ مَا هَذَا الصَّوْتُ
يَا أَبَا رَافِعٍ فَقَالَ لِأُمِّكَ الْوَيْلُ إِنَّ رَجُلًا فِي الْبَيْتِ ضَرَبَنِي قَبْلُ بِالسَّيْفِ قَالَ فَضَرَبْتُهُ ضَرْبَةً
أَثْخَنَتْهُ وَلَمْ أَقْتُلْهُ ثُمَّ وَضَعْتُ ضَبِيبَ السَّيْفِ فِي بَطْنِهِ حَتَّى أَخَذَ فِي ظَهْرِهِ فَعَلِمْتُ أَنِّي قَدْ قَتَلْتُهُ
فَجَعَلْتُ أَفْتَحُ الْأَبْوَابَ بَابًا بَابًا حَتَّى انْتَهَيْتُ إِلَى دَرَجَةٍ لَهُ فَوَضَعْتُ رِجْلِي وَأَنَا أُرَى أَنِّي
قَدِ انْتَهَيْتُ إِلَى الْأَرْضِ فَوَقَعْتُ فِي لَيْلَةٍ مُقْمِرَةٍ فَانْكَسَرَتْ سَاقِي فَعَصَبْتُهَا بِعِمَامَتِي ثُمَّ انْطَلَقْتُ
حَتَّى جَلَسْتُ عِنْدَ الْبَابِ فَقُلْتُ لَا أَخْرُجُ حَتَّى أَعْلَمَ أَقَتَلْتُهُ أَمْ لَا؟ فَلَمَّا صَاحَ الدِّيكُ قَامَ
النَّاعِي عَلَى السُّورِ فَقَالَ أَنْعَى أَبَا رَافِعٍ تَاجِرَ أَهْلِ الْحِجَازِ فَانْطَلَقْتُ إِلَى أَصْحَابِي فَقُلْتُ النَّجَا
فَقَدْ قَتَلَ اللَّهُ أَبَا رَافِعٍ قَالَ فَانْتَهَيْنَا إِلَى النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَحَدَّثْنَاهُ فَقَالَ ابْسُطْ
رِجْلَكَ فَبَسَطْتُ رِجْلِي فَمَسَحَهَا فَكَأَنَّمَا لَمْ أَشْتَكِهَا قَطُّ۔ (رواہ البخاری)

براء بن عازب رضی اللہ تعالیٰ عنہ بیان کرتے ہیں کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ابورافع یہودی کے قتل کے لیے چند انصاریوں کو مقرر کیا اور ان پر عبداللہ بن عتیک کو میر بنایا۔ یہ ابورافع حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو بہت ایذاء دیا کرتا اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے خلاف لوگوں کی مدد کیا کرتا تھا۔ سرزمین حجاز میں اس کا ایک قلعہ تھا وہیں وہ رہا کرتا تھا جب یہ لوگ اس کے قریب پہنچ گئے اور سورج ڈوب گیا اور لوگ اپنے اپنے ڈھوروں کو لے کر چلے گئے تو عبداللہ نے اپنے ساتھیوں سے کہا کہ آپ لوگ یہیں بیٹھیں میں اکیلا جاتا ہوں اور دربان سے ملاطفت اور بہلانے کی باتیں کروں گا شاید میں اندر جا سکوں۔ راوی کہتے ہیں کہ یہ کہہ کر وہ آگے بڑھے یہاں تک کہ پھاٹک کے قریب پہنچے پھر چادر سے ڈھانپ لیا گویا وہ قضائے حاجت کرنے گئے تھے بہت سے لوگ اندر جا چکے تھے تو دربان نے ان کو دیکھ کر پکار کر کہا اے اللہ کے بندے اگر اندر آنا چاہتے ہو تو جلد آ جاؤ میں اب پھاٹک بند کرنا چاہتا ہوں میں اندر داخل ہو گیا اور ایک جگہ چھپ کر بیٹھ گیا جب اور لوگ بھی اندر داخل ہو گئے تو اس نے پھاٹک بند کر دیا پھر کنجیوں کا گچھا ایک کھونٹی پر لٹکا دیا عبداللہ کہتے ہیں کہ میں نے کنجیوں کے پاس جا کر ان پر قبضہ کیا اور پھاٹک کا قفل کھول دیا۔ ابورافع کے پاس رات کو کہانیاں کہی جاتی تھیں وہ اپنے ایک اوپر کے کمرے میں تھا جب ابورافع کے پاس سے اس کے قصہ گو بھی اٹھ کر چلے گئے تو میں اس کے کوٹھے پر چڑھا اور جس دروازہ کو کھول کر میں اندر جاتا اندر سے اسے بند بھی کرتا جاتا تھا۔ میں نے دل میں سوچا کہ میرے ساتھیوں کو اگر میرے متعلق کچھ خطرہ بھی گزرے اور وہ میری مدد کو میرے پاس آنا چاہیں گے تو وہ میرے پاس پہنچ بھی نہ پائیں گے کہ اس وقت تک ان شاء اللہ میں اسے قتل کر چکا ہوں گا۔ غرض میں اس کے پاس پہنچ

گیا تو معلوم ہوا کہ ایک اندھیرے کمرہ میں اپنے اہل وعیال کے بیچ میں ہے مگر میں نہیں سمجھ سکا تھا کہ وہ اس کوٹھڑی میں کس جگہ پر ہے تو میں نے اس کا نام لے کر پکارا ابو رافع! وہ بولا کون ہے؟ بس میں آواز پر اندازے سے بڑھا اور میں نے اس پر تلوار کا ایک وار کیا میں کچھ گھبرایا ہوا تھا اس لیے کام پورا کر نہیں سکا اور وہ چیخا تو میں کمرے سے باہر نکل گیا۔ بس تھوڑی دیر ٹھہر کر میں پھر کوٹھڑی کے اندر گیا اور میں نے (آواز بدل کر) پوچھا اے ابو رافع! یہ آواز کیسی تھی؟ کیا ہوا؟ وہ بولا ارے تیری ماں پر مصیبت آ ٹوٹے! گھر میں کوئی آدمی ابھی ابھی مجھے تلوار مار گیا ہے۔ راوی کہتے ہیں پھر میں نے اس پر ایک وار اور کیا جس سے اس کا خون بہت بہہ گیا مگر ابھی وہ مرا نہیں تھا اس کے بعد میں نے تلوار اس کے پیٹ میں گھونپ دی کہ پیٹھ تک دھنستی چلی گئی تب میں نے سمجھ لیا کہ اب میں نے اُسے مار ڈالا۔ پھر میں ایک ایک کر کے تمام دروازے کھولنے لگا یہاں تک کہ میں سیڑھی کے ختم تک پہنچ گیا۔ اس کے بعد میں نے اپنا پیر یہ سمجھ کر رکھا کہ میں سیڑھیاں ختم کر چکا اور زمین پر پیر رکھ رہا ہوں تو چاندنی رات میں میں زمین پر گر پڑا کہ میری پنڈلی کی ہڈی ٹوٹ گئی میں نے اُسے اپنے عمامے سے کس کر باندھا پھر میں چلا اور پھاٹک کے پاس جا کر بیٹھ گیا اور دل میں یہ سوچا کہ میں اس وقت تک یہاں سے نہ نکلوں گا جب تک یہ یقینی طور پر معلوم نہ کر لوں کہ میں نے قتل ہی کر دیا جب صبح کے وقت مرغ نے بانگ دی تو ایک خبر مرگ دینے والے نے فصیل پر چڑھ کر پکار کر کہا کہ میں حجاز والوں کے تاجر ابو رافع کی موت کی خبر سناتا ہوں تب میں اپنے ساتھیوں کے پاس پہنچا اور میں نے کہا بس اب بھاگ چلو اللہ تعالیٰ نے ابو رافع کو قتل کر دیا۔ راوی کہتے ہیں کہ پھر ہم سب حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس پہنچے اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے سارے واقعات بیان کیے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اپنی ٹانگ پھیلاؤ تو میں نے اپنی ٹانگ پھیلا دی آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس پر اپنا دست مبارک پھیر دیا بس ایسا معلوم ہوا کہ جیسے اس میں کوئی تکلیف ہی نہ تھی۔ (رواہ البخاری)

عَنْ عُثْمَانَ بْنِ اَبِی الْعَاصِ قَالَ لَمَّا اسْتَعْمَلَنِیْ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ عَلَی الطَّائِفِ جَعَلَ یَعْرِضُ لِیْ شَیْءٌ فِیْ صَلٰوتِیْ حَتّٰی مَا اَدْرِیْ مَا اُصَلِّیْ فَلَمَّا رَاَیْتُ ذٰلِکَ رَحَلْتُ اِلٰی رَسُوْلِ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ فَقَالَ ابْنُ اَبِی الْعَاصِ؟ قُلْتُ نَعَمْ یَا رَسُوْلَ اللّٰہِ (صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ) قَالَ مَا جَاءَ بِکَ؟ قُلْتُ یَا رَسُوْلَ اللّٰہِ عَرَضَ لِیْ شَیْءٌ فِیْ صَلٰوتِیْ حَتّٰی مَا اَدْرِیْ مَا اُصَلِّیْ قَالَ ذَاکَ الشَّیْطَانُ اُدْنُہْ فَدَنَوْتُ مِنْہُ فَجَلَسْتُ عَلٰی صُدُوْرِ قَدَمَیَّ قَالَ فَضَرَبَ صَدْرِیْ بِیَدِہٖ وَتَفَلَ فِیْ فَمِیْ وَقَالَ اُخْرُجْ عَدُوَّ اللّٰہِ فَفَعَلَ ذٰلِکَ ثَلٰثَ مَرَّاتٍ ثُمَّ قَالَ الْحَقْ بِعَمَلِکَ قَالَ فَقَالَ عُثْمَانُ فَلَعَمْرِیْ مَا اَحْسِبُہٗ خَالَطَنِیْ بَعْدُ۔ (رواہ ابن ماجہ فی باب الفزع والارق)

عثمان ابن ابی العاص رضی اللہ تعالیٰ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جب مجھ کو طائف پر عامل مقرر کر کے بھیجا تو وہاں پہنچ کر مجھ کو یہ شکایت ہو گئی کہ نماز میں میری ایسی حالت ہو جاتی کہ مجھ کو یہی خبر نہ رہتی کہ میں کیا پڑھتا ہوں۔ جب میں نے یہ حالت دیکھی تو میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے تعجب سے فرمایا ابن ابی العاص؟ ضرور کسی ضرورت سے آئے ہو میں نے عرض کی یا رسول اللہ! (صلی اللہ علیہ وسلم) نماز میں میرے سامنے کوئی چیز

ایسی آ جاتی ہے کہ مجھ کو یہ بھی خبر نہیں رہتی کہ میں کیا پڑھتا ہوں۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا یہ شیطان ہے ذرا قریب آؤ، میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے قریب آ گیا اور اپنے دونوں پیروں پر بیٹھ گیا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنا دست مبارک میرے سینے پر مارا اور میرے منہ میں اپنا لعاب دہن ڈالا اور فرمایا ''او خدا کے دشمن نکل جا'' تین بار ایسا ہی کیا۔ اس کے بعد فرمایا اچھا جاؤ اب اپنے کام پر جاؤ۔ عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ کہتے ہیں میں قسم کہتا ہوں اس کے بعد پھر کبھی مجھ کو اس کا اثر نہیں ہوا۔ (ابن ماجہ)

تشریح: آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے دست مبارک اور لعاب دہن کا یہ اعجازی اثر دوسرے مقامات میں بھی نظر آتا ہے اس لیے اس کو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے جسمانی برکات و معجزات میں بھی شمار کیا جا سکتا ہے۔

عَنْ اُمِّ جُنْدُبٍ قَالَتْ رَأَيْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ رَمٰى جَمْرَةَ الْعَقَبَةِ مِنْ بَطْنِ الْوَادِيْ يَوْمَ النَّحْرِ ثُمَّ انْصَرَفَ فَتَبِعَتْهُ امْرَأَةٌ مِنْ خَثْعَمَ وَمَعَهَا صَبِيٌّ لَهَا بِهِ بَلَاءٌ لَا يَتَكَلَّمُ فَقَالَتْ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ (صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ) اِنَّ هٰذَا ابْنِيْ وَبَقِيَّةُ اَهْلِيْ وَاِنَّ بِهِ بَلَاءً لَا يَتَكَلَّمُ فَقَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ ائْتُوْنِيْ بِشَيْءٍ مِنْ مَاءٍ فَاُتِيَ بِمَاءٍ فَغَسَلَ يَدَيْهِ وَمَضْمَضَ فَاهُ ثُمَّ اَعْطَاهَا فَقَالَ اسْقِيْهِ مِنْهُ وَصُبِّيْ عَلَيْهِ مِنْهُ وَاسْتَشْفِيْ اللّٰهَ لَهُ قَالَتْ فَلَقِيْتُ الْمَرْأَةَ فَقُلْتُ لَوْ وَهَبْتِ لِيْ مِنْهُ فَقَالَتْ اِنَّمَا هُوَ لِهٰذَا الْمُبْتَلٰى قَالَتْ فَلَقِيْتُ الْمَرْأَةَ مِنَ الْحَوْلِ فَسَأَلْتُهَا عَنِ الْغُلَامِ فَقَالَتْ بَرَأَ وَعَقَلَ عَقْلًا لَيْسَ كَعُقُوْلِ النَّاسِ (رواہ ابن ماجہ فی باب النشرة)

اُم جندب رضی اللہ تعالیٰ عنہا بیان کرتی ہیں کہ میں نے دسویں تاریخ کو وادی کے اندر کھڑے ہو کر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو جمرۃ العقبہ کی رمی کرتے ہوئے دیکھا۔ جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم واپس ہوئے تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے پیچھے پیچھے قبیلہ خثعم کی ایک عورت اپنا بچہ لیے ہوئے آئی جو کچھ بیمار تھا اور بول نہیں سکتا تھا اس نے عرض کی یا رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم) یہ میرا بچہ ہے اور خاندان بھر میں بس یہی رہ گیا ہے اور اس کو کوئی بیماری ہے جس کی وجہ سے یہ بولتا نہیں۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اچھا تو تھوڑا سا پانی لاؤ، پانی حاضر کیا گیا، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے دونوں دست مبارک دھوئے اور منہ میں پانی لے کر کلی کی اور وہ پانی اس کو دے دیا اور فرمایا کہ یہ پانی بچہ کو پلا اور کچھ اس پر چھڑک اور اللہ تعالیٰ سے اس کے لیے اس کی صحت کی دعا کر۔ میں نے ان سے درخواست کی کہ اس پانی میں سے ذرا سا مجھ کو دے دیجیے انہوں نے فرمایا کہ یہ تو صرف اس بیمار بچے کے لیے ہے۔ یہ بیان کرتی ہیں کہ آئندہ سال میری اس عورت سے پھر ملاقات ہوئی تو میں نے اس سے اس کے بچہ کا حال پوچھا اس نے کہا وہ بالکل اچھا ہو گیا اور ایسا سمجھدار ہو گیا کہ عام لوگ ایسے سمجھدار نہیں ہوتے۔ (ابن ماجہ)

عَنْ يَزِيْدَ بْنِ اَبِيْ عُبَيْدٍ قَالَ رَأَيْتُ فِيْ سَاقِ سَلَمَةَ بْنِ الْاَكْوَعِ اَثَرَ ضَرْبَةٍ فَقُلْتُ يَا اَبَا مُسْلِمٍ مَا هٰذِهِ الضَّرْبَةُ؟ قَالَ هٰذِهِ ضَرْبَةٌ اَصَابَتْنِيْ يَوْمَ خَيْبَرَ فَقَالَ النَّاسُ اُصِيْبَ سَلَمَةُ فَاَتَيْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَنَفَثَ فِيْهِ ثَلَاثَ نَفَثَاتٍ فَمَا اشْتَكَيْتُ مِنْهَا حَتَّى السَّاعَةِ. (رواہ البخاری)

یزید بن ابی عبید بیان کرتے ہیں کہ میں نے سلمہ بن اکوع رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی پنڈلی میں ایک زخم کا نشان دیکھا تو میں نے

کہا اے ابو مسلم! یہ زخم کیسا ہے؟ کہنے لگے یہ اس زخم کا نشان ہے جو مجھے جنگ خیبر میں لگا تھا تو لوگوں نے شور مچایا کہ ابو سلمہ تو کام آ گئے۔ ان کا بیان ہے کہ میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس میں تین بار پھونک ماری اس وقت سے آج تک مجھے کوئی تکلیف ہی نہیں ہوئی۔

عَنْ أَبِي حَازِمٍ أَخْبَرَنِي سَهْلٌ قَالَ قَالَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَوْمَ خَيْبَرَ لَأُعْطِيَنَّ الرَّايَةَ غَدًا رَجُلًا يَفْتَحُ عَلَى يَدَيْهِ يُحِبُّ اللّٰهَ وَرَسُولَهُ وَيُحِبُّهُ اللّٰهُ وَرَسُولُهُ فَبَاتَ النَّاسُ لَيْلَتَهُمْ أَيُّهُمْ يُعْطَى؟ فَغَدَوْا كُلُّهُمْ يَرْجُوهُ فَقَالَ أَيْنَ عَلِيٌّ فَقِيلَ يَشْتَكِي عَيْنَيْهِ فَبَصَقَ فِي عَيْنَيْهِ وَدَعَا لَهُ فَبَرَأَ كَأَنْ لَمْ يَكُنْ بِهِ وَجَعٌ فَأَعْطَاهُ الرَّايَةَ. (رواہ البخاری وفی طریق عدہ غیر امکنہ)

سہل رضی اللہ تعالیٰ عنہ روایت کرتے ہیں کہ جنگ خیبر میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کل میں ایسے شخص کو جھنڈا دوں گا جس کے ہاتھوں پر اللہ تعالیٰ خیبر کی فتح نصیب فرمائے گا اور اس کو اللہ اور اس کا رسول صلی اللہ علیہ وسلم پیارے ہیں اور وہ بھی اللہ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کا پیارا ہے۔ اس بشارت کو سن کر لوگ تمام شب بے چین رہے کہ دیکھئے کل جھنڈا کس کو ملتا ہے (یہ بشارت کس کے نصیب میں ہے) دوسرے دن ہر شخص اسی امید میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے حاضر ہوا مگر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے پوچھا علی کہاں ہیں؟ لوگوں نے عرض کی ان کی آنکھیں دکھ رہی ہیں آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو بلایا وہ آئے تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کی آنکھوں میں اپنا لعاب دہن لگایا اور دعا فرمائی۔ بس اسی وقت وہ ایسی صاف ہو گئیں گویا ان میں کوئی تکلیف ہی نہ تھی۔ پھر جھنڈا ان کے حوالے فرمایا۔

تشریح: مسند احمد نسائی ابن حبان اور حاکم میں ہے کہ شروع میں جھنڈا صدیق اکبر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے ہاتھ میں رہا پھر دوسرے دن حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے ہاتھ میں رہا مگر خیبر فتح نہ ہو سکا اور کیسے فتح ہوتا جبکہ عالم تقدیر میں فاتح خیبر حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ قرار پا چکے تھے۔ بالآخر تیسرے دن آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے جھنڈا ان کے حوالے فرمایا اور عالم تقدیر کی بشارت پہلے سنا دی کہ خیبر کی فتح انہی کے ہاتھوں پر مقدر ہے۔ سبحان اللہ! آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات بھی کیسی جامع صفات تھی کہ جب ان کی تجلیات صحابہ کرام رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین میں نظر آتی ہیں تو یوں معلوم ہوتا ہے کہ ان میں ہر شخص جدا جدا نقش دکھائی کا مالک ہے۔ ان کے لعاب دہن پر ماں باپ قربان جس کی تاثیر سے حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ آن کی آن میں شفایاب ہو گئے۔

شجر وحجر اور بہائم میں تاثیر وتصرف

عَنْ أَنَسٍ قَالَ صَعِدَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أُحُدًا وَمَعَهُ أَبُوبَكْرٍ وَعُمَرُ وَعُثْمَانُ فَرَجَفَ بِهِمُ الْجَبَلُ فَقَالَ اسْكُنْ وَضَرَبَهُ بِرِجْلِهِ فَلَيْسَ عَلَيْكَ إِلَّا نَبِيٌّ وَصِدِّيقٌ وَشَهِيدَانِ. (رواہ البخاری)

حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ کہتے ہیں کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم احد پہاڑ پر چڑھے اور اس وقت آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ ابوبکر و عمر و عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہم تھے تو پہاڑ ہلنے لگا آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس پر پیر مار کر فرمایا ٹھہر جا تیرے اوپر ایک نبی ایک صدیق اور دو شہید ہی تو ہیں۔ (رواہ بخاری)

اللہ علیہ وسلم نے مبارک کرایا ان تک میں ڈال دی اور بکریاں والے کے حوالے کر دی پھر لوگوں کی طرف متوجہ ہو کر فرمایا زمین و آسمان میں ایسی کوئی چیز نہیں جس کو اس کا یقین نہ ہو کہ میں اللہ کا رسول ہوں سوائے نافرمان جنات اور کافر انسانوں کے۔ (دارمی)

عَنْ جَابِرٍ قَالَ خَرَجْنَا فِي غَزْوَةِ ذَاتِ الرِّقَاعِ حَتَّى إِذَا كُنَّا بِحَرَّةِ وَاقِمٍ عَرَضَتْ امْرَأَةٌ بَدَوِيَّةٌ بِابْنٍ لَهَا فَجَاءَتْ إِلَى رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقَالَتْ يَا رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ هَذَا ابْنِي قَدْ غَلَبَنِي عَلَيْهِ الشَّيْطَانُ قَالَ فَأَدْنِيهِ مِنِّي فَأَدْنَتْهُ مِنْهُ. فَقَالَ افْتَحِي فَمَهُ فَفَتَحَتْهُ فَبَصَقَ فِيهِ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ ثُمَّ قَالَ اخْسَأْ عَدُوَّ اللَّهِ وَأَنَا رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَهَا ثَلَاثَ مَرَّاتٍ ثُمَّ قَالَ شَأْنَكِ بِابْنِكِ لَيْسَ عَلَيْهِ بَأْسٌ فَلَنْ يَعُودَ إِلَيْهِ شَيْءٌ مِمَّا كَانَ يُصِيبُهُ وَذَكَرَ قِصَّةَ الشَّجَرَتَيْنِ إِلَى أَنْ قَالَ ثُمَّ خَرَجْنَا فَنَزَلْنَا مَنْزِلًا صَحْرَاءَ دَيْمُومَةً لَيْسَ فِيهَا شَجَرَةٌ فَقَالَ النَّبِيُّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لِجَابِرٍ يَا جَابِرُ انْطَلِقْ فَاسْتُرْنِي مَكَانًا يَعْنِي لِلْغَائِطِ فَخَرَجْتُ أَنْطَلِقُ فَلَمْ أَجِدْ إِلَّا شَجَرَتَيْنِ مُفْتَرِقَتَيْنِ لَوْ أَنَّهُمَا اجْتَمَعَتَا سَتَرَتَاهُ فَرَجَعْتُ إِلَى النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقُلْتُ يَا رَسُولَ اللَّهِ وَاللَّهِ مَا رَأَيْتُ شَيْئًا يَسْتُرُكَ إِلَّا شَجَرَتَيْنِ مُفْتَرِقَتَيْنِ وَلَوْ أَنَّهُمَا اجْتَمَعَتَا سَتَرَتَاكَ فَقَالَ النَّبِيُّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ انْطَلِقْ إِلَيْهِمَا فَقُلْ لَهُمَا إِنَّ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُولُ اجْتَمِعَا قَالَ فَخَرَجْتُ فَقُلْتُ لَهُمَا فَاجْتَمَعَتَا حَتَّى كَأَنَّهُمَا فِي أَصْلٍ وَاحِدٍ ثُمَّ رَجَعْتُ فَأَخْبَرْتُ النَّبِيَّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَخَرَجَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ حَتَّى قَضَى حَاجَتَهُ ثُمَّ رَجَعَ فَقَالَ ائْتِهِمَا فَقُلْ لَهُمَا إِنَّ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُولُ لَكُمَا ارْجِعَا كَمَا كُنْتُمَا كُلُّ وَاحِدَةٍ إِلَى مَكَانِهَا فَرَجَعْتُ فَقُلْتُ لَهُمَا إِنَّ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُولُ لَكُمَا ارْجِعَا كَمَا كُنْتُمَا فَرَجَعَتَا ثُمَّ خَرَجْنَا فَنَزَلْنَا فِي وَادٍ مِنْ أَوْدِيَةِ بَنِي مُحَارِبٍ فَعَرَضَ لَهُ رَجُلٌ مِنْ بَنِي مُحَارِبٍ يُقَالُ لَهُ غَوْرَثُ بْنُ الْحَارِثِ وَالنَّبِيُّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مُتَقَلِّدٌ سَيْفَهُ فَقَالَ يَا مُحَمَّدُ أَعْطِنِي سَيْفَكَ هَذَا فَسَلَّهُ فَنَاوَلَهُ إِيَّاهُ وَنَظَرَ إِلَيْهِ سَاعَةً ثُمَّ أَقْبَلَ عَلَى النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقَالَ يَا مُحَمَّدُ مَنْ يَمْنَعُكَ مِنِّي؟ قَالَ اللَّهُ فَارْتَعَدَتْ يَدَاهُ حَتَّى سَقَطَ السَّيْفُ مِنْ يَدِهِ فَتَنَاوَلَهُ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ ثُمَّ قَالَ يَا غَوْرَثُ مَنْ يَمْنَعُكَ مِنِّي؟ قَالَ: لَا أَحَدَ قَالَ ثُمَّ أَقْبَلْنَا رَاجِعِينَ فَجَاءَ رَجُلٌ مِنْ أَصْحَابِ النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بِعُشِّ طَيْرٍ يَحْمِلُهُ وَفِيهِ فِرَاخٌ وَأَبَوَاهُ يَتْبَعَانِهِ وَيَقَعَانِ عَلَى يَدِ الرَّجُلِ فَأَقْبَلَ النَّبِيُّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَلَى مَنْ كَانَ مَعَهُ فَقَالَ أَتَعْجَبُونَ بِفِعْلِ هَذَيْنِ الطَّيْرَيْنِ بِفِرَاخِهِمَا؟ زَادَ فِي رِوَايَةٍ لَرَبُّكُمْ أَرْحَمُ بِكُمْ مِنْ هَذَا الطَّائِرِ بِفِرَاخِهِ ثُمَّ أَقْبَلْنَا رَاجِعِينَ حَتَّى إِذَا كُنَّا بِحَرَّةِ وَاقِمٍ عَرَضَتْ لَنَا الْمَرْأَةُ الَّتِي جَاءَتْ بِابْنِهَا بِرُطَبٍ وَلَبَنِ شَاةٍ فَأَهْدَتْهُ لَهُ فَقَالَ مَا فَعَلَ ابْنُكِ هَلْ أَصَابَهُ شَيْءٌ مِمَّا كَانَ يُصِيبُهُ؟ قَالَتْ لَا وَالَّذِي بَعَثَكَ بِالْحَقِّ مَا أَصَابَهُ شَيْءٌ مِمَّا كَانَ يُصِيبُهُ وَقَبِلَ هَدِيَّتَهَا ثُمَّ أَقْبَلْنَا حَتَّى إِذَا كُنَّا بِمَهْبِطٍ مِنَ الْحَرَّةِ أَقْبَلَ جَمَلٌ يُرْقِلُ فَقَالَ أَتَدْرُونَ مَا قَالَ هَذَا الْجَمَلُ؟ قَالُوا اللَّهُ وَرَسُولُهُ أَعْلَمُ. قَالَ هَذَا جَمَلٌ جَاءَ

نی یستعدی علی شیبه یزعم انه کان یحرث علیه منذ سنین حتی اذا اخربه واعجفه وکبر سنه اراد نحره اذهب معه یا جابر الی صاحبه فأت به فقلت ما اعرف صاحبه یا رسول الله صلی الله علیه وسلم قال انه سیدلک علیه قال فخرج بین یدی معنقا حتی وقف بی فی مجلس بنی خطمة فقلت این رب هذا الجمل قالوا فلان فجئته فقلت اجب رسول الله صلی الله علیه وسلم فخرج معی حتی جاء الی النبی صلی الله علیه وسلم فقال له النبی صلی الله علیه وسلم ان جملک هذا یستعدی علیک یزعم انک حرثت علیه زمانا حتی اخربته واعجفته وکبر سنه ثم اردت نحره. فقال والذی بعثک بالحق ان ذلک کذلک. فقال له رسول الله صلی الله علیه وسلم بعنیه قال نعم یا رسول الله صلی الله علیه وسلم فابتاعه منه وسیبه فی الشجر حتی نصب سناما فکان اذا اعتل علی بعض المهاجرین والانصار من نواضحهم شیء اعطاه ایاه فمکث بذلک زمانا. (رواه الدارمی)

جابر رضی اللہ تعالیٰ عنہ روایت فرماتے ہیں کہ ہم ذات الرقاع (مقام کا یا غزوہ کا نام ہے) میں غزوہ کے ارادہ سے نکلے۔ جب ایسا ہوا کہ جب (مقام) حرۃ واقم میں پہنچے تو سامنے سے ایک دیہاتی عورت اپنا بچہ لیے ہوئے آئی۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئی اور بولی یا رسول اللہ! (صلی اللہ علیہ وسلم) یہ میرا لڑکا ہے شیطان نے اس کا ایسا پیچھا کیا ہے کہ مجھے تنگ کر دیا ہے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اچھا اس بچہ کو تو میرے قریب لاؤ۔ وہ قریب لے کر آ گئی۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اس کا منہ کھول۔ اس نے بچہ کا منہ کھول دیا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کے منہ میں اپنا لعاب دہن ڈال کر یہ الفاظ فرمائے ”او اللہ کے دشمن تجھ پر پھٹکار دفع ہو جا“ تین بار یہی کلمات فرما کر کہا اب اپنے بچے کو لے جا۔ اب یہ بالکل اچھا ہو گیا اور آئندہ یہ تکلیف اس کو نہ ہوگی۔ اس کے بعد راوی حدیث نے دو درختوں کا واقعہ بیان کیا۔ وہ کہتے ہیں کہ پھر ہم چلے اور ایک جنگل بیابان میں پہنچے جس میں کہیں کوئی درخت نہ تھا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے جابر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے فرمایا جابر! جاؤ اور قضائے حاجت کے لیے کوئی مناسب جگہ جا کر دیکھو۔ میں چلا مگر مجھے کہیں کوئی پردہ کی جگہ نہ ملی صرف دو درخت نظر آئے جو علیحدہ علیحدہ تھے۔ اگر وہ ایک جگہ ہو جائیں تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے پردہ بن سکتے تھے۔ میں واپس ہوا اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے عرض کیا یا رسول اللہ! (صلی اللہ علیہ وسلم) مجھے تو علیحدہ علیحدہ صرف دو درخت ہی ایسے نظر پڑے ہیں۔ اگر وہ ایک جگہ ہو جاتے تو آپ کے لیے پردہ بن سکتے تھے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جاؤ اور ان سے جا کر کہو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تم کو حکم دیتے ہیں کہ تم دونوں مل جاؤ۔ یہ بیان کرتے ہیں میں گیا اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا حکم میں نے ان کو سنا دیا وہ فوراً ایک دوسرے سے مل گئے اور ایسے مل گئے گویا وہ دونوں ایک ہی جڑ میں لگے ہوئے درخت ہیں۔ میں واپس ہوا اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے صورت حال بیان کی۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم تشریف لائے اور جب اپنی ضرورت سے فارغ ہو کر واپس ہوئے تو مجھ سے فرمایا ان سے جا کر کہو اب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تم کو حکم دیتے ہیں کہ ہر ایک اپنی اپنی جگہ چلے جاؤ اور جیسے پہلے تھے اسی طرح علیحدہ علیحدہ ہو جاؤ۔ چنانچہ میں گیا اور میں نے جا کر ان سے کہا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اب تمہیں یہ حکم فرمایا ہے کہ

پھر چکر اسی طرح علیحدہ علیحدہ ہو جاؤ جیسے پہلے تھے۔ چنانچہ حسب الحکم وہ اسی طرح واپس ہو گئے۔ راوی بیان کرتا ہے کہ اس کے بعد ہم بنو محارب کی ایک وادی میں پہنچے تو یہاں بنو محارب کا ایک شخص جس کا نام غورث بن الحارث تھا سامنے سے آیا اس وقت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اپنی تلوار گلے میں لٹکائے ہوئے تھے وہ بولا محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) ذرا اپنی یہ تلوار مجھے دیجئے آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے وہ تلوار میان سے نکال کر اس کے حوالے کر دی وہ کچھ دیر تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو تکتا رہا اس کے بعد بولا یا محمد! (صلی اللہ علیہ وسلم) بولو اب تم کو میرے ہاتھ سے کون بچائے گا؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اللہ تعالیٰ اس پر اس کے ہاتھ میں رعشہ پڑ گیا یہاں تک کہ اس کے ہاتھ سے تلوار گر پڑی۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کو اٹھا کر فرمایا اے غورث! اب تم بتاؤ میرے ہاتھ سے تم کو کون بچائے گا؟ وہ بولا کوئی نہیں (اس کے بعد اس کا قصہ یہاں مذکور نہیں ہے) راوی بیان کرتا ہے کہ پھر یہ ہوا کہ جب ہم واپس ہوئے تو ایک صحابی ایک پرندہ کا گھونسلہ اس کے بچوں سمیت اٹھا کر لے آیا ان کے ماں باپ بھی (اڑتے ہوئے) پیچھے پیچھے آ گئے اور اس صحابی کے ہاتھ پر گرنے لگے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جس شخص کے پاس وہ گھونسلہ تھا اس کی طرف متوجہ ہو کر فرمایا ان بچوں کے ساتھ ان کے ماں باپ کی محبت دیکھ کر کیا تم تعجب کرتے ہو؟ ایک روایت میں اس جگہ یہ زیادتی اور ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تمہارا پروردگار تم پر ان بچوں پر ان کے ماں باپ سے کہیں زیادہ مہربان ہے۔ اس کے اور جب ہم پھر مقام حرہ واقم پر واپس ہوئے تو وہی عورت جو پہلے اپنا (آسیب زدہ) بچہ لے کر آئی تھی اس مرتبہ تازہ کھجوریں اور بکری کے دودھ کا ہدیہ لے کر آئی اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے پیش کیا آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے پوچھا تمہارا بچہ کیسا ہے اس کو وہ شکایت جو پہلے ہوا کرتی تھی پھر تو نہیں ہوئی؟ وہ بولی اس ذات کی قسم جس نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو دین حق دے کر بھیجا ہے وہ شکایت تو اس کو پھر کبھی نہیں ہوئی۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کا ہدیہ قبول فرما لیا۔ اس کے بعد جب ہم اس سنگستان کے نشیب میں اترے تو ایک اونٹ دوڑتا ہوا آیا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جانتے ہو اس اونٹ نے کیا کہا ہے؟ صحابہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم نے عرض کیا کہ اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہی زیادہ جانتے ہیں آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا میرے پاس یہ اونٹ اپنے مالک کی زیادتی کی شکایت لے کر آیا تھا یہ کہتا تھا کہ اس کا مالک سالہا سال تو اس سے کھیتی کا کام لیتا رہا یہاں تک کہ جب اس کو خارشتی بنا دیا اور دبلا کر ڈالا اور جب وہ بوڑھا ہو گیا تو اب اس کو ذبح کرنے کا ارادہ رکھتا ہے۔ جابر! جاؤ اس کو ساتھ لے کر اس کے مالک کے پاس جاؤ اور اس کو میرے پاس لے آؤ۔ میں نے عرض کیا یا رسول اللہ! (صلی اللہ علیہ وسلم) میں اس کے مالک کو نہیں پہچانتا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا یہ اونٹ ہی تم کو بتا دے گا۔ جابر کہتے ہیں وہ تیز تیز میرے آگے آگے چلنے لگا یہاں تک کہ بنو خطمہ کی ایک مجلس میں جا کر مجھ کو کھڑا کر دیا میں نے پوچھا اس اونٹ کا مالک کون ہے؟ لوگوں نے کہا فلاں آدمی ہے میں اس کے پاس آیا اور میں نے کہا چلو تم کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بلا رہے ہیں وہ میرے ساتھ آ کر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہو گیا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تیرا اونٹ تیری زیادتی کی شکایت کرتا ہے کہتا ہے مدتوں تو نے اس سے کھیتی کا کام لیا اور جب اس کو خارشتی بنا دیا اور دبلا کر ڈالا تو اب اس کے ذبح کرنے کا ارادہ رکھتا ہے۔ اس نے کہا اس ذات کی قسم جس نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو دین حق دے کر بھیجا

معاملہ تو اسی طرح سے ہے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اچھا کیا تو اس کو میرے ہاتھ فروخت کرے گا؟ وہ بولا یا رسول اللہ! (صلی اللہ علیہ وسلم) جی ہاں۔ چنانچہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کو خرید لیا اور درختوں میں اس کو آزاد چھوڑ دیا یہاں تک کہ اس کا کوہان (فربہی کی وجہ سے) ابھر آیا۔ اس کے بعد پھر جب بھی کسی مہاجر یا انصاری کا اونٹ بیمار پڑتا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم وہی اونٹ اس کو دیدیا کرتے۔ یہ اونٹ اسی طرح بہت دنوں تک زندہ رہا۔ (رواہ الطبرانی)

تشریح: یہ روایت ہم نے اس لیے ذکر کی ہے کہ اس کے متفرق اجزاء صحت کے ساتھ متفرق طور پر صحیح حدیثوں میں علیحدہ علیحدہ مذکور ہیں۔ یہاں سب ایک سلسلہ میں ذکر کر دیئے گئے ہیں۔ یہ تمام ایک سے ایک عجیب معجزہ ہیں مگر اس کو کیا کیجئے کہ اس کے اجزاء الگ الگ صحیح طریقوں سے ثابت ہیں اس لیے ان کو تسلیم کیے بغیر کوئی چارہ کار بھی نہیں۔ ہم نے یہ بات پہلے کئی بار تنبیہاً بیان کی ہے کہ کوئی معجزہ ایسا کم ہوگا جس کی پشت پر اسی جنس کا دوسرا قوی تر معجزہ موجود نہ ہو یا وہ کسی دوسری قوی سند سے ثابت نہ ہو اب کسی ضعیف سند کو لے کر اسی کو اپنے سامنے رکھ لینا یہ طریق انصاف نہیں۔

عَنْ أَنَسٍ قَالَ كَانَ بِالْمَدِيْنَةِ فَزَعٌ فَاسْتَعَارَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَرَسًا لِأَبِيْ طَلْحَةَ وَكَانَ يَقْطِفُ فَلَمَّا رَجَعَ قَالَ إِنَّا وَجَدْنَا فَرَسَكُمْ هٰذَا بَحْرًا وَكَانَ بَعْدَ ذٰلِكَ لَا يُجَارٰى (رواہ الشیخان)

انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ روایت فرماتے ہیں کہ ایک بار مدینہ میں (دشمن کے آمد کی) خوفناک افواہ اڑی تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ابوطلحہ کا گھوڑا ادھار لے کر (تحقیق حال کے لیے خود تشریف لے گئے) یہ گھوڑا سست تھا جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم واپس ہوئے تو فرمایا (اطمینان رکھو کوئی بات نہیں ہے) اور اس کو تو ہم نے دریا کی طرح تیز رو پایا۔ اس کے بعد سے دوڑ میں کوئی اس کا مقابلہ نہیں کر سکتا تھا۔ (متفق علیہ)

مِنْ حَدِيْثِ جَابِرٍ قَالَ سِرْنَا مَعَ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ حَتّٰى نَزَلْنَا وَادِيًا أَفْيَحَ فَذَهَبَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقْضِيْ حَاجَتَهُ فَاتَّبَعْتُهُ بِإِدَاوَةٍ مِنْ مَاءٍ فَنَظَرَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَلَمْ يَرَ شَيْئًا يَسْتَتِرُ بِهِ فَإِذَا شَجَرَتَانِ بِشَاطِئِ الْوَادِيْ فَانْطَلَقَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِلٰى إِحْدَاهُمَا فَأَخَذَ بِغُصْنٍ مِنْ أَغْصَانِهَا فَقَالَ انْقَادِيْ عَلَيَّ بِإِذْنِ اللّٰهِ فَانْقَادَتْ مَعَهُ كَالْبَعِيْرِ الْمَخْشُوْشِ الَّذِيْ يُصَانِعُ قَائِدَهُ حَتّٰى أَتَى الشَّجَرَةَ الْأُخْرٰى فَأَخَذَ بِغُصْنٍ مِنْ أَغْصَانِهَا فَقَالَ انْقَادِيْ عَلَيَّ بِإِذْنِ اللّٰهِ فَانْقَادَتْ مَعَهُ كَذٰلِكَ حَتّٰى إِذَا كَانَ بِالْمَنْصَفِ فِيْمَا بَيْنَهُمَا فَلَأَمَ بَيْنَهُمَا حَتّٰى جَمَعَ بَيْنَهُمَا فَقَالَ الْتَئِمَا عَلَيَّ بِإِذْنِ اللّٰهِ تَعَالٰى فَالْتَأَمَتَا عَلَيْهِ فَخَرَجْتُ أُحْضِرُ مَخَافَةَ أَنْ يُحِسَّ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بِقُرْبِيْ فَتَبَاعَدْتُ فَجَلَسْتُ أُحَدِّثُ نَفْسِيْ فَحَانَتْ مِنِّيْ لَفْتَةٌ فَإِذَا أَنَا بِرَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مُقْبِلًا وَإِذَا الشَّجَرَتَانِ قَدِ افْتَرَقَتَا فَقَامَتْ كُلُّ وَاحِدَةٍ مِنْهُمَا عَلٰى سَاقٍ وَذَكَرَ الْحَدِيْثَ. (رواہ مسلم)

جابر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی حدیث میں ہے کہ ہم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ہمراہ چلے یہاں تک کہ ایک چٹیل وادی میں

اترے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم قضائے حاجت کو چلے تو میں بھی ایک لوٹے میں پانی لے کر حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے پیچھے پیچھے چلا تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ادھر ادھر نظر ڈالی تو کوئی ایسی جگہ نہ ملی جس سے آپ صلی اللہ علیہ وسلم پردہ کر سکتے۔ دیکھا تو وادی کے کنارے دو درخت نظر آئے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم ان میں سے ایک کے پاس پہنچے اور اس کی دو ٹہنیاں پکڑ کر فرمایا: اللہ کے حکم سے میرے کہنے پر چل اور میرا حکم مان۔ وہ درخت حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا حکم پا کر آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے ہمراہ اس طرح چلا جیسے کوئی اونٹ اپنی نکیل کھینچنے والے کے ساتھ ساتھ چلتا ہو۔ اس کے بعد دوسرے درخت کے پاس پہنچے اور اس کی ایک ٹہنی پکڑ کر یہی فرمایا اللہ کے حکم سے میرے کہنے پر چل۔ وہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے حکم کو مان کر اسی طرح چلا آیا۔ جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان دونوں کے بیچ میں آ کر دونوں کو ملایا اور فرمایا تم دونوں اللہ کے حکم سے پاس پاس جڑ جاؤ تو وہ دونوں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے آس پاس جڑ گئے تو میں وہاں تیزی سے کھسک گیا کہ کہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم میرا قریب ہونا محسوس نہ فرمالیں تو میں دور چلا گیا اور میں بیٹھ کر دل سے باتیں کرنے لگا۔ بس میں تھوڑی ہی دیر ذرا غافل ہوا ہوں گا کیا دیکھتا ہوں کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم سامنے سے تشریف لا رہے ہیں اور دونوں درخت الگ الگ ہو کر اپنے اپنے تنے پر پہلے کی طرح کھڑے ہیں۔ (مسلم)

تشریح: غیب کو غیب قائم رکھنے کے لیے قدرت کبھی کبھی اسی طرح کی باتیں کھڑی کر دیتی ہے تاکہ وہ عالم شہادت کی طرح کھل نہ جائے۔ اس لیے ضروری تھا کہ یہاں چھپ کر راوی واقعہ نے جو کچھ دیکھا تو اس پر بھی آخر کار بات مبہم رہ جائے اس لیے بالآخر وہ درختوں کی علیحدگی نہ دیکھ سکا۔ قدرت نے درختوں کی فرمانبرداری دکھلا کر شانِ نبوت بھی کیا خوب عیاں دکھلا دی لیکن جو اس کے علاوہ غیبی بات تھی اس کو غیب ہی کے راز میں مخفی بھی فرما دیا۔ وہ جانتا تھا کہ جو شان اس کو نظر آئی وہ شانِ نبوت تھی اور جو شانِ الٰہی تھی وہ تفہیم انسان کے ایمان کے لیے پیچھے ہی کوئی مشاہدہ میں آ چکی تھی۔ اب بے پردہ ہو کر قدرت کو اپنا کرشمہ دکھانے کی ضرورت ہی کیا تھی۔ یہاں جو بھی روایت میں جو واقعہ مذکور ہے اس میں درختوں کی واپسی کا مشاہدہ بھی موجود ہے۔ اب دل چاہے تو آپ اس کو مستقل اسی جنس کا علیحدہ واقعہ تسلیم کر لیں یا ترجیح کے ٹھہرا دیں لیکن مسلم شریف کا یہ واقعہ بہر کیف تسلیم ہی کرنا پڑے گا۔ تھوڑا بہت فرق تو روایات احکام میں بھی ملتا ہے اور اپنے ضوابط کے ماتحت وہ بھی طے ہو کر قابل انکار نہیں ہوتا۔

عن يعلى ابن مرة الثقفي قال ثلاثة أشياء رأيتهن من رسول الله صلى الله عليه وسلم بينما نحن نسير معه إذ مررنا ببعير يسنى عليه فلما رآه البعير جرجر ووضع جرانه بالأرض فوقف عليه النبي صلى الله عليه وسلم فقال أين صاحب هذا البعير؟ فجاءه فقال بعنيه. فقال بل نهبه لك يا رسول الله صلى الله عليه وسلم فقال لا بل بعنيه فقال بل نهبه لك وهو لأهل بيت ما لهم معيشة غيره فقال لنا إذ ذكرت هذا من أمره فإنه يشتكي إلي كثرة العمل وقلة العلف فأحسنوا إليه وفي رواية أنهم أرادوا نحره. رواه الإمام أحمد وفي شرح السنة ثم سرنا حتى نزلنا منزلا فنام النبي صلى الله عليه وسلم فجاءت شجرة تشق الأرض حتى غشيته ثم رجعت إلى مكانها فلما استيقظ رسول الله صلى الله عليه وسلم ذكرت له فقال هي شجرة استأذنت ربها في أن تسلم على رسول الله صلى الله عليه

وَسَلَّمَ فَأُذِنَ لَهَا قَالَ ثُمَّ سِرْنَا فَمَرَرْنَا بِمَاءٍ فَأَتَتْهُ امْرَأَةٌ بِابْنٍ لَهَا بِهِ جِنَّةٌ فَأَخَذَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بِمَنْخَرِهِ ثُمَّ قَالَ اُخْرُجْ فَإِنِّيْ مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ ثُمَّ سِرْنَا فَلَمَّا رَجَعْنَا مَرَرْنَا بِذٰلِكَ الْمَاءِ فَسَأَلَهَا عَنِ الصَّبِيِّ فَقَالَتْ وَالَّذِيْ بَعَثَكَ بِالْحَقِّ مَا رَأَيْنَا مِنْهُ رَيْبًا بَعْدَكَ. كَذَا فِي الْمِشْكٰوةِ.

یعلیٰ بن مرہ ثقفی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کہتے ہیں ہم نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی تین عجیب باتیں دیکھیں۔ ایک دفعہ تو ہم سب آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے ہمراہ کہیں جا رہے تھے' ایک اونٹ کے پاس سے گزر ہوا جس سے کھیتی کو پانی دیا جاتا تھا تو اونٹ نے جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھا تو بلبلایا اور اپنی گردن زمین پر رکھ دی۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم اس کے پاس کھڑے ہو گئے اور پوچھا کہ اس اونٹ کا مالک کہاں ہے؟ وہ آیا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا' تم اسے میرے ہاتھ بیچ دو' اس نے عرض کیا نہیں بلکہ میں اسے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو ہدیۃً پیش کرتا ہوں اور قصہ یہ ہے کہ وہ اونٹ ایسے گھرانے کا ہے جن کے پاس روزی کا سہارا اس کے سوا کچھ اور ہے ہی نہیں۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا' اچھا جب تم نے اس کا حال بتا دیا تو سنو یہ اونٹ مجھ سے شکایت کر رہا تھا کہ مجھ سے کام بہت لیا جاتا ہے' اور چارہ کم دیا جاتا ہے تو دیکھو اس کے ساتھ اچھا برتاؤ کیا کرو' اور دوسری روایت میں ہے کہ ان لوگوں نے اس کے ذبح کرنے کا ارادہ کر لیا تھا۔ (احمد) اور شرح السنۃ میں ہے کہ پھر ہم چلے یہاں تک کہ ایک پڑاؤ پر اترے اور وہاں حضور صلی اللہ علیہ وسلم سو گئے تو ایک درخت زمین چیرتا ہوا وہاں تک آیا اور اس نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو ڈھانک کر آپ صلی اللہ علیہ وسلم پر سایہ کر لیا۔ پھر کچھ دیر بعد اپنی جگہ پر واپس چلا گیا۔ جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم بیدار ہوئے تو میں نے آپ سے یہ حال بیان کیا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا' ہاں یہ وہ درخت ہے جس نے اپنے پروردگار سے اجازت مانگی تھی کہ اللہ کے رسول (صلی اللہ علیہ وسلم) کو سلام کرے تو اللہ تعالیٰ نے اسے اجازت دے دی تھی راوی کہتے ہیں کہ پھر ہم لوٹ وہاں سے چلے اور ایک تالاب پر پہنچے تو ایک عورت آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس اپنا ایک لڑکا لے کر آئی جس کا دماغ خراب ہو گیا تھا (یا جس پر آسیب کا اثر تھا) تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کی ناک پکڑی اور فرمایا' نکل دور ہو جا' میں اللہ کا رسول محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) ہوں۔ پھر ہم آگے چلے جب لوٹنے لگے تو اسی تالاب پر پہنچے تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اس عورت سے اس کے لڑکے کے متعلق دریافت فرمایا تو اس نے کہا' اس ذات کی قسم جس نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو دین حق دے کر بھیجا ہم نے آپ کے جانے کے بعد کچھ اثر اس پر نہیں دیکھا۔ (مشکوۃ)

عَنِ ابْنِ مَسْعُوْدٍ قَالَ كُنَّا مَعَ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فِيْ سَفَرٍ فَدَخَلَ رَجُلٌ غَيْضَةً فَأَخْرَجَ مِنْهَا بَيْضَةَ حُمَّرَةٍ فَجَاءَتِ الْحُمَّرَةُ تَرِفُّ عَلٰى رَأْسِ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَأَصْحَابِهِ فَقَالَ أَيُّكُمْ فَجَعَ هٰذِهِ؟ فَقَالَ رَجُلٌ مِّنَ الْقَوْمِ أَنَا أَخَذْتُ بَيْضَتَهَا فَقَالَ رُدَّهُ رَحْمَةً لَّهَا. (رواه ابو داود الطيالسي)

ابن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ کہتے ہیں کہ ہم حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ہمراہ ایک سفر میں تھے۔ ایک آدمی ایک جھاڑی میں گھسا اور وہاں سے چڑیا کا انڈا اٹھا لایا تو وہ چڑیا بھی پھڑپھڑاتی ہوئی حضور صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے اور صحابہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم کے سروں پر آ کر منڈلانے لگی۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا' تم میں سے کس نے اسے ستایا ہے؟ مجمع میں سے ایک

شخص ہوتا تھی اس کا اثر لے آیا ہوں، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اس پر تم سب کلمہ کرو اور چھپ رکھا آؤ۔ (ابونعیم و بیہقی)

عَنْ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ جَعْفَرٍ قَالَ اَرْدَفَنِیْ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ ذَاتَ یَوْمٍ فَاَسَرَّ اِلَیَّ حَدِیْثًا لَا اُحَدِّثُ بِهٖ اَحَدًا مِّنَ النَّاسِ قَالَ وَکَانَ اَحَبُّ مَا اسْتَتَرَ بِهٖ هَدَفٌ اَوْ حَائِشُ نَخْلٍ فَدَخَلَ حَائِطَ رَجُلٍ مِّنَ الْاَنْصَارِ فَاِذَا جَمَلٌ فَلَمَّا رَاٰی رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ حَنَّ وَذَرَفَتْ عَیْنَاهُ فَاَتَاهُ النَّبِیُّ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ فَمَسَحَ سَرَاتَهٗ وَذِفْرَاهُ فَسَکَنَ ثُمَّ قَالَ لِمَنْ هٰذَا الْجَمَلُ؟ فَجَاءَ فَتًی مِّنَ الْاَنْصَارِ فَقَالَ هُوَ لِیْ یَا رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ فَقَالَ لَهُ النَّبِیُّ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ اَلَا تَتَّقِی اللّٰهَ فِیْ هٰذِهِ الْبَهِیْمَةِ الَّتِیْ مَلَّکَکَ اللّٰهُ اِیَّاهَا فَاِنَّهٗ شَکٰی اِلَیَّ اَنَّکَ تُجِیْعُهٗ وَتُدْئِبُهٗ. (رواہ مسلم)

عبداللہ بن جعفر رضی اللہ تعالیٰ عنہ بیان فرماتے ہیں کہ ایک دن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھ کو سواری پر اپنے پیچھے بٹھایا اور چپکے سے ایک بات مجھ سے کہی جو کسی شخص پر میں ظاہر نہیں کروں گا۔ راوی بیان کرتا ہے کہ رفع حاجت کے لیے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو سب سے زیادہ پردہ کی جگہ پسند تھی وہ یا تو بلند ٹیلہ ہو یا کھجور کے درخت ہوں۔ چنانچہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم ایک انصاری کے باغ میں تشریف لے گئے۔ دفعۃً ایک اونٹ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے آیا جب اس نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھا تو ایک آواز نکالی اور اس کی دونوں آنکھوں سے پانی جاری ہو گیا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اس کے پاس تشریف لے گئے اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کے کوہان اور کنپٹی پر دست مبارک پھیرا وہ خاموش ہو گیا اس کے بعد آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا یہ اونٹ کس کا ہے؟ ایک انصاری نوجوان آ گئے اور اس نے کہا یا رسول اللہ! (صلی اللہ علیہ وسلم) میرا ہے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اس جانور کے بارے میں جس کو اللہ تعالیٰ نے تمہاری ملکیت میں دے رکھا ہے تم کو اللہ تعالیٰ کا خوف نہیں آتا اس اونٹ نے اس بات کی مجھ سے شکایت کی ہے کہ تو اس کو بھوکا رکھتا ہے اور اس کو مار مار کر گھلائے دیتا ہے۔ (مسلم شریف)

تشریح: اس حدیث میں جانور سے کلام کرنے کے معجزہ کے سوا ایک بڑی موعظت و عبرت یہ سکھائی گئی ہے کہ جو جانور اللہ تعالیٰ نے ہمارے لیے مسخر فرمائے ان کا بھی ہم پر حق ہے جس کو پہنچانا ضروری ہے۔ پھر انسانوں کو باہم حق شناسی کی اہمیت کیا ہو سکتی ہے۔ یہ بات تو بہت مختصر ہے لیکن اس کا ملحوظ رکھنا مشکل ہے۔ دراصل حق شناسی پر نظام عالم موقوف ہے اور جتنی اس میں حق ناشناسی پیدا ہوتی چلی جائے اتنا ہی نظام عالم درہم برہم ہوتا چلا جائے گا۔

عَنْ شَیْبَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ یَا عَبَّاسُ نَاوِلْنِیْ مِنَ الْحَصْبَاءِ فَاَفْقَهَ اللّٰهُ تَعَالَی الْبَغْلَةَ فَانْخَفَضَتْ بِهٖ حَتّٰی کَادَ بَطْنُهَا یَمَسُّ الْاَرْضَ فَتَنَاوَلَ مِنَ الْبَطْحَاءِ فَحَثٰی بِهٖ فِیْ وُجُوْهِهِمْ وَقَالَ شَاهَتِ الْوُجُوْهُ حٰمٓ لَا یُنْصَرُوْنَ (رواہ البغوی والبیهقی کذا فی شرح المواهب ص ۱۳) وَقَالَ ابْنُ هِشَامٍ قَالَ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ حِیْنَئِذٍ لِبَغْلَتِهِ الشَّهْبَاءِ اَلْبُدِیْ فَوَضَعَتْ بَطْنَهَا الْاَرْضَ فَاَخَذَ حَفْنَةً (حصبۃ) فَضَرَبَ بِهَا وُجُوْهَ هَوَازِنَ. (کذا فی الصفحۃ ص ۴۹ ج ۲)

شیبہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے فرمایا

عباس! کچھ کنکریاں اٹھا کر مجھ کو دیجئے تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی خچری اللہ تعالیٰ کے حکم سے سمجھ گئی اور اتنی جھک گئی کہ اس کا پیٹ زمین سے لگنے کے قریب ہو گیا آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے تھوڑی سی کنکریاں اٹھائیں اور دشمن کی جانب ان کو پھینکا اور فرمایا "شاهت الوجوه الخ" (بغوی بیہقی) ابن ہشام کی روایت میں ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے خچری سے کہا بیٹھ جا تو اس نے اپنا پیٹ زمین پر رکھ دیا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک مٹھی لی اور اسے قبیلہ ہوازن کے منہ پر پھینک مارا۔ (عمدۃ القاری)

عَنْ اَنَسٍ قَالَ لَمَّا انْهَزَمَ الْمُسْلِمُوْنَ يَوْمَ حُنَيْنٍ وَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَلٰى بَغْلَتِهِ الشَّهْبَاءِ الَّتِيْ يُقَالُ لَهَا الدُّلْدُلُ فَقَالَ لَهَا رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ دُلْدُلُ اسْبُدِيْ فَأَلْصَقَتْ بَطْنَهَا بِالْاَرْضِ حَتّٰى أَخَذَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ حَفْنَةً مِنْ تُرَابٍ فَرَمٰى بِهَا وُجُوْهَهُمْ وَقَالَ حٰمٓ لَا يُنْصَرُوْنَ قَالَ فَانْهَزَمَ الْقَوْمُ وَمَا رَمَيْنَاهُمْ بِسَهْمٍ وَلَا طَعَنَّاهُمْ بِرُمْحٍ وَلَا ضَرَبْنَاهُمْ بِسَيْفٍ وَفِيْهِ عَنْ شَيْبَةَ بْنِ عُثْمَانَ اَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ يَوْمَ حُنَيْنٍ لِعَمِّهِ الْعَبَّاسِ نَاوِلْنِيْ مِنَ الْبَطْحَاءِ فَأَفْقَهَ اللّٰهُ تَعَالَى الْبَغْلَةَ كَلَامَهُ فَانْخَفَضَتْ حَتّٰى كَادَ بَطْنُهَا يَمَسُّ الْاَرْضَ فَتَنَاوَلَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مِنَ الْحَصْبَاءِ فَنَفَخَ فِيْ وُجُوْهِهِمْ وَقَالَ شَاهَتِ الْوُجُوْهُ۔ (رواہ الطبرانی)

حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ کہتے ہیں کہ جب جنگ حنین میں مسلمان شکست کھا گئے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اپنے اس گلابی رنگ کے خچر پر سوار تھے جسے دلدل کہتے ہیں تو اس سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: دلدل جھک جا تو اس نے اپنا پیٹ زمین سے لگا دیا اتنا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے مٹی کی ایک مٹھی اٹھائی اور اسے دشمن کے منہ پر پھینک مارا اور فرمایا "حٰمٓ لا ینصرون" راوی کہتے ہیں کہ پھر تو وہ جماعت بھاگ کھڑی ہوئی حالانکہ ہم نے ان پر کوئی تیر چلایا نہ ان کو نیزہ مارا اور نہ ہی تلوار کا کوئی وار کیا اور اسی روایت میں عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے بیٹے شیبہ سے روایت ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے جنگ حنین میں اپنے چچا عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے فرمایا کہ تم مجھے ذرا کنکریاں تھوڑی سے اٹھا دو تو اللہ تعالیٰ نے اس خچر کو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی یہ گفتگو سمجھا دی تو وہ خچر خود ہی اتنا جھک گیا کہ اس کا پیٹ زمین سے لگنے لگا۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے خود ہی کچھ کنکریاں اٹھائیں اور کفار کے منہ پر پھینک ماریں اور شاهت الوجوه فرمایا۔ (طبرانی)

عَنْ عَبْدِ اللّٰهِ قَالَ دَخَلَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَكَّةَ يَوْمَ الْفَتْحِ وَحَوْلَ الْبَيْتِ سِتُّوْنَ وَثَلَاثُمِائَةِ نُصُبٍ فَجَعَلَ يَطْعَنُهَا بِعُوْدٍ فِيْ يَدِهِ وَيَقُوْلُ جَاءَ الْحَقُّ وَزَهَقَ الْبَاطِلُ جَاءَ الْحَقُّ وَمَا يُبْدِئُ الْبَاطِلُ وَمَا يُعِيْدُ۔ (رواہ البخاری)

حضرت عبداللہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ روایت کرتے ہیں کہ جب مکہ مکرمہ فتح ہوا تو اس وقت بیت اللہ شریف کے اردگرد ۳۶۰ بت رکھے ہوئے تھے آپ صلی اللہ علیہ وسلم اپنے ہاتھ کی لکڑی سے ان کی طرف اشارہ کرتے اور یہ فرماتے جاتے تھے "جاء الحق وزهق الباطل الخ" فاکہی کی روایت میں اتنا اضافہ ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی لکڑی بت کو لگتی بھی نہ تھی اور وہ خود بخود الٹا گرپڑتا تھا۔ (رواہ البخاری)

تشریح: یہ واقعہ صحیح بخاری میں آیا ہے اگرچہ صرف اس کے الفاظ سے اس میں کوئی اعجاز نظر نہ آئے لیکن فاکہی کی روایت پر نظر ڈالنے سے وہ کھلا ہوا معجزہ ثابت ہوتا ہے۔ پھر اس زیادتی کے صحیح کہنے والے ابن حبان ہیں جن کی تصحیح معترضین کی

نظروں میں ہلکی بھی گئی ہے لیکن افسوس ہے کہ جب بڑے بڑے محدثین اس قسم کی روایتوں کی بنا پر کسی واقعہ کو معجزات کی فہرست میں شمار کرتے ہیں تو بے وجہ ان پر ملامت شروع کر دی جاتی ہے اور جب خود اس کا ارتکاب کیا جاتا ہے تو اس پر ذرا نظر نہیں کی جاتی۔ اس قسم کے واقعات سے یہ سمجھ لینا چاہیے کہ محدثین اگر کسی واقعہ کو معجزہ کہتے ہیں تو ضرور کسی بنیاد پر ہی کہتے ہیں۔ یہاں تحقیق کے بغیر ان کو ملامت شروع کر دینا سخت ناانصافی اور ظلم ہے۔

عن جابر قال إنا يوم الخندق نحفر فعرضت كدية شديدة فجاؤا النبي صلى الله عليه وسلم فقالوا هذه كدية عرضت في الخندق فقال أنا نازل ثم قام وبطنه معصوب بحجر ولبثنا ثلاثة أيام لا نذوق ذواقا فأخذ النبي صلى الله عليه وسلم المعول فضرب فعاد كثيبا أهيل أو أهيم۔ الحديث (رواه البخاري)

جابر رضی اللہ تعالیٰ عنہ بیان کرتے ہیں کہ غزوۂ خندق میں ہم خندق کھود رہے تھے کہ ایک سخت پتھر کی چٹان نکل آئی (جس کو ہم نہ توڑ سکے) لوگ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے اور عرض کی دیکھیے یہ ایک سخت چٹان نکل آئی ہے آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اچھا تو میں خود اترتا ہوں یہ کہہ کر آپ صلی اللہ علیہ وسلم کھڑے ہو گئے اور اس وقت آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے پیٹ سے پتھر بندھا ہوا تھا (صحابہ کہتے ہیں) ہم لوگوں کو کوئی چیز چکھے ہوئے بھی تین دن گزر چکے تھے آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے کدال اپنے دست مبارک میں لیا اور ایک ضرب لگائی تو چٹان ریت کی طرح ریزہ ریزہ ہو گئی۔ (بخاری شریف)

تشریح: تعجب ہے کہ ایک ایک معجزہ پر عقل کی ترازو لگانے والوں نے اس واقعہ کو کس چون و چرا کے بغیر معجزہ کیسے تسلیم کر لیا ہے یہاں بھی یہ کہنا ممکن نہ تھا کہ صحابہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم کی ضربوں سے چٹان کمزور پڑ چکی ہو پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی ضرب سے وہ ٹوٹ گئی ہو اور کثیب اھیل کہنا صرف ایک عرفی مبالغہ ہو مگر صحابہ کے مزاج شناس اور حدیثوں پر نظر رکھنے والے جانتے ہیں کہ اس واقعہ کی پوری سرگزشت از اول تا آخر خارق عادت تھی۔ یہاں احتمال کے گھوڑے دوڑانا صرف ایک وہمی شخص کا کام ہو سکتا ہے اب اس کے ساتھ آپ آئندہ واقعہ کی پوری تفصیل ملا کر یہ اندازہ کیجئے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے معجزانہ افعال کو کوشش کر کر کے عام واقعات میں شامل کرتے رہنا کتنا بڑا ظلم ہے۔

عن رجل من أصحاب النبي صلى الله عليه وسلم قال لما أمر النبي صلى الله عليه وسلم بحفر الخندق عرضت لهم صخرة حالت بينهم وبين الحفر فقام رسول الله صلى الله عليه وسلم وأخذ المعول ووضع رداءه ناحية الخندق وقال وتمت كلمة ربك صدقا وعدلا لا مبدل لكلماته وهو السميع العليم فندر ثلث الحجر وسلمان الفارسي قائم ينظر فبرق مع ضربة رسول الله صلى الله عليه وسلم برقة لم يرها سلمان ثم ضرب الثانية وقال وتمت كلمة ربك صدقا وعدلا لا مبدل لكلماته وهو السميع العليم فندر الثلث الآخر فبرقت برقة فرآها سلمان ثم ضرب الثالثة وقال وتمت كلمة ربك صدقا وعدلا لا مبدل لكلماته وهو السميع العليم فندر الثلث الباقي وخرج رسول الله صلى الله عليه وسلم وأخذ رداءه وجلس قال

سَلْمَانُ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ رَأَيْتُكَ حِيْنَ ضَرَبْتَ مَا تَضْرِبُ ضَرْبَةً إِلَّا كَانَتْ مَعَهَا بَرْقَةٌ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَا سَلْمَانُ رَأَيْتَ ذٰلِكَ فَقَالَ إِيْ وَالَّذِيْ بَعَثَكَ بِالْحَقِّ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ قَالَ فَإِنِّيْ حِيْنَ ضَرَبْتُ الضَّرْبَةَ الْأُوْلٰى رُفِعَتْ لِيْ مَدَائِنُ كِسْرٰى وَمَا حَوْلَهَا وَمَدَائِنُ كَثِيْرَةٌ حَتّٰى رَأَيْتُهَا بِعَيْنَيَّ قَالَ لَهُ مَنْ حَضَرَهُ مِنْ أَصْحَابِهِ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ ادْعُ اللّٰهَ أَنْ يَفْتَحَهَا عَلَيْنَا وَيُغَنِّمَنَا دِيَارَهُمْ وَيُخَرِّبَ بِأَيْدِيْنَا بِلَادَهُمْ فَدَعَا رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بِذٰلِكَ ثُمَّ ضَرَبْتُ الضَّرْبَةَ الثَّانِيَةَ فَرُفِعَتْ لِيْ مَدَائِنُ قَيْصَرَ وَمَا حَوْلَهَا حَتّٰى رَأَيْتُهَا بِعَيْنَيَّ قَالُوْا يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ ادْعُ اللّٰهَ أَنْ يَفْتَحَهَا عَلَيْنَا وَيُغَنِّمَنَا دِيَارَهُمْ وَيُخَرِّبَ بِأَيْدِيْنَا بِلَادَهُمْ فَدَعَا رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بِذٰلِكَ ثُمَّ ضَرَبْتُ الثَّالِثَةَ فَرُفِعَتْ لِيْ مَدَائِنُ الْحَبَشَةِ وَمَا حَوْلَهَا مِنَ الْقُرٰى حَتّٰى رَأَيْتُهَا بِعَيْنَيَّ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عِنْدَ ذٰلِكَ دَعُوا الْحَبَشَةَ مَا وَدَعُوْكُمْ وَاتْرُكُوا التُّرْكَ مَا تَرَكُوْكُمْ. (رواہ النسائی فی الجہاد)

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا ایک صحابی بیان کرتا ہے کہ جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے خندق کھودنے کا حکم دیا تو خندق کھودنے والوں کے سامنے ایک سخت چٹان نکل آئی جس کو وہ توڑ نہ سکے۔ یہ سن کر آپ صلی اللہ علیہ وسلم تشریف لے گئے اور کدال خود ہاتھ میں لیا اور اپنی چادر خندق کے کنارے پر رکھ کر ایک ضرب لگائی اور یہ کلمات زبان پر لائے: "وتمت کلمة ربک صدقا وعدلا" آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا ضرب لگانا تھا کہ چٹان کا ایک تہائی پتھر ٹوٹ کر اڑ گیا۔ اس وقت سلمان فارسی رضی اللہ تعالیٰ عنہ وہاں کھڑے دیکھ رہے تھے۔ وہ کہتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ضرب کے ساتھ بجلی کی سی ایک چمک نظر آئی جو انہوں نے آنکھوں سے دیکھی۔ اس کے بعد پھر دوسری ضرب لگائی اور پھر وہی کلمات پڑھے تو تہائی چٹان اور ٹوٹ گئی اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی ضرب کے ساتھ پھر ایک چمک پیدا ہوئی جس کو سلمان فارسی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے آنکھوں سے دیکھا۔ تیسری بار وہی کلمات پڑھ کر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے پھر ضرب لگائی تو اس کا بقیہ ٹکڑا ٹوٹ گیا۔ اس کے بعد آپ صلی اللہ علیہ وسلم اپنی چادر لے کر خندق سے باہر تشریف لے آئے اور بیٹھ گئے۔ سلمان فارسی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے عرض کی یا رسول اللہ! (صلی اللہ علیہ وسلم) میں نے دیکھا تھا جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم پتھر پر ضرب لگاتے تھے تو بجلی کی سی ایک چمک نکلتی تھی۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا سلمان! کیا تم نے یہ دیکھا تھا؟ انہوں نے عرض کی جی ہاں! اس خدائے پاک کی قسم جس نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو حق دے کر بھیجا ہے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جب میں نے پہلی ضرب لگائی تھی تو میرے سامنے کسریٰ کی سلطنت اور اس کے ارد گرد کی سب بستیاں سامنے کردی گئی تھیں یہاں تک کہ میں نے ان کو اپنی آنکھوں سے دیکھا۔ حاضرین نے پوچھا یا رسول اللہ! (صلی اللہ علیہ وسلم) ان ملکوں کے فتح کرنے والے کون لوگ ہوں گے یا رسول اللہ! (صلی اللہ علیہ وسلم) یہ دعا فرمادیجئے کہ اللہ تعالیٰ ان کو ہمارے سامنے فتح کرادے اور ان کی بستیاں ہمارا مال غنیمت بنادے اور ہمارے ہاتھوں سے ان کو تباہ و برباد کروادے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس بات کے لیے دعا فرمادی۔ پھر جب میں نے دوسری بار ضرب لگائی تھی تو قیصر کی سلطنت اور اس کے ارد گرد کے شہر سامنے کیے گئے یہاں تک کہ ان کو میں نے اپنی آنکھوں سے دیکھا۔ صحابہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم نے عرض کی یا رسول اللہ! (صلی اللہ علیہ وسلم) یہ دعا فرمادیجئے

کہ اللہ تعالیٰ ان کو ہمارے سامنے فتح کرا دے اور ہماری غنیمت بنا دے اور ہمارے ہاتھوں سے ان کو برباد کرا دے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کے لیے بھی دعا فرمادی۔ پھر میں نے تیسری بار ضرب لگائی تو حبشہ کی سلطنت میرے سامنے کی گئی اور جو اس کے ارد گرد کی بستیاں تھیں یہاں تک کہ میں نے ان کو بھی آنکھوں سے دیکھا تھا۔ اس کے بعد آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جب تک اہل حبشہ تم سے کچھ نہ کہیں تم بھی ان سے کچھ نہ کہنا اور اسی طرح جب تک ترک خاموش رہیں تم بھی خاموش رہنا۔ (نسائی شریف)

تشریح: معجزات کو پھیکا کرنے والے شاید یہاں بھی یہ لکھ دیں کہ پتھر کے اوپر لوہے کی ضرب سے چمک پیدا ہو جانا روز مرہ کا معمولی واقعہ ہے اس میں اعجاز کیا ہے۔ لیکن سلمان فارسی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی آنکھوں سے پوچھو جنہوں نے نہ معلوم کتنی بار خندقیں دیکھی ہوں گی اور پتھروں سے چنگاریاں بھی نکلتی دیکھی ہوں گی مگر وہ اس چمک کو دیکھ کر متحیر ہوتے رہے۔ آخر کار اس عجیب چمک کا راز آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھے بغیر رہ نہ سکے اور جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے وہ تفصیلات جو سلمان فارسی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے خواب و خیال میں نہ تھیں بتائیں تو یہ واضح ہو گیا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی ایک ایک ضرب میں دنیا کے کتنے بڑے بڑے انقلابات پنہاں تھے۔ اگر سلمان فارسی رضی اللہ تعالیٰ عنہ یہاں یہ سوال نہ کر لیتے تو معجزہ کے شوقین بھی شاید اس کو ایک ہی معجزہ سمجھتے لیکن اب معلوم ہوا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی ضرب میں صرف ایک چٹان کے تودہ خاک بن جانے کا معجزہ تو بلند قیاس و گمان سے بالاتر واقعات کو عظیم الشان پیشین گوئی کے علاوہ ان کو آنکھوں سے دیکھ لینے کے معجزات بھی شامل تھے۔ سبحان اللہ نبی و رسول بھی ایک بشر ہی ہوتے ہیں لیکن قدرت ان کے ساتھ کبھی کبھی ایسے کرشمے بھی ظاہر فرماتی ہے جن میں سے ہر کرشمہ دنیا کی شکست دینے کے واسطے کافی ہے اسی کا نام معجزہ ہے۔

حیرت ہے کہ معجزہ مادی طاقت کی شکست کا ثبوت ہوتا ہے اور معجزہ کی حقیقت سے نا آشنا اسے جو تکلف لگا کر مادہ کی سرپرستی میں رکھنا چاہتے ہیں۔

قدرت کاملہ کی نشانیاں

عَنْ اَنَسِ بْنِ مَالِكٍ اَنَّ رَجُلًا دَخَلَ الْمَسْجِدَ فِيْ يَوْمِ جُمُعَةٍ مِنْ بَابٍ كَانَ نَحْوَ دَارِ الْقَضَاءِ وَرَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَائِمٌ يَخْطُبُ فَاسْتَقْبَلَ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَائِمًا ثُمَّ قَالَ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ هَلَكَتِ الْاَمْوَالُ وَانْقَطَعَتِ السُّبُلُ فَادْعُ اللّٰهَ يُغِيْثُنَا قَالَ فَرَفَعَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَدَيْهِ ثُمَّ قَالَ اَللّٰهُمَّ اَغِثْنَا اَللّٰهُمَّ اَغِثْنَا قَالَ اَنَسٌ وَلَا وَاللّٰهِ مَا نَرٰى فِي السَّمَاءِ مِنْ سَحَابٍ وَلَا مِنْ قَزَعَةٍ وَّاِنَّ السَّمَاءَ لَمِثْلُ الزُّجَاجَةِ وَمَا بَيْنَنَا وَبَيْنَ سَلْعٍ مِنْ دَارٍ فَوَالَّذِيْ نَفْسِيْ بِيَدِهٖ مَا وَضَعَ يَدَيْهِ حَتّٰى ثَارَ السَّحَابُ اَمْثَالَ الْجِبَالِ ثُمَّ لَمْ يَنْزِلْ عَنْ مِنْبَرِهٖ حَتّٰى رَاَيْتُ الْمَطَرَ يَتَحَادَرُ عَلٰى لِحْيَتِهٖ (رواہ الشیخان) وَفِيْ رِوَايَةٍ اُخْرٰى فَطَلَعَتْ مِنْ وَّرَائِهٖ سَحَابَةٌ مِثْلُ التُّرْسِ فَلَمَّا تَوَسَّطَتِ السَّمَاءَ انْتَشَرَتْ ثُمَّ اَمْطَرَتْ قَالَ فَلَا وَاللّٰهِ مَا رَاَيْنَا الشَّمْسَ سَبْتًا قَالَ ثُمَّ دَخَلَ رَجُلٌ مِنْ ذٰلِكَ الْبَابِ فِي الْجُمُعَةِ الْمُقْبِلَةِ وَرَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَائِمٌ يَخْطُبُ فَاسْتَقْبَلَهٗ قَائِمًا

فَقَالَ يَا رَسُوْلَ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ هَلَكَتِ الْاَمْوَالُ وَانْقَطَعَتِ السُّبُلُ فَادْعُ اللهَ اَنْ يُمْسِكَهَا عَنَّا قَالَ فَرَفَعَ رَسُوْلُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَدَيْهِ ثُمَّ قَالَ اَللّٰهُمَّ حَوَالَيْنَا وَلَا عَلَيْنَا اَللّٰهُمَّ عَلَى الْاٰكَامِ وَالظِّرَابِ وَبُطُوْنِ الْاَوْدِيَةِ وَمَنَابِتِ الشَّجَرِ قَالَ فَمَا يُشِيْرُ بِيَدِهٖ اِلٰى نَاحِيَةٍ اِلَّا تَفَرَّجَتْ حَتّٰى رَاَيْتُ الْمَدِيْنَةَ فِيْ مِثْلِ الْجَوْبَةِ وَسَالَ الْوَادِيْ قَنَاةُ شَهْرًا وَلَمْ يَجِئْ اَحَدٌ مِنْ نَاحِيَةٍ اِلَّا اَخْبَرَ بِجَوْدٍ.

انس بن مالک رضی اللہ تعالیٰ عنہ بیان کرتے ہیں ایک شخص جمعہ کے دن اس دروازہ کی جانب سے داخل ہوا جو دارالقضا کی جانب تھا اس وقت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کھڑے ہوئے خطبہ دے رہے تھے یہ شخص آ کر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے کھڑا ہو گیا اور کہنے لگا یا رسول اللہ! (صلی اللہ علیہ وسلم) قحط کی وجہ سے ہمارے مال سب تباہ و برباد ہو گئے اور (سواریاں ہلاک ہو جانے کی وجہ سے) سب راستے بند ہو گئے آپ صلی اللہ علیہ وسلم اللہ سے دعا فرما دیجئے کہ وہ بارش برسا دے۔ یہ کہتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے دعا کے لیے ہاتھ اٹھائے اور فرمایا اے اللہ! باران رحمت نازل فرما اے اللہ! باران رحمت نازل فرما۔ انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ قسم کھا کر بیان کرتے ہیں کہ ہم کو آسمان پر بادل کا کوئی ٹکڑا بھی نظر نہ آتا تھا اور آسمان آئینہ کی طرح صاف پڑا ہوا تھا اور ہمارے اور سلع پہاڑ کے درمیان ایک گھر بھی نہ تھا بس ایک کھلا میدان تھا (ایسی حالت میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے دعا فرمائی) اس ذات کی قسم جس کے قبضہ میں میری جان ہے ابھی آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے دعا فرما کر اپنے ہاتھ نیچے کیے بھی نہ تھے کہ پہاڑوں کے برابر بادل اٹھے اور ابھی آپ صلی اللہ علیہ وسلم منبر سے اترنے بھی نہ پائے تھے کہ بارش برسنا شروع ہو گئی یہاں تک کہ میں نے دیکھا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی ریش مبارک سے پانی کے قطرے ٹپک رہے ہیں۔ دوسری روایت میں یہ واقعہ اسی طرح بیان کیا گیا ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی پشت کی جانب سے ایک چھوٹا سا بادل کا ٹکڑا اٹھا جو شروع میں ڈھال کی طرح نظر آ رہا تھا پھر جب آسمان کے درمیان پہنچا تو چاروں طرف پھیل گیا پھر برسا اور ایسا برسا کہ پورا ایک ہفتہ تک ہم نے آفتاب کی شکل نہیں دیکھی۔ راوی کہتا ہے کہ آئندہ جمعہ میں پھر وہی شخص اسی دروازہ سے آیا اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم اس وقت کھڑے ہوئے خطبہ دے رہے تھے وہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے آ کر کھڑا ہو گیا اور اس مرتبہ اس کی شکایت یہ تھی کہ یا رسول اللہ! (صلی اللہ علیہ وسلم) بارش کی کثرت کے مارے ہمارے مال سب تباہ و برباد ہو گئے اور (ندی نالے بھر جانے کی وجہ سے) آمد و رفت بند ہو گئی۔ لہٰذا اللہ تعالیٰ سے دعا فرمائیے کہ اب تو وہ بارش بند کر دے۔ راوی بیان کرتا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے دونوں ہاتھ اٹھائے اور یہ دعا فرمائی: اے اللہ! اب بارش ہمارے اردگرد ہو اور ہماری بستی پر نہ ہو۔ اے اللہ! اب بارش پہاڑیوں پر، ٹیلوں پر، وادیوں اور جنگلوں میں ہو۔ راوی بیان کرتا ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم اپنے دست مبارک سے جس جانب بھی اشارہ کرتے جاتے اسی جانب سے بادل پھٹتے جاتے یہاں تک کہ میں نے دیکھا کہ بادل چاروں طرف سے پھٹ گئے اور مدینہ بیچ میں اس طرح نظر آنے لگا جیسے تاج ہوتا ہے اور وادی قناۃ ایک مہینے تک بہتی رہی اور جس جانب سے بھی کوئی شخص آتا وہ بارش کی ہی خبر لے کر آتا۔ (متفق علیہ)

تشریح: یہاں بھی بارش کا ہونا آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی بہت بڑی برکت کا ظہور تھا اور وہ بھی پانی ہی سے متعلق تھا مگر اس قسم کے

متعدد واقعات کی شان الگ تھی۔ اس لیے ہر برکت کے ظہور کی شان ہر جگہ علیحدہ ملحوظ رکھتے تاکہ دیگر مقامات پر آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو اس کے الگ شمار کرنے میں دماغی تکلیف نہ ہو۔ بیشک جہاں واقعہ ایک ہو اس کا متعدد بنا بھی بلا حاصل ہے مگر جن مقاصد کے لیے امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے ایک واقعہ کو متعدد مقامات پر ذکر فرمایا ہے آپ بھی اگر ان کو مستحضر رکھیں تو مضائقہ نہیں۔

عَنْ سَلَمَةَ بْنِ الْاَكْوَعِ قَالَ غَزَوْنَا مَعَ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ حُنَيْنًا فَلَمَّا وَاجَهْنَا الْعَدُوَّ تَقَدَّمْتُ فَاَعْلُوْ ثَنِيَّةً فَاسْتَقْبَلَنِيْ رَجُلٌ مِّنَ الْعَدُوِّ فَاَرْمِيْهِ بِسَهْمٍ فَتَوَارٰى عَنِّيْ فَمَا دَرَيْتُ مَا صَنَعَ وَنَظَرْتُ اِلَى الْقَوْمِ فَاِذَا هُمْ قَدْ طَلَعُوْا مِنْ ثَنِيَّةٍ اُخْرٰى فَالْتَقَوْا هُمْ وَاَصْحَابُ مُحَمَّدٍ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَوَلّٰى اَصْحَابُ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَاَرْجِعُ مُنْهَزِمًا وَعَلَيَّ بُرْدَتَانِ مُتَّزِرًا بِاِحْدَاهُمَا مُرْتَدِيًا بِالْاُخْرٰى فَاسْتَطْلَقَ اِزَارِيْ فَجَمَعْتُهُمَا جَمِيْعًا وَمَرَرْتُ عَلٰى رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مُنْهَزِمًا وَهُوَ عَلٰى بَغْلَتِهِ الشَّهْبَاءِ فَقَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَقَدْ رَاٰى ابْنُ الْاَكْوَعِ فَزَعًا فَلَمَّا غَشُوا النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ نَزَلَ عَنِ الْبَغْلَةِ ثُمَّ قَبَضَ قَبْضَةً مِّنَ الْاَرْضِ وَاسْتَقْبَلَ بِهٖ وُجُوْهَهُمْ فَقَالَ شَاهَتِ الْوُجُوْهُ فَمَا خَلَقَ اللّٰهُ مِنْهُمْ اِنْسَانًا اِلَّا مَلَاَ عَيْنَيْهِ تُرَابًا بِتِلْكَ الْقَبْضَةِ فَوَلَّوْا مُدْبِرِيْنَ فَهَزَمَهُمُ اللّٰهُ. (رواہ مسلم والحاکم فی صحیحہ)

حضرت سلمہ بن الاکوع رضی اللہ تعالیٰ عنہ کہتے ہیں کہ ہم نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ حنین میں جنگ کی جب دشمن سے مڈبھیڑ ہوئی تو میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے آگے بڑھ گیا اور ایک ٹیلہ پر چڑھ جاتا تو سامنے سے دشمنوں کا ایک آدمی آیا میں نے اس کے ایک تیر مارا تو وہ کہیں چھپ گیا اور میں نہ معلوم کر سکا کہ وہ کیا ہوا۔ جب میں نے اس جماعت کی طرف دیکھا تو نظر آیا کہ وہ دوسرے ٹیلے سے چڑھ رہے ہیں اور اصحاب محمد صلی اللہ علیہ وسلم ان سے بھڑ گئے ہیں تو ان کی سخت تیر اندازی کی وجہ سے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابہ تتر بتر ہو رہے تھے اور میں بھی بھاگتا ہوا پلٹ پڑا۔ میں ایک چادر کمر سے لپیٹے باندھے ہوئے اور ایک چادر اوپر اوڑھے ہوئے تھا تو میری لنگی کھل گئی میں نے اسے سمیٹ کر باندھا اور بھاگتا ہوا حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے قریب سے گزرا سب پر تو شکست کے آثار تھے لیکن آپ صلی اللہ علیہ وسلم اپنے سرخ خچر پر بڑے مطمئن سوار تھے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ابن اکوع کوئی خطرہ دیکھ کر گھبرایا ہوا آیا ہے تو جب دشمنوں نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو گھیر لیا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم اپنے خچر پر سے اتر گئے اور ایک مٹھی بھر مٹی لے کر دشمنوں کے چہروں کی طرف پھینک کر فرمایا "شَاهَتِ الْوُجُوْهُ" (یہ چہرے خراب و برباد ہوں) پھر تو اللہ تعالیٰ نے ان میں کسی انسان کو جس کو اس نے پیدا فرمایا تھا ایسا نہ چھوڑا کہ جس کی دونوں آنکھوں میں اسی ایک مٹھی سے مٹی نہ بھر گئی ہو تو وہ لوگ پیٹھ پھیر کر بھاگے اور اللہ تعالیٰ نے ان کو شکست دی۔ (مسلم)

عَنِ الْعَبَّاسِ ابْنِ عَبْدِ الْمُطَّلِبِ قَالَ شَهِدْتُ مَعَ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَوْمَ حُنَيْنٍ فَلَزِمْتُ اَنَا وَاَبُوْ سُفْيَانَ بْنُ الْحَارِثِ بْنِ عَبْدِ الْمُطَّلِبِ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَلَمْ نُفَارِقْهُ وَرَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَلٰى بَغْلَةٍ لَّهٗ بَيْضَاءَ اَهْدَاهَا لَهٗ فَرْوَةُ بْنُ نُفَاثَةَ الْجُذَامِيُّ فَلَمَّا الْتَقَى

الْمُسْلِمُونَ وَالْكُفَّارُ وَلَّى الْمُسْلِمُونَ مُدْبِرِينَ فَطَفِقَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَرْكُضُ بَغْلَتَهُ قِبَلَ الْكُفَّارِ قَالَ الْعَبَّاسُ وَأَنَا آخِذٌ بِلِجَامِ بَغْلَةِ رَسُولِ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَكُفُّهَا إِرَادَةَ أَنْ لَا تُسْرِعَ وَأَبُو سُفْيَانَ آخِذٌ بِرِكَابِ رَسُولِ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقَالَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَيْ عَبَّاسُ نَادِ أَصْحَابَ السَّمُرَةِ فَوَاللهِ لَكَأَنَّ عَطْفَتَهُمْ حِينَ سَمِعُوا صَوْتِي عَطْفَةُ الْبَقَرِ عَلَى الْأَوْلَادِ يَا لَبَّيْكَ يَا لَبَّيْكَ قَالَ فَاقْتَتَلُوا وَالْكُفَّارَ وَالدَّعْوَةُ فِي الْأَنْصَارِ يَقُولُونَ يَا مَعْشَرَ الْأَنْصَارِ ثُمَّ قُصِرَتِ الدَّعْوَةُ عَلَى بَنِي الْحَارِثِ بْنِ الْخَزْرَجِ فَقَالُوا يَا بَنِي الْحَارِثِ بْنِ الْخَزْرَجِ فَنَظَرَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَهُوَ عَلَى بَغْلَتِهِ كَالْمُتَطَاوِلِ عَلَيْهَا إِلَى قِتَالِهِمْ فَقَالَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ هَذَا حِينَ حَمِيَ الْوَطِيسُ ثُمَّ أَخَذَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ حَصَيَاتٍ فَرَمَى وُجُوهَ الْكُفَّارِ ثُمَّ قَالَ انْهَزَمُوا وَرَبِّ الْكَعْبَةِ قَالَ فَذَهَبْتُ أَنْظُرُ فَإِذَا الْقِتَالُ عَلَى هَيْئَتِهِ فِيمَا أَرَى فَوَاللهِ مَا هُوَ إِلَّا أَنْ رَمَاهُمْ بِحَصَيَاتِهِ فَمَا زِلْتُ أَرَى حَدَّهُمْ كَلِيلًا وَأَمْرَهُمْ مُدْبِرًا حَتَّى هَزَمَهُمُ اللهُ وَقَدْ قَالَ اللهُ تَعَالَى عَنْ يَوْمِ بَدْرٍ وَمَا رَمَيْتَ إِذْ رَمَيْتَ وَلَكِنَّ اللهَ رَمَى۔ (رواہ مسلم)

عباس بن عبدالمطلب رضی اللہ تعالیٰ عنہ کہتے ہیں کہ میں جنگ حنین میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ہمراہ تھا میں اور ابوسفیان بن حارث بن عبدالمطلب حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ ہی لگے رہے آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے الگ نہیں ہوئے اور آپ اپنے سفید خچر پر سوار تھے جسے فروہ بن نفاثہ جذامی نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو ہدیہ بھیجا تھا۔ جب مسلمان اور کفار بھڑ گئے اور مسلمان سر پر پیر رکھ کر ادھر ادھر ہو گئے تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم اپنا خچر کفار کی طرف بڑھائے چلے جا رہے تھے۔ عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ کہتے ہیں کہ میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے خچر کی لگام تھامے ہوئے تھا اور اسے روک رہا تھا اس خیال سے کہ کہیں وہ تیز چل کر کفار کے جھرمٹ میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو نہ لے جائے اور ابوسفیان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی رکاب پکڑے ہوئے تھے تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اے عباس! اصحاب سمرہ کو آواز دو۔ خدا کی قسم جوں ہی انہوں نے میری آواز سنی تو اس طرح لبیک لبیک کہتے ہوئے جلدی سے لوٹ پڑے ہیں جیسے گائے اپنے بچوں کی طرف پلٹ پڑتی ہے۔ عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ کہتے ہیں کہ پھر مسلمان کفار سے جم کر لڑے۔ دوسرا اعلان انصار میں ہوا "یا معشر الانصار" کا نعرہ شروع ہوا ہوتے ہوتے یہ نعرہ "یا بنی الحارث بن الخزرج" پر ختم ہو گیا تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے خچر پر سوار ادھر ادھر اپنی گردن بڑھا بڑھا کر لڑائی کی تیزی دیکھ کر فرمایا اب گھمسان کی جنگ ہو رہی ہے۔ پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے چند کنکریاں لیں اور کافروں کے چہروں پر پھینک ماریں۔ عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ کہتے ہیں رب کعبہ کی قسم! پھر تو کفار بھاگ نکلے کہتے ہیں کہ میں آگے بڑھا تھا کہ دیکھوں تو جنگ میری نظر میں اسی طرح جاری تھی مگر خدا کی قسم جوں ہی کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ان پر وہ کنکریاں ماری ہیں تو میں دیکھنے لگا کہ ان کی تلواروں کی دھاریں کند ہو گئیں اور جنگ کا رخ پلٹ گیا یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ نے انہیں شکست دی اور اللہ تعالیٰ نے جنگ بدر کے قصہ میں فرمایا تھا کہ "وما رمیت اذ رمیت" الخ یعنی جب تم نے کنکریاں پھینکی تھیں تو وہ تم نے نہیں بلکہ خدا تعالیٰ نے پھینکی تھیں۔ (مسلم شریف)

عَنْ جَمَاعَةٍ مِنْهُمْ عُرْوَةُ وَالزُّهْرِيُّ وَعَاصِمُ بْنُ عُمَرَ وَغَيْرُهُمْ قَالُوْا فَكَانَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فِي الْعَرِيْشِ هُوَ وَاَبُوْ بَكْرٍ مَا مَعَهُمَا غَيْرُهُمَا وَقَدْ تَدَانَى الْقَوْمُ بَعْضُهُمْ مِنْ بَعْضٍ فَجَعَلَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يُنَاشِدُ رَبَّهُ مَا وَعَدَهُ مِنْ نَصْرِهٖ وَيَقُوْلُ اَللّٰهُمَّ اِنْ تَهْلِكْ هٰذِهِ الْعِصَابَةُ لَا تُعْبَدْ وَاَبُوْ بَكْرٍ يَقُوْلُ كَفَاكَ مَا تُنَاشِدُ رَبَّكَ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ فَاِنَّ اللّٰهَ مُنْجِزٌ لَكَ مَا وَعَدَكَ مِنْ نَصْرِهٖ وَخَفَقَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ خَفْقَةً ثُمَّ هَبَّ فَقَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَبْشِرْ يَا اَبَا بَكْرٍ اَتَاكَ نَصْرُ اللّٰهِ عَزَّوَجَلَّ هٰذَا جِبْرِيْلُ اٰخِذٌ بِعِنَانِ فَرَسِهٖ يَقُوْدُهُ عَلٰى ثَنَايَاهُ النَّقْعُ (يَقُوْلُ الْغُبَارُ) ثُمَّ خَرَجَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَعَبَّاَ اَصْحَابَهٗ وَهَيَّأَهُمْ وَقَالَ لَا يَعْجَلَنَّ رَجُلٌ مِنْكُمْ بِقِتَالٍ حَتّٰى يُؤْذَنَ لَهٗ فَاِذَا اَكْثَبَكُمُ الْقَوْمُ يَقُوْلُ قَرُبُوْا مِنْكُمْ فَانْضَحُوْهُمْ عَنْكُمْ بِالنَّبْلِ ثُمَّ تَزَاحَمَ النَّاسُ فَلَمَّا تَدَانَى بَعْضُهُمْ مِنْ بَعْضٍ خَرَجَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَاَخَذَ حَفْنَةً مِنْ حَصْبَاءَ ثُمَّ اسْتَقْبَلَ بِهَا قُرَيْشًا فَنَفَحَ بِهَا وُجُوْهَهُمْ وَقَالَ شَاهَتِ الْوُجُوْهُ ثُمَّ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اِحْمِلُوْا عَلَيْهِمْ يَا مَعْشَرَ الْمُسْلِمِيْنَ فَحَمَلَ الْمُسْلِمُوْنَ وَهَزَمَ اللّٰهُ قُرَيْشًا وَقُتِلَ مَنْ قُتِلَ مِنْ اَشْرَافِهِمْ وَاُسِرَ مَنْ اُسِرَ مِنْهُمْ. (رواہ ابن اسحاق) وَفِيْ حَدِيْثِ ابْنِ اَبِيْ طَلْحَةَ الْوَالِبِيِّ عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ قَالَ لَهٗ جِبْرِيْلُ خُذْ قَبْضَةً مِنْ تُرَابٍ فَاَخَذَ قَبْضَةً مِنْ تُرَابٍ وَرَمٰى بِهَا وُجُوْهَهُمْ فَمَا مِنَ الْمُشْرِكِيْنَ مِنْ اَحَدٍ اِلَّا وَاَصَابَ عَيْنَيْهِ وَمَنْخِرَيْهِ وَفَمَهٗ تُرَابٌ مِنْ تِلْكَ الْقَبْضَةِ فَوَلَّوْا مُدْبِرِيْنَ.

ایک جماعت سے جن میں عروہ زہری عاصم بن عمرو وغیرہ شامل ہیں مروی ہے کہ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اور ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ بدر میں عریش (سائبان میں تھے ان کے سوا کوئی تیسرا نہ تھا) اور فوجیں آپس میں گتھ گئی تھیں تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم اپنے پروردگار سے وہ نصرت عطا کرنے پر اصرار کر رہے تھے جس کا اس نے وعدہ فرمایا تھا اور یہ فرما رہے تھے اے میرے اللہ! اگر آپ اس تھوڑی سی جماعت کو ہلاک کر دیں گے تو پھر آپ کی پرستش نہ ہو سکے گی اور ابوبکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ یہ حال دیکھ کر فرما رہے تھے یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بس کیجئے آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے رب کے سامنے بہت اصرار کر لیا اب یقیناً اللہ تعالیٰ اس وعدہ کو جو انہوں نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے کیا ہے ضرور پورا فرمائیں گے اس کے بعد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی آنکھ جھپک سی گئی آپ صلی اللہ علیہ وسلم بیدار ہوئے تو فرمایا ابوبکر! خوش ہو جاؤ تمہارے پاس اللہ کی امداد آ پہنچی۔ یہ جبرئیل علیہ السلام ہیں جو اپنے گھوڑے کی لگام پکڑے لا رہے ہیں اس کے دانتوں پر غبار پڑا ہوا ہے۔ پھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم باہر تشریف لائے اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے صحابہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم کو جنگ کے موقع موقع سے کھڑا کیا اور ان کو سامان جنگ جو کچھ بھی تھا اس سے لیس کیا پھر فرمایا تم میں سے کوئی شخص لڑائی شروع کرنے میں اس وقت تک جلدی نہ کرے جب تک کہ اس کو اس کی اجازت نہ ملے۔ ہاں جب دشمن تمہارے قریب آ جائیں تب تم ان کو تیروں پر رکھ لینا پھر لوگ آپس میں گتھ گئے تو جب بعض آدمی بعض کے بالکل قریب پہنچ گئے تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک مٹھی کنکریاں اٹھائیں پھر ان کو لے کر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے قریش کی طرف منہ کیا اور ان کو ان کے

منہ پر پھینک دیا اور فرمایا "شاہت الوجوہ" چہرے بگڑ جائیں پھر حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اے مسلمانوں کی جماعت! ان پر ٹوٹ پڑو تو مسلمانوں نے ان پر دھاوا بول دیا اور اللہ تعالیٰ نے قریش کو شکست دی اور ان کے معززوں اور شرفاء میں سے جو قتل ہوئے وہ قتل ہوئے اور جو قید ہوئے وہ قید ہوئے۔ (ابن اسحاق) اور ابن ابی طلحہ والبی نے حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے یوں روایت کی ہے کہ حضرت جبرئیل علیہ السلام نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے کہا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم مٹی کی ایک مٹھی لیجئے تب آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے مٹی کی ایک مٹھی اٹھائی اور اس کو ان کے چہروں پر پھینک مارا تو مشرکین میں سے کوئی بھی نہ بچ سکا جس کی آنکھوں، نتھنوں میں اور منہ میں اس ایک مشت کی مٹی نہ پڑی ہو اور اس پر وہ لوگ پیٹھ پھیر کر بھاگے۔

عَنْ أَبِيْ هُرَيْرَةَ قَالَ قَالَ أَبُوْ جَهْلٍ هَلْ يُعَفِّرُ مُحَمَّدٌ (صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ) وَجْهَهُ بَيْنَ أَظْهُرِكُمْ فَقِيْلَ نَعَمْ فَقَالَ وَاللَّاتِ وَالْعُزّٰى لَئِنْ رَأَيْتُهُ يَفْعَلُ ذٰلِكَ لَأَطَأَنَّ عَلٰى رَقَبَتِهِ فَأَتٰى رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَهُوَ يُصَلِّيْ زَعَمَ لِيَطَأَ عَلٰى رَقَبَتِهِ فَمَا فَجِئَهُمْ إِلَّا وَهُوَ يَنْكُصُ عَلٰى عَقِبَيْهِ وَيَتَّقِيْ بِيَدَيْهِ فَقِيْلَ لَهُ مَا لَكَ فَقَالَ إِنَّ بَيْنِيْ وَبَيْنَهُ لَخَنْدَقًا مِنْ نَارٍ وَهَوْلًا وَأَجْنِحَةً فَقَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَوْ دَنَا مِنِّيْ لَاخْتَطَفَتْهُ الْمَلَائِكَةُ عُضْوًا عُضْوًا. (رواہ مسلم)

ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ بیان کرتے ہیں کہ ایک مرتبہ ابوجہل بولا کیا محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) اپنا سر مٹی پر رگڑتے ہیں اور تم کھڑے دیکھا کرتے ہو (ملعون کا مطلب سجدہ کرنا تھا) لوگوں نے کہا ایسا تو ہوتا ہے اس پر وہ بولا لات اور عزیٰ کی قسم اگر میں نے اس کو ایسا کرتے دیکھ پایا تو میں اس کی گردن رگڑ دوں گا (والعیاذ باللہ) اتفاق سے ایک بار آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو نماز پڑھتے اس نے بھی دیکھ لیا تو اپنے اسی بیہودہ ارادہ سے آگے بڑھا تو لوگوں نے کیا دیکھا کہ ناگہاں وہ وہیں ایڑیوں کے بل اپنے پیچھے لوٹ رہا ہے اور اپنے دونوں ہاتھ بڑھائے ہوئے سامنے کسی چیز سے بچ رہا ہے اس سے پوچھا گیا یہ کیا ماجرا تھا؟ وہ بولا میرے اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے درمیان ایک خندق نظر آتی ہے جس میں آگ اور طرح طرح کی خوفناک چیزیں تھیں اور کچھ مخلوق ایسی ہے جس کے بازو اور پر ہیں۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اگر وہ میرے ذرا قریب آتا فرشتے اس کو اچک کر لے جاتے اور ٹکڑے ٹکڑے کر ڈالتے۔ (مسلم شریف)

عَنْ أَبِيْ سَعِيْدٍ قَالَ انْطَلَقَ نَفَرٌ مِنْ أَصْحَابِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فِيْ سَفْرَةٍ سَافَرُوْهَا حَتّٰى نَزَلُوْا عَلٰى حَيٍّ مِنْ أَحْيَاءِ الْعَرَبِ فَاسْتَضَافُوْهُمْ فَأَبَوْا أَنْ يُضَيِّفُوْهُمْ فَلُدِغَ سَيِّدُ ذٰلِكَ الْحَيِّ فَسَعَوْا لَهُ بِكُلِّ شَيْءٍ لَا يَنْفَعُهُ فَقَالَ بَعْضُهُمْ لَوْ أَتَيْتُمْ هٰؤُلَاءِ الرَّهْطَ الَّذِيْنَ نَزَلُوْا لَعَلَّ أَنْ يَكُوْنَ عِنْدَ بَعْضِهِمْ شَيْءٌ فَأَتَوْهُمْ فَقَالُوْا يَا أَيُّهَا الرَّهْطُ إِنَّ سَيِّدَنَا لُدِغَ وَسَعَيْنَا لَهُ بِكُلِّ شَيْءٍ لَا يَنْفَعُهُ فَهَلْ عِنْدَ أَحَدٍ مِنْكُمْ شَيْءٌ فَقَالَ بَعْضُهُمْ نَعَمْ وَاللّٰهِ إِنِّيْ لَأَرْقِيْ وَلٰكِنْ وَاللّٰهِ لَقَدِ اسْتَضَفْنَاكُمْ فَلَمْ تُضَيِّفُوْنَا فَمَا أَنَا بِرَاقٍ لَكُمْ حَتّٰى تَجْعَلُوْا لَنَا جُعْلًا فَصَالَحُوْهُمْ عَلٰى قَطِيْعٍ مِنَ الْغَنَمِ فَانْطَلَقَ يَتْفُلُ عَلَيْهِ وَيَقْرَأُ اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ فَكَأَنَّمَا نُشِطَ مِنْ عِقَالٍ فَانْطَلَقَ يَمْشِيْ وَمَا بِهِ قَلَبَةٌ قَالَ فَأَوْفَوْهُمْ جُعْلَهُمُ الَّذِيْ صَالَحُوْهُمْ عَلَيْهِ فَقَالَ بَعْضُهُمْ اقْسِمُوْا فَقَالَ الَّذِيْ رَقٰى لَا تَفْعَلُوْا حَتّٰى نَأْتِيَ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَنَذْكُرَ لَهُ الَّذِيْ كَانَ فَنَنْظُرَ مَا

يَأْتُوا فَقَدِمُوا عَلَى رَسُولِ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَذَكَرُوا لَهُ فَقَالَ وَمَا يُدْرِيكَ أَنَّهَا رُقْيَةٌ ثُمَّ قَالَ قَدْ أَصَبْتُمْ اقْسِمُوا وَاضْرِبُوا لِي مَعَكُمْ سَهْمًا فَضَحِكَ النَّبِيُّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ. (رواه البخاری)

حضرت ابوسعید رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم کی ایک جماعت ایک سفر میں چلی تو عرب کے قبیلوں میں سے ایک قبیلہ میں جا کر اترے اور صحابہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم نے ان سے ضیافت چاہی اور کچھ کھانے کو مانگا تو انہوں نے ضیافت سے انکار کر دیا۔ اتفاق سے اس قبیلے کے سردار کو بچھو نے کاٹ لیا تو لوگوں نے ہر قسم کی دوڑ دھوپ کی مگر کچھ فائدہ نہ ہوا تو ان میں سے کسی نے کہا کاش! تم اس جماعت کے پاس چلے جاتے جو یہاں آ کر اترے ہوئے ہیں شاید ان میں سے کسی کے پاس کوئی چیز کام کی ہو تو وہ لوگ ان صحابہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم کے پاس آئے اور کہنے لگے اے لوگو! ہمارے سردار کو بچھو نے کاٹ لیا ہے اور ہم نے بہت دوڑ دھوپ کی مگر کچھ فائدہ نہ ہوا تو کیا آپ لوگوں میں سے کسی کے پاس کوئی جھاڑ پھونک ہے؟ ایک نے کہا ہاں بخدا! میں جھاڑ پھونک کرتا ہوں لیکن جب ہم نے تم سے کھانا مانگا تھا تب تو تم نے ہمیں کچھ کھانے کو دیا نہیں تو اب خدا کی قسم! میں بھی اب دم نہ کروں گا جب تک تم لوگ ہم کو کچھ معاوضہ نہ دو گے ان لوگوں نے صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم سے بکریوں کی ایک ٹکڑی پر صلح کر لی تو وہ صحابی گئے اور مریض پر تھتکارنے لگے اور سورۃ الحمد للہ رب العالمین پڑھ کر پھونکنے لگے پھر تو وہ ایسا چنگا ہو گیا جیسے جانور کی پچھاڑی کھول دی ہو (وہ اچھی طرح چلنے پھرنے لگا) اسے کوئی تکلیف نہ رہی۔ راوی کہتے ہیں کہ پھر انہوں نے صحابہ کو جو معاوضہ طے ہوا تھا پورا پورا دے دیا۔ صحابہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم نے کہا آؤ یہ بکریاں آپس میں بانٹ لیں مگر جھاڑنے والے نے کہا نہیں ایسا نہ کرو۔ پہلے ہم حضور پاک صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہو کر وہ سارا واقعہ جو گزرا ہے بیان کر لیں پھر یہ معلوم کریں کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم ہمیں اس کے متعلق کیا حکم دیتے ہیں۔ وہ سب حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے سارا واقعہ بیان کیا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تم کیسے سمجھے کہ یہ سورت ایک منتر کا کام بھی دیتی ہے پھر فرمایا تم لوگوں نے جو کچھ کیا ٹھیک کیا لے جاؤ اور ان کو آپس میں بانٹ لو اور دیکھو اپنے ساتھ میرا بھی اس میں سے حصہ لگانا یہ کہہ کر آپ صلی اللہ علیہ وسلم ہنس دیئے۔ (بخاری شریف)

تشریح: انبیاء علیہم السلام کی تعلیمات عملی طور پر بھی ہوتی ہیں۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کی قلبی کراہت رفع کرنے کے لیے یہ حکم فرمایا کہ میرا حصہ بھی لگاؤ تاکہ وہ اس کی حلت میں کوئی تردد نہ کریں۔ اس قسم کے متعدد واقعات حدیثوں میں نظر پڑتے ہیں جن میں خود آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنا حصہ بھی مقرر فرمایا اس میں سے کچھ تناول فرمایا ہے۔ یہاں اس عہد میمون کی یہ نزاہت قابل یادداشت ہے۔ قرآن کریم پر اجرت لینے کا سوال ہی ان کے سامنے نہ تھا جب ان کی بداخلاقی پر یہ صورت سامنے آ گئی تو اب اس کی حلت کو اتنی اہمیت دی گئی کہ معاملہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی عدالت تک جا پہنچا۔ یہ واضح رہے کہ کسی دم پر اجرت لینا الگ بات ہے اور تعلیم پر اجرت لینا بالکل الگ بات ہے۔ ہمارے زمانے میں سب سے عالم ہونے کا معیار یہی تم ہو گیا ہے کہ اس کی تنخواہ سب سے ذائد ہو۔ فسوس صد افسوس۔ والد مرحوم نے کیا خوب فرمایا:

کبھی قطرہ شبنم گردش تھی اور اب صحرا میں تنگی ہے ۔۔۔ مجھے حیرت ہے ہستی پر کل کیا تھی اور اب کیا ہے

میں نے یہ مضمون فتوے دینے کی غرض سے نقل نہیں کیا البتہ میں نے استاذ الاساتذہ حضرت مولانا محمد انور شاہ کشمیری رحمۃ اللہ علیہ کو آخری عمر میں پانی کے دو موٹوں کو بشکل تعویذ کر کے رکھتے دیکھا ہے۔ "فاعتبروا یا اولی الابصار"

عَنْ اَبِیْ هُرَیْرَةَ قَالَ دَخَلَ رَجُلٌ عَلٰی اَهْلِهٖ فَلَمَّا رَاٰی مَا بِهِمْ مِنَ الْحَاجَةِ خَرَجَ اِلَی الْبَرِّیَّةِ فَلَمَّا رَاَتْ امْرَاَتُهٗ قَامَتْ اِلَی الرَّحٰی فَوَضَعَتْهَا وَاِلَی التَّنُّوْرِ فَسَجَرَتْهُ ثُمَّ قَالَتْ اَللّٰهُمَّ ارْزُقْنَا فَنَظَرَتْ اِلَی الْجَفْنَةِ قَدِ امْتَلَاَتْ قَالَ وَذَهَبَتْ اِلَی التَّنُّوْرِ فَوَجَدَتْهُ مُمْتَلِئًا قَالَ فَرَجَعَ الزَّوْجُ قَالَ اَصَبْتُمْ بَعْدِیْ شَیْئًا قَالَتْ امْرَاَتُهٗ نَعَمْ مِنْ رَّبِّنَا وَقَامَ اِلَی الرَّحٰی فَذَکَرَ ذٰلِکَ لِلنَّبِیِّ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ فَقَالَ اَمَا اِنَّهٗ لَوْ لَمْ یَرْفَعْهَا لَمْ تَزَلْ تَدُوْرُ اِلٰی یَوْمِ الْقِیَامَةِ. (رواہ احمد)

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ بیان فرماتے ہیں کہ ایک آدمی اپنے گھر میں داخل ہوا جب اس نے اپنے گھر والوں کی تنگی دیکھی تو جنگل کی طرف نکل گیا جب اس کی بیوی نے یہ حال دیکھا تو چکی کے پاس پہنچی تو اوپر کا پاٹ اس پر رکھ کر درست کیا۔ پھر چولہے کے پاس جا کر اسے جلایا۔ اس کے بعد اس نے دعا کی کہ اے اللہ! ہم کو روزی دے اس کے بعد جو اس کی نظر پیالہ پر پڑی تو دیکھا کہ وہ کھانے سے بھرا ہوا ہے چولہے کے پاس جو گئی تو دیکھا وہ (روٹیوں سے) بھرا ہوا ہے۔ راوی کہتے ہیں کہ اتنے میں شوہر لوٹ کر آیا تو اس نے پوچھا کیا تم کو میرے جانے کے بعد کوئی چیز نہیں پہنچی؟ وہ بولیں ہاں پہنچی اور ہمارے رب کے پاس سے پہنچی۔ پھر وہ چکی کی طرف بڑھے (اور اس کے اوپر کا پاٹ اٹھا کر الگ رکھ دیا) تو یہ بات حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے جا کر انہوں نے بیان کی۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اگر وہ اس چکی کا پاٹ نہ اٹھاتے تو وہ قیامت کے دن تک برابر چلتی رہتی۔ (رواہ احمد)

تشریح: یہ قدرت کے راز ہیں کہ وہ کبھی کبھی اس قسم کی برکات بھی ظاہر فرماتی رہتی ہے مگر کسی اتفاق سے پھر خود ہی ایسے سامان مہیا فرما دیتی ہے کہ وہ قائم نہیں رہتے۔ گزشتہ اوراق میں آپ اس قسم کے دوسرے واقعات بھی ملاحظہ فرما چکے ہیں۔ ظاہر تو اس لیے فرماتی رہتی ہے کہ ماننے والے اس کی قدرت کاملہ کا اپنی آنکھوں سے گاہ گاہ مشاہدہ بھی کرتے رہیں۔ پھر ان کو مستور بھی اس لیے کر دیتی ہے کہ مومنین کے لیے غیبی ایمان لانے پر پردہ پڑا رہے۔ یہ مضمون بہت تفصیل طلب ہے مگر اب دماغ و قلم میں ہمت نہیں اس لیے مختصر اشارہ کیے بغیر رہا بھی نہیں جاتا۔

وَعَنْ جَابِرِ بْنِ عَبْدِ اللّٰهِ رَضِیَ اللّٰهُ عَنْهُمَا قَالَ لَمَّا حَضَرَتْ اُحُدٌ دَعَانِیْ اَبِیْ مِنَ اللَّیْلِ فَقَالَ مَا اُرَانِیْ اِلَّا مَقْتُوْلًا فِیْ اَوَّلِ مَنْ یُّقْتَلُ مِنْ اَصْحَابِ النَّبِیِّ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ وَاِنِّیْ لَا اَتْرُکُ بَعْدِیْ اَعَزَّ عَلَیَّ مِنْکَ غَیْرَ نَفْسِ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ وَاِنَّ عَلَیَّ دَیْنًا فَاقْضِ وَاسْتَوْصِ بِاَخَوَاتِکَ خَیْرًا فَاَصْبَحْنَا فَکَانَ اَوَّلَ قَتِیْلٍ وَدَفَنْتُ مَعَهٗ اٰخَرَ فِیْ قَبْرِهٖ ثُمَّ لَمْ تَطِبْ نَفْسِیْ اَنْ اَتْرُکَهٗ مَعَ اٰخَرَ فَاسْتَخْرَجْتُهٗ بَعْدَ سِتَّةِ اَشْهُرٍ فَاِذَا هُوَ کَیَوْمِ وَضَعْتُهٗ غَیْرَ اُذُنِهٖ فَجَعَلْتُهٗ فِیْ قَبْرٍ عَلٰی حِدَةٍ. (رواہ البخاری)

جابر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ جب غزوۂ احد شروع ہوا تو میرے والد بزرگوار نے شب کو مجھ سے کہا کہ آپ کے صحابہ میں سے جو سب سے پہلے شہید ہونے والے ہیں میرا خیال ہے کہ میں ان میں سب سے پہلا شخص ہوں گا اور بجز رسول اللہ

صلی اللہ علیہ وسلم کے سوا تم سے زیادہ مجھ کو کوئی شخص پیارا نہیں جو میں اپنے بعد چھوڑتا ہوں تو دیکھو میرے ذمے کچھ قرض رہ گیا ہے اس کو تم ادا کر دینا اور تمہاری بہنیں ہیں ان کے ساتھ ہمدردی کا سلوک رکھنا جب صبح ہوئی تو وہی شہداء میں سب سے پہلے شخص تھے۔ میں نے شہداء کی کثرت کی وجہ سے شروع میں دوسرے شخص کے ساتھ ایک ہی قبر میں ان کو دفن تو کر دیا مگر بعد میں میرا دل اس پر راضی نہ ہوسکا کہ میں ان کو دوسروں کے ساتھ رکھوں تو میں نے ان کو چھ ماہ کے بعد نکال کر ایک قبر میں علیحدہ دفن کیا۔ عجیب بات یہ تھی کہ اتنی طویل مدت میں کان کے ذرا سے حصہ کے سوا ان کا سارا جسم اس طرح موجود تھا گویا کہ آج ہی ان کو دفن کیا ہو۔ (بخاری شریف)

حصول ہدایت اور علم و مال میں خیر و برکت

عَنْ جَرِيرِ بْنِ عَبْدِ اللّٰهِ قَالَ قَالَ لِيْ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَلَا تُرِيْحُنِيْ مِنْ ذِي الْخَلَصَةِ فَقُلْتُ بَلٰى وَكُنْتُ لَا اَثْبُتُ عَلَى الْخَيْلِ فَذَكَرْتُ ذٰلِكَ لِلنَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَضَرَبَ يَدَهٗ عَلٰى صَدْرِيْ حَتّٰى رَاَيْتُ اَثَرَ يَدِهٖ فِيْ صَدْرِيْ وَقَالَ اَللّٰهُمَّ ثَبِّتْهُ وَاجْعَلْهُ هَادِيًا مَهْدِيًّا قَالَ فَمَا وَقَعْتُ عَنْ فَرَسِيْ بَعْدُ فَانْطَلَقَ فِيْ مِائَةٍ وَخَمْسِيْنَ فَارِسًا مِنْ اَحْمَسَ فَحَرَّقَهَا بِالنَّارِ وَكَسَرَهَا. (متفق علیہ)

جریر بن عبداللہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کہتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک بار مجھ کو خطاب کر کے فرمایا کیا تم اس "ذی الخلصہ" (بتکدہ) کو نیست و نابود کر کے مجھ کو راحت نہیں پہنچا سکتے میں نے عرض کی یا رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم) ضرور میں گھوڑے پر جم کر سوار نہیں ہوسکتا تھا اس لیے میں نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے اپنی اس شکایت کا تذکرہ کر دیا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے میرے سینے پر اپنے دست مبارک کی ایک ضرب لگائی جس کا اثر میں نے اپنے سینے میں محسوس کیا پھر یہ دعا کی "خداوندا! اس کو جم کر بیٹھنے کی قوت عطا فرما اور اس کو ہادی و مہدی بنا دے" یہ کہتے ہیں کہ اس کے بعد آج کا دن ہے کہ میں اپنے گھوڑے سے کبھی نہیں گرا۔ الغرض قبیلہ احمس کے ڈیڑھ سو سوار لے کر یہ گئے اور اس بت کدہ کو توڑ پھوڑ کر خاک سیاہ کر کے چلے آئے۔ (متفق علیہ) صحیح بخاری میں اتنا اور ہے کہ جب ہم نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو اطلاع دی تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھ کو اور قبیلہ احمس کو دعا دی۔ (متفق علیہ)

تشریح: یہ حدیث صحیح بخاری میں بھی موجود ہے لیکن ہمارے بعض سیرت نگاروں نے اس کو صرف صحیح مسلم کے حوالے سے نقل کیا ہے۔ امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے باب مناقب جریر بن عبداللہ میں اس واقعہ کو کچھ تغیر کے ساتھ ذکر کیا ہے۔

عَنِ ابْنِ عُمَرَ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ اَللّٰهُمَّ اَعِزَّ الْاِسْلَامَ بِاَحَبِّ الرَّجُلَيْنِ اِلَيْكَ بِعُمَرَ بْنِ الْخَطَّابِ اَوْ بِاَبِيْ جَهْلِ بْنِ هِشَامٍ وَكَانَ عُمَرُ بْنُ الْخَطَّابِ اَحَبَّهُمَا اِلَى اللّٰهِ فَاَسْلَمَ عُمَرُ وَرُوِيَ اَنَّ الدَّعْوَةَ كَانَتْ فِيْ يَوْمِ الْاَرْبِعَاءِ فَاَسْلَمَ يَوْمَ الْخَمِيْسِ وَاَعَزَّ اللّٰهُ بِهِ الْاِسْلَامَ قَالَ عَبْدُ اللّٰهِ بْنُ مَسْعُوْدٍ مَازِلْنَا اَعِزَّةً مُنْذُ اَسْلَمَ عُمَرُ (رواہ البخاری)

حضرت ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کہتے ہیں کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ دعا فرمائی اے میرے اللہ! عمر بن الخطاب رضی اللہ تعالیٰ عنہ یا ابوجہل بن ہشام میں سے تجھے جو شخص محبوب اور پیارا ہو اس کو اسلام کی توفیق دے کر اسلام کو قوت اور غلبہ عطا فرما۔ تو بس عمر بن الخطاب رضی اللہ تعالیٰ عنہ ہی اللہ تعالیٰ کو زیادہ پیارے اور محبوب تھے اور حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ مسلمان

ہو گئے۔ روایت میں ہے کہ یہ دعا آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے بدھ کے دن فرمائی تھی اور حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ جمعرات کو اسلام لے آئے اور اللہ تعالیٰ نے ان کے ذریعہ اسلام کو سر بلند فرمایا۔ عبداللہ بن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ کہتے ہیں کہ جب سے حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ اسلام لائے ہم سب باعزت اور سر بلند ہو گئے۔ (بخاری شریف)

تشریح: تقدیر الٰہی سے اسلام ان دو میں سے صرف ایک ہی کا مقدر ہو چکا تھا اس وجہ سے پیغمبر خدا صلی اللہ علیہ وسلم کی زبان مبارک سے دعا کا عنوان بھی اسی کے مطابق صادر ہوا کہ اے اللہ! اسلام کو عزت دے ان دو میں سے اس ایک کے اسلام کے ذریعہ جو تیری بارگاہ میں زیادہ محبوب ہو۔ عمر بن الخطاب رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے ذریعہ یا ابوجہل بن ہشام کے ذریعے۔

عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ اَنَّهُ وَضَعَ لِلنَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَمَّا اَتَى الْخَلَاءَ وَضُوْءَهُ فَقَالَ لَمَّا خَرَجَ مَنْ وَضَعَ هٰذَا؟ فَقِيْلَ ابْنُ عَبَّاسٍ فَقَالَ اَللّٰهُمَّ فَقِّهْهُ فِي الدِّيْنِ وَعَلِّمْهُ التَّاْوِيْلَ وَفِي رِوَايَةٍ قَالَ ضَمَّنِيْ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اِلٰى صَدْرِهٖ وَقَالَ اَللّٰهُمَّ عَلِّمْهُ الْكِتَابَ وَفِيْ رِوَايَةٍ الْحِكْمَةَ وَظَهَرَتْ اِجَابَةُ دَعْوَتِهٖ حَتّٰى كَانَ يُسَمَّى الْحَبْرَ وَقَالَ فِيْهِ ابْنُ مَسْعُوْدٍ لَوْ اَدْرَكَ ابْنُ عَبَّاسٍ اَسْنَانَنَا مَا عَشَرَهٗ مِنَّا اَحَدٌ وَكَانَ عُمَرُ يُقَدِّمُهٗ وَيُدْخِلُهٗ مَعَ اَكَابِرِ الصَّحَابَةِ وَعِلْمُ ابْنِ عَبَّاسٍ مَشْهُوْرٌ فِي الْاَقْطَارِ. (رواه الشيخان)

حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ کہتے ہیں کہ انہوں نے ایک بار حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے وضو کے لیے پانی رکھ دیا اور اس وقت خود حضور صلی اللہ علیہ وسلم بیت الخلاء تشریف لے گئے تھے، جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم تشریف لائے تو دریافت فرمایا یہ پانی کس نے رکھا ہے؟ تو عرض کیا گیا کہ ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے دعا فرمائی کہ اے میرے اللہ! ان کو دین کی سمجھ اور علم تفسیر عطا فرما۔ (ایک دوسری روایت میں ہے کہ) ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ کہتے ہیں کہ مجھے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے سینہ مبارک سے لگا کر یہ دعا فرمائی الٰہی! ان کو قرآن کا علم دے اور ایک روایت میں ہے کہ کتاب اور حکمت کا علم دے پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی دعا کی مقبولیت کے آثار ظاہر ہوئے کہ لوگ ان کو "حبر امت" کہنے لگے۔ ان کے بارے میں حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرمایا کرتے تھے کہ اگر ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ ہم لوگوں کی عمر کے ہوتے تو ہم میں سے کوئی بھی ان کو دس بہترین آدمیوں میں سے (عشرہ مبشرہ) خارج نہ کر سکتا اور حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ اکثر معاملات میں ان کو آگے بڑھاتے تھے اور ان کو اکابر صحابہ میں داخل کیا کرتے تھے اور حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما کا علم تو لوگوں میں مشہور ہی ہے۔ (بخاری ومسلم)

عَنْ اَبِيْ هُرَيْرَةَ قَالَ كُنْتُ اَدْعُوْ اُمِّيْ اِلَى الْاِسْلَامِ وَهِيَ مُشْرِكَةٌ فَدَعَوْتُهَا يَوْمًا فَاَسْمَعَتْنِيْ فِيْ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَا اَكْرَهُ فَاَتَيْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَاَنَا اَبْكِيْ قُلْتُ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ اِنِّيْ كُنْتُ اَدْعُوْ اُمِّيْ اِلَى الْاِسْلَامِ فَتَاْبٰى عَلَيَّ فَدَعَوْتُهَا الْيَوْمَ فَاَسْمَعَتْنِيْ فِيْكَ مَا اَكْرَهُ فَادْعُ اللّٰهَ اَنْ يَّهْدِيَ اُمَّ اَبِيْ هُرَيْرَةَ فَقَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَللّٰهُمَّ اهْدِ اُمَّ اَبِيْ هُرَيْرَةَ فَخَرَجْتُ مُسْتَبْشِرًا بِدَعْوَةِ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَجِئْتُ اِلَى الْبَابِ فَاِذَا هُوَ مُجَافٌ فَسَمِعَتْ اُمِّيْ خَشْفَ قَدَمَيَّ فَقَالَتْ مَكَانَكَ يَا اَبَا هُرَيْرَةَ وَسَمِعْتُ خَضْخَضَةَ الْمَاءِ فَاغْتَسَلَتْ وَلَبِسَتْ دِرْعَهَا وَعَجِلَتْ عَنْ خِمَارِهَا

فَفَتَحَتِ الْبَابَ فَقَالَتْ يَا اَبَا هُرَيْرَةَ اَشْهَدُ اَنْ لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَاَشْهَدُ اَنَّ مُحَمَّدًا رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَاَتَيْتُهُ وَاَنَا اَبْكِيْ مِنَ الْفَرَحِ فَقُلْتُ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ اَبْشِرْ قَدِ اسْتَجَابَ اللّٰهُ دَعْوَتَكَ وَهَدٰى اُمَّ اَبِيْ هُرَيْرَةَ فَحَمِدَ اللّٰهَ وَقَالَ خَيْرًا فَقُلْتُ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ اُدْعُ اللّٰهَ اَنْ يُّحَبِّبَنِيْ وَاُمِّيْ اِلٰى عِبَادِهِ الْمُؤْمِنِيْنَ وَيُحَبِّبَهُمْ اِلَيْنَا فَقَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَللّٰهُمَّ حَبِّبْ عُبَيْدَكَ هٰذَا يَعْنِيْ اَبَا هُرَيْرَةَ وَاُمَّهُ اِلٰى عِبَادِكَ الْمُؤْمِنِيْنَ وَحَبِّبْ اِلَيْهِمَا الْمُؤْمِنِيْنَ فَمَا خَلَقَ اللّٰهُ مِنْ مُّؤْمِنٍ يَّسْمَعُ بِيْ وَلَا يَرَانِيْ اِلَّا اَحَبَّنِيْ۔ (رواہ مسلم)

ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ بیان کرتے ہیں کہ میری والدہ مشرکہ تھیں اور میں ان کو دعوت اسلام دیا کرتا تھا۔ ایک دن کا واقعہ ہے کہ میں نے ان سے اسلام قبول کرنے کے لیے کہا تو انہوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے متعلق مجھ کو ایک ایسی بات سنائی جس کو میں سن نہ سکا اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں روتا ہوا پہنچا اور بولا یا رسول خدا! (صلی اللہ علیہ وسلم) میں اپنی والدہ کو ہمیشہ اسلام کی دعوت دیا کرتا مگر وہ اس کے قبول کرنے سے انکار کرتی رہیں لیکن آج کا واقعہ ہے کہ میں نے ان کو اسلام کی دعوت دی تو انہوں نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے متعلق مجھ کو ایسی بات سنائی جس کو میں سن نہ سکا تو اب اللہ تعالیٰ سے دعا فرما دیجئے کہ وہ ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی والدہ کو ہدایت نصیب فرما دے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فوراً یہ دعا دی کہ الٰہی ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی ماں کو اسلام کی توفیق بخش دے۔ پھر کیا تھا آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی دعا کی وجہ سے میں خوش ہوتا ہوا گھر کے دروازے کے پاس پہنچا کیا دیکھتا ہوں کہ دروازہ بند ہے میری والدہ نے میرے پیروں کی آہٹ پائی تو فرمایا ابوہریرہ! باہر ہی رہنا ادھر مجھ کو پانی بہانے کی آواز آئی وہ غسل فرما چکی تھیں اور اپنا کرتہ پہن رہی تھیں فوراً اپنی اوڑھنی اوڑھنے کے لیے جھپٹیں اور فوراً دروازہ کھول دیا اور مجھ کو آواز دے کر بولیں اَشْهَدُ اَنْ لَّا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَاَشْهَدُ اَنَّ مُحَمَّدًا رَّسُوْلُ اللّٰهِ" میں مارے خوشی کے مارے روتا ہوا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں پہنچا اور میں نے عرض کی یا رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم) مبارک ہو اللہ تعالیٰ نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی دعا قبول فرمائی اور ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی والدہ کو اسلام قبول کرنے کی ہدایت نصیب فرمائی۔ اسی وقت آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے خدا کی تعریف اور دعا کے کلمات فرمائے۔ یہ حال دیکھ کر میں بول پڑا یا رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم) اب یہ دعا بھی کر دیجئے کہ اللہ تعالیٰ مجھ کو اور میری والدہ کو مسلمانوں میں محبوب بنا دے اور ان کو ہماری نظروں میں محبوب بنا دے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے پھر اسی وقت دعا دی الٰہی! اپنے اس بندہ کو اور اس کی والدہ کو اپنے مومن بندوں کی نظروں میں محبوب بنا دے اور ان دونوں کو ان کی نظروں میں محبوب بنا دے۔ اس کے بعد پھر کوئی مومن نہ بچا جو مجھ کو دیکھے بغیر صرف میرا نام سن کر مجھے محبوب نہ رکھتا ہو۔ (مسلم شریف)

تشریح: آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی دعاؤں میں اکثر یہ اثر دیکھا گیا ہے کہ پلک جھپکنے نہ پاتی کہ دعا درِ استجابت پر جا پہنچتی۔ ادھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم دعا فرماتے ادھر آثار قبولیت و برکات نظروں کے سامنے آجاتے۔ اس کے تجربے صرف ایک دو بار نہیں شب و روز صحابہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم دیکھا کرتے تھے اور ان میں سے کچھ خوش نصیب آنکھیں آج بھی دیکھتی رہتی ہیں۔ ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی والدہ کی کہاں وہ ضد اور آن کی آن میں کہاں یہ کایا پلٹ۔ اب اگر ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ خوشی کے چند آنسو نہ بہاتے تو اور کیا کرتے۔ غلاموں کا اندازہ کیجئے کہ دوسری دعا کے لیے پھر بڑھے اور آقا صلی اللہ علیہ وسلم

کی فرمانبرداری دیکھئے کہ اسی وقت فوراً دعا کے لیے تیار ہوگئے پھر رب السموات والارضین کی رحمت کا نظارہ کیجئے کہ کس طرح اس نے در اجابت وا کر دیئے کہ آپ کی دونوں دعاؤں کے اثر اس طرح ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے دیکھ لیے۔ جیسا ہاتھ کی انگلیاں جس میں نہ کوئی استعارہ تھا نہ مجاز نہ کوئی آنکھوں کی الٹ پھیر۔ اسی لیے یہاں معتزلہ بیچارے بھی اقرار کر لینے پر مجبور ہو گئے اور استجابت دعا کے معجزہ ہونے کے وہ بھی قائل ہو گئے۔

عَنْ رَافِعِ بْنِ سِنَانٍ اَنَّهٗ اَسْلَمَ وَاَبَتْ امْرَاَتُهٗ اَنْ تُسْلِمَ فَاَتَتِ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقَالَتْ اِبْنَتِيْ وَهِيَ فَطِيْمٌ اَوْ شِبْهُهٗ وَقَالَ رَافِعٌ اِبْنَتِيْ فَقَالَ لَهُ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اُقْعُدْ نَاحِيَةً وَقَالَ لَهَا اُقْعُدِيْ نَاحِيَةً وَاَقْعَدَ الصَّبِيَّةَ بَيْنَهُمَا ثُمَّ قَالَ اُدْعُوَاهَا فَمَالَتِ الصَّبِيَّةُ اِلٰى اُمِّهَا فَقَالَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَللّٰهُمَّ اهْدِهَا فَمَالَتْ اِلٰى اَبِيْهَا فَاَخَذَهَا. (رواہ ابو داؤد)

رافع بن سنان رضی اللہ تعالیٰ عنہ کہتے ہیں کہ میں نے اسلام قبول کر لیا تھا اور میری بی بی نے اسلام قبول کرنے سے انکار کر دیا تھا۔ ہماری ایک لڑکی تھی اس کے بارے میں جھگڑا ہوا اس کو کون لے۔ میری بی بی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئی اور بولی یہ بالکل بچی ہے ابھی ابھی اس کا دودھ چھوٹا ہے۔ رافع نے کہا یہ میری لڑکی ہے مجھ کو ملنی چاہیے۔ یہ دیکھ کر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے رافع سے کہا جاؤ تم ایک گوشہ میں جا کر بیٹھ جاؤ اور عورت سے کہا تم بھی دوسرے گوشہ میں جا کر بیٹھ جاؤ پھر لڑکی کو ان دونوں کے درمیان بٹھا دیا اس کے بعد اس کے والدین سے فرمایا اس کو بلاؤ وہ جدھر چلی جائے اسی کے پاس لڑکی رہے گی۔ وہ لڑکی اپنی ماں کی طرف جانے لگی آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے دعا فرمائی خداوندا اس کو ہدایت عطا فرما۔ بس وہ فوراً اپنے باپ کی طرف آ گئی اور فیصلہ کے مطابق انہوں نے اپنی لڑکی لے لی۔

تشریح: کسی نے اس کو اسلامی فیصلہ مجبور تخییر کا حکم باقی رکھتا ہے اور کسی کا خیال یہ ہے کہ یہ کھلا ہوا آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی دعا کا اثر تھا۔ منظور یہ تھا کہ اسلام و کفر کے اختلاف کے ہوتے ہوئے بچی مسلمان رہے اور طرفداری بھی ثابت نہ ہو۔

عَنْ اَنَسٍ اَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ رَاٰى عَلٰى عَبْدِ الرَّحْمٰنِ بْنِ عَوْفٍ اَثَرَ صُفْرَةٍ فَقَالَ مَا هٰذَا؟ قَالَ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اِنِّيْ تَزَوَّجْتُ امْرَاَةً قَالَ كَمْ سُقْتَ اِلَيْهَا قَالَ وَزْنَ نَوَاةٍ مِّنْ ذَهَبٍ قَالَ فَبَارَكَ اللّٰهُ لَكَ اَوْلِمْ وَلَوْ بِشَاةٍ. (رواہ الشیخان)

انس بن مالک رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے عبدالرحمن بن عوف رضی اللہ تعالیٰ عنہ پر (زعفرانی) زردی کا اثر دیکھا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے دریافت فرمایا یہ کیسا رنگ ہے؟ عرض کیا یا رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم) ایک عورت سے شادی کی ہے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کس قدر مہر اس کو دیا ہے؟ عرض کیا (یا رسول اللہ) گٹھلی بھر سونا! آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے دعائے برکت دی اور فرمایا ولیمہ کرو اگرچہ ایک بکری سے ہی کر سکو۔ (بخاری و مسلم شریف)

عَنْ عَبْدِ الرَّحْمٰنِ بْنِ عَوْفٍ اَنَّهٗ لَمَّا قَدِمَ اٰخَى رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بَيْنَهٗ وَبَيْنَ سَعْدِ بْنِ الرَّبِيْعِ الْاَنْصَارِيِّ فَعَرَضَ سَعْدُ بْنُ الرَّبِيْعِ اَنْ يُّنَاصِفَهٗ اَهْلَهٗ وَمَالَهٗ فَقَالَ لَهٗ عَبْدُ الرَّحْمٰنِ بَارَكَ اللّٰهُ لَكَ فِيْ

أَهْلِكَ وَمَالِكَ دُلَّنِي عَلَى السُّوقِ فَمَا انْقَلَبَ إِلَّا بِسَمْنٍ وَأَقِطٍ ثُمَّ تَابَعَ الْغُدُوَّ وَذَكَرَ الْحَدِيثَ فَظَهَرَتْ بَرَكَةُ دَعْوَةِ رَسُولِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَبَلَغَ مِنْ مَالِ عَبْدِ الرَّحْمٰنِ مَا قَالَهُ الزُّهْرِيُّ أَنَّهُ تَصَدَّقَ بِأَرْبَعِينَ أَلْفَ دِينَارٍ وَحَمَلَ عَلَى خَمْسِمِائَةِ فَرَسٍ فِي سَبِيلِ اللّٰهِ وَخَمْسِمِائَةِ بَعِيرٍ فِي سَبِيلِ اللّٰهِ قَالَ وَكَانَ عَامَّةُ مَالِهِ التِّجَارَةَ وَقَالَ مُحَمَّدُ بْنُ سِيرِينَ اقْتَسَمَ نِسَاءُ عَبْدِ الرَّحْمٰنِ بْنِ عَوْفٍ ثُمُنَهُنَّ فَكَانَ ثَلَاثَمِائَةٍ وَعِشْرِينَ أَلْفًا وَقَالَ الزُّهْرِيُّ أَوْصَى عَبْدُ الرَّحْمٰنِ لِمَنْ شَهِدَ بَدْرًا فَوَجَدُوا مِائَةً لِكُلِّ رَجُلٍ مِنْهُمْ أَرْبَعَمِائَةِ دِينَارٍ وَقَالَ عَبْدُ اللّٰهِ بْنُ جَعْفَرٍ حَدَّثَتْنِي أُمُّ بَكْرٍ بِنْتُ الْمِسْوَرِ أَنَّ عَبْدَ الرَّحْمٰنِ بَاعَ أَرْضًا بِأَرْبَعِينَ أَلْفَ دِينَارٍ فَقَسَمَهَا فِي فُقَرَاءِ بَنِي زُهْرَةَ وَفِي الْمُهَاجِرِينَ وَأُمَّهَاتِ الْمُؤْمِنِينَ وَقَالَ مُحَمَّدُ بْنُ عَمْرِو بْنِ أَبِي سَلَمَةَ أَنَّ عَبْدَ الرَّحْمٰنِ أَوْصَى لِأُمَّهَاتِ الْمُؤْمِنِينَ بِحَدِيقَةٍ قُوِّمَتْ بِأَرْبَعِمِائَةِ أَلْفٍ۔ (رواہ [illegible])

عبدالرحمٰن بن عوف رضی اللہ تعالیٰ عنہ روایت کرتے ہیں کہ جب وہ ہجرت کر کے مدینہ منورہ آئے تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس وقت کے دستور کے مطابق ان کا اور سعد بن الربیع رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا بھائی چارہ کرا دیا اس کے بعد سعد نے چاہا کہ اس رشتہ کے موافق عبدالرحمٰن ان کے مال اور بیویوں میں نصف نصف کے شریک ہو جائیں (حتیٰ کہ وہ ایک بیوی کو طلاق دیدیں اور عبدالرحمٰن اس سے نکاح کر لیں) عبدالرحمٰن نے اس بے نظیر پیشکش کے جواب میں کہا اللہ تمہارے اہل و مال میں برکت عطا فرمائے مجھ کو تو تم بازار بتا دو کدھر ہے یہ گئے اور معمولی سی تجارت کر کے اتنا نفع حاصل کر لیا کہ اس سے کچھ گھی اور کچھ پنیر خرید کر اپنے گھر واپس آ گئے۔ دوسرے دن پھر گئے اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی دعا کی برکت کا پورا قصہ نقل کیا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی دعا کے اثر سے عبدالرحمٰن بن عوف رضی اللہ تعالیٰ عنہ اتنے مالدار ہو گئے کہ حسب بیان زہری چار لاکھ دینار تو انہوں نے صدقہ و خیرات میں صرف کیے اور پانچ سو گھوڑے اور پانچ سو اونٹ جہاد کے لیے لوگوں کو دیئے تھے۔ زہری کہتے ہیں کہ ان کا یہ سب مال تجارت کی کمائی کا تھا۔ محمد بن سیرین کہتے ہیں کہ ان کی بیبیوں نے جب ان کے ترکہ میں اپنا آٹھواں حصہ باہم تقسیم کیا تو ہر ایک کے حصہ میں تین لاکھ بیس ہزار (۳۲۰۰۰۰) آیا۔ زہری رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں کہ عبدالرحمٰن رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے بدری صحابہ کے لیے وصیت کی ان میں ہر شخص کو چالیس چالیس ہزار دینار دیئے جائیں۔ وہ اس وقت شمار کیے گئے تو اس وقت وہ سو کی تعداد میں موجود تھے۔ عبداللہ بن جعفر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کہتے ہیں کہ ام بکر کا بیان ہے کہ عبدالرحمٰن نے چالیس ہزار دینار کی ایک زمین فروخت کی تھی اور اس کو فقراء مہاجرین اور بنو زہرہ کے محتاج اور امہات المؤمنین میں تقسیم کر دیا تھا۔ محمد بن عمرو کہتے ہیں کہ عبدالرحمٰن نے امہات المؤمنین کے لیے ایک باغ کی وصیت کی تھی جس کی قیمت لگائی گئی تو چالیس ہزار تھی۔

وَعَنْ أَبِي مُحَمَّدٍ عَبْدِ الرَّحْمٰنِ بْنِ أَبِي بَكْرٍ الصِّدِّيقِ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُمَا أَنَّ أَصْحَابَ الصُّفَّةِ كَانُوا أُنَاسًا فُقَرَاءَ وَأَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ مَرَّةً مَنْ كَانَ عِنْدَهُ طَعَامُ اثْنَيْنِ فَلْيَذْهَبْ بِثَالِثٍ وَمَنْ كَانَ عِنْدَهُ طَعَامُ أَرْبَعَةٍ فَلْيَذْهَبْ بِخَامِسٍ بِسَادِسٍ أَوْ كَمَا قَالَ وَأَنَّ أَبَا بَكْرٍ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ جَاءَ بِثَلَاثَةٍ وَانْطَلَقَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بِعَشَرَةٍ وَأَنَّ أَبَا بَكْرٍ تَعَشَّى عِنْدَ النَّبِيِّ صَلَّى

اللّٰہ علیہ وسلم ثم لبث حتی صلی العشاء ثم رجع فجاء بعد ما مضی من اللیل ما شاء اللّٰہ قالت
امرأتہ ما حبسک عن اضیافک قال أوما عشیتہم قالت أبوا حتی تجیء وقد عرضوا علیہم
قال فذہبت انا فاختبأت فقال یا غنثر فجدع وسب وقال کلوا لا ہنیئا واللّٰہ لا اطعمہ ابدا قال
وایم اللّٰہ ما کنا ناخذ من لقمۃ الا ربا من اسفلہا اکثر منہا حتی شبعوا وصارت اکثر مما کانت
قبل ذلک فنظر الیہا ابو بکر فقال لامرأتہ یا اخت بنی فراس ما ہذا قالت لا وقرۃ عینی لہی
الآن اکثر منہا قبل ذلک بثلاث مرات فاکل منہا ابو بکر وقال انما کان ذلک من
الشیطان یعنی یمینہ ثم اکل منہا لقمۃ ثم حملہا الی النبی صلی اللّٰہ علیہ وسلم فاصبحت
عندہ وکان بیننا وبین قوم عہد فمضی الاجل فعرفنا اثنی عشر مع کل رجل منہم اناس اللّٰہ
اعلم کم مع کل رجل فاکلوا منہا اجمعون وفی روایۃ ذکر حلف الاضیاف بترک الطعام
بترکہ ابا بکر لم اکلہ معہم وان النبی صلی اللّٰہ علیہ وسلم اکل منہا. (رواہ الشیخان)

ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے فرزند ابو محمد بن عبدالرحمٰن بیان کرتے ہیں کہ اصحاب صفہ محتاج لوگ تھے ان کا انتظام
مدت تک یہ تھا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فرمادیتے کہ جس کے پاس دو آدمیوں کا کھانا ہو وہ تیسرا شخص اپنے ہمراہ لے جائے
اور جس کے پاس چار کا کھانا ہو وہ پانچویں یا چھٹے شخص کو ساتھ لے جائے اور پھر اسی حساب سے بقیہ لوگ بھی اصحاب صفہ میں
سے اپنے ہمراہ لے جائیں۔ ایک دن یہ اتفاق ہوا کہ ابوبکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ تین اشخاص کو اپنے ساتھ لائے اور آنحضرت صلی
اللہ علیہ وسلم دس آدمیوں کو اپنے گھر لے گئے۔ ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اس دن شب کا کھانا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم
کے ساتھ ہی تناول فرمایا اور عشاء کی نماز بھی وہیں ادا فرمائی' پھر بڑی رات گئے اپنے گھر آئے۔ ان کی اہلیہ نے دریافت کیا کہ
آپ کو اپنے مہمانوں کے ساتھ کھانا کھانے میں اتنی دیر کیوں ہوگئی؟ انہوں نے تعجب سے فرمایا' ارے کیا اتنی رات گئے تک تم
نے مہمانوں کو کھانا نہیں کھلایا؟ انہوں نے عرض کی کھانا تو ان کے سامنے پیش کردیا گیا تھا مگر انہوں نے آپ کے آنے سے پہلے
اس کا کھانا گوارا نہ کیا۔ میں یہ باتیں سن کر صدیق اکبر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا غصہ سمجھ گیا اور گھر کے کسی گوشہ میں جا چھپا' انہوں نے
غصہ کے لہجہ میں مجھے آواز دی' خوب برا بھلا کہہ کر فرمایا کہ تم سب کھانا کھاؤ اور خود کھانا کھانے پر قسم کھا بیٹھے۔ آخرکار اس قسما قسمی
کے بعد کھانا شروع ہوگیا اور ہم جو لقمہ بھی اٹھاتے اس میں ایسی برکت نظر آتی کہ وہ جتنا کم ہوتا نیچے سے اس سے زیادہ ابھر جاتا
یہاں تک کہ ہم سب شکم سیر بھی ہوگئے اور کھانا جتنا تھا وہ پہلے سے زیادہ نظر آتا تھا۔ ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے یہ ماجرا
دیکھ کر اپنی بی بی سے بولے او بنی فراس کی بیٹی! یہ کیا تماشا ہے؟ انہوں نے جواب دیا میرے آنکھوں کی ٹھنڈک' یہ تو پہلے سے بھی
سہ گنا زیادہ معلوم ہوتا ہے۔ اس پر ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے بھی اس میں سے کھایا اور اپنی اس ناگواری پر کہا کہ یہ سب
شیطان کی بات تھی۔ مطلب یہ کہ میرا قسم کھا بیٹھنا ایک فعل شیطانی کا نتیجہ تھا پھر ایک لقمہ لے کر اس کو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی
خدمت میں لے گئے وہ صبح تک آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے یہاں ہی رہا۔ اتفاق سے ہمارے اور کفار کے درمیان معاہدہ تھا' اس

کی مدت ختم ہوگئی اور ہم بارہ اشخاص میں متفرق طور پر بٹ دیئے۔ ہر شخص کے ساتھ کچھ لوگ ہو لیے یہ پورا اندازہ خدا تعالیٰ ہی کو معلوم ہے کہ ہر ہر شخص کے ساتھ کتنے کتنے آدمی ہوں گے مگر سب نے اسی سے کھانا کھالیا۔

تشریح: اس ایک واقعہ سے عرب کی تہذیب واخلاق کی بلندی کا اندازہ کیا جا سکتا ہے۔ چند دن قبل اسلام سے پیشتر وہ کس حالت میں پڑے ہوئے تھے اور اب کہاں سے کہاں جا پہنچے تھے۔ میزبانی کس انداز کی تھی اور مہمانوں کی تہذیب کس حد تک یہ مجموعہ کچھ کم قابل اعتناء نہیں۔ یہاں قصہ میں ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے قسم کھالینے اور بعد میں اس کو توڑ دینے سے ایک شرعی مسئلہ بھی معلوم ہوگیا۔ اصحاب صفہ کی احتیاج اور ان کی آتی ہوئی عزت ضرورت ضیافت کا اندازہ بھی فرمائیے۔ پھر اسی کے ساتھ اسلامی نظم ونسق کا حال بھی کچھ معلوم کیجئے کیا اب بھی کوئی ایسا نظام قائم رکھ سکتا ہے جو محتاجوں کو اپنے اہل وعیال بنا کر اس اکرام کے ساتھ ہمدردی کرتا ہو۔ آج جدید تعلیم کی بلند پروازیوں کے بعد بھی ایک دوسرے کی عزت ومال کا بھیڑیا بنا ہوا نظر آتا ہے۔ یہ کوئی دنیوی قانون نہ تھا بلکہ صرف خوف الٰہی کا ایک ادنیٰ کرشمہ تھا اور جب تک قوم میں پھر یہی خوف پیدا نہ ہوگا اس نظم کا قائم ہونا مشکل ہے۔ آپ ہزار قواعد بنائے جائیے وہ سب بددیانتی کے لیے خوشنما الفاظ سے زیادہ ثابت نہیں ہو سکتے۔

اب رہا کھانے میں برکت یہ تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانے میں ایک روزمرہ کی بات تھی اور غریبوں کے لیے یہ خوان یغما بچھا رہا کرتا تھا کبھی کم اور کبھی بیش۔ ہم کو حیرت اس پر ہے کہ معجزات کا مادی تخیل نکالنے والے بیچارے یہاں کیا عمل تلاش کریں گے۔ اگر وہ معذور نظر آئیں تو شروع ہی سے کسی دوسری کے بجائے ان کو معجزات کا باب انسانی قوانین سے الگ سمجھنا چاہیے۔ در عاشقی چنیں بوالعجبیاست

رَوَى الْبُخَارِيُّ قَالَ دَخَلَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَلٰى أُمِّ سُلَيْمٍ فَأَتَتْهُ بِتَمْرٍ وَسَمْنٍ فَقَالَ أَعِيدُوا سَمْنَكُمْ فِي سِقَائِهِ وَتَمْرَكُمْ فِي وِعَائِهِ ثُمَّ قَامَ إِلٰى نَاحِيَةِ الْبَيْتِ فَصَلّٰى غَيْرَ مَكْتُوبَةٍ فَدَعَا لِأُمِّ سُلَيْمٍ وَأَهْلِ بَيْتِهَا فَقَالَتْ أُمُّ سُلَيْمٍ يَا رَسُولَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِنَّ لِي خُوَيْصَةً فَقَالَ مَا هِيَ؟ قَالَتْ خَادِمُكَ أَنَسٌ قَالَ فَمَا تَرَكَ آخِرَةً وَلَا دُنْيَا إِلَّا دَعَا لِي بِهِ اَللّٰهُمَّ ارْزُقْهُ مَالًا وَوَلَدًا وَبَارِكْ لَهُ فِيهِ فَإِنِّي لَمِنْ أَكْثَرِ الْأَنْصَارِ مَالًا وَحَدَّثَتْنِي ابْنَتِي أُمَيْنَةُ أَنَّهُ دُفِنَ لِصُلْبِي إِلٰى مَقْدَمِ الْحَجَّاجِ الْبَصْرَةَ بِضْعٌ وَعِشْرُونَ وَمِائَةٌ وَفِي رِوَايَةٍ لِمُسْلِمٍ فَدَعَا لِي بِثَلَاثِ دَعَوَاتٍ قَدْ رَأَيْتُ مِنْهَا اثْنَتَيْنِ وَأَنَا أَرْجُو الثَّالِثَةَ فِي الْآخِرَةِ.

بخاری نے روایت کی ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم ایک بار ام سلیم رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے یہاں تشریف لے گئے تو وہ آپ کے پاس کچھ کھجوریں اور گھی لے آئیں۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا یہ گھی اس کے برتن میں اور یہ اپنی کھجوریں اس کے تھیلے میں واپس رکھ دو پھر حضور صلی اللہ علیہ وسلم اس گھر کے ایک کونہ میں جا کھڑے ہوئے اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے نفل نمازیں پڑھیں۔ پھر ام سلیم رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے اور ان کے گھر والوں کے لیے دعا فرمائی۔ ام سلیم نے کہا یا رسول اللہ! (صلی اللہ علیہ وسلم) مجھے ایک خاص بات عرض کرنی ہے آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا وہ کیا بات ہے؟ انہوں نے کہا ارے وہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا خدمت گزار انس ہے۔ راوی کہتے ہیں کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے دنیا اور آخرت کی کوئی چیز نہ چھوڑی جس کی ان

کے لیے دُعا فرمائی تھی۔ اے اللہ! ان کو مال اور اولاد دے اور ان کی عمر میں برکت بھی دے۔ یہی وجہ ہے کہ میں آج تمام انصاریوں میں سب سے زیادہ مالدار ہوں اور مجھ سے میری لڑکی امینہ کہتی تھی کہ جب حجاج بصرہ کا حاکم بن کر آیا ہے اس وقت تک ایک سو بیس تو خود میرے بچے دفن کیے جا چکے تھے اور مسلم کی ایک روایت میں ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے میرے حق میں تین باتوں کی دُعا فرمائی۔ ان میں سے دو کا پورا ہونا تو میں نے دیکھ لیا اب آخرت میں تیسری دُعا کے پورا ہونے کی امید رکھتا ہوں۔

عَنْ اَبِیْ خَلْدَةَ قَالَ قُلْتُ لِاَبِی الْعَالِیَةِ سَمِعَ اَنَسٌ مِنْ رَسُوْلِ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ قَالَ خَدَمَہٗ عَشْرَ سِنِیْنَ وَدَعَا لَہُ النَّبِیُّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ وَکَانَ لَہٗ بُسْتَانٌ یَحْمِلُ فِی السَّنَةِ الْفَاکِھَةَ مَرَّتَیْنِ وَکَانَ فِیْھَا رَیْحَانٌ یَجِیْءُ مِنْہُ رِیْحُ الْمِسْکِ۔ (رواہ الترمذی)

ابو خلدہ کہتے ہیں کہ میں نے ابو العالیہ سے کہا کہ انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے سن کر روایت کی ہے۔ انہوں نے کہا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت انہوں نے دس سال تک کی اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کے حق میں دُعا بھی فرمائی ہے۔ ان کا پھلوں کا ایک باغ تھا جس میں سال بھر میں دو بار پھل آتے تھے اس میں ایک جڑی بوٹی (ریحان) کا بھی تھا جس میں سے مشک کی خوشبو آتی تھی۔ (ترمذی شریف)

عَنْ جَابِرٍ قَالَ کُنْتُ اَسِیْرُ عَلٰی جَمَلٍ قَدْ اَعْیَا وَاَرَدْتُ اَنْ اُسَیِّبَہٗ قَالَ فَلَحِقَنِیْ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ فَضَرَبَہٗ وَدَعَا لَہٗ فَسَارَ سَیْرًا لَمْ یَسِرْ مِثْلَہٗ وَفِیْ رِوَایَةٍ فَقَالَ لِیْ مَا لِبَعِیْرِکَ؟ فَقُلْتُ عَلِیْلٌ قَالَ فَتَخَلَّفَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ فَزَجَرَہٗ فَدَعَا لَہٗ فَمَا زَالَ یَسِیْرُ بَیْنَ یَدَیِ الْاِبِلِ قُدَّامَھَا فَقَالَ کَیْفَ تَرٰی بَعِیْرَکَ قُلْتُ بِخَیْرٍ قَدْ اَصَابَتْہُ بَرَکَتُکَ قَالَ اَفَتَبِیْعُنِیْہِ (وذکر الحدیث) وفی الترمذی وغیرہ وَقَالَ النَّبِیُّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ اَللّٰھُمَّ اسْتَجِبْ لِسَعْدٍ اِذَا دَعَاکَ وَفِیْ لَفْظٍ اَللّٰھُمَّ اَجِبْ دَعْوَتَہٗ وَسَدِّدْ رَمْیَتَہٗ فَکَانَ سَعْدٌ لَا یَرْمِیْ الَّا یُصِیْبُ وَلَا یَدْعُوْا اِلَّا اُجِیْبَ۔

حضرت جابر رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ میں ایک اونٹ پر سفر کر رہا تھا اور وہ بہت تھک گیا تھا تو میں چاہتا تھا کہ اسے چھوڑ دوں کہتے ہیں کہ اتنے میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم میرے پاس آ گئے اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اسے چلانے کے لیے مارا اور اس کے لیے دُعا بھی فرمائی تو پھر وہ ایسی چال چلنے لگا کہ پہلے اس طرح نہیں چل سکتا تھا۔ دوسری روایت میں یوں ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے دریافت کیا کہ تمہارے اونٹ کو کیا ہو گیا ہے؟ میں نے عرض کیا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم یہ بیمار ہے کہتے ہیں کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم ذرا اپنی جگہ سے پیچھے کو ہٹے اور اس کے لیے دُعا فرمائی پس پھر وہ اونٹ ہر اونٹ سے آگے ہی آگے چلنے لگا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اچھا تمہارا اونٹ اب اچھا ہو گیا؟ میں نے کہا جی ہاں اب ٹھیک ہو گیا آپ کی دُعاؤں کی برکتیں اسے نصیب ہو گئیں۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اچھا اسے میرے ہاتھ بیچ دو۔ (پھر پوری حدیث بیان کی) اور ترمذی وغیرہ میں ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اے میرے اللہ! جب یہ سعد تجھ سے دُعا مانگے تو ان کی دُعا قبول فرما۔ دوسری روایت میں یوں ہے کہ اے میرے اللہ! تو ان کی دُعا قبول فرما اور ان کا نشانہ ٹھیک بٹھا۔ پھر یہ حال تھا کہ حضرت سعد رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا

ہر تیر نشانہ پر بیٹھتا تھا اور ہر دعا قبول ہوئی تھی۔

عَنْ عَلِيٍّ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ قَالَ مَرِضْتُ فَعَادَنِيْ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَاَنَا اَقُوْلُ اَللّٰهُمَّ اِنْ كَانَ اَجَلِيْ قَدْ حَضَرَ فَاَرِحْنِيْ وَاِنْ كَانَ مُتَاَخِّرًا فَارْفَعْنِيْ وَاِنْ كَانَ بَلَاءً فَصَبِّرْنِيْ. فَقَالَ اَللّٰهُمَّ اشْفِهِ اَللّٰهُمَّ عَافِهِ ثُمَّ قَالَ قُمْ فَقُمْتُ فَمَا عَادَ اِلَيَّ ذٰلِكَ الْوَجَعُ بَعْدُ. (رواه الحاكم في صحيحه)

حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ ایک بار میں بیمار پڑا تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم میری عیادت کو آئے اس وقت میں یہ دعا کر رہا تھا کہ اے میرے اللہ! اگر میرا وقت آ گیا ہے تو مجھے بیماری سے نجات دے کر راحت دے اور اگر ابھی نہیں آیا تو مجھے آرام کی زندگی عطا فرما اور اگر یہ ابتلا اور آزمائش ہے تو مجھے صبر عطا فرما۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے دعا فرمائی الٰہی! ان کو مرض سے شفا دے پھر فرمایا اٹھ کھڑے ہو تو بس میں اٹھ کھڑا ہوا پھر وہ درد مجھے دوبارہ کبھی نہیں ہوا۔ (حاکم)

عَنْ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ عَمْرٍو رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ اَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ خَرَجَ يَوْمَ بَدْرٍ فِيْ ثَلَاثِمِائَةٍ وَخَمْسَةَ عَشَرَ قَالَ اَللّٰهُمَّ اِنَّهُمْ حُفَاةٌ فَاحْمِلْهُمْ اَللّٰهُمَّ اِنَّهُمْ عُرَاةٌ فَاكْسُهُمْ اَللّٰهُمَّ اِنَّهُمْ جِيَاعٌ فَاَشْبِعْهُمْ فَفَتَحَ اللّٰهُ لَهُ فَانْقَلَبُوْا وَمَا مِنْهُمْ رَجُلٌ اِلَّا وَقَدْ رَجَعَ بِجَمَلٍ اَوْ جَمَلَيْنِ وَاكْتَسَوْا وَشَبِعُوْا. (رواه ابو داود)

عبد اللہ بن عمرو رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم غزوہ بدر میں تین سو پندرہ صحابہ کے ساتھ میدان بدر میں نکلے جن کے حق میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ دعا فرمائی الٰہی! یہ سب پیادہ پا ہیں ان کو سواری عطا فرما، الٰہی! یہ سب ننگے ہیں ان کو لباس دے، الٰہی! یہ سب بھوکے ہیں ان کو پیٹ بھر کر رزق دے۔ اللہ تعالیٰ نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی برکت سے ایسی دعا قبول فرمائی کہ فتح نصیب ہوئی اور ایک شخص بھی نہ بچا کہ جب وہ لوٹا تو اس کے پاس سواری کے لیے ایک یا دو اونٹ نہ ہوں اور سب کو پوشش بھی نصیب ہوئی اور سب شکم سیر بھی ہو گئے۔ (ابوداؤد)

عَنْ اَبِيْ مَحْذُوْرَةَ قَالَ لَمَّا خَرَجَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مِنْ حُنَيْنٍ خَرَجْتُ عَاشِرَ عَشَرَةٍ مِنْ اَهْلِ مَكَّةَ نَطْلُبُهُمْ فَسَمِعْنَاهُمْ يُؤَذِّنُوْنَ بِالصَّلٰوةِ فَقُمْنَا نُؤَذِّنُ نَسْتَهْزِئُ بِهِمْ فَقَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَدْ سَمِعْتُ فِيْ هٰؤُلَاءِ تَاْذِيْنَ اِنْسَانٍ حَسَنِ الصَّوْتِ فَاَرْسَلَ اِلَيْنَا فَاَذَّنَّا رَجُلٌ رَجُلٌ وَكُنْتُ اٰخِرَهُمْ فَقَالَ حِيْنَ اَذَّنْتُ تَعَالَ فَاَجْلَسَنِيْ بَيْنَ يَدَيْهِ فَمَسَحَ عَلٰى نَاصِيَتِيْ وَبَرَّكَ عَلَيَّ ثَلَاثَ مَرَّاتٍ ثُمَّ قَالَ اذْهَبْ فَاَذِّنْ عِنْدَ الْبَيْتِ الْحَرَامِ ثُمَّ ذَكَرَ الْحَدِيْثَ. (رواه النسائي)

ابو محذورہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ (موذن مکہ اپنے اسلام اور موذن ہونے کا قصہ) بیان کرتے ہیں کہ جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم حنین سے نکلے تو اہل مکہ میں سے دس افراد ان کی تلاش میں نکلے جن میں دسواں میں تھا ہم نے نماز کے لیے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے رفقاء کی اذانیں سنیں تو کھڑے ہو کر ان کا مذاق اڑانے کے لیے ہم نے بھی اذانیں دینا شروع کیں۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ان میں ایک شخص کی اذان میں نے سنی جس کی آواز بہت اچھی تھی اور ہمارے بلانے کے لیے ایک شخص کو بھیجا آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے حاضر ہو کر ہم میں سے ہر ہر شخص نے اذان دی سب سے آخر میں میں نے اذان دی جب

میں اذان دے چکا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھ کو بلایا اور سامنے بٹھا کر میری پیشانی کے اوپر اپنا دست مبارک پھیرا اور تین بار برکت کی دعا فرمائی اس کے بعد مجھ کو حکم دیا جاؤ اور بیت اللہ کے پاس جا کر اذان دیا کرو۔ (نسائی)

عَنْ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ هِشَامٍ كَانَ يَخْرُجُ السُّوْقَ فَيَلْقَاهُ ابْنُ الزُّبَيْرِ وَابْنُ عُمَرَ فَيَقُوْلَانِ لَهُ أَشْرِكْنَا فَإِنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَدْ دَعَا لَكَ بِالْبَرَكَةِ فَيُشْرِكُهُمْ فَرُبَّمَا أَصَابَ الرَّاحِلَةَ كَمَا هِيَ فَيَبْعَثُ بِهَا إِلَى الْمَنْزِلِ. (رواه البخاري في صحيحه) وَأَخْرَجَهُ صاحب المشكوة في الفصل الاول من باب الشركة والوكالة مع تغيير وعزاه الى البخاري وزاد فيه)

عبداللہ بن ہشام رضی اللہ تعالیٰ عنہ بازار میں نکلتے تھے تو ان سے ابن زبیر رضی اللہ تعالیٰ عنہ اور ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ ملتے تو یہ دونوں ان سے کہتے ہم کو بھی اپنے ساتھ شریک کر لیجئے کیونکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے آپ کے لیے برکت کی دعا فرمائی تھی تو وہ ان کو بھی شریک کر لیتے تو بسا اوقات تجارت میں ان کو اتنا نفع ہوتا کہ وہ اپنی اونٹنی سامان سے بھری ہوئی جوں کی توں اپنے گھر بھیج دیتے۔ (بخاری)

عَنْ عُرْوَةَ بْنِ أَبِي الْجَعْدِ الْبَارِقِيِّ قَالَ عُرِضَ لِلنَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ جَلَبٌ فَأَعْطَانِي دِيْنَارًا وَقَالَ أَيْ عُرْوَةُ؟ ائْتِ الْجَلَبَ فَاشْتَرِ شَاةً فَأَتَيْتُ الْجَلَبَ فَسَاوَمْتُ صَاحِبَهُ فَاشْتَرَيْتُ مِنْهُ شَاتَيْنِ بِدِيْنَارٍ فَجِئْتُ بِهِمَا أَسُوْقُهُمَا فَلَقِيَنِي رَجُلٌ فَسَاوَمَنِي فَبِعْتُهُ شَاةً بِدِيْنَارٍ فَجِئْتُ بِالدِّيْنَارِ وَجِئْتُ بِالشَّاةِ فَقُلْتُ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ هٰذَا دِيْنَارُكُمْ وَهٰذِهِ شَاتُكُمْ قَالَ وَصَنَعْتَ كَيْفَ؟ فَحَدَّثْتُهُ الْحَدِيْثَ فَقَالَ اللّٰهُمَّ بَارِكْ لَهُ فِي صَفْقَةِ يَمِيْنِهِ فَلَقَدْ رَأَيْتُنِي أَقِفُ بِكُنَاسَةِ الْكُوْفَةِ فَأَرْبَحُ أَرْبَعِيْنَ أَلْفًا قَبْلَ أَنْ أَصِلَ إِلَى أَهْلِي. (رواه الامام احمد في مسنده)

عروہ بن ابی الجعد رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے ایک دودھار بکری پیش ہوئی تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھے ایک دینار عطا فرمایا اے عروہ! دودھ کے جانوروں میں جا کر ایک بکری خرید لاؤ تو میں جانوروں میں گیا اور اس کے مالک سے بھاؤ تاؤ کیا تو میں نے اس سے ایک دینار میں دو بکریاں خرید لیں اور میں انہیں ہنکاتا ہوا لایا۔ راستے میں مجھے ایک آدمی ملا اس نے مجھ سے ان کا بھاؤ تاؤ کیا تو میں نے اس کے ہاتھ ایک بکری ایک دینار میں بیچ دی اور ایک بکری اور ایک دینار ساتھ لایا اور عرض کیا یا رسول اللہ! (صلی اللہ علیہ وسلم) لیجئے یہ آپ کا دینار ہے اور یہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی بکری ہے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ارے یہ تم نے کیا کیا تو میں نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے سارا قصہ بیان کیا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اے اللہ! ان کی خرید و فروخت میں برکت دیجئے۔ میں نے بچشم خود دیکھا کہ میں کوفہ کے کباڑ خانے میں جا کر کھڑا ہوتا تھا اور بال بچوں کے پاس پہنچنے سے پہلے پہلے چالیس ہزار منافع کما لیتا تھا۔ (احمد)

عَنْ أُمِّ خَالِدٍ قَالَتْ أُتِيَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بِثِيَابٍ فِيْهَا خَمِيْصَةٌ سَوْدَاءُ صَغِيْرَةٌ فَقَالَ مَنْ تَرَوْنَ نَكْسُوْهُ هٰذِهِ الْخَمِيْصَةَ فَأُسْكِتَ الْقَوْمُ فَقَالَ ائْتُوْنِي بِأُمِّ خَالِدٍ فَأُتِيَ بِي رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَأَلْبَسَنِيْهَا فَقَالَ أَبْلِي وَأَخْلِقِي مَرَّتَيْنِ فَجَعَلَ يَنْظُرُ إِلَى عَلَمِ الْخَمِيْصَةِ وَيُشِيْرُ

بیدہ الی ویقول یا ام خالد ھذا سنا والسنا بلسان الحبشیۃ الحسن فلبثت حتی ذکرت. (رواہ البخاری)

حضرت ام خالد رضی اللہ تعالیٰ عنہا کہتی ہیں کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس کچھ کپڑے لائے گئے جن میں ایک کالی اوڑھنی (یا قمیص) بھی تھی تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تم لوگوں کا کیا خیال ہے۔ یہ اوڑھنی میں پہنانا چاہتا ہوں؟ سب لوگ چپ رہے آخر کار آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا "ام خالد کو بلاؤ" لوگ مجھے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس بلا کر لے گئے تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے وہ اوڑھنی مجھے پہنائی اور دو بار یہ دعا دی "خوب پرانا کر اور خوب پہن"۔ پھر اوڑھنی کی دھاریوں کو دیکھنے لگے اور اپنے دست مبارک سے میری طرف اشارہ کر کے فرمایا "اے ام خالد! یہ "سنا" ہے۔ سنا حبشی لفظ ہے اس کے معنی ہیں بہت اچھا تو وہ اوڑھنی بہت دنوں تک چلتی رہی اور یہاں تک باقی رہی کہ بوسیدہ ہو گئی۔ (بخاری مسلم)

بعض روایات میں "حتی ذکرت" کا لفظ آیا ہے کہ وہ اتنے دنوں تک باقی رہی کہ اس کی شہرت اڑ گئی۔ کہتے ہیں کہ اس مدت میں وہ ان کے قامت کیساتھ ساتھ ان کے جسم پر درست آتی رہی۔ یہ بھی عجیب سے عجیب تر ہے کہ ایک غیر ذی روح چیز نامی شے کی طرح بڑھتی رہے۔

وعن یزید عمرو بن اخطب الانصاری قال قال لی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ادن منی فمسح بیدہ علی راسی ولحیتی ثم قال اللھم جملہ وادم جمالہ قال الراوی عنہ فبلغ بضعا وثمانین سنۃ وما فی لحیتہ بیاض الا نبذ یسیر ولقد کان منبسط الوجہ ولم ینقبض وجھہ حتی مات رواہ الامام احمد وقال البیھقی اسنادہ صحیح ورواہ الترمذی وقال مسح رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم علی وجھی ودعا لی قال عزرۃ انہ عاش مائۃ وعشرین سنۃ ولیس فی راسہ الا شعرات بیض وقال حدیث حسن.

یزید عمرو بن اخطب انصاری رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھ سے فرمایا ذرا میرے قریب آؤ تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنا دست مبارک میرے سر اور داڑھی پر پھیرا پھر فرمایا اے اللہ! ان کو حسن و جمال عطا فرما اور ان کے حسن و جمال کو قائم رکھ۔ راوی ان کا حال یہ بتاتے ہیں کہ ان کی عمر کچھ اوپر اسی (۸۰) کی ہوئی مگر ان کی داڑھی میں بس چند ہی بال سپید ہوئے تھے۔ وہ بہت ہنس مکھ تھے اور مرتے مرتے ان کے چہرے پر جھریاں نہ پڑیں۔ (احمد) ترمذی نے یوں روایت کی ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے میرے چہرے پر دست مبارک پھیرا اور میرے حق میں یہ دعا فرمائی۔ عزرہ کہتے ہیں کہ وہ ایک سو بیس برس تک زندہ رہے مگر ان کے سر میں بس چند ہی بال سفید ہونے پائے تھے۔

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی دعائے مبارک سے عمر اور صحت میں معجزانہ برکت

عن حذیم قال یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم انی رجل ذو بنین وھذا اصغر بنی فسمت علیہ قال فقال یا غلام فاخذ بیدی ومسح براسی وقال بارک اللہ فیک او بورک فیک فرایت حنظلۃ یؤتی بالانسان الوارم فیمسح بیدہ ویقول بسم اللہ فیذھب الورم وفی روایۃ والشاۃ والبعیر ویذکر عن ابی سفیان راسہ مذلوک انہ ذھب بہ الی النبی صلی اللہ علیہ وسلم فاسلم فدعا لہ النبی صلی اللہ علیہ وسلم ومسح راسہ بیدہ ودعا لہ بالبرکۃ فکان

مُقَدَّمُ رَأْسِهِ مَوْضِعُ يَدِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَسْوَدُ وَسَائِرُهُ أَبْيَضُ. (رواهما الطبراني في الكبير)

حزیم رضی اللہ تعالیٰ عنہ بیان کرتے ہیں کہ حنظلہ کے والد حنظلہ کو لے کر حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں آئے اور عرض کی یا رسول اللہ! (صلی اللہ علیہ وسلم) میں ایک بوڑھا آدمی ہوں اور یہ میرا سب سے چھوٹا لڑکا ہے۔ میں نے اپنا مال اسے بانٹ کر دیا ہے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا میاں لڑکے تم آگے آؤ۔ پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے میرا ہاتھ پکڑ کر میرے سر پر ہاتھ پھیرا اور دعا دی کہ اللہ تجھ میں برکت دے یا یوں فرمایا کہ تجھ میں برکت ہو۔ راوی کہتے ہیں کہ حضرت حنظلہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا یہ حال دیکھا کہ ان کے پاس ورم والا انسان (اور دوسری روایت بکری اور اونٹ بھی ہے) لایا جاتا اور حنظلہ اس پر بسم اللہ کہہ کر ہاتھ پھیر دیتے تو ورم اور سوجن اسی وقت ختم ہو جاتی اور ابوسفیان رضی اللہ تعالیٰ عنہ (جن کا نام مدلوک ہے) بیان کرتے ہیں کہ وہ حنظلہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس لے کر آئے تو وہ اسلام لے آئے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کے لیے دعا فرمادی اور ان کے سر پر ہاتھ پھیرا اور ان کے لیے برکت کی دعا فرمائی تو جہاں حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے دست مبارک ان کے سر کے اگلے حصہ پر رکھا تھا صرف وہ سیاہ رہا (یعنی ضعیف العمری میں) بقیہ سر سفید ہو گیا تھا۔ (بخاری)

عَنْ أَبِي الْعَلَاءِ قَالَ كُنْتُ عِنْدَ قَتَادَةَ بْنِ مِلْحَانَ فِي مَرَضِهِ الَّذِي مَاتَ فِيهِ فَمَرَّ رَجُلٌ فِي مُؤَخَّرِ الدَّارِ فَرَأَيْتُهُ فِي وَجْهِ قَتَادَةَ قَالَ كَانَ رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَسَحَ وَجْهَهُ قَالَ وَكُنْتُ قَبْلُ مَا رَأَيْتُهُ إِلَّا وَرَأَيْتُهُ كَأَنَّ عَلَى وَجْهِهِ الدِّهَانَ. (رواه الامام احمد)

ابو العلاء بیان کرتے ہیں کہ میں قتادہ بن ملحان کے پاس ان کے مرض الموت میں ان کے پاس موجود تھا تو ایک شخص گھر کے آخری حصہ سے گزرے تو میں نے اس کا عکس حضرت قتادہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے چہرہ پر دیکھا انہوں نے کہا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کے چہرہ پر دست مبارک پھیرا تھا۔ راوی کہتے ہیں کہ اس سے پہلے جب بھی میں ان کو دیکھتا تھا تو ایسا معلوم ہوتا تھا گویا ان کے چہرہ پر روغن ملا گیا ہو۔ (احمد)

علامات قیامت اور پیش آنے والے فتنے

عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَنَّهُ قَالَ لَا تَقُومُ السَّاعَةُ حَتّٰى تَخْرُجَ نَارٌ مِنْ أَرْضِ الْحِجَازِ تُضِيءُ لَهَا أَعْنَاقُ الْإِبِلِ بِبُصْرَى. (رواه الشيخان)

ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کرتے ہیں کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اس وقت تک قیامت نہیں آئے گی جب تک حجاز کی زمین سے ایک آگ ظاہر نہ ہو جس کی روشنی سے بصریٰ کے اونٹوں کی گردنیں چمکنے لگیں گی۔ (شیخین)

تشریح: یہ آگ ۶۵۰ھ کے قریب میں ظاہر ہو چکی ہے۔ عجیب تر یہ ہے کہ پتھر اس سے جل کر خاک ہو جاتے تھے مگر اس پر گوشت نہ پک سکتا تھا۔

عَنْ أَبِي سَعِيدٍ وَأُمِّ سَلَمَةَ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُمَا أَنَّ رَسُولَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ لِعَمَّارِ بْنِ يَاسِرٍ تَقْتُلُكَ الْفِئَةُ الْبَاغِيَةُ. (رواه الشيخان)

ابوسعید واسامہ رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے روایت ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے عمار بن یاسر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے حق میں فرمایا اس بے چارے کو مسلمانوں کی ایک باغی جماعت قتل کرے گی۔ (شیخین)

عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ هَلَكَ كِسْرٰى ثُمَّ لَا يَكُوْنُ كِسْرٰى بَعْدَهُ وَقَيْصَرُ لَيَهْلِكَنَّ ثُمَّ لَا يَكُوْنُ قَيْصَرُ بَعْدَهُ وَلَتُقْسَمَنَّ كُنُوْزُهُمَا فِي سَبِيْلِ اللّٰهِ۔ (رواہ الشیخان)

ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کسریٰ ہلاک ہوگا اور اس کے بعد اس کا نام ونشان اس طرح سے گا کہ پھر کوئی کسریٰ نہ ہوگا اور قیصر بھی ضرور ہلاک ہوگا اس کے بعد پھر دوسرا قیصر نہ ہوگا اور یقین کرو کہ ان کے خزانے تم لوگ اللہ کے راستے میں لٹا دو گے۔ (شیخین)

عَنْ جَابِرِ بْنِ سَمُرَةَ قَالَ سَمِعْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُوْلُ لَتَفْتَحَنَّ عِصَابَةٌ مِنَ الْمُسْلِمِيْنَ أَوْ قَالَ الْمُؤْمِنِيْنَ كَنْزَ آلِ كِسْرٰى الَّذِيْ فِي الْأَبْيَضِ۔ (رواہ الشیخان)

جابر بن سمرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ روایت کرتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو فرماتے ہوئے خود سنا ہے کہ یقیناً مسلمانوں کی ایک جماعت یا مؤمنوں کی (راوی کو ان دونوں لفظوں میں سے اصل لفظ کے متعلق شک ہے) شاہ کسریٰ کا وہ خزانہ جو اس کے قصر ابیض میں ہے فتح کرے گی۔ (شیخین)

إِنَّ ابْنَ عَبَّاسٍ أَخْبَرَهُ أَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بَعَثَ بِكِتَابِهِ إِلٰى كِسْرٰى مَعَ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ حُذَافَةَ السَّهْمِيِّ فَأَمَرَهُ أَنْ يَدْفَعَهُ إِلٰى عَظِيْمِ الْبَحْرَيْنِ فَدَفَعَهُ عَظِيْمُ الْبَحْرَيْنِ إِلٰى كِسْرٰى فَلَمَّا قَرَأَهُ مَزَّقَهُ فَحَسِبْتُ أَنَّ ابْنَ الْمُسَيَّبِ قَالَ فَدَعَا عَلَيْهِمْ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَنْ يُمَزَّقُوْا كُلَّ مُمَزَّقٍ۔ (رواہ البخاری)

ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے عبداللہ بن حذافہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی معرفت اپنا فرمان کسریٰ کو بھیجا اور ان سے کہا کہ وہ اس کو بحرین کے حاکم کو دیدیں۔ بحرین کے حاکم نے اس کو کسریٰ کے حوالہ کر دیا۔ جب اس نے فرمان مبارک کو پڑھا تو غصہ میں آ کر ٹکڑے ٹکڑے کر ڈالا مجھ کو خیال آتا ہے کہ ابن المسیب رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا بیان ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس پر بددعا کی کہ وہ بھی پارہ پارہ کر دیئے جائیں۔ (بخاری شریف)

عَنْ زَيْنَبَ بِنْتِ جَحْشٍ أَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ دَخَلَ عَلَيْهَا فَزِعًا يَقُوْلُ لَا إِلٰهَ إِلَّا اللّٰهُ وَيْلٌ لِلْعَرَبِ مِنْ شَرٍّ قَدِ اقْتَرَبَ فُتِحَ الْيَوْمَ مِنْ رَدْمِ يَأْجُوْجَ وَمَأْجُوْجَ مِثْلُ هٰذِهِ وَحَلَّقَ بِإِصْبَعِهِ وَبِالَّتِيْ تَلِيْهَا فَقَالَتْ زَيْنَبُ فَقُلْتُ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ (صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ) أَنَهْلِكُ وَفِيْنَا الصَّالِحُوْنَ قَالَ نَعَمْ إِذَا كَثُرَ الْخَبَثُ۔ (رواہ البخاری)

زینب بنت جحش رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ان کے گھر تشریف لائے تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی زبان پر یہ کلمات تھے لا الہ الا اللہ خاص طور پر عرب کے لیے افسوس ہے اس فتنے کی وجہ سے جو قریب آ پہنچا ہے

یاجوج و ماجوج کی سد کا اتنا حصہ کھل چکا ہے اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے انگوٹھے اور درمیانی انگلی کا حلقہ بنا کر بتلایا۔ زینب رضی اللہ تعالیٰ عنہا بولیں یا رسول اللہ! (صلی اللہ علیہ وسلم) کیا ہم لوگوں پر یہ ہلاکت ایسے وقت آ سکتی ہے کہ ہم میں نیک لوگ بھی ہوں؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کیوں نہیں جب گندگی بہت زیادہ پھیل جائے۔ (للاکثر حکم الکل)

عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ يَقُولُ سَمِعْتُ الصَّادِقَ الْمَصْدُوقَ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُولُ هَلَاكُ أُمَّتِي عَلَى يَدَيْ غِلْمَةٍ مِنْ قُرَيْشٍ فَقَالَ مَرْوَانُ غِلْمَةٌ قَالَ أَبُو هُرَيْرَةَ إِنْ شِئْتَ أَنْ أُسَمِّيَهُمْ بَنِي فُلَانٍ وَبَنِي فُلَانٍ. (رواہ البخاری)

ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا بیان ہے کہ میں نے ایک ایسے شخص کی زبان مبارک سے سنا ہے جن کی صداقت کا جہان قائل ہے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے یہ حیرت ناک بات سنی ہے کہ میری امت کی ہلاکت چند قریشی لڑکوں کے ہاتھ پر ظہور پذیر ہوگی۔ مروان نے تعجب سے پوچھا کیا نو عمر لڑکوں کے ذریعے؟ ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے کہا جی ہاں۔ مجھ کو اسی طرح معلوم ہے اگر چاہوں تو تم سے ان کے باپ دادا تک کا نسب بھی بیان کر دوں۔ (بخاری شریف)

عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَا تَقُومُ السَّاعَةُ حَتَّى تَقْتَتِلَ فِئَتَانِ دَعْوَاهُمَا وَاحِدَةٌ. (رواہ البخاری)

ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا قیامت اس وقت تک نہ آئے گی جب تک کہ مسلمانوں کی دو جماعتوں میں جنگ نہ ہو لے جن کا دعویٰ ایک ہی ہو۔ (بخاری شریف)

عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ يُخَرِّبُ الْكَعْبَةَ ذُو السُّوَيْقَتَيْنِ مِنَ الْحَبَشَةِ. (رواہ البخاری)

ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کرتے ہیں کہ کعبۃ اللہ کو تباہ کرنے والا ایک حبشی شخص ہوگا جس کی پنڈلیاں چھوٹی چھوٹی ہوں گی۔ (بخاری شریف)

عَنِ الْحَسَنِ أَنَّ رَسُولَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ لِسُرَاقَةَ بْنِ مَالِكٍ كَيْفَ بِكَ إِذَا لَبِسْتَ سِوَارَيْ كِسْرَى قَالَ فَلَمَّا أُتِيَ عُمَرُ بِسِوَارَيْ كِسْرَى دَعَا سُرَاقَةَ فَأَلْبَسَهُ وَقَالَ قُلِ الْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِي سَلَبَهُمَا كِسْرَى بْنَ هُرْمُزَ وَأَلْبَسَهُمَا سُرَاقَةَ الْأَعْرَابِيَّ. اخرجه البيهقي (كذا في الخصائص ص ۲۴۳ ج ۲)

حسن رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے سراقہ بن مالک رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے فرمایا اس وقت تیری مسرت و خوشی کا عالم کیا ہوگا جب تو کسریٰ کے دو کنگن پہنے گا۔ راوی کہتا ہے کہ جب عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے سامنے کسریٰ کے دو کنگن ایران کی فتح کے بعد پیش کیے گئے تو انہوں نے سراقہ بن مالک رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو بلا بھیجا اور ان کے ہاتھوں میں وہ کنگن ڈال دیئے اور فرمایا کہ اب اس خدا کی تعریف کرو جس نے کسریٰ کے ہاتھوں سے یہ کنگن نکال کر ان کو سراقہ جیسے دیہاتی کو پہنا دیئے۔

تشریح: سوچئے کہ یہ پیشین گوئی ایک ریگستان کو گلزار بنا دینے والے نے کس کے متعلق اور کس حالت میں کی تھی۔ کیا ظاہری اسباب اس کی تائید کر سکتے تھے مگر آج آپ کے سامنے وہ ایک واقعہ بن کر نظر آ رہی ہے۔ کیا اب اس کو معجزات کی فہرست سے خارج کر دینا معقول ہے یا معجزہ صرف ان ہی نشانات تک محدود ہے جو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے عہد مبارک میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے ظاہر ہوں۔

عَنِ ابْنِ مُحَيْرِيْزٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَارِسُ نَطْحَةٌ اَوْ نَطْحَتَانِ ثُمَّ لَا فَارِسَ بَعْدَ
هٰذَا وَالرُّوْمُ ذَاتُ الْقُرُوْنِ كُلَّمَا هَلَكَ قَرْنٌ خَلَفَهُ قَرْنٌ. اخرجه البيهقي (كذا في الخصائص ص ۱۲۳ ج ۲)

ابن محیریز رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ فارس تو بس ایک ٹکر دو ٹکر میں ختم ہو جانے
والا ہے اس کے بعد فارس کا تو نام ونشان بھی باقی نہ رہے گا۔ ہاں روم کچھ باقی رہے گا ایک قرن ختم ہوگا اس کے بعد دوسرا باقی رہے گا۔

عَنْ اَبِيْ ذَرٍّ قَالَ رَكِبَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ حِمَارًا وَاَرْدَفَنِيْ خَلْفَهُ ثُمَّ قَالَ يَا
اَبَا ذَرٍّ اَرَاَيْتَ اِنْ اَصَابَ النَّاسَ جُوْعٌ شَدِيْدٌ حَتّٰى لَا تَسْتَطِيْعَ اَنْ تَقُوْمَ مِنْ فِرَاشِكَ اِلٰى مَسْجِدِكَ
كَيْفَ تَصْنَعُ؟ فَقَالَ اللّٰهُ وَرَسُوْلُهُ اَعْلَمُ قَالَ تَعَفَّفْ قَالَ يَا اَبَا ذَرٍّ اَرَاَيْتَ اِنْ اَصَابَ النَّاسَ مَوْتٌ
شَدِيْدٌ حَتّٰى يَكُوْنَ الْبَيْتُ بِالْعَبْدِ كَيْفَ تَصْنَعُ؟ قَالَ اللّٰهُ وَرَسُوْلُهُ اَعْلَمُ قَالَ اِصْبِرْ يَا اَبَا ذَرٍّ اَرَاَيْتَ
اِنْ قَتَلَ النَّاسُ بَعْضُهُمْ بَعْضًا حَتّٰى تَغْرَقَ حِجَارَةُ الزَّيْتِ مِنَ الدِّمَاءِ كَيْفَ تَصْنَعُ؟ قَالَ اللّٰهُ
وَرَسُوْلُهُ اَعْلَمُ قَالَ اُقْعُدْ فِيْ بَيْتِكَ وَاَغْلِقْ عَلَيْكَ بَابَكَ فَقَالَ اِنْ لَمْ اُتْرَكْ قَالَ فَأْتِ مَنْ
اَنْتَ مِنْهُ فَكُنْ فِيْهِمْ قَالَ فَآخُذُ سِلَاحِيْ قَالَ اِذًا تُشَارِكُهُمْ فِيْهِ وَلٰكِنْ اِنْ خَشِيْتَ اَنْ
يُرَوِّعَكَ شُعَاعُ السَّيْفِ فَاَلْقِ طَرَفَ رِدَائِكَ عَلٰى وَجْهِكَ يَبُوْءُ بِاِثْمِكَ وَاِثْمِهِ. رواه ابن حبان

ابوذر رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ ایک مرتبہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم گدھے پر سوار ہوئے اور مجھے اپنے پیچھے بٹھالیا'
پھر فرمایا' اگر کسی زمانے میں لوگ بھوک کی شدت میں مبتلا ہوں ایسی بھوک کہ اس کی وجہ سے تم اپنے بستر سے اٹھ کر نماز کی جگہ بھی
نہ جاسکو تو بتاؤ اس وقت تم کیا کرو گے؟ انہوں نے عرض کی یہ تو خدا تعالیٰ اور اس کا رسول ہی زیادہ جان سکتے ہیں فرمایا دیکھو اس
وقت بھی کسی سے سوال نہ کرنا۔ اچھا ابوذر رضی اللہ تعالیٰ عنہ اگر لوگوں میں موت کی ایسی گرم بازاری ہو جائے کہ ایک قبر کی قیمت
ایک غلام کے برابر جا پہنچے بھلا ایسے زمانے میں تم کیا کرو گے؟ یہ بولے کہ اس کو تو اللہ تعالیٰ اور اس کا رسول (صلی اللہ علیہ وسلم)
ہی زیادہ جانتے ہیں فرمایا دیکھو صبر کرنا' اس کے بعد آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا' اگر لوگوں میں ایسا قتل وقتال ہو کہ خون
"حجار زیت" تک بہہ جائے بھلا اس وقت تم کیا کرو گے؟ انہوں نے عرض کی یہ بات تو اللہ تعالیٰ اور اس کا رسول ہی زیادہ جانتے
ہیں فرمایا بس اپنے گھر میں گھسے رہنا اور اندر سے اپنا دروازہ بند کر لینا۔ انہوں نے عرض کی کہ اگر اس پر بھی چھوٹ نہ سکوں' فرمایا
کہ پھر جس قبیلے میں کے ہو وہاں چلے جانا۔ انہوں نے عرض کی اگر میں بھی اپنے ہتھیار سنبھال لوں؟ فرمایا تو تم بھی فتنے میں ان
کے شریک سمجھے جاؤ گے اس لیے شرکت ہرگز نہ کرنا اور اگر تم کو ڈر ہو کہ تلوار کی چمک تم کو خوفزدہ کر دے گی تو اپنی چادر کا پلہ اپنے منہ
پر ڈال لینا اور قتل ہونا گوارا کر لینا' تمہارے اور قاتل کے گناہ سب کے سب قاتل ہی کے سر پڑ جائیں گے۔ (ابن حبان)

عَنْ اَبِيْ ثَعْلَبَةَ الْخُشَنِيِّ وَعَنْ اَبِيْ عُبَيْدَةَ بْنِ الْجَرَّاحِ وَمُعَاذِ بْنِ جَبَلٍ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ
عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ اِنَّ اللّٰهَ بَدَاَ هٰذَا الْاَمْرَ نُبُوَّةً وَّرَحْمَةً وَّكَائِنًا خِلَافَةً وَّرَحْمَةً وَّكَائِنًا مُلْكًا
عَضُوْضًا وَّكَائِنًا عُتُوَّةً وَّجَبْرِيَّةً وَّفَسَادًا فِي الْاُمَّةِ يَسْتَحِلُّوْنَ الْفُرُوْجَ وَالْخُمُوْرَ وَالْحَرِيْرَ

وَيُنْصَرُوْنَ عَلٰى ذٰلِكَ وَيُرْزَقُوْنَ اَبَدًا حَتّٰى يَلْقَوُا اللّٰهَ عَزَّوَجَلَّ۔ (رواہ ابو داؤد الطیالسی)

ابو ثعلبہ ابو عبیدہ اور معاذ رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین یہ تینوں اصحاب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کرتے ہیں کہ اس دین کی ابتداء نبوت اور رحمت سے ہوئی پھر کچھ دن خلافت اور رحمت رہے گی۔ اس کے بعد خلافت کا دور ختم ہو جائے گا اور کاٹنے والا ملک بن جائے گا۔ سرکشی اور جبر و تشدد اور امت میں فساد کا دور دورہ ہو جائے گا۔ تا آنکہ حرام کاری، شراب خوری اور ریشم کو لوگ حلال بنا لیں گے اور ان حالات میں بھی قدرت کی یہ ڈھیل ہوگی کہ فتح و نصرت اور رزق کی فراغت برابر ان پر رہے گی یہاں تک کہ ان کی موت آ جائے گی۔ (ابو داؤد طیالسی)

عَنْ سَفِيْنَةَ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَنَّهُ قَالَ تَكُوْنُ خِلَافَةُ النُّبُوَّةِ ثَلَاثِيْنَ سَنَةً ثُمَّ تَصِيْرُ مُلْكًا۔ (رواہ احمد والترمذی و ابوداؤد)

سفینہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کرتے ہیں کہ میرے بعد تیس سال تک خلافت منہاج نبوت پر رہے گی اس کے بعد پھر خلافت نہیں ہوگی بلکہ ملک گیری ہو جائے گی۔ (رواہ احمد والترمذی وابوداؤد)

تشریح: سفینہ اس کی تفسیر کرتے ہیں کہ خلافت صدیقؓ دو سال رہی اس کے بعد دس سال تک خلافت فاروقیؓ کا دور رہا پھر بارہ سال عثمان غنی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی خلافت رہی اور چھ سال حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی خلافت چلی۔ یہ مجموعہ تیس سال ہو گئے۔ حضرت امام حسن رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے دور کے چھ ماہ کی مدت ملا کر خلفائے اربعہ کی خلافت کی مدت ٹھیک تیس سال ہوتی ہے جس کو خلافت راشدہ کہا جاتا ہے۔ اس کے بعد پھر ملک گیری کا نظر ہو گیا اور رشد و ہدایت کا وہ دور ختم ہو گیا جس کو خلافت نبوت کہا جا سکتا تھا۔

ایک مرتبہ ارادہ کے بغیر خیال اس طرف منتقل ہوا کہ خلافت علی منہاج النبوۃ کی مدت کل تیس سال ہونے میں شاید حکمت یہ ہو کہ بحکم حدیث چونکہ ہر تاریخی نبی کی عمر پہلے نبی سے نصف ہوتی چلی آئی ہے اور چونکہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی عمر نزول سے پہلی اور بعد کی ملا کر ایک سو بیس ہے اس لیے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تھا کہ میری عمر ساٹھ سال ہوگی۔ چنانچہ بحذف کسر آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی عمر یہی ہوئی۔ اس حساب سے اگر آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد نبوت باقی ہوتی اور کوئی نبی آنا مقدر ہوتا تو اس کی عمر آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی عمر کے نصف ہونی چاہیے تھی یہ تیس ہی ہے۔ چونکہ یہاں نبوت اب ختم ہو چکی تھی اس لیے خلافت نبوت علی منہاج النبوۃ کی عمر تیس سال مقدر ہوئی۔ وللہ الحمد۔

یہاں یہ امر قابل یادداشت ہے کہ جو لوگ اس حدیث سے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی وفات ثابت کرتے ہیں ان کو سوچنا چاہیے کہ اسی حدیث کے ماتحت کیا کسی مدعی نبوت کی عمر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی عمر سے بھی تجاوز ہو سکتی ہے؟

عَنْ اَبِيْ عَامِرٍ اَوْ اَبِيْ مَالِكٍ الْاَشْعَرِيِّ قَالَ سَمِعْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُوْلُ لَيَكُوْنَنَّ مِنْ اُمَّتِيْ اَقْوَامٌ يَسْتَحِلُّوْنَ الْخَزَّ وَالْحَرِيْرَ وَالْخَمْرَ وَالْمَعَازِفَ وَلَيَنْزِلَنَّ اَقْوَامٌ اِلٰى جَنْبِ عَلَمٍ يَرُوْحُ عَلَيْهِمْ بِسَارِحَةٍ لَهُمْ يَاْتِيْهِمْ رَجُلٌ لِحَاجَةٍ فَيَقُوْلُوْنَ ارْجِعْ اِلَيْنَا غَدًا فَيُبَيِّتُهُمُ اللّٰهُ وَيَضَعُ الْعَلَمَ وَيَمْسَخُ اٰخَرِيْنَ قِرَدَةً وَّخَنَازِيْرَ اِلٰى يَوْمِ الْقِيٰمَةِ۔ (رواہ البخاری)

ابو عامر رضی اللہ تعالیٰ عنہ اور ابو مالک اشعری رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ ہم نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ فرماتے خود سنا ہے کہ میری امت میں کچھ لوگ ضرور ایسے آئیں گے جو زنا کو اور شراب ریشم کے کپڑوں اور شراب اور باجوں کو حلال بنا کر رہیں گے اور یہ بھی ہوگا کہ ایک پہاڑ کے دامن میں ایک قافلہ آ کر اترے گا جب شام کو ان کے مویشی ان کے پاس آئیں گے تو ایک شخص اپنی حاجت سے کر ان کے پاس آئے گا وہ جواب دے دیں گے کہ تم کل آنا۔ اللہ تعالیٰ رات ہی میں ان پر عذاب نازل فرمائے گا پہاڑ ان پر گر پڑے گا اور کچھ لوگوں کو ہمیشہ کے لیے بندروں اور سوروں کی شکل میں مسخ کر دے گا۔ (بخاری)

عَنْ عَمْرِو بْنِ عَوْفٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّى اللّٰہُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِنَّ الدِّيْنَ لَيَأْرِزُ إِلَى الْحِجَازِ كَمَا تَأْرِزُ الْحَيَّةُ إِلَى جُحْرِهَا وَلَيَعْقِلَنَّ الدِّيْنُ مِنَ الْحِجَازِ مَعْقِلَ الْأُرْوِيَّةِ مِنْ رَأْسِ الْجَبَلِ إِنَّ الدِّيْنَ بَدَأَ غَرِيْبًا وَسَيَعُوْدُ كَمَا بَدَأَ فَطُوْبٰى لِلْغُرَبَاءِ وَهُمُ الَّذِيْنَ يُصْلِحُوْنَ مَا أَفْسَدَ النَّاسُ مِنْ بَعْدِيْ مِنْ سُنَّتِيْ. (رواہ الترمذی)

عمرو بن عوف رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ آخر زمانے میں دین تمام اطراف سے سکڑ کر حجاز کی طرف اس طرح لوٹ آئے گا جیسا کہ سانپ دور دور جا کر پھر اپنے ہی سوراخ کی طرف لوٹ آتا ہے اور آخر میں دین حجاز میں آ کر اس طرح پناہ لے گا جیسا کہ پہاڑی بکری پہاڑ کی چوٹی پر جا کر پناہ لیتی ہے۔ بے شبہ جب اسلام دنیا میں آیا تھا تو وہ ایک پردیسی شخص کی طرح بے حیثیت کا تھا اور آخر میں پھر اسی طرح پردیسی بن جائے گا تو مبارک ہو ان کو جو دین کی خاطر اپنے وطن میں بھی پردیسی کی طرح بن جائیں۔ یہ لوگ وہ ہیں جو اصلاح کریں گے میری سنت کی ان باتوں کی جو بعض لوگوں نے میرے بعد آ کر خراب کر دی ہوں گی۔ (ترمذی شریف)

عَنْ أَبِيْ مُوْسٰى قَالَ بَيْنَا رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّى اللّٰہُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فِيْ حَائِطٍ مِنْ حَوَائِطِ الْمَدِيْنَةِ وَهُوَ مُتَّكِئٌ يَرْكُزُ بِعُوْدٍ مَعَهُ بَيْنَ الْمَاءِ وَالطِّيْنِ إِذَا اسْتَفْتَحَ رَجُلٌ فَقَالَ افْتَحْ وَبَشِّرْهُ بِالْجَنَّةِ فَإِذَا هُوَ أَبُوْ بَكْرٍ فَفَتَحْتُ لَهُ وَبَشَّرْتُهُ بِالْجَنَّةِ ثُمَّ اسْتَفْتَحَ رَجُلٌ آخَرُ فَقَالَ افْتَحْ لَهُ وَبَشِّرْهُ بِالْجَنَّةِ فَفَتَحْتُ فَإِذَا هُوَ عُمَرُ فَفَتَحْتُ لَهُ وَبَشَّرْتُهُ ثُمَّ اسْتَفْتَحَ رَجُلٌ آخَرُ فَقَالَ افْتَحْ لَهُ وَبَشِّرْهُ بِالْجَنَّةِ عَلٰى بَلْوٰى تُصِيْبُهُ فَفَتَحْتُ فَإِذَا هُوَ عُثْمَانُ فَفَتَحْتُ وَبَشَّرْتُهُ بِالْجَنَّةِ وَقُلْتُ لَهُ الَّذِيْ قَالَ فَقَالَ اللّٰهُمَّ صَبْرًا وَاللّٰہُ الْمُسْتَعَانُ. (رواہ الشیخان)

ابو موسیٰ رضی اللہ تعالیٰ عنہ بیان فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مدینہ کے ایک باغ میں رونق افروز تھے اور اس وقت آپ صلی اللہ علیہ وسلم ایک تر زمین میں ایک لکڑی کا سہارا لیے ہوئے تھے کہ دفعۃً کسی شخص نے دروازے پر دستک دی۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا دروازہ کھولو اور اس کو جنت کی بشارت دیدو۔ دیکھا تو وہ ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ تھے۔ میں نے فوراً دروازہ کھولا اور ان کو جنت کی بشارت دیدی۔ اس کے بعد پھر کسی نے دروازہ کھلوانا چاہا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا دروازہ کھول دو اور ان کو بھی جنت کی بشارت دیدو میں گیا دیکھتا ہوں کہ وہ عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ تھے۔ میں نے ان کے لیے بھی دروازہ کھولا اور ان کو بھی جنت کی بشارت دیدی۔ اس کے بعد پھر ایک شخص نے دروازہ کھلوایا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا دروازہ کھول دو اور اللہ تعالیٰ کی جانب سے پہنچنے والی آزمائش پر ان کو بھی جنت کی بشارت دیدو میں نے دیکھا تو وہ عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ تھے۔ میں نے

اور ان کو بھی جنت کی بشارت سنادی اور ان سے وہ بات بھی کہہ دی جو ان کے حق میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمائی۔ انہوں نے فورا یہ دعا فرمائی! الہی! اس پر صبر کی توفیق عطا فرما اور اللہ ہی کی ذات پاک وہ ہے جس سے ہر معاملہ میں مدد طلب کی جاتی ہے۔

تشریح: ایک جگہ خود راوی کا بیان ہے کہ یہ نشست اس طرح پر تھی کہ میں نے اسی سے ان کی قبروں کا اندازہ کرلیا تھا یعنی عثمان غنی رضی اللہ تعالیٰ عنہ جہاں بیٹھے تھے وہ ایک جگہ ان حضرات سے ایک جانب میں بیٹھے تھے۔ حضرت شاہ ولی اللہ رحمۃ اللہ علیہ نے اس کی تفصیل کرتے ہوئے لکھا کہ بعض بیداری کے واقعات بھی خواب کی طرح تعبیر طلب ہوتے ہیں پھر اس واقعہ کی بھی تعبیر تحریر فرمائی ہے۔ بعض ناسمجھوں کو اس سے کچھ غلط فہمی پیدا ہوگئی ہے۔

عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ قَالَ قَالَ لِيَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَمَّا رَأَيْتُ جِبْرَئِيْلَ لَمْ يَرَهُ خَلْقٌ اِلَّا عَمِيَ اِلَّا اَنْ يَّكُوْنَ نَبِيًّا وَلٰكِنْ اَنْ يُّجْعَلَ ذٰلِكَ فِيْ اٰخِرِ عُمُرِهٖ۔ (رواہ الحاکم کذا فی الدر المنثور)

ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ بیان فرماتے ہیں کہ میں نے جبرئیل علیہ السلام کو کسی اپنی خاص صورت میں دیکھ پایا تو اس پر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ ان کی زیارت جس شخص کو بھی ہو وہ آخرکار نابینا ہو جاتا ہے مگر صرف ایک نبی اس سے مستثنیٰ ہے لیکن آخر عمر میں ہوتا ہے فورا نہیں۔ ایک روایت میں ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا یہ بیان اور ہے کہ میں ان کو گاہ بگاہ اس طرح دیکھ لیتا تھا جیسے کوئی شخص اپنے پاس والے شخص کو کسی پردہ پر پرچھائیں کی طرح دیکھ لیتا ہے یعنی بالکل آمنے سامنے صاف دیدار نہیں ہوتا تھا ورنہ معلوم نہیں کہ عام بشر کی کیا گت بنتی۔ (مستدرک)

تشریح: یہ دیدار روحانی قرب و خصوصیات پہنچی ہے۔ ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ تو ایک عظیم القدر فرشتے کے دیکھنے سے بیداری کی تاب نہ لاسکے اور اپنی آخر عمر میں نابینا ہو گئے پھر دیدار الٰہی کو اس پر قیاس کر لیجئے آخر موسیٰ علیہ السلام جیسے اولوالعزم پیغمبر کو بڑے اشتیاق کے باوجود لن ترانی کا جواب سننا ہی پڑا۔ یہاں ایک جبرئیل علیہ السلام کے حق میں کیوں ارشاد فرمایا گیا۔ یہ بہت تفصیل کا محتاج ہے پھر بھی حقیقت حال کا علم تو اس علام الغیوب کو ہے۔ عالم شہادت کے بسنے والے عالم غیب سے بھلا کیسے آشنا ہوں۔ الا من یشاء

عَنْ عَلِيٍّ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ قَالَ بَعَثَنِيْ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَاَنَا مَرْثَدُ الْغَنَوِيُّ وَالزُّبَيْرُ بْنُ الْعَوَّامِ وَالْمِقْدَادُ وَكُلُّنَا فَارِسٌ فَقَالَ انْطَلِقُوْا حَتّٰى تَاْتُوْا رَوْضَةَ خَاخٍ فَاِنَّ بِهَا امْرَاَةً مِّنَ الْمُسْلِمِيْنَ مَعَهَا كِتَابٌ مِّنْ حَاطِبٍ اِلَى الْمُشْرِكِيْنَ فَاَدْرَكْنَاهَا تَسِيْرُ عَلٰى بَعِيْرٍ لَّهَا حَيْثُ فَقُلْنَا لَهَا اَيْنَ الْكِتَابُ؟ فَقَالَتْ مَا مَعِيْ كِتَابٌ قَالَ فَاَنَخْنَاهَا فَالْتَمَسْنَا الْكِتَابَ فِيْ رَحْلِهَا فَلَمْ نَرَ كِتَابًا فَقَالَ قُلْنَا مَا كَذَبَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَتُخْرِجِنَّ الْكِتَابَ اَوْ لَنُجَرِّدَنَّكِ قَالَ فَلَمَّا رَاَتْ اَنِّيْ اَهْوَيْتُ اِلٰى حُجْزَتِهَا وَهِيَ مُحْتَجِزَةٌ بِكِسَاءٍ اَخْرَجَتِ الْكِتَابَ مِنْ عِقَاصِهَا فَاَخَذْنَا الْكِتَابَ فَاَتَيْنَا بِهٖ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَاِذَا فِيْهِ حَاطِبُ بْنُ اَبِيْ بَلْتَعَةَ اِلٰى نَاسٍ مِّنَ الْمُشْرِكِيْنَ بِمَكَّةَ يُخْبِرُهُمْ بِبَعْضِ اَمْرِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَا حَاطِبُ مَا هٰذَا؟! قَالَ لَا تَعْجَلْ عَلَيَّ اِنِّيْ كُنْتُ امْرَاً مُّلْصَقًا فِيْ قُرَيْشٍ وَلَمْ اَكُنْ مِّنْ اَنْفُسِهَا وَكَانَ

مَنْ كَانَ مَعَكَ مِنَ الْمُهَاجِرِيْنَ لَهُمْ قَرَابَاتٌ يَحْمُوْنَ أَهْلِيْهِمْ بِمَكَّةَ فَأَحْبَبْتُ إِذْ فَاتَنِيْ ذٰلِكَ مِنَ النَّسَبِ فِيْهِمْ أَنْ أَتَّخِذَ يَدًا يَحْمُوْنَ بِهَا قَرَابَتِيْ وَمَا فَعَلْتُ ذٰلِكَ كُفْرًا وَّلَا ارْتِدَادًا عَنْ دِيْنِيْ وَلَا رِضَاءً بِالْكُفْرِ بَعْدَ الْإِسْلَامِ فَقَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِنَّهُ قَدْ صَدَقَكُمْ. فَقَالَ عُمَرُ دَعْنِيْ أَضْرِبْ عُنُقَ هٰذَا الْمُنَافِقِ؟ فَقَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِنَّهُ قَدْ شَهِدَ بَدْرًا وَّمَا يُدْرِيْكَ لَعَلَّ اللّٰهَ قَدِ اطَّلَعَ عَلٰى أَهْلِ بَدْرٍ فَقَالَ اعْمَلُوْا مَا شِئْتُمْ فَقَدْ غَفَرْتُ لَكُمْ. (رواہ الشیخان)

حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ بیان فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھے اور ابومرثد رضی اللہ تعالیٰ عنہ اور زبیر بن العوام اور مقداد رضی اللہ تعالیٰ عنہم ہم سب سواروں کو ایک گرفتاری کے سلسلہ میں بھیجا اور فرمایا جاؤ اور جب مقام روضۂ خاخ پر پہنچو تو وہاں تم کو ایک مسلمان عورت ملے گی اس کے پاس ایک خط ہوگا جو حاطب نے مشرکین مکہ کے نام لکھا ہے ہم چلے۔ آخر ہم نے اس کو پکڑ لیا۔ وہ اونٹ پر سوار اس کو تیز دوڑائے لیے جا رہی تھی اور ہم نے اس سے کہا خط کہاں ہے؟ وہ بولی میرے پاس تو کوئی خط نہیں۔ یہ کہتے ہیں کہ ہم نے اس کا اونٹ بٹھا دیا اور اس کے کجاوہ میں خط تلاش کیا مگر کوئی خط ہماری نظر نہ پڑا ہم نے کہا یہ امر تو یقینی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے خلاف واقع نہیں فرمایا تجھ کو خط نکالنا ہوگا ورنہ تو ہم تجھے ننگا کرتے ہیں وہ ایک کملی پہنے ہوئے تھی جب اس نے دیکھا کہ ہم اس کو ننگا کرنے کے لیے اس کے تہبند کی جگہ کی طرف بڑھا تو اس نے بالوں میں سے خط نکال کر دے دیا ہم نے وہ خط لے لیا اور اس کو لے کر آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ اس کو کھول کر دیکھا تو خلاف توقع حاطب کی جانب سے مشرکین مکہ کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے بعض جنگی رازوں کی اطلاع دی گئی تھی۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے پوچھا کہو حاطب یہ کیا حرکت ہے؟ کہا ذرا میری بات سن لیں اور میرے معاملہ میں جلدی نہ فرمائیں میں خود اہل مکہ سے نہ تھا بلکہ باہر کا آدمی تھا جو ان میں آ کر بس گیا تھا اور یہ جو مہاجرین ہیں ان کی وہاں رشتہ داری تھی جس کے ذریعہ ان کے عزیزوں کی وہاں نگہداشت ہو رہی تھی میں نے سوچا کہ جب میرا ان سے کوئی رشتہ ناطے کا تعلق نہیں تو لاؤ ان پر کوئی احسان ہی کر دوں جس کی رعایت سے وہ میرے خاندان والوں کی بھی حفاظت کریں بس اتنی سی بات ہے ورنہ میں نے یہ حرکت نہ تو کفر کی وجہ سے کی ہے اور نہ اس لیے کہ میں مرتد ہو گیا ہوں یا کفر سے خوش ہوں میرا بیان سن کر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا انہوں نے جو بات تھی وہ سچ سچ کہہ دی ہے عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ غصے میں بولے یا رسول اللہ! (صلی اللہ علیہ وسلم) مجھے اس منافق کا سر تن سے جدا کرنے دیں؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا یہ جنگ بدر میں شریک ہو چکا ہے اور تم کو کیا معلوم ہے کہ شرکائے بدر کے بارے میں اللہ تعالیٰ یہ فرما چکا ہے کہ جو عمل چاہو کرو میں تم سب کو بخش چکا۔ (متفق علیہ)

عَنْ أَبِيْ هُرَيْرَةَ قَالَ نَعٰى رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لِلنَّاسِ النَّجَاشِيَّ فِي الْيَوْمِ الَّذِيْ مَاتَ فِيْهِ فَخَرَجَ إِلَى الْمُصَلّٰى وَكَبَّرَ أَرْبَعَ تَكْبِيْرَاتٍ. وَفِيْ رِوَايَةٍ عَنْ جَابِرٍ قَالَ إِنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ صَلّٰى عَلٰى أَصْحَمَةَ النَّجَاشِيِّ وَفِيْ لَفْظٍ مِنْ رِوَايَةِ أَبِيْ هُرَيْرَةَ قَالَ قَدْ مَاتَ عَبْدُ اللّٰهِ الصَّالِحُ أَصْحَمَةُ فَقُمْنَا وَصَلّٰى عَلَيْهِ وَفِيْ رِوَايَةِ عِمْرَانَ بْنِ حُصَيْنٍ قَالَ إِنَّ أَخَاكُمْ قَدْ مَاتَ فَصَلُّوْا عَلَيْهِ يَعْنِي النَّجَاشِيَّ. (رواہ الشیخان)

ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے نجاشی کے انتقال کی خبر آنے سے پہلے جس دن اس کا انتقال ہوا تھا اسی دن لوگوں کے سامنے بیان فرما دی تھی اس کے بعد آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے باہر تشریف لا کر نماز جنازہ ادا فرمائی اور چار تکبیریں کہیں۔ جابر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی روایت میں ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اصحمہ نجاشی کی نماز جنازہ ادا کی اور ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی ایک روایت میں ہے کہ نجاشی اللہ تعالیٰ کے ایک نیک بندے اصحمہ کی وفات ہوگئی ہے اور اس پر نماز ادا فرمائی اور امامت فرمائی اور عمران بن حصین رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی روایت میں ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تمہارا ایک اسلامی بھائی انتقال کر گیا ہے۔ پس اس پر نماز جنازہ پڑھو۔

عَنْ زَيْدِ بْنِ اَرْقَمَ اَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ دَخَلَ عَلٰى زَيْدٍ يَعُوْدُهٗ مِنْ مَرَضٍ كَانَ بِهٖ قَالَ لَيْسَ عَلَيْكَ مِنْ مَرَضِكَ بَأْسٌ وَلٰكِنْ كَيْفَ لَكَ اِذَا عُمِّرْتَ بَعْدِيْ فَعَمِيْتَ قَالَ اَحْتَسِبُ وَاَصْبِرُ قَالَ اِذًا تَدْخُلُ الْجَنَّةَ بِغَيْرِ حِسَابٍ قَالَتْ (اُنَيْسَةُ بنت زيد) فَعَمِيَ بَعْدَ مَا مَاتَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ ثُمَّ رَدَّ اللّٰهُ عَلَيْهِ بَصَرَهٗ ثُمَّ مَاتَ۔ (رواه البيهقي في دلائل النبوة)

حضرت زید بن ارقم رضی اللہ تعالیٰ عنہ کہتے ہیں کہ حضرت زید رضی اللہ تعالیٰ عنہ بیمار تھے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ان کی بیمار پرسی کو تشریف لائے اور فرمایا اس بیماری سے تو تمہیں کوئی اندیشہ نہیں لیکن یہ بتاؤ کہ جب تم میرے بعد طویل عمر پاؤ گے اور نابینا ہو جاؤ گے تو تمہارا کیا حال ہوگا؟ انہوں نے عرض کیا کہ میں صبر کروں گا اور طلب ثواب کی نیت اور توقع رکھوں گا تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا تب تو پھر تم جنت میں بغیر حساب کتاب کے پہنچ جاؤ گے۔ انیسہ بنت زید رضی اللہ تعالیٰ عنہا کہتی ہیں کہ واقعی وہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی رحلت کے بعد نابینا ہو گئے پھر اللہ تعالیٰ نے ان کی بینائی لوٹا بھی دی کہ بینا ہو گئے اس کے بعد ان کا انتقال ہوا۔ (بیہقی)

عَنْ اَنَسِ بْنِ مَالِكٍ قَالَ كَانَ رَجُلٌ نَصْرَانِيٌّ فَاَسْلَمَ وَقَرَأَ الْبَقَرَةَ وَاٰلَ عِمْرَانَ وَكَانَ يَكْتُبُ لِلنَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَعَادَ نَصْرَانِيًّا فَكَانَ يَقُوْلُ مَا يَدْرِيْ مُحَمَّدٌ اِلَّا مَا كَتَبْتُ لَهٗ فَقَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَللّٰهُمَّ اجْعَلْهُ اٰيَةً فَاَمَاتَهُ اللّٰهُ فَاَصْبَحَ وَقَدْ لَفَظَتْهُ الْاَرْضُ فَقَالُوْا هٰذَا فِعْلُ مُحَمَّدٍ وَاَصْحَابِهٖ لَمَّا هَرَبَ مِنْهُمْ نَبَشُوْا عَنْ صَاحِبِنَا فَاَلْقَوْهُ فَحَفَرُوْا لَهٗ فَاَعْمَقُوْا مَا اسْتَطَاعُوْا فَاَصْبَحَ وَقَدْ لَفَظَتْهُ الْاَرْضُ فَقَالُوْا مِثْلَ الْاَوَّلِ فَحَفَرُوْا لَهٗ وَاَعْمَقُوْا فَلَفَظَتْهُ الثَّالِثَةَ فَعَلِمُوْا اَنَّهٗ لَيْسَ مِنْ عَمَلِ النَّاسِ فَتَرَكُوْهُ مَنْبُوْذًا۔ (رواه مسلم)

حضرت انس بن مالک رضی اللہ تعالیٰ عنہ کہتے ہیں کہ ایک عیسائی ایمان لایا اور مسلمان ہوا اور اس نے سورۂ بقرہ اور آل عمران پڑھی وہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا کاتب ہو گیا تھا مگر پھر عیسائی بن گیا وہ کہنے لگا تھا کہ محمد کو (صلی اللہ علیہ وسلم) انہی باتوں کا علم ہوتا ہے جو میں ان کے لیے لکھ دیا کرتا ہوں تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے بددعا فرمائی۔ اے اللہ! اس کو ایسی سزا دیجئے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی قدرت کی نشانی بن جائے۔ اللہ تعالیٰ نے اسے موت دی پھر اس کا یہ حال ہو گیا کہ اس کی لاش زمین نے باہر پھینک دی۔ ان لوگوں نے دیکھ کر کہا کہ ہو نہ ہو یہ محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) اور ان کے ساتھیوں کا ہے جب وہ ان کے گروہ سے الگ ہو گیا تو انہوں نے اس کی قبر کھود ڈالی اور اس کی لاش باہر ڈال دی۔ عیسائیوں نے پھر اس کی قبر کھودی اور جتنی گہری کھود سکتے تھے اتنی گہری کھودی پھر صبح کو دیکھا تو زمین

نے اس کی نعش باہر پھینک دی تھی۔ پھر عیسائیوں نے پہلے کی طرح الزام دیا پھر اس کے لیے تیسری بار قبر کھودی اور خوب گہری کھودی پھر بھی زمین نے اس کی لاش اگل دی۔ تب وہ سمجھے کہ یہ کام آدمیوں کا نہیں ہو سکتا تو اسے یونہی باہر پڑا چھوڑ دیا۔ (بخاری مسلم)

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا بے مثال حلم و درگزر

عَنِ ابْنِ شِهَابٍ قِصَّةُ الصَّحِيفَةِ وَرَوَاهَا عُرْوَةُ ابْنُ الزُّبَيْرِ وَمُحَمَّدُ بْنُ إِسْحَاقَ بِمَعْنَاهُ قَالَ ثُمَّ إِنَّ الْمُشْرِكِينَ اشْتَدُّوا عَلَى رَسُولِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كَأَشَدِّ مَا كَانُوا حَتَّى بَلَغَ الْمُسْلِمِينَ الْجَهْدُ وَاشْتَدَّ عَلَيْهِمُ الْبَلَاءُ وَاجْتَمَعَتْ قُرَيْشٌ فِي مَكْرِهَا أَنْ يَقْتُلُوا رَسُولَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَلَانِيَةً فَلَمَّا رَأَى أَبُو طَالِبٍ عَمَلَ الْقَوْمِ جَمَعَ بَنِي عَبْدِ الْمُطَّلِبِ وَأَمَرَهُمْ أَنْ يُدْخِلُوا رَسُولَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ شِعْبَهُمْ وَيَمْنَعُوهُ مِمَّنْ أَرَادَ قَتْلَهُ فَاجْتَمَعُوا عَلَى ذٰلِكَ مُسْلِمُهُمْ وَكَافِرُهُمْ فَمِنْهُمْ مَنْ فَعَلَهُ حَمِيَّةً وَمِنْهُمْ مَنْ فَعَلَهُ إِيمَانًا وَيَقِينًا. فَلَمَّا عَرَفَتْ قُرَيْشٌ أَنَّ الْقَوْمَ قَدْ مَنَعُوا الرَّسُولَ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَاجْتَمَعُوا عَلَى ذٰلِكَ اجْتَمَعَ الْمُشْرِكُونَ مِنْ قُرَيْشٍ فَأَجْمَعُوا أَمْرَهُمْ أَنْ لَا يُجَالِسُوهُمْ وَلَا يُبَايِعُوهُمْ وَلَا يَدْخُلُوا بُيُوتَهُمْ حَتَّى يُسْلِمُوا رَسُولَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لِلْقَتْلِ وَكَتَبُوا فِي مَكْرِهِمْ صَحِيفَةً وَعُهُودًا وَمَوَاثِيقَ لَا يَقْبَلُوا مِنْ بَنِي هَاشِمٍ أَبَدًا صُلْحًا وَلَا تَأْخُذُهُمْ بِهِمْ رَأْفَةٌ حَتَّى يُسْلِمُوهُ لِلْقَتْلِ فَلَبِثَ بَنُو هَاشِمٍ فِي شِعْبِهِمْ ثَلَاثَ سِنِينَ وَاشْتَدَّ عَلَيْهِمُ الْبَلَاءُ وَالْجَهْدُ وَقَطَعُوا عَنْهُمُ الْأَسْوَاقَ فَلَمْ يَتْرُكُوا طَعَامًا يَقْدَمُ مَكَّةَ وَلَا بَيْعًا إِلَّا بَادَرُوهُمْ إِلَيْهِ فَاشْتَرَوْهُ يُرِيدُونَ بِذٰلِكَ أَنْ يُدْرِكُوا سَفْكَ دَمِ رَسُولِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ زَادَ ابْنُ إِسْحَاقَ فِي رِوَايَتِهِ قَالَ حَتَّى كَانَ يُسْمَعُ أَصْوَاتُ صِبْيَانِهِمْ يَتَضَاغَوْنَ مِنْ وَرَاءِ الشِّعْبِ مِنَ الْجُوعِ وَعَدَوْا عَلَى مَنْ أَسْلَمَ فَأَوْثَقُوهُمْ وَآذَوْهُمْ وَاشْتَدَّ الْبَلَاءُ عَلَيْهِمْ وَعَظُمَتِ الْفِتْنَةُ وَزُلْزِلُوا زِلْزَالًا شَدِيدًا. ثُمَّ قَالَ مُوسَى بْنُ عُقْبَةَ فِي تَمَامِ حَدِيثِهِ وَكَانَ أَبُو طَالِبٍ إِذَا أَخَذَ النَّاسُ مَضَاجِعَهُمْ أَمَرَ رَسُولَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَاضْطَجَعَ عَلَى فِرَاشِهِ حَتَّى رَأَى ذٰلِكَ مَنْ أَرَادَ مَكْرًا بِهِ وَاغْتِيَالًا لَهُ فَإِذَا نَوَّمَ النَّاسَ أَمَرَ أَحَدَ بَنِيهِ أَوْ إِخْوَتِهِ أَوْ بَنِي عَمِّهِ فَاضْطَجَعَ عَلَى فِرَاشِ رَسُولِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَأَنْ يَأْتِيَ بَعْضَ فُرُشِهِمْ فَيَنَامَ عَلَيْهِ فَلَمَّا كَانَ رَأْسُ ثَلَاثِ سِنِينَ تَلَاوَمَ رِجَالٌ مِنْ بَنِي عَبْدِ مَنَافٍ وَمِنْ بَنِي قُصَيٍّ وَرِجَالٌ سِوَاهُمْ مِنْ قُرَيْشٍ قَدْ وَلَدَتْهُمْ نِسَاءٌ مِنْ بَنِي هَاشِمٍ وَرَأَوْا أَنَّهُمْ قَطَعُوا الرَّحِمَ وَاسْتَخَفُّوا بِالْحَقِّ وَاجْتَمَعَ أَمْرُهُمْ مِنْ لَيْلَتِهِمْ عَلَى نَقْضِ مَا تَعَاهَدُوا عَلَيْهِ مِنَ الْغَدْرِ وَالْبَرَاءَةِ مِنْهُ وَبَعَثَ اللّٰهُ عَزَّ وَجَلَّ عَلَى صَحِيفَتِهِمُ الَّتِي فِيهَا الْمَكْرُ بِرَسُولِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ الْأَرَضَةَ فَلَحَسَتْ كُلَّ مَا كَانَ فِيهَا مِنْ عَهْدٍ وَمِيثَاقٍ. وَيُقَالُ كَانَتْ مُعَلَّقَةً فِي سَقْفِ الْبَيْتِ فَلَمْ تَتْرُكِ اسْمًا لِلّٰهِ عَزَّ وَجَلَّ فِيهَا إِلَّا لَحَسَتْهُ وَبَقِيَ مَا فِيهَا مِنْ

شرك أو ظلم أو قطيعة رحم، وأطلع الله رسوله على الذي صنع بصحيفتهم، فذكر ذلك رسول الله صلى الله عليه وسلم لأبي طالب، فقال أبو طالب: لا والثواقب ما كذبني، فانطلق يمشي بعصابة من بني عبد المطلب حتى أتى المسجد وهو حافل من قريش، فلما رأوهم عامدين بجماعتهم أنكروا ذلك، وظنوا أنهم خرجوا من شدة البلاء، فأتوهم ليعطوهم رسول الله صلى الله عليه وسلم، فتكلم أبو طالب فقال: قد حدثت أمور بينكم لم نذكرها لكم، فأتوا بصحيفتكم التي تعاهدتم عليها، فلعله أن يكون بيننا وبينكم صلح، وإنما قال ذلك خشية أن ينظروا في الصحيفة قبل أن يأتوا بها، فأتوا بصحيفتهم معجبين بها لا يشكون أن الرسول مدفوع إليهم، فوضعوها بينهم وقالوا: قد آن لكم أن تقبلوا وترجعوا إلى أمر يجمع قومكم، فإنما قطع بيننا وبينكم رجل واحد جعلتموه خطر الهلكة لقومكم وعشيرتكم وفساد بينكم، فقال أبو طالب: إنما أتيتكم لأعطيكم أمرا فيه نصف، إن ابن أخي أخبرني ولم يكذبني أن الله عز وجل بريء من هذه الصحيفة التي في أيديكم، ومحا كل اسم هو له فيها، وترك فيها غدركم وقطيعتكم إيانا وتظاهركم علينا بالظلم، فإن كان الحديث الذي قال ابن أخي كما قال فأفيقوا، فوالله لا نسلمه أبدا حتى نموت من عند آخرنا، وإن كان الذي قال باطلا دفعناه إليكم فقتلتموه أو استحييتموه، قالوا: قد رضينا بالذي تقول، ففتحوا الصحيفة فوجدوا الصادق المصدوق صلى الله عليه وسلم قد أخبر خبرها، فلما رأتها قريش كالذي قال أبو طالب قالوا: والله إن كان هذا إلا سحر من صاحبكم، فارتكسوا وعادوا بشر ما كانوا عليه من كفرهم والشدة على رسول الله صلى الله عليه وسلم والمسلمين وعلى رهطه والقيام بما تعاهدوا عليه، فقال أولئك النفر من بني عبد المطلب: إن أولى بالسحر والكذب غيرنا، فكيف ترون فإنا نعلم أن الذي اجتمعتم عليه من قطيعتنا أقرب إلى الجبت والسحر من أمرنا، ولولا أنكم اجتمعتم على السحر لم تفسد صحيفتكم وهي في أيديكم، طمس الله ما كان فيها من اسم وما كان فيها من بغي تركه، أفنحن السحرة أم أنتم؟ فقال عند ذلك النفر من بني عبد مناف وبني قصي ورجال من قريش ولدتهم نساء بني هاشم، منهم أبو البختري والمطعم بن عدي وزهير بن أبي أمية ابن المغيرة وزمعة بن الأسود وهشام بن عمرو، وكانت الصحيفة عنده وهو من بني عامر بن لؤي، في رجال من أشرافهم ووجوههم: نحن براء مما في هذه الصحيفة، فقال أبو جهل لعنه الله: هذا أمر قضي بليل، وأنشأ أبو طالب يقول الشعر في شأن صحيفتهم ويمدح النفر الذين تبرءوا منها ونقضوا ما كان فيها من عهد ويمتدح النجاشي.

ابن شہاب سے قصہ صحیفہ (یعنی بنو ہاشم کے مقاطعے پر مشرکین قریش کا باہم عہد نامہ) جس کو عروہ بن الزبیر رضی اللہ تعالی

مند نے بیان کیا منقول ہے اور محمد بن اسحاق (مشہور مؤرخ) نے بھی اس کا خلاصہ نقل کیا ہے یہ ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابہ پر مشرکین کی ایذائیں اور سختیاں پہلے سے بھی کہیں زیادہ بڑھ گئی یہاں تک کہ مسلمان سخت تنگی میں مبتلا ہو گئے اور ان پر شدائد و مصائب کے پہاڑ ٹوٹنے لگے۔ اُدھر قریش اس پر متفق ہو گئے کہ آپ کو کسی تدبیر سے کھلم کھلا قتل کر دیں۔ جب ابوطالب نے قوم کا یہ ظلم دیکھا تو انہوں نے بنو عبدالمطلب کو جمع کیا اور ان سے کہا کہ وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو اپنے ٹھکانے میں لیجائیں اور جو شخص بھی آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے قتل کا ارادہ کرے اس کو اس ارادۂ بد سے منع کریں۔ ابو طالب کے اس کہنے پر عبدالمطلب کا سارا قبیلہ کیا مسلمان اور کیا کافر سب کے سب متفق ہو گئے۔ یہ دوسری بات تھی کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی یہ حمایت کسی کی تو صرف حمیت قومی کی بناء پر تھی اور کسی کی ایمان و یقین کی بناء پر۔ اُدھر قریش نے جب یہ دیکھا کہ لوگ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی حفاظت پر متفق ہو چکے ہیں تو مشرکین قریش بنو عبدالمطلب کے مقابلے پر بائیکاٹ کے لیے متفق ہو گئے کہ نہ ان کے ساتھ نشست و برخاست کریں گے اور نہ خرید و فروخت اور نہ ان کے گھروں میں آمد و رفت رکھیں گے یہاں تک کہ وہ قتل کے لیے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو سپرد نہ کر دیں اور اس سلسلے میں انہوں نے ایک عہد نامہ لکھا جس میں یہ ذکر کیا کہ بنو ہاشم سے اس وقت تک ہرگز کوئی صلح نہ کریں گے اور نہ ان پر رحم کھائیں گے جب تک کہ وہ قتل کرنے کے لیے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو ان کے سپرد نہ کر دیں۔ اس کے بعد بنو ہاشم تین سال تک اسی طرح اپنی جگہ محبوس رہے سختیاں اور مصائب کا دور ان پر زیادہ سے زیادہ شدید ہوتا رہا۔ مشرکین قریش نے ان کے لیے بازاروں کی آمد و رفت بند کر دی اور جب باہر سے کھانے کا کوئی سامان مکہ کر مہ آتا تو فوراً لپک کر اس کو خرید لیتے اور مقصد یہ تھا کہ اس ایذا رسانی کی تدبیر سے وہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا خون بہانے میں کسی نہ کسی طرح کامیاب ہو جائیں۔ اس جگہ ابن اسحاق نے اتنا اضافہ اور کیا ہے کہ بنو ہاشم پر بھوک کی شدت کا یہ عالم ہو گیا تھا کہ ان کے بچوں کی آواز بنو ہاشم والی گھاٹی کے باہر سے کانوں میں آتی تھی کہ وہ بھوک سے بلبلا رہے ہیں۔ دوسری طرف جو لوگ مسلمان ہو چکے تھے ان کو باندھ کر ڈال دیا تھا اس پر ان کو طرح طرح کی تکالیف دیتے تھے غرض کہ عظیم آزمائش کا وقت تھا اور مسلمانوں پر گویا قیامت برپا تھی۔ یہاں موسیٰ بن عقبہ اس واقعہ کے تتمہ میں بیان کرتے ہیں کہ جب لوگ اپنے اپنے بستروں پر چلے جاتے تو ابو طالب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے کہتے کہ وہ ان کے بچھونے پر جا لیٹیں یہاں تک کہ جو بدکردار آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے قتل کا ارادہ رکھتا ہو وہ یہ دیکھ لے۔ پھر جب لوگوں کو سلا دیتے تو اپنے کسی بیٹے یا بھائی یا بھتیجے سے کہتے کہ وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے بستر پر جا سوئے جب اس دور پر تیسرا سال ہونے لگا تو بنو عبد مناف اور بنو قصی اور ان کے علاوہ قریش کے اور لوگوں نے جو بنو ہاشم کی اولاد تھے باہم ایک دوسرے کو ملامت کی اور انہوں نے سمجھا کہ انہوں نے باہم رشتہ داری کا تعلق ختم کر کے حق کے خلاف کیا اور قطع رحم کے جرم کے مرتکب ہو گئے اور اسی رات میں ان کا یہ مشورہ ٹھہر گیا کہ

غداری اور بائیکاٹ کے جو منصوبے انہوں نے کا تھور رکھے تھے وہ یک لخت توڑ ڈالیں۔ ادھر جس عہد نامے میں انہوں نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے قتل کے ارادہ بد کا ذکر کیا تھا اس کو قدرت نے دیمک لگا دی اور وہ اس عہد نامے کو چاٹ گئی۔ بیان کیا جاتا ہے کہ وہ عہد نامہ بیت اللہ کی چھت میں لٹکا ہوا تھا۔ دیمک نے اس عہد نامے میں جہاں جہاں بھی اللہ تعالیٰ کا اسم مبارک لکھا ہوا تھا تمام جگہ سے اس کو چاٹ لیا تھا اور جو جو شرک یا ظلم یا قطع رحمی کی باتیں تھیں وہ سب چھوڑ دی تھیں۔ عہد نامہ کا یہ سارا راز اللہ تعالیٰ نے اپنے رسول پر کھول دیا تھا۔ چنانچہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے وہ سب ابو طالب سے ذکر کر دیا۔ ابو طالب نے قسم کھا کر کہا آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھ سے جھوٹ نہیں فرمایا اور بنو عبدالمطلب کی ایک جماعت ساتھ لے کر چل پڑے یہاں تک کہ مسجد میں داخل ہو گئے۔ اس وقت مسجد قریش سے بھری ہوئی تھی جب انہوں نے ابو طالب کو اپنی جماعت کے ساتھ اپنی طرف آتا دیکھا تو ان کو نئی سی بات معلوم ہوئی اور انہوں نے گمان کیا کہ یہ لوگ اب تکالیف سے تنگ آ کر یہاں آئے ہیں تاکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو ہمارے سپرد کر دیں۔ اس پر ابو طالب بولے تمہارے معاملے میں کچھ جدید باتیں ایسی پیش آئی ہیں جو ابھی ہم نے تم کو نہیں بتائیں تو اب وہ عہد نامہ لاؤ جس پر تم نے باہم عہد کیا ہے شاید کہ ہمارے اور تمہارے مابین صلح کی کوئی صورت پیدا ہو جائے۔ انہوں نے یہ مجمل بات اس لیے فرمائی کہ کہیں وہ لوگ صحیفے کے لانے سے پہلے ہی پہلے اس کی دیکھ بھال نہ کر لیں۔ وہ بڑے فخر کے ساتھ اس صحیفے کو لے آئے اور ان کو اس میں کوئی شبہ نہیں تھا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم آج ان کے حوالے کر دیے جائیں گے۔ انہوں نے اس کو لا کر درمیان میں رکھ دیا اور بولے وقت آ گیا کہ تم لوگ ہماری بات قبول کر لو اور اس راہ کی طرف لوٹ آؤ جو تمہاری قوم میں پھر اتفاق پیدا کر دے کیونکہ ہمارے اور تمہارے درمیان صرف ایک ہی شخص پھوٹ کا باعث ہے جس کی خاطر تم نے اپنی قوم اور اپنے قبیلے کی بربادی اور باہمی فساد کا ذریعہ بنا لیا ہے۔ اس پر ابو طالب نے کہا دیکھو میں تمہارے سامنے انصاف کی صرف ایک بات پیش کرنے آیا ہوں میرے بھتیجے نے مجھے بتایا ہے اور یقیناً اس نے مجھ سے جھوٹ نہیں بولا کہ جو صحیفہ تمہارے ہاتھوں میں ہے اللہ تعالیٰ اس سے بیزار ہے اور اس نے جہاں جہاں اپنا نام تھا اس کو ہر ہر جگہ سے مٹا دیا ہے اور تمہاری غداری اور ہمارے ساتھ قطع رحمی اور ہمارے برخلاف ظلم پر تمہارے باہم اتفاق کو باقی رکھا ہے اب اگر حقیقت اسی طرح نکلے جس طرح میرے بھتیجے نے کہی ہے تو ہوش میں آ جاؤ۔ خدا کی قسم! ہم اس وقت تک ان کو ہرگز تمہارے سپرد نہیں کر سکتے جب تک کہ ہمارا بچہ بچہ موت کے گھاٹ نہ اتر جائے اور اگر آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی بات غلط نکلے تو ہم ان کو تمہارے حوالے کر دیں گے پھر خواہ ان کو تم قتل کر دینا یا زندہ رہنے دینا۔ وہ بولے ہم اس فیصلہ پر راضی ہیں۔ اس کے بعد انہوں نے عہد نامہ کھول کر دیکھا تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم جو سب سے سچے تھے جو معاملہ تھا وہ پہلے بتا چکے تھے۔ جب قریش نے دیکھا کہ بات وہی نکلی جو ابو طالب فرما چکے تھے تو کہنے لگے خدا کی قسم! یہ تو تمہارے ساتھی کا جادو معلوم ہوتا ہے اور پھر لوٹ کر اپنے کفر اور آپ

صلی اللہ علیہ وسلم کی اور مسلمانوں کی ایذا رسانی میں اور وہ نے بڑھ گئے اور اپنے پہلے عہد پر اور پہلے سے زیادہ مضبوط ہو گئے۔ بنو عبدالمطلب کی اس جماعت نے کہا کہ جھوٹ بولنے اور جادوگری کے مستحق تو ہم سے پہلے کہیں اور لوگ نہ ہوں۔ یہ بات تمہی ہے کہ ہمارے ساتھ قطع رحمی کے جرم پر تم ہی لوگ متفق ہوئے ہو۔ اب اس بات کو خیال کیا جائے تو کہنا زیادہ مناسب ہے یا اس صلح و آشتی جو ہمارا طرز عمل رہا ہے اگر تم لوگ متفق ہو کر جادو نہ چلاتے تو تمہارا عہد نامہ کبھی دیمک نہ کھاتی۔ اب دیکھتے ہو کہ یہ تمہارے ہی قبضہ میں تھا اور اس کے باوجود اس میں جہاں جہاں اللہ تعالیٰ کا اسم مبارک تھا وہ سب اللہ تعالیٰ نے مٹا دیا ہے اور جس جس جگہ تمہارے ظلم کی باتیں تھیں وہ سب رہنے دی ہیں۔ بولو اب جادو چلانے والے تم ہوئے یا ہم۔ یہ سن کر کچھ لوگ قبیلہ بنو عبد مناف بنو قصی کے اور قریش کے وہ لوگ جو بنو ہاشم کی عورتوں سے پیدا شدہ تھے بولے جن میں ان کے بڑے بڑے مشاہیر شامل تھے جیسے ابو البختری مطعم بن عدی زہیر بن ابی امیہ زمعہ بن الاسود اور ہشام بن عمرو ان ہی کے قبضہ میں یہ عہد نامہ تھا اور یہ جو عامر بن لوی کی اولاد تھے یہ اور دوسرے سربرآوردہ لوگ کہنے لگے کہ ہم سب لوگ اس عہد نامہ سے اپنی علیحدگی کا اظہار کرتے ہیں۔ اس پر ابو جہل بولا اچھا یہ سازش رات میں کی گئی ہے۔ اس عہد نامہ کے بارے میں اور اس جماعت کی شان میں جنہوں نے اس عہد نامہ سے علیحدگی ظاہر کر دی تھی اور اس میں جو عہد مذکور تھا اس کو توڑ دیا تھا۔ ابو طالب نے مدحیہ اشعار بھی کہے ہیں اور نجاشی بادشاہ کے متعلق بھی مدحیہ اشعار کہے ہیں (کیونکہ وہ بھی مسلمانوں کا ہمدرد تھا) موسیٰ ابن عقبہ (صاحب مغازی) بیان کرتے ہیں کہ جب اس عہد نامہ کو اللہ تعالیٰ نے اس طرح محو و اثبات کر کے خراب کر دیا تو اس کے بعد آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اس جگہ سے باہر تشریف لے آئے اور لوگوں کے ساتھ پھر ملنے جلنے لگے۔

تشریح: اس واقعہ کو حافظ ابن تیمیہ رحمۃ اللہ علیہ نے بطور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے ایک معجزہ ہونے کے نصاریٰ کے سامنے رکھا ہے لیکن ہمارے بعض علماء نے اس کو بھی مرسل کہہ کر آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے معجزات میں سے علیحدہ کر دیا ہے۔ معلوم نہیں کہ مرسل کی حیثیت اس عالم کے نزدیک اتنی کمتر کیوں ہے جبکہ مراسیل کا احکام کے باب میں حجت ہونا تسلیم کر لیا گیا ہو۔ بالخصوص حنفیہ کے نزدیک پھر مسلم آئمہ حدیث نے مراسیل پر مستقل تصانیف لکھی ہیں۔ امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ گو مراسیل کے منکر ہیں مگر وہ بھی علی الاطلاق نہیں۔ ان کے ہاں بھی استثناء موجود ہے۔ ہمارے نزدیک امام زہری رحمۃ اللہ علیہ کی جلالت قدر اور متاخرین میں حافظ ابن تیمیہ رحمۃ اللہ علیہ کا اس کو نقل کر دینا اس کے معتبر ہونے کے لیے کافی ضمانت ہے۔ بالخصوص جبکہ دوسرے طرق سے بھی یہ واقعہ ثابت ہے۔ ابن لہیعہ کو گو ضعیف کہا گیا ہے مگر ان کے بارے میں اختلاف آراء کے علاوہ ان پر بجز ضعف کے ان کا بیان ساقط الاعتبار ہو قابل تسلیم نہیں۔

چلئے اگر اس ایک واقعہ کو حدیث کہنے میں کوئی تامل ہو تو بہت سی احکام کی حدیثوں میں بھی ان پر حدیث کا حکم لگانا مشکل ہوگا حالانکہ محدثین نے ان کو بالاتفاق اپنی مصنفات میں صرف ذکر ہی نہیں کیا بلکہ اپنا اعتبار بھی بڑھا لیا ہے اسی لیے حافظ ابن تیمیہ رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی خشک مزاجی کے باوجود اس کے دلائل نبوت ہونے میں ادنیٰ سے تامل کیے بغیر دنیا کے سامنے اس کو پیش کر دیا ہے

اور ان ہی کے تجربہ میں اس کو اسلامی تاریخ کے عجائبات میں شمار کرنے میں کوئی تامل نہیں کیا جبکہ اس ایک واقعہ کو الگ رکھ کر بھی ہمارے پاس آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے بیشمار دلائل نبوت جو زبردست دشمنوں کے واسطے بھی قابل انکار نہیں موجود ہیں تو ان کی انباء کے درمیان اس کو تحریر کر دینے میں ہمارا قلم کیوں جھجکے۔

عَنْ اَبِیْ اُمَامَۃَ قَالَ اِنَّ فَتًی شَابًّا اَتَی النَّبِیَّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ فَقَالَ یَا رَسُوْلَ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ اِئْذَنْ لِیْ بِالزِّنَاءِ فَاَقْبَلَ الْقَوْمُ عَلَیْہِ فَزَجَرُوْہُ وَقَالُوْا مَہْ مَہْ فَقَالَ اُدْنُہْ فَدَنَا مِنْہُ قَرِیْبًا قَالَ فَجَلَسَ قَالَ اَتُحِبُّہٗ لِاُمِّکَ؟ قَالَ لَا وَاللّٰہِ جَعَلَنِیَ اللّٰہُ فِدَاءَکَ قَالَ وَلَا النَّاسُ یُحِبُّوْنَہٗ لِاُمَّھَاتِھِمْ قَالَ اَفَتُحِبُّہٗ لِابْنَتِکَ؟ قَالَ لَا وَاللّٰہِ یَا رَسُوْلَ اللّٰہِ جَعَلَنِیَ اللّٰہُ فِدَاءَکَ قَالَ وَلَا النَّاسُ یُحِبُّوْنَہٗ لِبَنَاتِھِمْ قَالَ اَفَتُحِبُّہٗ لِاُخْتِکَ؟ قَالَ لَا وَاللّٰہِ جَعَلَنِیَ اللّٰہُ فِدَاءَکَ قَالَ وَلَا النَّاسُ یُحِبُّوْنَہٗ لِاَخَوَاتِھِمْ قَالَ اَفَتُحِبُّہٗ لِعَمَّتِکَ؟ قَالَ لَا وَاللّٰہِ جَعَلَنِیَ اللّٰہُ فِدَاءَکَ قَالَ وَلَا النَّاسُ یُحِبُّوْنَہٗ لِعَمَّاتِھِمْ قَالَ اَفَتُحِبُّہٗ لِخَالَتِکَ؟ قَالَ لَا وَاللّٰہِ جَعَلَنِیَ اللّٰہُ فِدَاءَکَ قَالَ وَلَا النَّاسُ یُحِبُّوْنَہٗ لِخَالَاتِھِمْ قَالَ فَوَضَعَ یَدَہٗ عَلَیْہِ وَقَالَ اَللّٰھُمَّ اغْفِرْ ذَنْبَہٗ وَطَھِّرْ قَلْبَہٗ وَحَصِّنْ فَرْجَہٗ فَلَمْ یَکُنْ بَعْدَ ذٰلِکَ الْفَتٰی یَلْتَفِتُ اِلٰی شَیْءٍ۔ (رواہ الامام احمد فی مسندہ)

ابو امامہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کہتے ہیں کہ ایک نوجوان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا اور کہنے لگا یا رسول اللہ! (صلی اللہ علیہ وسلم) مجھ کو زنا کرنے کی اجازت دے دیجئے اس نازیبا سوال پر صحابہ کرام رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین نے چاروں طرف سے اس کو ڈانٹ پھٹکار شروع کردی اور خاموش خاموش کا شور مچ گیا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس سے فرمایا ذرا قریب آجاؤ وہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے قریب آکر بیٹھ گیا اس کے بعد آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس سے فرمایا کیا تو اپنی ماں کے ساتھ یہ فعل گوارا کرے گا؟ اس نے کہا آپ پر قربان جاؤں بخدا ہرگز نہیں آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہا اچھا تو پھر اور لوگ اس کو اپنی ماؤں کے حق میں یہ کیسے گوارا کرسکتے ہیں اس کے بعد آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کی بیٹی کے متعلق یہی سوال کیا اور اسی طرح بہنوں پھوپھیوں اور خالاؤں اس کے سب محارم کے متعلق یہی سوال کیا اور ہر ایک کے جواب میں وہ یہی کہتا رہا میری جان آپ صلی اللہ علیہ وسلم پر قربان ہرگز نہیں اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم بھی یہی فرماتے رہے کہ جس عورت کے ساتھ بھی تو اس فعل کا ارادہ کرے گا وہ بھی ضرور کسی کی ماں بیٹی بہن پھوپھی یا خالہ ہوگی تو پھر اور لوگ اس کو کیسے گوارا کرسکتے ہیں؟ راوی کہتا ہے اس کے بعد آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنا دست مبارک اس پر رکھا اور یہ دعا کی خداوندا اس کے گناہ بخش دے اور اس کا دل پاکیزہ بنادے اور اس کو پاک دامن بنا دے بس وہ دن تھا کہ پھر وہ نوجوان کسی کی طرف نظر اٹھا کر بھی نہ دیکھتا تھا۔ (مسند احمد)

تشریح: اس کا نام ہے نبوت آپ نے دیکھ لیا کہ ایک طرف کس حکیمانہ انداز میں اس کو نصیحت فرمائی اور دوسری طرف کیسی مستجاب دعا دی۔ اگر آپ صلی اللہ علیہ وسلم صرف دعا پر کفایت فرمالیتے تو یہ معجزہ صرف اس کے حق میں معجزہ ہو کر رہ جاتا مگر اب آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے یہ حکیمانہ کلمات ہر دور کے لیے تاقیامت معجزہ کا اثر دکھاتے رہیں گے۔ دل چاہتا ہے کہ اس مرض میں مبتلا لوگ پورے اعتقاد کے ساتھ نمازوں کے بعد یہی دعا کرکے شفایاب ہوتے رہیں۔

رَوَى الْبُخَارِيُّ فِي قِصَّةِ قَتْلِ حَمْزَةَ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ قَالَ فَلَمَّا رَجَعَ النَّاسُ إِلٰى مَكَّةَ رَجَعْتُ مَعَهُمْ فَأَقَمْتُ بِمَكَّةَ حَتّٰى فَشَا فِيهَا الْإِسْلَامُ ثُمَّ خَرَجْتُ إِلَى الطَّائِفِ فَأَرْسَلُوا إِلٰى رَسُولِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ رُسُلًا فَقِيلَ لِي إِنَّهُ لَا يَهِيجُ الرُّسُلَ قَالَ فَخَرَجْتُ مَعَهُمْ حَتّٰى قَدِمْتُ عَلٰى رَسُولِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَلَمَّا رَآنِي قَالَ أَنْتَ وَحْشِيٌّ قُلْتُ نَعَمْ قَالَ أَنْتَ قَتَلْتَ حَمْزَةَ قُلْتُ قَدْ كَانَ مِنَ الْأَمْرِ مَا بَلَغَكَ قَالَ فَهَلْ تَسْتَطِيعُ أَنْ تُغَيِّبَ وَجْهَكَ عَنِّي قَالَ فَخَرَجْتُ فَلَمَّا قُبِضَ رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَخَرَجَ مُسَيْلِمَةُ الْكَذَّابُ قُلْتُ لَأَخْرُجَنَّ إِلٰى مُسَيْلِمَةَ لَعَلِّي أَقْتُلُهُ فَأُكَافِئَ بِهِ حَمْزَةَ فَرَمَيْتُهُ بِحَرْبَتِي فَأَضَعُهَا بَيْنَ ثَدْيَيْهِ حَتّٰى خَرَجَتْ مِنْ بَيْنِ كَتِفَيْهِ الخ (رواہ البخاری ص ۵۸۳/۲)

امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ سید الشہداء حضرت حمزہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے واقعہ قتل میں وحشی قاتل حمزہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا بیان نقل فرماتے ہیں کہ جب سب لوگ مکہ کی طرف لوٹے تو میں بھی مکہ میں مقیم ہو گیا یہاں تک کہ (فتح مکہ کے بعد) اسلام پھیل گیا پھر میں طائف کی جانب نکل کھڑا ہوا تو لوگوں نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف قاصد روانہ کیے اور مجھ سے کسی نے کہا تھا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی عادت مبارکہ یہی تھی کہ کسی قاصد کو پریشان نہ کرتے۔ اتفاق سے ایک جماعت قاصدین کی آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہو رہی تھی اس لیے میں بھی ان ہی کے ساتھ جا شامل ہوا۔ یہاں تک کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہو گیا جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھ کو بھی دیکھا تو فرمایا کیا وہ "وحشی" تو ہی ہے؟ میں نے عرض کی جی ہاں آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کیا اس بے دردی کے ساتھ تو نے ہی ان کو شہید کیا ہے؟ میں نے کہا کہ جو کچھ خبر آپ کو میری جانب سے پہنچی گئی بات تو وہی ہے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اچھا کیا تو اتنی سی بات کر سکتا ہے کہ اپنے چہرے کو میرے سامنے سے ہٹا لے (تاکہ تجھے دیکھ کر میرا غم تازہ نہ ہو اور مجھ کو اپنے پیارے چچا یاد نہ آئیں) یہ بیان کرتے ہیں کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے اس فرمان پر شرمندہ ہو کر باہر چلا گیا اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے نہ ٹھہر سکا جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات ہو گئی تو مسیلمہ کذاب کا فتنہ شروع ہو گیا میں نے دل میں کہا کہ میں بھی اس کے مقابلے کے لیے چلوں اور شاید اس کے قتل میں کامیاب ہو کر (کم از کم روز محشر میں تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو منہ دکھانے کے قابل ہو جاؤں) اور اس عمل سے شاید حمزہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے قتل کی کچھ مکافات کر سکوں۔ چنانچہ میں نے جا کر اس کی طرف اپنا نیزہ پھینکا بس وہ ٹھیک اس کے سینے سے نکل کر اس کے پشت کی جانب سے نکل گیا۔ (بخاری شریف)

تشریح: آخر میں وہ کہا کرتے تھے کہ زمانہ کفر میں اگر ایک بہترین ہستی کو قتل کیا ہے تو اپنے اسلامی دور میں ایک بدترین شخص کو واصل جہنم کیا ہے شاید اس طرح اس عمل شر کا کچھ بدلہ ہو جائے۔

عَنْ أَبِي زَيْدٍ عَمْرِو بْنِ أَخْطَبَ قَالَ صَلّٰى بِنَا رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ الْفَجْرَ ثُمَّ صَعِدَ الْمِنْبَرَ فَخَطَبَنَا حَتّٰى حَضَرَتِ الظُّهْرُ ثُمَّ نَزَلَ فَصَلّٰى بِنَا ثُمَّ صَعِدَ الْمِنْبَرَ فَخَطَبَنَا حَتّٰى حَضَرَتِ الْعَصْرُ ثُمَّ نَزَلَ فَصَلّٰى بِنَا ثُمَّ صَعِدَ الْمِنْبَرَ فَخَطَبَنَا حَتّٰى غَرَبَتِ الشَّمْسُ فَأَخْبَرَنَا بِمَا كَانَ وَبِمَا هُوَ كَائِنٌ فَأَحْفَظُنَا أَعْلَمُنَا۔ (رواہ مسلم)

ابو زید رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ ایک مرتبہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ہم کو صبح کی نماز پڑھائی۔ اس کے بعد منبر پر تشریف لا کر خطبہ دیا یہاں تک کہ ظہر کا وقت آ گیا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم منبر سے اترے اور ظہر کی نماز پڑھائی۔ ظہر کی نماز سے فارغ ہو کر آپ صلی اللہ علیہ وسلم پھر منبر پر تشریف لائے اور عصر تک پھر تقریر فرمائی۔ اس کے بعد آپ صلی اللہ علیہ وسلم پھر منبر سے اترے اور ہم کو نماز پڑھائی۔ عصر کی نماز سے فارغ ہو کر پھر منبر پر تشریف لائے اور تقریر کا سلسلہ جاری رہا یہاں تک کہ آفتاب غروب ہو گیا۔ اس تقریر میں جو گزشتہ و مستقبل کے واقعات تھے وہ سب ہم کو بتلائے۔ اب ہم میں جس شخص نے ان کو زیادہ یاد رکھا وہ ہم میں بڑا عالم رہا۔ (مسلم شریف)

تشریح: یہاں گزشتہ واقعات سے مراد پیدائش عالم وغیرہ کے واقعات ہیں اور آئندہ واقعات سے مراد فتنوں کے حالات، علامات قیامت اور حشر و نشر وغیرہ کے واقعات ہیں۔ یہ وہی علوم ہیں جن کی تعلیم کے لیے انبیاء علیہم السلام مبعوث ہوتے ہیں۔ کسی حدیث سے یہ ثابت نہیں ہوتا کہ اس خطبہ میں ان علوم کے علاوہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے تمام صحابہ کو صنعت، حرفت، زراعت و تجارت اور عالم کے ذرہ ذرہ کی اطلاع دی تھی۔

عَنْ عَدِيِّ بْنِ حَاتِمٍ قَالَ بَيْنَا أَنَا عِنْدَ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِذْ جَاءَهُ رَجُلٌ فَشَكَا إِلَيْهِ الْفَاقَةَ ثُمَّ أَتَى آخَرُ فَشَكَا إِلَيْهِ قَطْعَ السَّبِيلِ فَقَالَ يَا عَدِيُّ هَلْ رَأَيْتَ الْحِيرَةَ فَقُلْتُ لَمْ أَرَهَا وَقَدْ أُنْبِئْتُ عَنْهَا قَالَ فَإِنْ طَالَتْ بِكَ حَيَاةٌ لَتَرَيَنَّ الظَّعِينَةَ تَرْتَحِلُ مِنَ الْحِيرَةِ حَتَّى تَطُوفَ بِالْكَعْبَةِ لَا تَخَافُ إِلَّا اللّٰهَ قَالَ قُلْتُ فِيمَا بَيْنِي وَبَيْنَ نَفْسِي فَأَيْنَ دُعَّارُ طَيِّئٍ الَّذِينَ سَعَّرُوا الْبِلَادَ وَلَئِنْ طَالَتْ بِكَ حَيَاةٌ لَتُفْتَحَنَّ كُنُوزُ كِسْرَى قُلْتُ كِسْرَى بْنِ هُرْمُزَ قَالَ كِسْرَى بْنِ هُرْمُزَ وَلَئِنْ طَالَتْ بِكَ حَيَاةٌ لَتَرَيَنَّ الرَّجُلَ يُخْرِجُ مِلْءَ كَفِّهِ مِنْ ذَهَبٍ أَوْ فِضَّةٍ يَطْلُبُ مَنْ يَقْبَلُهُ مِنْهُ فَلَا يَجِدُ أَحَدًا يَقْبَلُهُ مِنْهُ وَلَيَلْقَيَنَّ اللّٰهَ أَحَدُكُمْ يَوْمَ يَلْقَاهُ وَلَيْسَ بَيْنَهُ وَبَيْنَهُ تَرْجُمَانٌ يُتَرْجِمُ لَهُ فَلَيَقُولَنَّ لَهُ أَلَمْ أَبْعَثْ إِلَيْكَ رَسُولًا فَيُبَلِّغَكَ فَيَقُولُ بَلَى فَيَقُولُ أَلَمْ أُعْطِكَ مَالًا وَأُفْضِلْ عَلَيْكَ فَيَقُولُ بَلَى فَيَنْظُرُ عَنْ يَمِينِهِ فَلَا يَرَى إِلَّا جَهَنَّمَ وَيَنْظُرُ عَنْ يَسَارِهِ فَلَا يَرَى إِلَّا جَهَنَّمَ قَالَ عَدِيٌّ سَمِعْتُ رَسُولَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُولُ اتَّقُوا النَّارَ وَلَوْ بِشِقِّ تَمْرَةٍ فَمَنْ لَمْ يَجِدْ فَبِكَلِمَةٍ طَيِّبَةٍ قَالَ عَدِيٌّ فَرَأَيْتُ الظَّعِينَةَ تَرْتَحِلُ مِنَ الْحِيرَةِ حَتَّى تَطُوفَ بِالْكَعْبَةِ لَا تَخَافُ إِلَّا اللّٰهَ طَيِّبَةٍ قَالَ عَدِيٌّ فَرَأَيْتُ الظَّعِينَةَ تَرْتَحِلُ مِنَ الْحِيرَةِ حَتَّى تَطُوفَ بِالْكَعْبَةِ وَكُنْتُ فِيمَنِ افْتَتَحَ كُنُوزَ كِسْرَى بْنِ هُرْمُزَ وَلَئِنْ طَالَتْ بِكُمْ حَيَاةٌ لَتَرَوُنَّ مَا قَالَ رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يُخْرِجُ الرَّجُلُ مِلْءَ كَفِّهِ. (رواه البخاري)

عدی بن حاتم رضی اللہ تعالیٰ عنہ روایت فرماتے ہیں کہ میں ایک مرتبہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر تھا کہ دفعۃً ایک شخص آیا اور اس نے اپنی تنگدستی کی شکایت کی۔ اس کے بعد پھر دوسرا آیا اور اس نے راستوں کے غیر مامون ہونے کی شکایت کی۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا عدی! تم نے مقام حیرہ دیکھا ہے؟ میں نے عرض کی دیکھا تو نہیں البتہ اس کے

حالات مجھ کو ضرور معلوم ہیں۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اگر تم کچھ دن زندہ رہے تو دیکھو گے کہ ایک شریف عورت مقام حیرۃ سے روانہ ہوگی یہاں تک کہ مکہ مکرمہ آ کر کعبہ کا طواف کرے گی اور سوائے ایک اللہ تعالیٰ کے اس کے دل میں کسی کا ذرہ برابر خوف نہ ہوگا۔ عدی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کہتے ہیں میں نے اپنے دل میں کہا کہ قبیلہ طئی کے ڈاکو جنھوں نے شہروں میں لوٹ کے آگ لگا رکھی ہے بھلا یہ کہاں چلے جائیں گے۔ اس کے بعد آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اگر تمہاری زندگی اور دراز ہوئی تو تم شاہ کسریٰ کے خزانے بھی فتح کر لو گے۔ میں نے ازراہ تعجب پوچھا کیا اس کسریٰ بن ہرمز بادشاہ کے؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہاں اسی کسریٰ بن ہرمز کے۔ پھر فرمایا اگر تم نے کچھ اور عمر پائی تو تم دولت کا وہ دور بھی دیکھو گے کہ ایک شخص مٹھی بھر کر سونا یا چاندی اس نیت سے لے کر نکلے گا کہ کوئی اس کو قبول کرلے مگر اس کا قبول کرنے والا کوئی نہ ملے گا۔ خوب یاد رکھو کہ قیامت میں تم میں سے ہر شخص کو اللہ تعالیٰ کے سامنے حاضر ہونا ہے جبکہ اس کے اور حق تعالیٰ کے درمیان کوئی دوسرا ترجمانی کرنے والا بھی نہ ہوگا۔ اس سے سوال ہوگا اے بندے بتا کیا میں نے تیرے پاس اپنا رسول نہیں بھیجا تھا جس نے میرے احکام تجھ کو پہنچائے تھے؟ کیا میں نے تجھ کو مال نہیں بخشا تھا اور تجھ پر اپنا فضل نہیں فرمایا تھا وہ عرض کرے گا کیوں نہیں تو نے یہ سب کچھ بخشا تھا اس کے بعد وہ شخص اپنے داہنی جانب دیکھے گا تو اس کو جہنم کے سوا اور کچھ نظر نہ آئے گا پھر بائیں جانب دیکھے گا تو جہنم کے سوا اور کچھ نظر نہ آئے گا۔ عدی کا بیان ہے کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ فرماتے خود سنا ہے "دیکھو دوزخ سے بچو اگرچہ چھوہارہ کا ذرا سا ٹکڑا صدقہ دے کر سہی اور جس کے پاس یہ بھی نہ ہو تو نصیحت کا ایک کلمہ کہہ کر ہی سہی۔ عدی کہتے ہیں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی ان فرمودہ پیشین گوئیوں میں اس کا وہ دور تو میں نے بچشم خود دیکھ لیا کہ مقام حیرۃ سے ایک ہودج نشین عورت سفر کر کے آتی ہے اور کعبہ کا طواف کر کے چلی جاتی ہے اور راستے میں اس کو اللہ تعالیٰ کے سوا اور کسی کا خوف نہیں ہوتا اور کسریٰ بن ہرمز کے خزانے فتح کرنے والوں میں تو میں خود بھی شریک تھا اور اگر تمہاری عمر ہوئی تو جو تیسری بات آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمائی ہے وہ بھی تم لوگ دیکھ کر رہو گے یعنی مال کی وہ کثرت ہوگی کہ آدمی اپنی مٹھی بھر نقد لے کر گھر سے نکلے گا مگر اس کا قبول کرنے والا اس کو کوئی نہ ملے گا۔ (بخاری شریف)

تشریح۔ حافظ ابن تیمیہ تحریر فرماتے ہیں، مال کی اس کثرت کا زمانہ حضرت عمر بن عبدالعزیز کے دور میں گزر چکا ہے۔ (الجواب الصحیح)

عَنْ جَابِرِ بْنِ سَمُرَةَ عَنْ نَافِعِ بْنِ عُتْبَةَ قَالَ كُنَّا مَعَ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فِيْ غَزْوَةٍ فَأَتَى النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَوْمٌ مِنْ قِبَلِ الْمَغْرِبِ عَلَيْهِمْ ثِيَابُ الصُّوْفِ فَوَافَقُوْهُ عِنْدَ أَكَمَةٍ فَإِنَّهُمْ لَقِيَامٌ وَرَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَاعِدٌ. قَالَ فَقَالَتْ لِيْ نَفْسِيْ ائْتِهِمْ فَقُمْ بَيْنَهُمْ وَبَيْنَهُ لَا يَغْتَالُوْنَهُ قَالَ ثُمَّ قُلْتُ لَعَلَّهُ نَجِيٌّ مَعَهُمْ فَأَتَيْتُهُمْ فَقُمْتُ بَيْنَهُمْ وَبَيْنَهُ قَالَ فَحَفِظْتُ مِنْهُ أَرْبَعَ كَلِمَاتٍ أَعُدُّهُنَّ فِيْ يَدِيْ قَالَ تَغْزُوْنَ جَزِيْرَةَ الْعَرَبِ فَيَفْتَحُهَا اللّٰهُ ثُمَّ تَغْزُوْنَ الدَّجَّالَ فَيَفْتَحُهَا اللّٰهُ (رواہ مسلم)

تشریح: حافظ ابن تیمیہ تحریر فرماتے ہیں مال کی اس کثرت کا زمانہ حضرت عمر بن عبدالعزیز کے دور میں گزر چکا ہے۔ (الجواب الصحیح)

جابر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نافع بن عتبہ سے روایت کرتے ہیں کہ ہم ایک جہاد میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ تھے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس مغرب کی سمت کے کچھ لوگ ایسے آئے جو صوف کا لباس پہنے ہوئے تھے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ

وسلم سے ایک ٹیلے کے پاس آ کر ملے۔ یہ لوگ کھڑے تھے اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم تشریف فرما تھے یہ کہتے ہیں کہ میرے دل نے کہا کہ میں ان کے پاس جا کر آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے اور ان کے درمیان کھڑا ہو جاؤں کہیں آپ صلی اللہ علیہ وسلم پر وہ اچانک حملہ نہ کر دیں پھر مجھے یہ خیال آیا شاید آپ ان کے ساتھ کچھ خفیہ باتیں کر رہے ہوں۔ آخر میں چلا ہی گیا اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے اور ان کے درمیان جا کر کھڑا ہو گیا۔ اس وقت آپ کی فرمودہ چار باتیں مجھ کو یاد ہیں جن کو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے میرے ہاتھ میں شمار کر کے بتایا تھا۔ پہلی بات یہ کہ تم جزیرہ عرب میں جہاد کرو گے اور اللہ تعالیٰ اس کو فتح کر دے گا اس کے بعد فارس سے جہاد کرو گے اور اللہ تعالیٰ اس کو بھی فتح کر دے گا۔ اس کے بعد پھر روم سے جہاد کرو گے اور اللہ تعالیٰ اس کو بھی فتح کر دے گا۔ آخر میں دجال سے جنگ کرو گے اور یہاں بھی اللہ تعالیٰ تم کو ہی فتح دے گا۔ (مسلم شریف)

عَنْ عَوْفِ بْنِ مَالِكٍ قَالَ اَتَيْتُ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فِيْ غَزْوَةِ تَبُوْكَ وَهُوَ فِيْ قُبَّةٍ اَدَمٍ فَقَالَ اُعْدُدْ سِتًّا بَيْنَ يَدَيِ السَّاعَةِ مَوْتِيْ ثُمَّ فَتْحُ بَيْتِ الْمَقْدِسِ ثُمَّ مُوْتَانٌ يَأْخُذُ فِيْكُمْ كَقُعَاصِ الْغَنَمِ ثُمَّ اسْتِفَاضَةُ الْمَالِ حَتّٰى يُعْطَى الرَّجُلُ مِائَةَ دِيْنَارٍ فَيَظَلُّ سَاخِطًا ثُمَّ فِتْنَةٌ لَا يَبْقٰى بَيْتٌ مِنَ الْعَرَبِ اِلَّا دَخَلَتْهُ ثُمَّ هُدْنَةٌ تَكُوْنُ بَيْنَكُمْ وَبَيْنَ بَنِي الْاَصْفَرِ فَيَغْدِرُوْنَ فَيَأْتُوْنَكُمْ تَحْتَ ثَمَانِيْنَ غَايَةً تَحْتَ كُلِّ غَايَةٍ اِثْنَا عَشَرَ اَلْفًا. (رواہ البخاری)

عوف بن مالک رضی اللہ تعالیٰ عنہ روایت فرماتے ہیں کہ میں غزوہ تبوک میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا اس وقت آپ صلی اللہ علیہ وسلم ایک چمڑے کے قبہ میں رونق افروز تھے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا قیامت سے پہلے چھ باتیں شمار کر رکھنا سب سے پہلے تو میری وفات اس کے بعد بیت المقدس کا فتح ہونا پھر ایک عام وبا جو بکریوں کے پھوڑے کی طرح سے ظاہر ہوگی اور عام موت کا باعث ہوگی پھر مال کی کثرت اور اتنی کثرت کہ ایک شخص کو سو سو اشرفیاں دی جائیں گی لیکن وہ اس پر بھی ناراض رہے گا اس کے بعد ایک نیا فتنہ ظاہر ہوگا جو عرب کے گھر گھر میں داخل ہو جائے گا پھر روم اور تمہارے درمیان صلح ہوگی اور وہ لوگ غداری کریں گے اور ایسا لشکر جرار لے کر تم سے جنگ کے لیے آئیں گے جس میں اسی (۸۰) دستے ہوں گے اور ہر دستے میں بارہ ہزار لشکری ہوں گے۔ (بخاری شریف)

تشریح: حافظ ابن تیمیہ رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ یہ چند امور گزر چکے ہیں۔ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے زمانے میں بیت المقدس فتح ہو چکا اس کے بعد ان ہی کے زمانے میں طاعون آیا جس میں معاذ بن جبل اور ابو عبیدہ جیسے جلیل القدر صحابہ اور بہت سے اصحاب کا انتقال ہوا اور ٹھیک اسی طرح ظاہر ہوا جیسا آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے بکریوں کی بیماری کے ساتھ تشبیہ دے کر فرمایا تھا۔ یہ اسلام میں پہلا طاعون تھا جو تاریخ میں طاعون عمواس کے نام سے مشہور ہے۔ حضرت عثمان غنی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے زمانے میں ٹھیک اسی طرح مال کی کثرت ظہور پذیر ہوئی حتیٰ کہ ایک گھوڑے کی قیمت اس زمانے میں ایک لاکھ تک ہو گئی۔ اس کے بعد حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی شہادت کا فتنہ ہر گھر میں شروع ہوا اور جنگ جمل اور صفین تک اس کی شاخیں چلیں۔

عَنْ خَبَّابِ بْنِ الْاَرَتِّ قَالَ شَكَوْنَا اِلٰى رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَهُوَ مُتَوَسِّدٌ بُرْدَةً لَهٗ فِيْ ظِلِّ الْكَعْبَةِ وَقَدْ لَقِيْنَا مِنَ الْمُشْرِكِيْنَ شِدَّةً فَقُلْنَا اَلَا تَدْعُو اللّٰهَ لَنَا اَلَا تَسْتَنْصِرُ لَنَا قَالَ فَجَلَسَ

مُحْمَرًّا وَجْهُهُ ثُمَّ قَالَ وَاللّٰهِ إِنْ مَنْ كَانَ قَبْلَكُمْ لَيُؤْخَذُ الرَّجُلُ فَيُمْشَطُ بِأَمْشَاطِ الْحَدِيدِ مَا بَيْنَ لَحْمِهِ وَعَصَبِهِ مَا يَصْرِفُهُ ذٰلِكَ عَنْ دِينِهِ وَيُؤْخَذُ فَيُحْفَرُ لَهُ الْحَفِيرَةُ فَيُوضَعُ الْمِنْشَارُ عَلٰى رَأْسِهِ فَيُشَقُّ بِاثْنَيْنِ مَا يَصْرِفُهُ عَنْ دِينِهِ وَلَيُتِمَّنَّ اللّٰهُ هٰذَا الْأَمْرَ حَتّٰى يَسِيرَ الرَّاكِبُ مِنْ صَنْعَاءَ إِلٰى حَضْرَمَوْتَ لَا يَخْشٰى إِلَّا اللّٰهَ عَزَّ وَجَلَّ أَوِ الذِّئْبَ عَلٰى غَنَمِهِ وَلٰكِنَّكُمْ تَعْجَلُونَ. (رواہ البخاری)

حضرت خباب بن ارت رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے وہ کہتے ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم خانہ کعبہ کے سائے میں اپنی چادر پر تکیہ لگائے بیٹھے تھے ہم نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے ان مصائب کی جو اس زمانے میں ہم مشرکین کی جانب سے جھیل رہے تھے شکایت کی اور کہا آپ ہمارے لیے اللہ تعالیٰ سے دعا نہیں فرماتے؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم ہمارے لیے اللہ تعالیٰ سے مدد طلب نہیں کرتے؟ خباب رضی اللہ تعالیٰ عنہ کہتے ہیں یہ سن کر آپ صلی اللہ علیہ وسلم سیدھے بیٹھ گئے اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا چہرہ مبارک تمتما رہا تھا۔ اس کے بعد آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا خدا کی قسم! تم میں سے پہلی امتوں میں ایسے مصائب بھی ٹوٹے ہیں کہ ایک شخص کو پکڑ کر لوہے کی کنگھیوں سے اس کا گوشت اور پٹھے اتار دیئے جاتے تھے اور یہ بھی اس کو اپنے دین سے روگردانی کا باعث نہ ہوتا تھا اور کسی شخص کے ساتھ یہ بھی کیا جاتا کہ ایک گڑھا کھود کر اس میں اس کو دبایا جاتا پھر اس کے سر پر آرا چلا کر اس کے دو ٹکڑے کر دیئے جاتے لیکن یہ بھی اس کے لیے اپنے دین سے روگردانی کا باعث نہ ہوتا تھا۔ خدا کی قسم اللہ تعالیٰ اس دین کو بلند کرے گا اور ایسا غالب کرے گا کہ ایک سوار شہر صنعاء سے چل کر مقام حضرموت تک سفر کرے گا راستے میں سوائے اللہ کی ذات پاک کے اس کو کسی کا خوف نہ ہوگا حتیٰ کہ ایک بکری کے مالک کو اپنی بکریوں پر بھیڑیئے کا خطرہ بھی نہ رہے گا لیکن تم لوگ بہت جلد بازی کرتے ہو۔ (بخاری)

عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ لَا تَقُومُ السَّاعَةُ حَتّٰى تُقَاتِلُوا التُّرْكَ صِغَارَ الْأَعْيُنِ حُمْرَ الْوُجُوهِ ذُلْفَ الْأُنُوفِ كَأَنَّ وُجُوهَهُمُ الْمَجَانُّ الْمُطْرَقَةُ وَلَا تَقُومُ السَّاعَةُ حَتّٰى تُقَاتِلُوا قَوْمًا نِعَالُهُمُ الشَّعَرُ. (رواہ الشیخان واللفظ للبخاری)

ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کرتے ہیں اس وقت تک قیامت قائم نہ ہوگی جب تک کہ تم ترکوں سے جنگ نہ کر لو گے (اس وقت تک ترک مسلمان نہ ہوئے تھے) جن کی چھوٹی چھوٹی آنکھیں سرخ سرخ چہرے اور چھوٹی چپٹی ناکیں ہوں گی اور ان کے چہرے ایسے پر گوشت جیسا چمڑہ چڑھی ہوئی ڈھال اور قیامت نہیں آئے گی جب تک کہ تم ایسی قوم سے جنگ نہ کر لو گے جن کے چپل بال کے ہوں گے۔ (بخاری)

تشریح: حدیث مذکور جنگ تاتار میں حرف بحرف پوری ہوئی۔ حافظ ابن تیمیہ رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ اگر ان کے دیکھنے والے بھی اس سے زیادہ ان کا نقشہ بیان کرنا چاہیں تو بیان نہیں کر سکتے۔ اس فتنہ کی المناک داستان تقریباً دس ہزار صفحات سے زیادہ میں بکھری پڑی ہے۔

عَنْ عَائِشَةَ قَالَتْ قَالَ رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَسْرَعُكُنَّ بِي لُحُوقًا أَطْوَلُكُنَّ يَدًا قَالَتْ فَكُنَّ

يَتَطَاوَلْنَ أَيَّتُهُنَّ أَطْوَلُ يَدًا فَكَانَتْ أَطْوَلَنَا يَدًا زَيْنَبُ لِأَنَّهَا كَانَتْ تَعْمَلُ بِيَدِهَا وَتَصَدَّقُ. (رواه الشيخان)

حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی بیویوں کو خطاب کرتے ہوئے فرمایا تم سب میں سب سے جلد مجھ سے ملنے والی وہ ہوگی جس کے ہاتھ تم سب میں دراز ہوں۔ اس پر آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی ازواج مطہرات نے اپنے ہاتھوں کی پیمائش شروع کر دی کہ ان میں کس کے ہاتھ دراز ہیں لیکن بعد کو یہ معلوم ہو گیا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی مراد اس سے سخاوت تھی اور سب میں سخی حضرت زینب رضی اللہ تعالیٰ عنہا تھیں کیونکہ وہ اپنی دستکاری سے کماتی تھیں اور راہ خدا میں صدقہ کیا کرتی تھیں۔ (شیخین)

عَنْ أَبِي بَرْزَةَ قَالَ كَانَ لِلنَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ تِسْعُ نِسْوَةٍ فَقَالَ يَوْمًا خَيْرُكُنَّ أَطْوَلُكُنَّ يَدًا فَقَامَتْ كُلُّ وَاحِدَةٍ تَضَعُ يَدَهَا عَلَى الْجِدَارِ فَقَالَ لَسْتُ أَعْنِي هٰذَا وَلٰكِنْ أَصْنَعُكُنَّ يَدَيْنِ. (رواه ابو يعلى واسناده حسن كما في مجمع الزوائد ص ۲۴۸ ج ۹)

ابو برزہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی نو (۹) بیبیاں تھیں۔ ایک دن آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تم سب میں بہتر وہ ہے جس کے ہاتھ لانبے ہوں۔ بس وہ کھڑی ہو کر دیوار پر اپنے ہاتھ رکھ کر ناپنے لگیں۔ یہ دیکھ کر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا میرا مطلب یہ نہیں تھا بلکہ یہ تھا کہ جو سب میں زیادہ اپنی دستکاری سے خیرات کرنے والی ہو۔ (مسند ابو یعلیٰ)

تشریح: یہ واقعہ صحیحین میں بھی موجود ہے لیکن اس میں "اسرعکن بی لحاقا" ہے یعنی "تم سب میں جلد تر مجھ سے ملنے والی وہ عورت ہوگی" اور طبرانی کی معجم اوسط میں "اولکن یرد علی الحوض" کا لفظ ہے "یعنی سب سے پہلے میرے پاس حوض کوثر پر آنے والی وہ عورت ہوگی۔" ان تینوں کتابوں میں یہ تین لفظ ہیں اور یہ تینوں اوصاف ایک جگہ جمع ہو سکتے ہیں یعنی جو بی بی سب سے پہلے وفات پانے والی ہوں جیسا کہ صحیحین میں ہے وہی سب سے پہلے آپ کے پاس حوض پر آئیں جیسا کہ معجم اوسط میں ہے اور کیا شبہ ہے کہ ایک لحاظ سے یہی بڑی فضیلت کی بات ہے اس لیے "خیرکن" کا لفظ بھی صادق ہے جیسا کہ مسند ابو یعلیٰ میں ہے۔

یہ واضح رہنا چاہیے کہ صحیحین کی حدیث میں یہ تصریح نہیں کہ امہات المومنین کے ہاتھوں کی پیمائش آپ کے سامنے ہوئی تھی اور اگر بالفرض ایسا ہوا بھی جب بھی موت کے مسئلہ میں پوری وضاحت کرنی عرفاً پسندیدہ نہیں ہوتی۔ جیسا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے جب اپنی وفات کی اطلاع دی تو اسی طرح دی کہ ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے سوا اس کو کوئی شخص پہلی طرح سمجھ بھی نہ سکا اور صحیحین کے علاوہ روایات میں اگرچہ یہ تصریح موجود ہے کہ ہاتھوں کی پیمائش آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے ہوئی ہے لیکن اس کے ساتھ یہ بھی صاف صاف موجود ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی مراد اسی وقت واضح فرما دی تھی لہٰذا اس قسم کے واقعات سے یہ نتیجہ اخذ کر لینا کہ بعض مرتبہ وحی کی مراد خود نبی پر مخفی رہ جاتی ہے کھلی ہوئی حماقت ہی نہیں بلکہ صریح زندقہ اور ضلال ہے۔ "العیاذ باللہ من سوء الفہم"

عَنْهُ أَنَّهُ سَارَّ فَاطِمَةَ فَقَالَ لَهَا وَهُوَ فِي مَرَضِهِ الَّذِي تُوُفِّيَ فِيهِ إِنِّي أُقْبَضُ فِي مَرَضِي هٰذَا ثُمَّ أَخْبَرَهَا أَنَّهَا أَوَّلُ أَهْلِهِ لُحُوقًا بِهِ وَفِي رِوَايَةٍ وَأَخْبَرَهَا أَنَّهَا سَيِّدَةُ نِسَاءِ الْمُؤْمِنِينَ. (رواه الشيخان)

ابو برزہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے سرگوشی کے طور پر حضرت فاطمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا

سے فرمایا کہ میں اس مرض میں وفات پانے والا ہوں اور تم بڑا مت میری اولاد میں سب سے پہلے مجھ سے ملاقات تمہاری ہوگی اور ایک روایت میں اتنا اضافہ اور ہے کہ انہوں نے یہ خوشخبری بھی سنائی کہ تم جنت میں سب عورتوں کی سردار کہلاؤ گی۔ (متفق)

تشریح: یہ ایک پیشین گوئی دنیا سے لے کر آخرت تک کے بڑے بڑے واقعات پر مشتمل ہے تفصیل کی اس وقت فرصت نہیں۔ سوائے اللہ تعالیٰ کے کون بتا سکتا ہے کہ کس کی موت پہلے آنے والی ہے اور کس کو فخر ہو سکتی ہے کہ جنت میں سرداری کا لقب کس کو ملنے والا ہے اور کیوں؟ یہ سب مخفی امور ہی نہیں بلکہ راز ہائے سربستہ بھی ہیں جن کو خفیہ طور پر اپنی بنت کریمہ پر ان کے اطمینان کی خاطر کھول دیا گیا تھا۔ ہر ایک کے لیے اس کی اور اپنی موت کا حال صاف اور متعین بتانا شاید مناسب نہ تھا ابھی ابھی آپ پڑھ چکے ہیں کہ اپنی رفقائے حیات سے ان کی موت کا حال بتایا تو مگر کس طرح؟

عَنْ اَسْمَاءَ بِنْتِ اَبِيْ بَكْرٍ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَنَّهُ قَالَ سَيَكُوْنُ فِيْ ثَقِيْفٍ كَذَّابٌ وَمُبِيْرٌ. (رواہ مسلم)

اسماء بنت ابی بکر رضی اللہ تعالیٰ عنہا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کرتی ہیں کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ قبیلہ ثقیف میں ایک شخص ظاہر ہوگا جو پرلے درجہ کا جھوٹا اور دوسرا انتہا درجہ کا ظالم اور خونریز ہوگا۔ (مسلم شریف)

تشریح: حسب بیان حدیث مذکور قبیلہ ثقیف میں مختار بن ابی عبید ظاہر ہوا۔ اسی نے امام حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی ہمدردی کے پردہ میں شیعیت کی بنیاد ڈالی۔ آخر کار وحی کا مدعی ہو اور مبیر کا مصداق حجاج ظاہر ہوا جس کی شمشیر ظلم امت میں آج تک ضرب المثل ہے۔

عَنْ اَبِيْ هُرَيْرَةَ اَنَّهُ قَالَ لَقَدْ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَوْمًا اَيُّكُمْ يَبْسُطُ ثَوْبَهُ فَيَاْخُذُ مِنْ حَدِيْثِيْ فَيَجْمَعُهُ اِلٰى صَدْرِهِ فَاِنَّهُ لَنْ يَّنْسٰى شَيْئًا سَمِعَهُ فَبَسَطْتُ بُرْدَةً عَلَيَّ حَتّٰى فَرَغَ مِنْ حَدِيْثِهِ ثُمَّ جَمَعْتُهَا اِلٰى صَدْرِيْ فَمَا نَسِيْتُ بَعْدَ ذٰلِكَ الْيَوْمِ شَيْئًا سَمِعْتُهُ مِنْهُ. (رواہ الشیخان)

ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے ایک دن ایسا ہوا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تم میں جو شخص بھی اس وقت اپنا کپڑا پھیلائے گا اور جو کلمات میں کہتا ہوں ان کو لے کر پھر اپنے سینے سے لگا لے گا تو وہ جو میری حدیثیں سنے گا ان کو ہرگز نہیں بھولے گا۔ ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کہتے ہیں کہ جو چادر میرے جسم پر تھی میں نے فوراً اس کو پھیلا دیا تھا۔ جب آپ وہ کلمات کہہ کر فارغ ہو گئے پھر میں نے اس چادر کو سمیٹ کر سینے سے لگا لیا اس دن کے بعد سے پھر جو حدیث بھی میں نے آپ کی سنی وہ نہیں بھولا۔ (متفق)

تشریح: یہاں "فما نسیت بعد ذلک الیوم شیئا سمعته منه" اس روایت کی وجہ سے ہم نے دوسری روایت میں اس لفظ کی رعایت رکھی ہے۔ یہ بھی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی پیشین گوئیوں میں سے ایک عظیم الشان خبر تھی جو حقیقت بن کر دنیا کے سامنے ظاہر ہوئی اور ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا بے مثل حفظ امت نے دیکھ لیا۔

عَنْ جَابِرِ بْنِ سَمُرَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَا يَزَالُ الْاِسْلَامُ عَزِيْزًا اِلٰى اِثْنَيْ عَشَرَ خَلِيْفَةً كُلُّهُمْ مِنْ قُرَيْشٍ وَفِيْ لَفْظٍ اِثْنَيْ عَشَرَ اَمِيْرًا. رواہ الشیخان وفی روایۃ لابی داؤد الطیالسی كُلُّهُمْ تَجْتَمِعُ عَلَيْهِمُ الْاُمَّةُ وفی روایۃ فَقَالُوْا ثُمَّ يَكُوْنُ مَاذَا قَالَ ثُمَّ يَكُوْنُ الْهَرْجُ. (متفق)

جابر رضی اللہ تعالیٰ عنہ روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اسلام بارہ خلفاء تک برابر غالب رہتا چلا

جائے گا جو سب کے سب قریشی ہوں گے اور ایک روایت میں خلیفہ کے بجائے امیر کا لفظ ہے اور ابوداؤد طیالسی کی روایت میں اتنا اضافہ اور ہے کہ یہ سب خلفاء ایسے ہوں گے جن کی خلافت اور امارت پر تمام اُمت کا اتفاق ہوگا اور ایک روایت میں ہے کہ صحابہؓ نے عرض کیا پھر کیا ہوگا؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا پھر فتنہ فساد ہوگا۔ (بخاری و مسلم)

تشریح: امام بیہقی حدیث بالا کی شرح میں فرماتے ہیں کہ یہ تمام الفاظ اپنی اپنی جگہ صحیح ہیں اور مطلب یہ ہے کہ اس جگہ بارہ خلفاء سے مراد ہر خلیفہ نہیں ہے بلکہ صرف ایسے خلفاء مراد ہیں جو عدل و انصاف کے لحاظ سے اس شان کے ہوں کہ ان پر اُمت متفق بھی ہو اس کے بعد پھر عام ہارو دھاڑ شروع ہو جائے گی۔ اب جن لوگوں نے حدیث کی بیان کردہ اس قید کی رعایت نہیں کی یا دور فتن کے بعد کے امراء بھی شمار کر لیے ان کے حساب سے بارہ کا عدد مستقیم نہیں رہ سکا اور حقیقت یہ ہے کہ حدیث کی بیان کردہ صفات کی رعایت کر لی جائے تو بڑے بڑے فتنوں کے ظہور سے قبل یہ عدد ولید بن یزید کے عہد تک پورا ہو جاتا ہے۔

حافظ ابن کثیر رحمۃ اللہ علیہ نقل کرتے ہیں کہ جب حضرت اسماعیل علیہ الصلوٰۃ والسلام کی پیدائش ہوئی تو اللہ تعالیٰ نے حضرت ابراہیم علیہ الصلوٰۃ والسلام کو حضرت سارہ سے حضرت اسحاق علیہ السلام کی پیدائش کی بشارت دی۔ اس پر حضرت خلیل اللہ علیہ الصلوٰۃ والسلام نے سجدہ شکر ادا کیا اور عرض کی پروردگار! تیری رحمتوں اور نعمتوں کی کثرت سے ابراہیم کی نظریں نیچی ہیں آج سے تیرہ سال قبل تراسی سال (۸۳) کی عمر میں تو نے (حضرت) اسماعیل (علیہ الصلوٰۃ والسلام) کی پیدائش سے نوازا اور ان میں بڑی برکت عطا فرمائی اور ان کی ذریت میں بارہ بڑے بڑے سرداروں کی بشارت عطا فرمائی اور اس کے بعد اب حضرت اسحاق علیہ الصلوٰۃ والسلام کی بشارت سے نوازا۔ (جن کی نسل سے انبیاء علیہم السلام کی جماعتیں پیدا ہوں گی)

اس کے بعد حافظ ابن کثیر رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں کہ اسی طرح اللہ تعالیٰ نے اس اُمت کو بھی بارہ خلفاء کی بشارت دی ہے۔ جیسا کہ حضرت اسماعیل علیہ الصلوٰۃ والسلام کی نسل میں بارہ سرداروں کی بشارت دی تھی۔ پھر فرماتے ہیں کہ حدیث میں یہ تصریح نہیں ہے کہ یہ بارہ مسلسل ہوں گے اس لیے ان کا مصداق خلفائے اربعہ اور عمر بن عبدالعزیز رحمۃ اللہ علیہم کے علاوہ بعض اور عباسی خاندان کے عادل امراء ہیں۔

عَنْ حُذَيْفَةَ قَالَ كُنَّا مَعَ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقَالَ اَحْصُوْا لِيْ كَمْ يَلْفِظُ الْاِسْلَامَ قَالَ فَقُلْنَا يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَتَخَافُ عَلَيْنَا وَنَحْنُ مَا بَيْنَ السِّتِّ اِلَى السَّبْعِ مِائَةٍ قَالَ اِنَّكُمْ لَا تَدْرُوْنَ لَعَلَّكُمْ اَنْ تُبْتَلَوْا قَالَ فَابْتُلِيْنَا حَتّٰى جَعَلَ الرَّجُلُ مِنَّا لَا يُصَلِّيْ اِلَّا سِرًّا۔ (رواه الشيخان واللفظ للبخاری)

حذیفہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کہتے ہیں کہ ہم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ہمراہ تھے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے پوچھا شمار کر کے بتاؤ اس وقت کلمہ گو لوگوں کی تعداد کتنی ہے؟ ہم نے عرض کی یا رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم)! (ہماری تعداد ماشاء اللہ کافی ہے) چھ سات سو کے درمیان ہے۔ کیا اب بھی ہمارے متعلق آپ صلی اللہ کو کسی قسم کا اندیشہ ہے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تم کو خبر نہیں شاید تم کسی آزمائش میں مبتلا ہو۔ حذیفہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کہتے ہیں آخر ہم فتنوں میں مبتلا ہوئے حتیٰ کہ ہم میں سے کسی کسی کو تو چھپ کر نماز پڑھنا پڑی۔ (بخاری و مسلم)

تشریح: غالباً اس پیشین گوئی کا مصداق حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی خلافت کا آخری زمانہ تھا جبکہ امیر کوفہ نمازوں میں اتنی تاخیر کیا کرتا تھا کہ بعض صحابہ کو مجبوراً خفیہ اپنی نمازیں علیحدہ پڑھنا پڑتی تھیں۔ جن لوگوں نے اس کا مصداق حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی شہادت کا زمانہ قرار دیا ہے وہ صحیح نہیں کیونکہ حضرت حذیفہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ اس وقت موجود تھے۔ پھر حضرت حذیفہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے بعد حجاج کے زمانے میں صحابہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم کو ان سے بھی کہیں زیادہ مصائب سے سابقہ پیش آیا ہے۔ حافظ ابن حجر رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں کہ اس واقعہ سے معلوم ہوا کہ اپنی کثرت پر ناز کرنا کبھی مبارک ثابت نہیں ہوتا جنگ حنین کی مثال ان سے پہلے گزر چکی تھی بہرحال حدیث میں اس پیشین گوئی کے پورے ہونے کا کوئی زمانہ مقرر نہیں کیا گیا۔ حذیفہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی اس وقت موجودگی کوئی ضروری امر نہیں ہے ایک بات فرمائی جو کبھی اس وقت اس کے پورے کا طالب ہوں۔

عن ابی حمید الساعدی قال خرجنا مع رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فی غزوۃ تبوک فاتینا وادی القری علی حدیقۃ لامرأۃ فقال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اخرصوھا فخرصناھا وخرصھا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم عشر اوسق. قال احصیھا حتی نرجع الیک ان شاء اللہ تعالی فانطلقنا حتی قدمنا تبوک فقال النبی صلی اللہ علیہ وسلم ستھب علیکم اللیلۃ ریح شدیدۃ فلا یقم فیھا احد منکم فمن کان لہ بعیر فلیشد عقالہ فھبت ریح شدیدۃ فقام رجل فحملتہ الریح حتی القتہ بجبلی طیئ. (رواہ الشیخان)

ابوحمید ساعدی بیان کرتے ہیں کہ ہم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ جنگ تبوک کے لیے چلے جب وادی القری کے ایک باغ پر پہنچے جو ایک عورت کا تھا تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اس کے پھلوں کا تخمینہ لگاؤ ہم نے ان کا تخمینہ لگایا اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کا تخمینہ دس وسق لگایا اس کے بعد آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اس کو یاد رکھنا یہاں تک کہ ہم ان شاء اللہ تعالیٰ یہاں واپس ہوں۔ ہم آگے چلے یہاں تک کہ تبوک پہنچے تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا آج شب میں نہایت تیز و تند آندھی آئے گی لہذا کوئی شخص بھی تم میں اپنی جگہ سے نہ ہلے جس کا اونٹ ہو وہ اپنے اونٹ کو باندھ کر رکھے۔ چنانچہ ایسا ہی ہوا نہایت تیز آندھی آئی ایک شخص اتفاق سے کھڑا ہو گیا۔ نتیجہ یہ ہوا کہ ہوا نے اس کو طے کے پہاڑوں پر اڑا کر ڈال دیا۔ (متفق علیہ)

عن ابن عباس قال کان الذی اسر العباس بن عبد المطلب ابو الیسر بن عمرو وھو کعب بن عمرو احد بنی سلمۃ فقال لہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کیف اسرتہ یا ابا الیسر؟ فقال لقد اعاننی علیہ رجل ما رأیتہ بعد ولا قبل ھیئتہ کذا وکذا فقال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم لقد اعانک علیہ ملک کریم. وقال للعباس یا عباس افد نفسک وابن اخیک عقیل بن ابی طالب ونوفل بن الحارث بن فھر فقال انی قد کنت مسلما قبل ذلک واستکرھونی. قال اللہ اعلم بشانک ان یک ما تدعی حقا فاللہ یجزیک بذلک واما ظاھر امرک فقد کان علینا فافد نفسک وقد کان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم قد اخذ منہ عشرین اوقیۃ ذھبا. فقال یا رسول

اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ احْسِبْهَا لِي مِنْ فِدَائِي قَالَ لَا ذَاكَ شَيْءٌ اَعْطَانَاهُ اللّٰهُ مِنْكَ؟ قَالَ فَإِنَّهُ لَيْسَ لِي مَالٌ قَالَ فَأَيْنَ الْمَالُ الَّذِي وَضَعْتَهُ بِمَكَّةَ حِينَ خَرَجْتَ عِنْدَ أُمِّ الْفَضْلِ وَلَيْسَ مَعَكُمَا أَحَدٌ غَيْرُكُمَا فَقُلْتَ إِنْ أُصِبْتُ فِي سَفَرِي هٰذَا فَلِلْفَضْلِ كَذَا وَلِقُثَمَ كَذَا وَلِعَبْدِ اللّٰهِ كَذَا قَالَ فَوَالَّذِي بَعَثَكَ بِالْحَقِّ مَا عَلِمَ بِهٰذَا أَحَدٌ مِنَ النَّاسِ غَيْرِي وَغَيْرُهَا وَإِنِّي أَعْلَمُ أَنَّكَ لَرَسُولُ اللّٰهِ. (رواہ الامام احمد)

ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ بیان فرماتے ہیں کہ جو شخص حضرت عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو قید کر کے لایا تھا وہ قبیلہ بنو سلمہ کا ایک شخص تھا جس کی کنیت ابوالیسر اور نام کعب بن عمرو تھا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس سے پوچھا کہ اے ابوالیسر! بتاؤ تو ان کو تم نے کس صورت سے قید کیا؟ انہوں نے عرض کی ایک شخص نے اس میں میری مدد کی تھی جس کو میں نے نہ بعد میں دیکھا اور نہ اس سے پہلے دیکھا تھا اس کی صورت ایسی ایسی تھی۔ یہ سن کر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا یہ امداد تیری ایک عظیم فرشتے نے کی تھی اس کے بعد آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے کہا آپ اپنی جانب سے اور اپنے دونوں بھتیجوں عقیل اور نوفل بن حارث کی جانب سے بھی فدیہ دیجئے انہوں نے فرمایا میں تو اپنی اسیری سے پہلے ہی مسلمان تھا یہ لوگ زبردستی گھسیٹ کر مجھ کو لے آئے تھے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اس کی خبر تو اللہ تعالیٰ ہی کو ہے اگر یہ بات جس کا آپ دعویٰ کرتے ہیں درست ہے تو اللہ تعالیٰ آپ کو اس کا بدلہ دے گا لیکن آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی ظاہری صورت تو یہی تھی کہ آپ ہمارے مقابلے ہی کے لیے آئے تھے۔ لہٰذا مناسب یہ ہے کہ آپ فدیہ ادا کر ہی دیجئے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اس سے پہلے حضرت عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے بیس اوقیہ سونا لے چکے تھے وہ بولے یا رسول اللہ! (صلی اللہ علیہ وسلم) اس سونے کو میرے فدیہ کے حساب میں شمار فرما لیجئے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا یہ سونا تو اللہ تعالیٰ نے ہم کو آپ سے دلوایا ہے۔ انہوں نے کہا کہ میرے پاس تو اور کوئی مال نہیں ہے آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اچھا تو وہ مال کہاں ہے جو آپ نے نکلتے وقت ام الفضل کے پاس رکھا تھا اور اس وقت تمہارے دونوں کے سوا اور کوئی شخص نہ تھا اور تم نے کہا کہ اگر اس جنگ میں میں قتل ہو جاؤں تو اس میں سے فضل کا اتنا حصہ اور قثم کے لیے اتنا اور عبداللہ کے لیے اتنا۔ انہوں نے کہا اس ذات کی قسم جس نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو حق دے کر بھیجا ہے اس کی اطلاع میرے اور ان (ام الفضل) کے سوا لوگوں میں سے کسی ایک شخص کو بھی نہیں ہے اور میں یقین کے ساتھ جانتا ہوں کہ کسی شبہ کے بغیر آپ صلی اللہ علیہ وسلم اللہ تعالیٰ کے رسول ہیں۔ (مسند احمد)

تشریح: اس جگہ پیغمبر خدا صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ معجزہ تو ہے ہی کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک ایسے راز کی اطلاع دی جس کا جاننے والا دو کے سوا مکہ کے گھر میں بھی کوئی اور تیسرا نہ تھا مگر اس کی تہ میں یہاں اس معجزہ سے کم پا اخلاقی معجزہ نہیں کہ عم بزرگوار کا معاملہ اور پورے اختیار و اقتدار کے ساتھ ان کے بیان اسلام کے دعوے کی وجہ سے ہمدردی کا موقع بھی ہے کچھ نہ سہی تو کم از کم اتنا ہی ہو جاتا کہ ان سے حاصل شدہ مال کو فدیہ میں شمار کر لیا جاتا۔ پھر حقیقت کی کسی کو خبر بھی نہیں ہے لیکن ان سب کے باوجود جس مال میں سب مسلمانوں کا حق قائم ہو چکا تھا اس میں حقوق عامہ کے بالمقابل یہاں عم بزرگوار کے حق کی کوئی رعایت نہیں کی گئی اور جب آپ کے اصرار پر اور اصرار کے بعد بھی انہوں نے اصل بات بتانے سے انحراف کیا تو پھر عم بزرگوار کے منہ پر سارا

راز افشا کر دینا پڑا جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ ان کے قبضہ سے کسریٰ اور قیصر کی دولت تو ضرور نکل گئی مگر اسلام حقیقی کے اصول دولت ان کے ہاتھوں میں آ گئی۔ سبحان اللہ انبیاء علیہم السلام کو بھی اخبار غیبی پر کتنا جزم ویقین حاصل ہوتا ہے کہ کوئی بڑے سے بڑا اس کا کتنا ہی انکار کرے مگر ان کے قلوب میں شک وتردد کا چھوٹا سا کانٹا بھی نہیں چبھتا۔

عَنْ سُفْيَانَ بْنِ زُهَيْرٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ تُفْتَحُ الْيَمَنُ فَيَأْتِيْ قَوْمٌ يَبُسُّوْنَ فَيَتَحَمَّلُوْنَ بِأَهْلِيْهِمْ وَمَنْ أَطَاعَهُمْ وَالْمَدِيْنَةُ خَيْرٌ لَّهُمْ لَوْ كَانُوْا يَعْلَمُوْنَ ثُمَّ تُفْتَحُ الشَّامُ فَيَأْتِيْ قَوْمٌ يَبُسُّوْنَ فَيَتَحَمَّلُوْنَ بِأَهْلِيْهِمْ وَمَنْ أَطَاعَهُمْ وَالْمَدِيْنَةُ خَيْرٌ لَّهُمْ لَوْ كَانُوْا يَعْلَمُوْنَ ثُمَّ تُفْتَحُ الْعِرَاقُ فَيَأْتِيْ قَوْمٌ يَتَحَمَّلُوْنَ بِأَهْلِيْهِمْ وَمَنْ أَطَاعَهُمْ وَالْمَدِيْنَةُ خَيْرٌ لَّهُمْ لَوْ كَانُوْا يَعْلَمُوْنَ وَفِيْ رِوَايَةٍ لَيَخْرُجُ مِنَ الْمَدِيْنَةِ. (رواہ الشیخان)

سفیان بن زہیر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ آئندہ زمانے میں ملک یمن فتح ہو جائے گا۔ کچھ لوگ اپنے اہل وعیال کو لے کر اور ان شخصوں کو جو ان کے ساتھ رائے میں متفق ہوں گے مدینہ چھوڑ کر یمن کی جانب کھسک جائیں گے اور ان کے لیے مدینہ کی رہائش ہی بہت بہتر تھی کاش کہ وہ جانتے۔ اس کے بعد پھر ملک شام بھی فتح ہوگا اور کچھ لوگ اپنے اہل وعیال اور اپنے رفقاء کے ساتھ اس طرف بھی کھسک جائیں گے حالانکہ مدینہ ان کے حق میں بہت بہتر تھا کاش کہ یہ لوگ جانتے۔ پھر عراق بھی فتح ہوگا اور اسی طرح اس کی طرف بھی کچھ لوگ اپنے اہل وعیال اور رفقاء کے ساتھ چلے جائیں گے اور ان کے لیے مدینہ ہی بہتر تھا کاش کہ وہ جانتے۔ (کہ مدینہ چھوڑ کر ان ممالک کا سفر نہ کرتے)۔ (متفق علیہ)

عَنْ أَبِيْ ذَرٍّ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَنَّهُ قَالَ سَتُفْتَحُ مِصْرُ وَهِيَ أَرْضٌ يُسَمّٰى فِيْهَا الْقِيْرَاطُ فَاسْتَوْصُوْا بِأَهْلِهَا خَيْرًا وَفِيْ رِوَايَةٍ فَأَحْسِنُوْا إِلٰى أَهْلِهَا فَإِنَّ لَهُمْ ذِمَّةً وَّرَحِمًا فَإِذَا رَأَيْتُمْ رَجُلَيْنِ يَخْتَصِمَانِ عَلٰى مَوْضِعِ لَبِنَةٍ فَاخْرُجْ مِنْهَا قَالَ فَرَأَيْتُ عَبْدَ الرَّحْمٰنِ بْنَ شُرَحْبِيْلَ بْنِ حَسَنَةَ وَأَخَاهُ رَبِيْعَةَ يَخْتَصِمَانِ فِيْ مَوْضِعِ لَبِنَةٍ فَخَرَجْتُ مِنْهَا. (رواہ مسلم)

ابوذر رضی اللہ تعالیٰ عنہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کرتے ہیں کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا عنقریب مصر فتح ہو جائے گا جہاں کے سکہ کا نام "قیراط" ہے تم اس کے باشندوں کے ساتھ اچھا سلوک کرنا کیونکہ ان کا ہمارے ساتھ عہد ہے اور ان کے ساتھ رشتہ داری بھی ہے اور جب تم دیکھنا کہ دو شخص ایک اینٹ بھر جگہ پر باہم لڑ رہے ہیں تو پھر وہاں سے نکل جانا۔ (مذکورہ بالا پیشین گوئی کے مطابق مصر فتح ہوا اور اس کی سکونت کے بعد ابوذر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا وہاں گزر ہوا) وہ کہتے ہیں کہ میں نے دیکھا شرحبیل بن حسنہ کے دو بیٹے ایک اینٹ بھر جگہ پر جھگڑا کر رہے ہیں یہ دیکھ کر حدیث کے حکم کے مطابق میں وہاں سے چلا آیا۔ (مسلم شریف)

عَنْ سُلَيْمَانَ بْنِ صُرَدٍ قَالَ سَمِعْتُ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُوْلُ حِيْنَ أُجْلِيَ الْأَحْزَابُ عَنْهُ الْآنَ نَغْزُوْهُمْ وَلَا يَغْزُوْنَنَا. (رواہ البخاری)

سلیمان بن صرد رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے وہ بیان کرتے ہیں میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو فرماتے خود سنا

ہے چنانچہ غزوۂ احزاب میں دشمن قدرت کی جانب سے پسپا ہو کر جا چکا تھا۔ آج کے بعد ہم لوگ ان پر چڑھائی کر کے جائیں گے اور وہ لوگ ہم پر چڑھائی نہ کر سکیں گے۔ (بخاری شریف)

تشریح: تاریخ شاہد ہے کہ غزوۂ احزاب کے بعد کفار کو مدینہ طیبہ پر چڑھائی کرنے کی کبھی جرأت نہیں ہوئی۔

عَنْ عَائِشَةَ قَالَتْ كَانَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يُحْرَسُ حَتّٰى نَزَلَتْ هٰذِهِ الْاٰيَةُ (وَاللّٰهُ يَعْصِمُكَ مِنَ النَّاسِ) قَالَتْ فَاَخْرَجَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ رَأْسَهُ مِنَ الْقُبَّةِ فَقَالَ يَا اَيُّهَا النَّاسُ اِنْصَرِفُوْا فَقَدْ عَصَمَنِيَ اللّٰهُ عَزَّ وَجَلَّ. (رواہ الترمذی)

حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا یوں فرماتی ہیں کہ آیت "وَاللّٰهُ يَعْصِمُكَ مِنَ النَّاسِ" کے نازل ہونے سے پہلے شب میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا پہرہ دیا جاتا تھا جب یہ آیت نازل ہوئی تو آپ نے سر مبارک خیمہ سے باہر نکال کر فرمایا لوگو! اب پہرہ داری موقوف کر دو اللہ تعالیٰ میری حفاظت کا متکفل ہو چکا ہے۔ (ترمذی شریف)

تشریح: یہ معجزہ کتنا عظیم الشان ہے کہ ہجرت کے بعد ایسے حالات میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ پیشین گوئی فرمائی تھی جبکہ چاروں طرف دشمن اقوام آمادۂ انتقام اور ملک میں عام بدامنی پھیلی ہوئی تھی۔ پھر دنیا نے دیکھ لیا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی یہ پیشین گوئی کس صفائی کے ساتھ پوری ہوئی۔ علماء نے آپ کی شہادت نہ ہونے کی مختلف وجوہات بیان فرمائی ہیں۔ اگر اس آیت کو بھی سامنے رکھ لیا جائے تو یا اور زیادہ واضح ہو سکتا ہے کہ عصمت کے وعدہ کے ساتھ آپ کے لیے شہادت قطعاً مناسب نہ تھی۔ نیز یا جو حقیقۃً خاتم النبیین ہوں ان کے لیے ظاہری شہادت بھی کچھ مناسب نہ ہوگی جبکہ اضافی خاتم یعنی سلسلہ بنی اسرائیل کے آخری نبی حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے حق میں دشمنوں کے ہاتھوں شہادت مناسب نہ ہوئی اور آپ کے لیے طبعی موت ہی مقدر ہوئی تو جو رسول اعظم دونوں سلسلوں کے لیے خاتم تھے ان کے لیے یہ شہادت کیسے مناسب ہوتی۔ واللہ تعالیٰ اعلم

عَنْ اَبِيْ هُرَيْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ تَكُوْنُ اِبِلٌ لِلشَّيَاطِيْنِ وَبُيُوْتٌ لِلشَّيَاطِيْنِ فَاَمَّا اِبِلُ الشَّيَاطِيْنِ فَقَدْ رَاَيْتُهَا يَخْرُجُ اَحَدُكُمْ بِنَجِيْبَاتٍ مَعَهُ قَدْ اَسْمَنَهَا فَلَا يَعْلُوْ بَعِيْرًا مِنْهَا وَيَمُرُّ بِاَخِيْهِ قَدِ انْقَطَعَ بِهٖ فَلَا يَحْمِلُهُ وَاَمَّا بُيُوْتُ الشَّيَاطِيْنِ فَلَمْ اَرَهَا كَانَ سَعِيْدٌ يَقُوْلُ لَا اَرَاهَا اِلَّا هٰذِهِ الْاَقْفَاصَ الَّتِيْ يَسْتُرُ النَّاسُ بِالدِّيْبَاجِ. (رواہ ابو داؤد)

ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا آئندہ چل کر کچھ شیطانوں کے اونٹ نظر آئیں گے اور کچھ شیطانوں کے گھر بھی ہوں گے۔ راوی کہتا ہے کہ شیطانی اونٹ تو میں نے دیکھ لیے یعنی تم میں سے ایک شخص آزاد عمدہ عمدہ اونٹنیاں لے کر اپنی شان دکھانے کے لیے گھر سے باہر اکڑتا ہوا پاس سے نکل جاتا ہے اور اس کے مسلمان بھائی کے پاس سواری کے لیے ایک اونٹ بھی نہیں ہوتا۔ اب رہے شیاطین کے گھر تو میں نے ابھی تک ان کو نہیں دیکھا۔ سعید راوی کہتا ہے کہ میرے خیال میں تو وہ یہی پنجرے (قفص) ہیں جن کو لوگ ریشمی کپڑوں سے سایہ کرنے کے لیے ملاتے ہیں۔ (ابو داؤد)

تشریح: یہاں دیکھئے راوی کیسے پیشین گوئی کو دیکھ کر تصدیق کرتا ہے جدا نکار ان کی پیشین گوئیوں میں آپ کے سامنے

قیامت تک کے واقعات مذکور ہیں جو اپنے اپنے دور میں پورے ہوتے رہے ہیں اور ایک بڑا ذخیرہ دنیا سے گزر گیا ہے آج نہیں تو کل پورے ہو کر رہیں گے۔ پھر کتنی بے عقلی ہے کہ ایک بات اگر ہمارے سامنے پوری نہیں ہوتی تو ہم فوراً اپنی بے عقلی سے اس کے انکار یا تاویل کی راہ اختیار کر لیتے ہیں۔ بالخصوص حضرت عیسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام کے نزول کے متعلق تو صاف بتا دیا گیا ہے کہ وہ تو بالکل قیامت کے قرب میں ہوگا۔ پھر آپ گزشتہ کفار کی طرح قیامت کو اپنے وقت سے پہلے بلانے کی کوشش فضول کرتے ہیں اور فضول عیسیٰ علیہ السلام کے نزول کی تاویلات واہیہ گھڑتے رہتے ہیں یا پھر ان کے نزول ہی کے منکر ہوتے ہیں۔ قدرت جتنا ان کے نزول کا وقت قریب آتا جاتا ہے اسی قدر اس کے معقول ہونے کے اسباب پیدا کرتی جاتی ہے۔ کرۂ نار اور کرۂ زمہریر کا راز (جس کا شریعت میں کہیں ذکر تک نہیں) تو اب فاش ہو چکا ہے بلکہ قابل مضحکہ بن چکا ہے۔ سیر معراج پر ایمان رکھنے والوں کے لیے نزول عیسیٰ علیہ السلام میں کوئی بحث کرنے کا محل ہی باقی نہیں چھوڑا۔

عَنْ اَبِیْ هُرَیْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ یُوْشِکُ اِنْ طَالَتْ بِکَ مُدَّةٌ اَنْ تَرٰی قَوْمًا فِیْ اَیْدِیْهِمْ مِثْلُ اَذْنَابِ الْبَقَرِ یَغْدُوْنَ فِیْ غَضَبِ اللّٰهِ وَیَرُوْحُوْنَ فِیْ سَخَطِ اللّٰهِ. (رواہ مسلم)

ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اگر اللہ تعالیٰ نے تم کو لمبی زندگی بخشی تو تم کچھ لوگ ایسے دیکھو گے جن کے ہاتھوں میں بیلوں کی دموں کی طرح (یعنی جانور ہانکنے کے لیے کوڑے) ہوں گے ان کی صبح یہ ہوگی کہ جب صبح ہوگی تو اللہ تعالیٰ کی ناراضگی میں اور جب شام ہوگی تو بھی (اللہ تعالیٰ کے احکام کی خلاف ورزی کی وجہ سے) اسی کی ناراضگی میں۔ (مسلم شریف)

عَنْ اَبِیْ هُرَیْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ صِنْفَانِ مِنْ اَهْلِ النَّارِ لَمْ اَرَهُمَا قَوْمٌ مَعَهُمْ سِیَاطٌ کَاَذْنَابِ الْبَقَرِ یَضْرِبُوْنَ بِهَا النَّاسَ وَنِسَاءٌ کَاسِیَاتٌ عَارِیَاتٌ مُمِیْلَاتٌ مَائِلَاتٌ رُءُوْسُهُنَّ کَاَسْنِمَةِ الْبُخْتِ الْمَائِلَةِ لَا یَدْخُلْنَ الْجَنَّةَ وَلَا یَجِدْنَ رِیْحَهَا وَاِنَّ رِیْحَهَا لَتُوْجَدُ مِنْ مَسِیْرَةِ کَذَا وَکَذَا. (رواہ مسلم)

ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کہتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا میری امت میں دو قسم کے لوگ پیدا ہونے والے ہیں جن کو میں نے اپنی آنکھوں سے نہیں دیکھا۔ ایک وہ مرد جن کے ہاتھوں میں بیلوں کی دموں کے سے کوڑے رہیں گے جن سے وہ لوگوں پر ظلم توڑتے رہیں گے۔ دوم وہ عورتیں جو لباس تو پہنے ہوئے ہوں گی لیکن درحقیقت برہنہ ہوں گی ان کا حال یہ ہوگا کہ دوسروں کو اپنی طرف راغب کریں گی۔ اسی طرح خود بھی غیروں کی طرف مائل ہونے والی ہوں گی۔ ان کے سروں کے اوپر ایسے جوڑے بندھے ہوئے بال ہوں گے جیسے اونٹ کے کوہان اونچے معلوم ہوتے ہیں نہ وہ جنت میں جا سکیں گی نہ اس کی خوشبو سونگھ سکیں گی حالانکہ اس کی خوشبو بڑے فاصلے سے پہنچتی ہوگی۔ (مسلم شریف)

تشریح: سبحان اللہ یہ پیشین گوئی کس صفائی کے ساتھ کس زمانے میں فرمائی گئی جبکہ ادھر خیال بھی نہ جا سکتا ہوگا۔

عَنْ مُعَاوِیَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ یَا مُعَاوِیَةُ اِنْ وُلِّیْتَ اَمْرًا فَاتَّقِ اللّٰهَ وَاعْدِلْ فَمَازِلْتُ اَظُنُّ اَنِّیْ مُبْتَلًی بِعَمَلٍ لِقَوْلِ النَّبِیِّ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ حَتّٰی ابْتُلِیْتُ. (رواہ احمد والبیہقی)

حضرت معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ جب سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھ سے یہ فرمایا تھا کہ اگر ولایت تم کو سپرد ہو تو خدا تعالیٰ کے تقوے کا خیال رکھنا اور انصاف کا لحاظ رکھنا۔ اسی دن سے مجھے خیال لگا رہا کہ مجھے مسلمانوں کی تولیت میں مبتلا ہونا ہے۔ آخرکار میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے اس فرمان کی وجہ سے اس میں مبتلا ہو کر رہا۔

عَنْ اَبِیْ بَکْرَۃَ عَنِ النَّبِیِّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ اَنَّہٗ قَالَ عَنِ الْحَسَنِ ابْنِ اِبْنِہٖ وَھُوَ یَخْطُبُ عَلَی الْمِنْبَرِ اِنَّ اِبْنِیْ ھٰذَا سَیِّدٌ وَسَیُصْلِحُ اللّٰہُ بِہٖ بَیْنَ فِئَتَیْنِ عَظِیْمَتَیْنِ مِنَ الْمُسْلِمِیْنَ. (رواہ البخاری)

ابوبکرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کرتے ہیں کہ آپ منبر پر خطبہ دے رہے تھے اس وقت آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے نواسے حضرت امام حسن رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے متعلق ارشاد فرمایا میرا یہ لڑکا سید ہے اور اس کے ذریعے سے اللہ تعالیٰ مسلمانوں کی دو بڑی بڑی جماعتوں کے درمیان صلح کرائے گا۔ (بخاری)

تشریح: حسب بیان حدیث بالا یونہی ہوا یعنی سن ۴۰ھ میں اللہ تعالیٰ نے حضرت امام حسنؓ کے ذریعے حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ اور امیر معاویہؓ کے لشکروں میں صلح کی صورت پیدا فرما دی۔

عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ اَنَّ رَجُلًا اَتَی النَّبِیَّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ فَقَالَ یَا رَسُوْلَ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ اِنِّیْ رَاَیْتُ اللَّیْلَۃَ فِی الْمَنَامِ ظُلَّۃً تَنْطِفُ السَّمْنَ وَالْعَسَلَ فَاَرَی النَّاسَ یَتَکَفَّفُوْنَ مِنْھَا بِاَیْدِیْھِمْ فَمِنْھُمُ الْمُسْتَکْثِرُ وَالْمُسْتَقِلُّ ثُمَّ اِذَا سَبَبٌ وَاصِلٌ مِنَ الْاَرْضِ اِلَی السَّمَاءِ فَاَرَاکَ اَخَذْتَ بِہٖ فَعَلَوْتَ ثُمَّ اَخَذَ بِہٖ رَجُلٌ بَعْدَکَ فَعَلَا ثُمَّ اَخَذَ بِہٖ رَجُلٌ اٰخَرُ فَعَلَا ثُمَّ اَخَذَ بِہٖ رَجُلٌ اٰخَرُ فَانْقَطَعَ ثُمَّ وُصِلَ لَہٗ فَعَلَا قَالَ اَبُوْبَکْرٍ یَا رَسُوْلَ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ بِاَبِیْ اَنْتَ وَاُمِّیْ لَتَدَعَنِّیْ فَلَاَعْبُرَنَّھَا فَقَالَ اُعْبُرْ. فَقَالَ اَبُوْبَکْرٍ اَمَّا الظُّلَّۃُ فَظُلَّۃُ الْاِسْلَامِ وَاَمَّا الَّذِیْ تَنْطِفُ مِنَ السَّمْنِ وَالْعَسَلِ فَھُوَ الْقُرْاٰنُ حَلَاوَتُہٗ وَلِیْنُہٗ. وَاَمَّا مَا یَتَکَفَّفُ فَالْمُسْتَکْثِرُ مِنَ الْقُرْاٰنِ وَالْمُسْتَقِلُّ وَاَمَّا السَّبَبُ الْوَاصِلُ مِنَ السَّمَاءِ اِلَی الْاَرْضِ فَالْحَقُّ الَّذِیْ اَنْتَ عَلَیْہِ فَاَخَذْتَ بِہٖ فَیُعْلِیْکَ اللّٰہُ ثُمَّ یَاْخُذُ بِہٖ رَجُلٌ مِنْ بَعْدِکَ فَیَعْلُوْ ثُمَّ یَاْخُذُ بِہٖ رَجُلٌ فَیَعْلُوْ ثُمَّ یَاْخُذُ بِہٖ رَجُلٌ فَیَنْقَطِعُ بِہٖ ثُمَّ یُوْصَلُ لَہٗ فَیَعْلُوْ بِہٖ فَاَخْبِرْنِیْ یَا رَسُوْلَ اللّٰہِ اَصَبْتُ اَمْ اَخْطَاْتُ فَقَالَ اَصَبْتَ بَعْضًا وَاَخْطَاْتَ بَعْضًا قَالَ فَوَاللّٰہِ یَا رَسُوْلَ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ لَتُخْبِرَنِّیْ بِالَّذِیْ اَخْطَاْتُ قَالَ لَا تُقْسِمْ (رواہ الشیخان)

ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں ایک شخص حاضر ہوا اور اس نے کہا یا رسول اللہ! (صلی اللہ علیہ وسلم) آج کی شب میں نے خواب میں ایک بادل دیکھا جس سے گھی اور شہد برس رہا تھا اور میں نے لوگوں کو دیکھا کہ وہ اپنے دونوں ہاتھوں سے اس کو لیے جا رہے ہیں۔ پھر ان میں کوئی زیادہ لے رہا ہے اور کوئی کم اس کے بعد میں نے ایک رسی دیکھی جو زمین سے لے کر آسمان سے متصل تھی میں نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کو پکڑا ہے اور اوپر تشریف لے گئے ہیں۔ پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد ایک اور شخص نے اس کو پکڑا ہے اور وہ بھی اوپر چلا گیا۔ اس

کے بعد ایک دوسرے شخص نے اس کو پکڑا اور وہ بھی اوپر چلا گیا۔ پھر تیسرے شخص نے اس کو پکڑا تو وہ رسی ٹوٹ گئی تھوڑی دیر کے بعد پھر جڑ گئی اور وہ بھی اوپر چلا گیا۔ حضرت ابوبکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ بولے یا رسول اللہ! (صلی اللہ علیہ وسلم) میرے ماں باپ آپ پر قربان ہوں مجھے آپ اجازت دیں کہ اس خواب کی تعبیر میں بیان کروں۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا اچھا بیان کرو۔ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے عرض کیا بادل سے مراد اسلام ہے اور وہ جو اس سے شہد اور گھی برستا ہے اس کا مصداق قرآن کریم کی شیرینی اور اس کا نرم طرز تعبیر ہے اور وہ جو لوگ اس کو اپنے ہاتھوں میں لے رہے ہیں تو اس کا مصداق وہ لوگ ہیں جو ان میں سے کوئی تو اس کو زیادہ مقدار میں حاصل کر چکا ہے اور کوئی کم اور وہ جو رسی آسمان سے لے کر زمین تک لٹک رہی ہے اس کا مصداق وہ حق ہے جس پر آپ صلی اللہ علیہ وسلم قائم ہیں۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس حق کو مضبوط پکڑ رکھا ہے اور اللہ تعالیٰ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو بلند کرے گا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد پھر اس پر دوسرا شخص ہوگا اور وہ بھی اوپر چلا جائے گا۔ اس کے بعد ایک دوسرا شخص اس کو پکڑے گا اور وہ بھی اوپر چلا جائے گا۔ پھر ایک تیسرا شخص اس کو تھامے گا وہ ٹوٹ جائے گی اور تھوڑی دیر بعد پھر وہ جڑ جائے گی اور وہ شخص بھی اوپر چلا جائے گا۔ یا رسول اللہ! (صلی اللہ علیہ وسلم) مجھے بتایئے یہ تعبیر میں نے صحیح دی یا غلط۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کچھ تو صحیح دی اور کچھ غلط۔ انہوں نے عرض کیا یا رسول اللہ! (صلی اللہ علیہ وسلم) خدا کی قسم! آپ صلی اللہ علیہ وسلم مجھے ضرور بتائیں میں نے کیا غلطی کی؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا قسم مت دو۔ (بخاری و مسلم)

عَنْ مُرَّةَ بْنِ كَعْبٍ قَالَ سَمِعْتُ مِنْ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَذَكَرَ الْفِتَنَ فَقَرَّبَهَا فَمَرَّ رَجُلٌ مُقَنَّعٌ فِيْ ثَوْبٍ فَقَالَ هٰذَا يَوْمَئِذٍ عَلَى الْهُدٰى فَقُمْتُ إِلَيْهِ فَإِذَا هُوَ عُثْمَانُ بْنُ عَفَّانَ قَالَ فَأَقْبَلْتُ عَلَيْهِ بِوَجْهِهِ فَقُلْتُ هٰذَا قَالَ نَعَمْ. (رواه الترمذی)

مرہ بن کعب رضی اللہ تعالیٰ عنہ روایت کرتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے خود سنا ہے کہ جبکہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم آئندہ آنے والے فتنوں کا ذکر فرما رہے تھے اور اس طرح ذکر فرما رہے تھے گویا وہ بہت ہی قریب نمودار ہونے والے ہیں۔ اسی درمیان میں سر پر کپڑا اڑھائے ہوئے ایک شخص گزرا، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ یہ ان ایام میں حق پر ہوگا۔ میں ان کی طرف چلا گیا دیکھتا ہوں کہ وہ عثمان غنی رضی اللہ تعالیٰ عنہ تھے۔ پھر میں نے ان کا رخ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف پھیر کر کہا کہ یہ وہی ہیں؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا یہی ہیں۔ (ترمذی ابن ماجہ)

عَنْ أُمِّ الْفَضْلِ بِنْتِ الْحَارِثِ أَنَّهَا دَخَلَتْ عَلٰى رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقَالَتْ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِنِّيْ رَأَيْتُ حُلْمًا مُنْكَرًا اللَّيْلَةَ قَالَ وَمَا هُوَ قَالَتْ إِنَّهُ شَدِيْدٌ قَالَ وَمَا هُوَ قَالَتْ رَأَيْتُ كَأَنَّ قِطْعَةً مِنْ جَسَدِكَ قُطِعَتْ وَوُضِعَتْ فِيْ حِجْرِيْ فَقَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ رَأَيْتِ خَيْرًا تَلِدُ فَاطِمَةُ إِنْ شَاءَ اللّٰهُ غُلَامًا يَكُوْنُ فِيْ حِجْرِكِ فَوَلَدَتْ فَاطِمَةُ الْحُسَيْنَ فَكَانَ فِيْ حِجْرِيْ كَمَا قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَدَخَلْتُ يَوْمًا عَلٰى رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَوَضَعْتُهُ فِيْ حِجْرِهِ ثُمَّ كَانَتْ مِنِّي الْتِفَاتَةٌ فَإِذَا عَيْنَا رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ تُهْرِيْقَانِ

اللَّمُوعُ قَالَتْ فَقُلْتُ يَا نَبِيَّ اللّٰهِ بِأَبِي أَنْتَ وَأُمِّي مَا لَكَ قَالَ أَتَانِي جِبْرَئِيلُ عَلَيْهِ السَّلَامُ فَأَخْبَرَنِي أَنَّ أُمَّتِي سَتَقْتُلُ ابْنِي هٰذَا فَقُلْتُ هٰذَا قَالَ نَعَمْ وَأَتَانِي بِتُرْبَةٍ مِنْ تُرْبَتِهِ حَمْرَاءَ. (رواہ البیہقی فی دلائل النبوۃ)

ام الفضل بنت حارث روایت کرتی ہیں کہ وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئیں اور عرض کی یا رسول اللہ! (صلی اللہ علیہ وسلم) آج شب میں نے ایک بہت خطرناک خواب دیکھا ہے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا وہ کیا ہے؟ انہوں نے عرض کی وہ بہت ہی سخت ہے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا "آخر کیا ہے؟" انہوں نے عرض کی میں نے دیکھا گویا آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے جسم اطہر کا ایک ٹکڑا کاٹ کر میری گود میں ڈالا گیا ہے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ یہ تو تم نے بہت اچھا خواب دیکھا ہے (حضرت) فاطمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے ان شاء اللہ تعالیٰ لڑکا ہوگا اور وہ تمہاری گود میں ہوگا۔ چنانچہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے فرمان کے مطابق ایسا ہی ہوا کہ حضرت فاطمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے لڑکا ہوا اور وہ میری گود میں آیا پھر ایک دن ایسا ہوا کہ میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئی تو میں نے حضرت حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی گود میں دیا۔ میرا خیال ذرا سی دیر کسی دوسری طرف ہٹا ہوگا کیا دیکھتی ہوں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی آنکھوں سے آنسوؤں کی لڑی بندھی ہوئی ہے۔ میں نے عرض کی یا نبی اللہ! (صلی اللہ علیہ وسلم) میرے ماں باپ آپ صلی اللہ علیہ وسلم پر قربان کیسے مزاج ہیں خیر تو ہے؟ فرمایا جبرئیل علیہ السلام ابھی ابھی میرے پاس آئے اور انہوں نے مجھ کو یہ اطلاع دی کہ میری امت میرے اس جگر گوشہ کو شہید کرے گی۔ میں نے عرض کی کیا ان کو ان کو؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہاں ان ہی کو اور (اس خبر کی تصدیق کے لیے) وہ میرے پاس سرخ مٹی بھی لائے تھے۔ (بیہقی)

عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ أَنَّهُ لَمَّا أَنْزَلَ اللّٰهُ (هُوَ الَّذِي بَعَثَ فِي الْأُمِّيِّينَ رَسُولًا مِنْهُمْ يَتْلُوا عَلَيْهِمْ آيَاتِهِ وَيُزَكِّيهِمْ وَيُعَلِّمُهُمُ الْكِتَابَ وَالْحِكْمَةَ وَإِنْ كَانُوا مِنْ قَبْلُ لَفِي ضَلَالٍ مُبِينٍ وَآخَرِينَ مِنْهُمْ لَمَّا يَلْحَقُوا بِهِمْ وَهُوَ الْعَزِيزُ الْحَكِيمُ) سُئِلَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَنْ هٰؤُلَاءِ الْآخَرِينَ فَقَالَ لَوْ كَانَ الدِّينُ مُعَلَّقًا بِالثُّرَيَّا لَنَالَهُ رِجَالٌ مِنْ أَبْنَاءِ فَارِسَ وَفِي لَفْظٍ لَوْ كَانَ الْإِيمَانُ وَفِي لَفْظِ الْعِلْمُ. (رواہ البخاری)

ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ جب اللہ تعالیٰ نے یہ آیت "هُوَ الَّذِي بَعَثَ فِي الْأُمِّيِّينَ رَسُولًا مِنْهُمْ الخ" یعنی اللہ تعالیٰ کی ذات ہی نے امی لوگوں میں ان ہی میں کا ایک شخص کو رسول بنا کر بھیجا جو ان کو خدا تعالیٰ کی آیتیں پڑھ کر سناتے اور ان کو کفر و شرک کی گندگی سے پاک و صاف کرتے اور ان کو کتاب الٰہی اور عقل کی باتیں سکھاتے ہیں ورنہ اس سے پہلے تو یہ لوگ صریح گمراہی میں مبتلا تھے اور نیز خدا نے ان پیغمبر کو اور لوگوں کی طرف بھی بھیجا۔ جو ابھی تک ان میں نہیں ملے ہیں اور وہی ہے زبردست حکمت والا۔ تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھا گیا یا رسول اللہ! صلی اللہ علیہ وسلم جن دوسرے لوگوں کا اس آیت میں تذکرہ ہے وہ لوگ کون ہیں؟ تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ یہ ابنائے فارس ہیں اگر دین ثریا پر بھی چلا جائے جو بہت بلند ستارہ ہے تو یہ لوگ دین کو وہاں جا کر بھی حاصل کریں گے۔ بعض روایتوں میں یہاں دین کے بجائے ایمان کا اور بعض میں علم کا لفظ آتا ہے۔ (مقصد سب کا ایک ہی ہے ایمان تو دین کی بنیاد ہے اور اسی طرح علم سے مراد بھی علم دین ہی ہے)۔ (بخاری شریف)

تشریح: عہد تابعین اور تبع تابعین میں اسی طرح ظہور پذیر ہوا ابنائے فارس میں دین و علم کے وہ وہ شہباز ظاہر ہوئے جنہوں نے دین کی خاطر ثریا تک پرواز کی اور آسمان علم کے آفتاب و ماہتاب بن کر چمکے جیسے حسن بصری، محمد ابن سیرین، سعید ابن جبیر، عکرمہ مولیٰ ابن عباس، طاؤس، مجاہد ابن جبیر رضی اللہ تعالیٰ عنہم۔ امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کو بھی اسی حدیث کا مصداق سمجھا جاتا ہے اور اس میں کیا شبہ کیا جا سکتا ہے کہ عہد تابعین کے ابنائے فارس میں سے دین کو جو شہرت امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کے ذریعے حاصل ہوئی بحسب انصاف اس کی نظیر ملنا مشکل ہے۔ آج دنیا میں حنفیت کی جو کثرت ہے وہ کسی پر مخفی نہیں ہے۔ ذلک فضل اللہ یوتیہ من یشاء

روایت ہے کہ جب آیت "فسوف یاتی اللہ بقوم یحبہم ویحبونہ" نازل ہوئی تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھا گیا یا رسول اللہ! (صلی اللہ علیہ وسلم) یہ کون لوگ ہیں؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی طرف اشارہ کر کے فرمایا یہ اس کی قوم کے لوگ ہیں اور فرمایا "انی لاجد نفس الرحمن من قبل الیمن" مجھے یمن کی جانب سے رحمن کی رحمت کی لپٹیں آتی محسوس ہوتی ہیں۔ (ابن ابی حاتم ص ۳۳۳ ج ۳)

عَنْ اَنَسٍ قَالَ کَانَ النَّبِیُّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ یَدْخُلُ عَلٰی اُمِّ حَرَامٍ بِنْتِ مِلْحَانَ فَتُطْعِمُہٗ وَکَانَتْ اُمُّ حَرَامٍ تَحْتَ عُبَادَۃَ بْنِ الصَّامِتِ فَدَخَلَ عَلَیْھَا رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ فَاَطْعَمَتْہُ وَجَعَلَتْ تَفْلِیْ رَاْسَہٗ فَنَامَ ثُمَّ اسْتَیْقَظَ وَھُوَ یَضْحَکُ فَقَالَتْ مِمَّ تَضْحَکُ؟ قَالَ عُرِضَ عَلَیَّ نَاسٌ مِنْ اُمَّتِیْ یَرْکَبُوْنَ ثَبَجَ ھٰذَا الْبَحْرِ مُلُوْکًا عَلَی الْاَسِرَّۃِ اَوْ مِثْلَ الْمُلُوْکِ عَلَی الْاَسِرَّۃِ فَقَالَتْ اُمُّ حَرَامٍ اُدْعُ اللّٰہَ اَنْ یَّجْعَلَنِیْ مِنْھُمْ فَدَعَا لَھَا ثُمَّ وَضَعَ رَاْسَہٗ فَنَامَ ثُمَّ اسْتَیْقَظَ وَھُوَ یَضْحَکُ فَقَالَتْ مِمَّ تَضْحَکُ؟ فَقَالَ عُرِضَ عَلَیَّ نَاسٌ مِنْ اُمَّتِیْ کَمَا قَالَ فِی الْاُوْلٰی فَقَالَتْ یَا رَسُوْلَ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ اُدْعُ اللّٰہَ اَنْ یَّجْعَلَنِیْ مِنْھُمْ قَالَ اَنْتِ مِنَ الْاَوَّلِیْنَ. قَالَ اَنَسٌ فَرَکِبَتِ الْبَحْرَ زَمَنَ مُعَاوِیَۃَ بْنِ اَبِیْ سُفْیَانَ فَصُرِعَتْ عَنْ دَابَّتِھَا لَمَّا خَرَجَتْ مِنَ الْبَحْرِ فَھَلَکَتْ. (رواہ الشیخان)

حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ام حرام کے یہاں تشریف لے جاتے اور وہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی تواضع کے طور پر جو کھانا ان کو میسر ہوتا آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے پیش کرتیں۔ یہ عبادہ بن صامت رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی بیوی تھیں۔ ایک مرتبہ ایسا ہوا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم ان کے گھر تشریف لے گئے انہوں نے حسب معمول آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے کھانا پیش کیا اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا سر سہلانے لگیں آپ صلی اللہ علیہ وسلم سو گئے اور تھوڑی دیر بعد مسکراتے ہوئے اٹھے انہوں نے پوچھا آپ صلی اللہ علیہ وسلم کس بات پر مسکرا رہے ہیں؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا میری امت کے کچھ لوگ میرے سامنے پیش کیے گئے تھے جو سمندر کی گہرائی میں جہاد کے لیے سفر کریں گے ایسی شان و شوکت والے نظر آ رہے تھے جیسے بادشاہ اپنے تختوں پر۔ یہ سن کر ام حرام نے عرض کی دعا فرمائیے کہ اللہ مجھے ان میں بنا دے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کے حق میں دعا کر دی۔ اس کے بعد آپ صلی اللہ علیہ وسلم اپنا سر مبارک تکیہ پر رکھ کر پھر سو گئے اور تھوڑی دیر بعد پھر مسکراتے ہوئے اٹھے۔ ام حرام نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے پھر پوچھا کہ آپ کس بات پر مسکرا رہے ہیں؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا

میری اُمت کے کچھ لوگ میرے سامنے پیش کیے گئے تھے اور ان کی شان بھی ویسی ہی بیان فرمائی جیسا کہ پہلی مرتبہ والوں کی انہوں نے عرض کیا کہ آپ میرے لیے دُعا فرما دیجئے کہ اللہ مجھے ان میں بنا دے آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تو پہلی جماعت میں داخل ہو چکی۔ حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ کہتے ہیں ایسا ہی ہوا کہ امیر معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے زمانے میں ام حرام رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے بحری سفر کیا اور جب سفر سے فارغ ہو کر کنارے پر اتریں تو اپنی سواری سے گر پڑیں اور ان کی وفات ہو گئی۔ (شیخین)

تشریح: ام حرام رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی شہادت حضرت عثمان غنی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے عہد میں ہوئی ہے جبکہ امیر معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ ان کی جانب سے نیابت فرما رہے تھے۔ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے عہد تک مسلمانوں کو بحری غزوہ کی نوبت نہ آئی تھی اور سمندر میں سفر کر کے جنگ کا یہ پہلا موقع تھا جس میں جزیرہ قبرص فتح ہوا۔ اسی سلسلہ میں مسلمان دمشق پہنچے اس وقت دمشق میں حضرت ابو الدرداء صحابی بقید حیات تھے یہ رو پڑے۔ جب ان سے پوچھا گیا آپ روتے کیوں ہیں آج کے دن تو اللہ تعالیٰ نے اسلام کو عزت نصیب فرمائی ہے؟ فرمایا کہ میں اس پر روتا ہوں کہ یہ اُمت برابر کفار پر غالب رہی آخر انہوں نے احکام الٰہی کی بجا آوری میں کوتاہی کی تو جیسا تم دیکھ رہے ہو اب اس نوبت کو پہنچ گئی ہے۔

عَنْ حُذَيْفَةَ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فِي الْفِتَنِ الَّتِي تَمُوْجُ مَوْجَ الْبَحْرِ وَقَالَ لِعُمَرَ إِنَّ بَيْنَكَ وَبَيْنَهَا بَابًا مُغْلَقًا يُوْشِكُ ذٰلِكَ الْبَابُ أَنْ يُّكْسَرَ فَسَأَلَهُ مَسْرُوْقٌ مَنْ ذٰلِكَ الْبَابُ فَقَالَ عُمَرُ. (رواه الشیخان)

حضرت حذیفہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی ایک حدیث کا تذکرہ فرماتے ہیں جو اُمت میں ان فتنوں کے متعلق ہے جو سمندر کی ہولناک موجوں کی طرح آنے والے ہیں کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے حق میں فرمایا کہ تمہارے اور ان فتنوں کی آمد کے درمیان ایک دروازہ ہے جو بند ہے قریب ہے کہ وہ دروازہ توڑ دیا جائے گا۔ مسروق کہتے ہیں (ایک تابعی کا نام ہے) میں نے ان سے پوچھا دروازے سے مراد کون شخص ہے؟ انہوں نے فرمایا اس سے مراد عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی خود ذات ہے۔ (شیخین)

عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ سَتَكُوْنُ فِتَنٌ الْقَاعِدُ فِيْهَا خَيْرٌ مِنَ الْقَائِمِ وَالْقَائِمُ خَيْرٌ مِنَ الْمَاشِي وَالْمَاشِي فِيْهَا خَيْرٌ مِنَ السَّاعِي مَنْ تَشَرَّفَ لَهَا تَسْتَشْرِفْهُ وَمَنْ وَجَدَ فِيْهَا مَلْجَأً فَلْيَعُذْ بِهِ رواه ابو بكرة وقال فيه فَإِذَا وَقَعَتْ فَمَنْ كَانَ لَهُ إِبِلٌ فَلْيَلْحَقْ بِإِبِلِهِ وَمَنْ كَانَتْ لَهُ غَنَمٌ فَلْيَلْحَقْ بِغَنَمِهِ وَمَنْ كَانَتْ لَهُ أَرْضٌ فَلْيَلْحَقْ بِأَرْضِهِ. قَالَ فَقَالَ رَجُلٌ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَرَأَيْتَ إِنْ لَّمْ يَكُنْ لَّهُ إِبِلٌ وَّلَا غَنَمٌ وَّلَا أَرْضٌ قَالَ يَعْمِدُ إِلٰى سَيْفِهِ فَيَدُقُّ عَلٰى حَدِّهِ بِحَجَرٍ ثُمَّ لِيَنْجُ إِنِ اسْتَطَاعَ النَّجَاءَ اَللّٰهُمَّ هَلْ بَلَّغْتُ؟ فَقَالَ رَجُلٌ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ أَرَأَيْتَ إِنْ أُكْرِهْتُ حَتّٰى يُنْطَلَقَ بِي إِلٰى أَحَدِ الصَّفَّيْنِ أَوْ إِحْدَى الْفِئَتَيْنِ فَضَرَبَنِي رَجُلٌ بِسَيْفِهِ أَوْ يَجِيْءُ سَهْمٌ فَيَقْتُلُنِي قَالَ يَبُوْءُ بِإِثْمِهِ وَإِثْمِكَ وَيَكُوْنُ مِنْ أَصْحَابِ النَّارِ. (رواه الشیخان)

ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ بیان فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ عنقریب زمانے میں ایسے بڑے بڑے فتنے ہوں گے جن میں بیٹھا شخص کھڑے سے اور کھڑا چلنے والے سے اور چلنے والا سعی کرنے والے شخص سے جو ان میں شریک ہوگا بدرجہا بہتر

ہوگا جو شخص بھی ان کی طرف ذرا نظر اٹھا کر دیکھے گا وہ فتنے اس کو آ کھینچیں گے۔ اس زمانے میں اگر کوئی جائے پناہ کسی کو میسر ہو جائے تو اس کو چاہیے کہ وہ اس کی پناہ لے لے۔ ابوبکرہ صحابی نے اس میں کچھ اور تفصیلات بھی نقل کی ہیں اور فرمایا ہے کہ جب یہ فتنے ظاہر ہوں تو جس شخص کے پاس اونٹ ہوں اس کو چاہیے کہ وہ اپنے اونٹوں میں چلا جائے اور جس کے پاس بکریاں ہوں وہ بکریوں میں چلا جائے اور جس کے پاس زمین کا کوئی ٹکڑا ہو اسے چاہیے کہ وہ اپنی زمین میں چلا جائے۔ راوی کہتا ہے اس پر ایک شخص نے سوال کیا یا رسول اللہ! (صلی اللہ علیہ وسلم) فرمایئے اگر کسی کے پاس نہ اونٹ ہوں نہ بکری اور نہ زمین؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: وہ اپنی تلوار لے کر پتھر سے اس کی دھار توڑ ڈالے اور اگر بچ سکتا ہے تو اس طرح فتنوں کی شرکت سے بچ جائے اس کے بعد آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے خدا کو گواہ کر کے فرمایا! اے اللہ! میں نے تیرا حکم پہنچا دیا یا نہیں؟ یہ سن کر ایک شخص نے کہا یا رسول اللہ! (صلی اللہ علیہ وسلم) فرمایئے اگر میرے ساتھ زبردستی کی جائے یہاں تک کہ مجھ کو گھسیٹ کر کسی ایک صف یا جماعت میں شامل کر دیا جائے اور اس کے بعد کوئی شخص اپنی تلوار سے مجھے قتل کر ڈالے یا کوئی تیر ہی مجھ کو آ لگے اور قتل کر دے (تو میرا حشر کیا ہوگا) آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تیرا اور اس کا گناہ قاتل کی گردن پر ہوگا اور وہی دوزخی ہوگا۔ (مختصر)

عَنْ اِسْمٰعِیْلَ بْنِ اَبِیْ خَالِدٍ عَنْ قَیْسِ بْنِ اَبِیْ حَازِمٍ قَالَ لَمَّا اَقْبَلَتْ عَائِشَۃُ مَرَّتْ بِبَعْضِ مِیَاہِ بَنِیْ عَامِرٍ طَرَقَتْهُمْ لَیْلًا فَسَمِعَتْ نُبَاحَ الْکِلَابِ فَقَالَتْ اَیُّ مَاءٍ هٰذَا؟ قَالُوْا مَاءُ الْحَوْءَبِ قَالَتْ مَا اَظُنُّنِیْ اِلَّا رَاجِعَۃً قَالُوْا مَهْلًا یَرْحَمُکِ اللّٰهُ تَقْدَمِیْنَ فَیَرَاکِ الْمُسْلِمُوْنَ فَیُصْلِحُ اللّٰهُ بِکِ. قَالَتْ مَا اَظُنُّنِیْ اِلَّا رَاجِعَۃً اِنِّیْ سَمِعْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ یَقُوْلُ کَیْفَ بِاِحْدَاکُنَّ تَنْبَحُ عَلَیْهَا کِلَابُ الْحَوْءَبِ. (رواہ ابن حبان)

قیس بن ابی حازم روایت فرماتے ہیں کہ جب حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا جو عامر قبیلے کے ایک پانی پر سے گزریں تو چونکہ شب کے وقت یہاں پہنچی تھیں اس لیے انہوں نے کتوں کے بھونکنے کی آوازیں سنیں تو دریافت فرمایا کہ اس پانی کا کیا نام ہے؟ لوگوں نے کہا یہ "ماء الحوءب" (عراق میں ایک تالاب کا نام) ہے یہ سن کر فرمایا مجھے یقین ہے کہ مجھ کو یہاں سے واپس ہونا ہوگا لوگوں نے عرض کی ایسا نہ کیجئے آپ تشریف لئے جا رہی ہیں جب مسلمان آپ کو دیکھیں گے تو ممکن ہے کہ آپ کے ذریعے سے اللہ تعالیٰ مسلمانوں کے درمیان صلح کی صورت پیدا فرما دے اس کے بعد بھی انہوں نے فرمایا کہ مجھ کو تو واپس ہی جانا ہوگا اور فرمایا کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے ہم کو خطاب کرتے ہوئے خود سنا ہے اس وقت کیا حال ہوگا جبکہ تم میں سے ایک بی بی پر "ماء الحوءب" کے کتے بھونکیں گے۔ (ابن حبان)

عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ قَالَ اَوْحَی اللّٰهُ اِلٰی مُحَمَّدٍ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ اِنِّیْ قَتَلْتُ بِیَحْیٰی سَبْعِیْنَ اَلْفًا وَاِنِّیْ قَاتِلٌ بِابْنِ ابْنَتِکَ سَبْعِیْنَ اَلْفًا وَسَبْعِیْنَ اَلْفًا. (رواہ فی المستدرک)

ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے رسول اعظم محمد صلی اللہ علیہ وسلم پر وحی نازل فرمائی کہ یحییٰ علیہ السلام کی قوم نے جب ان کو قتل کیا تو میں نے ان کا انتقام ستر ہزار انسانوں کو قتل کر کے لیا تھا لیکن آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے نواسے کے قتل کا انتقام میں ستر اور ستر ہزار قتل کر کے لوں گا۔ (مستدرک ص ۱۷۸/۳) ذہبی نے اس کو مسلم کی شرط پر قرار دیا ہے اور حاکم

نے جو روایت میں ۲۹۰ مرتبہ بیان کی ہے اس کی ذہبی نے تضعیف کی ہے۔ (راویان حدیث کے ضعف کی وجہ سے)

تشریح: معلوم رہے کہ امور تکوینیہ اور امور تشریعیہ دونوں الگ الگ رہا کرتے ہیں جن کو نہ پہچاننے والے فضول الجھا کرتے ہیں۔ جب موسیٰ علیہ السلام اسی نکتہ کی وجہ سے خضر علیہ السلام کے ساتھ تین ہی واقعات پر صبر نہ کر سکے تو پھر کسی کا حوصلہ کیا ہے کہ وہ ان کو نباہ دے گا۔ اگر اس فرق کو بغور ملحوظ رکھا جائے تو یہاں بے معنی سوالات کا سلسلہ ہی ختم ہو جائے۔ میں امور تکوینیہ کو کیا سمجھوں کہ اس کے حل کرنے میں تا تک وتاؤں میں تو حضرت موسیٰ وخضر علیہم السلام کے واقعہ سے صرف ایک نتیجہ پر پہنچا ہوں کہ امور تشریعیہ اور امور تکوینیہ کو سمجھنا ہمارے بس سے باہر کی بات ہے۔ حضرت یحییٰ علیہ السلام جیسے اولوالعزم پیغمبر کی قوم نے ان کو قتل کیا تو اس وقت ان کو کیوں نہ روکا پھر بعد میں یہ انتقام کیوں لیا؟؟ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے نواسے کے قتل کی ہمت مسلمانوں کو کیوں ہو پائی پھر اس کے بعد فتنہ تاتار ان پر کیوں مسلط کیا؟ یہ اتمیں جہان کا پیدا کرنے والا ہی جانے ہم اپنے محدود علم کے موافق کچھ سمجھتے مگر وہ بھی عالم غیب میں تکے لگانے کے سوا اور کیا تھا اس لیے سب بھائیوں کے دلوں پر اس واقعہ کا نقش عظمت تو ختم کر کے رخصت ہی ہونا چاہتے ہیں اور ان کو بھی یہ راز بتا دینا چاہتے ہیں کہ وہ غیب کے امور کے پیچھے نہ پڑیں اگر وقت کی اضاعت ہی مطلوب ہو تو اس کو مریخ ستارہ پر پہنچنے والوں کے سپرد کر دیں اور اپنے ظاہری وباطنی معاملات ہی سلجھائیں جو واقعات گزر چکے ان پر غور فرمانے میں اپنا وقت عزیز صرف نہ کریں۔ والسلام

عَنْ نَافِعٍ عَنِ ابْنِ عُمَرَ قَالَ اَمَّرَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فِيْ غَزْوَةِ مُؤْتَةَ زَيْدَ بْنَ حَارِثَةَ فَاِنْ قُتِلَ زَيْدٌ فَجَعْفَرٌ وَاِنْ قُتِلَ جَعْفَرٌ فَعَبْدُ اللّٰهِ بْنُ رَوَاحَةَ قَالَ ابْنُ عُمَرَ كُنْتُ مَعَهُمْ فَفَقَدْنَاهُ يَعْنِي ابْنَ رَوَاحَةَ فَوَجَدْنَاهُ فِيْمَا اَقْبَلَ مِنْ جَسَدِهِ بِضْعًا وَّتِسْعِيْنَ مَا بَيْنَ طَعْنَةٍ وَّرَمْيَةٍ. (رواہ البخاری)

حضرت نافع نے حضرت ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت کی ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے غزوۂ موتہ میں زید بن حارثہ کو امیر لشکر بنایا اور فرمایا کہ اگر زید رضی اللہ تعالیٰ عنہ شہید ہو جائیں تو جعفر رضی اللہ تعالیٰ عنہ امیر ہوں اور اگر جعفر شہید ہو جائیں تو عبداللہ بن رواحہ امیر بنیں۔ ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ میں ان کے ساتھ تھا تو میں نے ان کو یعنی ابن رواحہ کو تلاش کیا تو دیکھا کہ ان کے جسم کے سامنے کے حصہ میں کچھ اوپر نوے زخم نیزوں اور تیروں کے لگے تھے۔ (بخاری)

عَنْ اَنَسِ بْنِ مَالِكٍ قَالَ نَعَى رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ زَيْدًا وَّجَعْفَرًا وَّابْنَ رَوَاحَةَ لِلنَّاسِ قَبْلَ اَنْ يَّاْتِيَهُمْ خَبَرُهُمْ فَقَالَ اَخَذَ الرَّايَةَ زَيْدٌ فَاُصِيْبَ ثُمَّ اَخَذَهَا جَعْفَرٌ فَاُصِيْبَ ثُمَّ اَخَذَهَا عَبْدُ اللّٰهِ بْنُ رَوَاحَةَ فَاُصِيْبَ وَاِنَّ عَيْنَيْ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَتَذْرِفَانِ ثُمَّ اَخَذَهَا خَالِدُ بْنُ الْوَلِيْدِ سَيْفٌ مِّنْ سُيُوْفِ اللّٰهِ حَتّٰى فَتَحَ اللّٰهُ عَلَيْهِمْ. (رواہ البخاری)

انس بن مالک رضی اللہ تعالیٰ عنہ بیان فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے زید جعفر اور ابن رواحہ کی شہادت کی اطلاع آنے سے قبل ہی لوگوں کے سامنے یوں تفصیل بیان فرما دی تھی کہ زید نے جھنڈا سنبھالا اور شہید ہو گئے۔ اس کے بعد جعفر نے جھنڈا سنبھالا اور وہ بھی شہید ہو گئے پھر اس کو عبداللہ بن رواحہ نے سنبھالا اور وہ بھی شہید ہو گئے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر

فرماتے جا رہے تھے اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی آنکھوں سے اشکہائے غم جاری تھے۔ ان کے بعد اس جھنڈے کو خالد بن ولید نے لیا جو قدرت کی شمشیروں میں ایک شمشیر ہیں اور ان کے ہاتھ پر اللہ تعالیٰ نے فتح نصیب فرمائی۔ (بخاری شریف)

عَنْ جَابِرٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ هَلْ لَكُمْ مِنْ اَنْمَاطٍ قُلْتُ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ وَاَنّٰى يَكُوْنُ لَنَا اَنْمَاطٌ قَالَ اَمَا اِنَّهَا سَتَكُوْنُ لَكُمْ اَنْمَاطٌ فَاَنَا اَقُوْلُ الْيَوْمَ لِامْرَاَتِىْ نَحِّىْ عَنِّىْ اَنْمَاطَكِ فَتَقُوْلُ اَلَمْ يَقُلْ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اِنَّهَا سَتَكُوْنُ لَكُمُ الْاَنْمَاطُ. (متفق علیہ)

جابر رضی اللہ تعالیٰ عنہ روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے پوچھا کیا تمہارے پاس گدے (یا منقش چادریں) ہیں؟ ہم نے عرض کیا یا رسول اللہ! (صلی اللہ علیہ وسلم) بھلا ایسی چادریں ہمارے پاس کہاں (مگر ایسا ہوا کہ آخر وہ چادریں ہم کو میسر آگئیں) اور آج جب میں اپنی بی بی سے کہتا ہوں کہ تو اپنی منقش چادریں ہٹالے تو وہ یہ جواب دیتی ہے کہ کیا آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی پیشین گوئی ہے کہا آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے نہیں فرمایا کہ ایسی چادریں آئندہ تمہارے پاس ہوں گی۔ (متفق علیہ)

عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ بَيْنَا اَنَا نَائِمٌ رَاَيْتُ اَنَّهُ وُضِعَ فِىْ يَدَىَّ سِوَارَانِ مِنْ ذَهَبٍ فَكَبُرَا عَلَىَّ وَاَهَمَّانِىْ فَاُوْحِىَ اِلَىَّ اَنِ انْفُخْهُمَا فَنَفَخْتُهُمَا فَطَارَا فَاَوَّلْتُهُمَا كَذَّابَيْنِ يَخْرُجَانِ بَعْدِىْ. (متفق علیہ)

ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا میں سو رہا تھا خواب میں کیا دیکھتا ہوں کہ میرے دونوں ہاتھوں میں سونے کے دو کنگن ہیں مجھے وہ ناگوار ہوئے اور میں نے ان کو توڑ پھینکا ہے مجھے اس کی اجازت دی گئی کہ میں ان کو پھونک مار کر اڑا دوں۔ میں نے ایسا کیا ہے اور وہ اڑ گئے ہیں۔ میں نے اس کی تعبیر یہ دی کہ میرے بعد دو جھوٹے مدعی نبوت کا ظہور ہوگا (اور وہ قتل کر دیے جائیں گے)۔ (متفق علیہ)

عَنْ اَنَسٍ قَالَ كُنَّا مَعَ عُمَرَ بَيْنَ مَكَّةَ وَالْمَدِيْنَةِ فَتَرَاءَيْنَا الْهِلَالَ وَكُنْتُ رَجُلًا حَدِيْدَ الْبَصَرِ فَرَاَيْتُهُ وَلَيْسَ اَحَدٌ يَزْعُمُ اَنَّهُ رَاٰهُ غَيْرِىْ فَجَعَلْتُ اَقُوْلُ لِعُمَرَ اَمَا تَرَاهُ فَجَعَلَ لَا يَرَاهُ قَالَ يَقُوْلُ عُمَرُ سَاَرَاهُ وَاَنَا مُسْتَلْقٍ عَلٰى فِرَاشِىْ ثُمَّ اَنْشَاَ يُحَدِّثُنَا عَنْ اَهْلِ بَدْرٍ فَقَالَ اِنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كَانَ يُرِيْنَا مَصَارِعَ اَهْلِ بَدْرٍ بِالْاَمْسِ يَقُوْلُ هٰذَا مَصْرَعُ فُلَانٍ غَدًا اِنْ شَاءَ اللّٰهُ وَهٰذَا مَصْرَعُ فُلَانٍ غَدًا اِنْ شَاءَ اللّٰهُ قَالَ عُمَرُ وَالَّذِىْ بَعَثَهُ بِالْحَقِّ مَا اَخْطَئُوا الْحُدُوْدَ الَّتِىْ حَدَّهَا رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ. (الحدیث رواہ مسلم)

انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ بیان کرتے ہیں ہم مکہ اور مدینہ کے درمیان سفر کر رہے تھے ہم نے چاند دیکھنے کی کوشش کی میں بہت تیز نظر تھا اس لیے میں نے سب سے پہلے چاند دیکھ لیا اور میرے سوا کسی اور کو نظر نہ آیا میں عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے کہنے لگا کیا آپ کو نظر نہیں آیا؟ کیا آپ کو نظر نہیں آیا مگر ان کو نظر نہیں آتا تھا۔ آخر انہوں نے فرمایا اگر آج نظر نہیں آتا تو کل ان شاء اللہ تعالیٰ مجھ کو بستر پر لیٹے لیٹے خود بخود نظر آجائے گا۔ اس کے بعد آپ نے اہل بدر کے واقعات ذکر کرنے شروع کیے۔ اس سلسلہ میں فرمایا کہ یہ جو شخص ان میں مقتول ہوا ہے آپ ایک دن پہلے نام لے لے کر اس کا مقتل ہم کو بتاتے جاتے تھے یہاں فلاں قتل

ہوگا اور یہاں فلاں ان شاء اللہ تعالیٰ، عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے قسم کھا کر فرمایا کہ جب معرکہ جنگ سرد ہو گیا تو جس کی جو جگہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے مقرر فرمادی تھی وہ اس سے سرمو ادھر ادھر نہ تھا۔

عن الحسن مرسلا قال قال رسول الله صلى الله عليه وسلم يأتي على الناس زمان يكون حديثهم في مساجدهم في أمر دنياهم فلا تجالسوهم فليس لله فيهم حاجة (رواه البيهقي في شعب الإيمان)

حسن رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مرسلا روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ایک زمانہ آئے گا جبکہ لوگ مسجدوں میں دنیوی باتیں کیا کریں گے تم ان کے پاس نہ بیٹھنا کیونکہ ایسے لوگوں کی اللہ تعالیٰ کو کوئی ضرورت نہیں ہے (جو خدا کے گھر میں آکر بھی دنیا کی باتوں میں مشغول رہیں)۔ (بیہقی)

عن عبد الله بن عمرو قال قال رسول الله صلى الله عليه وسلم إن الله لا يقبض العلم انتزاعا ينتزعه من العباد ولكن يقبض العلم بقبض العلماء حتى إذا لم يبق عالم اتخذ الناس رؤوسا جهالا فسئلوا فأفتوا بغير علم فضلوا وأضلوا. (متفق عليه)

عبداللہ بن عمرو رضی اللہ تعالیٰ عنہ روایت فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اللہ تعالیٰ علم کو لوگوں کے سینوں سے براہ راست نہیں نکالے گا بلکہ ایک ایک کر کے علماء کو اٹھاتا رہے گا۔ یہاں تک کہ جب ایک عالم بھی نہ رہے گا تو یہ نوبت آ جائے گی کہ لوگ جاہلوں کو اپنا پیشوا بنا لیں گے پھر ان سے فتوے پوچھے جائیں گے اور وہ بے سوچے بغیر جہالت کے فتوے دیں گے وہ خود بھی گمراہ ہوں گے اور دوسروں کو بھی گمراہ کر دیں گے۔ (متفق علیہ)

عن علي قال قال رسول الله صلى الله عليه وسلم يوشك أن يأتي على الناس زمان لا يبقى من الإسلام إلا اسمه ولا يبقى من القرآن إلا رسمه مساجدهم عامرة وهي خراب من الهدى علماؤهم شر من تحت أديم السماء من عندهم تخرج الفتنة وفيهم تعود. (رواه البيهقي في شعب الإيمان)

حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا وہ زمانہ دور نہیں جبکہ اسلام کا صرف نام ہی نام رہ جائے گا اور قرآن شریف کے صرف نقوش ہی نقوش نظر آئیں گے ان کی مسجدیں آباد نظر آئیں گی مگر ہدایت کے لحاظ سے اجاڑ ہوں گی۔ اس وقت کے علماء آسمان کے نیچے بسنے والوں میں سب سے بدتر ہوں گے فتنے انہی کی طرف سے اٹھیں گے اور لوٹ کر انہیں میں جائیں گے۔ (بیہقی)

تشریح: یہ دور علمائے سوء کا دور ہوگا جبکہ علم نابود ہو جائے گا اور جاہل علماء کے نام سے پکارے جائیں گے۔ جیسا کہ ابھی پہلی حدیث میں گزرا جو لوگ علمائے حقانی پر ان حدیثوں کو چسپاں کر کے مذہب سے بیزار ہو جاتے ہیں وہ صرف ان علماء کی مذمت کو تو پڑھتے ہیں بلکہ حدیث کے ابتدائی مضمون پر بھی غور کر لیں کہ یہ نقشہ اسلام کے دور عروج کا ہے یا اس کے دور زوال کا اور ہمارے حقانی کو ہے یہ علمائے سوء کا۔

عن أبي الدرداء قال كنا مع رسول الله صلى الله عليه وسلم فشخص ببصره إلى السماء ثم قال هذا أوان يختلس فيه العلم حتى لا يقدروا على شيء (رواه الترمذي)

ابو الدرداء رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے آسمان کی طرف حیران ہو کر نظریں اٹھائیں' پھر فرمایا یہی وہ وقت ہوگا جب علم سینوں سے نکال لیا جائے گا حتیٰ کہ علم نبوت میں سے کچھ نہ رہے گا۔ (ترمذی شریف)

عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِنَّ أُنَاسًا مِنْ أُمَّتِيْ سَيَتَفَقَّهُوْنَ فِي الدِّيْنِ وَيَقْرَءُوْنَ الْقُرْاٰنَ يَقُوْلُوْنَ نَأْتِي الْأُمَرَاءَ فَنُصِيْبُ مِنْ دُنْيَاهُمْ وَنَعْتَزِلُهُمْ بِدِيْنِنَا وَلَا يَكُوْنُ ذٰلِكَ كَمَا لَا يُجْتَنٰى مِنَ الْقَتَادِ إِلَّا الشَّوْكُ كَذٰلِكَ لَا يُجْتَنٰى مِنْ قُرْبِهِمْ إِلَّا قَالَ مُحَمَّدُ بْنُ الصَّبَّاحِ كَأَنَّهٗ يَعْنِي الْخَطَايَا۔ (رواہ ابن ماجہ)

ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ میری اُمت میں ایک جماعت ہوگی جو دین کا قانون خوب حاصل کرے گی اور قرآن کی تلاوت بھی کرے گی۔ پھر یہ کہے گی: آؤ ہم ان بے دین حاکموں کے پاس چل کر ان کی دنیا میں بھی حصہ لگا لیں اور اپنا دین ان سے علیحدہ رکھیں لیکن ایسا نہ ہو سکے گا جیسا کانٹے دار درخت کے نزدیک جانے سے سوائے کانٹوں کے اور کچھ نہیں مل سکتا۔ اسی طرح ان کے پاس جا کر سوائے خطاؤں کے اور کچھ نہ حاصل ہو سکے گا۔ (رواہ ابن ماجہ)

تشریح: سفیان ثوری رحمہ اللہ تعالیٰ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ انہوں نے کعب سے پوچھا' فرمایئے وہ کون لوگ ہیں جن کو ارباب العلم کہا جا سکتا ہے؟ انہوں نے جواب دیا' یہ وہ لوگ ہیں کہ جتنا وہ جانتے ہیں اس پر عمل بھی کرتے ہیں۔ پھر انہوں نے سوال کیا اچھا تو علماء کے سینوں سے علم نکالنے والی چیز کیا ہے' فرمایا لالچ۔ (دارمی)

عبداللہ بن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کاش! اگر اہل علم اپنے علم کی قدر کرتے اور جو لوگ اس علم کے اہل تھے صرف ان کو سکھاتے تو اپنے زمانے میں سب کے سردار بن کر رہتے مگر انہوں نے تو اس کو دنیاداروں کے سامنے ڈال دیا تاکہ ان کی دنیا میں سے ان کو بھی کوئی نکڑا مل جائے۔ آخر ان کی نظروں میں وہ ذلیل و خوار بن کر رہ گئے۔ (ابن ماجہ)

ان احادیث کو ہم نے عبرت کے لیے نقل کیا ہے۔ ایک حدیث میں ہے کہ آئندہ چل کر ایسے علماء پیدا ہوں گے جو اپنی روٹی اپنی زبانوں سے اس طرح حاصل کریں گے جیسا بیل زبان سے بھوسا کھاتا ہے۔ ایک حدیث اور نقل کرنا ضروری ہے' فرمایا کہ بہترین مخلوق بہترین علماء ہیں۔ اسی طرح بدترین مخلوق بھی بدترین علماء ہیں۔ خیر و شر کی یہ تقسیم تو قیامت تک جاری رہے گی ہاں قلت و کثرت کا فرق ضرور رہے گا۔ اللہ تعالیٰ توفیق دے کہ ہم ہر دو نوع کے علماء کو پہچانیں اور ان میں فرق قائم رکھیں اور سب کو ایک لاٹھی سے نہ ہانکیں۔ درحقیقت یہاں ان کو شرار علماء کہا گیا ہے ورنہ صرف نمائشی علماء ہوں گے۔ مصیبت یہ ہے کہ خیر و شر کو صحیح طور پر معلوم کرنے کی ہمارے دلوں میں کوئی پرواہ ہی باقی نہیں رہی۔

عَنْ أَبِيْ هُرَيْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَأْتِيْ عَلَى النَّاسِ زَمَانٌ لَا يُبَالِي الْمَرْءُ مَا أَخَذَ مِنْهُ أَمِنَ الْحَلَالِ أَمْ مِنَ الْحَرَامِ۔ (رواہ البخاری)

ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا لوگوں پر ایک زمانہ ایسا آئے گا کہ کسی کو یہ بحث نہ رہے گی کہ جو مال وہ لے رہا ہے یہ حلال ہے یا حرام۔ (بخاری شریف)

تشریح: یہ پیشین گوئی اس دور کی ہے جس میں حرام ذرائع موجود نہ تھے اور حلال میں بھی شبہ نکالے جاتے تھے۔

عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ عَنْ رَسُولِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ لَيَأْتِيَنَّ عَلَى النَّاسِ زَمَانٌ لَا يَبْقَى أَحَدٌ إِلَّا أَكَلَ الرِّبَوٰا فَإِنْ لَمْ يَأْكُلْهُ أَصَابَهُ مِنْ بُخَارِهِ وَيُرْوَى مِنْ غُبَارِهِ. (رواہ احمد و ابو داؤد والنسائی و ابن ماجہ)

ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کرتے ہیں کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا لوگوں پر ایک زمانہ آکر رہے گا جب کوئی شخص ایسا نہ بچے گا جو سود نہ کھائے گا اگر وہ کھانے کا نہیں تو غیر اختیاری طور پر اس کا دھواں غبار وہاں تک پہنچے گا۔ (مسند احمد)

تشریح: ہمارے زمانے میں بیرونی تجارت کا حال سامنے ہے اور اندرون ملک میں معاشی طریقوں کی ابتری بھی پوشیدہ نہیں ہے۔ یہ اس زمانے کی پیشین گوئی ہے جبکہ سود خوری سے لوگوں کی روح کانپتی تھی۔

عَنْ أَبِي مَالِكٍ الْأَشْعَرِيِّ أَنَّهُ سَمِعَ رَسُولَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُولُ لَيَشْرَبَنَّ نَاسٌ مِنْ أُمَّتِي الْخَمْرَ يُسَمُّونَهَا بِغَيْرِ اسْمِهَا. (رواہ ابو داؤد و ابن ماجہ)

ابو مالک اشعری رضی اللہ تعالیٰ عنہ کہتے ہیں کہ انہوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ فرماتے خود سنا ہے کہ میری امت میں کچھ لوگ ضرور ایسے آئیں گے جو شراب پئیں گے اور اس کا نام بدل کر دوسرا نام رکھیں گے۔ (ابوداؤد و ابن ماجہ)

عَنْ عَائِشَةَ قَالَتْ سَمِعْتُ رَسُولَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُولُ إِنَّ أَوَّلَ مَا يُكْفَأُ قَالَ زَيْدُ بْنُ يَحْيَى الرَّاوِي يَعْنِي الْإِسْلَامَ كَمَا يُكْفَأُ الْإِنَاءُ يَعْنِي الْخَمْرَ قِيلَ فَكَيْفَ يَا رَسُولَ اللّٰهِ وَقَدْ بَيَّنَ اللّٰهُ فِيهَا مَا بَيَّنَ قَالَ يُسَمُّونَهَا بِغَيْرِ اسْمِهَا فَيَسْتَحِلُّونَهَا. (رواہ الدارمی)

حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا بیان فرماتی ہیں کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ فرماتے خود سنا ہے کہ دین کی سب سے پہلی چیز جو برتن کی طرح الٹی کی جائے گی وہ شراب ہوگی۔ میں نے عرض کی یا رسول اللہ! (صلی اللہ علیہ وسلم) یہ کیسے ہوگا جبکہ اللہ تعالیٰ اس کی حرمت کو صاف صاف الفاظ میں بیان فرما چکا ہے؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اس طرح کہ وہ اس کا نام بدل کر اس کو حلال بنا لیں گے۔ (دارمی)

عَنْ عَمْرِو بْنِ عَوْفٍ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَوَاللّٰهِ لَا الْفَقْرَ أَخْشَى عَلَيْكُمْ وَلٰكِنْ أَخْشَى عَلَيْكُمْ أَنْ تُبْسَطَ عَلَيْكُمُ الدُّنْيَا كَمَا بُسِطَتْ عَلَى مَنْ كَانَ قَبْلَكُمْ فَتَنَافَسُوهَا كَمَا تَنَافَسُوهَا وَتُهْلِكَكُمْ كَمَا أَهْلَكَتْهُمْ. (متفق علیہ)

عمرو بن عوف رضی اللہ تعالیٰ عنہ روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا خدا کی قسم! تمہارے متعلق مجھ کو فقر و فاقہ کا کوئی خطرہ نہیں ہے بلکہ ڈر اس کا ہے کہ تم پر دنیا اسی طرح پھیلا دی جائے جیسا کہ تم سے پہلی امتوں پر پھیلا دی گئی تھی پھر تم اس میں ایک دوسرے پر حرص کرنے لگو اور وہ تم کو بھی اسی طرح ہلاک کر دے جس طرح کہ تم سے پہلے لوگوں کو ہلاک کیا ہے یعنی غفلت میں ڈال دے۔ (متفق علیہ)

تشریح: یہ پیشین گوئی ان نامساعد حالات میں کی گئی جبکہ امت کے پاس نہ کھانے کو تھا نہ پہننے کو۔ اب ہر چند کہ دنیا

ہمارے ہاتھ میں کچھ نہیں رہی لیکن پھر بھی جو فرزانی موجود ہے پھر اس پر جس طرح حرص نے گھیر رکھا ہے وہ سب پر ظاہر ہے۔ ایام گزشتہ میں ہمارے پاس دنیا کی بھی کوئی کمی نہ تھی۔ آلات جدیدہ نے جو عجائبات ہماری آنکھوں کو دکھائے بھی ان آفات کے بغیر ہم ان کو دکھا چکے ہیں۔ افسوس ہے کہ آج ہماری آنکھیں خود ہی اپنے گزشتہ حالات سے بند ہو چکی ہیں۔ تعجب ہوائی جہازوں کی ایجادات پر کرنا کچھ ہوئے تعجب نہیں تو کل تعجب یہ ہے کہ جب یہ ہوائی جہاز کا سفر تھا تو شرق و غرب کا سفر کس طرح طے کر لیا گیا تھا آج بھی ہم ان عجائبات کی تحقیقات کے فہم سے قاصر ہیں جو دور ماضی میں ہمارے ہاتھوں جاری رہا کرتی تھیں۔ میرا اس وقت یہ مضمون نہیں ہے میں تو صرف پیشین گوئیوں کی نوعیت اور ان کی اہمیت ذہن نشین کرنے کے درپے ہوں جو پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وسلم نے تیرہ سو سال پہلے کی تھیں۔

ترجمہ میں ہدیہ کے ہلاک کرنے کا مطلب گزر چکا ہے آج کل دنیا پرست لوگ سمجھ لیں کہ ہلاکت غفلت ہی کا نام ہے جب حلال حرام کا فرق مٹ جائے خدا تعالیٰ کی یاد قلوب سے نکل جائے تو اس سے بڑھ کر ہلاکت اور کیا ہوگی آج نہیں تو کل یہ بات روشن ہو کر رہے گی۔

عَنْ ثَوْبَانَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يُوْشِكُ الْاُمَمُ اَنْ تَدَاعٰى عَلَيْكُمْ كَمَا تَدَاعَى الْاَكَلَةُ اِلٰى قَصْعَتِهَا فَقَالَ قَائِلٌ وَمِنْ قِلَّةٍ نَحْنُ يَوْمَئِذٍ قَالَ بَلْ اَنْتُمْ يَوْمَئِذٍ كَثِيْرٌ وَلٰكِنَّكُمْ غُثَاءٌ كَغُثَاءِ السَّيْلِ وَلَيَنْزِعَنَّ اللّٰهُ مِنْ صُدُوْرِ عَدُوِّكُمُ الْمَهَابَةَ مِنْكُمْ وَلَيَقْذِفَنَّ فِيْ قُلُوْبِكُمُ الْوَهْنَ فَقَالَ قَائِلٌ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَمَا الْوَهْنُ قَالَ حُبُّ الدُّنْيَا وَكَرَاهِيَةُ الْمَوْتِ۔ رواہ ابو داؤد والبیہقی فی دلائل النبوۃ

ثوبان رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا وہ زمانہ قریب ہے جبکہ قومیں تم پر حملہ کرنے کے لیے ایک دوسرے کو اس طرح پکاریں گی جیسا کہ دعوت پر دسترخوان والے ایک دوسرے کو کھانے کی دعوت دیتے ہیں۔ کیا پر ایک شخص نے بڑے تعجب سے پوچھا یا رسول اللہ! (صلی اللہ علیہ وسلم) کیا اس لیے کہ اس وقت ہماری تعداد بہت کم ہوگی؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا نہیں تمہاری تعداد بہت بڑی ہوگی مگر اس طرح بیکار ہوگے جیسے پانی کے روں سطح پر جھاگ ہوتے ہیں اللہ تعالیٰ تمہاری ہیبت تمہارے دشمنوں کے دلوں سے نکال دے گا اور تمہارے دلوں میں ”الوہن“ ڈال دے گا۔ ایک شخص نے پوچھا یا رسول اللہ! (صلی اللہ علیہ وسلم) ”الوہن“ کیا چیز ہے؟ فرمایا دنیا کی محبت اور موت کی نفرت۔ (ابو داؤد بیہقی)

تشریح: اس حدیث کو بار بار پڑھئے اور غور فرمایئے کہیں یہ دور ہمارا ہی دور تو نہیں ہے؟ کیا آج ہمارے دلوں کو ”الوہن“ نے دبا تو نہیں لیا؟ کیا جو لوگ ہمارے نام سے لرزتے تھے آج وہی ہمارے مقابل میں شیر تو نظر نہیں آتے؟ کیا آج ہماری تعداد دنیا میں کچھ کم ہے؟ پھر کیا آج ہم قوموں کے سامنے حلوائے تر بن کر تو نہیں رہ گئے؟ کیا آج ساری اقوام کی نظریں ہماری ہی طرف لگی ہوئی نہیں؟ انا للہ وانا الیہ راجعون۔ صحابی ہے کہ اس نقشہ کا تصور کرنا بھی اس کے لیے مشکل ہو رہا ہے کیونکہ وہ اس دور میں تھا جبکہ مسلمان مٹھی بھر ہو کر دنیا کو مغلوب بنا چکے تھے پھر وہ کثرت کے دور میں مغلوبیت کا کیا تصور کر سکتا تھا اس لیے متحیر ہو کر یہ سوال کرنے پر مجبور ہو جاتا ہے کہ شاید یہ نوبت ہماری اس لیے ہو جائے گی کہ ہم عدد میں اس دن بہت تھوڑے ہوں گے لیکن اس کی حیرت میں یہ کہہ کر اور اضافہ کر دیا کہ نہیں نہیں اس دن بلحاظ عدد تو تم بہت ہوگے لیکن تمہاری حیثیت دریا کے اوپر

بننے والے خس و خاشاک جیسی ہوگی جو کتنا بھی ہو مگر کسی مصرف کا نہیں ہوتا۔ اسی طرح آخر میں تم میں حرص و طمع کے علاوہ ہمدردی اور خدا ترسی کا نام و نشان بھی نہ رہے گا۔ اب اس نقشہ کو اپنی حالت کے ساتھ ملا کر دیکھتے چلے جایئے۔

عَنْ أَبِي سَعِيدٍ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَتَتَّبِعُنَّ سُنَنَ مَنْ قَبْلَكُمْ شِبْرًا بِشِبْرٍ وَذِرَاعًا بِذِرَاعٍ حَتّٰى لَوْ دَخَلُوا جُحْرَ ضَبٍّ تَبِعْتُمُوهُمْ قِيلَ يَا رَسُولَ اللّٰهِ الْيَهُودَ وَالنَّصَارٰى قَالَ فَمَنْ؟

(متفق علیہ وعند الترمذی عن عبداللّٰہ بن عمرو حتی ان کان منھم من اتی امہ علانیۃ لکان فی امتی من یصنع ذالک۔)

ابوسعید رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تم پہلی اُمتوں کے قدم بقدم تقلید کرتے رہو گے یہاں تک کہ اگر وہ گوہ (جانور) کے سوراخ میں گھسیں گے تو تم اس میں بھی گھس کر رہو گے۔ اس پر آپ سے پوچھا گیا یا رسول اللہ! (صلی اللہ علیہ وسلم) کیا پہلی اُمتوں سے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی مراد یہود و نصاریٰ ہیں؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا یہی نہیں تو پھر اور کون؟ ایک روایت میں ہے کہ اگر ان میں کسی نے اپنی ماں سے کھلم کھلا زنا کیا ہوگا تو میری اُمت میں یہ بھی ہو کر رہے گا۔

عَنْ مِرْدَاسٍ الْأَسْلَمِيِّ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَذْهَبُ الصَّالِحُونَ الْأَوَّلُ فَالْأَوَّلُ وَتَبْقٰى حُفَالَةٌ كَحُفَالَةِ الشَّعِيرِ وَالتَّمْرِ لَا يُبَالِيهِمُ اللّٰهُ بَالَةً. (رواہ البخاری)

مرداس اسلمی رضی اللہ تعالیٰ عنہ روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا نیک لوگ یک ایک کر کے اُٹھتے جائیں گے اور بیکار لوگ رہ جائیں گے جو جَو کی بھوسی اور کھجور کے چورے کی طرح بیکار ہوں گے۔ اللہ تعالیٰ کو ان کی کوئی پرواہ نہ ہوگی۔ (بخاری)

تشریح: یہ پیشین گوئی بھی دیکھنے میں ایک معمولی سی معلوم ہوتی ہے لیکن سوائے اس کے اس کو کوئی کیا کہیے کہ آخر میں مسلمان صرف ایسے رہ جائیں گے جن کی مثال جو اور کھجوروں کی بھوسی کی ہوگی۔ اسلام سے ان کا دور کا واسطہ نہ رہے گا نہ ان کو اپنی دنیوی زندگی کی اصلاح و ترقی کی فکر رہے گی صرف اغراض وابستہ ہو کر رہ جائیں گی اور جو بھی جتنا بھی بااخلاق ہوگا اس کا نظریہ صرف اپنی اغراض ہی رہ جائے گا۔ وہ لوگ خالی ہی خالی ہوں گے جن کے سامنے تحفظ انسانیت و تحفظ اسلام کا سوال باقی رہ جائے جو زیر بحث بھی ہوگی وہ اسلام جیسے مذہب کے برخلاف پھر یہ بھی کس کی؟ یعنی مدعیین اسلام کی۔ ان عجیب انقلابات کی خبریں دینا کیا معجزات شمار نہ کیا جائے۔

عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَا تَقُومُ السَّاعَةُ حَتّٰى يَكْثُرَ الْمَالُ وَيَفِيضَ حَتّٰى يُخْرِجَ الرَّجُلُ زَكٰوةَ مَالِهِ فَلَا يَجِدُ أَحَدًا يَقْبَلُهَا مِنْهُ وَحَتّٰى تَعُودَ أَرْضُ الْعَرَبِ مُرُوجًا وَأَنْهَارًا. (رواہ مسلم)

ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا قیامت نہیں آئے گی جب تک کہ مال کی اتنی کثرت نہ ہو جائے کہ مال بہا بہا پھرنے لگے یہاں تک کہ ایک شخص اپنے مال کی زکوٰۃ دینے کے لیے گھر سے نکلے گا تو اس کو کوئی نہیں ملے گا جو اس کو قبول کرے اور یہاں تک کہ سرزمین عرب سرسبز باغ نہ بن جائے اور اس میں نہریں نہ نکل جائیں۔ (مسلم شریف)

تشریح: یہ پیشین گوئی اس سرزمین کے متعلق ہے جہاں پینے کے پانی کے لیے لوگ ترستے تھے اور سایہ کے لیے کیکر کے درخت کے سوا کوئی درخت نہ ملتا تھا اور وہ بھی بمشکل۔ پھر اس جزم و یقین کے ساتھ ہے جیسے قیامت کی آمد سے پہلے اس کا تسلیم

کرنا نہ معلوم کتنی تاویلات کا محتاج ہوگا لیکن اس خلاف قیاس پیشین گوئی کا آج آنکھیں مشاہدہ کر رہی ہیں اور ایسے حالات پیدا ہوتے جا رہے ہیں کہ عنقریب سو بسوا اس کا مشاہدہ ہوگا۔

عَنْ اَبِیْ هُرَيْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بَادِرُوْا بِالْاَعْمَالِ فِتَنًا كَقِطَعِ اللَّيْلِ الْمُظْلِمِ يُصْبِحُ الرَّجُلُ مُؤْمِنًا وَيُمْسِيْ كَافِرًا وَيُمْسِيْ مُؤْمِنًا وَيُصْبِحُ كَافِرًا يَبِيْعُ دِيْنَهُ بِعَرَضٍ مِّنَ الدُّنْيَا. (رواہ مسلم)

ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ان فتنوں سے پہلے پہلے نیکیاں کر لو جو اندھیری رات کی طرح تاریک ہوں گے (کہ حق و باطل کا پتہ ہی نہ چلے گا) صبح کو ایک شخص مؤمن ہوگا تو شام کو کافر بن جائے گا اور شام کو مؤمن ہوگا تو صبح کو کافر بن جائے گا۔ اپنے دین کو دنیا کے تھوڑے سے مال پر بیچ ڈالے گا۔ (مسلم شریف)

تشریح: اس پیشین گوئی کی حقیقت مدتوں واضح نہ ہو سکی تھی کہ آج سے تقریباً بیس سال قبل کسی تاویل کے بغیر آنکھیں اس کا مشاہدہ کر چکی ہیں۔ ٹھیک اسی طرح رات اور دن کی گردش کے ساتھ ساتھ دین بدلا کرتا تھا۔ نعوذ باللہ من شر الفتن ما ظهر منها وما بطن

عَنْ اَبِیْ هُرَيْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَالَّذِيْ نَفْسِيْ بِيَدِهٖ لَا تَذْهَبُ الدُّنْيَا حَتّٰى يَاْتِيَ عَلَى النَّاسِ يَوْمٌ لَا يَدْرِي الْقَاتِلُ فِيْمَ قَتَلَ وَلَا الْمَقْتُوْلُ فِيْمَ قُتِلَ فَقِيْلَ كَيْفَ يَكُوْنُ ذٰلِكَ قَالَ الْهَرْجُ الْقَاتِلُ وَالْمَقْتُوْلُ فِي النَّارِ. (رواہ مسلم)

ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اس ذات کی قسم جس کے قبضہ میں میری جان ہے دنیا ختم نہیں ہو سکتی یہاں تک کہ لوگوں پر وہ دور آ جائے جس میں قاتل کو یہ بھی خبر نہ ہو کہ اس نے کس جرم میں قتل کیا ہے اور مقتول کو یہ خبر نہ ہو کہ کس جرم میں اس کو قتل کیا گیا ہے۔ عرض کی گئی کہ یہ ظلم کیسے ہوگا؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا وہ زمانہ اندھا دھند قتل کا ہوگا ایسے زمانے کے قاتل و مقتول دونوں دوزخ میں جائیں گے۔ (مسلم شریف)

تشریح: اس بعید از قیاس پیشین گوئی کا نظارہ ۴۷ء کے انقلاب میں کس صفائی سے آنکھوں نے دیکھ لیا۔ گزشتہ بڑے بڑے اہل علم اپنی کتابوں میں اس کی تاویلیں کر کے چلے گئے کیا کسی اعجاز سے یہ پیشین گوئی کم ہے۔

عَنْ يَعْلَى بْنِ مُرَّةَ عَنْ اَبِيْهِ فِيْ قِصَّةِ اِلْقَاءِ الشَّجَرَتَيْنِ اَنَّ امْرَاَةً اَتَتْهُ فَقَالَتْ اِنَّ ابْنِيْ هٰذَا بِهٖ لَمَمٌ مُنْذُ سَبْعِ سِنِيْنَ يَاْخُذُهٗ كُلَّ يَوْمٍ مَرَّتَيْنِ فَقَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَدْنِيْهِ فَاَدْنَتْهُ مِنْهُ فَتَفَلَ فِيْ فِيْهِ وَقَالَ اخْرُجْ عَدُوَّ اللّٰهِ اَنَا رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ ثُمَّ قَالَ لَهَا رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اِذَا رَجَعْنَا فَاَعْلِمِيْنَا مَا صَنَعَ فَلَمَّا رَجَعَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اسْتَقْبَلَتْهُ وَمَعَهَا كَبْشَانِ وَاَقِطٌ وَسَمْنٌ فَقَالَ لَهَا رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ خُذِيْ هٰذَا الْكَبْشَ فَاتَّخِذِيْ مِنْهُ مَا اَرَدْتِ فَقَالَتْ وَالَّذِيْ اَكْرَمَكَ مَا رَاَيْنَا بِهٖ شَيْئًا مُنْذُ فَارَقْتَنَا ثُمَّ ذَكَرَ قِصَّةَ اِتْيَانِ الْبَعِيْرِ وَشِكَايَتَهٗ قِلَّةَ عَلَفِهٖ الخ. (رواہ فی المستدرک ص ۶۱۸/۲ وقال الذہبی صحیح)

یعلی بن مرہ اپنے والد سے دو درختوں کے مل جانے کے سلسلہ میں روایت کرتے ہیں کہ ایک عورت حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی

خدمت میں حاضر ہوئی اور کہنے لگی یہ میرا ایک بچہ ہے اس پر سات برس سے آسیب کا اثر ہے اور ہر روز دو مرتبہ اس کو دورہ پڑتا ہے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اسے میرے پاس لاؤ تو وہ اسے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس لے گئی تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کے منہ میں تھتکارا اور فرمایا اللہ کے دشمن نکل جا دور ہو میں اللہ کا رسول ہوں۔ پھر حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جب ہم سفر سے واپس آئیں تو ہم کو حال بتانا کہ کیا ہوا تو جب حضور صلی اللہ علیہ وسلم واپس لوٹے تو وہ عورت حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے آئی اور اپنے ہمراہ کچھ پنیر، بکریاں اور دو مینڈھے لائی حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اس سے فرمایا یہ مینڈھا لے لو اور جو تیرا جی چاہے وہ کر۔ اس عورت نے کہا اس ذات پاک کی قسم جس نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو کرامت و بزرگی عطا فرمائی۔ جب سے آپ صلی اللہ علیہ وسلم ہمیں چھوڑ کر تشریف لے گئے ہم نے اس لڑکے پر آسیب کا کچھ اثر نہیں دیکھا۔ اس کے بعد راوی نے آپ کے سامنے اونٹ کے آنے کا اس حال میں کہ اس کی آنکھوں سے آنسو بہہ رہے تھے قصہ بیان کیا۔

عَنْ اَنَسٍ قَالَ اِنَّكُمْ لَتَعْمَلُوْنَ اَعْمَالًا هِيَ اَدَقُّ فِيْ اَعْيُنِكُمْ مِنَ الشَّعْرِ كُنَّا نَعُدُّهَا عَلٰى عَهْدِ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مِنَ الْمُوْبِقَاتِ يَعْنِيْ مِنَ الْمُهْلِكَاتِ۔ (رواه البخاری)

انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں تم لوگ کچھ عمل کرتے ہو جو تمہاری نظروں میں تو بال سے بھی باریک ہوتے ہیں مگر ہم لوگ ان کو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانے میں تباہ کن شمار کیا کرتے تھے۔ (بخاری شریف)

عَنْ عَائِشَةَ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ يَا عَائِشَةُ اِيَّاكِ وَمُحَقَّرَاتِ الذُّنُوْبِ فَاِنَّ لَهَا مِنَ اللّٰهِ طَالِبًا۔ (رواه ابن ماجه والدارمی والبيهقی فی شعب الايمان)

حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا عائشہ صدیقہ دیکھو! خبردار معمولی معمولی گناہوں کا بڑا خیال رکھنا کیونکہ اللہ تعالیٰ کی جانب سے اس پر بھی باز پرس ہوگی۔ (ابن ماجہ)

تشریح: اس روایت سے حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی مذکورہ بالا روایت کی شرح بھی ہوگئی اور معلوم ہوگیا کہ حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ اس کا شکوہ کر رہے ہیں کہ تم لوگ چھوٹے گناہوں کی چوٹ ہو کر ان کو معمولی بات سمجھتے ہو اور ہم ان کو ہلاک کر دینے والا سمجھا کرتے تھے۔

عَنْ اَبِيْ هُرَيْرَةَ قَالَ قَالَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَا تَقُوْمُ السَّاعَةُ حَتّٰى يُقْبَضَ الْعِلْمُ وَتَكْثُرَ الزَّلَازِلُ وَيَتَقَارَبَ الزَّمَانُ وَتَظْهَرَ الْفِتَنُ وَيَكْثُرَ الْهَرْجُ وَهُوَ الْقَتْلُ حَتّٰى يَكْثُرَ فِيْكُمُ الْمَالُ فَيَفِيْضَ۔ (رواه البخاری)

ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا بیان ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا قیامت اس وقت تک نہیں آسکتی جب تک کہ علم نبوت نہ اٹھ جائے اور بھونچال کثرت کے ساتھ نہ آنے لگیں اور دنوں میں بے برکتی نمایاں طور پر محسوس نہ ہو اور فتنوں کا ظہور ہونے لگے اور قتل کی کثرت اس طرح نہ ہو جائے کہ حق و ناحق کا امتیاز ہی باقی نہ رہے یہاں تک کہ جب مال کے لینے والے ہی کم رہ جائیں تو مال پانی کی طرح بہنے لگے۔ (بخاری)

تشریح: یہ ہے علم غیب کا وہ حصہ جو نا آشنا افراد پر اب تک اوجھل رہا ہے وہ نہیں جانتے کہ آپ سے جو سوال آپ کی آخری عمر

میں ہوا وہ بھی عجیب و غریب واقعات تھے جن کو "الا تخبرنی عن اماراتہا" میں دریافت کیا گیا تھا یعنی اگر آپ کو قیامت کا صحیح وقت معلوم نہیں تو اس کی کچھ علامات ہی بیان فرما دیجئے۔ حدیثوں میں بیہودہ مختصروں کے لیے اس کی بڑی لمبی چوڑی تفصیلات موجود ہیں اگر ہم ادھر جائیں تو ان علامات کے ذکر ہی کے لیے ایک جلد درکار ہے۔ اب سوچیے کہ علوم کی کتنی کثرت ہے اور علم نبوت کا کتنا فقدان ہوتا جارہا ہے کیا یہ قیاس کی بات ہے کہ جس عہد سعود میں سوائے علوم نبوت کے ان علوم کا پتہ بھی نہ ہو اس زمانے میں یہ تاڑ لیا جائے کہ یہ علم کم ہو کر وہ زمانہ آنے والا ہے جبکہ "تعلیم یافتہ" طبقہ وہی کہلائے گا جو علم نبوت سے یکسر خالی ہو۔ اسی طرح اسی ایک حدیث کو آخر تک دیکھتے جائیے اور موجودہ دنیا کے واقعات ساتھ ملاتے جائیے تو آپ کو ایک سے ایک عظیم تر نظر آتا جائے گا۔ ہے کوئی نظر عبرت جو ان واقعات کو دیکھے؟ ہے کوئی صحیح موعظت جو ان محیر العقول معجزات کا شنا کر ادا کر سکے؟ پھر معجزات نظر آئیں تو کیسے؟ "وان یروا او ظنوا انہ یرجعون لقالوا انما سکرت ابصارنا بل نحن قوم مسحورون" (قرآن کریم مراعات)

عَنْ نِيَارِ بْنِ مُكْرَمٍ الْاَسْلَمِيِّ قَالَ لَمَّا نَزَلَتْ (الٓمٓ غُلِبَتِ الرُّوْمُ فِيْ اَدْنَى الْاَرْضِ وَهُمْ مِنْ بَعْدِ غَلَبِهِمْ سَيَغْلِبُوْنَ فِيْ بِضْعِ سِنِيْنَ) فَكَانَتْ فَارِسُ يَوْمَ نَزَلَتْ هٰذِهِ الْاٰيَةُ قَاهِرِيْنَ لِلرُّوْمِ وَكَانَ الْمُسْلِمُوْنَ يُحِبُّوْنَ ظُهُوْرَ الرُّوْمِ عَلَيْهِمْ لِاَنَّهُمْ وَاِيَّاهُمْ اَهْلُ كِتَابٍ وَفِيْ ذٰلِكَ قَوْلُهُ تَعَالٰى (وَيَوْمَئِذٍ يَّفْرَحُ الْمُؤْمِنُوْنَ بِنَصْرِ اللّٰهِ يَنْصُرُ مَنْ يَّشَآءُ وَهُوَ الْعَزِيْزُ الرَّحِيْمُ) وَكَانَتْ قُرَيْشٌ تُحِبُّ ظُهُوْرَ فَارِسَ لِاَنَّهُمْ وَاِيَّاهُمْ لَيْسُوْا بِاَهْلِ كِتَابٍ وَلَا اِيْمَانٍ بِبَعْثٍ فَلَمَّا اَنْزَلَ اللّٰهُ هٰذِهِ الْاٰيَةَ خَرَجَ اَبُوْبَكْرٍ يَصِيْحُ فِيْ نَوَاحِيْ مَكَّةَ (الٓمٓ غُلِبَتِ الرُّوْمُ فِيْ اَدْنَى الْاَرْضِ وَهُمْ مِنْ بَعْدِ غَلَبِهِمْ سَيَغْلِبُوْنَ فِيْ بِضْعِ سِنِيْنَ) فَقَالَ نَاسٌ مِنَ الْمُشْرِكِيْنَ لِاَبِيْ بَكْرٍ فَذٰلِكَ بَيْنَنَا وَبَيْنَكُمْ زَعَمَ صَاحِبُكُمْ اَنَّ الرُّوْمَ سَتَغْلِبُ فَارِسًا فِيْ بِضْعِ سِنِيْنَ اَفَلَا نُرَاهِنُكَ عَلٰى ذٰلِكَ قَالَ بَلٰى وَذٰلِكَ قَبْلَ تَحْرِيْمِ الرِّهَانِ فَارْتَهَنَ اَبُوْبَكْرٍ وَالْمُشْرِكُوْنَ وَتَوَاضَعُوا الرِّهَانَ وَقَالُوْا لِاَبِيْ بَكْرٍ كَمْ تَجْعَلُ الْبِضْعَ ثَلَاثُ سِنِيْنَ اِلٰى تِسْعِ سِنِيْنَ فَسَمِّ بَيْنَنَا وَبَيْنَكَ وَسَطًا تَنْتَهِيْ اِلَيْهِ قَالُوْا فَسَمَّوْا بَيْنَهُمْ سِتَّ سِنِيْنَ قَالَ فَمَضَتِ السِّتُّ سِنِيْنَ قَبْلَ اَنْ يَّظْهَرُوْا فَاَخَذَ الْمُشْرِكُوْنَ رَهْنَ اَبِيْ بَكْرٍ فَلَمَّا دَخَلَتِ السَّنَةُ السَّابِعَةُ ظَهَرَتِ الرُّوْمُ عَلٰى فَارِسَ فَعَابَ الْمُسْلِمُوْنَ عَلٰى اَبِيْ بَكْرٍ تَسْمِيَةَ سِتِّ سِنِيْنَ قَالَ لِاَنَّ اللّٰهَ تَعَالٰى قَالَ فِيْ بِضْعِ سِنِيْنَ قَالَ وَاَسْلَمَ عِنْدَ ذٰلِكَ نَاسٌ كَثِيْرٌ (رواه الترمذی وقال هذا حديث حسن صحيح غريب لا نعرفه الا من حديث عبد الرحمن بن ابي الزناد)

نیار بن مکرم بیان کرتے ہیں کہ جب آیت (الم غلبت الروم الخ) روم کی فتح کی بشارت لے کر اتری تو اس وقت تک فارس روم پر غالب تھا اور رومی چونکہ اہل کتاب تھے اور مسلمان بھی قرآن پاک کو مانتے تھے اس اشتراک کی وجہ سے مسلمانوں کی تمنا یہی تھی کہ رومی غالب ہوں اسی کی طرف آیت "یومئذ یفرح المؤمنون" میں اشارہ ہے اور قریش یہ چاہتے تھے کہ فتح اہل فارس کی ہو کیونکہ یہ دونوں بت پرست تھے نہ کسی کتاب کے قائل تھے نہ قیامت کو مانتے تھے اس لیے جب فتح روم کی آیت اتری تو حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ

تعالیٰ عنہ مکہ مکرمہ کی گلیوں اور گلیوں میں جا جا کر یہ آیت پڑھ پڑھ کر سناتے جاتے تھے۔ اس پر کچھ مشرکوں نے ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے کہا کیا تمہارے رسول کا یہ دعویٰ ہے کہ چند سالوں میں رومی اہل فارس پر غالب آ جائیں گے تو آؤ اس پر ہماری تمہاری ہار جیت کی بازی ہے۔ انہوں نے فرمایا بہت مناسب یہ بات اس زمانے کی ہے جبکہ بازی لگانا حرام نہ تھی۔ بہرحال حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے مشرکین سے بازی بدل لی اور ایک مال مقرر پر اتفاق ہو گیا جو جیتے وہ اس کو لے لے مشرکوں نے ابوبکر سے کہا بضع کا لفظ عربی میں تین سے نو تک اطلاق ہوتا ہے اس لیے آؤ اس کے درمیان کی ایک مدت مقرر کر لیں۔ آخر چھ سال کی مدت مقرر ہو گئی۔ جب اس مدت میں رومیوں کو فتح نہ ہوئی تو حسب قرارداد بازی کا مال مشرکوں نے وصول کر لیا۔ پھر جب ساتواں سال شروع ہوا تو رومی فارس پر غالب آ گئے اور حسب پیشین گوئی ان کو فتح نصیب ہو گئی اس پر مسلمانوں نے ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ پر نکتہ چینی کی کہ آپ نے یہ مدت کیوں مقرر فرمائی تھی جبکہ بضع کا لفظ نو تک استعمال ہوتا ہے۔ راوی کہتا ہے کہ جب حسب پیشین گوئی رومیوں کو فتح حاصل ہوئی تو یہ دیکھ کر اسی دن بہت سے مشرک اسلام کے حلقہ میں داخل ہو گئے۔ (ترمذی شریف)

عَنْ اَبِیْ هُرَیْرَةَ قَالَ یَقُوْلُوْنَ اِنَّ اَبَا هُرَیْرَةَ یُکْثِرُ الْحَدِیْثَ وَاللّٰهُ الْمَوْعِدُ وَیَقُوْلُوْنَ مَا لِلْمُهَاجِرِیْنَ وَالْاَنْصَارِ لَا یُحَدِّثُوْنَ مِثْلَ اَحَادِیْثِهٖ وَاِنَّ اِخْوَتِیْ مِنَ الْمُهَاجِرِیْنَ کَانَ یَشْغَلُهُمُ الصَّفْقُ بِالْاَسْوَاقِ وَاِنَّ اِخْوَتِیْ مِنَ الْاَنْصَارِ کَانَ یَشْغَلُهُمْ عَمَلُ اَمْوَالِهِمْ وَکُنْتُ امْرَأً مِّسْکِیْنًا اَلْزَمُ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ عَلٰی مِلْءِ بَطْنِیْ فَاَحْضُرُ حِیْنَ یَغِیْبُوْنَ وَاَعِیْ حِیْنَ یَنْسَوْنَ وَقَالَ النَّبِیُّ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ یَوْمًا لَنْ یَّبْسُطَ اَحَدٌ مِّنْکُمْ ثَوْبَهٗ حَتّٰی اَقْضِیَ مَقَالَتِیْ هٰذِهٖ ثُمَّ یَجْمَعَهٗ اِلٰی صَدْرِهٖ فَیَنْسٰی مِنْ مَّقَالَتِیْ شَیْئًا اَبَدًا فَبَسَطْتُ نَمِرَةً لَیْسَ عَلَیَّ ثَوْبٌ غَیْرُهَا حَتّٰی قَضَی النَّبِیُّ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ مَقَالَتَهٗ ثُمَّ جَمَعْتُهَا اِلٰی صَدْرِیْ فَوَالَّذِیْ بَعَثَهٗ بِالْحَقِّ مَا نَسِیْتُ مِنْ مَّقَالَتِهٖ تِلْکَ اِلٰی یَوْمِیْ هٰذَا وَاللّٰهِ لَوْلَا اٰیَتَانِ فِیْ کِتَابِ اللّٰهِ مَا حَدَّثْتُکُمْ شَیْئًا اَبَدًا اِنَّ الَّذِیْنَ یَکْتُمُوْنَ مَا اَنْزَلْنَا مِنَ الْبَیِّنٰتِ وَالْهُدٰی اِلٰی قَوْلِهِ الرَّحِیْمُ (رواہ البخاری)

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ بیان کرتے ہیں کہ لوگوں کا کہنا ہے کہ ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ حدیثیں بہت بیان کرتے ہیں اور یہ کہتے ہیں کہ آخر یہ دوسرے مہاجرین اور انصار ان کی طرح احادیث کیوں نہیں بیان کرتے۔ بات یہ تھی کہ میرے دوسرے ساتھی مہاجرین کو بازاروں میں تجارتی لین دین کرنا معروف و مشغول رکھتا تھا اور میرے انصار بھائیوں کو اپنے مال جانور کے کاروبار دھندے میں لگائے رکھتے تھے میں ایک نادار انسان تھا بس حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ چمٹا رہتا تھا اس آسرے پر کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم ہی مجھے پیٹ بھر کھانا کھلا سکتے ہیں تو میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس ایسے وقت جاتا تھا جب دوسرے لوگ وہاں نہ ہوتے تھے اور میں ہی آپ کی باتیں یاد رکھتا تھا جب کہ دوسرے لوگ ان کو بھول جاتے تھے۔ ایک دن کا واقعہ ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تم میں سے جو شخص بھی اپنا کپڑا اس وقت تک پھیلائے رکھے گا جب تک میں اپنی یہ بات ختم نہ کر لوں۔ پھر وہ اس کپڑے کو سمیٹ کر سینے سے لگا لے تو وہ میری ایک حدیث بھی نہ بھولے گا۔ میرے پاس اس وقت ایک ہی اونی چادر تھی میں نے وہی بچھا دی یہاں تک کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی تقریر پوری فرمائی پھر میں نے اسے سمیٹ

کر اپنے سینے سے لگالیا تو اس ذات کی قسم جس نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو دین حق دے کر بھیجا ہے کہ وہ دن ہے اور آج کا کہ میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی ایک حدیث بھی نہیں بھولا۔ خدا کی قسم! اگر قرآن میں یہ دو آیتیں نہ ہوتیں (ان الذین یکتمون الی قوله الرحیم) تو میں تم لوگوں سے یہ حدیثیں کبھی بیان نہ کرتا۔ (بخاری شریف)

تشریح: اس روایت کے الفاظ میں اختلاف ہے لیکن جو بات مجموعہ الفاظ و روایات سے متحقق ہوتی ہے وہ یہ ہے کہ ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا یہ بیان صرف اس وقت کی حدیث پر نہیں بلکہ عمر بھر کی حدیثوں پر حاوی تھا اور اس کا ثبوت اس سے ملتا ہے کہ آج بھی صحابہ میں سے مفتین و مکثرین کی فہرست میں ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا نام بلا اختلاف مکثرین صحابہ کی فہرست میں شمار ہوتا ہے۔

باخبر لوگ آپ کو پہچان لیتے تھے

عن ابن عباس ان ابا سفيان بن حرب اخبره ان هرقل ارسل اليه في ركب من قريش كانوا تجارا بالشام في المدة التي كان رسول الله صلى الله عليه وسلم ماد فيها ابا سفيان وكفار قريش فاتوه وهم بايلياء فدعاهم وحوله عظماء الروم ثم دعاهم فدعا بالترجمان فقال ايكم اقرب نسبا بهذا الرجل الذي يزعم انه نبي قال ابو سفيان فقلت انا اقربهم فقال ادنوه مني وقربوا اصحابه فاجعلوهم عند ظهره ثم قال لترجمانه قل لهم اني سائل هذا عن هذا الرجل فان كذبني فكذبوه فو الله لولا الحياء ان يأثروا علي كذبا لكذبت عنه ثم كان اول ما سألني عنه ان قال كيف نسبه فيكم قلت هو فينا ذو نسب قال فهل قال هذا القول منكم احد قط قبله قلت لا قال فهل كان من آبائه من ملك قلت لا قال فاشراف الناس اتبعوه ام ضعفاؤهم قلت ضعفاؤهم قال ايزيدون ام ينقصون قلت بل يزيدون قال فهل يرتد احد منهم سخطة لدينه بعد ان يدخل فيه قلت لا قال فهل كنتم تتهمونه بالكذب قبل ان يقول ما قال قلت لا قال فهل يغدر قلت لا ونحن منه في مدة لا ندري ما هو فاعل فيها ولم تمكني كلمة ادخل فيها شيئا غير هذه الكلمة قال فهل قاتلتموه قلت نعم قال فكيف كان قتالكم اياه قلت الحرب بيننا وبينه سجال ينال منا وننال منه قال فماذا يأمركم قلت اعبدوا الله وحده ولا تشركوا به شيئا واتركوا ما كان يعبد آباؤكم ويأمرنا بالصلوة والصدق والعفاف والصلة فقال للترجمان قل له اني سألتك عن نسبه فذكرت انه فيكم ذو نسب وكذلك الرسل تبعث في نسب قومها وسألتك هل قال احد منكم هذا القول قبله فذكرت ان لا فقلت لو كان احد قال هذا القول قبله لقلت رجل يتأسى بقول قيل قبله وسألتك هل كان في آبائه من ملك فذكرت ان لا فقلت لو كان من آبائه من ملك قلت رجل يطلب ملك ابيه وسألتك هل كنتم تتهمونه

بِالْكَذِبِ قَبْلَ أَنْ يَقُولَ مَا قَالَ فَذَكَرْتَ أَنْ لَا فَقَدْ أَعْرِفُ أَنَّهُ لَمْ يَكُنْ لِيَذَرَ الْكَذِبَ عَلَى النَّاسِ وَيَكْذِبَ عَلَى اللّٰهِ وَسَأَلْتُكَ أَشْرَافُ النَّاسِ اتَّبَعُوهُ أَمْ ضُعَفَاؤُهُمْ فَذَكَرْتَ أَنَّ ضُعَفَاءَهُمُ اتَّبَعُوهُ وَهُمْ أَتْبَاعُ الرُّسُلِ وَسَأَلْتُكَ أَيَزِيدُونَ أَمْ يَنْقُصُونَ فَذَكَرْتَ أَنَّهُمْ يَزِيدُونَ وَكَذَلِكَ أَمْرُ الْإِيمَانِ حَتَّى يَتِمَّ وَسَأَلْتُكَ أَيَرْتَدُّ أَحَدٌ سَخْطَةً لِدِينِهِ بَعْدَ أَنْ يَدْخُلَ فِيهِ فَذَكَرْتَ أَنْ لَا وَكَذَلِكَ الْإِيمَانُ حِينَ تُخَالِطُ بَشَاشَتُهُ الْقُلُوبَ وَسَأَلْتُكَ هَلْ يَغْدِرُ فَذَكَرْتَ أَنْ لَا وَكَذَلِكَ الرُّسُلُ لَا تَغْدِرُ وَسَأَلْتُكَ بِمَا يَأْمُرُكُمْ فَذَكَرْتَ أَنَّهُ يَأْمُرُكُمْ أَنْ تَعْبُدُوا اللّٰهَ وَحْدَهُ وَلَا تُشْرِكُوا بِهِ شَيْئًا وَيَنْهَاكُمْ عَنْ عِبَادَةِ الْأَوْثَانِ وَيَأْمُرُكُمْ بِالصَّلَاةِ وَالصِّدْقِ وَالْعَفَافِ فَإِنْ كَانَ مَا تَقُولُ حَقًّا فَسَيَمْلِكُ مَوْضِعَ قَدَمَيَّ هَاتَيْنِ وَقَدْ كُنْتُ أَعْلَمُ أَنَّهُ خَارِجٌ لَمْ أَكُنْ أَظُنُّ أَنَّهُ مِنْكُمْ فَلَوْ أَعْلَمُ أَنِّي أَخْلُصُ إِلَيْهِ لَتَجَشَّمْتُ لِقَاءَهُ وَلَوْ كُنْتُ عِنْدَهُ لَغَسَلْتُ عَنْ قَدَمَيْهِ ثُمَّ دَعَا بِكِتَابِ رَسُولِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ الَّذِي بَعَثَ بِهِ دِحْيَةَ إِلَى عَظِيمِ بُصْرَى فَدَفَعَهُ إِلَى هِرَقْلَ فَقَرَأَهُ فَإِذَا فِيهِ بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيمِ مِنْ مُحَمَّدٍ عَبْدِ اللّٰهِ وَرَسُولِهِ إِلَى هِرَقْلَ عَظِيمِ الرُّومِ. سَلَامٌ عَلَى مَنِ اتَّبَعَ الْهُدَى أَمَّا بَعْدُ فَإِنِّي أَدْعُوكَ بِدِعَايَةِ الْإِسْلَامِ أَسْلِمْ تَسْلَمْ يُؤْتِكَ اللّٰهُ أَجْرَكَ مَرَّتَيْنِ فَإِنْ تَوَلَّيْتَ فَإِنَّ عَلَيْكَ إِثْمَ الْأَرِيسِيِّينَ وَيَا أَهْلَ الْكِتَابِ تَعَالَوْا إِلَى كَلِمَةٍ سَوَاءٍ بَيْنَنَا وَبَيْنَكُمْ أَنْ لَا نَعْبُدَ إِلَّا اللّٰهَ وَلَا نُشْرِكَ بِهِ شَيْئًا وَلَا يَتَّخِذَ بَعْضُنَا بَعْضًا أَرْبَابًا مِنْ دُونِ اللّٰهِ فَإِنْ تَوَلَّوْا فَقُولُوا اشْهَدُوا بِأَنَّا مُسْلِمُونَ. قَالَ قَالَ أَبُو سُفْيَانَ فَلَمَّا قَالَ مَا قَالَ وَفَرَغَ مِنْ قِرَاءَةِ الْكِتَابِ كَثُرَ عِنْدَهُ الصَّخَبُ وَارْتَفَعَتِ الْأَصْوَاتُ وَأُخْرِجْنَا فَقُلْتُ لِأَصْحَابِي لَقَدْ أَمِرَ أَمْرُ ابْنِ أَبِي كَبْشَةَ إِنَّهُ يَخَافُهُ مَلِكُ بَنِي الْأَصْفَرِ فَمَا زِلْتُ مُوقِنًا أَنَّهُ سَيَظْهَرُ حَتَّى أَدْخَلَ اللّٰهُ عَلَيَّ الْإِسْلَامَ۔ (رواہ البخاری)

حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ ابوسفیان بن حرب نے (یہ واقعہ ان کے اسلام سے پیشتر کا ہے) ان سے بیان کیا کہ ہرقل (شاہ روم) نے ان کے بلانے کے لیے ایک آدمی بھیجا جبکہ وہ قریش کے ایک ایسے قافلہ میں شامل تھے جن کی تجارت ملک شام سے ہوتی تھی۔ یہ اس زمانہ کی بات ہے جبکہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ابوسفیان اور دیگر کفار قریش کے ساتھ ایک معین مدت کے لیے صلح کر رکھی تھی۔ القصہ ابوسفیان مع اپنے قافلہ کے ہرقل کے دربار میں حاضر ہو گئے۔ اس وقت یہ لوگ اتفاق سے مقام ایلیاء میں تھے۔ ہرقل نے ان کو اپنے سامنے طلب کیا اس وقت اس کی مجلس میں روم کے اور بڑے بڑے لوگ بھی موجود تھے پھر ان کو نزدیک اور قریب بلایا اور ایک ترجمان طلب کیا اور قریشی لوگوں سے کہا کہ بلحاظ نسب تم میں وہ شخص کون ہے جو ان کا سب سے زیادہ قریبی رشتہ دار ہو جن کا دعویٰ یہ ہے کہ وہ اللہ تعالیٰ کے نبی ہیں۔ ابوسفیان کہتے ہیں میں نے کہا ان کا سب سے زیادہ قریبی رشتہ دار میں ہوں۔ یہ سن کر ہرقل نے کہا اچھا ابوسفیان کو میرے اور قریب لے آؤ اور اس کے رفقاء کو اس کی

پشت کی جانب پاس بٹھا دو۔ اس کے بعد اپنے ترجمان سے کہا اس کے رفقاء سے کہہ دو کہ میں ان کے متعلق اس شخص سے چند سوالات کرتا ہوں اگر یہ ذرا بھی غلط بیانی سے کام لے تو تم لوگ فوراً اس کی تکذیب کر دینا۔ ابوسفیان کہتا ہے خدا کی قسم! اگر مجھ کو اس بات کی غیرت نہ ہوتی کہ میری نسبت لوگ ہمیشہ دروغ گوئی کا عیب لگاتے رہیں گے تو یقیناً میں آپ کے متعلق جھوٹی جھوٹی باتیں بیان کر کے رہتا۔ اس کے بعد سب سے پہلا سوال جو ہرقل نے مجھ سے کیا یہ تھا جو شخص پیغمبری کا دعویٰ کرتا ہے اس کا خاندان کیسا ہے؟ میں نے کہا بڑا شریف گھرانا ہے' پھر اس نے پوچھا اس کے خاندان میں سے کسی اور نے بھی پہلے پیغمبری کا دعویٰ کیا ہے؟ میں نے کہا جی نہیں۔ اس نے پوچھا کیا اس کے آباؤ اجداد میں کوئی بادشاہ بھی ہوا ہے؟ میں نے کہا جی نہیں۔ پھر ہرقل نے پوچھا اچھا جو لوگ اس پر ایمان لائے ہیں وہ رئیس لوگ ہیں یا غریب؟ میں نے عرض کی جی کمزور اور غریب لوگ۔ پھر ہرقل نے پوچھا ان کی مردم شماری بڑھ رہی یا گھٹ رہی ہے؟ میں نے عرض کی بڑھ رہی ہے۔ پھر اس نے پوچھا کوئی شخص اس کے دین سے بیزار ہو کر پھر بھی جاتا ہے؟ میں نے عرض کی جی نہیں۔ اس کے بعد ہرقل نے سوال کیا پیغمبری کے دعوے سے بھی پہلے تم لوگوں نے کبھی اس پر جھوٹ کی تہمت لگائی ہے؟ میں نے عرض کی جی نہیں۔ پھر اس نے پوچھا یہ شخص کبھی عہد و پیمان کو توڑ بھی دیتے ہیں؟ میں نے جواب دیا نہیں لیکن ان کے ساتھ اس سال جو ہمارا معاہدہ ہوا ہے دیکھنا ہے کہ اس کو وہ پورا کرتے ہیں یا نہیں۔ ابوسفیان کا بیان ہے کہ اس ایک بات کے سوا آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے حالات میں نکتہ چینی کا ایک حرف بھی میں داخل نہ کر سکا۔ پھر اس نے سوال کیا اچھا ان کے ساتھ کبھی تمہاری جنگ بھی ہوئی ہے؟ میں نے جواب دیا جی ہاں۔ اس نے پوچھا تو اس کا نتیجہ کیا رہا؟ میں نے عرض کی اس کے اور ہمارے درمیان جنگ ڈول کی طرح سے رہتی ہے کبھی وہ جیت جاتے ہیں (بدر) اور کبھی ہم (اُحد)۔ پھر اس نے پوچھا وہ تم کو کس بات کی تعلیم دیتے ہیں؟ میں نے عرض کی کہ صرف ایک خدا کی عبادت کرو اور کسی کو اس کا شریک نہ ٹھہراؤ' آباؤ اجداد کی بت پرستی چھوڑ دو' نماز پڑھو' سچ بولو' پاکباز رہو' رشتہ کا حق پہچانو' یہ تمام حالات سن کر ہرقل نے اپنے ترجمان سے کہا ابوسفیان سے کہہ دو میں نے ان کے خاندان کے متعلق تجھ سے تحقیق کی تو تو نے جواب دیا وہ بڑے شریف النسب ہیں اور اسی طرح نبی ہمیشہ شریف گھرانے کے ہوتے چلے آئے ہیں۔ پھر میں نے تجھ سے پوچھا اس کے دعویٰ نبوت سے قبل تم میں سے کسی اور نے تو بھی نبوت کا دعویٰ نہیں کیا تھا؟ تو نے جواب دیا نہیں' اس پر میں نے سوچا کہ اگر کوئی شخص ان سے پہلے بھی یہ دعویٰ کر چکا ہوتا تو میں کہہ سکتا تھا کہ یہ اس دعوے کی ریس کرتے ہیں۔ پھر میں نے پوچھا تھا کہ ان کے باپ دادا میں کوئی بادشاہ تو نہیں گزرا تو تو نے جواب دیا نہیں' اس پر میں نے خیال کیا کہ اگر ایسا ہوتا تو میں سمجھ لیتا کہ وہ اس بہانے سے اپنے باپ دادا کی سلطنت حاصل کرنا چاہتے ہیں' پھر میں نے تم سے اس کی تحقیق کی کہ کیا اس دعویٰ سے پہلے کبھی تم نے اس پر جھوٹ کی تہمت لگائی ہے تو تو نے بیان کیا نہیں۔ اس پر میں نے سوچا یہ نہیں ہو سکتا کہ جس شخص نے کبھی لوگوں پر جھوٹ نہیں بولا ہے وہ خدا پر جھوٹ باندھے۔ اس کے بعد میں نے سوال کیا کہ اس کو ماننے والا طبقہ غریبوں کا ہے یا رئیسوں کا؟ تو تو نے بتایا غریب' مسکینوں کا

اور ہمیشہ یہی لوگ ہوتے ہیں جو رسولوں کو ماننے والے ہوتے ہیں۔ پھر میں نے دریافت کیا ان کی مردم شماری بڑھتی ہے یا گھٹتی ہے؟ تو تو نے بتایا بڑھتی ہے اور درحقیقت ایمان کا یہی نقشہ ہوتا ہے کہ وہ آہستہ آہستہ ترقی کرتے کرتے آخر حد کمال تک پہنچ جاتا ہے۔ پھر میں نے تجھ سے پوچھا کوئی شخص ان کا دین قبول کرنے کے بعد اس سے کبھی بیزار ہو کر پھر بھی جاتا ہے؟ تو تو نے جواب دیا نہیں اور لذت ایمان کی تاثیر درحقیقت یہی ہوتی ہے کہ جب وہ دلوں میں گھر کر جاتی ہے تو پھر نکلا نہیں کرتی۔ پھر میں نے تجھ سے پوچھا وہ عہد شکنی تو نہیں کرتے؟ تو تو نے جواب دیا نہیں اور تمام نبیوں کی شان یہی ہوتی ہے کہ وہ کبھی عہد شکنی نہیں کرتے۔ پھر میں نے تجھ سے پوچھا تم کو وہ کیا تعلیم دیتے ہیں؟ تو تو نے بیان کیا یہ کہ صرف ایک خدا کی پرستش کرو اور کسی کو اس کا شریک نہ ٹھہراؤ اور بتوں کی پوجا سے تم کو منع کرتے ہیں اور یہ کہتے ہیں کہ نماز پڑھو سچ بولو پاک باز رہو۔ اگر تم نے یہ سب جوابات سچ سچ دیئے ہیں تو ایک دن وہ میرے ان قدموں کی جگہ یعنی شام و بیت المقدس کے مالک ہو کر رہیں گے مجھے اس کا تو پہلے سے علم تھا کہ ایک نبی آنے والے ہیں مگر یہ گمان نہ تھا کہ وہ تم میں سے ہوں گے۔ اگر میں ان کی خدمت میں حاضر ہو سکتا تو آپ کی ملاقات کے لیے پوری سعی کرتا۔ اے کاش! کہ میں آپ کی خدمت میں حاضر ہوتا اور آپ کے قدم مبارک دھو کر پیتا۔ اس کے بعد اس نے آپ کا وہ نامۂ مبارک جو دحیہؓ کے واسطے بصریٰ کی معرفت بھیجا تھا طلب کیا انہوں نے ہرقل کی خدمت میں پیش کیا اس کو پڑھا تو اس کا مضمون یہ تھا:

بسم اللہ الرحمن الرحیم۔ یہ خط ہے محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کی جانب سے جو اللہ تعالیٰ کا بندہ اور اس کا رسول ہے۔ ہرقل کے نام جو روم کا بزرگ معزز شخص ہے۔ وہ لوگ سلامت رہیں جو سیدھی راہ چلیں میں تم کو اسلام کی دعوت دیتا ہوں اسلام قبول کرلو دونوں جہان کی آفتوں سے محفوظ رہو گے اور تم کو اللہ تعالیٰ اس کا دگنا ثواب دے گا اور اگر تم نے انکار کیا تو اریسیین کے سب متبعین کا گناہ تمہارے سر رہے گا۔ اے اہل کتاب! ایک ایسی بات کی طرف آجاؤ جس میں ہمارے تمہارے درمیان کوئی اختلاف نہیں ہے یعنی یہ کہ ایک اللہ تعالیٰ کے سوا ہم کسی کی عبادت نہ کریں اور کسی کو اس کا شریک نہ ٹھہرائیں اور آپس میں کوئی کسی کے لیے خدائی کا دعویٰ تجویز نہ کرے۔ اگر اہل کتاب اتنی بات بھی نہ مانیں تو تم ان سے صاف کہہ دو کہ ہم تو خدا کے فرمانبردار ہو چکے۔ ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ بیان فرماتے ہیں کہ ابوسفیان کہتے ہیں جب ہرقل کو جو کہنا تھا اس نے کہہ لیا اور آپ کا نامہ مبارک پڑھ کر وہ فارغ ہو گیا تو اس کی محفل میں ایک چیخ و پکار اور شور و غل مچ گیا اور ہم لوگ باہر نکال دیئے گئے تو میں نے باہر آکر اپنے رفقاء سے کہا ابن ابی کبشہ (اس کنیت سے مراد آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات تھی) کا معاملہ تو اب ایسا بڑھ گیا کہ روم کا بادشاہ تک ان سے ڈرتا ہے اس کے بعد سے مجھے ہمیشہ اس بات کا یقین رہا کہ آپ عنقریب سب پر غالب آجائیں گے یہاں تک کہ وہ روز سعید پہنچ گیا کہ اللہ تعالیٰ نے مجھے شرف اسلام سے سرفراز فرما دیا۔ (بخاری شریف)

تشریح:۔ یہ دو شخصوں کا باہم مکالمہ ہے جن میں ابھی تک دونوں غیر مسلم ہیں۔ یعنی ہرقل شاہ روم اور ابوسفیان رئیس قافلہ۔ مگر کیا بات تھی کہ ہرقل تو چند سوالات کے بعد ہی حقیقت تک جا پہنچا اور ابوسفیان آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے چشم دید حالات کے بعد بھی جس بات کے سمجھنے سے قاصر رہا وہ صرف ایک بات یہی تھی کہ آپ اللہ تعالیٰ کے رسول ہیں۔ غور کیجئے گا تو آپ کو معلوم ہو جائے گا کہ فرق صرف یہ تھا کہ ہرقل چونکہ اہل کتاب میں سے تھا اس لیے اس کو انبیاء علیہم السلام کے خصائص و امتیازات اور ان کی تاریخ کا پورا علم

مصدق تھا اور ابوسفیان ان امور سے قطعاً لاعلم تھا وہ تو خود اہل کتاب میں سے تھا نہ اُن سے استفادہ کا اس کو موقع مل سکا تھا۔ اس کے ماحول میں ساحر و شاعر اور کاہنوں کے سوا انبیاء علیہم السلام کا کوئی تذکرہ نہ تھا اس لیے نبوت کے مسئلہ کو سمجھنا اس کے لیے ایک لاینحل مسئلہ بنا ہوا تھا۔ عرب کے اُمیوں کے لیے ایمان لانے کا راستہ دوسرا تھا جو آئندہ خود اُن کے بیانات سے واضح ہوگا۔

ہرقل نے یہاں جتنے سوالات بھی کیے ہیں اُن سے قدم بقدم پر آپ کو یہ ظاہر ہوتا چلا جائے گا کہ اس کا اصل مقصد صرف یہ تھا کہ وہ انبیاء علیہم السلام کی سیرت کے اہم اسباق آپ کی سیرت میں بھی مطالعہ کرلے اور صرف اسی ایک بات سے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے صدق و کذب کا فیصلہ کرے۔ چنانچہ اس نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے خاندان کی تحقیق سب سے پہلے کی اور اس کا جواب سن کر جو پہلی بات کہی وہ یہی تھی کہ گزشتہ رسول بھی ہمیشہ عالی خاندان ہی سے ہوا کرتے تھے۔ اس کے بعد جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے متبعین کے متعلق یہ جواب سنا کہ اس میں بڑی تعداد عوام اور کمزور طبقہ کی ہے تو اس کے بعد جو لفظ اُس نے کہے وہ بھی یہی تھے کہ یہی جماعت ہے جو پہلے بھی ہمیشہ رسولوں کی متبع ہوا کرتی تھی۔ اسی طرح جب اس کو معلوم ہوا کہ آپ کی جماعت برابر ترقی پر ہے اور اس میں اپنے دین سے ناراض ہو کر اس کو ترک کرنے والا ایک شخص بھی نہیں ہے تو یہاں بھی اس نے انبیاء سابقین پر ایمان لانے والوں کا حال بھی بیان کیا ہے۔ پھر جب اس نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے صدق و کذب کا حال دریافت کیا جو کسی نبی کے لیے سب سے پہلی شرط ہوتی ہے تو جو کلمات ابوسفیان کی زبان سے نکلے وہی سب سے زیادہ وزن دار تھے۔ وہ کہتا ہے کہ آپ کے صدق و صفا کا پوچھنا ہی کیا ہے۔ ہمارا دوست تو دوست دشمن بھی آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو صدوق و امین کے لقب سے پکارتے ہیں۔ اس سے بھی زیادہ نازک مسئلہ جنگ کا ہے۔ یہ معاملہ تو قومی ہوتا ہے اور یہاں ایک راستباز سے راستباز انسان بھی لغزش کرسکتا ہے مگر جب ہرقل کو معلوم ہوا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے پائے استقلال کو یہاں بھی ادنیٰ سی لغزش نہیں ہوتی اور یہاں بھی آپ اپنا عہد میں نفع و نقصان سے بالاتر ہو کر اس کی پوری پوری پابندی کرتے ہیں تو یہ کہنے پر مجبور ہوگیا کہ یہ استقامت تو صرف انبیاء علیہم السلام ہی کا حصہ ہوتی ہے۔

صحیح بخاری کی دوسری روایت میں ہے کہ جنگ کے نتائج کا حال سن کر ہرقل نے کہا کہ شکست و فتح میں انبیاء سابقین کی تاریخ بھی تو یہی ہے کہ وہ ان دونوں حالتوں سے گزرتے تھے پھر آخر کار کامیابی ان ہی کو نصیب ہوتی تھی۔ اس مسئلہ پر اگر عقلی صورت سے غور فرمائیے تو شاید آپ یہ حکم لگائیں کہ صداقت کی علامت دائمی فتح ہونی چاہیے مگر یہاں ہرقل اس کے برعکس کبھی کبھی شکست کو بھی صداقت کی علامت سمجھتا ہے کیونکہ وہ انبیاء سابقین کی تاریخ پڑھ چکا تھا اور جانتا تھا کہ وہ ہمیشہ بشر ہوئے ہیں اور اس لیے ان کی حیات میں انسانی حیات کے سب نشیب و فراز آنے چاہئیں۔ آخر میں اس نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی تعلیمات سے متعلق اہم سوال کیا ہے اور جب خوب دیکھ لیا کہ آپ کی تاریخ نبوت کی تاریخ سے کہیں بھی سر مو خلاف نہیں جاتی تو آپ کے رسول برحق ہونے کے اظہار پر مجبور ہوگیا۔ یہ دوسری بات ہے کہ دنیا کی عارضی بادشاہت کی طمع نے آخرت کی لازوال بادشاہت سے اس کو محروم رکھا۔

یہ واضح رہنا چاہیے کہ انبیاء علیہم السلام جب بھی صفحات عالم پر نمودار ہوئے ہیں تو ان کے سامنے مختلف طبقات کے لوگ آئے ہیں۔ ایک طبقہ تو ان کا تھا جو رسولوں کی جنس ہی سے انکار کرتے تھے جیسے قوم نوح علیہ السلام اور قوم عاد و ثمود اسی لیے قرآن کریم نے ان کا حال ان الفاظ میں ذکر فرمایا ہے: "کَذَّبَتْ قَوْمُ نُوْحِ الْمُرْسَلِیْنَ' کَذَّبَتْ عَادُ الْمُرْسَلِیْنَ' کَذَّبَتْ

"ثمود المرسلین" دوسرا طبقہ وہ تھا جن کو رسولوں کی ضرورت دوران کی بحث تو مسلم تھی مگر ان کو یہ بحث رہتی تھی کہ رسول وہی مبشر رسول ہے یا نہیں یہاں ہرقل چونکہ اہل کتاب میں سے تھا اس کے سامنے ضرورت نبوت و رسالت کا مسئلہ نہ تھا اس لیے اس کے سوالات بھی اس نوعیت کے نہ تھے جو رسالت کی ضرورت پر روشنی ڈالتے اس کو صرف یہ تحقیق کرنی تھی کہ جس رسول کی بشارات ا کتب سابقہ میں پڑھتا چلا آیا ہے جس کا حلیہ، جس کی صفات اور جس کی زندگی کی مفصل تاریخ اس نے مطالعہ کی ہے کیا یہ وہی رسول منتظر ہیں؟ اسی لیے حقیقت تک رسائی میں اس کو صرف ایک ہی قدم کی دیر تھی اس کی مثال بالکل ایسی ہے جیسے کسی بادشاہ کی آمد کی تاریخ مقرر ہو جائے تو اس مقررہ تاریخ پر ہوائی جہازوں کی آمد اور توپوں کی آوازوں کے سننے کے ساتھ ہی فوراً یہ یقین حاصل ہو جاتا ہے کہ بادشاہ کی آمد ہو گئی ہے۔ یہاں کسی وہمی مزاج شخص کو بھی یہ خطرہ نہیں گزرتا کہ بادشاہ کی آمد کے سوا یہاں کوئی دوسرا احتمال بھی ہو گا۔ چنانچہ ہرقل نے آخر میں خود ہی اس کی تصریح کر دی کہ مجھے ان کی آمد کا تو یقین تھا مگر تحقیق طلب بات صرف یہ تھی کہ وہ رسول منتظر کہاں مبعوث ہوئے ہیں، میرے گمان میں یہ نہ تھا کہ اس رسول اعظم کی آمد کے لیے قدرت امیوں کا انتخاب کر چکی ہے کہ ابن ناطور نے بھی جو اہل کتاب میں ہرقل ہی کے مرتبہ کا دوسرا امام سمجھا جاتا تھا جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی تفصیلات سنیں تو آپ کے آخری رسول ہونے میں ہرقل کے ساتھ قطعی طور پر اتفاق کیا۔

اس بیان سے یہ بھی ظاہر ہو گیا کہ رسول صرف عالی نسب یا صادق القول ہونے سے رسول نہیں بن جاتے۔ رسول بننے کے لیے سب سے پہلے یہ ضروری ہے کہ اللہ تعالیٰ اس کو رسول بنا دے۔ البتہ جس کو وہ رسول بنا دیتا ہے اس کے لیے پھر یہ ضروری ہوتا ہے کہ وہ ان تمام صفات کا مالک ہو جو حدیث ہرقل میں آپ نے پڑھی ہیں۔ نیز یہ بھی ضروری نہیں ہے کہ جہاں چند صفات کے مجموعہ سے یقین حاصل ہو گیا ہو وہاں ہر ہر جزء علیحدہ بھی یقین کا فائدہ دے سکے اس لیے یہ بھی غلط ہے کہ اس مجموعہ کے بعض جزء کو لے کر نبوت کی دلیل بنا دیا جائے۔

یہاں ایک تیسرا طبقہ "امت محمدیہ" کا ہے جس کے سامنے ان مسائل میں سے اب کوئی مسئلہ بھی باقی نہیں ہے۔ وہ نبوت کی ضرورت سمجھنے سے جس طرح مستغنی ہے اسی طرح کسی جدید نبی کی آمد کے انتظار اور اس کی تعیین کی بحث سے بھی فارغ ہو چکی ہے۔ کتنی بدنصیبی ہو گی کہ جو امت ایک لاکھ سے زیادہ انبیاء علیہم السلام کی اجمالی اور تفصیلی تاریخ پڑھ چکی ہو اس کے افراد یا تو نبوت کی ضرورت پر بحث کرنے والوں کی صف میں نظر آئیں یا پھر کسی جدید رسول کی تلاش میں سرگرداں و سراسیمہ ہوں۔ یہ بات یاد رکھنی چاہیے کہ رسول جب دنیا میں آتے ہیں تو وہ پہلے سے اپنا پورا تعارف بھی رکھتے ہیں۔ ان کی بشارت بیان ہو چکی ہے ان کی علامات بلکہ مختصر تذکرہ بھی امت کے سامنے ذکر کر دیا جاتا ہے۔ اس لیے جب وہ ان تمام خصوصیات و امتیازات کے ساتھ ظاہر ہوتے ہیں جو اس نوع کی بعثت ہوتی چلی آئی ہیں تو یہاں ان کے مخالفین میں ان کو مجنون سمجھنے والی صرف وہی ایک جماعت ہوتی ہے جو تاریخ نبوت سے جاہل ہوتی ہے۔ کیا مجنون اور مصروع کے مریض بھی اسی اہتمام اور اسی تاریخ حیات کو لے کر آیا کرتے ہیں؟ لیکن ناشکرا انسان جب اللہ تعالیٰ کی بڑی سے بڑی نعمت کا انکار کرنے پر آمادہ ہو جاتا ہے تو اس سے زیادہ واضح کلمات سے بھی نہیں شرماتا۔ "قتل الانسان ما اکفرہ"

قَالَ الْمُغِيرَةُ بْنُ شُعْبَةَ فِي خُرُوجِهِ إِلَى الْمُقَوْقِسِ مَعَ بَنِي مَالِكٍ وَأَنَّهُمْ لَمَّا دَخَلُوا عَلَى الْمُقَوْقِسِ قَالَ كَيْفَ خَلَصْتُمْ إِلَيَّ مِنْ طَائِفَتِكُمْ وَمُحَمَّدٌ وَأَصْحَابُهُ بَيْنِي وَبَيْنَكُمْ؟ قَالُوا أَلْصَقْنَا

بالبحر وقد جفاه على ذلك. قال فكيف صنعتم حين دعاكم إليه قالوا ما تبعه منا رجل واحد. قال وأين ذلك؟ قالوا جاءنا بدين مجدد لا تدين به الآباء ولا يدين به الملك ونحن على ما كان عليه آباؤنا قال فكيف صنع قومه قالوا تبعه أحداثهم وقد لاقاه من خالفه من قومه وغيرهم من العرب في مواطن مرة تكون عليهم الدائرة ومرة تكون له قال ألا تخبروني إلى ماذا يدعو إليه قال يدعونا إلى أن نعبد الله وحده لا شريك له ونخلع ما كان يعبد آباؤنا ويدعو إلى الصلاة والزكاة قال وما الصلاة والزكاة ألهما وقت يعرف وعدد ينتهى إليه؟ قالوا يصلون في اليوم والليلة خمس صلوات كلها بمواقيت وعدد سموه له ويؤدون من كل ما بلغ عشرين مثقالا نصف مثقال وأخبره بصدقة الأموال كلها قال أفرأيتم إذا أخذها أين يضعها؟ قالوا يردها على فقرائهم ويأمر بصلة الرحم ووفاء العهد وتحريم الزناء والربا والخمر ولا يأكل مما ذبح لغير الله فقال المقوقس هذا نبي مرسل إلى الناس ولو أصاب القبط والروم اتبعوه وقد أمرهم بذلك عيسى بن مريم وهذا الذي تصفون منه بعث به الأنبياء من قبله وستكون له العاقبة حتى لا ينازعه أحد ويظهر دينه إلى منتهى الخف والحافر ومنقطع البحور ويوشك قومه أن يدافعوه بالرماح قالوا فلو دخل الناس كلهم معه ما دخلناه قال المغيرة فأنغض المقوقس رأسه وقال أنتم في اللعب ثم قال كيف نسبه في قومه؟ هو أوسطهم نسبا قال كذلك (بظاہر عبارت یہ ہونی چاہیے) كذلك المسيح والانبياء تبعث في نسب قومه) والمسيح الأنبياء تبعث في نسب قومها ثم قال فكيف صدق حديثه قال قلنا ما يسمى إلا الأمين من صدقه قال انظروا في أمركم أترونه يصدق فيما بينكم وبينه ويكذب على الله قال فمن تبعه قلنا الأحداث قال هم (بظاہر عبارت یہ ہونی چاہیے) هم اتباع المسيح والانبياء من قبله) والمسيح أتباع الأنبياء قبله قال فما فعلت يهود يثرب فهم أهل التوراة قلنا خالفوه فأوقع بهم فقتلهم وسباهم وتفرقوا في كل ناحية قال هم قوم حسدة حسدوه أما إنهم يعرفون من أمره مثل ما نعرف قال المغيرة فقمنا من عنده وقد سمعنا كلاما ذللنا لمحمد صلى الله عليه وسلم وخضعنا له وقلنا ملوك العجم يصدقونه ويخافونه في بعد أرحامهم منه ونحن أقرباؤه وجيرانه ولم ندخل معه وقد جاءنا داعيا إلى منازلنا قال المغيرة فرجعت إلى منزلي فأقمت بالإسكندرية لا أدع كنيسة إلا دخلتها وسألت أساقفتها من قبطها ورومها عما يجدون من صفة صلى الله عليه وسلم وكان أسقف من القبط هو رأس كنيسة أبو مخنس كانوا يأتونه بمرضاهم فيدعو لهم لم أر قط أشد اجتهادا منه فأتيته فقلت هل بقي أحد من الأنبياء قال نعم هو آخر الأنبياء ليس بينه وبين

عيسى بن مريم أحمد وهو نبي مرسل وأمرنا عيسى باتباعه وهو النبي الأمي العربي اسمه أحمد ليس بالطويل ولا بالقصير في عينيه حمرة وليس بالأبيض ولا بالآدم يعفي شعره ويلبس ما غلظ من الثياب ويجتزئ بما لقي من الطعام سيفه على عاتقه ولا يبالي بمن لاقى يباشر القتال بنفسه ومعه أصحابه يفدونه بأنفسهم هم له أشد حبا من أولادهم وآبائهم يخرج من أرض حرم ويأتي إلى حرم يهاجر إلى أرض سباخ ونخل يدين بدين إبراهيم عليه السلام قال المغيرة فقلت له زدني في صفته قال يأتزر على وسطه ويغسل أطرافه ويخص بما لا يخص به الأنبياء قبله وكان النبي يبعث إلى قومه ويبعث هو إلى الناس كافة وجعلت له الأرض مسجدا وطهورا أينما أدركته الصلاة تيمم وصلى ومن كان قبله كان مشددا عليهم لا يصلون إلا في الكنائس والبيع قال المغيرة بن شعبة فوعيت ذلك كله من قوله وقول غيره وما سمعت من ذلك فذكر الواقدي حديثا طويلا في رجوعه وإسلامه وما أخبره به من صفات النبي صلى الله عليه وسلم وكان ذلك مما يعجب النبي صلى الله عليه وسلم ويحب أن يسمعه أصحابه قال المغيرة فكنت أحدثهم بذلك وهذا أمر معروف عند علماء أهل الكتاب وفقهائهم. (رواه محمد بن عمر الواقدي، كذا في الصواب الصحيح)

مغیرہ بن شعبہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ اپنے اسلام لانے سے قبل اپنے اُس سفر کا حال بیان کرتے ہیں جس میں وہ قبیلۂ بنی مالک کے ہمراہ شاہ مقوقس کے پاس گئے تھے۔ وہ کہتے ہیں جب وہ پہنچے تو شاہ مقوقس نے پوچھا محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) اور ان کے رفقاء کے ہوتے ہوئے تم یہاں میرے پاس تک بھلا کیسے پہنچ گئے؟ انہوں نے کہا ہم دریا کے کنارہ کنارہ آ رہے تھے، مگر ہم کو یہاں بھی اُن کا خوف لگا رہتا تھا۔ اُس نے کہا اچھا بتاؤ ان کی باتوں پر تم نے کیا عمل کیا؟ انہوں نے کہا ہم میں سے تو کسی ایک نے بھی اُن کی بات نہیں مانی۔ اُس نے کہا کیوں؟ ہم نے کہا اس لیے کہ وہ ایک ایسا انوکھا دین لے کر آئے ہیں جس کو نہ ہمارے بڑوں نے مانا نہ ملک اس کو مانتا ہے اور ہم تو اپنے بڑوں ہی کے دین پر قائم ہیں۔ اُس نے پوچھا کہ اچھا تو اس کی قوم کے لوگوں نے کیا کیا؟ ہم نے کہا نوجوانوں نے تو اُس کو مان لیا ہے، جو لوگ مخالف تھے خواہ وہ عرب تھے یا غیر عرب انہوں نے ان کے ساتھ جنگ کی۔ نتیجہ میں کبھی ان کو شکست ہوتی رہی کبھی آپ کو۔ پھر اس نے پوچھا اچھا یہ بتاؤ کہ آخر وہ کن باتوں کی دعوت دیتا ہے؟ ہم نے کہا اس کی کہ ہم صرف اللہ تعالیٰ کی عبادت کریں جس کا کوئی شریک نہیں اور جن بتوں کی ہمارے بزرگ عبادت کرتے آئے ہیں ان کو یکلخت چھوڑ دیں اور نماز اور زکوٰۃ کی بھی دعوت دیتے ہیں۔ اس نے کہا نماز اور زکوٰۃ کیا چیز ہے؟ کیا اس کا کوئی وقت بھی مقرر ہے جس کو لوگ جانتے ہوں اور کوئی مقرر عدد بھی ہے؟ انہوں نے کہا شب و روز میں وہ پانچ نمازیں پڑھتے ہیں اور پانچوں کی پانچوں اپنے اپنے وقتوں میں۔ پھر اس سے اُن کا عدد بھی بیان کیا۔ نیز یہ لوگ ہر مال میں سے جس کی قیمت بیس (۲۰) مثقال ہوتی ہے نصف مثقال ادا کرتے ہیں۔ اس کے بعد مال کے جملہ اقسام میں جو جو صدقہ واجب ہوتا تھا وہ سب تفصیلاً بیان کیا۔ اُس نے پوچھا اچھا بتاؤ تم سے وصول کرکے پھر یہ صدقہ وہ کہاں خرچ کرتے ہیں۔ انہوں نے جواب دیا جن کے ناداروں سے

وصول کرتے ہیں ان ہی کے فقیروں پر تقسیم کر دیتے ہیں اور عزیزوں کے ساتھ حسن سلوک اور عہد پورا کرنے کا حکم بھی دیتے ہیں۔ زنا اور شراب کو حرام قرار دیتے ہیں اور بجز اللہ کے نام کے کسی اور کے نام کا ذبیحہ نہیں کھاتے۔ یہ سن کر شاہ مقوقس نے کہا خوب سن لو کہ یہ شخص برحق نبی ہیں جن کو اللہ نے سب لوگوں کی طرف رسول بنا کر بھیجا ہے۔ اگر وہ مصر اور روم کے پاس بھی پہنچیں گے تو وہ لوگ بھی ان کی اتباع کریں گے کیونکہ عیسیٰ بن مریم علیہ الصلوٰۃ والسلام بھی ان کی اتباع کا حکم دے گئے ہیں اور جو باتیں تم لوگ بیان کر رہے ہو ان ہی سب باتوں کو لے کر پہلے تمام انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام بھی مبعوث ہوئے ہیں۔ یقین رکھو کہ نتیجہ ان ہی کے موافق نکل کر رہے گا۔ یہاں تک کہ ایک شخص کو بھی یہ طاقت نہ ہوگی کہ ان کے ساتھ مقابلہ کر سکے خشکی و تری کے آخری حصوں تک ان کا غلبہ ہو جائے گا۔ عنقریب اس کی قوم اس کے ساتھ دست بدست جنگ کرے گی مگر یہ سب سن کر انہوں نے کہا اگر تمام لوگ بھی اس کے ساتھی ہو جائیں پھر بھی اس کا ساتھ نہیں دیں گے۔ مغیرہ کہتے ہیں یہ سن کر شاہ مقوقس نے ناگواری سے اپنا سر ہلایا اور کہا تم بڑی غفلت میں پڑے ہوئے ہو اس کے بعد پوچھا اپنی قوم میں اس کا خاندان کیسا ہے؟ ہم نے جواب دیا سب سے بہتر۔ اس نے کہا اسی طرح حضرت عیسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام اور دیگر انبیاء علیہم السلام بھی اپنی قوم میں بہترین خاندان میں سے ہوئے ہیں۔ پھر اس نے پوچھا اچھا اس کی راست گوئی کی کیا کیفیت ہے؟ ہم نے جواب دیا اس کی راست گوئی کی وجہ سے ہی اپنی قوم میں اس کا لقب امین مشہور ہے۔ اس نے کہا اب تم خود ہی غور کر لو کیا تم یہ خیال کر سکتے ہو جو شخص باہم اپنے معاملات میں راست باز ہو وہ اللہ تعالیٰ کی ذات پر جھوٹ بول سکتا ہے۔ پھر اس نے پوچھا کن لوگوں نے اس کی اتباع کی ہے؟ ہم نے کہا نوجوانوں نے۔ اس نے کہا یہی لوگ ہیں جو عیسیٰ علیہ السلام اور ان سے پہلے انبیاء کے متبعین ہیں پھر اس نے کہا کہ یثرب (مدینہ) کے یہودیوں نے اس کے ساتھ کیا سلوک کیا ہے کیونکہ وہ لوگ تو توریت کے ماننے اور جاننے والے ہیں۔ ہم نے کہا انہوں نے تو اس کی مخالفت کی ہے اور اس وجہ سے اس نے ان کو سزا دی ہے۔ یعنی بعض کو قتل کیا ہے اور بعض کو قید کیا ہے بقیہ ادھر ادھر اطراف میں تتر بتر ہو گئے ہیں۔ شاہ مقوقس نے کہا یہ لوگ تو ہمیشہ سے بڑے حاسد ہیں انہوں نے ان پر بھی حسد کیا ہے ورنہ یہ لوگ آپ کی صداقت ہماری طرح پہچانتے ہیں۔ مغیرہ کہتے ہیں کہ ہم مقوقس کے دربار سے ایسی گفتگو سن کر اٹھے جس کے بعد ہمارے حوصلے محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کے سامنے پست ہو گئے اور ہم نے اپنے دل میں کہا کیا غضب ہے کہ شاہان عجم تو اس کے ساتھ نسب و رشتے کا دور کا تعلق بھی نہ رکھتے ہوئے اس کی تصدیق کریں اور اس سے خوف کھائیں اور ہم اس کے عزیز و قریب اور پڑوسی ہو کر بھی اس کا دین قبول نہ کریں بالخصوص جبکہ وہ خدا تعالیٰ کا داعی بن کر ہمارے گھروں میں خود آیا ہے۔ مغیرہ کہتے ہیں اس واقعہ کے بعد میں اپنے گھر واپس آ گیا اور مقام اسکندریہ میں آ کر ٹھہر گیا۔ میں نے کسی گرجے کو نہیں چھوڑا جس میں نہ گیا ہوں اور اس کے ہر ہر پادری سے خواہ وہ مصری تھا یا رومی ان علامات کی تحقیق کی جو لوگ محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کے متعلق کتب سابقہ میں دیکھتے چلے آئے ہیں۔ اس وقت ایک مصری پادری تھا جو کنیسہ یوحنس میں سب کا سردار سمجھا جاتا تھا جس سے بڑھ کر عابد و زاہد کوئی شخص میں نے نہیں دیکھا تھا۔ اس کا یہ حال تھا کہ لوگ اپنے مریضوں کو لے کر اس کی خدمت میں حاضر ہوا کرتے تھے اور وہ ان کی صحت کے لیے دعا کیا کرتا تھا میں اس کی خدمت میں پہنچا اور میں نے اس سے پوچھا کیا انبیاء

علیہم السلام میں کوئی نبی ایسا رہ گیا ہے جس کی آمد ابھی باقی ہو؟ وہ کہنے لگا ہاں ایک نبی باقی ہے اور وہی آخر الانبیاء ہے۔ ان کے اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے درمیان کوئی اور نبی نہیں ہے اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے ان کی اتباع کرنے کا ہم کو حکم دیا ہے وہ ایسا نبی ہے جس نے کسی درس گاہ میں تعلیم حاصل نہیں کی عرب کا رہنے والا ہے اسم مبارک اس کا احمد ہے نہ حد سے زیادہ دراز قامت اور نہ انتہا سے زیادہ کوتاہ قد اس کی آنکھوں میں سرخ سرخ ڈورے نہ چھوٹے جیسا سفید رنگ نہ بالکل گندم گوں زلفیں رکھنے والا موٹا جھوٹا سادہ لباس پہننے والا جیسا کچھ کھانا ملے کھا لینے والا جہاد کے لیے تیار اس کی تلوار اس کے کاندھے پر اپنے مقابل دشمن کی پروا نہ کرنے والا اور جنگ میں خود شریک ہونے والا اس کے ساتھی سو جان سے اس پر قربان اپنی اولاد اور والدین سے زیادہ ان پر مشفق۔ ایک حرم محترم سے نکل کر دوسرے ایسے ہی حرم محترم کی طرف ہجرت کرنے والا جس میں زمین کا ایک حصہ شور دوسرے حصہ میں کھجور کا باغ اور حضرت ابراہیم علیہ السلام کے دین پر اس کا دین۔ مغیرہ کہتے ہیں میں نے اس پادری سے کہا ذرا ان کی علامات کے متعلق کچھ اور ارشاد فرمائیے؟ اس نے کہا وہ پنڈلیوں تک تہبند باندھنے والا اور اپنے ہاتھ پیر اور چہرے کو دھونے والا اور اس کے علاوہ ایک ایسی خصوصیت کا مالک جو اس سے قبل انبیاء علیہم السلام میں نہ تھی یعنی ہر نبی صرف اپنی ہی قوم کے لیے مبعوث ہو کر آیا اور وہ تمام لوگوں کی طرف مبعوث ہوگا۔ تمام زمین اس کے لیے مسجد اور پاکی حاصل کرنے کا ذریعہ بنا دی جائے گی یعنی جس جگہ بھی نماز کا وقت ہو جائے گا مٹی سے ہی تیمم کر کے نماز ادا کر سکے گا۔ اس سے قبل انبیاء پر اس بارے میں تنگی تھی وہ گرجوں اور مندروں کے سوائے کسی اور جگہ نماز ادا نہیں کر سکتے تھے۔ مغیرہ بن شعبہ کہتے ہیں یہ تمام باتیں میں نے اس کی زبانی اور اس کے سوا دوسروں کی زبانی بھی سنی ہیں۔ اس کے بعد واقدی (مشہور مورخ) نے مغیرہ کی واپسی ان کے اسلام اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی جن علامات کو انہوں نے بیان کیا تفصیل ذکر کیا ہے۔ سرور کائنات صلی اللہ علیہ وسلم کو مغیرہ کی یہ حدیث بہت پسند آئی تھی اور آپ چاہتے تھے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابہ بھی اس کو سنیں۔ مغیرہ کہتے ہیں اس لیے میں اس حدیث کو صحابہ کرام کے سامنے بیان کیا کرتا تھا۔ یہ تمام واقعہ اہل کتاب اور ان کے بڑے بڑے پادریوں کے درمیان معروف و مشہور واقعہ ہے۔ (الجواب الصحیح)

تشریح۔ روایت بالا میں خط کشیدہ جملہ بہت اہمیت رکھنے کے قابل ہے۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ کتب سابقہ میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی جو علامات ذکر کی گئی تھیں ان میں ایک علامت یہ بھی تھی کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے درمیان کوئی اور نبی نہ ہوگا۔ اس کے بعد جن حدیثوں میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی زبان مبارک سے یہ بیان کیا گیا ہے کہ "ہم دونوں کے درمیان کوئی نبی نہیں ہے" اس کی اہمیت واضح ہو جاتی ہے ورنہ دو نبیوں کے درمیان کسی نبی کا ہونا یا نہ ہونا کوئی ایسی خاص بات نہیں تھی جس کے بیان کی کوئی خاص اہمیت ہو۔ اب اس حدیث سے واضح ہو گیا کہ چونکہ یہ بھی آپ کی ایک علامت تھی اس لیے جس طرح آپ نے اپنی دوسری علامات کا اعلان فرمایا ہے اسی طرح اس کا بھی اعلان فرمایا ہے۔

عَنْ عَمْرِو بْنِ الْعَاصِ اَنَّهٗ قَالَ خَرَجَ جَيْشٌ مِنَ الْمُسْلِمِيْنَ اَنَا اَمِيْرُهُمْ حَتّٰى نَزَلْنَا الْاِسْكَنْدَرِيَّةَ فَقَالَ عَظِيْمٌ مِنْ عُظَمَائِهِمْ اَخْرِجُوْا اِلَيَّ رَجُلًا يُكَلِّمُنِيْ وَاُكَلِّمُهٗ فَقُلْتُ لَا يَخْرُجُ اِلَيْهِ غَيْرِيْ قَالَ فَخَرَجْتُ اِلَيْهِ وَمَعِيْ تَرْجُمَانِيْ وَمَعَهٗ تَرْجُمَانُهٗ فَقَالَ مَا اَنْتُمْ؟ فَقُلْتُ نَحْنُ الْعَرَبُ وَنَحْنُ اَهْلُ

الشِّرْكِ وَنَحْنُ أَهْلُ بَيْتِ الْحَرَامِ كُنَّا أَضْيَقَ النَّاسِ أَرْضًا وَأَجْهَلَهُمْ عَيْشًا نَأْكُلُ الْمَيْتَةَ وَالدَّمَ وَيُغِيرُ بَعْضُنَا عَلَى بَعْضٍ حَتَّى خَرَجَ فِينَا رَجُلٌ لَيْسَ بِأَعْظَمِنَا يَوْمَئِذٍ وَلَا بِأَكْثَرِنَا مَالًا فَقَالَ أَنَا رَسُولُ اللّٰهِ إِلَيْكُمْ فَأَمَرَنَا بِمَا لَا نَعْرِفُ وَنَهَانَا عَمَّا كُنَّا عَلَيْهِ وَكَانَ عَلَيْهِ آبَاؤُنَا فَكَذَّبْنَاهُ وَرَدَدْنَا عَلَيْهِ مَقَالَتَهُ حَتَّى خَرَجَ إِلَيْهِ قَوْمٌ غَيْرُنَا فَقَتَلَنَا وَظَهَرَ عَلَيْنَا وَغَلَبَنَا وَتَنَاوَلَ مَنْ يَلِيهِ مِنَ الْعَرَبِ فَقَاتَلَهُمْ حَتَّى ظَهَرَ عَلَيْهِمْ وَلَوْ يَعْلَمُ مَنْ وَرَائِي مِنَ الْعَرَبِ مَا أَنْتُمْ فِيهِ مِنَ الْعَيْشِ لَمْ يَبْقَ أَحَدٌ إِلَّا جَاءَكُمْ يُشْرِكُكُمْ فِيمَا أَنْتُمْ فِيهِ مِنَ الْعَيْشِ فَضَحِكَ ثُمَّ قَالَ إِنَّ رَسُولَكُمْ قَدْ صَدَقَ قَدْ جَاءَتْنَا رُسُلٌ بِمِثْلِ الَّذِي جَاءَ بِهِ رَسُولُكُمْ فَإِنْ أَنْتُمْ أَخَذْتُمْ بِأَمْرِ نَبِيِّكُمْ لَمْ يُقَاتِلْكُمْ أَحَدٌ إِلَّا غَلَبْتُمُوهُ وَلَنْ يُشَادَّكُمْ أَحَدٌ إِلَّا ظَهَرْتُمْ عَلَيْهِ وَإِنْ فَعَلْتُمْ مِثْلَ الَّذِي فَعَلْنَا وَتَرَكْتُمْ أَمْرَ نَبِيِّكُمْ لَمْ تَكُونُوا أَكْثَرَ عَدَدًا مِنَّا وَلَا أَشَدَّ مِنَّا قُوَّةً. (اخرجه ابو حاتم في صحيحه)

عمرو بن العاص رضی اللہ تعالیٰ سے روایت ہے کہ مسلمانوں کا ایک لشکر باہر نکلا جس کا میں امیر تھا۔ یہاں تک کہ ہم مقام اسکندریہ میں جا کر اترے تو وہاں کے بڑے پادریوں میں سے ایک بڑے پادری نے کہا کہ میرے پاس کسی ایسے شخص کو بھیجو جس سے میں کچھ گفتگو کروں اور وہ مجھے جواب دے سکے میں نے سوچا کہ میرے سوائے اس کے پاس بھلا اور کون جائے گا۔ یہ کہتے ہیں کہ میں اس کے پاس گیا میرے ساتھ میرا ترجمان اور اس کے ساتھ اس کا ترجمان تھا۔ اس نے پوچھا تم کون لوگ ہو؟ میں نے کہا عرب ہم شرک کیا کرتے تھے درانحالیکہ ہم بیت اللہ حرام کے باشندے تھے ہمارے پاس رہنے کے لیے زمین بہت تنگ تھی اور گزران بہت عسرت کی حالت میں تھا مردار اور خون کھایا کرتے تھے ہر ایک قبیلہ دوسرے پر لوٹ مچایا کرتا تھا ہم اسی عسرت اور جہل کے عالم میں تھے کہ ہم میں ایک شخص پیدا ہوا جو اس وقت ہم میں نہ سب سے بڑا سمجھا جاتا تھا نہ سب سے زیادہ مالدار تھا۔ اس نے اعلان کیا کہ میں اللہ تعالیٰ کی طرف سے تمہارے پاس رسول ہو کر آیا ہوں۔ اس نے ہم کو ایسی باتوں کا حکم دیا جن سے ہم آشنا نہ تھے اور ان تمام باتوں سے روکا جن کے ہم اور ہمارے باپ دادے ہمیشہ سے خوگر تھے۔ اس لیے ہم نے اس کی تکذیب کی اور اس کی بات ٹھکرا دی تا آنکہ ہمارے علاوہ کچھ اور لوگ اس کے ساتھ ہو کر ہم سے جنگ کے لیے نکلے اور ہم کو قتل کیا اور ہم پر غالب آ گئے۔ اس کے بعد انہوں نے عرب کے گرد و نواح کا قصد کیا اور ان پر بھی غالب آ گئے اور جو لوگ میرے پیچھے ہیں اگر عرب اس عیش و زندگی کو جان لیں جو اس وقت آپ کی ہے تو ان میں ایک متنفس بھی ایسا نہ رہے جو آپ کی خدمت میں حاضر ہو کر آپ کے عیش و عشرت میں حصہ دار نہ بن جائے۔ یہ سن کر وہ ہنس پڑے اور بولے کہ تمہارا رسول سچا ہے۔ ہمارے پاس بھی اللہ تعالیٰ کے رسول اسی قسم کی باتیں لے کر آئے تھے جیسی تمہارے رسول تمہارے پاس لے کر آئے ہیں۔ اب اگر تم اپنے نبی کے حکم پر کاربند ہو گے تو جو قوم بھی تم سے جنگ کرے گی اس پر تم غالب ہی رہو گے اور جو بھی تم سے برسر پیکار ہو گا وہ مغلوب ہو کر رہے گا اور اگر تم نے وہی حرکت کی جو ہم نے کی تھی اور اپنے نبی کا حکم نہ مانا تو یاد رکھو کہ تم نہ تو مردم شماری میں ہم سے زائد ہو اور نہ قوت و طاقت میں بڑھ کر۔ (صحیح ابو حاتم)

عَنْ أُمِّ سَلَمَةَ فِي قِصَّةِ الْهِجْرَةِ وَسُؤَالِ النَّجَاشِيِّ عَنْ سَبَبِ مُفَارَقَتِهِمْ مِنْ دِينِهِمْ قَالَتْ فَكَانَ

الَّذِیْ کَلَّمَهٗ جَعْفَرُ بْنُ اَبِیْ طَالِبٍ فَقَالَ اَیُّهَا الْمَلِکُ کُنَّا قَوْمًا اَهْلَ جَاهِلِیَّةٍ نَعْبُدُ الْاَصْنَامَ وَنَاْکُلُ الْمَیْتَةَ وَنَاْتِی الْفَوَاحِشَ وَنَقْطَعُ الْاَرْحَامَ وَنُسِیْءُ الْجِوَارَ وَیَاْکُلُ الْقَوِیُّ مِنَّا الضَّعِیْفَ فَکُنَّا عَلٰی ذٰلِکَ حَتّٰی بَعَثَ اللّٰهُ اِلَیْنَا رَسُوْلًا مِنَّا نَعْرِفُ نَسَبَهٗ وَصِدْقَهٗ وَاَمَانَتَهٗ وَعَفَافَهٗ فَدَعَانَا اِلَی اللّٰهِ لِنُوَحِّدَهٗ وَنَعْبُدَهٗ وَنَخْلَعَ مَا کُنَّا نَعْبُدُ نَحْنُ وَآبَاؤُنَا مِنْ دُوْنِهٖ مِنَ الْحِجَارَةِ وَالْاَوْثَانِ وَاَمَرَنَا بِصِدْقِ الْحَدِیْثِ وَاَدَاءِ الْاَمَانَةِ وَصِلَةِ الرَّحِمِ وَحُسْنِ الْجِوَارِ وَالْکَفِّ عَنِ الْمَحَارِمِ وَالدِّمَاءِ وَنَهَانَا عَنِ الْفَوَاحِشِ وَقَوْلِ الزُّوْرِ وَاَکْلِ مَالِ الْیَتِیْمِ وَقَذْفِ الْمُحْصَنَةِ وَاَمَرَنَا اَنْ نَعْبُدَ اللّٰهَ لَا نُشْرِکُ بِهٖ شَیْئًا وَاَمَرَنَا بِالصَّلٰوةِ وَالزَّکٰوةِ وَالصِّیَامِ قَالَتْ فَعَدَّدَ عَلَیْهِ اُمُوْرَ الْاِسْلَامِ. قَالَ فَصَدَّقْنَاهُ وَاٰمَنَّا بِهٖ وَاتَّبَعْنَاهُ عَلٰی مَاجَاءَ بِهٖ فَعَبَدْنَا اللّٰهَ فَلَمْ نُشْرِکْ بِهٖ شَیْئًا وَحَرَّمْنَا مَاحَرَّمَ عَلَیْنَا وَاَحْلَلْنَا مَا اُحِلَّ لَنَا فَعَدَیٰ عَلَیْنَا قَوْمُنَا فَعَذَّبُوْنَا وَفَتَنُوْنَا عَنْ دِیْنِنَا لِیَرُدُّوْنَا اِلٰی عِبَادَةِ الْاَوْثَانِ عَنْ عِبَادَةِ اللّٰهِ وَاَنْ نَسْتَحِلَّ مَا کُنَّا نَسْتَحِلُّ مِنَ الْخَبَائِثِ فَلَمَّا قَهَرُوْنَا وَظَلَمُوْنَا وَشَقُّوْا عَلَیْنَا وَحَالُوْا بَیْنَنَا وَبَیْنَ دِیْنِنَا خَرَجْنَا اِلٰی بَلَدِکَ وَاخْتَرْنَاکَ عَلٰی مَنْ سِوَاکَ وَرَغِبْنَا فِیْ جِوَارِکَ وَرَجَوْنَا اَنْ لَّا نُظْلَمَ عِنْدَکَ اَیُّهَا الْمَلِکُ قَالَتْ فَقَالَ لَهُ النَّجَاشِیُّ هَلْ مَعَکَ مِمَّا جَاءَ بِهٖ عَنِ اللّٰهِ مِنْ شَیْءٍ قَالَتْ فَقَالَ لَهٗ جَعْفَرٌ نَعَمْ فَقَالَ لَهُ النَّجَاشِیُّ فَاقْرَاْهُ عَلَیَّ فَقَرَاَ عَلَیْهِ صَدْرًا مِنْ سُوْرَةِ مَرْیَمَ کٓهٰیٰعٓصٓ ذِکْرُ رَحْمَةِ رَبِّکَ عَبْدَهٗ زَکَرِیَّا اِلٰی قَوْلِهٖ اِنَّا نَحْنُ نَرِثُ الْاَرْضَ وَمَنْ عَلَیْهَا وَاِلَیْنَا یُرْجَعُوْنَ قَالَتْ اُمُّ سَلَمَةَ فَبَکٰی وَاللّٰهِ النَّجَاشِیُّ حَتّٰی اَخْضَلَ لِحْیَتَهٗ وَبَکَتْ اَسَاقِفَتُهٗ حَتّٰی اَخْضَلُوْا مَصَاحِفَهُمْ حِیْنَ سَمِعُوْا مَاتَلٰی عَلَیْهِمْ ثُمَّ قَالَ النَّجَاشِیُّ اِنَّ هٰذَا وَالَّذِیْ جَاءَ بِهٖ مُوْسٰی لَیَخْرُجُ مِنْ مِشْکٰوةٍ وَّاحِدَةٍ. (رواہ احمد و ابن سعد)

حضرت ام سلمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا حبشہ کی طرف پہلی ہجرت اور نجاشی کے صحابہ سے اس سوال کے جواب میں کہ انہوں نے اپنا قدیم دین کیوں چھوڑا بیان فرماتی ہیں کہ ہماری طرف سے جنہوں نے گفتگو کی وہ جعفر بن ابی طالب تھے انہوں نے ارشاد فرمایا: اے بادشاہ! ہم لوگ جاہلیت کی ایک قوم تھے بتوں کی پوجا کرتے مردار کھاتے بے حیائیوں میں مبتلا رہتے آپس کے رشتے کاٹتے اپنے پڑوسی سے برا سلوک کرتے اور جو شخص ہم میں مضبوط اور با اقتدار ہوتا وہ کمزور کو کھا لیا کرتا تھا۔ ہم اسی تاریکی میں بسر کر رہے تھے کہ اللہ تعالیٰ نے ہم میں سے ہمارے پاس ایک رسول بھیجا کہ جس کا نسب جس کی راست گوئی جس کی امانت داری اور جس کی پاک دامنی ہم اچھی طرح جانتے پہچانتے تھے اس نے ہم کو ایک اللہ تعالیٰ کی طرف دعوت دی کہ ہم اس کو ایک جانیں اور اسی کی عبادت کریں اور ہم اور ہمارے باپ دادے جن پتھروں اور بتوں کی عبادت کیا کرتے تھے ان کو یکسر چھوڑ دیں اور اس کا حکم دیا کہ سچ بولیں امانت کو ادا کریں اور رشتہ داری کا لحاظ رکھیں پڑوسی کے ساتھ اچھا سلوک کریں اور حرام اور خون ریزی سے اجتناب کریں اور ہم کو بے حیائیوں سے اور جھوٹ بات منہ سے نکالنے یتیم کا مال کھانے اور پاکدامن عورت پر تہمت لگانے کی سخت ممانعت فرمائی اور اس کا حکم دیا کہ صرف اللہ تعالیٰ ہی کی عبادت کرو اور کسی کو اس کا شریک نہ ٹھہراؤ اور ہم کو نماز زکوۃ

روزے کا بھی حکم دیا۔ حضرت ام سلمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا فرماتی ہیں کہ جعفر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اسلام کے اور بقیہ احکام بھی گنوائے اس پر ہم نے آپ کو خدا تعالیٰ کا پیغمبر مانا اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم پر ایمان لے آئے اور جو دین آپ لے کر آئے تھے اس کی پیروی کی۔ چنانچہ اب ہم صرف اللہ تعالیٰ کی عبادت کرتے ہیں اور ذرہ برابر بھی کسی کو اس کا شریک نہیں کرتے جو چیزیں اس نے ہمارے لیے حرام کر دیں ہم ان کو حرام سمجھتے ہیں اور جو حلال فرما دیں ان کو حلال جانتے ہیں۔ بس اسی بات پر ہماری قوم ہم سے بگڑ گئی ہے اور ہم کو دین سے ہٹانے کے لیے طرح طرح کی تکلیفیں دیں ہیں تاکہ ہم خدا تعالیٰ کی عبادت کے بجائے پھر بتوں کی پوجا کرنے لگیں اور جو خبیث چیزیں ہم نے پہلے حلال بنا رکھی تھیں ان کو پھر حلال سمجھنے لگیں' جب انہوں نے ہم پر بہت زور ڈالا اور ہم پر ظلم کیا اور ہماری مخالفت پر کمربستہ ہو گئے اور ہم کو اپنے دین پر عمل کرنے سے روکنے لگے تو ہم نے آپ کے شہر کا رخ کیا ہے اور سب کو چھوڑ کر آپ کو اور آپ کے پڑوس کو پسند کیا ہے۔ اے بادشاہ ہم کو آپ سے امید ہے کہ اب یہاں ہم پر ظلم نہ ہو گا۔ حضرت ام سلمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا یوں فرماتی ہیں یہ سن کر نجاشی بادشاہ نے پوچھا جو کلام وہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے تمہارے پاس لے کر آئے ہیں' کیا اس کا کوئی حصہ تم کو یاد ہے؟ جعفر بولے جی ہاں! اس پر نجاشی نے کہا اچھا اس کو میرے سامنے بھی پڑھو انہوں نے سورہ مریم کی شروع کی آیتیں پڑھیں (جس کی ابتداء یہ ہے): کٓھٰیٰعٓصٓ...

حضرت ام سلمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا یوں فرماتی ہیں یہ سن کر خدا نجاشی ایسا زار وقطار رو دیا کہ اس کی داڑھی تر ہو گئی' اور اس کے ارد گرد پادری لوگ بھی اتنے روئے کہ ان کے سامنے جو صحیفے تھے وہ بھی تر ہو گئے۔ اس کے بعد نجاشی نے کہا کہ یہ کلام اور وہ جو حضرت موسیٰ علیہ السلام لے کر آئے تھے بلاشبہ ایک ہی چشمہ سے نکلے ہوئے ہیں۔ (احمد بن حنبل وغیرہ)

عَنِ ابْنِ اِسْحَاقَ قَالَ ثُمَّ قَدِمَ عَلٰی رَسُوْلِ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ عِشْرُوْنَ رَجُلًا وَھُوَ بِمَکَّۃَ اَوْ قَرِیْبٌ مِنْ ذٰلِکَ مِنَ النَّصَارٰی حِیْنَ ظَھَرَ خَبَرُہٗ فِی الْحَبَشَۃِ فَوَجَدُوْہُ فِی الْمَجْلِسِ فَکَلَّمُوْہُ وَسَاَلُوْہُ وَرِجَالٌ مِنْ قُرَیْشٍ فِیْ اَنْدِیَتِھِمْ حَوْلَ الْکَعْبَۃِ فَلَمَّا فَرَغُوْا مِنْ مَسْاَلَتِھِمْ رَسُوْلَ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ عَمَّا اَرَادُوْا دَعَاھُمْ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ وَتَلٰی عَلَیْھِمُ الْقُرْاٰنَ فَلَمَّا سَمِعُوْا فَاضَتْ اَعْیُنُھُمْ مِنَ الدَّمْعِ ثُمَّ اسْتَجَابُوْا لَہٗ وَاٰمَنُوْا بِہٖ وَصَدَّقُوْہُ وَعَرَفُوْا مِنْہُ مَا کَانَ یُوْصَفُ لَھُمْ فِیْ کِتَابِھِمْ مِنْ اَمْرِہٖ فَلَمَّا قَامُوْا مِنْ عِنْدِہٖ اِعْتَرَضَھُمْ اَبُوْجَھْلٍ فِیْ نَفَرٍ مِنْ قُرَیْشٍ فَقَالَ خَیَّبَکُمُ اللّٰہُ مِنْ رَکْبٍ بَعَثَکُمْ مَنْ وَرَاءَکُمْ مِنْ اَھْلِ دِیْنِکُمْ تَرْتَادُوْنَ لَھُمْ فَتَاْتُوْنَ لَھُمْ بِخَبَرِ الرَّجُلِ فَلَمْ تَطْمَئِنَّ مَجَالِسُکُمْ عِنْدَہٗ حَتّٰی فَارَقْتُمْ دِیْنَکُمْ وَصَدَّقْتُمُوْہُ بِمَا قَالَ لَکُمْ مَا نَعْلَمُ رَکْبًا اَحْمَقَ مِنْکُمْ اَوْ کَمَا قَالَ لَھُمْ فَقَالُوْا سَلَامٌ عَلَیْکُمْ لَا نُجَاھِلُکُمْ لَنَا اَعْمَالُنَا وَلَکُمْ اَعْمَالُکُمْ لَا نَاْلُوْا اَنْفُسَنَا اِلَّا خَیْرًا۔ (کما فی جواب الصحیح محمد ابن اسحاق)

محمد بن اسحاق سے روایت ہے کہ اس واقعہ کے بعد جب آپ کی خبر حبشہ میں پہنچی تو آپ کی خدمت میں بیس یا اس سے کچھ کم و بیش نصرانی حاضر ہوئے اس وقت آپ مکہ مکرمہ ہی میں تھے انہوں نے آپ کو ایک مجلس میں تشریف فرما پایا تو آپ سے کچھ گفتگو کی اور کچھ سوالات بھی کیے۔ قریش کے چند لوگ بھی کعبہ شریف کے ارد گرد اپنی اپنی جگہ بیٹھے ہوئے (یہ ماجرا دیکھ رہے تھے) جب ان لوگوں

کو جو سوالات آپ سے کرنے تھے کر چکے تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو اسلام کی دعوت دی اور ان کے سامنے قرآن کریم کی کچھ آیتیں تلاوت فرمائیں۔ انہوں نے سنیں تو ان کی آنکھوں سے آنسو نکل پڑے انہوں نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی دعوت قبول کر لی۔ آپ کی تصدیق کی اور وہ سب علامتیں جو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے متعلق ان کی کتاب میں بیان کی گئی تھیں آپ میں دیکھیں۔ جب یہ لوگ آپ کی مجلس سے اٹھ کر چلے گئے تو راستہ میں ابوجہل چند اور قریشی لوگوں کو لے کر سامنے آیا اور بولا تمہاری جماعت کو خدا ناکام کرے تمہارے ہم عقیدہ لوگوں نے تم کو بھیجا تو اس لیے تھا کہ تم تلاش کر کے اس شخص کے متعلق ذرا تحقیق حال کرنا اور اس کی اطلاع جا کر انہیں دو مگر تم اس کے پاس آ کر بھی اطمینان سے بیٹھنے بھی نہ پائے تھے یہاں تک کہ تم خود ہی اپنا دین چھوڑ بیٹھے اور جو بات اس نے کہی بس اس کی تصدیق کر لی ہم نے کوئی جماعت تم سے زیادہ احمق نہیں دیکھی یا اسی قسم کے اور سخت سست کلمات کہے انہوں نے اس کے جواب میں بس اتنا کہا۔ آپ صاحبان کو ہمارا سلام ہم آپ سے الجھنا نہیں چاہتے ہم کو ہمارا دین مبارک اور آپ کو آپ کا دین مبارک اپنی جانوں کی خیر خواہی کرنے میں خود ہم کوئی دقیقہ فروگذاشت نہیں کر سکتے۔ (سیرت ابن اسحاق)

عَنْ عَائِشَةَ أُمِّ الْمُؤْمِنِيْنَ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهَا قَالَتْ أَوَّلُ مَا بُدِئَ بِهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ الرُّؤْيَا الصَّالِحَةُ فِي النَّوْمِ فَكَانَ لَا يَرَى رُؤْيَا إِلَّا جَاءَتْ مِثْلَ فَلَقِ الصُّبْحِ ثُمَّ حُبِّبَ إِلَيْهِ الْخَلَاءُ فَكَانَ يَخْلُوْ بِغَارِ حِرَاءٍ فَيَتَحَنَّثُ فِيْهِ وَهُوَ التَّعَبُّدُ اللَّيَالِيَ ذَوَاتِ الْعَدَدِ قَبْلَ أَنْ يَنْزِعَ إِلَى أَهْلِهِ وَيَتَزَوَّدُ لِذٰلِكَ ثُمَّ يَرْجِعُ إِلَى خَدِيْجَةَ فَيَتَزَوَّدُ لِمِثْلِهَا حَتَّى جَاءَهُ الْحَقُّ وَهُوَ فِي غَارِ حِرَاءٍ فَجَاءَهُ الْمَلَكُ فَقَالَ اقْرَأْ قَالَ مَا أَنَا بِقَارِئٍ قَالَ فَأَخَذَنِيْ فَغَطَّنِيْ حَتَّى بَلَغَ مِنِّي الْجَهْدَ ثُمَّ أَرْسَلَنِيْ فَقَالَ اقْرَأْ فَقُلْتُ مَا أَنَا بِقَارِئٍ فَأَخَذَنِيْ فَغَطَّنِي الثَّانِيَةَ حَتَّى بَلَغَ مِنِّي الْجَهْدَ ثُمَّ أَرْسَلَنِيْ فَقَالَ اقْرَأْ فَقُلْتُ مَا أَنَا بِقَارِئٍ فَأَخَذَنِيْ فَغَطَّنِي الثَّالِثَةَ ثُمَّ أَرْسَلَنِيْ فَقَالَ اقْرَأْ بِاسْمِ رَبِّكَ الَّذِيْ خَلَقَ خَلَقَ الْإِنْسَانَ مِنْ عَلَقٍ اقْرَأْ وَرَبُّكَ الْأَكْرَمُ الَّذِيْ عَلَّمَ بِالْقَلَمِ فَرَجَعَ بِهَا رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَرْجُفُ فُؤَادُهُ فَدَخَلَ عَلَى خَدِيْجَةَ بِنْتِ خُوَيْلِدٍ فَقَالَ زَمِّلُوْنِيْ زَمِّلُوْنِيْ فَزَمَّلُوْهُ حَتَّى ذَهَبَ عَنْهُ الرَّوْعُ فَقَالَ لِخَدِيْجَةَ وَأَخْبَرَهَا الْخَبَرَ لَقَدْ خَشِيْتُ عَلَى نَفْسِيْ فَقَالَتْ خَدِيْجَةُ كَلَّا وَاللّٰهِ مَا يُخْزِيْكَ اللّٰهُ أَبَدًا إِنَّكَ لَتَصِلُ الرَّحِمَ وَتَحْمِلُ الْكَلَّ وَتَكْسِبُ الْمَعْدُوْمَ وَتَقْرِي الضَّيْفَ وَتُعِيْنُ عَلَى نَوَائِبِ الْحَقِّ فَانْطَلَقَتْ بِهِ خَدِيْجَةُ حَتَّى أَتَتْ بِهِ وَرَقَةَ بْنَ نَوْفَلِ بْنِ أَسَدِ بْنِ عَبْدِ الْعُزَّى ابْنَ عَمِّ خَدِيْجَةَ وَكَانَ امْرَأً قَدْ تَنَصَّرَ فِي الْجَاهِلِيَّةِ وَكَانَ يَكْتُبُ الْكِتَابَ الْعِبْرَانِيَّ فَيَكْتُبُ مِنَ الْإِنْجِيْلِ مَا شَاءَ اللّٰهُ أَنْ يَكْتُبَ وَكَانَ شَيْخًا كَبِيْرًا قَدْ عَمِيَ فَقَالَتْ خَدِيْجَةُ يَا ابْنَ عَمِّ اسْمَعْ مِنِ ابْنِ أَخِيْكَ فَقَالَ لَهُ وَرَقَةُ يَا ابْنَ أَخِيْ مَاذَا تَرَى فَأَخْبَرَهُ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ خَبَرَ مَا رَأَى فَقَالَ لَهُ وَرَقَةُ هٰذَا النَّامُوْسُ الَّذِيْ نَزَّلَ اللّٰهُ عَلَى مُوْسَى يَا لَيْتَنِيْ فِيْهَا جَذَعًا يَا لَيْتَنِيْ حَيًّا إِذْ يُخْرِجُكَ قَوْمُكَ فَقَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَوَ مُخْرِجِيَّ هُمْ قَالَ نَعَمْ لَمْ يَأْتِ رَجُلٌ قَطُّ بِمِثْلِ مَا جِئْتَ بِهِ إِلَّا عُوْدِيَ وَإِنْ يُدْرِكْنِيْ يَوْمُكَ

أنْصُرْكَ نَصْرًا مُؤَزَّرًا ثُمَّ لَمْ يَنْشَبْ وَرَقَةُ أَنْ تُوُفِّيَ وَفَتَرَ الْوَحْيُ. (رواہ البخاری)

ام المومنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے روایت ہے وہ فرماتی ہیں سب سے پہلی وحی جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر آئی وہ اچھے خواب تھے چنانچہ جو خواب آپ صلی اللہ علیہ وسلم دیکھتے وہ صبح صادق کی روشنی کی طرح صاف صاف ظاہر ہو جاتا۔ اس کے بعد آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو تنہائی اور خلوت گزینی پسند ہوگئی۔ چنانچہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم غار حرا میں آ کر تنہا رہا کرتے اور وہاں کئی کئی شب تحنث کیا کرتے تھے۔ راوی تحنث کی تفسیر عبادت کرنا کرتا ہے یعنی عبادت کیا کرتے تھے بغیر اس کے کہ اپنے گھر والوں کے پاس لوٹ کر آتے اور اس مدت کے لیے زاد راہ اپنے ساتھ لے جاتے پھر جب یہ زاد راہ ختم ہو جاتا تو اتنی ہی مدت کے لیے اور زاد راہ لے جاتے یہاں تک کہ آپ کے پاس حق کا پیغام غار حرا میں آ پہنچا۔ چنانچہ خدا کا فرشتہ آپ کے پاس آیا اور اس نے کہا پڑھو آپ نے فرمایا میں پڑھا ہوا نہیں ہوں آپ فرماتے ہیں کہ فرشتہ نے مجھ کو پکڑا اور اتنی زور سے دبایا کہ مجھے تکلیف ہوئی پھر چھوڑ کر مجھ سے کہا پڑھو تو میں نے وہی کہا میں پڑھا ہوا نہیں ہوں اس پر فرشتہ نے پھر مجھے پکڑ کر زور سے دبایا یہاں تک کہ مجھے تکلیف ہوئی پھر چھوڑ کر کہا پڑھو تو میں نے پھر کہا میں پڑھا ہوا نہیں ہوں۔ تیسری بار اس نے مجھے پکڑ کر زور سے دبایا پھر مجھے چھوڑ کر کہا "اِقْرَأْ بِاسْمِ رَبِّكَ الَّذِي خَلَقَ خَلَقَ الْإِنْسَانَ مِنْ عَلَقٍ اِقْرَأْ وَرَبُّكَ الْأَكْرَمُ الَّذِي عَلَّمَ بِالْقَلَمِ" (یعنی اپنے پروردگار کے نام کی برکت سے پڑھو جس نے ہر چیز کو پیدا کیا (اور) انسان کو خون بستہ سے پیدا کیا۔ پڑھو تمہارا پروردگار بہت بڑا کریم ہے جس نے قلم سے سکھایا) آپ صلی اللہ علیہ وسلم ان آیات کو لے کر واپس آئے اور اس واقعہ سے آپ کا دل کانپ رہا تھا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم حضرت خدیجہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے پاس آئے اور فرمایا مجھے کمبل اوڑھا دو مجھے کمبل اوڑھا دو گھر والوں نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو کمبل اوڑھا دیا یہاں تک کہ جب آپ کے قلب مبارک سے خوف کا وہ عالم جاتا رہا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت خدیجہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے سارا واقعہ بیان فرمایا اور فرمایا خدا کی قسم مجھے تو اپنی جان کا خطرہ ہو گیا تھا۔ حضرت خدیجہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا بولیں ہرگز نہیں خدا کی قسم! اللہ تعالیٰ آپ کو کبھی شرمندہ نہیں کرے گا آپ تو صلہ رحمی فرماتے ہیں بے وسیلہ شخص کا بوجھ اٹھاتے ہیں اور محتاج کو مال کما کر دے دیتے ہیں مہمان کی مہمان نوازی کرتے ہیں اور راہ حق کے حادثوں میں لوگوں کی امداد کرتے ہیں (پھر آپ ناکام کیسے ہو سکتے ہیں) پھر حضرت خدیجہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا آپ کو اپنے چچا زاد بھائی ورقہ کے پاس لے کر آئیں۔ یہ زمانہ جاہلیت میں نصرانی ہو گئے تھے اور عبرانی لکھا کرتے تھے اس لیے انجیل میں جس قدر اللہ کو منظور ہوتا عبرانی میں لکھا کرتے تھے اور اس وقت بڑھاپے کی وجہ سے نابینا ہو چکے تھے۔ حضرت خدیجہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے فرمایا اے ابن عم! ذرا اپنے بھتیجے سے ان کا حال تو سنئے ورقہ نے آپ سے کہا بھتیجے تم نے کیا واقعہ دیکھا؟ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے جو کچھ دیکھا تھا ان سے بیان کر دیا یہ سن کر ورقہ نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے کہا یہ تو وہی فرشتہ ہے جس کو اللہ تعالیٰ نے حضرت موسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام کے پاس بھیجا تھا اے کاش کہ میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ نبوت میں توانا جوان ہوتا اے کاش کہ میں اس وقت تک زندہ رہتا جبکہ آپ کی قوم آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو مکہ مکرمہ سے نکالے گی۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے تعجب سے فرمایا اچھا کیا میری قوم مجھ کو نکالے گی؟ ورقہ نے کہا جی ہاں! ہمیشہ جب کوئی رسول وہ دین لے کر آیا ہے جیسا تم لے کر

آئے ہو تو ضرور وہ اس کے ساتھ دشمنی کی گئی ہے اور اگر مجھ کو آپ کی نبوت کا زمانہ مل گیا تو میں آپ کی بہت زوردار مدد کروں گا مگر ایسا ہوا کہ چند ہی روز بعد ورقہ کی وفات ہو گئی اور ادھر وحی کی آمد کچھ مدت کے لیے بند ہو گئی۔ (بخاری شریف)

تشریح:- ابن ہشام اپنی سیرت میں صدیقہ عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے نقل کرتے ہیں کہ جب صدیق اکبرؓ نے کفار کی ایذاء رسانی سے تنگ آ کر ترک وطن کا قصد کیا تو ابن الدغنہ نے ان سے پوچھا آپ کہاں جاتے ہیں؟ صدیق اکبرؓ نے کفار کی ایذاء رسانی کا سارا ماجرا بیان کیا اس پر جو کلمات اس نے صدیق اکبر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی شان میں کہے وہ ان الفاظ سے بہت ہی ملتے جلتے ہیں جو حضرت خدیجہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے یہاں آپ کی شان مبارک میں فرمائے ہیں۔ وہ کہتا ہے "واللہ انک لتزین العشیر وتعین علی النوائب وتفعل المعروف وتکسب المعدوم ارجع وانت فی جواری" (ص ۱۳۱ ج ۱ مطبوعہ برحاشیہ روض الانف)

اس سے معلوم ہوتا ہے کہ اس زمانہ میں یہ اوصاف خیر لوگوں میں عام طور پر مشہور تھے اور کسی انسان کی بزرگی کا سب سے اعلیٰ معیار سمجھے جاتے تھے اسی بناء پر حضرت خدیجہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے بے ساختہ یہاں ان کا تذکرہ کیا ہے۔

یہ حدیث نزول قرآن کے سلسلہ میں سب سے پہلی ہے اور اتصال ملکی و بشری کے بہت سے رموز کی حامل ہے۔ ابتدائی واقعہ میں وحی کا ثقل، آپ کا اضطراب اور حضرت خدیجہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے تسلی آمیز کلمات سب بالکل قرین قیاس اور معقول باتیں ہیں اور آپ کی صداقت کی سب سے واضح دلیلیں ہیں۔ دیکھئے ورقہ بن نوفل ذرا سا واقعہ سن کر کس طرح یہ سمجھ گئے کہ یہ فرشتہ جو آپ پر وحی لے کر آیا ہے وہی فرشتہ ہے جو آپ سے قبل حضرت موسیٰ علیہ السلام کے پاس آیا تھا۔ اس سے جہاں آپ کی بے لوث صداقت کا ثبوت ملتا ہے اس کے ساتھ وحی اور نبوت کی حقیقت پر بھی کچھ روشنی پڑتی ہے مگر کیا تاریخ نبوت کے علم کے بغیر محض عقلی طور پر یہ نتیجہ اخذ کیا جا سکتا ہے جو یہاں چند جملوں سے ورقہ نے اخذ کر لیا اور وہ بھی کس جزم اور یقین کے ساتھ

یہ بات بھی قابل یادداشت ہے کہ جب نزول وحی شروع ہوتا ہے تو ایسے حال میں شروع ہوتا ہے جبکہ آپ اس سے قطعاً لاعلم تھے اور جب آپ وحی سے آشنا ہو چکے تھے تو ایک مدت کے لیے نزول وحی ایسا بند ہو جاتا ہے کہ اس کے اشتیاق میں بارہا آپ کے قلب مبارک میں یہ خیال گزرتا ہے کہ کسی پہاڑ پر جا کر اپنے آپ کو گرا دیں مگر وحی کا ایک حرف بھی نازل نہیں ہوتا۔ وحی کی اس ابتداء اور اس انقطاع سے یہ اندازہ کیا جا سکتا ہے کہ عالم نبوت پرواز خیال سے کتنا بالاتر عالم ہے کیونکہ خیالی معاملات تمام تر انسان کے خیال کرنے نہ کرنے پر موقوف ہوا کرتے ہیں اور یہاں نبوت کی تاریخ یہ بتاتی ہے کہ جب وحی کا خیال بھی نہ تھا تو وحی نازل ہوئی اور جب انتہائی شوق و ذوق موجود تھا تو مدت تک وحی کا ایک حرف بھی سننے میں نہیں آیا۔

نیز حضرت خدیجہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا جو خود بڑی عاقلہ تھیں اور مدت دراز تک آپ کے روز و شب حالات کا جائزہ لے چکی تھیں وہ اس واقعہ کو سن کر ایک لمحہ کے لیے بھی کسی شبہ میں نہیں پڑتیں اور سمجھ کر جیسے جزم و وثوق کے ساتھ کہتی ہیں کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا معاملہ ہر ایسے تصور سے جو آپ کے شایان شان نہ ہو بالاتر ہے اور یہ اس لیے کہ آپ کے اوصاف خود اس کے شاہد عدل ہیں کہ خدا ایسے نیک سیرت اور بلند فطرت انسان کو ناکام نہیں کر سکتا اس کے بعد جب یہ واقعہ ورقہ کے سامنے آتا ہے تو وہ صرف اس کا اجمالی حال سن کر آنے والے فرشتے آپ کی وحی آپ کی نبوت اور آئندہ آپ کے حالات کا اس طرح اندازہ کر لیتے ہیں گویا یہ سب پہلے سے سمجھے بیٹھے ہیں۔ حدیث مذکور میں

آپ کے قبل از نبوت دور کے عبادت کا کچھ تذکرہ بھی ملتا ہے۔ صوفیاء کرام نے غار حراء کے اس قیام کو چلہ کی اصل قرار دیا ہے۔

عَنْ خَدِيجَةَ بِنْتِ خُوَيْلِدٍ أَنَّهَا قَالَتْ قُلْتُ لِرَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَا ابْنَ الْعَمِّ أَتَسْتَطِيْعُ إِذَا جَاءَكَ هٰذَا الَّذِيْ يَأْتِيْكَ أَنْ تُخْبِرَنِيْ بِهِ فَقَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ نَعَمْ قَالَتْ خَدِيجَةُ فَجَاءَهُ جِبْرِيْلُ عَلَيْهِ السَّلَامُ ذَاتَ يَوْمٍ وَأَنَا عِنْدَهُ فَقَالَ يَا خَدِيجَةُ هٰذَا صَاحِبِيْ الَّذِيْ يَأْتِيْنِيْ قَدْ جَاءَ فَقُلْتُ لَهُ قُمْ فَاجْلِسْ عَلٰى فَخِذِيْ فَجَلَسَ عَلَيْهَا فَقُلْتُ هَلْ تَرَاهُ قَالَ نَعَمْ فَقُلْتُ تَحَوَّلْ فَاجْلِسْ عَلٰى فَخِذِي الْيُسْرٰى فَجَلَسَ فَقُلْتُ هَلْ تَرَاهُ قَالَ نَعَمْ قَالَتْ خَدِيجَةُ فَتَحَسَّرْتُ فَطَرَحْتُ خِمَارِيْ فَقُلْتُ هَلْ تَرَاهُ قَالَ لَا فَقُلْتُ هٰذَا وَاللّٰهِ مَلَكٌ كَرِيْمٌ لَا وَاللّٰهِ مَا هٰذَا شَيْطَانٌ ثُمَّ ذَكَرَتْ لِوَرَقَةَ مَا أَخْبَرَهَا صلى الله عليه وسلم وفي رواية أَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كَانَ جَالِسًا مَعَ خَدِيجَةَ يَوْمًا مِنَ الْأَيَّامِ إِذْ رَأٰى شَخْصًا بَيْنَ السَّمَاءِ وَالْأَرْضِ لَا يَزُوْلُ فَقَالَتْ خَدِيجَةُ أُدْنُ مِنِّيْ فَدَنَا مِنْهَا فَقَالَتْ لَهُ تَرَاهُ فَقَالَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ نَعَمْ قَالَتْ خَدِيجَةُ أَدْخِلْ رَأْسَكَ تَحْتَ دِرْعِيْ فَفَعَلَ ذٰلِكَ فَقَالَتْ خَدِيجَةُ لَهُ تَرَاهُ فَقَالَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَا فَقَدْ أَعْرَضَ عَنِّيْ قَالَتْ خَدِيجَةُ أَبْشِرْ فَإِنَّهُ مَلَكٌ كَرِيْمٌ لَوْ كَانَ شَيْطَانًا مَا اسْتَحْيٰى ثم ذكرت اسلامها۔ (رواه ابو نعيم في دلائل النبوة والطبراني)

حضرت خدیجہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا بیان فرماتی ہیں کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے عرض کیا اے میرے چچازاد بھائی! کیا یہ ممکن ہے کہ یہ شخص جو آپ کے پاس آتے ہیں اب کی بار آئیں تو آپ مجھ کو بھی بتادیں۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہو سکتا ہے۔ حضرت خدیجہ کہتی ہیں ایک دن ایسا ہوا کہ جبرئیل علیہ السلام تشریف لائے اور میں اتفاق سے اس وقت آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس ہی بیٹھی تھی تو آپ نے فرمایا لو میرے رفیق جو میرے پاس آیا کرتے ہیں وہ اس وقت تشریف لائے ہیں۔ یہ سن کر میں نے کہا اچھا آپ اٹھ کر ذرا میری دائیں ران پر بیٹھئے آپ ادھر آکر بیٹھ گئے۔ میں نے پوچھا اب بھی آپ ان کو دیکھ رہے ہیں؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہاں! پھر میں نے کہا اچھا اب آپ میری بائیں ران پر آجائیے آپ ادھر آکر بیٹھ گئے میں نے پوچھا اب بھی آپ ان کو دیکھ رہے ہیں فرمایا ہاں: حضرت خدیجہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا فرماتی ہیں پھر میں نے اپنی اوڑھنی اتار کر (سر ننگا کر کے) پوچھا اچھا کیا اب بھی آپ صلی اللہ علیہ وسلم ان کو دیکھ رہے ہیں فرمایا نہیں میں نے کہا خدا کی قسم! یہ تو خدا تعالیٰ کا بزرگ فرشتہ ہی ہے خدا کی قسم! یہ شیطان نہیں ہو سکتا اس کے بعد آپ کا سارا واقعہ نوفل سے بیان کیا (جو پہلے مذکور ہو چکا ہے)۔

دوسری روایت میں یہ واقعہ اس طرح مذکور ہے کہ حضرت خدیجہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا بیان فرماتی ہیں ایک دن آپ صلی اللہ علیہ وسلم میرے ساتھ بیٹھے ہوئے تھے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے دیکھا کہ ایک شخص زمین و آسمان کے درمیان نظر آرہا ہے جو نہ اوپر جاتا ہے نہ نیچے اترتا ہے (میں نے آپ کے فرمانے پر کہا) آپ ذرا میرے قریب آجائیں آپ قریب آگئے۔ انہوں نے پوچھا کیا اب بھی آپ صلی اللہ علیہ وسلم ان کو دیکھ رہے ہیں؟ آپ نے فرمایا ہاں۔ اس کے بعد حضرت خدیجہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے فرمایا اچھا اب آپ میرے گریبان میں منہ ڈال لیجئے آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے منہ ڈال لیا پھر پوچھنے لگیں کیا اب بھی آپ صلی اللہ علیہ وسلم ان کو دیکھ رہے

ہیں؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا نہیں اب انہوں نے اپنا رخ پھیر لیا ہے۔ حضرت خدیجہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے فرمایا آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو بشارت ہو یہ خدا تعالیٰ کا بزرگ فرشتہ ہے۔ اگر شیطان ہوتا تو بھلا یہ شرم کیوں کرتا۔ (دلائل نبوۃ)

حضرت خدیجہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا اگرچہ اہل کتاب میں سے نہ تھیں مگر اپنی فطری دانشمندی سے اتنا ضرور جانتی تھیں کہ جس طرح نبی و ساحر اور کاہن کی شخصیتوں میں پاکیزگی و بلندی کا بڑا فرق ہوتا ہے اسی طرح جو ان کے پاس غیبی خبریں لانے والا ہوتا ہے ان میں بھی زمین و آسمان کا فرق ہونا چاہیے۔ اس امتحان کے لیے جو فوری اور آسان صورت ان کے ذہن میں آئی اس پر انہوں نے صورتحال کو پرکھا اور اس کے بعد جو عقیدہ ان کا پہلے قائم ہو چکا تھا وہ اور مستحکم ہو گیا۔ یہ بات تو اس وقت کی تھی جبکہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نبوت سے سرفراز ہو چکے تھے لیکن آپ کے حالات تو ابتداء ہی سے اس قسم کے تھے۔ جب حلیمہ سعدیہ شق صدر کے واقعہ سے خوفزدہ ہو کر آپ کو آپ کی والدہ کی خدمت میں پہنچانے کے لیے گئیں تو انہوں نے متحیر ہو کر پوچھا اور پھر اصرار پر اصرار کر کے ان کو مجھ سے اپنے گھر سے آنے کی اصل وجہ بتاؤ آخر تم کیوں ان کو واپس لے کر آرہی ہو انہوں نے مجبور ہو کر سارا واقعہ بیان فرما دیا۔

عن ابن عباس قال حدثني سلمان الفارسي في قصة إسلامه من فيه قال لحقت بصاحب عمورية فأخبرته خبري قال أقم عندي فأقمت عند خير رجل على هدي أصحابه وأمرهم قال واكتسبت حتى كانت لي بقرات وغنيمة قال ثم نزل به أمر الله فلما حضر قلت له يا فلان إني كنت مع فلان فأوصى بي إلى فلان ثم أوصى بي فلان إلى فلان ثم أوصى بي فلان إلى فلان ثم أوصى بي فلان إليك فإلى من توصي بي وبم تأمرني قال أي بني والله ما أعلمه أصبح أحد على مثل ما كنا عليه من الناس آمرك أن تأتيه ولكنه قد أظل زمان نبي مبعوث بدين إبراهيم يخرج بأرض العرب مهاجره إلى الأرض بين حرتين بينهما نخل به علامات لا تخفى يأكل الهدية ولا يأكل الصدقة بين كتفيه خاتم النبوة فإن استطعت أن تلحق بتلك البلاد فافعل قال ثم مات وغيب ومكثت بعمورية ما شاء الله أن أمكث ثم مر بي نفر من كلب تجارا فقلت لهم احملوني إلى أرض العرب وأعطيكم بقراتي هذه وغنيمتي هذه قالوا نعم فأعطيتموها وحملوني معهم حتى إذا بلغوا وادي القرى ظلموني فباعوني من رجل يهودي عبدا فكنت عنده ورأيت النخل فرجوت أن يكون البلد الذي وصف لي صاحبي ولم يحق في نفسي فبينا أنا عنده إذ قدم ابن عم له من بني قريظة من المدينة فابتاعني منه فاحتملني إلى المدينة فوالله ما هو إلا أن رأيتها فعرفتها بصفة صاحبي لها فأقمت بها وبعث رسول الله صلى الله عليه وسلم فأقام بمكة ما أقام ولا أسمع له بذكر مع ما أنا فيه من شغل الرق ثم هاجر إلى المدينة فوالله إني لفي رأس عذق لسيدي أعمل له فيه بعض العمل وسيدي جالس تحتي إذ أقبل ابن عم له حتى وقف عليه فقال يا فلان قاتل الله بني قيلة والله إنهم لمجتمعون الآن بقباء على رجل قدم من مكة اليوم يزعمون أنه نبي قال سلمان فلما سمعتها أخذتني الرعدة حتى

قلت إني ساقط على سيدي فنزلت عن النخلة فجعلت أقول لابن عمه ماذا تقول قال فغضب سيدي فلكمني لكمة شديدة ثم قال ما لك ولهذا أقبل على عملك قال قلت لا شيء إنما أردت أن أستثبته عما قال قال وقد كان عندي شيء قد جمعته فلما أمسيت أخذته ثم ذهبت به إلى رسول الله صلى الله عليه وسلم وهو بقباء فدخلت عليه فقلت له إنه قد بلغني أنك رجل صالح ومعك أصحاب لك غرباء ذوو حاجة وهذا شيء كان عندي للصدقة فرأيتكم أحق به من غيركم قال فقربته إليه فقال رسول الله صلى الله عليه وسلم لأصحابه كلوا وأمسك يده فلم يأكل قال فقلت في نفسي هذه واحدة ثم انصرفت عنه فجمعت شيئا وتحول رسول الله صلى الله عليه وسلم إلى المدينة ثم جئته به فقلت إني رأيتك لا تأكل الصدقة وهذه هدية أكرمتك بها قال فأكل رسول الله صلى الله عليه وسلم منها وأمر أصحابه فأكلوا معه قال فقلت في نفسي هاتان اثنتان قال ثم جئت رسول الله صلى الله عليه وسلم وهو ببقيع الغرقد قد تبع جنازة رجل من أصحابه وعليه شملتان وهو جالس في أصحابه فسلمت عليه ثم استدرت أنظر إلى ظهره هل أرى الخاتم الذي وصف لي صاحبي فلما رآني رسول الله صلى الله عليه وسلم استدبرته عرف أني أستثبت في شيء وصف لي قال فألقى رداءه عن ظهره فنظرت إلى الخاتم فعرفته فانكببت عليه أقبله وأبكي فقال لي رسول الله صلى الله عليه وسلم تحول فتحولت بين يديه فقصصت عليه حديثي كما حدثتك يا ابن عباس فأعجب رسول الله صلى الله عليه وسلم أن يسمع ذلك أصحابه ثم شغل سلمان الرق حتى فاته مع رسول الله صلى الله عليه وسلم بدر وأحد قال سلمان ثم قال لي رسول الله صلى الله عليه وسلم كاتب يا سلمان فكاتبت صاحبي على ثلاث مائة نخلة أحييها له بالفقير وأربعين أوقية فقال رسول الله صلى الله عليه وسلم لأصحابه أعينوا أخاكم فأعانوني في النخل الرجل بثلاثين ودية والرجل بعشرين ودية والرجل بخمس عشرة ودية والرجل بعشرة يعني الرجل بقدر ما عنده حتى اجتمعت لي ثلاث مائة ودية فقال لي رسول الله صلى الله عليه وسلم اذهب يا سلمان ففقر لها فإذا فرغت فأتني أكون أنا أضعها بيدي قال ففقرت وأعانني أصحابي حتى إذا فرغت جئته فأخبرته فخرج رسول الله صلى الله عليه وسلم معي إليها فجعلنا نقرب إليه الودي ويضعه رسول الله صلى الله عليه وسلم بيده حتى إذا فرغنا فوالذي نفس سلمان بيده ما ماتت منها ودية واحدة فأديت النخل وبقي علي المال فأتي رسول الله صلى الله عليه وسلم بمثل بيضة الدجاجة من ذهب من بعض المعادن فقال ما فعل الفارسي المكاتب قال فدعيت له فقال خذ هذه فأد بها ما عليك يا سلمان قال قلت وأين تقع هذه مما علي يا رسول الله قال خذها فإن الله

يُؤَدِّيْ بِهَا عَنْكَ قَالَ فَأَخَذْتُهَا فَوَزَنْتُ لَهُمْ مِنْهَا وَالَّذِيْ نَفْسُ سَلْمَانَ بِيَدِهٖ أَرْبَعِيْنَ أُوْقِيَّةً فَأَوْفَيْتُهُمْ حَقَّهُمْ وَعَتَقَ سَلْمَانُ فَشَهِدْتُ مَعَ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ الْخَنْدَقَ حُرًّا ثُمَّ لَمْ يَفُتْنِيْ مَعَهٗ مَشْهَدٌ۔ (رواہ محمد بن اسحٰق والحاکم والبیہقی فی کتاب دلائل النبوۃ)

حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں میں نے یہ واقعہ خود سلمان فارسی کی زبان سے سنا ہے وہ بیان کرتے تھے کہ میں اصبہان کے ایک گاؤں میں ایک پارسی مذہب کا آدمی تھا اور میرے والد اپنے گاؤں کے سردار تھے میں ان کو بہت پیارا تھا اس لیے انہوں نے لڑکیوں کی طرح گھر کے اندر رکھ کر میری پرورش کی تھی۔ میں مجوسیت کی عبادت میں ہر وقت لگا رہا کرتا یہاں تک کہ آگ کے اس نگراں کی طرح بن گیا تھا جو ہر وقت اس کو روشن رکھتا ہے اور ایک لمحہ کے لیے بھی گل ہونے نہیں دیتا۔ میرے والد کی بڑی زمین تھی ایسا ہوا کہ وہ ایک دن کسی تعمیری کام میں لگ گئے اور مجھ سے فرمایا فرزند عزیز! میں آج اس کام میں لگ گیا ہوں اس لیے آج زمین پر نہیں جاسکتا تم ذرا جا کر اس کو دیکھ لو اور جو کام کرنے کا وہاں ان کا تھا وہ مجھ کو بتا دیا اور تاکید سے کہہ دیا کہ میرے پاس آنے میں دیر نہ لگانا اگر تم نے دیر کی تو یاد رکھنا مجھ کو زمین سے زیادہ تمہاری فکر ہو جائے گی اور میں یہاں کسی کام کا بھی نہ رہوں گا۔ یہ کہتے ہیں گھر سے نکلتے وقت تو میرا ارادہ اسی زمین پر جانے کا تھا جس کے لیے انہوں نے مجھ کو بھیجا تھا لیکن درمیان میں نصاریٰ کے گرجوں میں سے ایک گرجے سے میرا گزر ہوا میں نے وہاں ان کی کچھ آوازیں سنیں وہ نمازیں ادا کر رہے تھے چونکہ والد نے مجھے گھر میں بند کر رکھا تھا اس لیے مجھے اس کا پتہ ہی نہ تھا کہ لوگ کس جہان میں بستے ہیں۔ ان کی آوازیں سن کر میں اندر چلا گیا اور جا کر یہ دیکھنے لگا کہ وہ کر کیا رہے ہیں۔ جب میں نے ان کو دیکھا تو مجھے ان کی نماز پسند آئی اور میں نے ان میں شامل ہونے کی کوشش کی اور دل میں کہا خدا کی قسم! جس دین میں اس وقت ہوں اس سے یہ دین بہتر معلوم ہوتا ہے۔ یہ سوچ کر میں ان ہی کے ساتھ رہا یہاں تک کہ آفتاب غروب ہو گیا اور اپنے والد کی زمین تک نہ جاسکا۔ پھر میں نے کہا آپ لوگ اس دین کی اصل جگہ بتائیے؟ انہوں نے کہا ملک شام۔ میں اپنے والد کے پاس واپس آ گیا۔ ادھر انہوں نے میری تلاش کے لیے آدمی بھیج رکھے تھے اور سب اپنے کاروبار سے معطل پڑے تھے۔ جب میں حاضر ہوا تو انہوں نے فرمایا عزیز فرزند! تم کہاں تھے تم کو جو بات ضروری تھی کیا وہ ہدایت نہ کی تھی کہ دیر نہ لگانا؟ میں نے عرض کیا پدر بزرگوار! بات یہ ہوئی کہ چند لوگوں کے پاس سے میرا گزر ہوا جو اپنے گرجوں میں نمازیں پڑھ رہے تھے مجھے ان کا دین پسند آیا اور اس لیے خدا کی قسم شام تک میں وہاں ہی رہا۔ والد نے فرمایا فرزند عزیز! اس دین میں تو کوئی بھی خوبی نہیں تیرا اور تیرے بزرگوں کا دین اس سے کہیں بہتر ہے؟ میں نے عرض کیا خدا کی قسم! ہرگز نہیں وہ دین ہمارے دین سے بہت بہتر ہے۔ یہ کہتے ہیں والد نے مجھے بہت ڈرایا دھمکایا اور میرے پیروں میں بیڑیاں ڈال دیں اور گھر میں بند کر لیا۔ یہ کہتے ہیں میں نے نصاریٰ کے پاس کہلا بھیجا کہ جب ملک شام کا کوئی قافلہ تمہارے پاس آئے تو مجھے بھی خبر کرنا۔ یہ کہتے ہیں جب شام جانے والا ایک قافلہ ان کے پاس آیا تو وہ میرے پاس آئے اور مجھے اس کی خبر کی۔ میں نے کہا جب وہ اپنی ضروریات سے فارغ ہو لیں اور پھر شام واپسی کا ارادہ کریں تو اس وقت مجھے خبر کرنا۔ چنانچہ جب وہ اپنے کام پورے کر چکے تو انہوں نے مجھے اس کی اطلاع دی۔ یہ کہتے ہیں میں نے زنجیریں اپنے پیروں

سے نکال پھینکیں اور ان کے ساتھ روانہ ہو گیا' یہاں تک کہ شام جا پہنچا۔ وہاں جا کر میں نے پوچھا اس دین کا یہاں سب سے بڑا عالم کون ہے؟ انہوں نے کہا کہ اس گرجے کا پادری۔ یہ کہتے ہیں کہ میں اس کے پاس گیا اور میں نے کہا' مجھے یہ دین پسند ہے اور میری تمنا ہے کہ میں آپ کے ساتھ رہوں اور اس گرجے میں آپ کی خدمت کیا کروں اور آپ سے نماز سیکھوں اور پھر آپ کے ساتھ نماز پڑھوں' اس نے کہا اچھا آ جاؤ' میں اس کے ساتھ گرجے میں داخل ہو گیا۔ یہ شخص بدنیت آدمی تھا' لوگوں کو صدقہ کی ترغیب دیتا اور جب لوگ صدقہ لاتے تو اس کو اپنی ذات کے لیے جمع کرتا اور مسکینوں کو تقسیم نہ کرتا۔ یہاں تک کہ اس تدبیر سے اس نے سات مٹکے چاندی اور سونے کے جمع کر لیے۔ یہ کہتے ہیں مجھے اس سے سخت بغض ہو گیا۔ ان حرکات کی وجہ سے جو میں نے اس کو کرتے دیکھا تھا' اس کے بعد اس کا انتقال ہو گیا۔ اس کے دفن کے لیے نصاریٰ جمع ہوئے تو میں نے ان سے کہا یہ بڑا خراب انسان تھا' تم کو صدقہ کی ترغیب دیا کرتا تھا اور جب تم اس کے پاس صدقے لاتے تو اس کو اپنی ذات کے لیے جمع کر لیتا تھا اور مسکینوں کو کچھ نہ دیتا تھا۔ انہوں نے کہا تم کو یہ کیسے معلوم ہوا؟ میں نے کہا کہ میں تم کو اس کے خزانہ کا پتہ بتاتا ہوں۔ انہوں نے کہا اچھا بتاؤ۔ چنانچہ وہ جگہ میں نے ان کو دکھائی' انہوں نے سونے اور چاندی سے بھرے ہوئے سات مٹکے وہاں سے برآمد کیے۔ جب انہوں نے یہ منظر دیکھا تو کہا ہم ایسے شخص کو ہرگز دفن نہیں کریں گے' اس کو سولی پر لٹکایا اور پتھروں سے سنگسار کیا اور دوسرا آدمی لا کر اس کی جگہ بٹھلا دیا۔ سلمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ کہتے ہیں میں نے اس آدمی سے بڑھ کر کوئی شخص جو پنج وقتہ نماز کا پابند' دنیا سے بے رغبت اور آخرت کا طالب اور روز و شب عبادت میں مشغول ہو نہیں دیکھا' لہٰذا مجھے اس سے اتنی محبت ہو گئی کہ اس سے پہلے دنیا کی کسی چیز سے نہ تھی' میں اس کے پاس ایک مدت تک مقیم رہا' پھر جب اس کی وفات کا وقت قریب آیا تو میں نے ان سے عرض کیا میں اتنی مدت آپ کی خدمت میں رہا اور آپ سے اتنی محبت رکھتا ہوں کہ اس سے قبل دنیا کی کسی چیز سے مجھ کو اتنی محبت نہیں ہوئی۔ اب آپ دیکھتے ہیں کہ آپ کے پاس پیغام اجل آ پہنچا ہے تو آپ مجھے کس کے سپرد کر کے جاتے ہیں اور میرے لیے آئندہ اب کیا حکم ہے؟ انہوں نے فرمایا' فرزند عزیز! خدا کی قسم! میرے علم میں اب کوئی شخص نہیں ہے جو صحیح طور پر اس دین پر قائم رہا ہو جس پر کہ میں تھا' لوگ تباہ و برباد ہو چکے ہیں اور جس دین پر پہلے تھے اس کو اکثر بدل سدل کر چکے ہیں' ہاں موصل میں ایک شخص ہے جس کا نام فلاں ہے وہ شخص اسی دین پر ہے جس پر میں ہوں اس کے پاس چلے جانا۔ یہ کہتے ہیں جب ان کی وفات ہو گئی اور دفن ہو چکے تو میں ان موصل والے پادری کے پاس چلا گیا۔ میں نے ان سے کہا اے فلاں مجھ کو فلاں پادری نے مرتے وقت یہ وصیت کی تھی کہ میں آپ کی خدمت میں حاضر ہو جاؤں اور یہ بتایا تھا کہ آپ ان ہی کے دین پر پورے قائم ہیں۔ انہوں نے فرمایا' اچھا تو میرے پاس قیام کرو' میں نے ان کے پاس قیام کیا اور میں نے ان کو بھی بہت نیک شخص پایا' جس دین پر ان کے پہلے رفیق تھے یہ بھی اسی پر تھے۔ ابھی کچھ مدت نہ ہوئی تھی ان کی بھی وفات کا وقت آ گیا تو میں نے ان سے عرض کیا' اے فلاں! مجھ کو فلاں پادری نے آپ کے لیے وصیت کی تھی اور یہ حکم دیا تھا کہ آپ کے پاس حاضر ہو جاؤں۔ اب جیسا آپ دیکھ رہے ہیں آپ کے پاس بھی حکم ربی آ چکا ہے تو آپ مجھے کس کی وصیت فرماتے ہیں اور میرے لیے کیا حکم دیتے ہیں؟ انہوں نے فرمایا بخدا! میں اس دین پر جس پر کہ خود قائم ہوں آج ایک شخص کے سوا کسی اور کو نہیں جانتا وہ شخص نصیبین میں

ہیں ان کا نام فلاں ہے تم ان کے پاس چلے جانا۔ جب ان کا انتقال ہو گیا اور دفن ہو چکے تو میں ان نصیبین والے شخص کے پاس چلا گیا اور اپنا قصہ عرض کیا اور وہ میرے بزرگ جو پہلے حکم دے چکے تھے وہ سب بیان کیا۔ انہوں نے کہا اچھا میرے پاس ٹھہرو میں نے ان کو بھی پہلے دو بزرگوں جیسا پایا اور میں اس مرد صالح کی خدمت میں رہا۔ خدا کی قسم! ابھی ان کو بھی کچھ مدت نہ گزرنے پائی تھی کہ ان کی بھی وفات کا وقت آ گیا۔ اسی طرح میں متعدد بزرگوں کی خدمت میں گزرتا ہوا عموریہ والے بزرگ کی خدمت میں حاضر ہوا اور میں نے ان سے بھی اپنا سارا واقعہ عرض کیا۔ انہوں نے فرمایا اچھا میرے پاس ٹھہرو اب میں ایک ایسے بزرگ کی خدمت میں قیام پذیر تھا جو نہایت نیک اور اپنے سے پیشرو بزرگوں ہی کے قدم بقدم تھے۔ اس اثناء میں میں نے تھوڑا مال بھی کمالیا تھا اور میرے پاس کچھ گائیں اور تھوڑی سی بکریاں ہو گئی تھیں۔ آخر کار ان کے پاس بھی فرمان الٰہی آ پہنچا۔ جب ان کی روح کا وقت ہوا تو میں نے عرض کی کہ فلاں فلاں بزرگوں نے مجھ کو ایک دوسرے کی وصیت فرمائی تھی تا آنکہ میں آپ تک آ پہنچا۔ اب آپ مجھے کس کی وصیت فرماتے ہیں اور کس بات کا حکم دیتے ہیں؟ انہوں نے فرمایا بخدا! میرے علم میں اب کوئی شخص ایسا نہیں ہے جو اس دین پر قائم رہا ہو جس پر کہ ہم لوگ تھے تاکہ میں تم کو ان کی خدمت میں حاضری کے لیے کہہ سکوں لیکن ایک نبی کے مبعوث ہونے کا وقت بالکل سر پر آ چکا ہے جو دین ابراہیمی لے کر آئیں گے سرزمین عرب میں ان کا ظہور ہوگا اور وہ ایسی سرزمین کی طرف ہجرت فرمائیں گے جس کے دو طرف سنگستان ہوگا اس میں کھجوروں کے باغات ہوں گے اس نبی میں ایسی کھلی علامتیں بھی موجود ہوں گی جو کسی پر پوشیدہ نہ ہوں گی وہ ہدیہ کھائیں گے اور صدقہ نہیں کھائیں گے ان کے دونوں شانوں کے درمیان "مہر نبوت" ہوگی اگر تم ان مقامات میں پہنچ سکتے ہو تو پہنچ جانا' اس کے بعد ان کا انتقال ہو گیا اور دفن کر دیئے گئے۔ ان کے بعد جب تک اللہ تعالیٰ کو منظور ہوا میں مقام عموریہ میں قیام پذیر رہا۔ پھر قبیلہ کلب کے کچھ تاجروں کا میری طرف گزر ہوا' میں نے ان سے کہا مجھے بھی سرزمین عرب میں لے چلو اور میں اپنی یہ گائیں اور بکریاں (اس کے عوض میں) سب تم کو دیتا ہوں' انہوں نے کہا کہ اچھا چنانچہ میں نے وہ سب ان کو دیدیں' انہوں نے مجھ کو اپنے ساتھ لے لیا لیکن جب مقام "وادی القریٰ" میں پہنچے تو انہوں نے مجھ پر بڑا ظلم کیا اور ایک یہودی کے ہاتھ مجھ کو غلام بنا کر فروخت کر ڈالا۔ میں اس کے پاس رہا' اور جب میں نے یہاں کھجور کے درخت دیکھے تو مجھے کچھ امید ہوئی کہ شاید یہ وہی مقام ہوگا جس کے متعلق عموریہ والے بزرگ نے مجھ کو ہدایت کی تھی لیکن میرے دل میں اس کا پورا پورا یقین نہ ہوا' ابھی میں اس کے گھر ہی میں تھا کہ اس کا ایک چچا زاد بھائی مدینہ شریف سے آیا جو بنو قریظہ کے خاندان سے تھا' اس یہودی نے مجھ کو اپنے چچا زاد بھائی کے ہاتھ فروخت کر دیا' وہ مجھ کو مدینہ لے آیا' خدا کی قسم! جوں ہی کہ میں نے مدینہ کو دیکھا تو میں نے اپنے ان بزرگوں کی بیان کردہ علامات سے اس کو فوراً پہچان لیا۔ اب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت ہو چکی تھی لیکن اس وقت آپ کا قیام مکہ ہی میں تھا اور چونکہ غلامی کے فرائض ادا کرنے میں پڑا رہا کرتا اس لیے مجھ کو آپ کی کوئی خیر خبر معلوم نہ ہو سکی' کچھ عرصہ بعد ایسا اتفاق ہوا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے مدینہ کی طرف ہجرت فرمائی۔ بخدا میں اس وقت ایک کھجور کے درخت کے اوپر اپنے آقا کے کسی کام میں مشغول تھا اور میرا آقا نیچے بیٹھا ہوا تھا کہ اچانک اس کا چچا زاد بھائی اس کے سامنے آ کھڑا ہوا اور بولا اے فلاں! خدا تعالیٰ بنو قیلہ کو موت دے یہ سب کے سب ایک شخص

کے ساتھ جمع ہو گئے ہیں جو آج ہی مکہ سے آیا ہے اور یہ دعویٰ کرتا ہے کہ وہ اللہ تعالیٰ کا نبی ہے۔ سلمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ کہتے ہیں بس یہ سننا تھا کہ میرے جسم پر رعشہ پڑ گیا اور مجھے یقین ہوا کہ میں اپنے آقا پر جا گروں گا' اس لیے درخت کے اوپر سے اتر آیا اور اس کے چچازاد بھائی سے پوچھنے لگا' کیا کہتے ہو' کیا کہتے ہو؟ اس پر میرا آقا بھڑک اٹھا اور مجھے ایک سخت سا تھپڑ مارا اور بولا تجھ کو اس کی کیا پڑی' تو اپنے کام میں لگ' میں نے کہا' کچھ نہیں' میں تو صرف وہ بات پوچھنا چاہتا تھا جو انہوں نے کہی تھی' میں نے کچھ تھوڑا سا مال جمع کر لیا تھا' جب شام کا وقت ہوا تو میں اس کو لے کر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں جا پہنچا' ابھی آپ قبا ہی میں رونق افروز تھے' میں آپ کی خدمت میں حاضر ہوا اور میں نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے عرض کی کہ مجھے معلوم ہوا ہے کہ آپ نیک شخص ہیں اور آپ کے ساتھ کچھ بے وطن غریب لوگ بھی ہیں' میرے پاس یہ کچھ صدقہ کا مال تھا' میں نے دوسروں کے بجائے آپ لوگوں کو اس کا زیادہ حق دار سمجھا ہے۔ چنانچہ میں نے وہ مال آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے پیش کر دیا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے رفقاء سے مخاطب ہو کر فرمایا' اس کو تم لوگ کھا لو اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنا ہاتھ روک لیا اور خود تناول نہ فرمایا' میں نے اپنے دل میں کہا یہ ایک علامت تو پوری ہو گئی' پھر میں واپس آیا اور میں نے کچھ مال جمع کیا' اب آپ مدینہ تشریف لا چکے تھے اور میں نے حاضر ہو کر عرض کی' میں نے دیکھا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم صدقہ کا مال نہیں کھاتے ہیں۔ لہٰذا یہ ہدیہ ہے' آپ کی خدمت میں اکراماً حاضر ہے۔ سلمان کہتے ہیں اس کو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی تناول فرمایا اور اپنے رفقاء سے بھی فرمایا تو انہوں نے بھی آپ کے ساتھ کھایا' میں نے اپنے دل میں کہا یہ دو علامتیں پوری ہوئیں۔ اس کے بعد پھر ایک مرتبہ آپ کی خدمت میں حاضر ہوا' تو اس وقت آپ صلی اللہ علیہ وسلم اپنے کسی صحابی کے جنازہ کے ساتھ بقیع غرقد میں آئے ہوئے تھے اور اس وقت آپ دو چادریں اوڑھے ہوئے اپنے رفقاء میں رونق افروز تھے۔ میں نے آپ کو سلام کیا' پھر میں آپ کے پیچھے کی جانب گھوم گیا تاکہ پشت والی علامت بھی دیکھوں کہ مہر نبوت جو علامت میرے بزرگ نے مجھ سے بیان کی تھی وہ بھی ہے یا نہیں۔ جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے دیکھا کہ میں آپ کی پشت کی جانب گھوما ہوں تو آپ پہچان گئے کہ کوئی علامت مجھے بتلائی گئی ہے میں اس کی تحقیق کرنا چاہتا ہوں۔ آپ نے اپنی پشت کے اوپر سے اپنی چادر ہٹا دی۔ میں نے مہر نبوت دیکھ لی اور اس کو خوب پہچان لیا اور یہ دیکھتے ہی میں اس کے اوپر گر پڑا۔ بس اس کو چومتا تھا اور روتا تھا' آپ نے مجھ سے فرمایا' ادھر آؤ۔ میں سامنے حاضر ہو گیا اور میں نے اے ابن عباس! جس طرح اپنا قصہ آپ کے سامنے پورا بیان کیا ہے' اسی طرح رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے بھی کہہ سنایا۔ آپ کو یہ پسند ہوا کہ اس قصہ کو آپ کے اور صحابہ بھی سنیں۔ اس کے بعد ایسا ہوا کہ سلمان اپنی غلامی کے دھندوں میں پھنسے رہے۔ یہاں تک کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ہمراہ جنگ بدر و احد میں شریک نہ ہو سکے۔

سلمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ بیان کرتے ہیں مجھ سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا' سلمان! دیکھو تم اپنے آقا سے عقد کتابت کر لو (یعنی کچھ مقرر رقم دے کر آزاد ہو جاؤ) چنانچہ میں نے اپنے آقا سے عقد کتابت کر لیا' اس معاوضہ میں کہ میں اس کو تین سو کھجور کے درخت لگا کر دوں گا۔ یہاں تک کہ وہ پھل لے آئیں اور ان کے نصب کرنے کے لیے گڑھے کھودنے میں بھی میرے ذمہ ہوں گے اور چالیس اوقیہ سونا نقد بھی دوں گا۔ اس کے بعد آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے صحابہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم کو

ترغیب دی کہ تم لوگ اپنے بھائی سلمان کی امداد کرو۔ چنانچہ انہوں نے میری مدد کی۔ کسی شخص نے تیس پودے کھجوروں کے دیئے اور کسی نے بیس، کسی نے پندرہ اور کسی نے دس، غرض ہر شخص نے اپنی اپنی وسعت کے مطابق میری امداد کی یہاں تک کہ میرے پاس تین سو پودے جمع ہوگئے۔ اس کے بعد آپ نے مجھ سے فرمایا جاؤ سلمان اب جا کر ان کے گڑھوں کا انتظام کرو اور جب اس سے فارغ ہو جاؤ تو میرے پاس آنا تاکہ میں خود اپنے ہاتھ سے پودے نصب کردوں۔ چنانچہ میں گیا اور گڑھے خود بھی کھودے اور میرے اصحاب نے بھی اس میں میری امداد کی یہاں تک کہ جب میں کھود کر فارغ ہوگیا تو آپ کی خدمت میں حاضر ہوا اور آپ کو اطلاع دی۔ آپ میرے ساتھ وہاں تشریف لے آئے۔ ہم آپ کے سامنے ایک ایک پودہ پیش کرتے جاتے اور آپ اس کو اپنے دست مبارک سے نصب کرتے جاتے یہاں تک کہ ہم سب کو نصب کرکے فارغ ہوگئے۔ اس ذات کی قسم جس کے قبضہ میں سلمان کی جان ہے کہ ان پودوں میں ایک پودا بھی ایسا نہ تھا جو مرا ہو (اس کے بعد وہ باغ اگلے ہی سال پھل لے آیا) اور میں نے اس کو اپنے مالک کے حوالہ کردیا۔ اب میرے ذمہ صرف نقدی قسط باقی رہ گئی۔ اتفاق ایسا ہوا کہ کسی کان میں سے آپ کے پاس مرغی کے انڈے کے برابر کچھ سونا آیا تو آپ نے فرمایا وہ فارسی مکاتب کدھر گیا اس پر میں بلایا گیا آپ نے فرمایا سلمان! لو اس کو لے لو اور جو قرض تم پر ہے اس کو ادا کردو میں نے عرض کی یا رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم)! میرے قرض کے مقابلہ میں اتنا سا سونا بھلا کہاں کافی ہوگا؟ آپ نے ارشاد فرمایا اس کو لے لو اور اللہ تعالیٰ اسی سے تمہارا سب قرض ادا کرادے گا۔ میں نے اس کو لے لیا اور وزن کرکے چالیس اوقیہ ادا کردیئے۔ اس ذات کی قسم جس کے قبضہ میں سلمان کی جان ہے میں نے اس سونے سے ان کا سب حق ادا کردیا اور یہ سلمان آزاد ہوگیا اور میں اس کے بعد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ غزوہ خندق میں شریک ہوا اور پھر کوئی غزوہ ایسا نہ تھا جس میں میں شریک نہ رہا ہوں۔ (دلائل النبوۃ ابو نعیم حاکم وغیرہ)

تشریح: سلمان فارسی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی شخصیت ایک عظیم تاریخی شخصیت ہے۔ مذہب حق کی تلاش کی جو تڑپ اللہ تعالیٰ نے ان کے سینہ میں ودیعت فرمائی تھی اس کا اندازہ آپ کو ان چند سطور سے ہوسکتا ہے۔ ہمیں یہاں جس چیز پر تنبیہ کرنی ہے وہ صرف یہ ہے کہ اس واقعہ سے آپ یہ اندازہ فرمائیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت کا معاملہ اہل کتاب علماء کے درمیان کس درجہ شہرت اور وضاحت کے ساتھ مشہور و معروف تھا اور یہ کہ آپ کی چند علامات معلوم کرلینے کے بعد آپ کے شناخت کرلینے میں کیا سلمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو کوئی ادنیٰ سی دشواری بھی پیش آئی۔ اگر ان علامتوں پر محض عقلی لحاظ سے بحث کی جاتی اور نبوت و رسالت کے معنی محض عقلی اعتبار سے سمجھنے کی کوشش کی جاتی تو جس آسانی سے سلمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو ملتِ مقصود ہاتھ آگیا کیا یہ ممکن تھا؟ حقیقت یہ ہے کہ انبیاء علیہم السلام دنیا کی ہدایت کے لیے بھیجے جاتے ہیں اس لیے قدرت نے ان کی شناخت بھی آسان سے آسان تر رکھی ہے اور ان میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی شناخت کے دلائل تو اور بھی زیادہ روشن رکھے ہیں۔

حافظ ابن تیمیہ لکھتے ہیں کہ کتب سابقہ میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے متعلق بشارتیں سو (۱۰۰) مقامات سے بھی زیادہ مذکور ہیں (الجواب الصحیح ص ۲۰۷ ج ۱) اسی لیے یہود مدینہ کی حالت تو یہ تھی کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے ظہور سے قبل وہ اوس و خزرج کے مقابلہ میں ہمیشہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے وسیلہ سے دعاء فتح و نصرت مانگا کرتے تھے لیکن جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا ظہور ہوا تو پھر سب سے بڑھ کر

آپ کے دشمن بنے تھے چنانچہ معاذ بن جبل بشر بن براء اور داؤد بن سلمہ نے یہود کو یہی طعنہ دیا کہ ہم مشرک تھے تو تم اہل کتاب ہمارے مقابلہ میں جب جنگ ہوتی تو تم لوگ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے وسیلہ سے دعاء فتح مانگتے اور ہمارے سامنے آپ کی علامتیں اور آپ کی صفات بڑی تفصیل کے ساتھ بیان کیا کرتے اب تم کو کیا ہو گیا ہے کہ اسلام قبول نہیں کرتے بلکہ الٹے برسر پیکار نظر آتے ہو۔

حافظ موصوف لکھتے ہیں کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی تشریف آوری سے قبل یہود مدینہ میں آپ کا بڑا چرچا کرتا تھا اور یہی باعث تھا کہ انصار کسی جنگ و جدل کے بغیر حلقہ بگوش اسلام ہو گئے تھے۔ ایک یہود مدینہ پر کیا منحصر تھا شاہ ہرقل، مقوقس اور شاہ حبشہ جیسے بڑے بڑے بادشاہوں نے آپ کی تصدیق کی اور اہل کتاب کا بڑا طبقہ آپ کی بشارات دیکھ دیکھ کر ہی اسلام میں داخل ہوا اور جو ان میں داخل نہیں ہوا اس کو بھی آپ کے معاملہ میں کوئی غلط فہمی نہیں تھی بلکہ محض عناد و عداوت اور اپنی ریاست کی خاطر داخل نہ ہوا یہ بیان اہل اسلام کا نہیں بلکہ خود ان کا ہے جنہوں نے اسلام لانے کے بعد اپنی زبانوں سے ان سب امور کا اقرار کیا ہے۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی صرف صفات ہی نہیں بلکہ بعض علماء اہل کتاب اور بادشاہوں کے پاس قرآن علامات کے مطابق آپ کی تصویریں تک بھی موجود تھیں۔ چنانچہ امام بخاری نے اپنی تاریخ میں حضرت جبیر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے نقل کیا ہے کہ میں ایک مرتبہ شام کے ارادے سے نکلا بصریٰ پہنچ کر چند اہل کتاب علماء سے میری ملاقات ہوئی انہوں نے مجھ سے پوچھا کیا تم حرم کے باشندہ ہو میں نے کہا جی ہاں! یہ سن کر مجھ کو وہ ایک بڑے گرجا میں لے گئے جہاں متعدد تصویریں موجود تھیں۔ انہوں نے مجھ سے کہا پہچان سکتے ہو ان میں تمہارے صاحب کون ہیں؟ میں نے ایک تصویر کو دیکھا تو وہ ٹھیک آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی تصویر تھی اس کے بعد دیکھا تو آپ کے قریب ہی ایک دوسرے بزرگ نظر آئے جو آپ کے پیر کی ایڑی پکڑے بیٹھے تھے انہوں نے پوچھا ان کو بھی پہچانتے ہو میں نے کہا جی ہاں! اس نے کہا یاد رکھو! یہی شخص ہیں جو ان کے بعد ان کے خلیفہ ہوں گے۔ اس نے یہ بھی بیان کیا کہ جتنے اور انبیاء علیہم السلام ہوئے ہیں سب کے بعد کوئی نہ کوئی نبی ہوتا رہا ہے صرف یہ ایک ایسے نبی ہیں جن کے بعد کوئی نبی نہ ہوگا۔ اس واقعہ کو ابونعیم نے بھی دلائل النبوۃ میں ذکر کیا ہے۔

اسی طرح موسیٰ بن عقبہ ذکر کرتے ہیں کہ صدیق اکبر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے زمانہ میں ہشام بن العاص نعیم بن عبداللہ اور تیسرے ایک شخص اور شاہ روم کے پاس بھیجے گئے تھے یہ کہتے ہیں کہ ہم جبلہ بن ایہم سے ملے اس وقت یہ مقام غوطہ میں تھے وہ ہم کو لے کر بادشاہ کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ بادشاہ نے ہم کو چند تصویریں دکھائیں پھر ایک تصویر کے متعلق کہا کہ یہ سب سے آخری تصویر تھی لیکن میں نے تم کو پہلے اس لیے دکھائی ہے کہ اس کے متعلق تمہارا خیال معلوم کروں۔ یہ تصویر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی تصویر تھی اس کے بعد اس نے دیگر سب انبیاء و سابقین علیہم السلام کی تصاویر بھی دکھائیں۔ مغیرہ بن شعبہ نے شاہ مقوقس کا واقعہ بھی اسی کے قریب قریب نقل کیا ہے۔ ان تاریخی شہادتوں سے یہ اندازہ کرنا چاہیے کہ اہل کتاب میں آنحضرت کا تعارف کس حد تک تھا اور صرف آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا ہی نہیں بلکہ جملہ انبیاء علیہم السلام کا تعارف کس درجہ تھا۔

عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ قَالَ حَضَرَتْ عِصَابَةٌ مِنَ الْيَهُوْدِ يَوْمًا اِلَى النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقَالُوْا يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ حَدِّثْنَا عَنْ خِلَالٍ نَسْأَلُكَ عَنْهَا لَا يَعْلَمُهَا اِلَّا نَبِيٌّ فَقَالَ سَلُوْنِيْ عَمَّا شِئْتُمْ وَلٰكِنْ

اِجْعَلُوْا لِیْ ذِمَّةَ اللّٰهِ وَمَا أَخَذَ يَعْقُوْبُ عَلٰی بَنِيْهِ إِنْ أَنَا حَدَّثْتُكُمْ بِشَیْءٍ تَعْرِفُوْنَهُ صِدْقًا لَتُتَابِعُوْنِیْ عَلَی الْإِسْلَامِ. قَالُوْا لَكَ ذٰلِكَ قَالَ فَسَلُوْنِیْ عَمَّا شِئْتُمْ قَالُوْا أَخْبِرْنَا عَنْ أَرْبَعِ خِلَالٍ أَخْبِرْنَا عَنِ الطَّعَامِ الَّذِیْ حَرَّمَ إِسْرَائِيْلُ عَلٰی نَفْسِهٖ مِنْ قَبْلِ أَنْ تُنَزَّلَ التَّوْرَاةُ وَأَخْبِرْنَا عَنْ مَاءِ الرَّجُلِ كَيْفَ يَكُوْنُ الذَّكَرُ مِنْهُ حَتّٰی يَكُوْنَ ذَكَرًا وَكَيْفَ يَكُوْنُ أُنْثٰی حَتّٰی يَكُوْنَ أُنْثٰی وَأَخْبِرْنَا كَيْفَ هٰذَا النَّبِیُّ الْأُمِّیُّ فِی التَّوْرَاةِ وَمَنْ وَلِيُّهٗ مِنَ الْمَلَائِكَةِ قَالَ فَعَلَيْكُمْ عَهْدُ اللّٰهِ وَمِيْثَاقُهٗ لَئِنْ أَنَا حَدَّثْتُكُمْ لَتُتَابِعُنِّیْ فَأَعْطَوْهُ مَا شَاءَ مِنْ عَهْدٍ وَمِيْثَاقٍ قَالَ أَنْشُدُكُمْ بِاللّٰهِ الَّذِیْ أَنْزَلَ التَّوْرَاةَ عَلٰی مُوْسٰی هَلْ تَعْلَمُوْنَ أَنَّ إِسْرَائِيْلَ مَرِضَ مَرَضًا شَدِيْدًا فَطَالَ سَقَمُهٗ فِيْهِ فَنَذَرَ لِلّٰهِ نَذْرًا لَئِنْ شَفَاهُ اللّٰهُ مِنْ سَقَمِهٖ لَيُحَرِّمَنَّ أَحَبَّ الشَّرَابِ إِلَيْهِ وَأَحَبَّ الطَّعَامِ إِلَيْهِ وَكَانَ أَحَبُّ الشَّرَابِ إِلَيْهِ أَلْبَانَ الْإِبِلِ وَأَحَبُّ الطَّعَامِ إِلَيْهِ لُحُوْمَ الْإِبِلِ. قَالُوْا اَللّٰهُمَّ نَعَمْ فَقَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ. اَللّٰهُمَّ اشْهَدْ عَلَيْهِمْ فَقَالَ فَأَنْشُدُكُمْ بِاللّٰهِ الَّذِیْ لَا إِلٰهَ إِلَّا هُوَ الَّذِیْ أَنْزَلَ التَّوْرَاةَ عَلٰی مُوْسٰی هَلْ تَعْلَمُوْنَ أَنَّ مَاءَ الرَّجُلِ غَلِيْظٌ أَبْيَضُ وَأَنَّ مَاءَ الْمَرْأَةِ رَقِيْقٌ أَصْفَرُ فَأَيُّهُمَا عَلَا كَانَ الْوَلَدُ وَالشَّبَهُ لَهٗ بِإِذْنِ اللّٰهِ قَالُوْا اَللّٰهُمَّ نَعَمْ فَقَالَ اَللّٰهُمَّ اشْهَدْ قَالَ أَنْشُدُكُمْ بِاللّٰهِ الَّذِیْ لَا إِلٰهَ إِلَّا هُوَ وَأَنْزَلَ التَّوْرَاةَ عَلٰی مُوْسٰی هَلْ تَعْلَمُوْنَ أَنَّ هٰذَا النَّبِیَّ تَنَامُ عَيْنَاهُ وَلَا يَنَامُ قَلْبُهٗ قَالُوْا اَللّٰهُمَّ نَعَمْ قَالَ اَللّٰهُمَّ اشْهَدْ قَالُوْا أَنْتَ الْآنَ حَدِّثْنَا مَنْ وَلِيُّكَ مِنَ الْمَلَائِكَةِ فَعِنْدَهَا نُجَامِعُكَ أَوْ نُفَارِقُكَ قَالَ وَلِيِّیْ جِبْرِيْلُ عَلَيْهِ السَّلَامُ وَلَمْ يَبْعَثِ اللّٰهُ نَبِيًّا قَطُّ إِلَّا وَهُوَ وَلِيُّهٗ قَالُوْا فَعِنْدَهَا نُفَارِقُكَ وَلَوْ كَانَ غَيْرُهٗ لَتَابَعْنَاكَ وَصَدَّقْنَاكَ قَالَ فَمَا يَمْنَعُكُمْ أَنْ تُصَدِّقُوْهُ قَالُوْا إِنَّهٗ عَدُوُّنَا مِنَ الْمَلَائِكَةِ فَأَنْزَلَ اللّٰهُ عَزَّ وَجَلَّ "قُلْ مَنْ كَانَ عَدُوًّا لِّجِبْرِيْلَ فَإِنَّهٗ نَزَّلَهٗ عَلٰی قَلْبِكَ بِإِذْنِ اللّٰهِ مُصَدِّقًا لِّمَا بَيْنَ يَدَيْهِ إِلٰی قَوْلِهٖ فَإِنَّ اللّٰهَ عَدُوٌّ لِّلْكٰفِرِيْنَ." (رواہ ابو داؤد والطیالسی)

ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ روایت کرتے ہیں کہ ایک دن یہود کی ایک جماعت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئی اور بولی یا رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم)! ہم کو چند باتوں کا جواب دیجئے جو ہم آپ سے ابھی پوچھنے والے ہیں ان کو نبی کے سوا اور کوئی شخص نہیں جانتا آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جو دل چاہے شوق سے پوچھو لیکن اگر میں ایسا جواب دے دوں جس کی صداقت کا تم بھی اعتراف کر لو تو مجھ سے اس بات کا عہد کرو کہ تم اسلام قبول کر لو گے اور اس بات کا بھی عہد کرو جس کا عہد یعقوب علیہ السلام نے اپنی اولاد سے لیا تھا یعنی خدا تعالیٰ کی عبادت میں کسی کو شریک نہ ٹھہرائیں گے۔ انہوں نے کہا منظور ہے اس کے بعد آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اب جو تمہاری مرضی میں آئے مجھ سے پوچھو وہ بولے ہم کو آپ چار باتیں بتا دیجئے؟ پہلی یہ کہ تورات کے نزول سے قبل وہ کھانا کیا تھا جو اسرائیل علیہ السلام نے اپنے اوپر حرام کر لیا تھا' دوم یہ بتائیے کہ مرد کی منی سے جب لڑکا بنتا ہے تو کیسے بنتا ہے اور عورت کی منی سے جب لڑکی بنتی ہے تو کیسے بنتی ہے؟ تیسرے یہ بات بتائیے کہ تورات میں اس نبی امی کی کیا علامت بیان کی گئی ہے؟ چوتھی یہ کہ فرشتوں میں سے کون فرشتہ ان کا رفیق کار مقرر کیا گیا ہے؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم

نے فرمایا مجھ سے اللہ تعالیٰ کے نام پر یہ عہد کرو کہ اگر میں ان کا جواب دیدوں تو تم لوگ اسلام قبول کرنے میں میرا کہا مان لوگے۔ اس پر انہوں نے خوب لمبے چوڑے عہد کیے اس کے بعد آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اچھا میں اس خدا تعالیٰ کی تم کو قسم دیتا ہوں جس نے موسیٰ علیہ السلام پر توریت نازل فرمائی تھی بتاؤ کیا تم نہیں جانتے کہ اسرائیل جب سخت بیمار پڑے اور ان کی علالت بہت طویل ہوگئی تو انہوں نے یہ منت مانی کہ اگر اللہ تعالیٰ نے اپنی رحمت سے مجھے بیماری سے صحت بخشی تو جو مجھے کھانے پینے کی چیزوں میں سب سے زیادہ پسند ہوگی میں اس کو چھوڑ دوں گا اور واقعہ یہ تھا کہ پینے کی اشیاء میں اونٹ کا دودھ اور کھانے کی چیزوں میں اونٹ کا گوشت ان کو بہت پسند تھا (لہٰذا صحت کے بعد انہوں نے اپنی منت کے مطابق ان کا استعمال ترک فرمادیا تھا) انہوں نے (یہ جواب سن کر) کہا اے اللہ! بے شک یہی بات ہے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا الٰہی تو بھی ان پر گواہ رہ۔ پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا میں تم کو اس خدا کی ذات کی قسم دیتا ہوں جس کے سوا کوئی معبود نہیں جس نے موسیٰ علیہ السلام پر توراۃ نازل فرمائی کیا تم یہ نہیں جانتے کہ مرد کی منی سفید رنگ اور گاڑھی ہوتی ہے اور عورت کی زرد اور پتلی اور ان میں جو غالب رہتی ہے تو اللہ تعالیٰ کے حکم سے بچہ اسی کے مشابہ پیدا ہوتا ہے۔ وہ بولے اے اللہ! بیشک یہی بات ہے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اے اللہ! تو بھی اس پر گواہ رہ۔ پھر آپ نے فرمایا تم کو اس خدا تعالیٰ کی ذات کی قسم جس کے سوا معبود کوئی نہیں اور جس نے موسیٰ علیہ السلام پر توراۃ نازل فرمائی کیا تم نہیں جانتے کہ اس نبی کی ایک علامت یہ ہے کہ نیند صرف اس کی آنکھوں پر طاری ہوگی اس کے دل پر نہیں وہ اس حالت میں بھی بیدار رہے گا وہ بولے اے اللہ! بیشک یہی بات ہے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا! الٰہی تو بھی گواہ رہ۔ اس کے بعد انہوں نے کہا آپ ایک آخری بات اور بتا دیجئے بس اس کے بعد یا تو ہم آپ کے ساتھ ہو جائیں گے یا آپ سے علیحدہ ہو جائیں گے اور وہ یہ کہ فرشتوں میں کون فرشتہ آپ کا رفیق کار ہے۔ آپ نے فرمایا میرے دلی دوست رفیق کار جبرئیل ہیں اور مجھ سے پہلے جو نبی بھی ہوا ہے یہی اس کے رفیق کار رہے ہیں۔ یہ سن کر وہ بولے بس اسی بات پر ہم آپ سے علیحدہ ہوتے ہیں اگر ان کے سوا آپ کا رفیق کار کوئی اور فرشتہ ہوتا تو ہم آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی اتباع کر لیتے اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی تصدیق کرتے۔ آپ نے پوچھا ان کی تصدیق کرنے سے تمہیں کیا بات مانع ہے؟ انہوں نے کہا کہ تمام فرشتوں میں یہ ہمارا دشمن ہے اس پر یہ آیت نازل ہوئی "کہہ دو کہ جو جبرئیل کا دشمن ہو (وہ ہو) کسی شک کے بغیر انہوں نے ہی اللہ تعالیٰ کے حکم سے قرآن پاک آپ کے قلب پر نازل کیا ہے جو اس توراۃ کی تصدیق کرتا ہے جو ان کے پاس پہلے سے موجود ہے۔" (احمد ترمذی)

تشریح۔ یہاں یہ بحث کرنی کہ ان امور کا علم خصائص نبوت سے ہو سکتا ہے یا نہیں بالکل غیر متعلق بحث ہے۔ ہمارا مقصد یہاں صرف بتانا ہے کہ جس امر کو اہل کتاب نبوت کی نشانی سمجھتے چلے آئے تھے اور جو اشیاء ان کے بیان کے مطابق علوم نبوت میں شمار تھیں وہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات ستودہ صفات میں سب موجود تھیں۔ آپ کے جواب سے یہ بھی ظاہر ہوتا ہے کہ آپ نے پوری دیانتداری کے ساتھ ہر امر کا صاف صاف اعلان کر دیا تھا اور ان کے ایمان کی خاطر اپنے بیان کے کسی پہلو میں ذرا سی لچک پیدا نہیں کی۔ حضرت جبرئیل علیہ الصلوٰۃ والسلام کے معاملہ میں جب انہوں نے اپنی عداوت کا اظہار کیا تو آپ بہت صفائی

کے ساتھ یہاں ان سے الگ ہو گئے اور خدا تعالیٰ کے دوست و دشمن میں بے جیہ سازگاری پیدا کرنے کی کوئی سعی نہیں کی۔ آپ کے اس بے لاگ اور واضح طرز عمل میں اہل فہم و انصاف کیلئے انبیاء علیہم السلام کی شناخت کے لیے ایک بڑی شاہراہ کھلی ہے۔

عَنْ ثَوْبَانَ قَالَ كُنْتُ قَائِمًا عِنْدَ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَجَاءَ حَبْرٌ مِنْ أَحْبَارِ الْيَهُوْدِ فَقَالَ السَّلَامُ عَلَيْكَ يَا مُحَمَّدُ فَدَفَعْتُهُ دَفْعَةً كَادَ أَنْ يُصْرَعَ مِنْهَا فَقَالَ لِمَ تَدْفَعُنِيْ قَالَ قُلْتُ أَلَا تَقُوْلُ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ قَالَ إِنَّمَا سَمَّيْتُهُ بِاسْمِهِ الَّذِيْ سَمَّاهُ بِهِ أَهْلُهُ فَقَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِنَّ اسْمِيَ الَّذِيْ سَمَّانِيْ بِهِ أَهْلِيْ مُحَمَّدٌ فَقَالَ الْيَهُوْدِيُّ جِئْتُ أَسْأَلُكَ فَقَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَنْفَعُكَ شَيْءٌ إِنْ حَدَّثْتُكَ قَالَ أَسْمَعُ بِأُذُنَيَّ فَنَكَتَ بِعُوْدٍ مَعَهُ بِيَدِهِ فَقَالَ لَهُ سَلْ فَقَالَ الْيَهُوْدِيُّ أَيْنَ النَّاسُ يَوْمَ تُبَدَّلُ الْأَرْضُ غَيْرَ الْأَرْضِ وَالسَّمٰوٰتُ فَقَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فِي الظُّلْمَةِ دُوْنَ الْجِسْرِ. قَالَ فَمَنْ أَوَّلُ النَّاسِ إِجَازَةً قَالَ فُقَرَاءُ الْمُهَاجِرِيْنَ. فَقَالَ الْيَهُوْدِيُّ فَمَا تُحْفَتُهُمْ حِيْنَ يَدْخُلُوْنَ قَالَ زِيَادَةُ كَبِدِ حُوْتٍ قَالَ فَمَا غِذَاؤُهُمْ عَلَى أَثَرِهِ قَالَ يُنْحَرُ لَهُمْ ثَوْرُ الْجَنَّةِ الَّذِيْ كَانَ يَأْكُلُ مِنْ أَطْرَافِهَا قَالَ فَمَا شَرَابُهُمْ عَلَيْهِ. قَالَ مِنْ عَيْنٍ فِيْهَا تُسَمّٰى سَلْسَبِيْلًا قَالَ صَدَقْتَ قَالَ وَجِئْتُ أَسْأَلُكَ عَنْ شَيْءٍ لَا يَعْلَمُهُ أَحَدٌ مِنْ أَهْلِ الْأَرْضِ إِلَّا نَبِيٌّ أَوْ رَجُلٌ أَوْ رَجُلَانِ قَالَ يَنْفَعُكَ إِنْ حَدَّثْتُكَ قَالَ أَسْمَعُ بِأُذُنَيَّ قَالَ جِئْتُ أَسْأَلُكَ عَنِ الْوَلَدِ قَالَ مَاءُ الرَّجُلِ أَبْيَضُ وَمَاءُ الْمَرْأَةِ أَصْفَرُ فَإِذَا اجْتَمَعَا فَعَلَا مَنِيُّ الرَّجُلِ مَنِيَّ الْمَرْأَةِ أَذْكَرَا بِإِذْنِ اللّٰهِ وَإِذَا عَلَا مَنِيُّ الْمَرْأَةِ مَنِيَّ الرَّجُلِ آنَثَا بِإِذْنِ اللّٰهِ فَقَالَ الْيَهُوْدِيُّ صَدَقْتَ وَإِنَّكَ لَنَبِيٌّ ثُمَّ انْصَرَفَ. فَقَالَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِنَّهُ سَأَلَنِيْ هٰذَا الَّذِيْ سَأَلَنِيْ عَنْهُ وَمَا أَعْلَمُ شَيْئًا مِنْهُ حَتّٰى أَتَانِيَ بِهِ اللّٰهُ تَعَالٰى. (رواہ مسلم و رواہ عبد بن حمید فی مسندہ)

ثوبان بیان کرتے ہیں کہ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں کھڑا ہوا تھا کہ یہود کا ایک عالم آیا اور بولا اسلام علیک یا محمد! یہ سن کر میں نے اس کو ایسا دھکا دیا کہ وہ گرنے کے قریب ہو گیا' اس نے کہا تم نے مجھے کیوں دھکا دیا' میں نے کہا اس لیے کہ تو نے یا رسول اللہ کیوں نہیں کہا۔ وہ بولا میں نے آپ کا وہی نام تو لیا ہے جو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے گھر والوں نے آپ کا رکھا ہے۔ یہ سن کر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا میرے گھر والوں نے میرا نام محمد ہی رکھا ہے' اس کے بعد اس یہودی نے کہا میں آپ سے کچھ باتیں دریافت کرنے کے لیے آیا ہوں۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اگر میں تجھ کو وہ باتیں بتا دوں تو تجھ کو کچھ فائدہ ہوگا؟ اس نے کہا میں اپنے کانوں سے سن لوں گا' آپ کے ہاتھ میں ایک لکڑی تھی آپ اس سے زمین کریدنے لگے (جیسا کچھ سوچ رہے ہیں) اور فرمایا اچھا پوچھو' یہودی نے کہا (جس دن زمین دوسری صورت میں بدل دی جائے گی اور آسمان الخ) اس دن بھلا لوگ کہاں ہوں گے؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے جواب دیا ایک تاریکی میں ہوں گے جو پل صراط سے پہلے ہوگی۔ اس نے پوچھا اچھا بتایئے سب سے پہلے پل صراط سے گزرنے والے کون لوگ ہیں؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے جواب دیا مہاجرین کے فقیر' یہودی نے پوچھا جب جنت میں داخل ہو جائیں گے تو ان کا پہلا ناشتہ کیا ہوگا؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے جواب

دیا: مچھلی کے جگر کا جو حصہ بڑھا ہوا ہوتا ہے۔ اس نے پوچھا اس کے بعد پھر ان کو کیا کھانے کو ملے گا؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے جواب دیا ایک بیل ذبح کیا جائے گا جو جنت کے کناروں میں چرا ہوا ہوگا۔ اس نے پوچھا اچھا اس کے بعد ان کا پانی کیا ہوگا؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے جواب دیا اس چشمہ کا پانی ہوگا جس کا نام سلسبیل ہے اس کے بعد اس نے کہا بس ایک بات اور پوچھتا ہوں جس کو نبی کے سوا زمین پر بسنے والوں میں کوئی انسان نہیں جانتا یا ایک دو شخص اور۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اگر میں بتادوں تو تجھ کو کچھ فائدہ بھی ہوگا؟ اس نے کہا میں اپنے کان سے سن تو لوں گا۔ اس کے بعد اس نے کہا فرمایئے لڑکا کیسے جنتا ہے؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا یہ بات تو معلوم ہے کہ مرد کی منی سفید رنگ کی اور عورت کی زرد رنگ کی۔ جب دونوں جمع ہو جاتی ہیں تو اگر مرد کی منی غالب رہی تو اللہ تعالیٰ کے حکم سے لڑکا ہوتا ہے اور اگر عورت کی منی غالب ہوئی تو اس کے حکم سے لڑکی ہوتی ہے۔ یہودی بولا آپ نے ٹھیک بتایا اور یقیناً آپ سچے نبی ہیں۔ یہ کہہ کر وہ چلا گیا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جو باتیں اس نے مجھ سے دریافت کی تھیں اس کے پوچھنے سے پہلے ان میں کسی ایک بات کا بھی مجھ کو علم نہ تھا یہاں تک کہ (جب اس نے پوچھا) تو اللہ تعالیٰ نے مجھ کو ان کا علم عطا فرمادیا۔ (مسلم شریف)

عَنْ عَائِشَةَ رَضِیَ اللّٰهُ عَنْهَا قَالَتْ کَانَ عَلَی النَّبِیِّ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ ثَوْبَانِ قِطْرِیَّانِ غَلِیْظَانِ وَکَانَ اِذَا قَعَدَ فَعَرِقَ ثَقُلَا عَلَیْهِ فَقَدِمَ بَزٌّ مِنَ الشَّامِ لِفُلَانٍ الْیَهُوْدِیِّ فَقُلْتُ لَوْ بَعَثْتَ اِلَیْهِ فَاشْتَرَیْتَ مِنْهُ ثَوْبَیْنِ اِلَی الْمَیْسَرَةِ فَاَرْسَلَ اِلَیْهِ فَقَالَ قَدْ عَلِمْتُ مَا یُرِیْدُ اِنَّمَا یُرِیْدُ اَنْ یَّذْهَبَ بِمَالِیْ فَقَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ کَذَبَ قَدْ عَلِمَ اَنِّیْ مِنْ اَتْقَاهُمْ وَاٰدَاهُمْ لِلْاَمَانَةِ. (رواہ الترمذی والنسائی)

حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا بیان فرماتی ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے جسم اطہر پر دو موٹے کپڑے تھے جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم بیٹھتے اور آپ کو پسینہ آتا تو وہ پسینہ میں بھیگ کر اور بھاری ہو جاتے۔ سب اتفاق شام سے فلاں یہودی کا کچھ کپڑا آیا تو میں نے عرض کی کاش آپ اس یہودی کے پاس کسی کو بھیج کر (دو ہلکے پھلکے) کپڑے خرید لیتے اس شرط سے کہ جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو گنجائش ہوگی تو اس کی قیمت ادا فرمادیں گے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس یہودی کے پاس کہلا بھیجا اس نے یہ سن کر کہا اچھا میں آپ کا مطلب سمجھ گیا آپ کا مقصد اس بہانہ سے صرف میرا مال ہڑپ لینا ہے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ سن کر فرمایا یہ جھوٹ کہتا ہے یہ خوب جانتا ہے کہ میں ان سب سے زیادہ متقی ہوں اور سب سے بڑھ کر امانت کا ادا کرنے والا ہوں۔ (ترمذی نسائی)

عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ قَالَ بَعَثَتْ قُرَیْشٌ النَّضْرَ بْنَ الْحَارِثِ وَعُقْبَةَ بْنَ اَبِیْ مُعَیْطٍ اِلٰی اَحْبَارِ یَهُوْدَ بِالْمَدِیْنَةِ فَقَالُوْا لَهُمْ سَلُوْهُمْ عَنْ مُحَمَّدٍ (صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ) وَصِفُوْا لَهُمْ صِفَتَهٗ وَاَخْبِرُوْهُمْ بِقَوْلِهٖ فَاِنَّهُمْ اَهْلُ الْکِتَابِ الْاَوَّلِ وَعِنْدَهُمْ عِلْمُ مَا لَیْسَ عِنْدَنَا مِنْ عِلْمِ الْاَنْبِیَاءِ فَخَرَجَا حَتّٰی قَدِمَا الْمَدِیْنَةَ فَسَاَلُوْا اَحْبَارَ یَهُوْدَ عَنْ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ وَوَصَفُوْا لَهُمْ اَمْرَهٗ وَبَعْضَ قَوْلِهٖ وَقَالَا اِنَّکُمْ اَهْلُ التَّوْرَاةِ وَقَدْ جِئْنَاکُمْ لِتُخْبِرُوْنَا عَنْ صَاحِبِنَا هٰذَا. قَالَ فَقَالَتْ لَهُمْ اَحْبَارُ یَهُوْدَ سَلُوْهُ عَنْ ثَلَاثٍ نَاْمُرُکُمْ بِهِنَّ فَاِنْ اَخْبَرَکُمْ بِهِنَّ فَهُوَ نَبِیٌّ مُرْسَلٌ وَاِنْ لَمْ یَفْعَلْ فَالرَّجُلُ مُتَقَوِّلٌ فَرَوْا فِیْهِ رَاْیَکُمْ سَلُوْهُ عَنْ فِتْیَةٍ ذَهَبُوْا فِی

النَّفَرِ الْأَوَّلِ مَا كَانَ مِنْ أَمْرِهِمْ فَإِنَّهُ قَدْ كَانَ لَهُمْ حَدِيثٌ عَجِيبٌ وَسَلُوهُ عَنْ رَجُلٍ طَوَّافٍ بَلَغَ مَشَارِقَ الْأَرْضِ وَمَغَارِبَهَا مَا كَانَ نَبَؤُهُ وَسَلُوهُ عَنِ الرُّوحِ مَا هُوَ فَإِنْ أَخْبَرَكُمْ بِذٰلِكَ فَإِنَّهُ نَبِيٌّ فَاتَّبِعُوهُ وَإِنْ هُوَ لَمْ يَفْعَلْ فَهُوَ رَجُلٌ مُتَقَوِّلٌ فَاصْنَعُوا فِي أَمْرِهِ مَا بَدَا لَكُمْ فَأَقْبَلَ النَّضْرُ وَعُقْبَةُ حَتَّى قَدِمَا مَكَّةَ عَلَى قُرَيْشٍ فَقَالَا يَا مَعْشَرَ قُرَيْشٍ قَدْ جِئْنَاكُمْ بِفَصْلِ مَا بَيْنَكُمْ وَبَيْنَ مُحَمَّدٍ (صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ) قَدْ أَمَرَنَا أَحْبَارُ يَهُودَ أَنْ نَسْأَلَهُ عَنْ أُمُورٍ فَأَخْبَرُوهُمْ بِهَا فَجَاءُوا رَسُولَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقَالُوا يَا مُحَمَّدُ أَخْبِرْنَا فَسَأَلُوهُ عَمَّا أَمَرُوهُمْ بِهِ فَقَالَ لَهُمْ رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أُخْبِرُكُمْ وَجَاءَهُ جِبْرِيلُ مِنَ اللّٰهِ بِسُورَةِ الْكَهْفِ فِيهَا خَبَرُ مَا سَأَلُوهُ عَنْهُ مِنْ أَمْرِ الْفِتْيَةِ وَالرَّجُلِ الطَّوَّافِ وَقَوْلِ اللّٰهِ "يَسْأَلُونَكَ عَنِ الرُّوحِ الخ" (ذكره محمد ابن اسحٰق كما في الجواب الصحيح)

ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ بیان کرتے ہیں کہ قریش کے نضر بن الحارث اور عقبہ کو مدینے کے یہودی علماء کے پاس بھیجا اور ان سے کہا محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کے معاملہ کی ذرا ان سے تحقیق کریں اور ان کے سامنے ان کی شکل وشمائل بھی بیان کریں اور جو قرآن یہ ہم کو سناتے ہیں اس کی بھی ان کو خبر کر دیں کیونکہ وہ لوگ پہلی کتابوں کو جاننے والے ہیں اور انبیاء علیہم السلام کے متعلق جو معلومات ان کو ہیں ہم کو نہیں ہیں۔ یہ دونوں روانہ ہوئے یہاں تک کہ مدینہ پہنچ گئے اور یہود کے علماء سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے متعلق تحقیق کرنے لگے۔ ان سے کچھ آپ کے حالات بھی بیان کیے اور کلام پاک کا کچھ حصہ بھی سنایا اور کہنے لگے کہ آپ لوگ تورات کے عالم ہیں ہم اس لیے آپ کے پاس حاضر ہوئے ہیں کہ ہمارے اس ہم وطن کے متعلق آپ ہم کو صحیح صحیح بات بتا دیں۔ وہ بولے اس شخص سے جا کر تین باتیں پوچھنا اگر وہ تم کو بتا دیں تو وہ یقیناً خدا کی طرف سے نبی اور رسول ہیں اور اگر نہ بتا سکیں تو سمجھنا کہ افتراء پرداز آدمی ہے اور پھر جو سلوک تمہاری رائے میں آئے وہ کرنا۔ پہلی بات تو یہ پوچھنا کہ گزشتہ زمانہ میں نوجوانوں کی جو جماعت اپنے شہر سے باہر چلی گئی تھی ان کا قصہ کیا ہے کیونکہ ان کا قصہ ایک عجیب قصہ ہے۔ دوسری بات یہ دریافت کرنا کہ جس شخص نے مشرق ومغرب کی سیاحت کی تھی اس کا قصہ کیا ہے؟ اور روح کے متعلق بھی دریافت کرنا اس کی حقیقت کیا ہے؟ اور اگر وہ ان سب باتوں کا ٹھیک ٹھیک جواب دے دیں تو یقیناً وہ سچے نبی ہیں ان کی پیروی کرنا اور اگر نہ بتا سکیں تو وہ کوئی افتراء پرداز آدمی ہے پھر اس کے ساتھ جو سلوک چاہو کرنا' نضر اور عقبہ یہ باتیں سن کر مکہ کو روانہ ہو گئے اور جب یہاں پہنچے تو قریش سے کہا' اے قریش! ہم تمہارے پاس ایک ایسی بات لے کر آئے ہیں جو تمہارے اور محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کے معاملہ میں فیصلہ کن ہے' ہم سے یہود کے علماء نے یہ کہا ہے کہ ہم ان سے چند باتیں دریافت کریں اور وہ سب باتیں بیان کیں۔ اس کے بعد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آئے اور کہنے لگے یا محمد! آپ ہم کو ان سوالوں کا جواب بتائیے اور وہ سوالات ذکر کیے جو یہود نے ان کو بتائے تھے۔ آپ نے فرمایا' میں ان کا جواب دیتا ہوں' اس پر جبرئیل علیہ السلام سورۂ کہف لے کر تشریف لے آئے ہیں جس میں ان نوجوانوں کا اور اس سیاح شخص کا قصہ بیان کیا گیا ہے اور یہ آیت بھی نازل ہوئی۔ "یسئلونک عن الروح" یہ آپ سے روح کے متعلق پوچھتے ہیں' آپ ان سے کہہ دیجئے کہ وہ خدا تعالیٰ کا ایک حکم ہے۔ (الجواب الصحیح)

عَنْ عَبْدِ اللّٰہِ بْنِ سَلَامٍ قَالَ اِنَّ اللّٰہَ لَمَّا اَرَادَ ھُدٰی زَیْدِ ابْنِ سَعْنَۃَ قَالَ زَیْدٌ لَمْ یَبْقَ شَیْءٌ مِنْ عَلَامَاتِ النُّبُوَّۃِ اِلَّا وَقَدْ عَرَفْتُھَا فِیْ وَجْہِ مُحَمَّدٍ رَسُوْلِ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ حِیْنَ نَظَرْتُ اِلَیْہِ اِلَّا اثْنَتَیْنِ لَمْ اُخْبِرْھُمَا مِنْہُ یَسْبِقُ حِلْمُہٗ جَھْلَہٗ وَلَا یَزِیْدُہٗ شِدَّۃُ الْجَھْلِ عَلَیْہِ اِلَّا حِلْمًا قَالَ فَکُنْتُ اَتَلَطَّفُ لَہٗ لِاَنْ اُخَالِطَہٗ فَاَعْرِفَ حِلْمَہٗ وَجَھْلَہٗ فَذَکَرَ قِصَّۃَ اِسْلَافِہِ النَّبِیَّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ مَالًا فِیْ ثَمَرَۃٍ قَالَ فَلَمَّا حَلَّ الْاَجَلُ اَتَیْتُہٗ فَاَخَذْتُ بِمَجَامِعِ قَمِیْصِہٖ وَرِدَائِہٖ وَھُوَ فِیْ جَنَازَۃٍ مَعَ اَصْحَابِہٖ وَنَظَرْتُ اِلَیْہِ بِوَجْہٍ غَلِیْظٍ وَقُلْتُ یَا مُحَمَّدُ (صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ) اَلَا تَقْضِیْنِیْ حَقِّیْ؟ فَوَاللّٰہِ مَا عَلِمْتُکُمْ بَنِیْ عَبْدِ الْمُطَّلِبِ لَمُطْلٌ قَالَ فَنَظَرَ اِلَیَّ عُمَرُ وَعَیْنَاہُ تَدُوْرَانِ فِیْ وَجْھِہٖ کَالْفَلَکِ الْمُسْتَدِیْرِ. ثُمَّ قَالَ یَا عَدُوَّ اللّٰہِ اَتَقُوْلُ لِرَسُوْلِ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ مَا اَسْمَعُ وَتَفْعَلُ مَا اَرٰی فَوَالَّذِیْ بَعَثَہٗ بِالْحَقِّ لَوْلَا مَا اُحَاذِرُ لَوْمَہٗ لَضَرَبْتُ بِسَیْفِیْ رَاْسَکَ وَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ یَنْظُرُ اِلٰی عُمَرَ فِیْ سُکُوْنٍ وَتُؤَدَۃٍ وَتَبَسُّمٍ. ثُمَّ قَالَ اَنَا وَھُوَ کُنَّا اَحْوَجَ اِلٰی غَیْرِ ھٰذَا مِنْکَ یَا عُمَرُ اَنْ تَاْمُرَنِیْ بِحُسْنِ الْاَدَاءِ وَتَاْمُرَہٗ بِحُسْنِ التِّبَاعَۃِ اِذْھَبْ بِہٖ یَا عُمَرُ فَاقْضِہٖ حَقَّہٗ وَزِدْ عِشْرِیْنَ صَاعًا مِنْ تَمْرٍ فَاَسْلَمَ زَیْدُ بْنُ سَعْنَۃَ وَشَھِدَ بَقِیَّۃَ الْمَشَاھِدِ مَعَ رَسُوْلِ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ وَتُوُفِّیَ عَامَ تَبُوْکَ رَحِمَہُ اللّٰہُ تَعَالٰی. (رواہ ابن کثیر فی البدایۃ ص ۳۱۱ جلد ۲ و ابو نعیم فی الدلائل ص ۲۲۸ بسند صحیح)

عبداللہ بن سلام کہتے ہیں کہ جب اللہ تعالیٰ نے زید بن سعنہ کو ہدایت دینے کا ارادہ فرمایا تو یوں ہوا کہ زید نے (اپنے دل میں کہا) کہ نبوت کی جتنی علامتیں تھیں وہ سب کی سب تو میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات مبارک میں پہچان چکا ہوں۔ مگر دو علامتیں ہیں جن کے متعلق مجھ کو (ابھی) کوئی بات معلوم نہیں ہوئی۔ ایک تو یہ کہ ان کی بردباری ان کی ترش مزاجی سے بہت بڑھی ہوئی ہوگی۔ دوم یہ کہ جتنا ان کے ساتھ جہالت سے پیش آئے اتنا ہی ان کی شان بردباری اور زیادہ نمایاں ہو جائے گی۔ وہ کہتے ہیں کہ میں اس تدبیر میں لگا رہا کہ کسی طرح ان سے بے تکلفی پیدا کروں تو ان کی بردباری اور ترش مزاجی کا بھی کچھ اندازہ لگا لوں۔ اس کے بعد انہوں نے پھلوں کے معاملہ میں آپ کو کچھ روپیہ قرض دینے کا قصہ ذکر کیا۔ یہ بیان کرتے ہیں کہ جب قرض کی مدت پوری ہوئی تو میں آپ کے پاس آیا اور میں نے آپ کی قمیص اور چادر کے کنارے پکڑ لیے۔ اس وقت آپ اپنے کسی صحابی کے جنازہ میں جا رہے تھے اور میں نے خوب غصہ کا منہ بنا کر آپ کو دیکھا اور کہا اے محمد! (صلی اللہ علیہ وسلم) میرا حق کیوں ادا نہیں کرتے خدا کی قسم جہاں تک میرا تجربہ ہے تم سب عبدالمطلب والوں کی عادت قرض کے معاملہ میں یونہی ٹال مٹول کرنے کی ہے۔ یہ بیان کرتے ہیں یہ بات سن کر عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے غضب کی صورت میں میری طرف دیکھا اور مارے غصہ کے اس وقت ان کی آنکھیں چرخ دوار کی طرح تیزی کے ساتھ گردش کر رہی تھیں۔ اس کے بعد بولے او خدا کے دشمن! تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی نسبت میں یہ گفتگو کر رہا ہے اور میں سن رہا ہوں اور آپ کے ساتھ ایسی گستاخانہ حرکت بھی کر رہا ہے اور میں اپنی آنکھوں سے دیکھ رہا ہوں۔ اس ذات کی قسم جس نے آپ کو دین حق دے کر بھیجا ہے اگر مجھے آپ کی ناراضی کا خوف نہ ہوتا تو میں اپنی تلوار ابھی

تیرے سر پر تلوار رسید کرتا۔ اور عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ یہ فرما رہے تھے ادھر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم بڑے سکون و وقار کے ساتھ ان کو دیکھتے جاتے تھے اور مسکراتے جاتے تھے۔ اس کے بعد آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: عمر مجھ کو اور اس کو ان باتوں کے بجائے کچھ اور چاہئے تھا، زیادہ مناسب ہوتا کہ مجھ سے یہ کہتے کہ اس کا قرض تاخیر کے بغیر پورا پورا ادا کر دو اور اس سے یہ کہتے کہ خوبصورتی کے ساتھ تقاضا کرے۔ اے عمر! جاؤ اور اس کا قرض ادا کر دو اور کھجور کے بیس صاع اس کو اور دے دو۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی بردباری کا یہ نقشہ دیکھ کر زید اسی وقت حلقہ بگوش اسلام ہو گئے اور بقیہ جنگوں میں برابر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ہمراہ ہی رہے اور جس سال تبوک کی جنگ ہوئی تھی اس سال میں ان کی وفات ہوئی۔ رضی اللہ تعالیٰ عنہ۔ (دلائل لابی نعیم)

تشریح: چونکہ زید یہاں ایک معنوی آزمائش کرنے کے لیے آئے تھے اس لیے انہوں نے آتے ہی ایسی ناشائستہ حرکات اور ایسے نازیبا کلمات منہ سے نکالنے شروع کر دیئے جن کو سن کر ایک مرتبہ تو ٹھنڈے سے ٹھنڈے انسان کی رگ حمیت بھی بھڑک اٹھے۔ اول تو آتے ہی مجرم کی طرح آپ کو لپٹ گئے پھر کسی گفتگو کے بغیر نہ صرف آپ کی ذات بلکہ آپ کے سارے خاندان پر ایسی بات کا بدلگانے لگے جس کا کوئی وجود ہی نہ تھا مگر جو ذات ہر کسوٹی پر کھری اور ہر امتحان میں پوری اتری تھی وہ یہاں بھی اپنے جوہر دکھائے بغیر نہ رہی۔ حتیٰ کہ اس سب کے بعد بھی یوں معلوم ہو رہا تھا گویا آپ کے ساتھ کچھ ہوا ہی نہیں تھا۔ عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی امتیازی غیرت ہزار جوش مار رہی تھی مگر حلم نبوی کے سامنے کیا تاب و طاقت تھی چہرہ پر بل پڑ پڑ آتے رہے مگر نہ ایک قدم اپنی جگہ سے آگے بڑھا سکے اور نہ کچھ تخت و سست کہہ کر اپنے دل کی بھڑاس نکال سکے۔ فدا کاروں کی حالت تو یہ تھی اور جن کی خاطر یہ سارا غصہ تھا ان کی شان حلم یہ تھی کہ چہرہ مسکرا رہا تھا اور اسی حالت میں جو صوتی ذرا دہن مبارک سے نکل رہے وہ آپ کے خزانہ نبوت کے سچے موتی بن کر بکھر رہے۔ سبحان اللہ وہ جماعت کدھر ہے جو کہتی ہے کہ اسلام بزور شمشیر پھیلا ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ جن کے سامنے انبیاء علیہم السلام کی تاریخ کچھ بھی رہی ہے اس کو آپ کی تصدیق میں بھی ذرا اس وقت پیش نہیں ہوا۔ "ومن لم یجعل اللہ لہ نورا فما لہ من نور"

عَنْ أَبِي سَلَمَةَ بْنِ عَبْدِ الرَّحْمٰنِ أَنَّ جَابِرَ بْنَ عَبْدِ اللّٰهِ قَالَ كُنَّا مَعَ رَسُولِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ نَجْنِي الْكَبَاثَ وَأَنَّ رَسُولَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ عَلَيْكُمْ بِالْأَسْوَدِ مِنْهُ فَإِنَّهُ أَطْيَبُ قَالُوا أَكُنْتَ تَرْعَى الْغَنَمَ قَالَ وَهَلْ مِنْ نَبِيٍّ إِلَّا وَقَدْ رَعَاهَا. (رواه البخاري)

ابو سلمہ بن عبدالرحمٰن سے روایت ہے کہ جابر بن عبداللہ نے بیان کیا کہ ایک موقع پر ہم آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ پیلو کے درخت سے پھل توڑ رہے تھے آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا دیکھو ان میں سے جو سیاہ ہوں وہ توڑنا کیونکہ وہی بہتر ہوتے ہیں۔ اس وقت میں صحابہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم نے آپ سے پوچھا کیا آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی بکریاں چرائی ہیں؟ (کیونکہ جنگل کے اس قسم کے پھلوں کا تجربہ بیشتر ایسے ہی لوگوں کو ہوتا تھا جن کو اس سلسلے سے جنگل میں رہنے کا زیادہ اتفاق ہو) آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ایسا کون نبی گزرا ہے جس نے بکریاں نہ چرائی ہوں۔ (بخاری شریف)

عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ مَا بَعَثَ اللّٰهُ إِلَّا رَعَى الْغَنَمَ فَقَالَ أَصْحَابُهُ وَأَنْتَ فَقَالَ نَعَمْ كُنْتُ أَرْعَاهَا عَلَى قَرَارِيطَ لِأَهْلِ مَكَّةَ. (رواه البخاري)

ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کرتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے جو نبی بھی مبعوث فرمایا ہے اُس نے بکریاں ضرور چرائی ہیں۔ صحابہ کرام رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین نے عرض کی کیا آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی؟ آپ نے فرمایا جی ہاں میں بھی چند قیراط پر مکہ والوں کی بکریاں چرایا کرتا تھا۔ (بخاری شریف)

تشریح: بکریاں چرانی ایک بہت ہی معمولی چیز ہے لیکن تاریخ نبوت میں چونکہ اس کو بھی ایک اہمیت حاصل تھی اس لیے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی حیات طیبہ میں اس کا ثبوت بھی ملنا ضروری تھا۔ اس کا یہ مطلب نہیں کہ بکریاں چرانا نبوت کے ایسے لوازم میں سے ہے کہ ہر چرواہا نبوت کا دعویٰ کر سکتا ہے بلکہ مقصد یہ ہے کہ جو نبی ہوا ہے اس کی زندگی میں یہ چرائی ضرور پیش آئی ہے۔ چنانچہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کا بکریاں چرانا خود قرآن کریم کے اشارات سے ثابت ہے۔ اب رہی یہ بحث کہ بکریاں چرانے کی اتنی اہمیت کیا ہے یہ ایک جداگانہ مسئلہ ہے۔ اس پر علماء نے علیحدہ بحث کی ہے۔ اتنا سب جانتے ہیں کہ طبیعت کو نظم کا خوگر بنانے کے لیے مشکل سے شاید کوئی دوسری ٹریننگ اس سے زیادہ موثر ہوتی ہے کہ فارسی زبان میں یہ ایک مثل ہی بن گئی ہے کہ "نظم نہ داری بز بچر" پھر انجیل میں ابھی تک حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی زبان مبارک سے بنی اسرائیل کو جگہ جگہ بھیڑوں کے لفظ سے خطاب کیا گیا ہے۔ گویا ایک گمراہ اُمت کا نقشہ کھینچنے کے لیے جو کسی ایسے میدان میں نکل گئی ہو جہاں کھانے پینے کا کوئی سامان نہ ہو اور پھر چاروں طرف سے ڈاکوؤں اور قزاقوں میں گھر گئی ہو بکریوں کے اس گلہ سے زیادہ کوئی اور دوسرا صحیح نقشہ نہیں ہو سکتا جو ایک بے آب و گیاہ میدان میں بھیڑیوں کے بیچ میں جا پھنسا ہو۔ ظاہر ہے کہ ایک طرف ان کی ناسمجھی دوسری طرف بھیڑیوں سے ان کی حفاظت کی ذمہ داری اس پر ان کے بقاء حیات کے لیے ایسے جنگل میں خورد و نوش کا انتظام کرنا یہ کتنی دردسری کتنی دردمندی اور کتنے نظم و ہوشیاری کا محتاج ہوگا اس لیے انبیاء علیہم السلام کو انسانوں کے حوالے کرنے سے پہلے تھوڑی سی ٹریننگ حیوانات سے شروع کی جاتی ہے تاکہ وہ ان ذمہ داریوں کا بار اُٹھانے کے پہلے سے خوگر ہو جائیں۔ وہ اپنی اُمت کو محرمات کی چراگاہوں سے بچا بچا کر حلال کے میدانوں میں لے جائیں اور جو ان سے بھاگ کر محرمات میں منہ ڈالنے لگا اور دور نکل جائے اس کو پکڑ پکڑ کر کھینچ لیں۔

عَنْ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ الصَّامِتِ قَالَ قَالَ اَبُوْذَرٍّ خَرَجْنَا مِنْ قَوْمِنَا غِفَارٍ وَكَانُوْا يُحِلُّوْنَ الشَّهْرَ الْحَرَامَ فَخَرَجْتُ اَنَا وَاَخِيْ اُنَيْسٌ، فَنَزَلْنَا عَلٰى خَالٍ لَنَا فَاَكْرَمَنَا وَاَحْسَنَ اِلَيْنَا ...... فَقَالَ اُنَيْسٌ اِنَّ لِيْ حَاجَةً بِمَكَّةَ فَانْطَلَقَ اُنَيْسٌ حَتّٰى اَتٰى مَكَّةَ ...... فَقُلْتُ مَا صَنَعْتَ قَالَ لَقِيْتُ رَجُلًا بِمَكَّةَ يَزْعُمُ اَنَّ اللّٰهَ اَرْسَلَهٗ قُلْتُ فَمَا يَقُوْلُ النَّاسُ قَالَ يَقُوْلُوْنَ شَاعِرٌ كَاهِنٌ سَاحِرٌ وَكَانَ اُنَيْسٌ اَحَدَ الشُّعَرَاءِ قَالَ اُنَيْسٌ لَقَدْ سَمِعْتُ قَوْلَ الْكَهَنَةِ فَمَا هُوَ بِقَوْلِهِمْ وَلَقَدْ وَضَعْتُ قَوْلَهٗ عَلٰى اَقْرَاءِ الشِّعْرِ فَمَا يَلْتَئِمُ عَلٰى لِسَانِ اَحَدٍ بَعْدِيْ اَنَّهٗ شِعْرٌ وَاللّٰهِ اِنَّهٗ لَصَادِقٌ وَاِنَّهُمْ لَكَاذِبُوْنَ وذكر القصة وصفة اسلامه. (رواہ مسلم)

عبداللہ بن صامت رضی اللہ تعالیٰ عنہ روایت فرماتے ہیں کہ حضرت ابوذر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے بیان کیا میں اور میرے بھائی اُنیس اپنی قوم غفار کے ساتھ ایک مرتبہ سفر کے لیے نکلے اور اپنے ماموں کے یہاں جا کر مہمان ہوئے۔ انہوں نے ہمارا بڑا اعزاز و اکرام کیا۔ اُنیس نے کہا مجھے مکہ میں کچھ کام ہے یہ کہہ کر اُنیس چل پڑے یہاں تک کہ مکہ پہنچ گئے (واپسی پر) میں نے کہا

آپ نے وہاں کیا کام کیا؟ انہوں نے کہا وہاں میں نے ایک شخص سے ملاقات کی جس کا یہ عقیدہ تھا کہ اللہ تعالیٰ نے اس کو رسول بنا کر بھیجا ہے میں نے کہا اچھا تو ان کے متعلق لوگوں کا خیال کیا ہے؟ انہوں نے کہا یہ کہتے ہیں کہ شاعر ہے کاہن ہے جادوگر ہے یہ انیس خود بھی شاعر تھے انیس کہنے لگے میں نے کاہنوں کا کلام سنا ہے یہ ان کا سا کلام نہیں ہے اور میں نے اس کو شعرا کے اوزان پر بھی رکھ کر دیکھا تو کسی ایک وزن کے رنگ سے میل نہیں کھاتا۔ خدا کی قسم! وہ یقیناً سچے ہیں جو لوگ یہ باتیں بناتے ہیں وہ سب جھوٹ کہتے ہیں اس کے بعد اپنے مشرف باسلام ہو جانے کا سب قصہ بیان کیا۔ (متفق علیہ)

عَنْ جَابِرِ بْنِ عَبْدِ اللّٰهِ قَالَ قَالَ الْمَلَأُ وَاَبُوْ جَهْلٍ لَقَدْ غَلَبَ اَمْرُ مُحَمَّدٍ (صلی اللہ علیہ وسلم) فَلَوِ الْتَمَسْتُمْ رَجُلاً عَالِمًا بِالشِّعْرِ وَالْكِهَانَةِ وَالسِّحْرِ فَاَتَاهُ فَكَلَّمَهُ فَاَتَانَا بِبَيَانٍ مِنْ اَمْرِهٖ فَقَالَ عُتْبَةُ بْنُ رَبِيْعَةَ وَاللّٰهِ لَقَدْ سَمِعْتُ الشِّعْرَ وَالْكِهَانَةَ وَالسِّحْرَ وَعَلِمْتُ مِنْ ذٰلِكَ عِلْمًا مَا يَخْفٰى عَلَيَّ اِنْ كَانَ ذٰلِكَ فَاَتَاهُ فَخَرَجَ اِلَيْهِ ...... فَلَمَّا فَرَغَ قَرَأَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ "بسم اللّٰه الرحمٰن الرحيم. حٰمٓ تنزيل من الرحمٰن الرحيم كتاب فصلت اياته الى قوله فقد انذرتكم صاعقة مثل صاعقة عاد وثمود" فَاَمْسَكَ عُتْبَةُ عَلٰى فِيْهِ وَنَاشَدَهُ بِالرَّحِمِ اَنْ يَكُفَّ وَرَجَعَ اِلٰى اَهْلِهٖ فَلَمْ يَخْرُجْ اِلٰى قُرَيْشٍ فَاحْتَبَسَ عَنْهُمْ عُتْبَةُ فَقَالَ اَبُوْ جَهْلٍ يَا مَعْشَرَ قُرَيْشٍ وَاللّٰهِ مَا نَرٰى عُتْبَةَ اِلَّا قَدْ صَبَا اِلٰى مُحَمَّدٍ (صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ) فَاَتَاهُ اَبُوْ جَهْلٍ فَقَالَ يَا عُتْبَةُ مَا حَبَسَكَ عَنَّا اِلَّا اَنَّكَ صَبَوْتَ اِلٰى مُحَمَّدٍ (صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ) فَغَضِبَ وَاَقْسَمَ اَنْ لَا يُكَلِّمَ مُحَمَّدًا (صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ) اَبَدًا وَقَالَ لَقَدْ عَلِمْتُمْ اَنِّيْ مِنْ اَكْثَرِ قُرَيْشٍ مَالًا وَلٰكِنِّيْ وَقَصَصْتُ عَلَيْهِ الْقِصَّةَ فَاَجَابَنِيْ بِشَيْءٍ وَاللّٰهِ مَا هُوَ بِشِعْرٍ وَلَا كِهَانَةٍ وَلَا سِحْرٍ. (رواه ابن مردويه في كتاب التفسير و يحيى بن معين)

جابر رضی اللہ تعالیٰ عنہ بیان کرتے ہیں کہ ابوجہل اور اس کے سب اہل مجلس نے کہا محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کے معاملے نے تو ہم کو اب عاجز کر دیا ہے کوئی آدمی ایسا تلاش کرو جو شعر و سخن کہانت اور جادو کا ماہر ہو وہ اس کے پاس جائے اور پھر ہم سے آ کر حقیقت حال بیان کرے۔ اس پر عتبہ نے کہا خدا کی قسم! میں نے شعر کہانت اور سحر سب سنے ہیں اور مجھے ان کا اچھا علم حاصل ہے اگر ان میں سے کوئی بات بھی ہوگی تو وہ مجھ سے چھپ نہ سکے گی۔ عتبہ یہ کہہ کر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس پہنچا (اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے طرح طرح کی لالچ کی باتیں کرنے لگا آپ صلی اللہ علیہ وسلم سب خاموش سنتے رہے) جب وہ سب کہہ چکا تو اس کے جواب میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے سورۂ حم سجدہ کی چند آیتیں پڑھ کر سنائیں یہاں تک کہ جب پڑھتے پڑھتے آپ ان آیتوں پر پہنچے "فَقَدْ اَنْذَرْتُكُمْ صَاعِقَةً مِثْلَ صَاعِقَةِ عَادٍ وَّثَمُوْدَ" (جس میں یہ جتایا گیا تھا کہ اگر باز نہ آؤ گے تو پھر عاد و ثمود کی طرح برباد ہونے کے لیے تیار ہو جاؤ) تو (عتبہ کو یوں معلوم ہوتا تھا کہ گویا یہ عذاب اب آیا چاہتا ہے) اس نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے منہ پر ہاتھ رکھ دیا اور اپنی قرابت اور رشتہ داری کا واسطہ دے کر کہا آپ اور آگے نہ پڑھیں اور واپس گھر آ کر بیٹھ رہا اور قریش کے پاس بھی نہ گیا اور مدت تک اُن سے ملاقات نہیں کی۔ اس پر ابوجہل نے کہا خدا کی قسم! ہمارا خیال

ہے ضرور عتبہ بھی محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کی طرف مائل ہو گیا ہے اس کے بعد ابو جہل اس کے پاس گیا اور کہا عتبہ! کیوں ہم سے کیوں نہیں ملتے ہمیں یہ بات معلوم ہوئی ہے کہ تم بھی محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کی جانب ڈھل گئے ہو اگر کچھ ضرورت ہو تو ہم تم کو مال جمع کر کے دے دیں تاکہ تم کو محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کے کھانے سے بے نیازی ہو جائے۔ یہ سن کر وہ غصہ میں بھر گیا اور قسم کھائی کہ محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) سے آئندہ کبھی بات چیت بھی نہ کرے گا اور کہا تم جانتے ہو کہ میں قریش میں سب سے زیادہ مالدار آدمی ہوں لیکن بات یہ ہوئی کہ جب میں ان کے پاس گیا اس کے بعد پورا واقعہ بیان کیا۔ اس کے جواب میں انہوں نے مجھ کو ایسا کلام سنایا جو نہ شعر تھا نہ کہانت اور نہ جادو اور سورۂ حم سجدہ کی آیتیں مجھے سنائیں جب اس میں پہنچا تو عاد و ثمود کے عذاب کا ذکر آیا تو میں نے ان کے منہ پر ہاتھ رکھ دیا اور ان کو اپنی قرابت کا واسطہ دیا کہ بس آگے نہ پڑھیں۔ تم سب جانتے ہو کہ محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) جب کوئی بات منہ سے نکالتے ہیں تو اس میں ذرا جھوٹ نہیں ہوتا مجھے یہ ڈر ہو گیا تھا کہیں تم پر بھی عذاب نہ آ جائے۔ (تفسیر ابن مردویہ کذا فی لباب النقول)

عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ قَالَ قَامَ النَّضْرُ بْنُ الْحَارِثِ فَقَالَ يَا مَعْشَرَ قُرَيْشٍ وَاللّٰهِ لَقَدْ نَزَلَ بِكُمْ أَمْرٌ مَا ابْتُلِيتُمْ بِمِثْلِهِ لَقَدْ كَانَ مُحَمَّدٌ فِيكُمْ غُلَامًا حَدَثًا أَرْضَاكُمْ فِيكُمْ وَأَصْدَقَكُمْ حَدِيثًا وَأَعْظَمَكُمْ أَمَانَةً حَتّٰى إِذَا رَأَيْتُمْ فِي صُدْغَيْهِ الشَّيْبَ وَجَاءَكُمْ بِمَا جَاءَكُمْ بِهِ قُلْتُمْ سَاحِرٌ لَا وَاللّٰهِ مَا هُوَ بِسَاحِرٍ قَدْ رَأَيْنَا السَّحَرَةَ وَنَفْثَهُمْ وَعُقَدَهُمْ وَقُلْتُمْ كَاهِنٌ لَا وَاللّٰهِ مَا هُوَ بِكَاهِنٍ قَدْ رَأَيْنَا الْكَهَنَةَ وَسَمِعْنَا سَجْعَهُمْ وَقُلْتُمْ شَاعِرٌ لَا وَاللّٰهِ مَا هُوَ بِشَاعِرٍ لَقَدْ رَوَيْنَا الشِّعْرَ وَسَمِعْنَا أَصْنَافَهُ كُلَّهَا هَزَجَهُ وَرَجَزَهُ وَقَرِيضَهُ وَقُلْتُمْ مَجْنُونٌ وَلَا وَاللّٰهِ مَا هُوَ بِمَجْنُونٍ لَقَدْ رَأَيْنَا الْمَجْنُونَ فَمَا هُوَ بِخَنْقِهِ وَلَا تَخْلِيطِهِ يَا مَعْشَرَ قُرَيْشٍ انْظُرُوا فِي شَأْنِكُمْ فَإِنَّهُ وَاللّٰهِ لَقَدْ نَزَلَ بِكُمْ أَمْرٌ عَظِيمٌ وَكَانَ النَّضْرُ بْنُ الْحَارِثِ مِنْ شَيَاطِينِ قُرَيْشٍ وَمِمَّنْ يُؤْذِي رَسُولَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَيَنْصِبُ لَهُ الْعَدَاوَةَ۔ (رواہ ابن اسحاق کذا فی المواہب اللدنیۃ)

ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ بیان کرتے ہیں ایک مرتبہ نضر بن الحارث کھڑا ہو کر بولا اے جماعت قریش! خدا کی قسم تم اس وقت ایک ایسی آزمائش میں پھنس گئے ہو کہ اس سے پہلے کبھی نہ پھنسے تھے تم جانتے ہو کہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم تم ہی میں سے ایک نوجوان شخص ہیں جو تم میں سب سے زیادہ محبوب سب سے زیادہ راست گو اور سب سے بڑھ کر امانت دار شخص تھے یہاں تک کہ جب ان کی عمر پختہ ہوئی اور ان کی کنپٹیوں میں تم نے بڑھاپے کی سفیدی دیکھ لی اور تمہارے پاس دین لے کر وہ آئے تو اب تم نے ان کو جادوگر کہہ دیا۔ خدا کی قسم! وہ جادوگر نہیں ہو سکتے ہم نے جادوگروں کو دیکھا ہے نہ تو ان کی طرح سے وہ منتر پڑھ پڑھ کر پھونکتے ہیں اور نہ ان کی طرح گنڈے بناتے ہیں اور کبھی تم نے ان کو کاہن ٹھہرایا خدا کی قسم وہ کاہن بھی نہیں ہم نے کاہن بھی بہت دیکھے ہیں اور ان کی تک بندیاں بھی سنی ہیں اور کبھی تم نے ان کو شاعر کہا خدا کی قسم! وہ شاعر بھی نہیں ہم نے بہت سے شعر کی روایات بھی کی ہیں اور ہم نے ان کی سب اقسام سنی ہیں۔ (ان کا کلام نہ تو کاہنوں کی تک بندیوں سے ملتا ہے نہ شاعروں کے شعروں سے) اور تم میں کسی نے ان کو مجنون بھی قرار دیا۔ خدا کی قسم وہ مجنون بھی نہیں ہم نے دیوانے بہت دیکھے ہیں دیوانوں کی ایک علامت بھی ان میں نہیں نہ ان کی سی بیہوشی ان پر طاری ہوتی ہے نہ ان کی سی بہکی بہکی باتیں کرتے ہیں۔ اے قریش کی جماعت! اپنے معاملہ میں ذرا پورے غور سے کام

گے وہ فوراً معلوم ہو جائے گی کہ بالکل غلط ہے۔ یہ کلام بشر کا ہے ہی نہیں وہ سب پر غالب آ جاتا ہے اور کسی سے مغلوب نہیں ہوتا۔ یوں معلوم ہوتا ہے کہ تم اس کے سب تختے پچھے ہوئے ہیں کہ اس کی تہ کا پتہ ہی نہیں لگتا۔

تشریح۔ بادشاہ، راہب اور اہل کتاب علماء کی چند آراء آپ نے ملاحظہ کر لیں۔ اب یہ عرب کے چند ہوش مندوں کے واقعات ہیں جن سے آپ یہ اندازہ فرمالیں گے کہ ان کو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی شناخت میں کوئی دشواری پیش آئی تھی یا کچھ مشکلات تھیں تو آپ کے انکار کرنے میں تھیں۔ اگر واقعات سے بھی یہ بات ثابت ہو کہ انبیاء علیہم السلام کی صداقت اس درجہ بدیہی ہوتی ہے کہ ان کے انکار کرنے کے لیے کوئی حیلہ بہانہ بنانا بھی آسان نہیں ہوتا تو پھر آپ بھی یہاں عقلی بحث اور خیالی پرواز کو چھوڑ کر تاریخ نبوت کے مطالعہ پر وقت کیوں صرف نہیں فرماتے۔ دیکھئے یہاں مکہ کے مشرک کس صفائی سے کہہ رہے ہیں کہ کاہن اور ساحر کی نوع دنیا میں ہمیشہ ہوتی چلی آئی ہے ہم ان کو خوب جانتے پہچانتے ہیں اور شعر بھی ہمارے لیے کوئی نئی چیز نہیں ہم ان کو بھی خوب سمجھتے ہیں۔ یہ شخص ان میں سے کوئی بھی نہیں ہے اگر ہم ان میں سے کوئی بات بھی کہیں گے تو وہ اپنے کذب پر خود شاہد ہوگی کیا اس سے یہ معلوم نہیں ہوتا کہ نبوت کا معاملہ کس درجہ واضح اور صاف ہوتا ہے یہاں اگر آپ ان سے سحر کی حقیقت اور کہانت کی نوعیت پر بحث شروع کر دیں تو ان غریبوں کو شاید اس کی ابتدائی معلومات تک بھی مشکل ہو جاتیں لیکن ساحر اور کاہنوں کو وہ آپ سے زیادہ جانتے پہچانتے تھے کیونکہ یہ نوع ان کے درمیان ہمیشہ سے ہوتی رہی ہیں اور ان کے ساتھ ان کا قدیم سے تعارف رہا ہے اس لیے نبی اور ساحر کے درمیان ان کو کوئی التباس نہیں ہوا اور ان چند جملوں ہی میں جس سادگی کے ساتھ انہوں نے مجنون، ساحر اور کاہنوں کی خصوصیات ادا کر دی ہیں محض عقلی اعتبار سے ان پر بحث کرنے والے شاید طویل دفتروں میں بھی ان کو ادا نہ کر سکیں۔

عَنْ رُكَانَةَ بْنِ عَبْدِ يَزِيْدَ وَكَانَ مِنْ اَشَدِّ النَّاسِ قَالَ كُنْتُ اَنَا وَالنَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فِيْ غُنَيْمَةٍ لِاَبِيْ طَالِبٍ نَرْعَاهَا فِيْ اَوَّلِ مَا رَاٰى اِذْ قَالَ لِيْ ذَاتَ يَوْمٍ هَلْ لَكَ اَنْ تُصَارِعَنِيْ قُلْتُ لَهُ اَنْتَ قَالَ اَنَا فَقُلْتُ عَلٰى مَاذَا قَالَ عَلٰى شَاةٍ مِنَ الْغَنَمِ فَصَارَعْتُهُ فَصَرَعَنِيْ فَاَخَذَ مِنِّيْ شَاةً ثُمَّ قَالَ لِيْ هَلْ لَكَ فِي الثَّانِيَةِ قُلْتُ نَعَمْ فَصَارَعْتُهُ فَصَرَعَنِيْ فَاَخَذَ مِنِّيْ شَاةً فَجَعَلْتُ اَلْتَفِتُ هَلْ يَرَانِيْ اِنْسَانٌ فَقَالَ مَالَكَ قُلْتُ لَا يَرَانِيْ بَعْضُ الرُّعَاةِ فَيَجْتَرِؤُنَ عَلَيَّ وَاَنَا مِنْ اَشَدِّهِمْ قَالَ هَلْ لَكَ فِيْ الصِّرَاعِ الثَّالِثَةِ وَلَكَ شَاةٌ قُلْتُ نَعَمْ فَصَارَعْتُهُ فَصَرَعَنِيْ وَاَخَذَ مِنِّيْ شَاةً فَقَعَدْتُ كَئِيْبًا حَزِيْنًا فَقَالَ مَالَكَ قُلْتُ اِنِّيْ اَرْجِعُ اِلٰى عَبْدِ يَزِيْدَ وَقَدْ اَعْطَيْتُ ثَلَاثًا مِنْ غَنَمِهٖ وَالثَّانِيَةُ اَنِّيْ كُنْتُ اَظُنُّ اَنِّيْ اَشَدُّ قُرَيْشٍ فَقَالَ هَلْ لَكَ فِي الرَّابِعَةِ فَقُلْتُ بَعْدَ ثَلَاثٍ فَقَالَ اَمَّا قَوْلُكَ فِي الْغَنَمِ فَاِنِّيْ اَرُدُّهَا عَلَيْكَ فَرَدَّهَا عَلَيَّ فَلَمْ يَلْبَثْ اَنْ ظَهَرَ اَمْرُهٗ فَاَتَيْتُهٗ فَاَسْلَمْتُ فَكَانَ مِمَّا هَدَانِيَ اللّٰهُ عَزَّوَجَلَّ اَنِّيْ عَلِمْتُ اَنَّهٗ لَمْ يَصْرَعْنِيْ يَوْمَئِذٍ بِقُوَّتِهٖ وَلَمْ يَصْرَعْنِيْ يَوْمَئِذٍ اِلَّا بِقُوَّةِ غَيْرِهٖ۔ (رواہ البیہقی)

رکانہ سے روایت ہے اور یہ لوگوں میں سب سے قوی مشہور تھے کہتے ہیں میں اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ابو طالب کی چند بکریوں کو چرا رہے تھے یہ بات آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت کے شروع شروع کی ہے ایک دن آپ نے فرمایا کیا مجھ سے کشتی لڑتے ہو

میں نے پوچھا کیا آپ سے؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جی ہاں! مجھ سے۔ میں بولا اچھا کیا دو گے؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جو جیتے اس کی ایک بکری۔ میں نے آپ سے کشتی کی، آپ نے مجھے زیر کر دیا اور مجھ سے ایک بکری لے لی۔ پھر مجھ سے فرمایا کیا دوبارہ پھر کشتی لڑو گے؟ میں بولا بہت اچھا۔ میں نے پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے کشتی کی، آپ نے پھر مجھ کو زیر کر دیا اور ایک بکری مجھ سے اور لے لی۔ اس مرتبہ میں ادھر ادھر دیکھنے لگا کہیں مجھ کو پچھڑتے ہوئے کوئی دیکھ تو نہیں رہا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کیا دیکھ رہے ہو؟ میں نے کہا یہ دیکھ رہا ہوں میں کہ مجھ کو کہیں کوئی اور بکری چرانے والا دیکھ رہا ہو اور میرے مقابلہ کی اس کو بھی ہمت ہو جائے کیونکہ میں سب سے زور دار آدمی مشہور ہوں۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اچھا تیسری بار پھر لڑتے ہو اور جیتو گے تو ایک بکری لے لو گے۔ میں بولا بہت اچھا۔ میں نے پھر کشتی کی اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے پھر مجھ کو زیر کر دیا۔ اب تو میں غمگین ہو کر بیٹھ گیا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے پوچھا غمگین کیوں ہو؟ میں نے کہا سب سے پہلے تو اس بات پر کہ جب میں عبد یزید کی بکریاں لے کر واپس ہوں گا تو ان میں تین بکریاں جو میں آپ کو دے چکا ہوں (وہ کم ہوں گی) دوسری بات یہ ہے کہ مجھ کو یہ بڑا گھمنڈ تھا کہ قریش میں سب سے زیادہ مضبوط آدمی میں ہوں (مگر آج اس کے خلاف نکلا) آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا چلو چوتھی بار پھر کشتی کرتے ہو؟ میں نے کہا کیا اب تین بار ہٹ جانے کے بعد بھی۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اچھا تو بکریوں کا معاملہ تو یہ ہے کہ میں تم کو سب واپس کیے دیتا ہوں۔ چنانچہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے وہ سب واپس کر دیں پھر اس کے متصل ہی آپ کی نبوت کا شہرہ ہو گیا۔ اس وقت میں آپ کی خدمت میں آیا اور مشرف با اسلام ہو گیا اور میرے اسلام کا باعث یہی بات تھی کہ میں یقین کر چکا تھا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھ کو اپنی طاقت سے زیر نہیں کیا بلکہ ضرور کسی اور دوسری (الٰہی) طاقت سے زیر کیا ہے۔ (انتہیٰ وغیرہ)

تشریح: ہر صاحب ہنر اپنے ہنر پر نازاں ہوتا ہے اور پھر جتنا اس ہنر میں اس کی فوقیت مسلم ہوتی جاتی ہے اتنا ہی اس پر اس کا ناز بڑھتا چلا جاتا ہے حتیٰ کہ آخر کار مثل مشہور کے مطابق ہمچو ما دیگرے نیست اس کے دماغ میں اپنی یکتائی کا غرور پیدا ہو جاتا ہے۔ اب سوچئے کہ جس ماحول میں تعلیم و تعلم کا حرف نہ ہو کسی کو متاثر کرنے کے لیے کیا اس سے زیادہ بھی کوئی اور بات مؤثر ہو سکتی تھی۔ اسی لیے اس کے قلب پر اس کا سکہ اس طرح جم چکا تھا کہ آپ کے دعوائے نبوت کی شہرت کے بعد اس کے دل پر یہی چوٹ اس کے زخم دل کا مرہم بن گئی۔ اس واقعہ سے ظاہر ہے کہ اس تمام معاملہ سے آپ کا اصل مقصود کیا تھا اور جب آپ نے سب سے پہلے اس کی بکریاں اس کے حوالہ کر دیں تو یہ بات پورے طور پر صاف ہو گئی کہ اس ہار جیت کا راز کچھ اور ہی تھا نہ آپ کو اپنی طاقت کا اظہار مقصود تھا اور نہ چند بکریوں کے حاصل کرنے کی طرف کوئی توجہ تھی۔ اس واقعہ سے عرب کی بلند فطرت کا بھی اندازہ لگانا چاہیے کہ رکانہ کو سب سے بڑا غم یہ تھا کہ مالک کو اس کی بکریوں میں اپنی اس خیانت کا جواب کیا دوں گا۔ یہ قصہ حضرت عباسؓ سے بسند جید بھی مروی ہے۔ اس میں اس طرح ہے کہ جب تین بار وہ زیر ہو گیا تو اس نے فوراً آپ کی نبوت کا یقین کر لیا تھا۔ علماء نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی مصارعت کے چند واقعات اور بھی نقل کیے ہیں۔ ابو رکانہ اور ابو اسود جمحی جیسا کہ سہیلی اور بیہقی اور ابوداؤد نے مراسیل میں ذکر کیا ہے۔ (حاشیہ شفاء ص ۶۱)

عَنْ عَمْرِو بْنِ سَلِمَةَ قَالَ كُنَّا بِمَاءٍ مَمَرَّ النَّاسِ يَمُرُّ بِنَا الرُّكْبَانُ نَسْأَلُهُمْ مَا لِلنَّاسِ مَا هٰذَا

الرَّجُلُ فَيَقُولُونَ إِنَّ اللّٰهَ أَرْسَلَهُ أَوْحٰى إِلَيْهِ أَوْحٰى إِلَيْهِ كَذَا فَكُنْتُ أَحْفَظُ ذٰلِكَ الْكَلَامَ فَكَأَنَّمَا يُغْرٰى فِي صَدْرِي وَكَانَتِ الْعَرَبُ تَلَوَّمُ بِإِسْلَامِهِمُ الْفَتْحَ فَيَقُولُونَ اتْرُكُوهُ وَقَوْمَهُ فَإِنَّهُ إِنْ ظَهَرَ عَلَيْهِمْ فَهُوَ نَبِيٌّ صَادِقٌ فَلَمَّا كَانَتْ وَقْعَةُ الْفَتْحِ بَادَرَ كُلُّ قَوْمٍ بِإِسْلَامِهِمْ وَبَدَرَ أَبِي قَوْمِي بِإِسْلَامِهِمْ فَلَمَّا قَدِمَ قَالَ جِئْتُكُمْ وَاللّٰهِ مِنْ عِنْدِ النَّبِيِّ حَقًّا فَقَالَ صَلُّوا صَلٰوةَ كَذَا فِي حِينِ كَذَا وَصَلٰوةَ كَذَا فِي حِينِ كَذَا فَإِذَا حَضَرَتِ الصَّلٰوةُ فَلْيُؤَذِّنْ أَحَدُكُمْ وَلْيَؤُمَّكُمْ أَكْثَرُكُمْ قُرْآنًا فَنَظَرُوا فَلَمْ يَكُنْ أَحَدٌ أَكْثَرَ قُرْآنًا مِنِّي لِمَا كُنْتُ أَتَلَقّٰى مِنَ الرُّكْبَانِ فَقَدَّمُونِي بَيْنَ أَيْدِيهِمْ وَأَنَا ابْنُ سِتٍّ أَوْ سَبْعِ سِنِينَ وَكَانَتْ عَلَيَّ بُرْدَةٌ كُنْتُ إِذَا سَجَدْتُ تَقَلَّصَتْ عَنِّي فَقَالَتِ امْرَأَةٌ مِنَ الْحَيِّ أَلَا تُغَطُّونَ عَنَّا اسْتَ قَارِئِكُمْ فَاشْتَرَوْا فَقَطَعُوا لِي قَمِيصًا فَمَا فَرِحْتُ بِشَيْءٍ فَرَحِي بِذٰلِكَ الْقَمِيصِ. (رواہ البخاری)

عمرو بن سلمہ کہتے ہیں ہم ایک ایسے پانی پر ٹھہرے ہوئے تھے جو لوگوں کی گزرگاہ پر واقع تھا ان کے قافلے ہماری طرف سے گزرتے تو ہم ان سے دریافت حال کے لیے پوچھا کرتے "ہم لوگوں کا اب کیا رنگ ہے اور اس شخص کی کیا خبر ہے۔ لوگ کہتے اس کو اللہ تعالیٰ نے اپنا رسول بنا کر بھیجا ہے وہ اس پر وحی نازل فرماتا ہے۔ چنانچہ اب اس پر یہ آیتیں تازہ تازہ اتری ہیں میں ان آیتوں کو (سنتا اور) چپکے سے یاد کر لیتا اور وہ مجھ کو اس طرح یاد ہو جاتیں جیسے میرے سینہ میں نقش ہو گئی ہیں۔ ادھر عرب کے لوگ اسلام قبول کرنے میں فتح مکہ کا انتظار کر رہے تھے کہتے تھا کہ اس کو اور اس کی قوم کو نمٹ لینے دو، اگر وہ اپنی قوم پر غالب آ گئے تو پس جان لو کہ وہ سچے نبی ہیں۔ جب یوں ہوا کہ مکہ فتح ہو گیا تو اب مسلمان ہونے کے لیے لوگ دوڑ پڑے۔ میرے والد اپنی قوم سے پہلے لپک کر مشرف باسلام ہو گئے اور اپنی قوم سے آ کر کہا بخدا! میں تمہارے پاس ایک سچے نبی کے دربار سے آ رہا ہوں ان کا حکم یہ ہے کہ فلاں نماز اس وقت میں اور فلاں اس وقت میں پڑھا کرو اور جب نماز کا وقت آ جائے تم میں سے کسی کو اذان دینی چاہیے اس کے بعد پھر جس کو سب سے زیادہ قرآن محفوظ ہو اس کو امام بنانا چاہیے۔ چونکہ ان میں مجھ سے زیادہ قرآن کسی اور شخص کو یاد نہ تھا اور اس کا سبب یہی تھا کہ میں پہلے سے قافلہ والوں سے سن سن کر قرآن شریف یاد کر لیا کرتا تھا۔ اس لیے انہوں نے مجھ کو ہی اپنے آگے بڑھا دیا۔ اس وقت میری عمر کل چھ سات سال کی ہوگی اور میرے جسم پر اس وقت صرف ایک مختصر سی چادر تھی۔ جب سجدہ کرتا تو پیچھے کی جانب سے سکڑ کر جسم کے اوپر کے حصہ پر آ جاتی۔ ہماری قوم کی ایک عورت یہ دیکھ کر بولی اپنے قاری صاحب کے سرین تو ذرا ہمارے سامنے سے ڈھانک لیا کرو یہ سن کر لوگوں نے میرے لیے ایک قمیص خرید لیا مجھے اس وقت اس قمیص سے اتنی خوشی حاصل ہوئی کہ کسی چیز سے نہ ہوئی تھی۔ (بخاری شریف)

تشریح۔ غیر تعلیم یافتہ اشخاص اکثر بھیڑ چال ہوا کرتے ہیں۔ ان کا معیار تصدیق تن آسانی ہوتا ہے۔ اس لیے عرب کے عام لوگوں نے اپنے نزدیک آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت کے لیے یہی ایک معیار بنا رکھا تھا کہ اگر آپ اپنی قوم پر غالب آ گئے تو بس یہی آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی صداقت کی سب سے بڑی دلیل ہوگی۔ اس کے برخلاف آپ شاہ روم کا حال پڑھ چکے ہیں وہ جب یہ سنتا ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو اپنی قوم پر کبھی فتح ہوتی ہے اور کبھی شکست تو وہ اس کے برعکس آپ کی شکست ہی کو حقانیت کی دلیل قرار دیتا ہے۔

یہاں عمرو بن سلمہ کا کم سنی ہی میں فرضوں میں امام ہونا ثابت ہوتا ہے مگر اسی کے ساتھ انہی کے بیان سے اس کی وجہ بھی ظاہر ہو گئی ہے کہ اسلام کے بعد یہ ایک ابتدائی واقعہ تھا۔ تفصیلی مسائل رفتہ رفتہ ہی کھلے جاتے ہیں۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے لوگوں نے جب یہ سنا کہ جس کو قرآن شریف کا زیادہ حصہ یاد ہو امامت حق اسی کا ہے اور یہاں پہنچ کر جب دیکھا تو اس معیار پر عمرو بن سلمہ ہی کو اترتے دیکھا اس لیے ان کے لیے لازم ہو گیا کہ ان کو ہی اپنا امام مقرر کریں۔ حدیثوں میں اس طرح کے بہت سے واقعات ملتے ہیں جو ابتدائی حالات میں صرف اجمالی تعلیم کے تحت ہو گئے۔ پھر بعد میں تفصیلی ہدایات کے مطابق ان کو ادا کیا گیا۔ دیکھئے کہ اس امام کے پاس اتنی چادر بھی نہ تھی جو جسم کے مختلف حرکات کے ساتھ ساتھ اس کے ستر کی حفاظت کر سکتی۔ مگر یہ بھی ایک بات تھی جو ابتداء میں ہو گئی پھر جب ستر کے مسائل معلوم ہو گئے تو آئندہ انہی کی روشنی میں امامت کا عمل بھی ہوتا رہا۔ فقہی تفصیلات کا یہ محل نہیں ہے۔

عَنْ اَنَسٍ اَنَّ رَجُلًا سَأَلَ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ غَنَمًا بَيْنَ جَبَلَيْنِ فَاَعْطَاهُ اِيَّاهُ فَاَتٰى قَوْمَهُ فَقَالَ اَيْ قَوْمِ اَسْلِمُوْا فَوَاللّٰهِ اِنَّ مُحَمَّدًا لَيُعْطِيْ عَطَاءً مَا يَخَافُ الْفَقْرَ۔ (رواہ مسلم)

انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ بیان کرتے ہیں کہ ایک شخص نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے وہ سب بکریاں مانگیں جو اس وقت دو پہاڑوں کے درمیان چر رہی تھیں، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کو وہ سب کی سب دے دیں (یہ دیکھ کر) وہ اپنی قوم کے پاس آیا اور کہنے لگا "اے میری قوم! بس اسلام قبول کر لو خدا کی قسم! محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) ایسے سخی اور عالی ہمت شخص ہیں کہ بے دریغ مال لٹاتے ہیں اور فقر کا ذرا خطرہ نہیں رکھتے۔ (مسلم شریف)

تشریح: ہر شخص کے علم میں جذبہ انسانیت کا ایک جدا معیار ہوتا ہے کسی کے مزاج پر مالی سخی اور سخاوت کا اثر پڑتا ہے تو کسی کے مزاج پر ضبط و تحمل کا اثر ہوتا ہے۔ حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی ایک روایت میں ہے جس میں ایک یہودی نے اپنے قرض کے تقاضہ میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ بار بار درشتی سے کام لیا تھا لیکن اس پر بھی جب اس نے دیکھا کہ آپ کے ضبط و تحمل میں ذرا فرق نہیں آتا تو بول اٹھا کہ میرا مقصد آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو ایذا رسانی پہنچانا نہ تھا بلکہ صرف آپ کے تحمل کا امتحان کرنا تھا اور جب اس نے اپنے معیار کے مطابق آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے نمایاں تحمل کا تجربہ کر لیا تو دوسری ساعت ہی میں حلقہ بگوش اسلام ہو گیا۔ اسی طرح کسی کا معیار اس حد پر گرا ہوا تھا کہ اس میں دشمنی کی حقیقت کے سوا علم کی ذرا سی بو بھی نہیں آتی جیسا بعض یہود نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو کھانے میں زہر دے دیا اور جب اللہ تعالیٰ نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو اس کی اطلاع دے دی تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے استفسار پر ان کو اس کا اقرار کرنا پڑا اور انہوں نے کہا ہمارا مقصد یہ تھا کہ اگر آپ سچے رسول ہوں گے تو زہر بھلا آپ کا کیا بگاڑ سکے گا ورنہ آپ سے ہماری جان چھوٹ جائے گی۔ اس بدا کج روی کا بھی کوئی علاج ہے کسی کی طبیعت پر اگر عجوبہ پرستی غالب ہوتی ہے تو وہ ایسی ہی بات رسول کی نبوت کی علامت میں دیکھنا چاہتا ہے جو اس کے نزدیک کسی انسان سے ممکن نہ ہو خواہ اس بات کا کرنا نبی کے لیے لازم ہو یا نہ ہو۔ مثلاً ایک اعرابی آیا اس کی اعجوبہ پسند فطرت کی رغبت اس طرح معلوم ہوئی کہ کھجور کا ایک خوشہ یا کھجور کا درخت آ کر آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت کی شہادت دے۔ ہاں کوئی ایسا بھی نکل آتا ہے جس کو دلائل پر غور و خوض کیے بغیر ایک ہی نظر میں کھرا کھوٹا صاف نظر آ جاتا ہے جیسا کہ عبد اللہ بن سلام جب مدینہ آئے اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے رخ انور پر نظر پڑی تو بے ساختہ بول اٹھے یہ

چہرہ تو کسی جھوٹے کا چہرہ نہیں ہو سکتا۔ (ترجمان السنہ ص ۱۹۷ ج ۲) کسی کی فطرت میں ابتدائی کوئی کمال ہوتا ہے اور وہ اپنی موٹی عقل کے مطابق اسی کو معیار بنا لیتا ہے کہ جو اس کمال میں اس کو شکست دے دے بس یہی اس کی حقانیت کی دلیل ہے۔ جیسا رکانہ پہلوان کا واقعہ بھی آپ نے پڑھا۔ ہوا اب یہ بحث کرنی کہ نبوت کے لیے یہ معیار بھی کوئی معیار بن سکتا ہے یا نہیں؟ تو طبعی فطرت پر قبل از وقت ایسا بار ڈالنا ہے جس کو وہ اس حالت میں اٹھا نہیں سکتا اس لیے رحمت حق کے لیے سبقت کر چکی ہے اس کے لیے یہ سب کچھ گوارا کر لیا جاتا ہے اور ان کی ہر معقول اور نامعقول ضد کو پورا کر کے ان کو آغوش اسلام میں زبردستی کھینچ لیا جاتا ہے۔

عَنْ اَبِیْ جُرَیٍّ جَابِرِ بْنِ سُلَیْمٍ قَالَ اَتَیْتُ الْمَدِیْنَةَ فَرَاَیْتُ رَجُلًا یَصْدُرُ النَّاسُ عَنْ رَأْیِهٖ لَا یَقُوْلُ شَیْئًا اِلَّا صَدَرُوْا عَنْهُ قُلْتُ مَنْ هٰذَا قَالُوْا رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ قَالَ قُلْتُ عَلَیْکَ السَّلَامُ یَا رَسُوْلَ اللّٰهِ مَرَّتَیْنِ قَالَ لَا تَقُلْ عَلَیْکَ السَّلَامُ عَلَیْکَ السَّلَامُ تَحِیَّةُ الْمَیِّتِ قُلِ السَّلَامُ عَلَیْکَ قُلْتُ اَنْتَ رَسُوْلُ اللّٰهِ فَقَالَ اَنَا رَسُوْلُ اللّٰهِ الَّذِیْ اِنْ اَصَابَکَ ضُرٌّ فَدَعَوْتَهٗ کَشَفَهٗ عَنْکَ وَاِنْ اَصَابَکَ عَامُ سَنَةٍ فَدَعَوْتَهٗ اَنْبَتَهَا لَکَ وَاِذَا کُنْتَ بِاَرْضٍ قَفْرٍ اَوْ فَلَاةٍ فَضَلَّتْ رَاحِلَتُکَ فَدَعَوْتَهٗ رَدَّهَا عَلَیْکَ قُلْتُ اعْهَدْ اِلَیَّ قَالَ لَا تَسُبَّنَّ اَحَدًا قَالَ فَمَا سَبَبْتُ بَعْدَهٗ حُرًّا وَلَا عَبْدًا وَلَا بَعِیْرًا وَلَا شَاةً قَالَ وَلَا تَحْقِرَنَّ شَیْئًا مِنَ الْمَعْرُوْفِ وَاَنْ تُکَلِّمَ اَخَاکَ وَاَنْتَ مُنْبَسِطٌ اِلَیْهِ وَجْهُکَ اِنَّ ذٰلِکَ مِنَ الْمَعْرُوْفِ وَارْفَعْ اِزَارَکَ اِلٰی نِصْفِ السَّاقِ فَاِنْ اَبَیْتَ فَاِلَی الْکَعْبَیْنِ وَاِیَّاکَ وَاِسْبَالَ الْاِزَارِ فَاِنَّهَا مِنَ الْمَخِیْلَةِ وَاِنَّ اللّٰهَ لَا یُحِبُّ الْمَخِیْلَةَ وَاِنِ امْرُؤٌ شَتَمَکَ وَعَیَّرَکَ بِمَا یَعْلَمُ فِیْکَ فَلَا تُعَیِّرْهُ بِمَا تَعْلَمُ فِیْهِ فَاِنَّمَا وَبَالُ ذٰلِکَ عَلَیْهِ۔ رواہ ابو داؤد وروی الترمذی منه حدیث السلام وفی روایة فیکون لک اجر ذلک ووباله علیه

جابر بن سلیم بیان کرتے ہیں کہ میں مدینہ آیا تو یہاں میں نے ایک شخص دیکھے جن کی ہر بات لوگ غور سے سنتے اور جو بات بھی وہ فرما دیتے بس لوگ اسی کو قبول کر لیتے تھے۔ میں نے پوچھا یہ کون صاحب ہیں؟ لوگوں نے کہا یہ اللہ تعالیٰ کے رسول ہیں۔ میں نے یہ سن کر آپ کو دو بار سلام کیا (اور یوں کہا) علیک السلام یا رسول اللہ آپ نے فرمایا علیک السلام مت کہا کرو یہ طریقہ (زندوں کے سلام کرنے کا نہیں) یہ تو مردوں کو سلام کرنے کا ہے۔ لہٰذا السلام علیک کہا کرو میں نے عرض کی آپ اللہ تعالیٰ کے رسول ہیں؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا میں اسی خدا کا رسول ہوں جو اگر تم کو کوئی تکلیف ہو اور تم اس سے دعا مانگو تو وہ اس کو دور فرما دے اور اگر تم قحط سالی میں مبتلا ہو اور اس سے دعا مانگو تو وہ تمہارے واسطے اس کو سرسبز و شاداب کر دے اور اگر تم کسی بیابان جنگل میں ہو اور تمہاری سواری گم ہو جائے پھر تم اس سے دعا مانگو تو وہ تمہاری سواری تم کو عطا فرما دے۔ میں نے عرض کی اچھا تو مجھے کوئی نصیحت فرمائیے؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا دیکھو! کسی کو برا بھلا نہ کہنا۔ یہ کہتے ہیں آپ کے اس فرمان کے بعد میں نے نہ تو کسی آزاد انسان کو برا کہا اور نہ غلام کو بلکہ کسی بکری اور اونٹ کو بھی برا لفظ نہیں کہا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اور دیکھنا! کسی اچھی بات کو ہرگز حقیر مت سمجھنا اور اپنے مسلمان بھائی سے کشادہ روئی سے گفتگو کرنا کیونکہ یہ بھی ایک نیک کام ہے اور دیکھنا! ٹخنوں سے کپڑا نیچے لٹکانے سے بہت احتراز کرنا کیونکہ یہ خصلت تکبر کی ہے اور اللہ تعالیٰ کو تکبر بہت ناپسندیدہ ہے اور اگر بالفرض کوئی شخص تم کو

برا بھلا کہے اور تم کو ایسے عیب کی عار دلائے جو تمہارے اندر موجود ہو تو تم یہ حرکت مت کرنا کہ جو عیب تم اس میں دیکھو تم بھی اس کو اس کی عار دلانے لگو۔ اس کا نتیجہ یہ ہوگا کہ تمہیں تو اس کا ثواب ملے گا اور اس کی اس حرکت کا وبال اسی پر پڑے گا۔ (ابوداؤد)

انبیاء علیہم السلام میں اخوت نبوت ہوتی ہے

عَنْ اَبِیْ هُرَيْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَنَا اَوْلَى النَّاسِ بِعِيْسَى ابْنِ مَرْيَمَ فِى الْاُوْلٰى وَالْاٰخِرَةِ اَلْاَنْبِيَاءُ اِخْوَةٌ مِنْ عَلَّاتٍ وَاُمَّهَاتُهُمْ شَتّٰى وَدِيْنُهُمْ وَاحِدٌ وَلَيْسَ بَيْنَنَا نَبِيٌّ۔ (متفق علیہ)

انبیاء علیہم السلام میں وہ اخوت نبوت ہوتی ہے کہ ان میں ہر ایک دوسرے کیلئے بحق احترام ہوتا ہے اور ان میں کہیں اختلاف کا نام ونشان نہیں ملتا۔

ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ روایت فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ انبیاء علیہم السلام میں حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے ساتھ سب سے قریب تر میں ہوں۔ اس دنیا میں بھی اور آخرت میں بھی سب انبیاء علیہم السلام باہم علاتی (سوتیلے) بھائیوں کی طرح ہوتے ہیں جن کا والد ایک ہوتا ہے اور مائیں مختلف۔ اسی طرح ان سب کا دین یعنی اصولی عقائد ایک ہوتے ہیں اور شریعتیں مختلف مختلف اور میرے اور عیسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام کے درمیان کوئی نبی نہیں ہے۔ (متفق علیہ)

عَنْ اَبِیْ هُرَيْرَةَ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ اِنَّ عِفْرِيْتًا مِنَ الْجِنِّ تَفَلَّتَ عَلَيَّ الْبَارِحَةَ اَوْ كَلِمَةً نَحْوَهَا لِيَقْطَعَ عَلَيَّ الصَّلٰوةَ فَاَمْكَنَنِيَ اللّٰهُ مِنْهُ وَاَرَدْتُّ اَنْ اَرْبِطَهٗ اِلٰى سَارِيَةٍ مِنْ سَوَارِى الْمَسْجِدِ حَتّٰى تُصْبِحُوْا اَوْ تَنْظُرُوْا اِلَيْهِ كُلُّكُمْ فَذَكَرْتُ قَوْلَ اَخِيْ سُلَيْمَانَ رَبِّ هَبْ لِيْ مُلْكًا لَّا يَنْبَغِيْ لِاَحَدٍ مِّنْ بَعْدِيْ قَالَ رَوْحٌ فَرَدَّهٗ خَاسِئًا۔ (رواه البخاری)

ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کرتے ہیں کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا آج کی شب ایک سرکش جن میری ایذا رسانی کے لیے چھوٹ نکلا تھا تا کہ کسی طرح میری نماز قطع کرادے مگر اللہ تعالیٰ نے اس پر مجھ کو قدرت عنایت فرما دی اور میں نے یہ ارادہ کرلیا تو کہ اس کو مسجد کے ستونوں میں سے کسی ستون کے ساتھ باندھ دوں یہاں تک کہ صبح کو تم سب کے سب اس کو آنکھوں سے دیکھ لو لیکن پھر مجھے اپنے بھائی سلیمان (علیہ السلام) کی یہ دعا یاد آگئی "پروردگار! مجھے ایسی بادشاہت عنایت فرما جو میرے بعد کسی اور کو زیبا نہ ہو۔ روح (حدیث کا ایک راوی) بیان کرتا ہے کہ (اس وجہ سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے ارادہ کو ترک کردیا) اور اس کے مقصد میں اس کو ناکام واپس کردیا۔ (بخاری شریف)

تشریح۔ حافظ ابن تیمیہ رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں کہ ہر نبی جس طرح دوسرے نبی کی نبوت کا مصدق ہوتا ہے اسی طرح وہ اس کے معجزات کا بھی مصدق ہوتا ہے اور ان کا بھی پورا پورا احترام کرتا ہے۔ یہ بھی ثابت نہیں ہوا کہ کسی نبی نے دوسرے نبی کے مقابلہ پر کوئی معجزہ دکھلایا ہو۔ اس کا مطلب یہ نہیں ہے کہ جو معجزہ ایک نبی کا ہو وہ دوسرے کا نہیں ہوسکتا بلکہ ایک ہی جنس کا معجزہ متعدد نبیوں کا بھی ہوسکتا ہے۔ جیسا کہ احیاء موتیٰ گو مشہور یہ ہے کہ یہ معجزہ صرف حضرت عیسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام کا تھا۔ حافظ ابن تیمیہ رحمۃ اللہ علیہ نے لکھا ہے کہ یہی معجزہ حضرت موسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام سے بھی ظاہر ہوا ہے۔ (کتاب النبوت ص ۱۱۲) لیکن یہاں ہر ایک کا معجزہ جس طرح

خود اس کی نبوت کی دلیل بنتا ہے اسی طرح گزشتہ نبی کی صداقت کی بھی دلیل ہوتا ہے۔ اس کے برخلاف کاہنوں اور ساحروں کی جماعت ہے یہاں ہمیشہ ایک ساحر دوسرے ساحر کی کاٹ پر نظر آتا ہے اور اس فکر میں لگا رہتا ہے کہ دوسرے کا عمل باطل کر دے۔

سبحان اللہ اب آپ حدیث مذکور میں ذرا اخوت نبوت کی اس پاسداری کو بھی ملاحظہ کیجئے کہ جس خاص تسخیر کے متعلق ایک پیغمبر کی زبان سے یہ دعا نکل چکی تھی "پروردگارا مجھے وہ بادشاہت دے جو میرے بعد کسی دوسرے کو نہ ملے" دوسرا پیغمبر اس کا کتنا احترام ملحوظ رکھتا ہے کہ مذکورہ بالا واقعہ میں اقتدار حاصل ہو جانے کے باوجود اس کو صرف اس لیے نافذ نہیں کرتا کہ کہیں اس میں دوسرے پیغمبر کی دعاء کے خلاف کا ادنیٰ سا شائبہ پیدا نہ ہو جائے۔ حریفانہ ہمسری سے اتنا احتراز اور اخوت نبوت کا اس درجہ احترام بھی نبوت کا ایک اعجاز سمجھنا چاہیے۔ کیا آپ کسی بڑی سے بڑی جماعت میں بلا استثناء اس احترام کی مثال دنیا کی کسی دوسری جماعت میں پا سکتے ہیں۔

حافظ ابن تیمیہ رحمۃ اللہ علیہ تحریر فرماتے ہیں کہ حق تعالیٰ نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو تسخیر جنات سے بڑھ کر ایک اور نعمت عطا فرمائی تھی اور وہ جنات کے لیے آپ کی بعثت تھی اس لیے آپ کا عام پیغمبرانہ سلوک ان کے ساتھ بھی وہی تھا جو نوع انسانی کے ساتھ تھا، دونوں مخلوق کو آپ نے خدا تعالیٰ کی اطاعت کی دعوت دی ہے۔ اور سلطانہ تصرف سے ہر جگہ احترام فرمایا ہے۔ ظاہر ہے کہ سلطانہ تسخیر سے دعوت الی الحق کہیں افضل ہے۔ (کتاب النبوات ص ۱۲۶)

حافظ سیوطی رحمۃ اللہ علیہ نے بھی الخصائص الکبریٰ میں اس کو ذکر کیا ہے۔ ہمارے نزدیک جس رسول اعظم نے اپنی پسند سے شان عبدیت اختیار فرمائی تھی اس کی غیرت نے یہ گوارا نہ کیا کہ اب کوئی عمل بھی اس سے ایسا سرزد ہو جو عہد سلیمانی کے دور شاہانہ سے ملتا جلتا رہے یہ نکتہ بھی ہو سکتا ہے۔ (ترجمان السنہ ص ۲۷ ج ۲ حدیث ۱۷)

شیخ عبدالوہاب شعرانی لکھتے ہیں کہ شیطان چونکہ یہ جانتا تھا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے قلب مبارک میں وسوسہ اندازی سے عاجز ہے اس لیے اس نے یہ سعی کی کہ کسی صورت آپ کی نماز ہی میں خلل انداز ہو جائے اور آپ کو قتل کثیر کے لیے مجبور کر دے مگر حق تعالیٰ کے فضل سے اس کو اس پر بھی قدرت نہ ہو سکی آخر کار مایوس ہو کر پھٹکارا ہوا واپس ہو گیا۔ (الیواقیت والجواہر ص ۳ ج ۲)

مصنف عبدالرزاق میں ہے کہ یہ شیطان بلی کی شکل پر آیا تھا۔ عالم روحانیات میں صورت کی تبدیلی ممکن ہے اگر کہیں انسان میں اس کی مخصوص روحیت حاصل ہو جاتی تو وہ بھی اپنی صورت بدل سکتا۔ انجیل میں حضرت عیسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام کی شکل کی تبدیلی کا ذکر بہت سے مواقع میں آیا ہے۔ شاید یہ بھی ان کے "روح اللہ" لقب کے اثرات میں سے ہوگا۔ بہرحال اس بناء پر آپ کا اس کو پکڑ کر ستون سے باندھنا اور بچوں کا اس کو دیکھنا غیر مستبعد نہیں، روحانیات کے جاننے والے جانتے ہیں کہ اگر کوئی صاحب ہمت اپنی قوت ہمت سے کسی روح کو کسی جسم میں مقید کر دے تو پھر وہ اس کو بدل نہیں سکتا اور اسی میں محبوس ہو کر رہ جاتا ہے۔ (ترجمان السنہ جلد ۲) حضرت موسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام کا فرشتہ کے تھپڑ مارنا اور اس کی آنکھ پھوٹ جانا بھی اسی کی نظیر سمجھنا چاہیے اگر وہاں بھی فرشتہ اپنی اصل صورت میں آتا تو خدا تعالیٰ کا مقدس رسول نہ اس کے تھپڑ مارتا اور نہ اس کی آنکھ پھوٹتی۔ یہ سب بشری صورت میں آنے کے کرشمے تھے۔

حضرت شاہ ولی اللہ کا تاریخی واقعہ مشہور ہے کہ ایک مرتبہ دہلی میں مسجد کے اندر بیٹھے ہوئے کچھ تحریر فرما رہے تھے پاس قلمدان رکھا ہوا تھا۔ ایک بار نظر اٹھی تو کیا دیکھتے ہیں کہ چھوٹا سا سانپ سامنے موجود ہے۔ آپ نے اپنے اسی انہماک کی حالت

میں قلمدان سے چاقو نکال کر اس کے دو ٹکڑے کر دیے اور پھر بدستور لکھنے میں مصروف ہو گئے۔ تھوڑی دیر میں نظر اٹھی تو اس سانپ کو وہاں نہ پایا اور ایک سپاہی مسجد کے دروازے پر کھڑا ہوا نظر پڑا۔ اس نے کہا بادشاہ سلامت آپ کو بلاتے ہیں۔ یہ خادم الدین اس کے ساتھ ہو لیے۔ جب اس نے جنگل کا رخ کیا تو ان کو کچھ شبہ گزرا۔ یہاں تک کہ اس نے ایک غار میں داخل ہونے کے لیے ان سے کہا۔ اب یہ سمجھ گئے کہ معاملہ کچھ اور ہے۔ کچھ دور چل کر ان کو شاہی عدالت نظر آئی جہاں ایک شخص مقتول پڑا تھا۔ مدعی نے دعویٰ کیا کہ ان کا قاتل یہ انسان ہے۔ انہوں نے انکار فرمایا۔ بالآخر بادشاہ سے جو دو سفید ریش شخص اس کی دائیں بائیں طرف بیٹھے تھے ان کو دیکھا تو ان میں سے ایک صاحب نے ایک حدیث پڑھی جس کا خلاصہ یہ تھا کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے خود سنا ہے کہ آپ نے فرمایا ہے جو اپنی صورت بدلے اس کو قتل کر دو۔ اس جن نے چونکہ اپنی صورت بدل کر سانپ کی شکل اختیار کر لی تھی لہٰذا بموجب حدیث مذکور اس کے قاتل پر قصاص واجب نہیں ہوتا۔ شاہ ولی اللہ نے ان کی زبانی یہ کلمات سن کر پوچھا آپ نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو کیسے پایا۔ انہوں نے جواب دیا ہم جن ہیں اور ہماری عمریں اتنی طویل ہوا کرتی ہیں۔ بہر حال جب جن سانپ کی شکل میں آ کر مقتول ہو سکتا ہے اور فرشتہ کی آنکھ انسانی قالب میں آ کر پھوٹ سکتی ہے تو پھر کوئی جن بلی کی شکل میں آنے کے بعد باندھا ہوا بھی آ سکتا ہے۔ اپنی ذہنی کمی میں حقائق کا صرف استہزاء کرنا ظلم ہے۔

عَنْ اَبِی الدَّرْدَاءِ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كَانَ مِنْ دُعَاءِ دَاوٗدَ يَقُوْلُ اَللّٰهُمَّ اِنِّیْ اَسْأَلُكَ حُبَّكَ وَحُبَّ مَنْ يُّحِبُّكَ وَالْعَمَلَ الَّذِیْ يُبَلِّغُنِیْ حُبَّكَ اَللّٰهُمَّ اجْعَلْ حُبَّكَ اَحَبَّ اِلَیَّ مِنْ نَّفْسِیْ وَمَالِیْ وَاَهْلِیْ وَمِنَ الْمَاءِ الْبَارِدِ قَالَ وَكَانَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اِذَا ذَكَرَ دَاوٗدَ يُحَدِّثُ عَنْهُ يَقُوْلُ كَانَ اَعْبَدَ الْبَشَرِ. (رواه الترمذي وقال هذا حديث حسن غريب)

ابوالدرداء بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا حضرت داؤد علیہ السلام ایک دعا یہ بھی فرمایا کرتے تھے۔ الٰہی! میں تیری محبت مانگتا ہوں اور اس شخص کی محبت جو تجھ سے محبت رکھے اور وہ نیک عمل جو تیری محبت پیدا کر دے۔ الٰہی! میرے دل میں اپنی محبت میری جان و مال، میرے گھر بار اور ٹھنڈے پانی سے بھی زیادہ پیدا فرما دے اور یہ بھی بیان کرتے تھے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جب بھی حضرت داؤد علیہ السلام کا تذکرہ فرماتے تو یہ بھی فرمایا کرتے تھے ''وہ بہت بڑے عبادت گزار بشر تھے۔'' (ترمذی شریف)

تشریح۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ان کلمات سے کچھ یہ اندازہ لگانا چاہیے کہ انبیاء علیہم السلام کے قلوب میں حب خداوندی کی آگ کس درجہ بھڑکی ہوئی تھی مگر محبت کا کمال ہے کہ اگر اس کے شرارے سر فلک بھی پہنچ رہے ہوں جب بھی ایک محب کی تمنا یہی ہوا کرتی ہے کہ آتش محبت اور زیادہ بھڑکے۔

بشری محبت یہ ہے کہ اس کا قدم جتنا محبت الٰہی کی طرف اٹھتا چلا جائے اتنا ہی وہ اس کی عبادت میں تیز گام ہوتا چلا جائے۔ اسی لیے ابوالدرداء رضی اللہ تعالیٰ عنہ یہاں وہ کلمات بھی نقل فرماتے ہیں جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اپنے برادر نبوت حضرت داؤد علیہ السلام کی عبادت کی شان میں فرمایا کرتے تھے چونکہ خود عبدیت کا سب سے کامل مظہر تھے اس لیے آپ کی نظروں میں اپنے بھائی داؤد علیہ السلام کی جو ادا سب سے زیادہ پیاری معلوم ہوتی وہ ان کی عبادت ہی تھی پھر آپ کی عبدیت کا دوسرا کمال یہ

تھا کہ جب ان کی عبودیت کا ذکر فرماتے تو اس طرح فرماتے گویا وہ اپنی نظیر خود ہی تھے۔ قرآن کریم سے معلوم ہوتا ہے کہ انبیاء علیہم السلام کی جماعت میں اپنی شکر گزاری کے لیے حضرت داؤد علیہ السلام کو حق تعالیٰ نے خاص طور پر خطاب فرمایا تھا اس لیے انہوں نے بھی عبادت الٰہی کا ایک ایسا نظام قائم فرمایا تھا کہ شب و روز میں کوئی ساعت بھی ایسی نہ تھی جس میں کہ ان کے گھرانے کا کوئی نہ کوئی فرد ان کے عبادت خانہ میں عبادت کرتا ہوا نہ ملتا ہو۔ ارشاد ہے: "اعملوا آل داؤد شکرا"

اس لیے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے جب کبھی اپنے ان برادر نبوت کا تذکرہ آ جاتا تو آپ ان کی شان عبودیت کی توصیف میں بے ساختہ رطب اللسان ہو جاتے یہ کون ہیں؟ وہ کہ جن کی عبادت کی فرشتوں میں بھی دھوم مچی ہوئی تھی حتیٰ کہ خود معبود حقیقی نے جو لقب جہانوں کی ان کو عطا فرمایا تھا وہ بھی عبداللہ کا لقب تھا۔ سورۂ بنی اسرائیل میں جب آپ کا تذکرہ فرمایا تو اسی لقب سے "سبحان الذی اسری بعبدہ لیلا" اور سورۂ والنجم میں جب آسمانوں پر آپ کے ساتھ راز و نیاز کا ذکر کیا تو بھی اسی لقب سے "فاوحی الی عبدہ ما اوحی" یہ ہے اخوت نبوت کہ عبودیت کے اس کمال تک پہنچنے کے بعد بھی اپنی عبادت کا ایک حرف زبان پر نہیں آتا اور حق کی مدح ان کی زبان پر آتی ہے وہ اپنے ایک برادر نبوت کی ہے۔

عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ نَحْنُ أَحَقُّ بِالشَّكِّ مِنْ إِبْرَاهِيمَ إِذْ قَالَ رَبِّ أَرِنِي كَيْفَ تُحْيِي الْمَوْتَى وَيَرْحَمُ اللَّهُ لُوطًا لَقَدْ كَانَ يَأْوِي إِلَى رُكْنٍ شَدِيدٍ وَلَوْ لَبِثْتُ فِي السِّجْنِ طُولَ مَا لَبِثَ يُوسُفُ لَأَجَبْتُ الدَّاعِيَ (متفق علیه ترجمان السنه ج ۳ ص ۲۶)

ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا حضرت ابراہیم علیہ السلام سے زیادہ شک کرنے کے مستحق ہم ہوتے (اگر یہ سوال انہوں نے از راہ شک کیا ہوتا) جبکہ عرض کیا تھا میرے پروردگار! مجھے دکھا دے تو مردہ کو کیسے زندہ کرتا ہے؟ خدا تعالیٰ لوط علیہ السلام پر رحمت نازل فرمائے وہ کسی مضبوط سہارے کی پناہ ڈھونڈ رہے تھے۔ اگر کہیں میں حضرت یوسف علیہ السلام کی برابر مدت تک جیل خانہ میں قید رہتا اس کے بعد بادشاہ کی طرف سے میرے بلانے کیلئے کوئی شخص آتا تو میں اس کے ساتھ ہو لیتا۔ (متفق علیہ)

انبیاء علیہم السلام سب بشر اور اللہ تعالیٰ کے برگزیدہ بندے تھے

عَنْ عَبْدِ اللَّهِ بْنِ مَسْعُودٍ أَنَّ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ صَلَّى الظُّهْرَ خَمْسًا فَقِيلَ لَهُ أَزِيدَ فِي الصَّلَاةِ فَقَالَ وَمَا ذَاكَ قَالُوا صَلَّيْتَ خَمْسًا فَسَجَدَ سَجْدَتَيْنِ بَعْدَمَا سَلَّمَ وَفِي رِوَايَةٍ قَالَ إِنَّمَا أَنَا بَشَرٌ مِثْلُكُمْ أَنْسَى كَمَا تَنْسَوْنَ فَإِذَا نَسِيتُ فَذَكِّرُونِي وَإِذَا شَكَّ أَحَدُكُمْ فِي صَلَاتِهِ فَلْيَتَحَرَّ الصَّوَابَ فَلْيُتِمَّ عَلَيْهِ ثُمَّ لِيُسَلِّمْ ثُمَّ لِيَسْجُدْ سَجْدَتَيْنِ. (متفق علیه)

عبداللہ بن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ ایک مرتبہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے سہواً ظہر کی پانچ رکعتیں ادا فرمائیں تو آپ سے عرض کیا گیا ظہر کی نماز کی رکعتیں کیا بڑھا دی گئی ہیں؟ آپ نے فرمایا کیا ہوا؟ انہوں نے عرض کیا

آج آپ نے پانچ رکعتیں ادا فرمائی ہیں یہ سن کر آپ نے سلام کے بعد سہو کے لیے دو سجدے کیے اور ایک روایت میں ہے کہ یہ فرمایا میں بھی ایک بشر ہوں جیسے تم بشر ہو اور بھول بھی جاتا ہوں جیسے تم بھول جاتے ہو اس لئے جب میں بھولا کروں تو مجھے یاد دلا دیا کرو اور ایک مسئلہ یاد رکھو کہ جب تم کو نماز میں شک پیش آ جائے تو پہلے کسی ٹھیک بات پر اپنی رائے جمانے کی کوشش کرو پھر اسی کے مطابق اپنی نماز پوری کرلو پھر سلام پھیر کر سہو کے دو سجدے کرلیا کرو۔ (متفق علیہ)

عَنْ عَائِشَةَ قَالَتْ كَانَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَخْصِفُ نَعْلَهُ وَيَخِيطُ ثَوْبَهُ وَيَعْمَلُ كَمَا يَعْمَلُ أَحَدُكُمْ فِي بَيْتِهِ وَقَالَتْ كَانَ بَشَرًا مِنَ الْبَشَرِ يَفْلِي ثَوْبَهُ وَيَحْلُبُ شَاتَهُ وَيَخْدِمُ نَفْسَهُ. (رواہ الترمذی)

حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے روایت ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اپنے چپل کو تو درست فرمالیا کرتے اپنے کپڑے خود ہی سی لیتے اور اپنے گھر میں اسی طرح سب کام کاج کرلیا کرتے تھے جیسے تم سب لوگ کرلیتے ہو اور فرماتی تھیں آپ بھی ایک بشر ہی تھے اپنے کپڑوں کی جوئیں تلاش کرلیتے اپنی بکری کا دودھ نکال لیتے اور اپنی ضروریات کو خود انجام دے لیتے۔ (ترمذی شریف)

تشریح۔ یہ بات بڑی اہمیت کے ساتھ یاد رکھنی چاہیے کہ ہر انسان کی بیرونی اور اندرونی زندگی میں کچھ نہ کچھ فرق ضرور ہوتا ہے خواہ وہ کتنا ہی بلند انسان کیوں نہ ہو بلکہ اس کی اندرونی زندگی میں ایک نہ ایک گوشہ ضرور ایسا ہوتا ہے جو خود اس کی نظروں میں بھی اس کی کمزوری کا ثبوت ہوتا ہے اسی لیے وہ یہ پسند نہیں کرتا کہ اس کی اندرونی زندگی کا ہر ہر گوشہ باہر آ جائے لیکن انبیاء علیہم السلام کی شان بشریت بھی عجیب در عجیب ہوتی ہے ان کی ان دونوں حالتوں میں ذرا فرق نہیں ہوتا بلکہ ان کی اندرونی زندگی بھی اسی طرح شریعت کا ایک جزء ہوتی ہے جیسا کہ بیرونی زندگی اور اسی مقصد کے پیش نظر ازواج کی کثرت ان کے حق میں نہ صرف جائز بلکہ مستحسن ہوتی ہے انسانی معیشت کی خوبی یہ ہے کہ انسان کو اپنے گھر کے کسی کام سے بھی عار نہ ہو وہ ایک طرف گھر کا آقا بھی ہو اور دوسری طرف اپنی ہر ضرورت کو بے تکلف خود بھی انجام دے لیتا ہو جو تین کام یہاں حدیث میں مذکور ہیں۔ گو یہ بہت معمولی سے ہیں مگر انسان کی نفسی بشریت کے ثبوت کے لیے بہت اہم ہیں صرف صورت کے بشر تو بہت ہوتے ہیں لیکن جو سیرت میں بھی بشر ہوں وہ کم ہیں۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے یہ معمولی اعمال آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی بشریت کی تکمیل کے لیے نہ تھے بلکہ جس کامل بشریت کے آپ مالک تھے ان کے طبعی آثار تھے۔

حدیث مذکور سے یہ بھی معلوم ہوا کہ رسولوں کا کمال یہ نہیں ہوتا کہ وہ راہبوں کی طرح ایک راہب بن جائیں بلکہ ان کے دنیوی مشاغل بھی ان کی عبادت ہی کی ایک دوسری شکل ہوتے ہیں۔ اگر رسول بشر نہ ہوتے تو ان کی عبادت بھی فرشتوں کی طرح صرف تسبیح و تقدیس میں منحصر ہو کر رہ جاتی لیکن چونکہ وہ بشر ہوتے ہیں اس لیے ان کی عبادت کی ایک مستقل نوع وہ ہے جس سے خداتعالیٰ کے مقدس فرشتے یکسر ناآشنا ہیں یعنی خداتعالیٰ کی پیدا کردہ مخلوق سے تمتع حاصل کرنا مگر شرعی حدود میں رہ کر پیٹ بھر لینا اور اسی طرح جملہ طبعی حاجات پوری کرلینا تو ایک عام بات ہے لیکن کس طریق پر ان کو نباہ کرنا اور کس حد تک پورا کرنا حرام طریقوں سے اعراض کرنا اور اپنی حدود سے تجاوز نہ کرنا یہ ضعیف اور محتاج بشر کی وہ عبادت ہے جس کا مقابلہ فرشتوں کی تسبیح و تقدیس نہیں کرسکتی۔ حدیث مذکور کا خلاصہ یہ ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم صرف صورت کے بشر نہ تھے بلکہ سیرت کے بھی بشر تھے۔

عَنْ خَارِجَةَ بْنِ زَيْدِ بْنِ ثَابِتٍ قَالَ دَخَلَ نَفَرٌ عَلٰى زَيْدِ بْنِ ثَابِتٍ فَقَالُوْا لَهٗ حَدِّثْنَا اَحَادِيْثَ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ كُنْتُ جَارَهٗ فَكَانَ اِذَا نَزَلَ عَلَيْهِ الْوَحْيُ بَعَثَ اِلَيَّ فَكَتَبْتُهٗ لَهٗ فَكَانَ اِذَا ذَكَرْنَا الدُّنْيَا ذَكَرَهَا مَعَنَا وَاِذَا ذَكَرْنَا الْاٰخِرَةَ ذَكَرَهَا مَعَنَا وَاِذَا ذَكَرْنَا الطَّعَامَ ذَكَرَهٗ مَعَنَا فَكُلُّ هٰذَا اُحَدِّثُكُمْ عَنْ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ۔ (رواہ الترمذی)

خارجہ روایت کرتے ہیں کہ چند لوگ ان کے والد حضرت زید کی خدمت میں حاضر ہوئے اور عرض کی ہمیں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی کچھ باتیں سنا دیجئے انہوں نے فرمایا میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا پڑوسی تھا جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم پر وحی آتی تو آپ مجھے بلا بھیجتے میں جا کر لکھ دیتا تھا اور جب ہم دنیا کا ذکر کرتے تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم بھی ہمارے ساتھ اس میں شریک ہو جاتے اور جب ہم آخرت کا ذکر کرتے تو آپ بھی ہمارے ساتھ آخرت کا ذکر فرمانے لگے۔ پھر جب ہم کھانے پینے کا تذکرہ کرتے تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم اس میں بھی شریک رہتے۔ یہ ساری باتیں میں تم سے آپ ہی کی باتیں بیان کر رہا ہوں۔ (ترمذی شریف)

تشریح۔ اوپر کے نوٹ میں یہ بات واضح کی جا چکی ہے کہ دنیا کی معمولی باتوں میں شرکت کرنا بھی رسولوں کا ایک کمال ہے اور ایسا کمال ہے جس کی ہر بشر کو ضرورت ہے۔ زید بن ثابت نے اس سارے بیان میں یہ بتا دیا کہ رسول اعظم (صلی اللہ علیہ وسلم) کی باتیں سننے کے لیے تم کو کہیں دور جانے کی ضرورت نہیں۔ تم اگر چاہو تو اپنے روز مرہ کے معمولی امور میں رسول اقدس (صلی اللہ علیہ وسلم) کی یاد تازہ کر سکتے ہو۔ اگر حضرت زید رضی اللہ تعالیٰ عنہ چاہتے تو یہاں آپ کی عبادات کا دفتر کھول کر رکھ دیتے مگر ان کو اسی نکتہ پر متنبہ کرنا تھا کہ رسالت کی شان ترک دنیا نہیں ہوتی وہ دوسرے انسانوں کے ساتھ ان کی دنیا میں بھی شریک ہوتے ہیں اور اسی ضمن میں دنیا کو دین بنا دینے کی خو ان میں پیدا کر دیتے ہیں ان کی دنیا ان کی آخرت سے کسی جگہ بھی علیحدہ نہیں ہوتی اور جب کسی کی دنیا آخرت سے علیحدہ ہونے لگتی ہے تو وہیں وہ سختی کے ساتھ ٹوک دیتے ہیں۔

عَنِ الْاَسْوَدِ قَالَ سَاَلْتُ عَائِشَةَ مَا كَانَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَصْنَعُ فِيْ بَيْتِهٖ قَالَتْ كَانَ يَكُوْنُ فِيْ مِهْنَةِ اَهْلِهٖ تَعْنِيْ خِدْمَةَ اَهْلِهٖ فَاِذَا حَضَرَتِ الصَّلٰوةُ خَرَجَ اِلَى الصَّلٰوةِ۔ (رواہ البخاری)

اسود رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ میں نے حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے پوچھا آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اپنے گھر میں آ کر کیا کیا کرتے تھے؟ فرمایا اپنے اہل خانہ کی ضروریات پوری فرماتے تھے مگر جہاں نماز کا وقت آتا بس اسی وقت نماز کے لیے تشریف لے جاتے۔ (بخاری شریف)

تشریح۔ بس بشر کی یہی وہ دنیا ہے جس کو عبادت بھی کہا جاتا ہے۔ گھر کا کاروبار کرنا کچھ مشکل نہیں مگر اس کاروبار کو چھوڑ کر خدائی عبادت کے لیے طبعی حاجات کی طرح بے تکلف چل پڑنا بہت مشکل ہے عبد کامل وہ ہے جو بندوں کے حقوق بھی ادا کرے اور اپنے مولیٰ کے حقوق بھی اور جب دونوں میں معارضہ آ پڑے تو مولیٰ حقیقی کا حکم اس طرح بجا لائے گویا اب اس کے سامنے کوئی دوسرا کام ہی نہ تھا۔ جس رسول اعظم کی تمام زندگی میں دنیا کے حقوق کی اس طرح ادائیگی اور آخرت کے فرائض کی یہ ترجیح ایک غیر متبدل دستور العمل نظر آتا ہو کیا اس کے کمال میں بھی کسی شک وشبہ کی گنجائش ہے۔

عَنْ اَبِیْ هُرَيْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَوْ دُعِيْتُ اِلٰى كُرَاعٍ لَاَجَبْتُ وَلَوْ اُهْدِيَ اِلَيَّ ذِرَاعٌ لَقَبِلْتُ. (رواه البخاري و ترجمان السنة ص ۲۷۵ ج ۲ والاحمد)

ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ اگر ذرا سے گوشت پر دعوت دی جائے تو میں اس کو بھی قبول کروں گا اور اگر میرے سامنے بکری کی ایک دست کا بھی ہدیہ پیش کیا جائے تو میں اس کو بھی قبول کروں گا۔ (رواہ البخاری)

تشریح۔ یہ وہ ہیں جنہوں نے وادی میں بھری ہوئی بکریاں لوگوں کو تقسیم کر دی ہیں اور خود دوسروں کے ذرا سے گوشت کی دعوت یا معمولی گوشت کے ٹکڑے کا ہدیہ قبول کرنے میں ذرا عار نہیں رکھتے۔ عبدیت معمولی دعویٰ نہیں اس کا امتحان زندگی کے ہر ہر گوشہ میں ہوتا ہے۔ انسانی ضعف کے نازک مقامات اس کی حیات کے شاندار واقعات نہیں بلکہ روزمرہ کے معمولی واقعات ہیں جہاں اس کو یہ وسوسہ بھی نہیں گزرتا کہ میرے امتحان کے یہ بھی کوئی محل ہو سکتے ہیں۔

عَنْ اَبِیْ حَازِمٍ اَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كَلَّمَ رَجُلًا فَاُرْعِدَ فَقَالَ لَهٗ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ هَوِّنْ عَلَيْكَ فَاِنِّيْ لَسْتُ بِمَلِكٍ اِنَّمَا اَنَا ابْنُ امْرَاَةٍ مِنْ قُرَيْشٍ كَانَتْ تَاْكُلُ الْقَدِيْدَ. (رواه ابن الجوزی)

ابو حازم روایت فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک شخص سے کچھ بات کی تو وہ مارے خوف کے کانپنے لگا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، میاں گھبراؤ مت میں کوئی بادشاہ تو نہیں، میں تو ایک قریشی عورت کا لڑکا ہوں جو سوکھا ہوا گوشت بھی کھا لیا کرتی تھی۔ (ابن جوزی)

تشریح۔ بادشاہوں کے درباروں میں مخاطبوں پر جو رعب پڑتا ہے وہ ان کی شاہانہ سطوت و شوکت کا اثر ہوتا ہے اور یہاں اس مجالس سادگی میں جو رعب تھا وہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی کمال عبدیت کا اثر تھا۔ جب عبدیت کامل ہو جاتی ہے تو اس کا رعب صرف عام انسانوں ہی تک محدود نہیں رہتا وہ بادشاہوں پر بھی پڑتا ہے بلکہ حیوانات پر بھی اس کا اثر پہنچتا ہے۔

عَنْ اَنَسٍ قَالَ كَانَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَرْكَبُ الْحِمَارَ وَيَلْبَسُ الصُّوْفَ وَيُجِيْبُ دَعْوَةَ الْمَمْلُوْكِ وَلَقَدْ رَاَيْتُهٗ يَوْمَ خَيْبَرَ عَلٰى حِمَارٍ خِطَامُهٗ لِيْفٌ. (رواه ابو داؤد الطيالسی)

انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ روایت فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم گدھے پر بھی سوار ہو جاتے صوف کا بنا ہوا کپڑا بھی پہن لیتے اور غلام کی دعوت بھی قبول فرما لیتے۔ جنگ خیبر میں میں نے آپ کو ایک گدھے پر سوار دیکھا جس کی باگ کھجور کی چھال کی بنی ہوئی تھی۔ (ابو داؤد طیالسی)

تشریح۔ اللہ تعالیٰ جب کسی کی بشریت میں کمال عطا فرما دیتا ہے تو اس کی نظر لباس اور سواری جیسی معمولی اشیاء سے بلند فرما دیتا ہے وہ وقت و حاجت اور اپنے ملک کے رسم و رواج کے مطابق ہر جائز چیز کے استعمال میں کوئی عار محسوس نہیں کرتا وہ اس پر یقین رکھتا ہے کہ اگر بشریت کا کمال حاصل ہے تو لباس یا سواری کی کمتری سے وہ کمتر نہیں ہو سکتا اور اگر وہ بشریت کے کمال سے محروم ہے تو صرف لباس یا سواری کی برتری سے برتر نہیں ہو سکتا۔ صدر ہر جا کہ نشیند صدر است۔ نہ ملک کی مروج اشیاء کے استعمال سے پرہیز کرنا کمال ہے اور نہ ان کی ترقیات سے فائدہ نہ اٹھانا کمال ہے۔ بشر ہونا ضرور ایک کمال ہے مگر بشر کا سارا کمال عبدیت کے ساتھ ہے۔

شَنَّةٍ وَإِلَّا كَرَعْنَا فَقَالَ عِنْدِي مَاءٌ بَاتَ فِي شَنٍّ فَانْطَلَقَ إِلَى الْعَرِيشِ فَسَكَبَ فِي قَدَحٍ مَاءً ثُمَّ حَلَبَ عَلَيْهِ مِنْ دَاجِنٍ فَشَرِبَ النَّبِيُّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ ثُمَّ أَعَادَ فَشَرِبَ الرَّجُلُ الَّذِي جَاءَ مَعَهُ. (رواه البخاری)

جابر رضی اللہ تعالیٰ عنہ روایت کرتے ہیں کہ ایک مرتبہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ایک انصاری صحابی کے یہاں تشریف لے گئے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے ہمراہ ایک صحابی اور تھے آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے سلام کیا اس انصاری نے جواب دیا۔ اس وقت وہ اپنے باغ کو پانی دے رہا تھا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا میاں اگر کسی پرانی مشک میں باسی پانی موجود ہو تو لے آؤ ورنہ ہم منہ لگا کر ہی پانی پی لیں گے۔ اس نے عرض کیا میرے گھر میں پرانی مشک کا باسی پانی موجود ہے۔ یہ کہہ کر وہ اپنے مکان میں گیا اور ایک پیالہ میں پانی نکال کر اس پر گھر کی پلی ہوئی بکری کا تھوڑا سا دودھ دوہا گویا لسی تیار کی۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کو نوش فرمایا۔ اس کے بعد وہ پھر گیا اور پھر لسی بنا کر لایا اور جو شخص آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے ہمراہ آئے تھے وہ انہوں نے پی۔ (بخاری شریف)

تشریح۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی شان تواضع اور اظہار عبدیت کا یہ نقشہ بھی قابل یادداشت ہے کہ اتنی نزاکت و نفاست مزاج کے باوجود جب آپ ایک کسان کے کھیت پر تشریف لاتے ہیں تو یوں معلوم ہوتا ہے کہ اب آپ صلی اللہ علیہ وسلم بھی شاید ان ہی جیسے ایک عام انسان ہیں جنہوں نے پانی پینے کے آداب کا ایک پورا باب سکھایا ہو۔ آج وہ اس کسان پر باریک آداب کا بوجھ نہیں ڈالتے بلکہ بڑی سادگی سے فرما دیتے ہیں کہ یہاں اگر باسی پانی نہ مل سکے تو ہم تازہ ہی پی لیں گے اور اگر تمہارے پاس برتن میسر نہ ہو تو ہمیں عام عرب کے دستور کے مطابق منہ لگا کر پانی پی لینے میں بھی کوئی عار نہیں ہے مگر جس کے قلب میں حلاوت ایمان رچ چکی تھی وہ اپنے اس سارے جہان سے معزز مہمان کے لیے وہ تکلف کر کے لایا جو ایک مہذب سے مہذب انسان اس موقع پر کر کے لا سکتا تھا اور ادھر یہاں چونکہ دوسرے کی مہمانی تھی اس لیے پہلے آپ نے خود پانی نوش فرمایا پھر اپنے رفیق کو دیا لیکن جہاں آپ خود میزبان کی حیثیت میں ہوتے وہاں پہلے دوسروں کی خاطر فرماتے اور اپنے نفس کو سب کے آخر میں رکھتے کہاں تو یہ شان عبدیت اور کہاں لوگوں کے خیالات خام۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے بشری لوازم

عَنْ أَبِي طَلْحَةَ قَالَ شَكَوْنَا إِلَى رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ الْجُوعَ فَرَفَعْنَا عَنْ بُطُونِنَا عَنْ حَجَرٍ حَجَرٍ فَرَفَعَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَنْ بَطْنِهِ عَنْ حَجَرَيْنِ. (رواہ الترمذی)

ابوطلحہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ بیان کرتے ہیں کہ ہم نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے غزوہ خندق میں شدت بھوک کی شکایت کی اور اپنے اپنے پیٹ کھول کر دکھائے کہ ان پر ایک ایک پتھر بندھا ہوا ہے۔ اس پر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنا پیٹ جو کھولا تو اس پر دو پتھر بندھے ہوئے تھے۔ (بخاری شریف)

تشریح۔ شکم سیری اور بھوک بھی انسان کی ضعیف زندگی کا ایک جزو ہیں۔ رسول اس سنت سے بھی مستثنیٰ نہیں ہوتے بلکہ جس طرح ان کی بیماری دوسروں سے شدید تر ہوتی ہے اسی طرح یہ اسباب بھی وہ دوسروں سے پیش پیش نظر آتے ہیں بھوک میں عام طور پر پیٹ میں ایک خاص قسم کی حرارت پیدا ہو جاتی ہے پتھر باندھنے سے کچھ تو اس کی خنکی سے سکون مل جاتا ہے اور کچھ پیٹ کا خلا

پر ہو جاتا ہے اور اس طرح بھوک میں کچھ فائدہ مند ہوتا ہے۔ بہرحال بھوک میں پیٹ سے پتھر باندھنے کا محاورہ اردو میں بھی مستعمل ہے۔ اس شدت کی حالت میں جب صحابہؓ نے مضطرب ہو کر اپنی تکلیف اپنے سب سے شفیق و مہربان رسول کے سامنے پیش کی تو معلوم ہوا کہ ان کا رسول دوہری تکلیف میں ان کا شریک تھا۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو بچھو نے ایک بار کاٹا

عَنْ عَلِيٍّ قَالَ بَيْنَا رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ ذَاتَ لَيْلَةٍ يُصَلِّيْ فَوَضَعَ يَدَهٗ عَلَى الْاَرْضِ فَلَدَغَتْهُ عَقْرَبٌ فَتَنَاوَلَهَا رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بِنَعْلِهٖ فَقَتَلَهَا فَلَمَّا انْصَرَفَ قَالَ لَعَنَ اللّٰهُ الْعَقْرَبَ مَا تَدَعُ مُصَلِّيًا وَلَا غَيْرَهٗ اَوْ نَبِيًّا وَغَيْرَهٗ ثُمَّ دَعَا بِمِلْحٍ وَمَاءٍ فَجَعَلَهٗ فِيْ اِنَاءٍ ثُمَّ جَعَلَ يَصُبُّهٗ عَلٰى اِصْبَعِهٖ حَيْثُ لَدَغَتْهُ وَيَمْسَحُهَا وَيُعَوِّذُهَا بِالْمُعَوِّذَتَيْنِ. (رواه البيهقي في شعب الايمان)

حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ ایک شب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نماز ادا فرما رہے تھے آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنا دست مبارک زمین پر رکھا تو کسی بچھو نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے ہاتھ پر کاٹ لیا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنا چپل لے کر اس کو مار دیا۔ جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم نماز سے فارغ ہو گئے تو فرمایا خدا تعالیٰ بچھو پر لعنت کرے نہ نمازی کو بخشے نہ غیر نمازی کو یا یہ کہا کہ نہ نبی کو بخشے اور نہ غیر نبی کو اس کے بعد ذرا سا نمک اور پانی منگوا کر ایک برتن میں ڈالا اور جس جگہ پر کہ بچھو نے کاٹا تھا اس جگہ اس کو ڈالتے رہے اور معوذتین پڑھ پڑھ کر انگلی پر ہاتھ پھیرتے اور دم کرتے رہے۔ (بیہقی)

تشریح۔ اگر ایک طرف حیوانات نے آپ کو سجدہ کیا اور پتھروں نے سلام کیا ہے تو دوسری طرف بچھو نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو کاٹا بھی ہے۔ پہلی صورت اگر آپ کی نبوت کی علامت تھی تو دوسری آپ کی بشریت کی دلیل تھی۔ حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ مبارک و ملعون کی تقسیم حیوانات میں بھی ہے جو حیوانات جبلی طور پر موذی ہیں ان کی ایذا کے لیے شعور شرط نہیں ہے یہ ان کی فطرت ہے۔ نیش عقرب نہ از پئے کین است بہ مقتضائے طبیعتش این است۔ پس جب ایک بے شعور بچھو اپنی فطرت کی وجہ سے ملعون ہو سکتا ہے تو ایک ذی شعور انسان کا اپنے اختیاری فعل پر معذب ہونے میں کیا اشکال رہا۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم پر جادو چلایا گیا

عَنْ عَائِشَةَؓ قَالَتْ كَانَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ سُحِرَ حَتّٰى كَانَ يُرٰى اَنَّهٗ يَأْتِي النِّسَاءَ وَلَا يَأْتِيْهِنَّ (قال سفيان وهذا اشد ما يكون من السحر اذا كان كذا) فَقَالَ لِقَائِلَةٍ مِنْ زَوْجَتِهٖ فَذَاتَ يَوْمٍ فَقَالَ يَا عَائِشَةُؓ اَعَلِمْتِ اَنَّ اللّٰهَ قَدْ اَفْتَانِيْ فِيْمَا اسْتَفْتَيْتُهٗ فِيْهِ اَتَانِيْ رَجُلَانِ فَقَعَدَ اَحَدُهُمَا عِنْدَ رَأْسِيْ وَالْاٰخَرُ عِنْدَ رِجْلَيَّ فَقَالَ الَّذِيْ عِنْدَ رَأْسِيْ لِلْاٰخَرِ مَا بَالُ الرَّجُلِ قَالَ مَطْبُوْبٌ قَالَ وَمَنْ طَبَّهٗ قَالَ لَبِيْدُ بْنُ الْاَعْصَمِ رَجُلٌ مِنْ بَنِيْ زُرَيْقٍ حَلِيْفٌ لِيَهُوْدَ كَانَ مُنَافِقًا قَالَ وَفِيْمَ قَالَ فِيْ مُشْطٍ وَمُشَاطَةٍ قَالَ فَاَيْنَ قَالَ فِيْ جُفِّ طَلْعَةٍ ذَكَرٍ تَحْتَ رَعُوْفَةٍ بِبِئْرِ ذِيْ اَرْوَانَ قَالَ فَاَتَى الْبِئْرَ حَتَّى اسْتَخْرَجَهٗ فَقَالَ هٰذِهِ

الْبِئْرُ الَّتِي أُرِيتُهَا وَكَأَنَّ مَاءَهَا نُقَاعَةُ الْحِنَّاءِ وَكَأَنَّ نَخْلَهَا رُءُوسُ الشَّيَاطِينِ قَالَ فَاسْتُخْرِجَ قَالَتْ فَقُلْتُ أَفَلَا تَنَشَّرْتَ فَقَالَ أَمَّا اللّٰهُ فَقَدْ شَفَانِي وَأَكْرَهُ أَنْ أُثِيرَ عَلَى أَحَدٍ مِنَ النَّاسِ شَرًّا. (رواہ البخاری)

حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا بیان کرتی ہیں ایک بار آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم پر جادو چلایا گیا۔ یہاں تک کہ اس کے اثر سے آپ کو ایسا معلوم ہونے لگا جیسا آپ اپنی بیبیوں کے پاس گئے ہیں مگر آپ کو اس کی قدرت نہ ہوتی تھی۔ (سفیان کہتے ہیں کہ جادو کی یہ سب سے سخت ترقسم تھی) پھر کہتے ہیں ایک دن آپ صلی اللہ علیہ وسلم نیند سے بیدار ہوئے اور فرمایا عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا جانتی ہو آج اللہ تعالیٰ نے جس بات کو میں نے اس سے پوچھا تھا اس کا پتہ دے دیا ہے۔ اس کی صورت یہ ہوئی کہ دو فرشتے میرے پاس آئے ایک میرے سرہانے بیٹھا اور دوسرا میرے پیروں کی طرف بیٹھ گیا جو میرے سرہانے بیٹھا تھا اس نے دوسرے سے کہا ان کو کیا تکلیف ہے۔ دوسرے نے جواب دیا ان پر جادو کیا گیا ہے۔ اس نے پوچھا کس نے جادو کیا ہے اس نے کہا لبید بن اعصم نے جو قبیلہ بنی زریق کا ایک آدمی ہے اور یہود کا حلیف ہے۔ یہ شخص منافق تھا اس نے پوچھا اچھا یہ جادو کس چیز پر کیا ہے؟ اس نے کہا ایک کنگھی اور کنگھی کے ٹوٹے ہوئے بالوں میں اس نے پوچھا اچھا تو وہ ٹونا کہاں ہے اس نے کہا وہ ایک نر کھجور کے خوشہ کے غلاف میں رکھ کر ذی اروان کنویں کے اندر کے پتھر کے نیچے ہے۔ چنانچہ آپ اس کنویں پر تشریف لائے اور اس جادو کو نکالا اور فرمایا یہی کنواں تھا جو مجھ کو دکھایا گیا تھا اس کا پانی ایسا تھا جیسا مہندی کا پانی سرخ ہوتا ہے اور اس کے اردگرد درختوں پر ایسی وحشت برستی تھی گویا وہ شیطانوں کے سر ہیں۔ یہ کہتے ہیں کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے وہ جادو نکال لیا۔ حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے عرض کیا یا رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم) آپ نے اس کو کھول کیوں نہیں دیا آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا مجھ کو تو اللہ تعالیٰ نے شفاء عطا فرما ہی دی اور اب مجھ کو یہ بات گوارا نہیں کہ میں کسی کو بھی کسی کی شر میں مبتلا کروں۔ (بخاری شریف)

تشریح۔ جادو کی تاثیر حق ہوتی ہے کہ اس سے کسی کا بچنا مشکل ہوتا ہے۔ اسی لیے سورۂ فلق میں جادو کے شر سے استعاذہ کی تعلیم فرمائی گئی ہے گمان ہو سکتا تھا کہ شاید رسول اس سے مستثنیٰ ہوں لیکن قدرت کو یہ منظور تھا کہ وہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی بشریت کے اثبات کے لیے آپ کی حیات طیبہ میں ایک واقعہ آپ پر جادو چل جانے کا بھی دکھلا دے تاکہ خوب معلوم ہو جائے کہ جن چیزوں سے عام انسان متاثر ہوتے ہیں رسول بھی ان سے متاثر ہو سکتے ہیں۔ پھر ان کے رسول ہونے کا ثبوت یوں ملتا ہے کہ وہ ان کے ازالہ کے لیے خود جادو چلانے کے بجائے ایسے کلمات استعمال فرماتے ہیں جو قدرت ان پر نازل فرماتی ہے جو سحر سے اتنے ممتاز ہوتے ہیں کہ ان میں کہیں اوہام خبیثہ سے مدد کا حرف ملتا ہے اور نہ کلمات کفریہ کا کوئی لفظ اور اس طرح یہ بھی ثابت ہو جاتا ہے کہ یہ دوسروں پر تو جادو چلا نہیں جانتے بلکہ اپنے نفس کو بھی جادو سے بچانا نہیں جانتے۔ حافظ ابن قیم سورۂ فلق کی تفسیر میں لکھتے ہیں کہ آپ اس تکلیف میں چھ ماہ تک مبتلا رہے جن میں تین دن تو اس کی تکلیف کی شدت رہی اس طویل مدت میں دشمن یوں خوش رہے کہ ان کا جادو چل گیا اور قدرت نے یہ ثابت کر دیا کہ ساحروں کی فوج سے آپ کو کوئی خطرہ نہ تھا اور جب اس کے ازالہ کا وقت مقدر آگیا تو اپنے رسول کی شفاء کے لیے عالم غیب سے فرشتے نازل فرمائے جنہوں نے مرض کی تشخیص سحر کا پتہ اور علاج کے سب راستے مفصل بیان کر دیے۔ اس کے بعد آپ نے اس جادو کو نکلوا دیا اور جب اللہ

تعالیٰ نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو شفا عطا فرمائی تو جادوگروں کی طرح آپ کو اس کا وسوسہ بھی نہ آیا کہ اب ان پر جادو چلایا جائے یا کسی اور تدبیر سے ان کو اس کا بدلہ دے دیا جائے بلکہ خاموش ہو گئے اور عام طور پر لوگوں کے سامنے جادو کی ان اشیاء کو نکال کر دکھانا بھی پسند نہیں فرمایا مبادا مسلمانوں کو ناگواری ہو اور کوئی نیا فتنہ کھڑا ہو۔ کیا ہے کوئی بندہ جو ایسی شان بندگی دکھا سکے۔

واضح رہے کہ حدیث مذکور میں صاف موجود ہے کہ اس سحر کی تاثیر صرف آپ کی ازدواجی حیات تک محدود تھی اور اسی قسم کو سب سے زیادہ سخت جادو مانا گیا تھا۔ انبیاء علیہم السلام تو امراض سے مستثنیٰ ہوتے ہیں نہ ایسے کلمات کے اثر سے جو کسی مرض کا سبب بن جائیں۔ سحر کی تاثیر کے متعلق آج لوگ منکر ہیں مگر یہ ان کی کوئی جدید تحقیق نہیں ہے معتزلہ کی جماعت پہلے سے اس کی منکر ہے لیکن جس امر کا ثبوت تواتر کے ساتھ آنکھیں مشاہدہ کر چکی ہوں دلائل سے اس کی نفی کرنا محض خام خیالی ہے۔ اس خاص قسم کے سحر کے لیے عرب میں ایک علاج بھی تھا جس کو نشرہ کہتے تھے۔ حدیث میں علاجاً ان کلمات کی اجازت بھی آئی ہے۔ حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے اس علاج کا تذکرہ فرمایا مگر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمادیا کہ میرے پروردگار نے مجھ کو سورہ فلق اور سورہ والناس کے ذریعے سے شفا عطا فرمادی ہے اس لیے میں یہ علاج نہیں کرتا۔

ایک بار آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو زہر کھلایا گیا

عَنْ جَابِرٍ اَنَّ يَهُوْدِيَّةً مِنْ اَهْلِ خَيْبَرَ سَمَّتْ شَاةً مَصْلِيَّةً ثُمَّ اَهْدَتْهَا لِرَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ الذِّرَاعَ فَاَكَلَ مِنْهَا وَاَكَلَ رَهْطٌ مِنْ اَصْحَابِهِ مَعَهُ فَقَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اِرْفَعُوْا اَيْدِيَكُمْ وَاَرْسَلَ اِلَى الْيَهُوْدِيَّةِ فَدَعَاهَا فَقَالَ سَمَمْتِ هٰذِهِ الشَّاةَ فَقَالَتْ مَنْ اَخْبَرَكَ قَالَ اَخْبَرَتْنِيْ هٰذِهِ فِيْ يَدِيْ لِلذِّرَاعِ قَالَتْ نَعَمْ قُلْتُ اِنْ كَانَ نَبِيًّا فَلَنْ تَضُرَّهُ وَاِنْ لَمْ يَكُنْ نَبِيًّا اسْتَرَحْنَا مِنْهُ فَعَفَا عَنْهَا رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَلَمْ يُعَاقِبْهَا وَتُوُفِّيَ اَصْحَابُهُ الَّذِيْنَ اَكَلُوْا مِنَ الشَّاةِ وَاحْتَجَمَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَلٰى كَاهِلِهِ مِنْ اَجْلِ الَّذِيْ اَكَلَ مِنَ الشَّاةِ حَجَمَهُ اَبُوْ هِنْدٍ بِالْقَرْنِ وَالشَّفْرَةِ وَهُوَ مَوْلًى لِبَنِيْ بَيَاضَةَ مِنَ الْاَنْصَارِ۔ (رواہ ابو داؤد والدارمی)

جابر رضی اللہ تعالیٰ عنہ بیان کرتے ہیں کہ خیبر کی ایک یہودی عورت نے ایک بھنی ہوئی بکری زہر ملا کر آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے بطور ہدیہ پیش کی۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس میں سے کچھ کھایا اور آپ کے بعض صحابہ کرام رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین نے بھی کھالیا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کھانے سے ہاتھ اٹھالو اور اس یہودی عورت کے بلانے کے لیے آدمی بھیجا اور اس سے پوچھا تو نے اس بکری میں زہر ملایا ہے۔ اس نے کہا آپ کو کس نے بتایا؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے دست کے اس ٹکڑے کی طرف اشارہ کر کے فرمایا جو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے ہاتھ میں تھا۔ یہ سن کر وہ بولی جی ہاں! میں نے اپنے دل میں کہا تھا اگر یہ نبی ہوں گے تو ان کو یہ زہر کیا نقصان دے گا اور اگر نبی نہ ہوں گے تو ان سے ہماری جان چھوٹ جائے گی۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس یہودن کو معاف فرمادیا اور اس کو کوئی سزا نہیں دی اور آپ کے جن بعض صحابہ نے وہ گوشت کھالیا تھا ان کا تو انتقال

ہو گیا اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم بھی اس زہر آلود بکری کے اثر سے ہمیشہ اپنے شانوں کے درمیان سینگی لگوایا کرتے تھے۔ سینگی لگانے والا ابو ہند انصار کے قبیلہ بنو بیاضہ کا ایک آزاد کردہ غلام تھا۔ اس نے سینگ اور نشتر سے آپ کے سینگی لگائی تھی۔ (ابوداؤد، دارمی)

عَنْ عَائِشَةَ قَالَتْ كَانَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُوْلُ فِيْ مَرَضِهِ الَّذِيْ مَاتَ فِيْهِ يَا عَائِشَةُ مَا أَزَالُ أَجِدُ أَلَمَ الطَّعَامِ الَّذِيْ أَكَلْتُ بِخَيْبَرَ وَهٰذَا أَوَانُ وَجَدْتُ انْقِطَاعَ أَبْهَرِيْ مِنْ ذٰلِكَ السُّمِّ۔ (رواہ البخاری)

حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا فرماتی ہیں کہ جس بیماری میں حضور سرور کائنات صلی اللہ علیہ وسلم کا وصال ہوا ہے اس میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے تھے عائشہ! جو زہر آلود کھانا میں نے خیبر میں کھالیا تھا اس کی تکلیف مجھے ہمیشہ محسوس ہوتی رہی لیکن اب اس کے زہر یلے اثر سے مجھ کو یہ محسوس ہوتا ہے کہ (میرا آخر وقت آ گیا ہے اور) میری شہ رگ کٹ گئی ہے۔ (بخاری شریف)

تشریح۔ عالم تقدیر نے اس طرح اس یہودی عورت کا عذر بھی زائل کر دیا اور اس کے اس حیلہ کو کام بنانے کے لیے ایک مدت تک آپ کو قید حیات رکھا اور آخر میں جس نوع کی شہادت ختم نبوت کے ساتھ جمع ہو سکتی تھی اس سے نوازنے کی یہ صورت اختیار فرمائی کہ پھر اسی زہر کا اثر ابھرا اور عالم اسباب میں وہی آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کا سبب بن گیا اور اس طرح آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو موت شہادت کی فضیلت بھی میسر آ گئی۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ایک بار زخمی ہوئے

عَنْ أَبِيْ حَازِمٍ أَنَّهُ سَمِعَ سَهْلَ بْنَ سَعْدٍ وَهُوَ يُسْأَلُ عَنْ جُرْحِ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقَالَ أَمَا وَاللّٰهِ إِنِّيْ لَأَعْرِفُ مَنْ كَانَ يَغْسِلُ جُرْحَ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَمَنْ كَانَ يَسْكُبُ الْمَاءَ وَبِمَا دُوْوِيَ قَالَ كَانَتْ فَاطِمَةُ بِنْتُ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ تَغْسِلُهُ وَعَلِيٌّ يَسْكُبُ الْمَاءَ بِالْمِجَنِّ فَلَمَّا رَأَتْ فَاطِمَةُ أَنَّ الْمَاءَ لَا يَزِيْدُ الدَّمَ إِلَّا كَثْرَةً أَخَذَتْ قِطْعَةً مِنْ حَصِيْرٍ فَأَحْرَقَتْهَا فَأَلْصَقَتْهَا فَاسْتَمْسَكَ الدَّمُ وَكُسِرَتْ رَبَاعِيَتُهُ يَوْمَئِذٍ وَجُرِحَ وَجْهُهُ وَكُسِرَتِ الْبَيْضَةُ عَلٰى رَأْسِهِ۔ (رواہ البخاری فی المغازی ص ۵۸۴)

ابو حازم روایت کرتے ہیں کہ سہل بن سعد سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے اس زخم کے متعلق دریافت کیا گیا جو جنگ احد میں آپ کو لگا تھا تو انہوں نے سہل بن سعد کو یہ جواب خود سنا تھا وہ فرماتے تھے میں خوب جانتا ہوں کہ آپ کے زخم کو دھلانے والا اور اس پر پانی ڈالنے والا کون تھا اور وہ دوا بھی کیا تھی جو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے زخم پر استعمال کی گئی تھی۔ یہ کہتے تھے کہ حضرت فاطمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا آپ کی صاحبزادی تو زخم دھوتی جاتی تھیں اور حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ ایک ڈھال سے پانی لے لے کر اس پر ڈالتے جاتے تھے لیکن جب حضرت فاطمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے دیکھا کہ پانی سے تو خون کسی طرح بند ہوتا نہیں بلکہ وہ اور زیادہ ہی ہوتا جا رہا ہے تو چٹائی کا ایک ٹکڑا جلایا اور اس کی راکھ لے کر زخم پر لگائی جب کہیں جا کر خون بند ہوا۔ اسی جنگ میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے کے چو دانت شہید ہو گئے روئے انور زخمی ہوا اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے سر مبارک پر جو خود تھا وہ بھی ٹوٹ گیا۔ (بخاری شریف)

تشریح: شکست و فتح کے حالات بھی ایسے ہیں جو مسلم و کافر عام انسانوں میں یکساں رکھے گئے ہیں۔ ہرقل نے جب ابوسفیان سے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے متعلق طویل سوالات کیے ہیں تو ان میں ایک سوال آپ کی فتح و شکست کے متعلق بھی تھا۔ پھر جب اس کو یہ معلوم ہو گیا کہ آپ کو بھی شکست بھی ہوتی ہے تو وہ بے ساختہ بول اٹھا کہ رسولوں کی شان یہی ہے۔ وہ شکست بھی کھاتے ہیں مگر آخر کار بول بالا انہی کا ہوتا ہے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم پر احد کے میدان میں یہ سنت بھی پوری ہو گئی اور اس درد آمیز منظر کے ساتھ پوری ہوئی کہ روئے انور زخمی ہے، دانت شہید ہو چکے ہیں اور سر مبارک کا خود چکنا چور ہو گیا ہے۔ کیا اب بھی اس شبہ کا کوئی موقع ہے کہ رسول بشر نہیں ہوتے۔ رسولوں کی جو سنت نہیں جانتے یہاں ان کو اگر تردد ہو تو ہو مگر جو اس سے واقف تھے ان میں شاہ ہرقل جیسے دانا نے تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی شکست ہی کو صداقت کی علامات میں شمار کیا تھا۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو بھی بعض امور کی فکر لاحق ہوتی تھی

عَنْ عَائِشَةَ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كَانَ يَقُوْلُ لِنِسَائِهِ اِنَّ اَمْرَكُنَّ مِمَّا يُهِمُّنِيْ مِنْ بَعْدِيْ وَلَنْ يَصْبِرَ عَلَيْكُنَّ اِلَّا الصَّابِرُوْنَ الصِّدِّيْقُوْنَ قَالَتْ عَائِشَةُ يَعْنِي الْمُتَصَدِّقِيْنَ ثُمَّ قَالَتْ عَائِشَةُ لِاَبِيْ سَلَمَةَ بْنِ عَبْدِ الرَّحْمٰنِ سَقَى اللّٰهُ اَبَاكَ مِنْ سَلْسَبِيْلِ الْجَنَّةِ وَكَانَ ابْنُ عَوْفٍ قَدْ تَصَدَّقَ عَلٰى اُمَّهَاتِ الْمُؤْمِنِيْنَ بِحَدِيْقَةٍ بِيْعَتْ بِاَرْبَعِيْنَ اَلْفًا. (رواہ الترمذی)

حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اپنی بیبیوں سے فرمایا کرتے تھے تمہارا معاملہ بھی ایسا ہے جس کی مجھ کو اپنے بعد فکر ہے اور تمہاری نگرانی میں حصہ لینے والے صرف وہی لوگ ہوں گے جو بڑے ضبط و ہمت والے ہوں گے۔ یہ حدیث بیان فرما کر حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا ابو سلمہؓ کے لیے دعائیہ کلمات فرمایا کرتی تھیں کہ اللہ تعالیٰ تمہارے والد کو جنت کے اس چشمے کے پانی سے سیراب کرے جس کا نام سلسبیل ہے۔ اس کی وجہ یہ تھی کہ ان کے والد عبدالرحمٰن بن عوف نے امہات المومنین کی خدمت میں ایک باغ پیش کیا تھا جو چالیس ہزار درہم میں فروخت ہوا تھا۔ (ترمذی شریف)

تشریح: یہ پہلے بار بار گزر چکا ہے کہ انبیاء علیہم السلام کی فطرت ان تمام چیزوں سے متاثر ہوتی ہے جن سے کہ بشری فطرت کو متاثر ہونا چاہیے وہ جس طرح بھوک، پیاس اور سرد و گرم کے احساس میں عام بشر کے شریک ہوتے ہیں اسی طرح مسرت و غم میں بھی ان کے شریک ہوتے ہیں۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے صاحبزادے حضرت ابراہیم رضی اللہ عنہ کا انتقال ہوا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم غمگین ہوئے اور آپ کی چشم مبارک سے آنسو بہہ نکلے۔ اسی طرح بیبیوں کا بھی معاملہ ہے ان کے متعلق بھی آپ کو اس حد تک فکر تھی جس حد تک بشر کو ہونی چاہیے۔ ظاہر ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کے لیے خاص طور پر مال و اسباب کا کوئی ذخیرہ نہیں چھوڑا تھا مگر جس امر میں یہاں بھی انبیاء علیہم السلام کو امتیاز ہوتا ہے وہ ان کے ان صبر آزما حالات میں ان کی استقامت اور شرعی حدود کا پورا پورا تحفظ ہے، وہ بھی جبر و اکراہ سے نہیں بلکہ بڑی خندہ پیشانی اور فراخدلی سے۔ ان کے قلب پر اس کا وسوسہ بھی نہیں گزرتا کہ ان حالات میں ان کا قدم حدود شریعت سے سر مو ادھر ادھر جائے۔ یہاں جس طرح ان کا احساس غم ان کی فطرت ہوتی ہے اس سے بڑھ کر اپنی شریعت کی حدود کا تحفظ بھی ان کی فطرت ہوتی ہے۔ پھر یہ فطری احساسات

بھی قدرت ان میں اس لیے ودیعت فرمائی ہے تاکہ وہ عام بشر کے لیے ان حالات کی سنت کا عملی نمونہ پیش کر سکیں۔ گزشتہ صفحات میں انسانی حیات کے معمولی سے معمولی حوادث آپ نے ملاحظہ فرمائے اور حدیثوں میں اس قسم کے علاوہ بھی اور بہت بڑا ذخیرہ موجود ہے لیکن ان تمام مقامات میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم اسی سنت اللہ کے ماتحت نظر آئے جو نوع انسانی کے لیے روز ازل سے مقدر ہو چکی ہے۔ کیا یہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی بشریت کا قطعی ثبوت نہیں۔

روایت مذکورہ بالا سے یہ بھی معلوم ہوا کہ اُمہات المؤمنین کا مقام حضرت رسالت میں کیا تھا۔ اسی لیے آئمہ حدیث نے حدیث مذکور کو مناقب کے باب میں ذکر فرمایا ہے۔ کوئی شبہ نہیں کہ جن نفوس طاہرہ کو اللہ تعالیٰ نے اپنے محبوب رسول کی دمسازی کے لیے انتخاب فرمایا تھا ان سے رسول کی ذات اقدس کا تعلق بھی اسی دلسوزی کا ہونا چاہیے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے یہ کلمات تلطف اُمہات المؤمنین کی بزرگی و عظمت کا اندازہ کرنے کے لیے کافی ہیں۔

بشری سنت کے مطابق آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا سفر آخرت

عَنْ اَبِیْ سَلَمَۃَ اَنَّ عَائِشَۃَ زَوْجَ النَّبِیِّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ اَخْبَرَتْہُ قَالَتْ اَقْبَلَ اَبُوْبَکْرٍ عَلٰی فَرَسِہٖ مِنْ مَسْکَنِہٖ بِالسُّنْحِ حَتّٰی نَزَلَ فَدَخَلَ الْمَسْجِدَ فَلَمْ یُکَلِّمِ النَّاسَ حَتّٰی دَخَلَ عَلٰی عَائِشَۃَ فَتَیَمَّمَ النَّبِیَّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ وَھُوَ مُسَجًّی بِبُرْدِ حِبَرَۃٍ فَکَشَفَ عَنْ وَجْھِہٖ ثُمَّ اَکَبَّ عَلَیْہِ فَقَبَّلَہٗ ثُمَّ بَکٰی فَقَالَ بِاَبِیْ اَنْتَ یَا نَبِیَّ اللّٰہِ لَا یَجْمَعُ اللّٰہُ عَلَیْکَ مَوْتَتَیْنِ اَمَّا الْمَوْتَۃُ الَّتِیْ کُتِبَ اللّٰہُ عَلَیْکَ فَقَدْ مُتَّھَا قَالَ اَبُوْ سَلَمَۃَ فَاَخْبَرَنِیْ ابْنُ عَبَّاسٍ اَنَّ اَبَابَکْرٍ خَرَجَ وَعُمَرُ یُکَلِّمُ النَّاسَ فَقَالَ اجْلِسْ فَاَبٰی فَقَالَ اجْلِسْ فَاَبٰی فَتَشَھَّدَ اَبُوْبَکْرٍ فَمَالَ اِلَیْہِ النَّاسُ وَتَرَکُوْا عُمَرَ فَقَالَ اَمَّا بَعْدُ فَمَنْ کَانَ یَعْبُدُ مُحَمَّدًا فَاِنَّ مُحَمَّدًا قَدْ مَاتَ وَمَنْ کَانَ یَعْبُدُ اللّٰہَ عَزَّوَجَلَّ فَاِنَّ اللّٰہَ حَیٌّ لَا یَمُوْتُ قَالَ اللّٰہُ عَزَّوَجَلَّ وَمَا مُحَمَّدٌ اِلَّا رَسُوْلٌ قَدْ خَلَتْ مِنْ قَبْلِہِ الرُّسُلُ اِلَی الشَّاکِرِیْنَ. وَاللّٰہِ لَکَاَنَّ النَّاسَ لَمْ یَکُوْنُوْا یَعْلَمُوْنَ اَنَّ اللّٰہَ عَزَّوَجَلَّ اَنْزَلَ ھٰذِہِ الْاٰیَۃَ حَتّٰی تَلَاھَا اَبُوْبَکْرٍ فَتَلَقَّاھَا مِنْہُ النَّاسُ فَمَا یُسْمَعُ بَشَرٌ اِلَّا یَتْلُوْھَا (رواہ البخاری)

ابو سلمہ بیان کرتے ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی ایک بی بی صاحبہ یعنی حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے ان سے بیان کیا کہ ابو بکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ (آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خبر وفات سن کر) اپنی قیام گاہ مقام سنح سے گھوڑے پر سوار ہو کر تشریف لائے اور یہاں آکر مسجد میں داخل ہوئے اور کسی سے بات کیے بغیر حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے گھر میں تشریف لے گئے اور سیدھے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس جا پہنچے۔ آپ پر اس وقت ایک یمنی چادر ڈھکی ہوئی تھی انہوں نے آپ کے چہرۂ مبارک سے چادر اُٹھائی اور جھک کر آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو بوسہ دیا اور رو پڑے اور فرمایا یا نبی اللہ آپ پر میرے باپ قربان اللہ تعالیٰ آپ پر دو موتیں کبھی جمع نہیں کرے گا جو موت اللہ تعالیٰ نے آپ کے لیے مقدر فرمائی تھی وہ تو آپ کو آچکی ہے۔ ابو سلمہ کہتے ہیں کہ ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے مجھ سے بیان کیا کہ اس کے بعد ابو بکرؓ باہر تشریف لائے تو عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ لوگوں سے کچھ فرما رہے تھے۔ صدیق اکبر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اُن سے فرمایا آپ بیٹھ جائیں لیکن وہ نہ مانے آپ

نے ان سے پھر کہا آپ بیٹھ جائیں مگر انہوں نے پھر انکار کیا۔ اس پر صدیق اکبر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے خود خطبہ دینا شروع کر دیا' لوگ عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو چھوڑ کر فوراً ان کی جانب متوجہ ہو گئے۔ انہوں نے حمد و ثناء کے بعد فرمایا: جو شخص محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کی عبادت کرتا ہو اس کو یقین کر لینا چاہیے کہ محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کا تو انتقال ہو گیا اور جو اللہ تعالیٰ کی عبادت کرتا ہو اس کو معلوم ہونا چاہیے کہ اللہ تعالیٰ کی ذات ہمیشہ زندہ رہنے والی ہے اس کو موت کبھی نہیں آئے گی۔ اس کے بعد قرآن کریم کی یہ آیت تلاوت فرمائی: "وَمَا مُحَمَّدٌ إِلَّا رَسُولٌ قَدْ خَلَتْ مِنْ قَبْلِهِ الرُّسُلُ إِلَى الشَّاكِرِينَ" تک۔ یہ خطبہ سن کر لوگوں کو ایسا معلوم ہوا کہ صدیق اکبر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے تلاوت فرمانے سے قبل یہ آیت اللہ تعالیٰ نے گویا نازل ہی نہیں فرمائی تھی (اور آج ہی نازل ہوئی ہے) اس کے بعد جس نے بھی اس آیت کو سنا وہی اس کو تلاوت کرتا ہوا نظر آتا تھا۔ (بخاری شریف)

تشریح۔ موت انسان کی بشریت کا آخری ثبوت ہے جو شخص ولادت' اور موت جیسے واضح عوارض کو بھی بشریت کی دلیل نہیں سمجھتا وہ پھر خدا تعالیٰ اور اس کی مخلوق کے درمیان کوئی فرق نہیں سمجھ سکتا۔ اس حدیث سے یہ احکام ثابت ہوتے ہیں۔ وفات کے بعد آپ صلی اللہ علیہ وسلم پر چادر ڈھانکنا' آپ کے روئے انور کو بوسہ دینا' وفات کے بعد آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو یا نبی اللہ سے خطاب کرنا' آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کا منبر پر اعلان کرنا اور یہ خطبہ دینا کہ عبادت کے قابل صرف وہی ایک ذات ہے جس کو کبھی فنا نہیں' وہ ہمیشہ سے زندہ ہے اور ہمیشہ زندہ رہے گا۔

عرب میں نداء کی بہت سی اقسام ہیں۔ نثر و نظم میں غائب و حاضر اسی طرح حی میت بلکہ جمادات کو نداء یہ کلمہ سے یاد کرنا ان کا عام دستور تھا۔ محض اس لفظ سے عقائد بگاڑ لینے اور کفر کے فتوے لگا دینے دونوں علم سے ناواقفیت اور مبالغہ کی باتیں ہیں جس کو اپنے ایمان کی قدر ہو اس کو شرکیہ عقائد سے دور رہنا چاہیے اور اسی طرح بات بات پر کفر کے فتوے لگانے سے بھی احتراز رکھنا چاہیے۔

حضرات انبیاء علیہم السلام کی خصوصیات

عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ قَالَ نَهَى رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَنِ الْوِصَالِ فِي الصَّوْمِ فَقَالَ رَجُلٌ إِنَّكَ تُوَاصِلُ يَا رَسُولَ اللّٰهِ قَالَ وَأَيُّكُمْ مِثْلِي إِنِّي أَبِيتُ يُطْعِمُنِي رَبِّي وَيَسْقِينِي۔ (متفق علیہ)

ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس بات کی ممانعت فرمائی کہ دو روزے درمیان میں افطار کیے بغیر ایک ساتھ رکھے جائیں۔ اس پر ایک شخص نے عرض کی یا رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم)! آپ تو ایسا بھی کر لیتے ہیں؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جی ہاں! مگر کیا تم میں کوئی میری طرح ہے؟ میں شب بسر کرتا ہوں اس حالت میں کہ میرا رب مجھ کو کھلاتا بھی ہے اور پلاتا بھی ہے۔ (متفق علیہ)

تشریح۔ انبیاء علیہم السلام بشر ضرور ہوتے ہیں مگر اس کا مطلب یہ سمجھنا بھی صحیح نہیں ہے کہ وہ بالکل ایسے ہی بشر ہوتے ہیں جیسے کہ عام بشر ہوا کرتے ہیں بلکہ وہ ان سے اتنے ممتاز بھی ہوتے ہیں کہ اگر یک وقت دونوں پر نظر ڈالی جائے تو یوں معلوم ہونے لگتا ہے کہ گویا وہ علیحدہ علیحدہ دو صنفوں کے افراد ہیں۔ متنبی مشہور شاعر نے ایک ہی صنف میں اشتراک کے باوجود ان کے افراد میں امتیاز کی معقولیت کو کیا خوب انداز سے ادا کیا ہے۔ کہ کہتا ہے:

وان تفق الانام وانت منہم　　فان المسک بعض دم الغزال

"اے ممدوح! اگر تو مخلوق میں شامل ہو کر پھر ان سب پر فوقیت رکھتا ہے تو اس میں تعجب کی بات کیا ہے۔ آخر مشک بھی تو اسی ہرن کے خون کا ایک حصہ ہوتا ہے۔ لیکن پھر ان دونوں میں کیا نسبت وہ متعفن اور یہ معطر وہ ناپاک اور یہ پاک۔"

پس اسی طرح انبیاء علیہم السلام بھی نفس بشریت میں گو سب انسانوں کے ساتھ شریک ہوتے ہیں لیکن پھر ان سے ممتاز کی طرح ممتاز بھی ہوتے ہیں صرف اپنی سیرت میں نہیں بلکہ اپنے جسم و جوارح میں بھی اور ان کے خواص میں بھی انبیاء علیہم السلام کی شان رفیع تو بہت بلند ہے۔ قرآن کریم تو یہ کہتا ہے کہ ان کی بیبیاں بھی عام عورتوں سے کچھ علیحدہ شان کی ہوتی ہیں۔ "یا نساء النبی لستن کاحد من النساء" (اے نبی کی بیبیو! تم عام عورتوں کی طرح نہیں ہو تمہاری بات ان سے بالکل الگ ہے۔) پس جس طرح کہ امہات المومنین صنف نساء میں شامل ہونے کے بعد پھر احکام میں ان سے ممتاز بھی تھیں اسی طرح انبیاء علیہم السلام بشر ہو کر ان سے ممتاز بھی ہوتے ہیں۔ دیکھو اس حدیث میں کس صفائی کے ساتھ آپ نے فرمایا کہ میری بشریت کے سب خواص وہی نہیں ہیں جو تمہاری بشریت کے ہیں۔ میری بشریت آب و غذا میں بھی تم سے مختلف ہے پھر یہاں آب و غذا کی نوعیت جو بھی ہو مگر عبارت کا یہ حسن ہے کہ آپ نے اس کو بھی شب کے ساتھ مقید فرما دیا ہے۔ اگر "انی ابیت" کے بجائے "انی اصبح" فرماتے یعنی میں صبح کرتا ہوں اس حالت پر تو عام انسانوں کے لیے آب و غذا کے ساتھ روزہ کی حقیقت کا قائم رکھنا کتنا بھاری ہو جاتا۔ یہ علیحدہ بحث تھی کہ جو غذا آپ کو ملتی تھی روزہ اس سے افطار ہو سکتا بھی ہے یا نہیں۔ بہرحال ایک طرف انبیاء علیہم السلام میں بشریت کی وہ عام صفات موجود ہوتی ہیں جو ان کی بشریت کا بدیہی ثبوت ہوتی ہیں تو اسی کے ساتھ دوسری طرف ان میں وہ صفات بھی موجود ہوتی ہیں جو عام بشریت سے ان کی فوقیت کا اس سے زیادہ بدیہی ثبوت ہوتی ہیں۔

عَنْ عَبْدِ اللّٰہِ بْنِ عَمْرٍو قَالَ حُدِّثْتُ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ قَالَ صَلٰوۃُ الرَّجُلِ قَاعِدًا نِصْفُ الصَّلٰوۃِ قَالَ فَاَتَیْتُہٗ فَوَجَدْتُہٗ یُصَلِّیْ جَالِسًا فَوَضَعْتُ یَدِیْ عَلٰی رَاْسِہٖ فَقَالَ مَالَکَ یَا عَبْدَ اللّٰہِ بْنَ عَمْرٍو قُلْتُ حُدِّثْتُ یَا رَسُوْلَ اللّٰہِ اِنَّکَ قُلْتَ صَلٰوۃُ الرَّجُلِ قَاعِدًا عَلٰی نِصْفِ الصَّلٰوۃِ وَاَنْتَ تُصَلِّیْ قَاعِدًا قَالَ اَجَلْ وَلٰکِنِّیْ لَسْتُ کَاَحَدٍ مِّنْکُمْ۔ (رواہ مسلم)

عبداللہ بن عمرو نقل کرتے ہیں کہ مجھ سے یہ بیان کیا گیا تھا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا آدمی کے نوافل کا ثواب جو بیٹھ کر پڑھے جائیں نصف نماز کا ہوتا ہے۔ یہ کہتے ہیں اتفاق ایسا ہوا کہ میں جو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا تو اس وقت آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو بیٹھ کر ہی نوافل پڑھتے پایا۔ میں نے آپ کے سر مبارک پر اپنا ہاتھ رکھا آپ نے پوچھا عبداللہ ابن عمرو! کیا بات ہے؟ میں نے عرض کی یا رسول اللہ! (صلی اللہ علیہ وسلم) آپ نے یہ فرمایا تھا کہ آدمی جو نماز بیٹھ کر پڑھتا ہے اس کا ثواب اس کو نصف ملتا ہے اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم تو بیٹھ کر ہی نماز ادا فرما رہے ہیں؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہاں! میں نے یہ ضرور کہا ہے لیکن میری بات اور ہے مجھے اپنے اوپر قیاس نہ کرو میں تمہاری طرح نہیں ہوں۔ (مسلم)

تشریح۔ جو بات عام طور پر معنا یہ کہ صحابہ رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین کے ذہن نشین تھی وہ یہی تھی کہ شرعی احکام میں خدا کے رسول

بھی عام بشر کے شریک رہے ہیں مگر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اس بات کو صاف کر دیا کہ اس کی شرکت کا یہ مطلب تو نہیں کہ وہ آپ کسی جہت سے کوئی امتیازی حیثیت نہیں رکھتے وہ عبادت کی شدت اور اس کی کثرت دونوں میں عام بشر سے ممتاز ہوتے ہیں۔ صوم وصال یعنی افطار کیے بغیر دو یا زیادہ روزے مسلسل رکھنا جس طرح ان ہی کی شان ہوتی ہے اسی طرح بیٹھ کر نوافل کا پورا ثواب ملنا بھی ان ہی کے ساتھ مخصوص ہوتا ہے۔ ثواب کا دارومدار صرف مشقت ہی پر نہیں اس کا انحصار نظر ربوبیت کی پسندیدگی پر ہے۔ نیز انبیاء علیہم السلام کے عمل سے ہی چونکہ جواز وعدم جواز کا ثبوت ملتا ہے اس لیے جائزات پر عمل کرنے میں بھی ان کو واجبات کا ثواب ملتا ہے۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی قوت ذائقہ کی امتیازی خصوصیت

عَنْ عَاصِمِ بْنِ كُلَيْبٍ عَنْ أَبِيهِ عَنْ رَجُلٍ مِنَ الْأَنْصَارِ قَالَ خَرَجْنَا مَعَ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فِي جَنَازَةٍ فَرَأَيْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَهُوَ عَلَى الْقَبْرِ يُوْصِي الْحَافِرَ يَقُوْلُ أَوْسِعْ مِنْ قِبَلِ رِجْلَيْهِ أَوْسِعْ مِنْ قِبَلِ رَأْسِهِ فَلَمَّا رَجَعَ اسْتَقْبَلَهُ دَاعِيَ امْرَأَتِهِ فَأَجَابَ وَنَحْنُ مَعَهُ فَجِيئَ بِالطَّعَامِ فَوَضَعَ يَدَهُ ثُمَّ وَضَعَ الْقَوْمُ فَأَكَلُوْا فَنَظَرْنَا إِلَى رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَلُوْكُ لُقْمَةً فِي فِيْهِ ثُمَّ قَالَ أَجِدُ لَحْمَ شَاةٍ أُخِذَتْ بِغَيْرِ إِذْنِ أَهْلِهَا فَأَرْسَلَتِ الْمَرْأَةُ تَقُوْلُ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ إِنِّي أَرْسَلْتُ إِلَى النَّقِيْعِ وَهُوَ مَوْضِعٌ يُبَاعُ فِيْهِ الْغَنَمُ لِيُشْتَرٰى لِي شَاةٌ فَلَمْ تُوْجَدْ فَأَرْسَلْتُ إِلَى جَارٍ لِي قَدِ اشْتَرٰى شَاةً أَنْ يُرْسِلَ بِهَا إِلَيَّ بِثَمَنِهَا فَلَمْ يُوْجَدْ فَأَرْسَلْتُ إِلَى امْرَأَتِهِ فَأَرْسَلَتْ إِلَيَّ بِهَا فَقَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَطْعِمِيْ هٰذَا الطَّعَامَ الْأَسْرٰى۔ (رواہ ابو داود والبیہقی فی دلائل النبوۃ)

ایک انصاری صحابی کہتے ہیں کہ ہم آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ ایک جنازہ کی شرکت کے لیے نکلے میں نے دیکھا کہ آپ قبر کے اوپر سے گورکن کو یہ ہدایت فرماتے جاتے: دیکھنا ذرا پائنتی کی جانب سے اور کشادہ کرنا ذرا سرہانے کی جانب سے اور کشادہ کرنا۔ جب اس کو دفن کر کے آپ صلی اللہ علیہ وسلم واپس ہوئے تو سامنے سے اس کی بیوی کی جانب سے ایک شخص آپ کو بلانے کے لیے آیا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم اس کے ہمراہ ہولیے اس وقت ہم بھی آپ کے ساتھ تھے آپ کے سامنے کھانا پیش کیا گیا حسب دستور کھانے کے لیے پہلے آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ہاتھ بڑھایا اس کے بعد صحابہ نے ہاتھ بڑھائے اور کھانا شروع ہو گیا۔ ہم نے دیکھا تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم لقمہ چبا رہے ہیں مگر نگلتے نہیں اس کے بعد فرمایا ایسا معلوم ہوتا ہے کہ یہ گوشت کسی ایسی بکری کا ہے جو مالک کی اجازت کے بغیر حاصل کی گئی ہے۔ میت کی بیوی نے جواباً کہلا بھیجا یا رسول اللہ! (صلی اللہ علیہ وسلم) واقعہ تو یہ ہے کہ میں نے مقام نقیع کے بازار میں جہاں بکریاں فروخت ہوتی تھیں ایک آدمی بھیجا تھا کہ وہ میرے لیے ایک بکری خرید لائے جب وہاں بکری نہ ملی تو میں نے اپنے ایک پڑوسی کے پاس آدمی بھیجا اس نے ایک بکری خریدی تھی کہ جس قیمت میں اس نے وہ خریدی ہو اسی قیمت میں وہ مجھے بیچ دے اتفاقاً وہ نہ ملا پھر میں نے اس کی بیوی کے پاس آدمی بھیجا اس نے مجھ کو یہ بکری بھیج دی ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تو پھر اس کھانے کو قیدیوں کو کھلا دو۔ (ابوداؤد)

تشریح۔ تلخ و شیریں کا احساس تو عام بشر کی زبانیں بھی کر سکتی ہیں مگر نبی و رسول وہ ہوتے ہیں جن کی زبان حلال و حرام کا

بھی احساس کرتی ہے۔ سبحان اللہ! اسلام کتنا نازک اور کتنا پاکیزہ مذہب ہے کہ اس کے نزدیک خیانت کا کھانا غیر ذمہ دارانہ اجازت کے بعد بھی کھانے کے قابل نہیں ہوتا۔ وہ ایسے ہی مصرف میں آسکتا ہے جہاں زیادہ چھان بین کا محل نہ ہو۔ جو لوگ میت کے مال میں قرض اور تقسیم وراثت سے قبل ہی کھانے پکا پکا کر خود کھالیتے ہیں اور سمجھتے یہ ہیں کہ اس قسم کے کھانے اور اس قسم کے کھانے والوں سے میت کو ثواب ملتا ہے وہ ذرا ٹھنڈے دل سے اس پر بھی غور کرلیں۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی آواز کا ایک کرشمہ

عَنْ عَائِشَةَ اَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ جَلَسَ يَوْمَ الْجُمُعَةِ عَلَى الْمِنْبَرِ فَقَالَ لِلنَّاسِ اِجْلِسُوْا فَسَمِعَهُ عَبْدُ اللّٰهِ بْنُ رَوَاحَةَ وَهُوَ فِيْ غَنَمٍ فَجَلَسَ فِيْ مَكَانِهٖ. (رواہ البیہقی)

حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے روایت ہے کہ ایک مرتبہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جمعہ کے دن جب منبر پر خطبہ کے لیے بیٹھے تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے لوگوں سے فرمایا "بیٹھ جاؤ" آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی یہ آواز عبداللہ بن رواحہ کے کان میں بھی پہنچ گئی اس وقت وہ بکریوں میں تھے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی آواز کا سننا تھا کہ وہ فوراً وہیں بیٹھ گئے۔ (الخصائص)

عَنْ عَبْدِ الرَّحْمٰنِ بْنِ مُعَاذٍ التَّيْمِيِّ قَالَ خَطَبَنَا رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بِمِنًى فَفُتِحَتْ اَسْمَاعُنَا وَفِيْ لَفْظٍ فَفَتَحَ اللّٰهُ اَسْمَاعَنَا حَتّٰى اِنْ كُنَّا لَنَسْمَعُ مَا يَقُوْلُ وَنَحْنُ فِيْ مَنَازِلِنَا. (رواہ ابن سعد کما فی الخصائص)

عبدالرحمٰن بن معاذ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے منیٰ میں ہمارے سامنے خطبہ دیا تو اس کو سننے کے لیے اللہ تعالیٰ نے ہمارے کان اس طرح کھول دیے تھے کہ ہم تمام حجاج جہاں جہاں تھے بیٹھے ہوئے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی آواز سب وہیں سن رہے تھے۔ (خصائص)

تشریح۔ ہوا کی مخالفت (موافقت) سے اور آواز کی قدرتاً بلندی و پستی سے دور تک آواز کے پہنچنے نہ پہنچنے کا فرق تو عام بشر میں بھی ہو جاتا ہے مگر ایک ہی انسان میں اس کے معمول کے برخلاف اس کی آواز ہر ہر خیمہ میں اس طرح جا پہنچی جیسے وہ یہاں کھڑا بات کر رہا ہے، کبھی کبھی انبیاء علیہم السلام ہی میں ثابت ہوتا ہے، صحابہ کرام رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین بھی سچے علیم، سچے باایمان اور مستحکم عقیدہ کے لوگ تھے کرتے تو انہوں نے آپ کی اس غیر معمولی آواز کو ہوا کی موافقت کا کرشمہ سمجھا اور نہ اس کو غیر معقول تصور کیا بلکہ بڑی آسانی کے ساتھ یوں حل کرلیا کہ جس قدرت نے ہم کو ایک محدود فاصلہ پر شنوائی کی قوت عطا فرمائی ہے اس نے آج اس سے کچھ زیادہ فاصلہ پر شنوائی کی قوت بخش دی ہے۔ انبیاء علیہم السلام تو اپنے جسمانی خواص میں ممتاز ہوتے ہی تھے مگر حق یہ ہے کہ ان کے مخاطب بھی ساری مخلوق میں ممتاز صفت ہوتے تھے۔ آواز کی وسعت کا یہ کرشمہ کچھ آپ ہی کے عہد پر ختم نہیں ہو گیا تھا بلکہ ان کمالات میں سے تھا جس میں آپ کی امت کو بھی حصہ ملا تھا۔ اس لیے ایک مرتبہ مدینہ طیبہ میں عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی آواز نہاوند کی فوج میں بھی سنی جا چکی ہے۔ جیسا کہ کرامات کے باب میں آپ کی نظر سے گزرے گا۔ غنیمت ہے کہ ریڈیو اور لاؤڈ سپیکر نے اب روشن خیالوں کے لیے بھی اس کی وجہ جواز پیدا کردی ہے۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی چشم مبارک کی امتیازی خصوصیت

عَنْ اَنَسٍ قَالَ اُقِیْمَتِ الصَّلٰوۃُ فَاَقْبَلَ عَلَیْنَا رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ بِوَجْہِہٖ فَقَالَ اَقِیْمُوْا صُفُوْفَکُمْ وَتَرَاصُّوْا فَاِنِّیْ اَرَاکُمْ مِنْ وَّرَاءِ ظَهْرِیْ. (رواہ البخاری)

انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ ایک مرتبہ جماعت کھڑی ہوئی تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ہماری طرف اپنا رخ پھیر کر فرمایا اپنی صفیں سیدھی کرو اور خوب مل مل کر کھڑے ہو کیونکہ میں تم کو اپنی پشت کی طرف سے بھی دیکھتا ہوں۔ (بخاری شریف)

عَنْ اَنَسٍ قَالَ کَانَ النَّبِیُّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ یَقُوْلُ اِسْتَوُوْا اِسْتَوُوْا فَوَالَّذِیْ نَفْسِیْ بِیَدِہٖ اِنِّیْ لَاَرَاکُمْ خَلْفِیْ کَمَا اَرَاکُمْ مِنْ بَیْنِ یَدَیَّ. (رواہ ابو داؤد)

انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ روایت فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فرمایا کرتے تھے (جماعت میں) سیدھے سیدھے کھڑے ہو جاؤ‘ اس ذات کی قسم جس کے قبضہ میں میری جان ہے میں تم کو اپنی پشت کی جانب سے بھی اسی طرح دیکھتا ہوں جیسا کہ اپنے سامنے کی جانب سے (ابوداؤد)

تشریح۔ اپنے سامنے کی چیز دیکھ لینا تو ہر انسان کا خاصہ ہے لیکن رسول وہ ہوتے ہیں جن کو اللہ تعالیٰ سامنے اور پیچھے دیکھنے کی یکساں طاقت عنایت فرما دیتا ہے۔ اگر آنکھوں میں اپنے سامنے دیکھنے کی طاقت عام طور پر نہ ہوتی تو کیا کوئی انسان صرف عقل سے یہ حکم لگا سکتا تھا کہ اس عضو میں دیکھنے کی طاقت ہونی چاہیے لیکن جس نے اس میں صرف ایک سمت دیکھنے کی طاقت عام طور پر رکھ دی ہے کیا اس کو قدرت نہیں کہ وہ کسی کے حق میں مخالف سمت میں دیکھنے کی طاقت بھی پیدا فرما دے۔ قرآن کریم میں روز محشر انسانی جوارح کی بات چیت کرنا ثابت ہے اور یہ بھی ثابت ہے کہ جب انسان اپنے خلاف ان کی شہادت سن کر ان سے تعجب سے کہے گا "لم شهدتم علینا" تو اس کے جواب میں وہ بھی کہیں گے جس نے اور چیزوں کو قوت گویائی عطا فرمائی تھی اس نے آج ہم کو بھی یہ طاقت عطا فرما دی ہے۔ صحابہ کرام رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین کا بیان ہے کہ ہم اپنے سامنے رکھے ہوئے کھانے کی تسبیح خود سنتے تھے اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے کھانے میں سے بکری کا دست اٹھا کر یہ ہوئے فرمایا تھا کہ کھانے میں زہر ملانے کی خبر مجھ کو اس نے دی ہے۔ جب ان اعضاء میں نطق کی طاقت پیدا ہو جانا ممکن ہوا تو آنکھ میں صرف بینائی کی طاقت کا اور ترقی کر جانا ناممکن کیوں سمجھا جائے۔ یہاں آپ کے قسم کھانے کے بعد بھی اگر کسی کو یقین نہ آئے تو اس کے لیے اب اور کوئی راستہ نہیں ہے۔ "ومن لم یجعل اللّٰہ نوراً فماله من نور"۔

عَنْ اَبِیْ هُرَیْرَۃَ قَالَ صَلّٰی بِنَا رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ الظُّهْرَ وَفِیْ مُؤَخَّرِ الصُّفُوْفِ رَجُلٌ فَاَسَاءَ الصَّلٰوۃَ فَلَمَّا سَلَّمَ نَادَاہُ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ یَا فُلَانُ اَلَا تَتَّقِی اللّٰہَ اَلَا تَرٰی کَیْفَ تُصَلِّیْ اِنَّکُمْ تَرَوْنَ اَنَّہٗ یَخْفٰی عَلَیَّ شَیْءٌ مِّمَّا تَصْنَعُوْنَ وَاللّٰہِ اِنِّیْ لَاَرٰی مِنْ خَلْفِیْ کَمَا اَرٰی مِنْ بَیْنِ یَدَیَّ. (رواہ احمد)

ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ بیان فرماتے ہیں کہ ایک بار رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ہم کو ظہر کی نماز پڑھائی۔ اس میں ایک شخص نے جو آخری صف میں شامل تھا نماز میں کچھ کوتاہی کی آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے جب سلام پھیرا تو اس کو آواز دے کر

فرمایا اے فلاں! اللہ سے ڈرتا نہیں تو دیکھتا نہیں کیسی نماز پڑھتا ہے تم لوگوں کا خیال شاید یہ ہوگا کہ جو حرکتیں تم کرتے ہو وہ مجھ سے پوشیدہ رہتی ہیں۔ بخدا جیسے میں اپنے سامنے سے دیکھتا ہوں اسی طرح پشت کی جانب سے بھی دیکھتا ہوں۔ (احمد)

تشریح۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی چشم مبارک کی یہ صفت کئی مختلف صحابہ سے مختلف طور پر روایت کی گئی ہے اس روایت سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ یہ واقعہ ظہر کی نماز کا تھا جو شخص اس ارشاد کا باعث بنا وہ سب سے آخری صف میں شامل تھا۔ یہاں اتنی بات اور زیادہ ہے کہ نماز میں تمہاری ہر ہر حرکت کا مجھے علم ہو جاتا ہے وہ بھی کسی اور ذریعے سے نہیں بلکہ خود میں دیکھ کر۔ وراس پے آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے قسم کھا کر فرمایا کہ جس طرح میں اپنے سامنے سے دیکھتا ہوں اسی طرح پشت کی جانب سے بھی دیکھتا ہوں۔ راہ اعتدال یہ ہے کہ حدیثوں میں جو صفات جس حد تک ثابت ہوں ان کو بے چوں و چرا تسلیم کرلیا جائے نہ ان میں تاویلات کی جائیں اور نہ ان میں اپنی جانب سے مبالغے کیے جائیں۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی قوت سامعہ کی امتیازی خصوصیت

عَنْ زَيْدِ بْنِ ثَابِتٍ قَالَ بَيْنَا رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فِىْ حَائِطٍ لِبَنِى النَّجَّارِ عَلٰى بَغْلَةٍ لَهٗ وَنَحْنُ مَعَهٗ اِذْ حَادَتْ بِهٖ فَكَادَتْ تُلْقِيْهِ وَاِذَا اَقْبُرٌ سِتَّةٌ اَوْ خَمْسَةٌ فَقَالَ مَنْ يَعْرِفُ اَصْحَابَ هٰذِهِ الْاَقْبُرِ قَالَ رَجُلٌ اَنَا قَالَ فَمَتٰى مَاتُوْا قَالَ فِى الشِّرْكِ فَقَالَ اِنَّ هٰذِهِ الْاُمَّةَ تُبْتَلٰى فِىْ قُبُوْرِهَا فَلَوْلَا اَنْ لَا تَدَافَنُوْا لَدَعَوْتُ اللّٰهَ اَنْ يُّسْمِعَكُمْ مِنْ عَذَابِ الْقَبْرِ الَّذِىْ اَسْمَعُ مِنْهُ ثُمَّ اَقْبَلَ عَلَيْنَا بِوَجْهِهٖ فَقَالَ تَعَوَّذُوْا بِاللّٰهِ مِنْ عَذَابِ النَّارِ قَالُوْا نَعُوْذُ بِاللّٰهِ مِنْ عَذَابِ النَّارِ قَالَ تَعَوَّذُوْا بِاللّٰهِ مِنْ عَذَابِ الْقَبْرِ قَالُوْا نَعُوْذُ بِاللّٰهِ مِنْ عَذَابِ الْقَبْرِ قَالَ تَعَوَّذُوْا بِاللّٰهِ مِنَ الْفِتَنِ مَا ظَهَرَ مِنْهَا وَمَا بَطَنَ قَالُوْا نَعُوْذُ بِاللّٰهِ مِنَ الْفِتَنِ مَا ظَهَرَ مِنْهَا وَمَا بَطَنَ قَالَ تَعَوَّذُوْا بِاللّٰهِ مِنْ فِتْنَةِ الدَّجَّالِ قَالُوْا نَعُوْذُ بِاللّٰهِ مِنْ فِتْنَةِ الدَّجَّالِ (رواہ مسلم)

زید بن ثابت رضی اللہ تعالیٰ عنہ بیان فرماتے ہیں ایسا اتفاق ہوا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ایک مرتبہ بنو النجار کے کسی باغ میں ایک خچر پر سوار تھے اس وقت ہم لوگ بھی آپ کے ہمراہ موجود تھے کہ دفعۃً آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی سواری اس زور سے بدکی قریب تھا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم گر جاتے دیکھا تو وہاں پانچ یا چھ قبریں تھیں۔ آپ نے پوچھا کوئی ہے جو ان مدفون شخصوں کو پہچانتا ہو؟ ایک شخص بولا میں پہچانتا ہوں۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے پوچھا یہ مردے کس زمانہ کے ہیں؟ اس نے جواب دیا شرک کے زمانہ کے۔ اس پر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اس امت کا قبر میں امتحان ہوتا ہے۔ اگر مجھے یہ خطرہ نہ ہوتا کہ مارے دہشت کے تم دفن کرنا ہی چھوڑ نہ جاؤ گے تو میں اللہ تعالیٰ سے دعا کرتا کہ جو عذاب قبر میں سنتا ہوں وہ تم کو بھی سنادے۔ پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ہماری طرف رخ بدل کر فرمایا اللہ تعالیٰ کے سامنے عذاب دوزخ سے پناہ مانگو لوگوں نے فوراً کہا ہم اللہ کے سامنے عذاب دوزخ سے پناہ مانگتے ہیں۔ پھر فرمایا عذاب قبر سے بھی پناہ مانگو ہم نے فوراً اللہ تعالیٰ سے عذاب قبر سے پناہ مانگی اس کے بعد آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اچھا تمام فتنوں سے بھی پناہ مانگو ظاہر ہوں یا پوشیدہ ہم نے فوراً کہا ہم اللہ تعالیٰ سے تمام قسم کے فتنوں سے پناہ مانگتے ہیں خواہ وہ ظاہر ہوں یا پوشیدہ ہوں۔ آخر میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ دجال کے فتنے سے بھی

پناہ مانگو ہم نے فوراً دعا کی۔ ہم اللہ تعالیٰ سے دجال کے فتنے سے بھی پناہ مانگتے ہیں۔ (مسلم)

تشریح۔ بیمار اور عمر رسیدہ انسانوں کی آہ دیکھا تو ہر بشر خستہ ہے لیکن رسول وہ ہوتے ہیں جو غم دوہ انسانوں کے نالہ و فریاد بھی سن لیتے ہیں چونکہ ان کے یقین کے عالم میں مغیبہ اور چشم دید حالت کے درمیان کوئی فرق نہیں ہوتا اس لیے جو غم وہ جانتے ہیں اس کو دیکھنے کی طاقت بھی رکھتے ہیں' عام انسانوں میں یہ بات نہیں ہوتی اس لیے بعض شنیدہ واقعات کے دیکھنے کی ان میں طاقت نہیں ہوتی۔ یہاں آپ نے مستقبل ہولناک حوادث میں سے سب سے پہلے عذاب دوزخ کی یاد دلائی اور سب سے آخر میں آپ نے فتنہ کی یاد تازہ کی جو امت میں سب سے زیادہ ہولناک ہوگا۔ بعض حدیثوں سے معلوم ہوتا ہے کہ دجال کے ہولناک فتنہ کا اثر بعض اہل قبور پر بھی ہوگا۔ اس لیے اس موقع پر اس سے بھی تعوذ کی تعلیم فرمائی گئی ہے۔ افسوس ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے کس کس طرح ہر ہر موقع پر جن فتنوں کی یاد دہانی فرمائی تھی امت کے ناخلف افراد آج یا تو ان کا صاف انکار کر رہے ہیں ورنہ تاویل پر آمادہ ہیں۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے لعاب دہن کی امتیازی خصوصیت

عَنْ عَائِشَةَ قَالَتْ كَانَ إِذَا اشْتَكَى الْإِنْسَانُ الشَّيْءَ مِنْهُ أَوْ كَانَتْ بِهِ قَرْحَةٌ أَوْ جُرْحٌ قَالَ النَّبِيُّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بِإِصْبَعِهِ بِسْمِ اللَّهِ تُرْبَةُ أَرْضِنَا بِرِيقَةِ بَعْضِنَا لِيُشْفَى سَقِيمُنَا بِإِذْنِ رَبِّنَا۔ (متفق علیہ)

حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا بیان فرماتی ہیں جب کوئی شخص بیمار پڑتا یا اس کے جسم میں کہیں زخم ہوتا تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم مٹی میں ذرا سا اپنا لعاب مبارک ڈال کر انگلی سے ملاتے جاتے اور یہ کلمات پڑھتے جاتے بسم اللہ الخ یعنی یہ ہماری زمین کی مٹی اور ہمارا لعاب دہن ہے ہم اس کو ملا کر اللہ تعالیٰ کے نام کے ساتھ لگاتے ہیں تاکہ ہمارے رب کے حکم سے ہمارا بیمار شفایاب ہو جائے۔ (متفق علیہ)

تشریح۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے فضلات میں یہاں آپ کے لعاب دہن کا تذکرہ ہے اس کے معجزانہ کرشمے تو آپ کے سامنے معجزات کی بحث میں آئیں گے۔ ان شاء اللہ تعالیٰ کسی کی آنکھ کا آشوب اس طرح صاف ہو گیا جیسی کبھی کوئی تکلیف ہی نہ تھی' کسی کی شکستہ ہڈی اس طرح جڑ گئی جیسے کبھی اس میں کوئی نقصان ہی نہ ہوا تھا۔ یہاں تو پتہ ثابت ہوتا ہے کہ صحابہ کرام رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین کے سامنے مرہم شفاء کا یہ ایک عام نسخہ بھی تھا۔ سبحان اللہ کیا کمال تھا' پھر اس کمال کے ساتھ کتنی فروتنی تھی اور اس فروتنی میں کتنی حقیقت تھی کہ اس مرہم کی ساری شفاء کا تصور آپ اسی کے نام کی برکت کے ساتھ وابستہ فرماتے ہیں جو رب محمد ہے "اللھم صلی وسلم وبارک علیہ کما تحب و ترضی" غور فرمایئے کہ رسول کس طرح ہر ہر موقع پر انسانی نفع و ضرر کا رشتہ ایک اللہ تعالیٰ کی ذات کے ساتھ وابستہ سمجھتے ہیں کون تھا جس کو شفاء تو اس کیمیاوی نسخہ سے ہوتی مگر اس کے سامنے تصور یہ رہتا کہ یہ ساری شفاء ہے سب حکم ربانی کے تحت۔ اس لیے انسان کی کمزور فطرت کے لیے اس جملہ کا ہر ہر کلمہ اس حقیقت پر تنبیہ ضروری بھی تھی آپ کا یہ مختصر جملہ کیا تھا گویا شفاء کا تعویذ بھی تھا اور رسالت و توحید کا ہدایت نامہ بھی۔ آج اصول طب کے لحاظ سے بھی مٹی میں بہت سے امراض کے لیے شفاء مسلم ہو چکی ہے۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی نیند کی خصوصیت

عَنْ عَائِشَةَ قَالَتْ يَا رَسُولَ اللّٰهِ أَتَنَامُ قَبْلَ أَنْ تُوتِرَ فَقَالَ يَا عَائِشَةُ إِنَّ عَيْنَيَّ تَنَامَانِ وَلَا يَنَامُ قَلْبِي. ([illegible])

حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے روایت ہے کہ انہوں نے پوچھا یا رسول اللہ! (صلی اللہ علیہ وسلم) کیا نماز وتر پڑھنے سے قبل آپ سو سکتے ہیں؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا عائشہ! صرف میری آنکھیں سوتی ہیں میرا دل نہیں سوتا وہ بیدار رہتا ہے۔ (بخاری)

تشریح۔ حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کو یہ مسئلہ معلوم تھا کہ سونے سے وضو جاتا رہتا ہے اس لیے جو شخص سو کر اٹھے اور نماز کا ارادہ ہو تو اس کو وضو کرنا لازم ہے مگر جب یہاں انہوں نے دیکھا کہ آپ سو جاتے ہیں اور پھر وضو کیے بغیر وتر پڑھ لیتے ہیں تو آپ کی فہم پر قرین کہ یہ نہیں فرمایا کہ آپ نے وضو کیوں نہیں کیا بلکہ یہ فرمایا کیا آپ صلی اللہ علیہ وسلم نماز سے قبل سو جاتے ہیں؟ یعنی اٹھ کر وضو کیے بغیر نماز وتر ادا کر سکتے ہیں کیونکہ وہ اب تک آپ کی نیند کی خصوصیت نہ جانتی ہوں گی مگر اتنا جانتی تھیں کہ نبی اپنی بہت سی باتوں میں عام بشر سے ممتاز ہوتا ہے یہ صورت بھی ضرور کسی امتیاز ہی پر مبنی ہوگی۔

انبیاء علیہم السلام کو اپنی حیات وموت میں اختیار ملنے کی خصوصیت

عَنْ أَبِي سَعِيدٍ الْخُدْرِيِّ أَنَّ رَسُولَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ جَلَسَ عَلَى الْمِنْبَرِ فَقَالَ إِنَّ عَبْدًا خَيَّرَهُ اللّٰهُ بَيْنَ أَنْ يُؤْتِيَهُ مِنْ زَهْرَةِ الدُّنْيَا مَا شَاءَ وَبَيْنَ مَا عِنْدَهُ فَاخْتَارَ مَا عِنْدَهُ فَقَالَ أَبُوْبَكْرٍ فَدَيْنَاكَ يَا رَسُولَ اللّٰهِ بِآبَائِنَا وَأُمَّهَاتِنَا قَالَ فَعَجِبْنَا فَقَالَ النَّاسُ أُنْظُرُوا إِلَى هٰذَا الشَّيْخِ يُخْبِرُ رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَنْ عَبْدٍ خَيَّرَهُ اللّٰهُ أَنْ يُؤْتِيَهُ مِنْ زَهْرَةِ الدُّنْيَا مَا شَاءَ وَبَيْنَ مَا عِنْدَ اللّٰهِ وَهُوَ يَقُولُ فَدَيْنَاكَ بِآبَائِنَا وَأُمَّهَاتِنَا فَكَانَ رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ هُوَ الْمُخَيَّرُ وَكَانَ أَبُوْبَكْرٍ هُوَ أَعْلَمَنَا بِهِ فَقَالَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِنَّ مِنْ أَمَنِّ النَّاسِ عَلَيَّ فِي صُحْبَتِهِ وَمَالِهِ أَبُوْبَكْرٍ وَلَوْ كُنْتُ مُتَّخِذًا خَلِيلًا لَاتَّخَذْتُ أَبَا بَكْرٍ خَلِيلًا وَلٰكِنْ أُخُوَّةُ الْإِسْلَامِ لَا تُبْقَيَنَّ فِي الْمَسْجِدِ خَوْخَةٌ إِلَّا خَوْخَةَ أَبِي بَكْرٍ. ([illegible])

ابوسعید خدری رضی اللہ تعالیٰ عنہ بیان فرماتے ہیں کہ ایک مرتبہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم منبر پر بیٹھے اور فرمایا اللہ تعالیٰ کا ایک بندہ ایسا ہے جس کو اللہ تعالیٰ نے اختیار دیدیا ہے اگر وہ چاہے تو دنیا کے مال ودولت کی رونق جس کی وہ چاہتا ہے اس کو عطا فرما دے اور اگر چاہے تو جو انعامات واکرام حق تعالیٰ کے یہاں اس کے لیے تیار ہیں ان کو اختیار کرلے اللہ تعالیٰ کے اس بندہ نے ان دونوں میں سے ان انعامات ہی کو پسند کرلیا ہے جو اللہ تعالیٰ کے یہاں ہیں۔ یہ سن کر ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ بے ساختہ بول اٹھے یا رسول اللہ! (صلی اللہ علیہ وسلم) آپ پر ہم اپنی ماں باپ سمیت قربان ہوں۔ ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے اس فرمانے سے ہم کو تعجب ہوا اور لوگوں نے کہا ان بزرگ کو دیکھئے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تو ایک بندہ کا حال نقل فرما رہے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے اس کو اختیار دیدیا ہے اگر وہ چاہے تو جتنی وہ چاہے اس کو دنیا کی زیبائش وآرائش مرحمت فرما دے اور اگر چاہے تو اللہ تعالیٰ کے

یہاں کے انعامات و اکرام پسند کرلے۔ اس پر یہ بزرگ کہہ رہے ہیں کہ آپ پر ہم اپنے ماں باپ سمیت قربان ہوں۔ پھر بعد میں یہ عقدہ کھلا کہ جس بندہ کو اختیار دیا گیا تھا وہ تو خود آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات گرامی تھی۔ حقیقت یہ ہے کہ ہم سب میں اس راز کو زیادہ سمجھنے والے ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ تھے۔ اس کے بعد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جس کی رفاقت اور جس کے مال کا احسان مجھ پر سب سے زیادہ ہے وہ ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی ذات ہے۔ اگر میں کسی کو خلیل بناتا تو صرف ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ ہی کو بناتا (لیکن میرا یہ تعلق صرف ایک ذات الٰہی کے ساتھ وابستہ ہو چکا ہے) اب ایک اخوت اسلامی باقی ہے لہٰذا مسجد کی جانب کی جتنی کھڑکیاں ہیں ان میں سے کوئی کھلی نہ رہے۔ بس صرف ایک کھڑکی ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے گھر کی کھلی رہے (کہ میرے بعد خلافت کی ذمہ داری کی وجہ سے ان کو آمد و شد کی ضرورت زیادہ ہوگی)۔ (ترمذی شریف)

تشریح۔ حدیث مذکورہ میں جہاں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی ایک خاص امتیازی صفت کا ذکر آیا ہے اسی کے ساتھ صدیق اکبر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے متعلق بھی ایک خاص امتیازی نوازش کا ذکر آ گیا ہے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی سروری تو امت کے سامنے ایک بدیہی مسئلہ تھا۔ پھر آپ کی شان عبدیت نے ناموں لے کر اس کو صاف صاف بیان کرنا پسند نہ کیا مگر اپنی وفات کے ساتھ ساتھ جس امر کو وضاحت کے ساتھ ذکر فرمایا احکام و مسائل کی طرح امت کے سامنے ضروری سمجھا وہ ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کی ایک امتیازی شان تھی۔ اس پر بحث کرنا بہت نامناسب ہے کہ خلت کی حقیقت کیا ہے، جس میں کسی کے لیے بھی شرکت کی گنجائش نہیں نکل سکتی۔ مگر اتنا آپ کی زبان مبارک سے پھر نکل گیا کہ اگر اس میں شرکت کا کوئی امکان ہوتا تو اس کے حقدار بھی سب سے پہلے صدیق اکبر رضی اللہ تعالیٰ عنہ ہوتے اور اس کی بنیاد اس کے سوا اور کچھ نہیں کہ اسلام کے لیے جان و مال کی جو قربانی اور جتنی برمحل انہوں نے پیش کی اس میں دوسرا کوئی ان کا شریک نہیں تھا۔ آپ کے بیان میں ان کے حق میں جو بلند سے بلند کلمات آ سکتے تھے وہ بھی آ گئے اور اسی کے ساتھ عملی لحاظ سے "فتح خوخہ" یعنی مسجد کی جانب صرف ایک ان کا دروازہ کھلا رکھنے کی اجازت اور دوسروں کے تمام دروازوں کے بند ہونے کا حکم بھی صادر ہو گیا۔ ادھر آپ کے عمر بھر کے صحبت یافتہ صحابہ کی زبانوں سے ضمنی طور پر جو کلمہ یہاں نکل گیا اس سے یوں معلوم ہوتا ہے کہ اس رفیق غار کے علم و فہم میں برتری کا مسئلہ ان کے درمیان ایک مسلمہ مسئلہ تھا پھر اس کا بھی جس طرح عملی ظہور ہوا وہ صدیق اکبر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے خطبہ سے ظاہر ہے اب جس کے متعلق صحابہ کی شہادت یہ ہو اور خود سرور کائنات صلی اللہ علیہ وسلم کے اعزاز و تکریم کے کلمات یہ ہوں ان کے متعلق اب امت کا عقیدہ کیا رہنا چاہیے۔

وفات کے وقت انبیاء علیہم السلام کو پھر اختیار ملنے کی خصوصیت

عَنْ عَائِشَةَ قَالَتْ قُبِضَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بَيْنَ سَحْرِيْ وَنَحْرِيْ فَلَمَّا خَرَجَتْ نَفْسُهُ لَمْ أَجِدْ رِيْحًا قَطُّ أَطْيَبَ مِنْهَا۔ (اخرجہ البزار والبیہقی بسند صحیح)

حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا بیان فرماتی ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا وصال میری تھوڑی اور سینہ کے درمیانی حصہ میں ہوا ہے۔ جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی روح عالم قدس کی طرف پرواز کرنے لگی تو میں نے ایک ایسی خوشبو محسوس کی جو پھر کبھی محسوس نہ کی۔ (بزار)

عَنْ اُمِّ سَلَمَۃَ قَالَتْ وَضَعْتُ یَدِیْ عَلٰی صَدْرِ رَسُوْلِ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ یَوْمَ مَاتَ فَمَرَّبِیْ جُمَعٌ اٰکُلُ وَاَتَوَضَّأُ مَا یَذْھَبُ رِیْحُ الْمِسْکِ مِنْ یَدِیْ. (اخرجہ البیہقی کما فی الخصائص ص ۲۸۰ ج ۲)

حضرت اُم سلمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا روایت فرماتی ہیں جس دن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا وصال ہوا تھا میں نے اپنا ہاتھ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے سینہ پر رکھ کر آپ کو دیکھا تھا بس کیا کہوں کئی جمعے گزر چکے ہیں کھاتی بھی ہوں اور وضو بھی کرتی ہوں مگر وہ مشک کی سی خوشبو میرے ہاتھوں سے نہیں جاتی۔

بعد وفات آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے غسل کی خصوصیت

عَنْ عَائِشَۃَ لَمَّا اَرَادُوْا غُسْلَ النَّبِیِّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ قَالُوْا وَاللّٰہِ مَا نَدْرِیْ اَنُجَرِّدُ رَسُوْلَ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ مِنْ ثِیَابِہٖ کَمَا نُجَرِّدُ مَوْتَانَا اَمْ نَغْسِلُہٗ وَعَلَیْہِ ثِیَابُہٗ فَلَمَّا اخْتَلَفُوْا اَلْقَی اللّٰہُ عَلَیْھِمُ النَّوْمَ حَتّٰی مَا مِنْھُمْ رَجُلٌ اِلَّا وَذَقْنُہٗ فِیْ صَدْرِہٖ ثُمَّ کَلَّمَھُمْ مُکَلِّمٌ مِنْ نَاحِیَۃِ الْبَیْتِ لَا یَدْرُوْنَ مَنْ ھُوَ اَنِ اغْسِلُوا النَّبِیَّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ وَعَلَیْہِ ثِیَابُہٗ. (اخرجہ ابن سعد وابوداؤد)

حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا بیان فرماتی ہیں جب لوگوں نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو غسل دینے کا ارادہ کیا تو باہم یہ گفتگو ہونے لگی بخدا ہم کو اس کا علم نہیں کہ جس طرح ہم اپنے مُردوں کے جسم کے کپڑے اتار دیتے ہیں کیا آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے جسم مبارک کے کپڑے بھی اتار لیں یا آپ کو ان کپڑوں ہی میں غسل دیدیں۔ جب اختلاف زیادہ ہونے لگا تو اللہ تعالیٰ نے ان پر ایک نیند غالب کر دی کہ ان میں ایک شخص بھی ایسا نہ بچا جس کی ٹھوڑی اس کے سینے سے جا نہ لگی ہو پھر گھر کے ایک گوشہ سے کسی کہنے والے نے کہا معلوم نہیں وہ تھا کون آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے کپڑوں ہی میں غسل دیدو۔

تشریح: آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم غسل کی سنت میں یہاں عام بشر کے شریک بھی ہیں مگر اتنے ممتاز بھی ہیں کہ صحابہ کرام رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین آپ کے غسل میں متحیر کھڑے ہیں اور یہ جرأت نہیں کر سکتے کہ جس طرح عام انسانوں کے کپڑے اُتار لیے جاتے ہیں اسی طرح آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے کپڑے بھی اتار لیے جائیں۔ پھر یہاں ندائے غیبی سے اس صورت پر عمل کرایا جاتا ہے جو خود بھی قرین قیاس نظر آرہی تھی۔ خدا تعالیٰ کی اس حکمت کے قربان کہ دین کامل بھی ہوا مگر پھر بہت سے معاملات میں اجتہاد کا دروازہ کھلا رہا اور اس طرح جس امت میں اب کوئی جدید رسول آنے والا نہ تھا اس کے لیے بڑی سہولت اور وسعت پیدا ہوگئی۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم پر نماز جنازہ کی ایک امتیازی خصوصیت

عَنِ ابْنِ مَسْعُوْدٍ قَالَ لَمَّا ثَقُلَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ قُلْنَا مَنْ یُصَلِّیْ عَلَیْکَ یَا رَسُوْلَ اللّٰہِ قَالَ رِجَالٌ مِنْ اَھْلِ بَیْتِیْ الْاَدْنٰی فَالْاَدْنٰی مَعَ مَلَائِکَۃٍ کَثِیْرَۃٍ یَرَوْنَکُمْ مِنْ حَیْثُ لَا تَرَوْنَھُمْ قُلْنَا مَنْ یُصَلِّیْ عَلَیْکَ قَالَ اِذَا غَسَّلْتُمُوْنِیْ وَکَفَّنْتُمُوْنِیْ وَحَنَّطْتُمُوْنِیْ فَضَعُوْنِیْ عَلٰی سَرِیْرِیْ ھٰذَا عَلٰی شَفِیْرِ قَبْرِیْ ثُمَّ اخْرُجُوْا عَنِّیْ سَاعَۃً فَاِنَّ اَوَّلَ مَنْ یُصَلِّیْ عَلَیَّ جِبْرَئِیْلُ ثُمَّ مِیْکَائِیْلُ ثُمَّ اِسْرَافِیْلُ

ثُمَّ مَلَكُ الْمَوْتِ مَعَ جُنُوْدٍ مِنَ الْمَلَائِكَةِ ثُمَّ لِيُصَلِّ عَلَيَّ اَهْلُ بَيْتِيْ ثُمَّ ادْخُلُوْا عَلَيَّ اَفْوَاجًا وَفُرَادٰى قُلْتُ فَمَنْ يُدْخِلُكَ قَبْرَكَ قَالَ اَهْلِيْ مَعَ مَلَائِكَةٍ كَثِيْرِيْنَ يَرَوْنَكُمْ مِنْ حَيْثُ لَا تَرَوْنَهُمْ

اخرجه ابن سعد و ابن منيع والحاكم والبيهقي والطبراني في الاوسط قال البيهقي تفرد به سلام الطويل عن عبدالملك بن عبدالرحمن وتعقبه ابن حجر في المطالب العالية بان ابن منيع اخرجه من طريق مسلمة بن صالح عن عبدالملك به فهذه متابعة لسلام الطويل واخرجه البزار من وجه آخر عن ابن مسعود و اخرج البيهقي وغيره عن ابن عباس ان الناس صلوا عليه بغير امام ارسالا كذا في الخصائص ص ۲۷۶ ج ۲ وقد تكلم في اسناده الحافظ ابن كثير في البداية والنهاية ص ۲۵۳ ج ۵ وذكر في ص ۲۶۵ ج ۵ ان في صحته نظرا ومع هذا قال ان صلاتهم عليه فرادى لم يؤمهم احد عليه امر مجمع عليه لا خلاف فيه.

حضرت ابن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ روایت فرماتے ہیں جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی علالت زیادہ بڑھ گئی تو ہم لوگوں نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے دریافت کیا یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم آپ کو غسل کون دے؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا میرے گھر کے وہ آدمی جو نسب میں مجھ سے قریب ہوں سب سے زیادہ قریب تر ہوں ان کے ساتھ اللہ تعالیٰ کے بہت سے اور فرشتے بھی شامل ہوں گے جو تم کو دیکھتے ہیں اور تم ان کو نہیں دیکھتے۔ پھر ہم نے عرض کی اچھا آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی نماز کون پڑھائے؟ فرمایا جب تم مجھے غسل دے کر خوشبو لگا کر اور کفن پہنا کر فارغ ہو جاؤ تو مجھ کو میری اسی چارپائی پر میری قبر کے کنارے رکھ دینا۔ پھر تھوڑی دیر کے لیے تم سب باہر ہو جانا کیونکہ سب سے پہلے جو مجھ پر نماز پڑھیں گے وہ جبرئیل علیہ السلام ہیں ان کے بعد پھر میکائیل پھر اسرافیل پھر ملک الموت اور ان کے ساتھ اور بہت سے فرشتے ہوں گے ان کے بعد میرے اہل بیت مجھ پر نماز پڑھیں اس کے بعد تم لوگ جماعتیں جماعتیں اور علیحدہ علیحدہ داخل ہونا۔ ہم نے پوچھا اچھا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو قبر میں کون اتارے؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا میرے گھر کے مرد اور ان کے ساتھ اور بہت سے فرشتے ہوں گے جو تم کو دیکھتے ہیں اور تم ان کو نہیں دیکھتے۔ (خصائص کبریٰ)

تشریح: الغرض انبیاء علیہم السلام کی ہر ہر بشری عوارض میں شرکت بھی اور قدم قدم پر ان کے امتیازات بھی کس طرح ثابت ہوتے چلے جاتے ہیں مگر اس کے باوجود ان کا صحیح مقام سمجھنے میں پھر مغالطہ کھاتے ہیں حالانکہ بات بالکل صاف ہے کہ بیشک وہ بشر ہوتے ہیں بلکہ افضل البشر ہوتے ہیں اور نوع بشری ذریت کو بھی اگر بشریت کہہ جائے تو یہ روا رکھا جائے ان کے امتیازی صفات میں وہ ایک صفت بھی ایسی نہیں ہوتی جو بشریت کی صفت نہ ہو ان صفات سے جتنا ان میں اور عام بشر میں امتیاز ہو جاتا ہے اس سے زیادہ امتیاز ان میں اور رب العالمین میں ہو کر رہ جاتا ہے۔ تو قرآن کریم نے اپنے سب سے مقرب اور محبوب رسول کے ساتھ جو خاص خاص مواقع پر انداز خطاب اختیار فرمایا ہے وہ اس لیے ہے کہ ہر ہر جگہ یہ واضح ہو جائے کہ قرب و عبدیت کے سارے مقامات طے ہو جانے کے بعد بھی رب العالمین کے سامنے کسی کی ہستی بندگی سے آگے نہیں جاتی۔ "سبحانه وحده لا شريك له ثم الذين كفروا بربهم يعدلون."

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے اہل خانہ کی غیبی تعزیت کی خصوصیت

عَنْ جَابِرٍ قَالَ لَمَّا تُوُفِّيَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَزَّتْهُمُ الْمَلَائِكَةُ يَسْمَعُوْنَ الْحِسَّ وَلَا يَرَوْنَ الشَّخْصَ فَقَالَتْ اَلسَّلَامُ عَلَيْكُمْ اَهْلَ الْبَيْتِ وَرَحْمَةُ اللّٰهِ وَبَرَكَاتُهُ اِنَّ فِي اللّٰهِ عَزَاءً مِنْ كُلِّ مُصِيْبَةٍ وَخَلَفًا مِنْ كُلِّ فَائِتٍ فَبِاللّٰهِ فَثِقُوْا وَاِيَّاهُ فَارْجُوْا فَاِنَّمَا الْمَحْرُوْمُ مَنْ حُرِمَ الثَّوَابَ وَالسَّلَامُ عَلَيْكُمْ وَرَحْمَةُ اللّٰهِ وَبَرَكَاتُهُ. (اخرجہ الحاکم)

جابر رضی اللہ تعالیٰ عنہ بیان کرتے ہیں کہ جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات ہو چکی تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے اہل بیت کی تعزیت ملائکہ نے بھی کی صرف ایک آواز آتی تھی مگر کوئی شخص نظر نہ آتا تھا اور تعزیت کے الفاظ یہ تھے "اے اہل بیت السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ۔ ہر مصیبت میں اللہ تعالیٰ کی ذات پاک صبر کا سبب ہے اور ہر چیز کا جو ہاتھوں سے نکل جائے۔ اللہ تعالیٰ کی ذات پاک بہتر جانشین ہے (اس کا بدل دے دیتا ہے) لہٰذا صرف اسی کی ذات پر بھروسہ رکھو اور اسی سے امید لگائے رکھو کیونکہ محروم صرف وہ کہا جاتا ہے جو ثواب سے بھی محروم ہو جائے (تم کو صبر کا ثواب ملے گا تم محروم نہیں) السلام علیکم ورحمۃ اللہ۔ (خصائص کبریٰ)

انبیاء علیہم السلام کے دفن میں امتیازی خصوصیت

عَنْ عَائِشَةَ قَالَتْ لَمَّا قُبِضَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اخْتَلَفُوْا فِيْ دَفْنِهِ فَقَالَ اَبُوْبَكْرٍ سَمِعْتُ مِنْ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ شَيْئًا قَالَ مَا قَبَضَ اللّٰهُ نَبِيًّا اِلَّا فِي الْمَوْضِعِ الَّذِيْ يُحِبُّ اَنْ يُدْفَنَ فِيْهِ اِدْفِنُوْهُ فِيْ مَوْضِعِ فِرَاشِهِ. (رواہ الترمذی)

حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا بیان فرماتی ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی جب وفات ہو گئی تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے دفن کے متعلق لوگوں کی رائیں مختلف تھیں اس پر صدیق اکبر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے ایک بات سنی ہے کہ اللہ تعالیٰ نے کسی نبی کو وفات نہیں دی مگر اسی مقام پر جہاں وہ چاہتا ہے کہ اس کو دفن کیا جائے لہٰذا آپ کو وہیں دفن کرو جہاں آپ کا بچھونا تھا۔ (ترمذی)

تشریح۔ اللہ تعالیٰ کے رسول بھی دفن ہوتے ہیں مگر جس طرح ان کی ولادت اور موت کے حالات میں امتیاز ہوتا ہے۔ اسی طرح ان کے دفن کے حالات میں بھی امتیاز ہوتا ہے وہ عام دستور کے مطابق ہر جگہ دفن نہیں ہوتے بلکہ وہیں دفن ہوتے ہیں جہاں ان کی تمنا ہوتی ہے چونکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے گھر میں ہوئی اس لیے یہ اس کی دلیل تھی کہ اسی جگہ دفن ہونے کی آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی تمنا تھی۔ لہٰذا آپ وہیں دفن کیے گئے۔ تو جو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی قیام گاہ تھی وہی آپ کا مدفن رہا۔ اب غور فرمایئے وہ بشر کیسے بشر ہوں گے جن کی وفات کے بعد گھر رہائش کا بھی فرق نہیں پڑا۔ صرف اس کی صورت ذرا بدل گئی اور جب ذرا ایک قدم اور آگے بڑھایئے تو حدیثیں پتہ دیتی ہیں کہ انبیاء علیہم السلام کے جسم زندوں کی طرح زمین کے تخریبی اثرات سے محفوظ رہتے ہیں اور اگر اس سے ذرا اور آگے قدم اٹھایئے تو معلوم ہوتا ہے کہ وہ قبروں

میں نمازیں بھی پڑھتے ہیں مگر پھر ان سب فضائل سے ان کی بشریت اور عبدیت ہی کا ثبوت ملتا ہے۔ جب دنیا میں آپ محسوس حیات کے مالک ہو کر وہ بشر ہی رہے تو وفات کے بعد ان کی غیر محسوس حیات سے آپ اپنا عقیدہ کیوں خراب کرتے ہیں۔

عَنْ اَنَسٍؓ قَالَ لَمَّا کَانَ الْیَوْمُ الَّذِیْ دَخَلَ فِیْهِ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ الْمَدِیْنَةَ اَضَاءَ مِنْهَا کُلُّ شَیْءٍ فَلَمَّا کَانَ الْیَوْمُ الَّذِیْ مَاتَ فِیْهِ اَظْلَمَ مِنْهَا کُلُّ شَیْءٍ وَمَا نَفَضْنَا اَیْدِیَنَا عَنِ التُّرَابِ وَاِنَّا لَفِیْ دَفْنِهٖ حَتّٰی اَنْکَرْنَا قُلُوْبَنَا۔ (رواہ الترمذی)

انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ روایت کرتے ہیں جس دن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مدینہ میں داخل ہوئے تو تمام مدینہ جگمگا اٹھا اور جس دن آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات ہوئی تو تمام مدینہ تاریک تھا اور ہم آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو مٹی دے کر ابھی اپنے ہاتھ جھاڑنے بھی نہ پائے تھے کہ اپنے قلوب کی حالت دیکھی تو دگرگوں تھی۔ (ترمذی)

تشریح۔ جس ذات کو مجسم نور بنایا گیا اور جس کا لقب قمر منیر رکھا گیا تھا اگر حقیقت میں نظروں کے سامنے ان کی آمد سے نور اور ان کے دفن کے بعد تاریکی چھا گئی تو کیا تعجب ہے۔ حضرت حنظلہؓ کی روایت گزر چکی ہے وہ فرماتے ہیں کہ جب ہم آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی صحبت سے ذرا الگ ہوتے تھے تو ہماری قلبی کیفیت بدل جاتی تھی پھر جبکہ عالم کا تفاوت ہو گیا ہو تو پھر قلبی کیفیات کیوں نہ بدل گئی ہوں گی۔ یہ حقیقت نہیں حقیقت تھی مگر جو انبیاء علیہم السلام کی شان رفیع کو نہیں پہچانتے وہ ان حقائق کو کیا سمجھ سکتے۔ مثل مشہور ہے "من لم یذق لم یدر" ذوق ایں بادہ ندانی بخدا تانہ چشی۔

انبیاء علیہم السلام کی وراثت میں امتیازی خصوصیت

عَنْ اَبِیْ بَکْرٍؓ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ لَا نُوْرَثُ مَا تَرَکْنَاهُ صَدَقَةٌ۔ (متفق علیہ)

حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ روایت فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے ہم جو انبیاء علیہم السلام کی جماعت ہوتے ہیں ہمارا وارث کوئی نہیں ہوتا جو کچھ ہم چھوڑ جاتے ہیں وہ سب راہ خدا میں صدقہ ہوتا ہے۔ (متفق علیہ)

فرشتوں کے ساتھ آپ کی ہم کلامی کی خصوصیت

عَنْ جَابِرِ بْنِ عَبْدِ اللّٰهِ قَالَ قَالَ النَّبِیُّ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ مَنْ اَکَلَ ثُوْمًا اَوْ بَصَلًا فَلْیَعْتَزِلْنَا اَوْ لِیَعْتَزِلْ مَسْجِدَنَا وَلْیَقْعُدْ فِیْ بَیْتِهٖ وَاَنَّهٗ اُتِیَ بِقِدْرٍ قَالَ ابْنُ وَهْبٍ یَعْنِیْ طَبَقًا فِیْهِ خَضِرَاتٌ مِنْ بُقُوْلٍ فَوَجَدَ لَهَا رِیْحًا فَسَاَلَ عَنْهَا فَاُخْبِرَ بِمَا فِیْهَا مِنَ الْبُقُوْلِ فَقَالَ قَرِّبُوْهَا اِلٰی بَعْضِ اَصْحَابِهٖ کَانَ مَعَهٗ فَلَمَّا رَاٰهُ کَرِهَ اَکْلَهَا قَالَ کُلْ فَاِنِّیْ اُنَاجِیْ مَنْ لَا تُنَاجِیْ۔ (رواہ البخاری)

جابر رضی اللہ تعالیٰ عنہ روایت فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ فرمایا کہ جو کچا لہسن یا پیاز کھائے وہ ہم سے علیحدہ رہے یا یہ لفظ فرمائے کہ ہماری مسجد سے علیحدہ رہے (راوی کو ان الفاظ میں شک ہے) اس کو چاہیے کہ وہ اپنے گھر بیٹھا رہے۔ ایسا اتفاق ہوا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے ایک طشت پیش کیا گیا جس میں کچھ سبزی تھی آپ نے ان کی بو محسوس کی تو پوچھا یہ

کیا ہے؟ تو انہوں نے عرض کیا کہ اس میں لہسن یا پیاز ہے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے جو صحابی آپ کے ہمراہ تھے ان کی طرف اشارہ کر کے فرمایا یہ ان کے سامنے رکھ دو۔ مگر جب آپ نے دیکھا (کہ آپ کے انکار کی وجہ سے) وہ بھی اس کا کھانا پسند نہیں کرتے تو فرمایا تم کھا لو میں تو اس لیے نہیں کھاتا کہ میں اس مخلوق کے ساتھ ہمکلام ہوتا ہوں جن سے تم نہیں ہوتے۔ (متفق علیہ)

تشریح۔ اس حدیث سے معلوم ہوا کہ ایک چیز حلال ہوتی ہے مگر کسی منصب کی خاطر اس کا استعمال ترک کیا جاتا ہے فرشتے چونکہ نورانی مخلوق ہیں مادیت سے ان کو کوئی واسطہ نہیں اس لیے جس طرح ان کو کفر و شرک بلکہ ہر معصیت سے نفرت ہے۔ اسی طرح بدبو اور نجاست وغیرہ سے بھی نفرت ہے۔ خدا تعالیٰ کی یہ مقدس مخلوق انبیاء علیہم السلام کی محفل کی ہر وقت حاضر باش ہوتی ہے اس لیے انبیاء علیہم السلام اپنی اس محفل کی خاطر خود بھی اس قسم کی اشیاء سے احتراز کر لیتے ہیں۔ اسی طرح مسجدیں بھی خاص طور پر ان کا محل ہیں۔ یہاں بھی ان کی رعایت کی گئی ہے چونکہ عام انسانوں کو یہاں صرف کچھ وقت کے لیے دعوت دی جاتی ہے اس لیے ان کو یہ ہدایت بھی کر دی گئی ہے کہ جب وہ کسی کی خاص رہائش کی جگہ جائیں تو ان کو چاہیے کہ یہاں وہ تھوڑے ضبط نفس سے کام لیں اور ایسی اشیاء سے پرہیز رکھیں جو اس مقدس مقام کے ساکنوں کے لیے موجب اذیت ہو۔ اگر مسجدوں میں فرشتوں کا یہ احترام ملحوظ رکھا جاتا ہے تو وہ بھی اپنے ان بشری مہمانوں کی دعائے خیر سے خوب تواضع کرتے ہیں اور اس طرح عام بشر کے مسجد میں بلانے کا جو اہم مقصد تھا وہ اچھی طرح پورا ہو جاتا ہے۔ ظاہر ہے کہ گنہگاری جس مخلوق کے خمیر کا جزء ہو اس کے لیے اس مخلوق کی صحبت کتنی ضروری ہوگی جو حرف معصیت سے بھی آشنا نہیں ہے۔

خلاصہ یہ ہے کہ یہ حدیث ایک بڑی عمیق حقیقت کی طرف اشارہ کر رہی ہے یعنی بشر کے ملکوتی صفت سے اصطباغ تکوینی نظم و نسق یہ ہے؟ یہ ظاہر ہے کہ اس انعکاس و انصباغ کی صورت صحبت سے زیادہ مؤثر اور کوئی نہیں ہو سکتی اس لیے کبھی تو فرشتوں کو مومنوں کے گھروں میں بھیجا جاتا ہے تاکہ ان کی صحبت سے ان میں معصومیت کی صفت پیدا ہوتی چلی جائے اور اس صورت میں ہم کو یہ ہدایت کر دی گئی ہے کہ کوئی حرکت ہم ایسی نہ کریں جو ان کے آمد و شد کے لیے مانع ہو۔ مثلاً کتا گھروں میں نہ رکھیں، نجاست نہ رکھیں اور اسی طرح تصاویر نہ لٹکائیں کیونکہ یہ سب باتیں ان کے آنے سے مانع ہو جاتی ہیں۔ اسی طرح کبھی ہم کو یہ حکم دیا گیا ہے کہ ہم خود ان کے مستقر پر جائیں تاکہ ان کی شرف صحبت سے مستفید ہوں اور ان کا سب سے بڑا مستقر مسجدیں ہیں۔ اس صورت میں ہم کو یہ ہدایت کی گئی ہے کہ وہاں جا کر جو چیزیں ان کے لیے طبعاً قابل نفرت ہیں ان کا استعمال نہ کریں اور شب و روز کی ان صحبتوں سے معصیت سے نفرت اور عبادات کی رغبت کا جو اہم مقصد ہے وہ عام انسانوں میں بھی فرشتوں کی طرح پیدا ہو جائے جو شریعت کے ان اسرار کو پیش نظر نہیں رکھتے۔ ان کی عبادتیں بھی صرف عبادت کا ایک بے روح خاکہ بن کر رہ جاتی ہیں، صفت احسان میں ان کا کوئی حصہ نہیں۔ اب آپ خود اندازہ فرمائیے کہ عام بشر تو انبیاء علیہم السلام سے مناسبت پیدا کر کے ان کی ہم نشینی کا شرف حاصل کرتے ہیں تو خود ان کے مقام پر جو گروہ کی تشکیل ہوتی ہے۔ انبیاء علیہم السلام ہی کا اور رسول وہ ہوتے ہیں جن کی محفل میں خود ملائکۃ اللہ حاضر ہو کر ان کے شرف صحبت سے مستفیض ہوتے ہیں۔ اہل جنت کو جس نوعیت کا مکالمہ اور صحبت فرشتوں کے ساتھ جنت میں جا کر نصیب ہوگی انبیاء علیہم السلام کو وہ اسی عالم میں میسر ہوتی ہے بلکہ اس سے کہیں بڑھ کر۔

عَنْ ابْنِ عَبَّاسٍ عَنْ مَيْمُوْنَةَ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَصْبَحَ يَوْمًا وَاجِمًا وَقَالَ اِنَّ جِبْرِيْلَ كَانَ وَعَدَنِيْ اَنْ يَلْقَانِيَ اللَّيْلَةَ فَلَمْ يَلْقَنِيْ اَمَ وَاللّٰهِ مَا اَخْلَفَنِيْ ثُمَّ وَقَعَ فِيْ نَفْسِهٖ جِرْوُ كَلْبٍ تَحْتَ فُسْطَاطٍ لَهٗ فَاَمَرَ بِهٖ فَاُخْرِجَ ثُمَّ اَخَذَ بِيَدِهٖ مَاءً فَنَضَحَ مَكَانَهٗ فَلَمَّا اَمْسٰى لَقِيَهٗ جِبْرِيْلُ فَقَالَ لَقَدْ كُنْتَ وَعَدْتَنِيْ اَنْ تَلْقَانِيَ الْبَارِحَةَ قَالَ اَجَلْ وَلٰكِنَّا لَا نَدْخُلُ بَيْتًا فِيْهِ كَلْبٌ وَلَا صُوْرَةٌ فَاَصْبَحَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَوْمَئِذٍ فَاَمَرَ بِقَتْلِ الْكِلَابِ حَتّٰى اَنَّهٗ يَاْمُرُ بِقَتْلِ كَلْبِ الْحَائِطِ الصَّغِيْرِ وَيَتْرُكُ كَلْبَ الْحَائِطِ الْكَبِيْرِ. (رواہ مسلم)

ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ حضرت میمونہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے روایت کرتے ہیں ایک دن آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کچھ مغموم تھے اور فرماتے تھے کہ جبرئیل علیہ السلام نے آج کی شب مجھ سے ملاقات کا وعدہ کیا تھا مگر آئے نہیں خدا کی قسم! وہ مجھ سے وعدہ خلافی تو نہیں کر سکتے۔ پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے دل میں یہ خیال آیا کہ آپ کے تخت کے نیچے کتے کا پلا ہے آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے حکم دیا وہ فوراً نکال دیا گیا۔ آپ نے اپنے دست مبارک سے پانی لے کر اس جگہ پر چھڑکا۔ جب شام ہوئی تو حضرت جبرئیل علیہ السلام تشریف لائے آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا آپ نے تو گزشتہ شب میں مجھ سے ملاقات کا وعدہ کیا تھا انہوں نے کہا ہاں لیکن جس گھر میں کتا یا تصویر ہوتی ہے ہم فرشتوں کی جماعت ہیں اس گھر میں داخل نہیں ہوا کرتے۔ اسی دن صبح کو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے حکم دے دیا کہ کتے مار دیئے جائیں اور اس تاکید سے حکم دیا کہ اگر کسی کا باغ چھوٹا ہو اور وہ خود اس کی حفاظت کر سکتا ہو تو جو کتا اس کی نگرانی کے لیے ہو وہ بھی مار دیا جائے۔ ہاں اگر باغ بڑا ہو تو اس کی نگرانی کا کتا چھوڑ دیا جائے۔ (مسلم شریف)

تشریح: کتا ایک ایسا جانور ہے جس کی فطرت کو شیطان سے مناسبت ہے اور تصویر خالق حقیقی کی نقالی کا بدترین مظاہرہ ہے اس لیے فرشتے ان دونوں سے بیزار ہوتے ہیں۔ نبی اور رسول کا گھر تو ان کے لیے مرکز ثقل کی سی کشش رکھتا ہے مگر جس طرح آب و آتش کا اجتماع فطرۃً ناممکن ہے اسی طرح ملائکۃ اللہ اور خباثت کا اجتماع بھی ان کی فطرت کے خلاف ہے۔ ظاہر ہے کہ اس جلیل القدر فرشتے کی آمد کے لیے جو امر مانع بن گیا ہو وہ وقتی طور پر آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو بھی کتنا شاق گزرا ہوگا۔ کتا باغات کی حفاظت کے لیے اس وقت بہت ضروری چیز سمجھا جاتا تھا اس لیے ضرورت تھی کہ اس کی مضرت ذہن نشین کرنے کے لیے کچھ مدت کے لیے یہ حکم نافذ کر دیا جائے کہ پھر اس کا استعمال مجبوری کے درجہ ہی میں محدود ہو جائے۔ افسوس ہے کہ جو چیزیں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے مبارک گھر میں فرشتوں کی آمد کی مانع ہو گئیں آج وہی ہمارے گھروں کی سب سے بڑی زینت بنی ہوئی ہیں۔ اب یہ اندازہ کر لینا چاہیے کہ جب فرشتوں کی آمد کے لیے لاعلمی میں بھی صرف ایک کتے کا وجود مانع بن سکتا ہے تو کیا خدا تعالیٰ کی معصیت و نافرمانی ان کی آمد کے لیے مانع نہ ہوگی۔ خوب یاد رکھئے کہ فرشتوں کو جس طرح نجاست اور خباثت سے بالطبع نفرت ہوتی ہے اسی طرح خدا تعالیٰ کی نافرمانی سے بھی ان کو شدید نفرت ہوتی ہے کہ جھوٹ کی بدبو سے فرشتے ایک میل دور نکل جاتے ہیں۔ جاندار کی تصویر دیکھ کر وہ برداشت نہیں کرتے لہسن و پیاز کی بدبو سے ان کو سخت ایذا ہوتی ہے۔ اگر العیاذ باللہ انبیاء علیہم السلام معصوم نہ ہوں تو کیا مجلس کی حضوری اور بڑے بڑے مقامات میں ان کی بلکہ ان کی امتوں کی امانت و دائمی سعادت تصور کر سکتے ہیں۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے صلوٰۃ جنازہ کی ایک خصوصیت

عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ أَنَّ امْرَأَةً سَوْدَاءَ كَانَتْ تَقُمُّ الْمَسْجِدَ أَوْ شَابٌّ فَفَقَدَهَا رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَسَأَلَ عَنْهَا أَوْ عَنْهُ فَقَالُوا مَاتَ قَالَ أَفَلَا كُنْتُمْ آذَنْتُمُونِي قَالَ فَكَأَنَّهُمْ صَغَّرُوا أَمْرَهَا أَوْ أَمْرَهُ فَقَالَ دُلُّونِي عَلَى قَبْرِهِ فَدَلُّوهُ فَصَلَّى عَلَيْهَا ثُمَّ قَالَ إِنَّ هٰذِهِ الْقُبُورَ مَمْلُوءَةٌ ظُلْمَةً عَلَى أَهْلِهَا وَإِنَّ اللّٰهَ يُنَوِّرُهَا لَهُمْ بِصَلَاتِي عَلَيْهِمْ. (متفق علیہ واللفظ لمسلم)

ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ بیان کرتے ہیں کہ ایک سیاہ فام عورت مسجد میں جھاڑو دیا کرتی تھی یا وہ کوئی نوجوان مرد تھا (راوی کو اس میں شک ہے) ایسا ہوا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کو نہ دیکھا تو اس کے متعلق دریافت فرمایا لوگوں نے کہا اس کا تو انتقال بھی ہو گیا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تم نے مجھ کو اس کی خبر کیوں نہیں کی۔ راوی کہتا ہے گویا لوگوں نے ایسی عورت کی موت کا معاملہ بہت معمولی سمجھا۔ اس پر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا مجھے بتاؤ اس کی قبر کہاں ہے؟ چنانچہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو قبر بتائی گئی۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس پر نماز ادا کی اس کے بعد ارشاد فرمایا: یہ جو مردوں کی قبریں ہیں یہ تاریکی اور تاریکی سے بھری ہوئی ہیں میری نماز کی برکت سے اللہ تعالیٰ ان کو روشن اور منور فرما دیتا ہے۔ (متفق علیہ)

تشریح۔ نبی کی نماز اس کی امامت، دوسروں کی اقتداء کے مسائل بھی سب سے ممتاز ہوتے ہیں۔ شمائل کے یہ سب گوشے چونکہ صرف آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات سے متعلق تھے اس لیے وہ کسی تقریب سے بیان میں آ گئے ہیں۔ ورنہ یوں مسلمانوں پر ہمیشہ جنازوں کی نمازیں پڑھی جائیں گی مگر کیا ہے کوئی جس کی نماز تاریک قبروں کو منور کرنے کے لیے قطعیت کے ساتھ ضامن ہو سکے۔

ایک واقعہ ایسا بھی ہوا کہ صدیق اکبر رضی اللہ تعالیٰ عنہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی غیر حاضری میں امام بن گئے تھے اتفاق سے آپ عین نماز کی حالت میں تشریف لے آئے۔ ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے یہ محسوس کرنے کے ساتھ ہی امامت کے مصلے سے فوراً اپنے قدم پیچھے ہٹا لیے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اشارہ سے فرمایا بھی کہ نماز پوری کرو مگر حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے نہ ہو سکا اور بعد میں یہ عذر بیان کیا، رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم)! ابوقحافہ (ان کے والد کی کنیت ہے) کے بیٹے کی کیا مجال کہ جہاں رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم) موجود ہوں وہاں اس کا قدم آگے نظر آئے۔ علماء نے لکھا ہے کہ نبی کی امامت اس کے اذن کے بغیر جائز نہیں۔ غالباً آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے بعد آپ کے جنازے کی نماز امام کے بغیر اسی نکتہ کی بناء پر ادا کی گئی تھی اور اسی لیے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی تشریف آوری کے بعد امام مہدی نماز کے مصلے سے پیچھے ہٹ آئیں گے اور آئندہ کے لیے حضرت عیسیٰ علیہ السلام ہی مستقل امام ہوں گے۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے جنت و دوزخ

عَنْ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ عَبَّاسٍ قَالَ خَسَفَتِ الشَّمْسُ عَلَى عَهْدِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَصَلَّى

قَالُوا يَا رَسُولَ اللّٰهِ رَأَيْنَاكَ تَنَاوَلْتَ شَيْئًا فِي مَقَامِكَ ثُمَّ رَأَيْنَاكَ تَكَعْكَعْتَ فَقَالَ إِنِّي رَأَيْتُ

وَالْجَنَّةَ فَتَنَاوَلْتُ مِنْهَا عُنْقُودًا وَلَوْ اَخَذْتُهُ لَاَكَلْتُمْ مِنْهُ مَا بَقِيَتِ الدُّنْيَا۔ (رواہ البخاری)

ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ بیان فرماتے ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی حیات میں ایک بار سورج گرہن ہوا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے صلوٰۃ الکسوف ادا فرمائی۔ لوگوں نے پوچھا: یا رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم)! ہم نے دیکھا تھا جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم نماز کے لیے کھڑے تھے تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے کوئی چیز سامنے سے لینے کے لیے ہاتھ بڑھایا تھا اس کے کچھ دیر بعد ہم نے یہ دیکھا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم اپنے پیچھے کی جانب ہٹے تھے (یہ کیا بات تھی؟) آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جب میں سامنے کی جانب بڑھا تھا تو اس وقت میں نے جنت دیکھی تھی میں نے ارادہ کیا تھا کہ میں اس میں سے ایک خوشہ لے لوں اور اگر کہیں میں لے لیتا تو تم اس کو کھاتے رہتے جب تک دنیا باقی رہتی (اور وہ ختم نہ ہوتا) اور جب پیچھے کی جانب ہٹا تھا تو اس وقت دوزخ دیکھی تھی۔ (بخاری شریف)

تشریح۔ انبیاء علیہم السلام کے طفیل میں اولیاء کرام کو بھی کبھی کبھی جنت و دوزخ کا مشاہدہ ہو جاتا ہے مگر یہ مشاہدہ صرف اسی حد تک ہوتا ہے کہ ان کو یہ وسوسہ بھی نہیں گزرتا کہ وہ جنت کی کوئی چیز اٹھالیں مگر آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ مشاہدہ اس درجہ پُر از حقیقت تھا کہ اس کے اظہار کے لیے سب سے مناسب تعبیر وہی ہو سکتی تھی جو حدیث مذکور میں آپ نے اختیار فرمائی۔ یہ ظاہر ہے کہ خود جنت بھی غیر فانی ہے اس سے اس کی جو چیز ہو وہ بھی غیر فانی ہونی چاہیے۔ یقیناً اگر آپ صلی اللہ علیہ وسلم اس کے باغات کا کوئی خوشہ لے لیتے تو رہتی دنیا تک وہ بھی فنا نہ ہوتا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس حقیقت کو واضح کر کے یہ سمجھا دیا کہ آپ نے بعینہٖ جنت ہی کو دیکھا تھا اور اسی لیے ایک قدم آگے بڑھایا تھا مگر چونکہ فانی غیر فانی لذتوں سے موت سے قبل متمتع نہیں ہو سکتا اس لیے صرف ایک قدم اٹھا کر آپ صلی اللہ علیہ وسلم رک گئے۔ اس کے بعد بھی اگر کوئی شخص انبیاء علیہم السلام کے مشاہدات کی حقیقت خواب و خیال کی برابر سمجھے تو اس کی کج فہمی کا کیا علاج۔ اسی واقعہ میں آپ نے ایک عورت کو دوزخ میں دیکھا جس نے ایک بلی کو باندھ کر رکھا اس کے آب و دانہ کی خبر نہ لی تھی۔ حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا فرماتی ہیں کہ یہ عورت کافرہ تھی یہ عذاب اس کو اسی لیے ہوا تھا۔ (کذا فی مجمع الزوائد)

عَنْ اَنَسِ بْنِ مَالِكٍ قَالَ صَلّٰى لَنَا النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ ثُمَّ رَقِيَ الْمِنْبَرَ فَاَشَارَ بِيَدَيْهِ قِبَلَ قِبْلَةِ الْمَسْجِدِ ثُمَّ قَالَ لَقَدْ رَاَيْتُ الْاٰنَ مُنْذُ صَلَّيْتُ لَكُمُ الصَّلٰوةَ الْجَنَّةَ وَالنَّارَ مُمَثَّلَتَيْنِ فِيْ قِبْلَةِ هٰذَا الْجِدَارِ فَلَمْ اَرَ كَالْيَوْمِ فِي الْخَيْرِ وَالشَّرِّ ثَلَاثًا۔ (رواہ البخاری)

انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ بیان کرتے ہیں کہ ایک مرتبہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ہم کو ظہر کی نماز پڑھائی پھر منبر پر تشریف لا کر اپنے دونوں ہاتھوں سے قبلہ کی جانب اشارہ کر کے فرمایا میں نے ابھی ابھی جب تم کو نماز پڑھا رہا تھا تو جنت اور دوزخ کو اس قبلہ والی دیوار کی طرف دیکھا تھا کہ وہ متمثل ہو کر میرے سامنے ہیں کیا پوچھتے ہو کہ خوف و خوشی کا جیسا منظر آج میں نے دیکھا تھا ایسا عمر بھر کبھی نہیں دیکھا۔ (بخاری شریف)

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے جنت و دوزخ مشاہدہ فرمانے کی خصوصیت

عَنْ بُرَيْدَةَ قَالَ أَصْبَحَ رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَدَعَا بِلَالًا فَقَالَ بِمَ سَبَقْتَنِي إِلَى الْجَنَّةِ مَا دَخَلْتُ الْجَنَّةَ قَطُّ إِلَّا سَمِعْتُ خَشْخَشَتَكَ أَمَامِي قَالَ يَا رَسُولَ اللّٰهِ مَا أَذَّنْتُ قَطُّ إِلَّا صَلَّيْتُ رَكْعَتَيْنِ وَمَا أَصَابَنِي حَدَثٌ قَطُّ إِلَّا تَوَضَّأْتُ عِنْدَهُ وَرَأَيْتُ أَنَّ لِلّٰهِ عَلَيَّ رَكْعَتَيْنِ فَقَالَ رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بِهِمَا. (رواہ الترمذی)

بریدہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ روایت کرتے ہیں کہ ایک مرتبہ صبح کے وقت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بلال رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو بلایا اور پوچھا تم کس عمل کی وجہ سے مجھ سے بھی پہلے جنت میں جا پہنچے۔ میں جب بھی جنت میں داخل ہوتا ہوں تمہارے پیروں کی آہٹ اپنے آگے آگے سنتا ہوں۔ انھوں نے عرض کی یا رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم)! میں جب اذان دیتا ہوں تو دو رکعتیں نفل ضرور پڑھ لیتا ہوں اور جب وضوء کی ضرورت ہو جاتی ہے تو فوراً وضوء ضرور کرتا ہوں حتی کہ اللہ تعالیٰ کے نام کی یہ دو رکعتیں میں نے اپنے لیے فرض سمجھ لی ہیں۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا "یہی بات ہے"۔ (ترمذی، ترغیب)

تشریح۔ مذکورہ بالا روایت سے ثابت ہوتا ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا جنت میں داخل ہونے کا اکثر اتفاق ہوا کرتا تھا اور بلال رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی یہ خوش نصیبی تھی کہ آج ان کا تذکرہ بیان میں بھی آ گیا تھا۔ نیز یہ بھی معلوم ہوا کہ اگر انسان اپنے فرائض کا پابند رہے تو بعض مرتبہ اس کے خیال میں جو معمولی اعمال ہوتے ہیں وہ اس کے حق میں کسی بلند مرتبہ کا سبب بن جاتے ہیں۔ یہاں تحیۃ الوضوء کی فضیلت تو ثابت ہوتی ہی ہے مگر اصولاً تو نفل ادا کرنے کا فائدہ بھی معلوم ہو جاتا ہے۔ یہ واضح رہنا چاہیے کہ یہاں آپ نے صرف تنہا مشاہدہ نقل نہیں فرمایا بلکہ جنت میں داخل ہونے کے بعد اس مشاہدہ کا ذکر کیا ہے اب اس دخول کی نوعیت کیا تھی اس پر بحث کرنا ہمارے دائرہ علم سے باہر کی بات ہے اس قسم کے کئی واقعات حدیثوں میں آئے ہیں اور قیاس نہیں کرتا کہ وہ سب کے سب خواب کی حالت کے واقعات ہوں گے اور جب تک حدیث میں اس کی تصریح نہ آ جائے اس وقت تک کسی کو اپنی جانب سے اس کا حق بھی نہیں ہے بالخصوص ان کے حق میں جن کا اسی جسم کے ساتھ ایک مرتبہ آسمانوں اور جنت کی سیر کرنا بلکہ دیدار الٰہی سے مشرف ہونا بھی امت کے نزدیک مضبوط دلائل کے ساتھ ثابت ہو چکا ہے۔ غالباً یہ خواب اور شب معراج کے علاوہ کوئی اور صورت ہوگی۔ واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

عَنْ جَابِرٍ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ دَخَلْتُ الْجَنَّةَ فَإِذَا أَنَا بِالرُّمَيْصَاءِ امْرَأَةِ أَبِي طَلْحَةَ وَسَمِعْتُ خَشَفَةً فَقُلْتُ مَنْ هٰذَا فَقَالَ هٰذَا بِلَالٌ وَرَأَيْتُ قَصْرًا بِفِنَائِهِ جَارِيَةٌ فَقُلْتُ لِمَنْ هٰذَا فَقَالُوا لِعُمَرَ بْنِ الْخَطَّابِ فَأَرَدْتُ أَنْ أَدْخُلَهُ فَأَنْظُرَ إِلَيْهِ فَذَكَرْتُ غَيْرَتَكَ فَقَالَ بِأَبِي أَنْتَ وَأُمِّي يَا رَسُولَ اللّٰهِ أَعَلَيْكَ أَغَارُ. (متفق علیہ)

جابر رضی اللہ تعالیٰ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا میں جنت میں داخل ہوا کیا دیکھتا ہوں کہ وہاں ابوطلحہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی بیوی رمیصاء موجود ہیں (یہ انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی والدہ ام سلیم کا نام تھا) پھر میں نے پیروں کی

آہٹ سنی تو پوچھا یہ کون؟ کسی نے کہا کہ بلال ہیں۔ اس کے بعد میں نے ایک محل دیکھا' اس کے آنگن میں ایک جاریہ نظر آئی میں نے پوچھا یہ محل کس کا ہے؟ انہوں نے بتایا عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا' میں نے ارادہ کیا کہ اندر داخل ہو کر بھی ذرا اس کو دیکھوں تو فوراً مجھے تمہاری غیرت کا خیال آ گیا' یہ سن کر عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ بے ساختہ بول اٹھے' میرے ماں باپ آپ پر قربان یا رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم)' کیا میں آپ کے داخل ہونے پر بھی غیرت کرتا۔ (متفق علیہ)

تشریح: آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے تو یہ سارے نظارے اب ہو رہے تھے لیکن جن کے حق میں یہ نظارے ہو رہے تھے ان کے لیے اس کے ظہور کا وقت فردائے قیامت ہے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی چشم دور بین نے تو وہ سب اہم واقعات جو امت میں گزرنے والے تھے وہ بھی بہت پہلے دیکھ لیے تھے' جنت تو آپ کے نظارہ کی مخصوص جگہ تھی اس کے نہ معلوم کتنے عجائبات آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اور دیکھے ہوں گے جو بیان میں نہیں آئے یہاں تین مقدس ہستیوں کا نصیب تھا کہ ان کے حتمی طور پر جنتی ہونے کی بشارت اس زبان سے نکل گئی جو سب سے بڑھ کر راست گو تھی۔ پھر بشارت بھی وہ جو چشم دید تھی۔ یہاں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی پاسداری دیکھئے کہ وہاں بھی اپنے جاں نثار کی خاطر کو ملحوظ تو رہا کہ ان کے جنت کی زیب و زینت اندر جا کر تفصیلاً بھی دیکھ آتے مگر پھر ان کی غیور طبیعت کا خیال اس سے مانع آ گیا۔ ادھر اس جاں نثاری کا جذبہ دیکھئے کہ جو شرف آپ کے اندر جانے سے اس کو نصیب ہوتا اس کی محرومی پر وہ ایک حسرت بھرا کلمہ کہہ کر خاموش ہو گیا۔

انبیاء علیہم السلام کی سب سے ممتاز خصوصیت وحی نبوت ہے

عَنْ اَنَسٍ قَالَ قَالَ اَبُوْبَكْرٍ لِعُمَرَ بَعْدَ وَفَاةِ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اِنْطَلِقْ بِنَا اِلٰى اُمِّ اَيْمَنَ نَزُوْرُهَا كَمَا كَانَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَزُوْرُهَا فَلَمَّا انْتَهَيَا اِلَيْهَا بَكَتْ فَقَالَا لَهَا مَا يُبْكِيْكِ اَمَا تَعْلَمِيْنَ اَنَّ مَا عِنْدَ اللّٰهِ خَيْرٌ لِرَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقَالَتْ اِنِّيْ لَا اَبْكِيْ اِنِّيْ لَا اَعْلَمُ اَنَّ مَا عِنْدَ اللّٰهِ تَعَالٰى خَيْرٌ لِرَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَلٰكِنْ اَبْكِيْ اَنَّ الْوَحْيَ قَدِ انْقَطَعَ مِنَ السَّمَاءِ فَهَيَّجَتْهُمَا عَلَى الْبُكَاءِ فَجَعَلَا يَبْكِيَانِ مَعَهَا. (رواہ مسلم و اخرجہ صاحب مشکوۃ فی باب وفاۃ النبی صلی اللہ علیہ وسلم)

انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ ایک مرتبہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے بعد صدیق اکبر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے کہا ''ذرا چلو جس طرح کبھی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ام ایمن کی ملاقات کے لیے تشریف لے جایا کرتے تھے ہم بھی ان کی ملاقات کے لیے چلیں۔ جب یہ دونوں حضرات ان کے گھر پہنچے تو ان کو دیکھ کر بے ساختہ ان پر گریہ طاری ہو گیا۔ انہوں نے فرمایا آپ روتی کیوں ہیں؟ کیا آپ کو یہ معلوم نہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے اللہ تعالیٰ کے یہاں اعلیٰ سے اعلیٰ عیش و آرام کے سامان موجود ہیں۔ انہوں نے فرمایا میں اس پر تو نہیں روتی کیا اتنا بھی نہیں جانتی کہ اللہ تعالیٰ کے یہاں آپ کے لیے بہتر سے بہتر راحتیں مہیا ہیں۔ روتی اس پر ہوں کہ اب آسمان سے وحی کی آمد کا سلسلہ ختم ہو گیا۔ یہ کہہ کر ام ایمن نے ان دونوں حضرات کو بھی خوب رلایا اور یہ بھی ان کے ساتھ مل کر رونے لگے۔ (مسلم)

عَنْ نَافِعٍ اَنَّ ابْنَ عُمَرَ قَالَ لِعُثْمَانَ يَا اَمِيْرَ الْمُؤْمِنِيْنَ لَا اَقْضِيْ بَيْنَ رَجُلَيْنِ قَالَ فَاِنَّ اَبَاكَ كَانَ

يَقْضِيْ فَقَالَ إِنَّ أَبِيْ لَوْ أَشْكَلَ عَلَيْهِ سَأَلَ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَلَوْ أَشْكَلَ عَلٰى رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ شَيْءٌ سَأَلَ جِبْرِيْلَ عَلَيْهِ السَّلَامُ وَإِنِّيْ لَا أَجِدُ مَنْ أَسْأَلُهُ وَسَمِعْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُوْلُ مَنْ عَاذَ بِاللّٰهِ فَقَدْ عَاذَ بِعَظِيْمٍ وَسَمِعْتُهُ يَقُوْلُ مَنْ عَاذَ بِاللّٰهِ فَأَعِيْذُوْهُ وَإِنِّيْ أَعُوْذُ بِاللّٰهِ أَنْ تَجْعَلَنِيْ قَاضِيًا فَأَعْفَاهُ وَقَالَ لَا تُخْبِرْ أَحَدًا. (رواه رزين وروى الترمذي نحوه)

نافع رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ (کے فرمان پر ان) سے (معذرت کی اور) کہا کہ میں دو شخصوں کے معاملہ کا فیصلہ کرنا بھی پسند نہیں کرتا" انہوں نے فرمایا "آخر کیوں تمہارے والد ماجد تو فیصلے کیا کرتے تھے" انہوں نے عرض کی میرے والد کو اگر مشکل پیش آتی تو وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھ کر اس کو حل کر لیتے تھے اور اگر آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو کوئی مشکل پیش آجاتی تو آپ جبرئیل علیہ السلام سے معلوم کر لیتے تھے۔ میرے پاس کون ہے جس سے دریافت کر کے میں اپنی مشکلات حل کر سکوں گا (اب عرض یہ ہے کہ) میں نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ فرماتے خود سنا ہے کہ جس نے اللہ تعالیٰ کی پناہ لی اس نے سب سے بڑے کی پناہ لے لی اور میں نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ بھی فرماتے ہوئے سنا ہے کہ جو اللہ تعالیٰ کا نام لے کر پناہ مانگے اس کو پناہ دیدو۔ لہٰذا میں اللہ تعالیٰ کے نام کی پناہ لیتا ہوں اس بات سے کہ آپ مجھے قاضی بنائیں' یہ سن کر عثمان غنی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اُن سے پھر اصرار نہیں کیا اور یہ بھی فرمادیا "دیکھو اس معاملہ کی خبر کسی کو بھی نہ کرنا"۔ (رزین ترمذی)

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے عالم غیب سے تعارف کی ابتداء

عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ قَالَ أَقَامَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بِمَكَّةَ خَمْسَ عَشْرَةَ سَنَةً يَسْمَعُ الصَّوْتَ وَيَرَى الضَّوْءَ سَبْعَ سِنِيْنَ وَلَا يَرٰى شَيْئًا وَثَمَانَ سِنِيْنَ يُوْحٰى إِلَيْهِ وَأَقَامَ بِالْمَدِيْنَةِ عَشْرًا وَتُوُفِّيَ وَهُوَ ابْنُ خَمْسٍ وَسِتِّيْنَ سَنَةً. (متفق عليه)

ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ روایت کرتے ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم مکہ مکرمہ میں پندرہ سال قیام پذیر رہے جن میں سات سال تک آپ صرف روشنی دیکھا کرتے' اس کے علاوہ فرشتہ وغیرہ کچھ نہ دیکھتے اور آٹھ سال آپ صلی اللہ علیہ وسلم پر وحی نازل ہوتی رہی اس کے بعد آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے دس سال مدینہ طیبہ میں قیام فرمایا اور پینسٹھ سال کی عمر میں وفات پائی۔ (متفق علیہ)

تشریح۔ یہاں عالم غیب سے آپ کے تعارف کی پہلی صورت "نور" سے معلوم ہوتی ہے اور ایک نورانی عالم کا تعارف نور سے شروع ہونا ہی مناسب بھی تھا۔ اس حدیث میں راوی نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی عمر پینسٹھ سال بیان کی ہے اور کسی روایت میں تریسٹھ سال بھی ہے۔ اگر وفات و ولادت کے نا تمام سالوں کو شمار کر لیا جائے تو پینسٹھ ورنہ تریسٹھ سال ہوتے ہیں اس لیے ان دونوں باتوں میں چنداں اختلاف نہیں ہے۔

عَنْ جَابِرِ بْنِ سَمُرَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِنِّيْ لَأَعْرِفُ حَجَرًا بِمَكَّةَ كَانَ يُسَلِّمُ عَلَيَّ قَبْلَ أَنْ أُبْعَثَ إِنِّيْ لَأَعْرِفُهُ الْآنَ. (رواه مسلم)

جابر رضی اللہ تعالیٰ عنہ روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا میں مکہ مکرمہ میں اس پتھر کو خوب پہچانتا ہوں جو میری بعثت سے قبل مجھ کو سلام کیا کرتا تھا میں اب بھی اس کو خوب پہچانتا ہوں۔ (مسلم شریف)

تشریح۔ جس طرح عام دستور کے خلاف روشنی کا دیکھنا عالم غیب سے تعارف کا ذریعہ بنا اسی طرح پتھر جیسی غیر ذی شعور چیز سے سلام کی آواز بھی اس کا ایک ذریعہ بن گئی اور اس پیرایہ سے آپ کو اس عالم کا رفتہ رفتہ تعارف پیدا ہوتا رہا جو عالم اسباب سے بالاتر ہے۔ انبیاء علیہم السلام گو عالم غیب سے تعارف پیدا کرانے کے لیے ہی مبعوث ہوتے ہیں مگر چونکہ ان کو جسم عنصری عام انسانوں کی طرح عالم شہادت میں پیدا ہوتا ہے اس لیے ان کو عالم غیب کا فرد بننے کے لیے قدرت ان کی بھی تدریجی تربیت فرماتی رہتی ہے اور اس تربیت کے بعد پھر عالم غیب بھی ان کے لیے اسی طرح قطعی ہو جاتا ہے جیسا عالم شہادت بلکہ ان کی صحبت میں جو بیٹھتا ہے صدق و یقین سے اس کا قلب بھی ایسا جگمگا اٹھتا ہے کہ اس کو بھی عالم غیب گویا عالم شہادت کی طرح سامنے نظر آنے لگتا ہے جب تک عالم غیب پر یقین نصیب نہ ہو اس کی برکات سے پورا استفادہ نہیں ہو سکتا۔

عَنِ الشَّعْبِيِّ اُنْزِلَتْ عَلَيْهِ النُّبُوَّةُ وَهُوَ ابْنُ اَرْبَعِيْنَ سَنَةً فَقُرِنَ بِنُبُوَّتِهٖ اِسْرَافِيْلُ ثَلَاثَ سِنِيْنَ فَكَانَ يُعَلِّمُهُ الْكَلِمَةَ وَالشَّيْءَ وَلَمْ يَنْزِلِ الْقُرْاٰنُ فَلَمَّا مَضَتْ ثَلَاثُ سِنِيْنَ قُرِنَ بِنُبُوَّتِهٖ جِبْرِيْلُ عَلَيْهِ السَّلَامُ فَنَزَلَ الْقُرْاٰنُ عَلٰى لِسَانِهٖ عِشْرِيْنَ سَنَةً عَشْرًا بِمَكَّةَ وَعَشْرًا بِالْمَدِيْنَةِ فَمَاتَ وَهُوَ ابْنُ ثَلَاثٍ وَّسِتِّيْنَ سَنَةً. (رواہ احمد)

شعبی روایت کرتے ہیں کہ چالیس سال کی عمر میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو نبوت ملی ابتداء نبوت میں تین سال تک اسرافیل علیہ السلام آپ کے ہمراہ رہے اور کبھی ایک کلمہ کبھی کوئی بات آپ صلی اللہ علیہ وسلم پر القاء فرماتے رہتے مگر قرآن ہنوز نہیں اترا تھا۔ جب تین سال کی مدت گزر گئی تو اس کے بعد جبرئیل علیہ السلام آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے ہمراہ رہنے لگے پھر ان کی معرفت بیس سال تک آپ پر قرآن شریف اترتا رہا دس سال تک مکہ میں اور دس سال مدینہ طیبہ میں اس حساب سے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات تریسٹھ سال کی عمر میں ہوئی۔ (مسند احمد)

تشریح۔ کہتے ہیں کہ حضرت اسرافیل علیہ السلام کو ارواح کے ساتھ زیادہ مناسبت ہے اسی وجہ سے "نفخ صور" کی خدمت ان کے سپرد کی گئی ہے۔ اس مدت میں قدرت کو منظور تھا کہ آپ کی روحانیت اور بلند سے بلند مراتب طے کرے اور آئندہ آپ میں اس قرآن کریم کے نزول کے تحمل کی صلاحیت اور مکمل ہو جائے جس کے تحمل کی طاقت پہاڑوں میں نہیں ہے۔ سبحان اللہ کلام الٰہی بھی کیا پر عظمت کلام ہے جس کے نزول کے لیے کتنی تمہیدیں ہو رہی ہیں کبھی جمادات سلام کرتے ہیں کبھی صرف غیبی آواز آتی ہے۔ ایک مدت مسلسل سچے خواب دکھائے جا رہے ہیں اور اسی حد پر خاتمہ نہیں بلکہ ایک فرشتہ بھی ایک ایک کلمہ القاء کر کے اس صلاحیت میں اضافہ کر رہا ہے لیکن اتنی تمہیدات کے بعد بھی جب قرآن کریم کے نزول کے لیے اصل مقرر شدہ فرشتہ ظہور فرماتا ہے تو آپ کی بشریت کاملہ کی بنیاد پھر متزلزل ہونے لگتی ہے۔ یہاں سے ان دو کلاموں کی حقیقت پر غور کرو جو حضرت موسیٰ علیہ السلام کے کان میں ڈالا گیا تھا اور جو محمد عربی صلی اللہ علیہ وسلم کے قلب پر نازل فرمایا گیا۔ کیا وحی کی اتنی عظیم الشان حقیقت کو بھی خواب و خیال

کے برابر کہا جا سکتا ہے۔ اگر انبیاء علیہم السلام کی سیرت کے مطالعہ کے بعد بھی خواب و خیال اور نبوت کے درمیان فرق واضح نہیں ہوتا تو پھر ہمارے نزدیک دنیا میں کوئی حقیقت ایسی نہیں ہو گی جس پر ہم پورا اعتماد کر سکیں ہر گھڑی اس عالم کی حقیقت کے متعلق یہ شبہ کیا جا سکتا ہے کہ شاید وہ بھی صرف ایک خواب و خیال ہے جو ہم کو سونے والے کے خواب کی طرح یہ "حقیقت" نظر آ رہی ہے۔

وحی کے اقسام آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم پر شدید تر وحی اور وحی کی آواز

عَنْ عَائِشَةَ اَنَّ الْحَارِثَ بْنَ هِشَامٍ سَأَلَ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقَالَ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ كَيْفَ يَاْتِيْكَ الْوَحْيُ فَقَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَحْيَانًا يَاْتِيْنِيْ مِثْلَ صَلْصَلَةِ الْجَرَسِ وَهُوَ اَشَدُّهٗ عَلَيَّ فَيُفْصَمُ عَنِّيْ وَقَدْ وَعَيْتُ عَنْهُ مَا قَالَ وَاَحْيَانًا يَتَمَثَّلُ لِيَ الْمَلَكُ رَجُلًا فَيُكَلِّمُنِيْ فَاَعِيْ مَا يَقُوْلُ قَالَتْ عَائِشَةُ وَلَقَدْ رَاَيْتُهٗ يَنْزِلُ عَلَيْهِ الْوَحْيُ فِي الْيَوْمِ الشَّدِيْدِ الْبَرْدِ فَيُفْصَمُ عَنْهُ وَاِنَّ جَبِيْنَهٗ لَيَتَفَصَّدُ عَرَقًا. (متفق علیہ)

حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے روایت ہے کہ حارث بن ہشام نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھا یا رسول اللہ! (صلی اللہ علیہ وسلم) آپ پر وحی کیسے آتی ہے؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کبھی تو یہ صورت ہوتی ہے کہ مجھے ایک گھنٹی کی سی آواز آتی ہے اور یہ قسم مجھ پر سب سے دشوار تر ہوتی ہے اس کے بعد جب وہ کیفیت دور ہو جاتی ہے تو جو وحی میں ارشاد ہوا تھا وہ مجھ کو محفوظ ہو جاتا ہے اور کبھی یوں ہوتا ہے کہ فرشتہ خود کسی شخص (دحیہ کلبی) کی صورت بن کر میرے سامنے آ جاتا ہے اور مجھ سے ہم کلام ہوتا ہے۔ پھر جو کچھ وہ کہتا ہے میں اس کو یاد کر لیتا ہوں۔ حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا فرماتی ہیں میں نے سخت جاڑوں کے موسم میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو بچشم خود دیکھا ہے کہ جب آپ پر وحی اتر کر تمام ہو جاتی تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی پیشانی مبارک پسینہ پسینہ ہو جاتی تھی۔ (متفق علیہ)

تشریح: حافظ ابن تیمیہ رحمۃ اللہ علیہ نے "کتاب الایمان" میں ایک ضروری تنبیہ فرمائی ہے اور وہ یہ کہ بعض الفاظ جب شریعت کی اصطلاح میں کسی خاص معنی کے لیے مخصوص ہو جائیں تو پھر قرآن و حدیث میں ان کے لغوی یا عام معنی مراد لینا صحیح نہیں۔ مثلاً صلوٰۃ، ایمان اور اسلام کے الفاظ۔ یہ سب الفاظ شریعت کی اصطلاح میں خاص خاص معنوں میں مستعمل ہوتے ہیں اس لیے اب قرآن و حدیث میں عام طور پر اس کے وہی معنی مراد ہوں گے جو شرعی استعمال سے ایک مرتبہ متعین ہو چکے ہیں۔ مثلاً لفظ ایمان لغت میں گو مطلقاً تصدیق کے معنی میں آتا ہے لیکن اصطلاح شریعت میں اس کا عام استعمال صرف امور غیب کی تصدیق میں آیا ہے اس لیے اس کے جو معنی اب شرعی اصطلاح قرار پا چکے ہیں قرآن و حدیث میں وہی معنی مراد لیے جائیں گے۔ اسی طرح وحی کا لفظ۔ یہ لغت میں وسیع معنی کے لیے ہے اب اس پر بحث کرنی غیر ضروری ہے کیونکہ قرآن کریم میں جب اس لفظ کا استعمال انبیاء علیہم السلام کے دائرہ میں ہوتا ہے تو اس کے معنی بندہ اور حق تعالیٰ کے مابین ہم کلامی کے ہوتے ہیں۔ اس لیے اب جب کہیں وحی کا لفظ انبیاء و رسل کے بارے میں مستعمل ہو گا تو اس کے یہی معنی مراد لیے جائیں گے۔

حافظ ابن تیمیہ رحمہ اللہ علیہ کی اس تحقیق کا حاصل یہ نہیں ہے کہ شرعی استعمال لغت کے برخلاف ہوتا ہے بلکہ ان کا مطلب یہ

ہے کہ کسی خاص استعمال میں جب کسی لفظ میں کوئی تخصیص پیدا ہو جائے تو اب لغت میں عموم کی وجہ سے اس کی یہ خصوصیت نظر انداز نہیں کی جائے گی۔ اب دیکھئے کہ لغت میں وحی کا لفظ خفیہ اشاروں میں بات چیت کے لیے آیا ہے۔ "یوحون بالخطب الطوال وتارة . . وحي الملاحظة خيفة الرقباء" کبھی تو یہ لمبی لمبی تقریریں اور کبھی رقیبوں کے ڈر سے چپکے چپکے صرف آنکھوں کے اشارے اس لحاظ سے ہر خفیہ اشارہ اور خفیہ بات چیت پر وحی کا اطلاق کیا جا سکتا ہے اور اسی معنی کے لحاظ سے اس لفظ کا استعمال حیوانات اور انبیاء علیہم السلام کے علاوہ بھی ہوا ہے لیکن جب اس کا استعمال خاص رسولوں میں ہوا ہے تو پھر شریعت کی اصطلاح میں صرف اس کلام کو وحی کہا گیا ہے جو رسول اور حق تعالیٰ کے درمیان ہوتا ہے۔ اس تخصیص کے بعد بھی لغت کے اصل معنی یہاں ملحوظ رہتے ہیں کیونکہ یہاں بھی متکلم اور اس کا کلام دونوں اتنے مخفی ہوتے ہیں کہ اس کی اطلاع سوائے رسول کے اس کے پاس بیٹھنے والوں کو بھی نہیں ہوتی۔ خلاصہ یہ ہے کہ اب وحی کے مختصر معنی یہ ہیں کہ وہ رسول اور خدا تعالیٰ کے مابین کلام کا نام ہے۔ اب اس کی حقیقت کیا ہے یہ مسئلہ وحی کے اقسام اور اس کی کیفیت کے معلوم کرنے سے جتنا اجمالاً حل ہو سکتا ہے بس اسی حد تک اس کو حل شدہ سمجھنا چاہیے اس سے زیادہ بحث کرنا اپنی حد سے تجاوز کرنا ہے اور ہمارے لیے غیر ضروری بھی ہے۔

عَنْ عُمَرَ بْنِ الْخَطَّابِ قَالَ كَانَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِذَا أُنْزِلَ عَلَيْهِ الْوَحْيُ سُمِعَ عِنْدَ وَجْهِهٖ دَوِيٌّ كَدَوِيِّ النَّحْلِ فَأُنْزِلَ عَلَيْهِ يَوْمًا فَمَكَثْنَا سَاعَةً فَسُرِّيَ عَنْهُ فَاسْتَقْبَلَ الْقِبْلَةَ وَرَفَعَ يَدَيْهِ وَقَالَ اَللّٰهُمَّ زِدْنَا وَلَا تَنْقُصْنَا وَأَكْرِمْنَا وَلَا تُهِنَّا وَأَعْطِنَا وَلَا تَحْرِمْنَا وَآثِرْنَا وَلَا تُؤْثِرْ عَلَيْنَا وَأَرْضِنَا وَارْضَ عَنَّا ثُمَّ قَالَ أُنْزِلَ عَلَيَّ عَشْرُ اٰيَاتٍ مَنْ أَقَامَهُنَّ دَخَلَ الْجَنَّةَ ثُمَّ قَرَأَ قَدْ أَفْلَحَ الْمُؤْمِنُوْنَ حَتّٰى خَتَمَ عَشْرَ اٰيَاتٍ. (رواہ احمد)

حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر وحی آتی تو آپ کے روئے انور کے پاس ایک ایسی آواز محسوس ہوا کرتی تھی جیسی شہد کی مکھیوں کے بھنبھنانے کی ہوتی ہے۔ ایک دن ایسا ہوا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم پر وحی آئی تو ہم تھوڑی دیر کے لیے خاموش ہو گئے۔ جب وحی کے آنے کی کیفیت آپ صلی اللہ علیہ وسلم پر سے جاتی رہی تو آپ نے قبلہ کی طرف منہ کیا اور اپنے دونوں ہاتھ دعا کے لیے اٹھائے اور یہ دعا فرمائی اے اللہ! ہمیں اور زیادہ کر اور کم مت کر ہمیں عزت و شرف عطا فرما اور ذلیل نہ فرما ہمیں اور زیادہ دے اور محروم نہ رکھ ہمیں دوسروں پر ترجیح دے اور دوسروں کو ہم پر ترجیح نہ دے اور ہم کو اپنے سے راضی رہنے کی توفیق بخش اور تو ہم سے راضی ہو جا۔ اس کے بعد آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا مجھ پر دس آیتیں اتری ہیں جو شخص ان پر پورا پورا عمل پیرا ہوگا وہ ضرور جنت میں داخل ہوگا۔ پھر آپ نے وہ دس آیتیں آخر تک پڑھیں۔ "قد افلح المؤمنون الخ" یقیناً وہ مؤمن کامیاب ہو گئے۔ الخ (احمد ترمذی)

تشریح: اس روایت سے معلوم ہوتا ہے کہ وحی کی کسی قسم میں کبھی کبھی ایسی آواز بھی ہوتی تھی جس کو کبھی کوئی بلند فطرت صحابی بھی سن لیا کرتا تھا مگر پھر بھی اس کا ادراک صرف ایک مبہم سی صوت کے سوا کچھ نہ ہوتا (تو اس کے حروف مسموع ہوتے نہ معنے مفہوم ہوتے بلکہ صرف ایک بسیط آواز ہوتی۔ عجیب بات یہ ہے کہ جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے بنفس نفیس اس آواز کو تشبیہ دی تو گھنٹے کی

آواز سے تشبیہ دی اور یہاں جب حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اس کو تشبیہ دی تو دوی نحل یعنی شہد کی مکھی کی آواز سے تشبیہ دی ہے۔ علماء نے لکھا ہے کہ گھنٹے کی آواز گو شرعاً ناپسندیدہ ہے مگر وحی کو اس کے ساتھ اس لحاظ سے تشبیہ دی گئی ہے کہ وہ بھی ایک بسیط آواز ہوتی ہے اور بے جہت مسموع ہوتی ہے لکھا ہے کہ اس کی مسلسل جھنجھناہٹ سے بھی اسی قسم کی آواز پیدا ہوتی ہے یعنی اس کا مبدا و منقطع بھی معلوم نہیں ہوتا صرف گھنٹے کی طرح ایک بسیط آواز معلوم ہوتی ہے ان دونوں تشبیہوں پر اگر غور کیجئے تو معلوم ہوگا کہ وہ ایک ہی حقیقت کی ترجمانی کر رہی ہیں۔ فرق ہو تو شاید صرف اتنا ہی ہو کہ صاحب وحی کو وہ آواز کچھ زیادہ تیز محسوس ہوتی ہو اس لیے آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کو صلصلۃ یعنی گھنٹے کی آواز سے تشبیہ دی ہو اور سامعین میں جس کو اس غیبی صوت کا سننا نصیب ہوتا ہو اس کو خفیف اور ہلکی محسوس ہوتی ہو اس سے یہ صاف معلوم ہوتا ہے کہ وحی کی حقیقت خواب وخیال سے بالکل بالاتر ہے۔ عالم رؤیا کا سارا تماشہ صرف سونے والے کے سامنے ہوتا ہے اور یہاں آثار وحی بقیہ سامعین پر بھی اس درجہ محسوس ہوتے تھے حتیٰ کہ بعض اوقات وحی کی بے کیف آواز کا ادراک بھی ہوتا تھا۔ ابھی آپ کے سامنے آنے والا ہے کہ نزول وحی کے وقت آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم تو متاثر ہوتے ہی تھے لیکن اس حالت میں اگر آپ کا جسم اطہر کسی دوسرے کے جسم کے ساتھ ذرا متصل ہو جاتا تو وہ بھی وحی کی عظمت سے پس پس جاتا تھا اب مختلف صحابہؓ کے ان مختلف احساسات کے بعد بھی کیا وحی کو محض ایک ذہنی تخیل کہا جا سکتا ہے۔ والعیاذ باللہ

فرشتہ کا غیبی طور پر قلب میں کوئی بات ڈالنا

عَنِ ابْنِ مَسْعُوْدٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَيُّهَا النَّاسُ لَيْسَ مِنْ شَيْءٍ يُقَرِّبُكُمْ اِلَى الْجَنَّةِ وَيُبَاعِدُكُمْ مِنَ النَّارِ اِلَّا قَدْ اَمَرْتُكُمْ بِهٖ وَلَيْسَ مِنْ شَيْءٍ يُقَرِّبُكُمْ مِنَ النَّارِ وَيُبَاعِدُكُمْ مِنَ الْجَنَّةِ اِلَّا قَدْ نَهَيْتُكُمْ عَنْهُ وَاِنَّ الرُّوْحَ الْاَمِيْنَ وَفِيْ رِوَايَةٍ وَاِنَّ رُوْحَ الْقُدُسِ نَفَثَ فِيْ رُوْعِيْ اَنَّ نَفْسًا لَنْ تَمُوْتَ حَتّٰى تَسْتَكْمِلَ رِزْقَهَا اَلَا فَاتَّقُوا اللّٰهَ وَاَجْمِلُوْا فِي الطَّلَبِ وَلَا يَحْمِلَنَّكُمْ اسْتِبْطَاءُ الرِّزْقِ اَنْ تَطْلُبُوْهُ بِمَعَاصِي اللّٰهِ فَاِنَّهٗ لَا يُدْرَكُ مَا عِنْدَ اللّٰهِ اِلَّا بِطَاعَتِهٖ. (رواہ فی شرح السنۃ والبیہقی فی شعب الایمان)

ابن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ روایت فرماتے ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے صحابہؓ کو خطاب کرتے ہوئے فرمایا لوگو! جو بات بھی تم کو جنت سے قریب کرنے والی اور آتش دوزخ سے دور کر دینے والی تھی میں تم کو اس کا حکم دے چکا ہوں اور جو بات بھی تم کو آتش دوزخ سے قریب اور جنت سے دور کر دینے والی تھی اس کے کرنے سے میں تم کو روک چکا ہوں۔ اس سلسلہ میں حضرت جبرئیل علیہ السلام نے میرے قلب میں یہ بات بھی القاء فرمائی ہے کہ کوئی نفس جب تک کہ وہ اپنے مقدر کا رزق پورا نہ کر لے ہرگز مر نہیں سکتا۔ لہٰذا خبردار! اللہ تعالیٰ سے ڈرتے رہو اور صبر کے ساتھ رزق طلب کرو اور اگر مقدر کا رزق ملنے میں کچھ تاخیر ہو تو اس کو خدا تعالیٰ کی نافرمانی کے ذریعہ سے حاصل کرنے کے لیے آمادہ نہ ہو جایا کرو کیونکہ یہ بات ظاہر ہے کہ جو رزق دست قدرت میں ہے وہ صرف اس کی حکم برداری سے ہی حاصل ہو سکتا ہے۔ (شرح السنۃ، بیہقی)

تشریح۔ حدیث مذکورہ سے ثابت ہوتا ہے کہ فرشتہ کا براہ راست نبی کے قلب میں کوئی بات ڈال دینا بھی وحی کی ایک قسم ہے لیکن

وحی کی جو قسم بھی ہے خواہ فرشتہ اس میں نظر آئے یا نہ آئے وہ سب قطعی ہے حتیٰ کہ جو وحی خواب کی صورت میں ہو وہ بھی قطعی ہو۔ اس سے یہ اندازہ کیا جا سکتا ہے کہ وحی ربانی قلق و تردد سے کتنی پاک و صاف ہوتی ہے اسی لیے اس کی ہر لوح صاحب نبوت کے لیے روشن ہوتی ہے اور امت کے لیے اس پر ایمان لانا پہلا فرض ہوتا ہے۔ سیرت کے پڑھنے والے اچھی طرح جانتے ہیں کہ حالات کی پوری نامساعدت کے باوجود خدا کے رسولوں کو خدائی وعدہ میں کبھی ذرا تردد پیش نہیں آیا۔ صلح حدیبیہ کی صلح کتنی دب کر کی گئی تھی جس کی ہر ہر دفعہ مسلمانوں کے ضعف و کمزوری کی گویا ایک ایک دلیل تھی لیکن آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے جب کسی شخص نے سوال کیا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے کسی تردد کے بغیر اسی صلح نامہ کو مسلمانوں کی فتح سے تعبیر کیا۔ چنانچہ بہت ہی قلیل مدت کے بعد واقعات نے اس کی تصدیق کی اور مکہ مکرمہ فتح ہو گیا۔ یہاں رزق کو معاملہ بھی جس جزم و یقین کے ساتھ ادا کیا گیا ہے وہ لفظ "لن" سے ظاہر ہے۔ عربی میں یہ لفظ تاکید کے لیے آتا ہے۔ کیا خواب اور صفراء کے تخیلات اور وحی میں اب بھی کوئی التباس ہو سکتا ہے۔

انسان کی کمزور فطرت رزق کو انسانی جدوجہد کے تابع سمجھتی ہے مگر وحی کہتی ہے کہ یہ معاملہ صرف تقدیر کے تابع ہے اور مشکوک نہیں قطعی ہے اور اتنا یقینی ہے کہ موت جیسی یقینی چیز بھی اس وقت تک نہیں آ سکتی جب تک کہ انسان اپنے مقدر کا رزق پورا پورا حاصل نہ کر لے۔ انسان سمجھتا ہے کہ رزق آزادانہ ذرائع سے آسانی اور وسعت سے حاصل ہوتا ہے حدیث یہ سمجھاتی ہے کہ یہ خیال غلط ہے رزق صرف خدا تعالیٰ کی حکم برداری سے مل سکتا ہے اور اس کو یوں آسان طریقہ سے دلنشین کرتی ہے کہ رزق خدا تعالیٰ کے دست قدرت میں ہے اور جب یہ ہے تو پھر بھلا اس کی نافرمانی کر کے رزق کہاں سے حاصل ہو سکتا ہے۔ اس سے آپ یہ خوب سمجھ گئے ہوں گے کہ حدیث میں کسب و اکتساب کی ممانعت نہیں بلکہ حرام ذرائع کی ممانعت ہے۔ انسان یہ سوچتا ہے کہ سود، لوٹ مار، دغا و فریب اور اس قسم کے دوسرے ناجائز ذرائع سے اس مال کو حاصل کرنا کچھ عیب نہیں۔ حدیث کہتی ہے یہ صرف اس کی ایمانی کمزوری ہے اس کو حلال ذرائع سے جدوجہد کرنی چاہیے اور یہ یقین رکھنا چاہیے کہ جو رزق اس کے لیے مقدر ہو چکا ہے وہ اس ذریعہ سے بھی پہنچ کر رہے گا۔ رزق کو مقصد زندگانی بنانا بلند خیالی نہیں ہے۔ انسانی خلقت کا اصل مقصد خلافت کے فرائض کی انجام دہی ہے۔ لہٰذا یہ ضروریات محض ثانوی چیز ہیں۔

خواب

عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ قَالَ بِتُّ عِنْدَ خَالَتِي مَيْمُونَةَ لَيْلَةً فَقَامَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَلَمَّا كَانَ فِي بَعْضِ اللَّيْلِ قَامَ رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَتَوَضَّأَ مِنْ شَنٍّ مُعَلَّقٍ وُضُوءًا خَفِيفًا يُخَفِّفُهُ عَمْرٌو وَيُقَلِّلُهُ جِدًّا ثُمَّ قَامَ يُصَلِّي فَقُمْتُ فَتَوَضَّأْتُ نَحْوًا مِمَّا تَوَضَّأَ ثُمَّ جِئْتُ فَقُمْتُ عَنْ يَسَارِهِ فَحَوَّلَنِي فَجَعَلَنِي عَنْ يَمِينِهِ ثُمَّ صَلَّى مَا شَاءَ اللّٰهُ ثُمَّ اضْطَجَعَ فَنَامَ حَتَّى نَفَخَ فَأَتَاهُ الْمُنَادِي يُؤْذِنُهُ بِالصَّلَاةِ فَقَامَ مَعَهُ إِلَى الصَّلَاةِ فَصَلَّى وَلَمْ يَتَوَضَّأْ قُلْنَا لِعَمْرٍو إِنَّ نَاسًا يَقُولُونَ إِنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ تَنَامُ عَيْنُهُ وَلَا يَنَامُ قَلْبُهُ قَالَ عَمْرٌو سَمِعْتُ عُبَيْدَ بْنَ عُمَيْرٍ يَقُولُ إِنَّ رُؤْيَا الْأَنْبِيَاءِ وَحْيٌ ثُمَّ قَرَأَ إِنِّي أَرَى فِي الْمَنَامِ أَنِّي أَذْبَحُكَ. (رواہ البخاری)

ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ روایت کرتے ہیں کہ ایک شب میں اپنی خالہ حضرت میمونہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے گھر رہا جب کچھ شب گزر گئی تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اٹھے اور ایک مشک سے جو لٹکی ہوئی تھی وضو فرمایا حدیث کا راوی عمرو کہتا ہے کہ اس میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے بہت کم پانی صرف کیا اس کے بعد نماز کے لیے کھڑے ہوگئے جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم نماز میں مشغول ہوگئے تو میں بھی اٹھ کھڑا ہوا اور جیسا وضو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تھا اسی طرح میں نے بھی کیا پھر آکر آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی بائیں طرف کھڑا ہو گیا آپ نے مجھ کو پھیر کر اپنی داہنی جانب کھڑا کر لیا اس کے بعد جتنی رکعتیں اللہ تعالیٰ کو منظور تھیں وہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ادا فرمائیں پھر آپ لیٹ گئے یہاں تک کہ آپ کے سونے کی آواز آنے لگی مؤذن حاضر ہوا اور اس نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو نماز کی اطلاع دی آپ صلی اللہ علیہ وسلم اٹھ کر اس کے ساتھ نماز کو تشریف لے گئے اور نماز ادا فرمائی اور وضو نہیں کیا ہم نے عمرو راوی حدیث سے پوچھا لوگ یوں بیان کرتے ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی صرف آنکھیں ہی سوتی تھیں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا قلب اس حالت میں بھی بیدار رہتا تھا۔ عمرو کہتے ہیں میں نے عبید بن عمیر کو یہ کہتے خود سنا ہے کہ انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام کا خواب بھی وحی ہوتا ہے۔ اس پر قرآن کریم کی یہ آیت انہوں نے ثبوت میں پڑھی: "انی اری فی المنام الخ" یعنی حضرت ابراہیم علیہ السلام نے اپنے فرزند اسماعیل علیہ السلام سے کہا میں نے خواب میں دیکھا ہے کہ میں تم کو ذبح کر رہا ہوں۔ (بخاری شریف)

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم پر نزول وحی کا ایک منظر

اَنَّ صَفْوَانَ بْنَ يَعْلٰى اَخْبَرَهٗ اَنَّ يَعْلٰى اَخْبَرَهٗ قَالَ لِعُمَرَ اَرِنِي النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ حِيْنَ يُوْحٰى اِلَيْهِ قَالَ فَبَيْنَمَا النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بِالْجِعْرَانَةِ وَمَعَهٗ نَفَرٌ مِّنْ اَصْحَابِهٖ جَاءَهٗ رَجُلٌ فَقَالَ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ كَيْفَ تَرٰى فِيْ رَجُلٍ اَحْرَمَ بِعُمْرَةٍ وَهُوَ مُتَضَمِّخٌ بِطِيْبٍ فَسَكَتَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ سَاعَةً فَجَاءَهُ الْوَحْيُ فَاَشَارَ عُمَرُ اِلٰى يَعْلٰى فَجَاءَ يَعْلٰى وَعَلٰى رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ ثَوْبٌ قَدْ اُظِلَّ بِهٖ فَاَدْخَلَ رَأْسَهٗ فَاِذَا رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مُحْمَرُّ الْوَجْهِ وَهُوَ يَغِطُّ ثُمَّ سُرِّيَ عَنْهُ فَقَالَ اَيْنَ الَّذِيْ سَأَلَ عَنِ الْعُمْرَةِ فَاُتِيَ بِرَجُلٍ فَقَالَ اغْسِلِ الطِّيْبَ الَّذِيْ بِكَ ثَلَاثَ مَرَّاتٍ وَانْزِعْ عَنْكَ الْجُبَّةَ وَاصْنَعْ فِيْ عُمْرَتِكَ كَمَا تَصْنَعُ فِيْ حَجَّتِكَ فَقُلْتُ لِعَطَاءٍ اَرَادَ الْاِنْقَاءَ حِيْنَ اَمَرَهٗ اَنْ يَغْسِلَ ثَلَاثَ مَرَّاتٍ فَقَالَ نَعَمْ (رواہ البخاری)

صفوان بن یعلیٰ بیان کرتے ہیں کہ ان کے والد یعلیٰ نے حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے عرض کیا کہ جب کبھی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم پر وحی آئے تو اس وقت آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو مجھے بھی دکھا دیجئے گا۔ راوی کہتا ہے ایسا اتفاق ہوا کہ آپ مقام جعرانہ میں تھے اور صحابہ کی ایک جماعت آپ کے ساتھ تھی کہ ایک شخص آیا اور اس نے یہ مسئلہ پوچھا یا رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم) ایک شخص تو خوشبو میں بہت تر ہو رہا تھا اور اسی حالت میں اس نے عمرہ کا احرام باندھ لیا اب وہ کیا کرے؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم تھوڑی دیر کے لیے خاموش ہوگئے اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم پر وحی کا نزول شروع ہوا (حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے آپ کے چہرہ مبارک پر ایک کپڑا ڈالا تھا

ہیں) اور یعلیٰ کو اشارہ کیا آگے آؤ وہ آ گئے اس وقت آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے چہرۂ مبارک پر کپڑا پڑا ہوا تو انہوں نے اپنا سر اس کے اندر داخل کیا کیا دیکھتے ہیں کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا چہرۂ مبارک سرخ ہو رہا ہے اور وحی کی شدت سے ایسا معلوم ہوتا ہے جیسے آپ کا دم گھٹ رہا ہو اس کے بعد جب وہ کیفیت جاتی رہی تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا وہ عمرہ کا مسئلہ دریافت کرنے والا شخص کدھر گیا اسی وقت اس کو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر کیا گیا آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس سے فرمایا جو خوشبو تیرے جسم پر لگی ہوئی ہے اس کو تین بار دھو ڈال اور اپنا جبہ اتار دے اور پھر جیسے اپنا حج کرتا تھا اسی طرح عمرہ ادا کرے میں نے عطاء راوی سے پوچھا تین مرتبہ خوشبو کے دھونے سے آپ کی غرض یہی ہوگی کہ وہ خوب صاف ہو جائے انہوں نے کہا جی ہاں۔ (بخاری شریف)

عَنْ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ سَلَامٍ قَالَ كَانَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اِذَا جَلَسَ يَتَحَدَّثُ يُكْثِرُ اَنْ يَّرْفَعَ طَرْفَهٗ اِلَى السَّمَاءِ. (رواہ ابو داؤد)

عبداللہ بن سلام سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جب بیٹھے ہوئے باتیں کرتے تو اکثر آسمان کی طرف نظر اٹھا اٹھا کر دیکھا کرتے تھے۔ (ابوداؤد)

تشریح۔ یہ نظروں کا اٹھانا وحی کے انتظار میں ہوتا تھا جیسا کہ تحویل قبلہ کے وقت بھی آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا نظریں اٹھا اٹھا کر وحی کا انتظار کرنا قرآن شریف میں مذکور ہے۔ (قَدْ نَرٰى تَقَلُّبَ وَجْهِكَ فِي السَّمَاءِ فَلَنُوَلِّيَنَّكَ قِبْلَةً تَرْضٰهَا)

عَنْ عُبَادَةَ بْنِ الصَّامِتِ قَالَ كَانَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اِذَا اُنْزِلَ عَلَيْهِ الْوَحْيُ كُرِبَ لِذٰلِكَ وَتَرَبَّدَ وَجْهُهٗ وَفِيْ رِوَايَةٍ نَكَسَ رَاْسَهٗ وَنَكَسَ اَصْحَابُهٗ رُءُوْسَهُمْ فَلَمَّا اُتْلِيَ عَنْهُ رَفَعَ رَاْسَهٗ. (رواہ مسلم)

عبادہ بن صامت فرماتے ہیں کہ جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر وحی آتی تو اس کی شدت سے آپ کو اتنی تکلیف ہوتی کہ چہرۂ مبارک تک متغیر ہو جاتا۔ ایک روایت میں اتنا اضافہ اور ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم اپنا سر مبارک جھکا لیتے اور آپ کے صحابہ بھی اپنے سروں کو جھکا لیتے پھر جب وحی کا نزول ختم ہو جاتا تو آپ اپنا سر اٹھا لیتے۔ (مسلم شریف)

عَنْ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ عَمْرٍو قَالَ سَاَلْتُ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقُلْتُ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ هَلْ تُحِسُّ بِالْوَحْيِ فَقَالَ اَسْمَعُ صَلَاصِلَ ثُمَّ اَسْكُتُ عِنْدَ ذٰلِكَ فَمَا مِنْ مَرَّةٍ يُوْحٰى اِلَيَّ اِلَّا ظَنَنْتُ اَنَّ نَفْسِيْ تُقْبَضُ. (رواہ احمد)

عبداللہ بن عمرو روایت فرماتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھا یا رسول اللہ! (صلی اللہ علیہ وسلم) جب آپ پر وحی آتی ہے تو آپ کو وہ محسوس ہوتی ہے؟ فرمایا پہلے میں گھنٹیوں کی سی آواز سنتا ہوں پھر اس وقت بالکل خاموش ہو جاتا ہوں اور جب بھی مجھ پر وحی آتی ہے تو مجھ کو یہ معلوم ہونے لگتا ہے کہ میری جان اب نکلی۔ (مسند احمد)

تشریح۔ تعجب ہے کہ جب سب سے پہلی بار آپ صلی اللہ علیہ وسلم پر قرآن کریم کا نزول شروع ہوا تھا تو اس وقت بھی حضرت خدیجہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے پاس آ کر جو الفاظ آپ نے فرمائے تھے وہ بھی یہی تھے۔ "لقد خشيت على نفسي" مجھے اپنی جان کا خطرہ ہو گیا تھا۔ اس سے ہونے والے آپ کے اس لفظ کو لے کر بس پا تا طعن دراز کیا استغفر اللہ اگر کاش ان کو وحی کی حقیقت کا علم ہوتا

پھر قرآن کریم کی عظمت کا کچھ اندازہ ہوتا اس کے بعد آپ کی آخر عمر تک نزول وحی کے وقت آپ کے حالات دیکھنے کی فرصت ہوتی تو جو بات ان کی عقول کے لیے پہاڑ بن گئی تھی وہی بات سب سے آسان بن جاتی۔ اس باب کی پہلی حدیث عائشہ کا واقعہ ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم پر وحی کی شدت کا عالم قریب قریب وہی نظر آ رہا تھا جو روز اول تھا اس کے بعد حضرت عبادہ بن صامت رضی اللہ تعالیٰ عنہ اور عبداللہ بن عمرو رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی حدیثیں آپ کے سامنے ہیں۔ ان تمام حدیثوں سے یہی بات ثابت ہوتی ہے کہ نزول وحی کی شدت آپ ہمیشہ ہی محسوس فرمایا کرتے تھے تو پھر اس وقت جبکہ آپ کو اس سے قبل نزول وحی سے کوئی سابقہ ہی نہیں پڑا تھا اگر اس کی شدت کا احساس ہوا اور آپ کی زبان مبارک سے خوف کے وہی کلمات نکلے جو اس پر شوکت کلام کے نزول سے نکلنے چاہئیں تھے تو یہ آپ کی اور زیادہ تصدیق کا سبب ہونے چاہئیں تھے نہ کہ برعکس تکذیب کا۔ چنانچہ جب حضرت خدیجہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے ان کو سنا تو فوری طور پر گو وہ کوئی قطعی فیصلہ تو نہیں دے سکیں مگر یہ اندازہ انہوں نے بھی اچھی طرح لگا لیا کہ یہ ضرور کوئی ربانی معاملہ ہے۔ عرب نبوت اور وحی کی صفات سے کوسوں دور پڑا ہوا تھا لہٰذا فوراً آپ کو لے کر ورقہ کے پاس پہنچیں انہوں نے واقعہ کی اجمالی صورت سنتے ہی حقیقت حال معلوم کر لی اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی رسالت کی تصدیق کر کے دنیا سے رخصت ہو گئے۔

عن سعيد بن جبير عن ابن عباس في قوله لا تحرك به لسانك لتعجل به قال كان رسول الله صلى الله عليه وسلم اذا نزل جبريل بالوحي وكان مما يحرك به لسانه وشفتيه فيشتد عليه وكان يعرف منه فانزل الله الآية التي في لا اقسم بيوم القيامة لا تحرك به لسانك لتعجل به ان علينا جمعه وقرآنه قال علينا ان نجمعه في صدرك وقرآنه فاذا قرأناه فاتبع قرآنه فاذا انزلناه فاستمع ثم ان علينا بيانه علينا ان نبينه بلسانك قال فكان اذا اتاه جبريل اطرق فاذا ذهب قرأه كما وعده الله. (واللفظ للبخاری)

سعید بن جبیر آیت (لا تحرک به لسانک) کی تفسیر میں حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے نقل فرماتے ہیں کہ پہلے یوں ہوتا تھا کہ جب حضرت جبرئیل علیہ السلام آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم پر وحی لے کر آتے تو آپ اس کے یاد کرنے کی فکر میں وحی کے ساتھ ساتھ اپنے ہونٹ اور زبان ہلاتے جاتے۔ اس کی وجہ سے آپ کو بڑی تکلیف ہوتی کہ سب کو اس کا احساس ہوتا۔ اس پر اللہ تعالیٰ نے سورۂ (لا اقسم) کی یہ آیت نازل فرما دی کہ جلدی سے یاد کرنے کی فکر میں آپ نزول وحی کے ساتھ ساتھ اپنی زبان نہ ہلایا کریں قرآن کا جمع کرنا اور اس کا پڑھانا ہمارے ذمہ ہے۔ ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے تھے مطلب یہ تھا کہ آپ کے سینہ مبارک میں اس کا محفوظ کر دینا پھر اس کا پڑھانا یہ دونوں باتیں ہمارے ذمہ ہیں اس کے بعد آئندہ آپ یوں کیجئے کہ جب ہم آپ پر قرآن نازل فرما چکیں تو نزول کے وقت تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم صرف سنا ہی کیجئے اس کے بعد خود پڑھ لیا کیجئے اس کے بعد اس کا بیان کر دینا بھی ہمارے ہی ذمہ ہے۔ ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں اس کے بعد جب جبرئیل علیہ السلام تشریف لاتے تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم اپنا سر مبارک جھکا لیتے جب وہ تشریف لے جاتے تو حسب

رَسُوْلَ اللّٰہِ لَوْ اَسْتَطِیْعُ الْجِهَادَ لَجَاهَدْتُ وَكَانَ اَعْمٰی فَاَنْزَلَ اللّٰہُ عَلٰی رَسُوْلِهٖ وَفَخِذُهٗ عَلٰی فَخِذِیْ فَثَقُلَتْ عَلَیَّ حَتّٰی خِفْتُ اَنْ تُرَضَّ فَخِذِیْ ثُمَّ سُرِّیَ عَنْهُ فَاَنْزَلَ اللّٰہُ غَیْرَ اُولِی الضَّرَرِ۔ (رواہ البخاری)

سہل بن سعد ساعدی سے روایت ہے کہ انہوں نے مروان بن حکم کو مسجد میں دیکھا تو میں ان کے پاس آیا اور ان کے پہلو میں آ کر بیٹھ گیا۔ انہوں نے ہم سے کہا کہ زید بن ثابت نے ان سے بیان کیا ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے آیت "لایستوی القاعدون من المؤمنین والمجاهدون فی سبیل اللّٰہ الخ" (مومنوں میں جو لوگ جہاد سے بیٹھ رہے اور جنہوں نے اللہ تعالیٰ کے راستہ میں جہاد کیا برابر نہیں ہو سکتے) زید بن ثابت سے قلمبند کرائی۔ ابھی آپ اس کو قلمبند کرا ہی رہے تھے کہ آپ کی خدمت میں ابن ام مکتوم آ گئے انہوں نے کہا یا رسول اللہ! (صلی اللہ علیہ وسلم) بخدا اگر میں جہاد کر سکتا تو ضرور جہاد کرتا۔ بات یہ تھی کہ یہ نابینا تھے ان کے عذر کرنے پر اللہ تعالیٰ نے اپنے رسول پر وحی نازل فرمائی۔ اس وقت آپ کی ران میری ران کے اوپر رکھی ہوئی تھی (یعنی بے تکلفی کے ساتھ گھٹنے کے ساتھ گھٹنا ملائے بیٹھے تھے) تو میری ران پر اتنا وزن پڑا یوں معلوم ہوتا تھا کہ اب چورا چورا ہوئی۔ اس کے بعد جب وحی کی کیفیت آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے دور ہوئی تو جو کلمہ اللہ تعالیٰ نے نازل فرمایا تھا وہ صرف یہ تھا "غیر اولی الضرر" (یعنی یہ حکم ان کا ہے جو معذور نہ ہوں) (بخاری شریف)

تشریح۔ سبحان اللہ صرف ایک کلمہ کا وزن جب زید بن ثابت کو اتنا محسوس ہوا تو جن پر یہ کلمہ نازل ہوا تھا ان کو اس کا وزن کتنا محسوس ہوا ہوگا۔ اب اندازہ کر لینا چاہیے کہ جن پر قرآن کریم پورا کا پورا نازل ہوا تھا عام بشر سے ان کو کتنا امتیاز ہوگا۔

عَنْ اَبِیْ هُرَیْرَةَ قَالَ كَانَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ اِذَا اُوْحِیَ اِلَیْهِ لَمْ یَسْتَطِعْ اَحَدٌ مِّنَّا یَرْفَعُ طَرْفَهٗ اِلَیْهِ حَتّٰی یَنْقَضِیَ الْوَحْیُ۔ (اخرجہ مسلم والحاکم وصححہ)

ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ روایت فرماتے ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم پر جب وحی اترتی تو جس وقت تک تمام نہ ہو لیتی کس کی مجال تھی کہ وہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف نظر اٹھا کر دیکھ سکتا۔ (مسلم وحاکم)

نزول وحی کے وقت آپؐ کی اونٹنی کی بے چینی

عَنْ عَائِشَةَ اَنَّ النَّبِیَّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ كَانَ اِذَا اُوْحِیَ اِلَیْهِ وَهُوَ عَلٰی نَاقَتِهٖ وَضَعَتْ جِرَانَهَا فَمَا تَسْتَطِیْعُ اَنْ تَتَحَرَّكَ حَتّٰی یُسَرّٰی عَنْهُ وَتَلَتْ اِنَّا سَنُلْقِیْ عَلَیْكَ قَوْلًا ثَقِیْلًا۔ (رواہ احمد)

حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا روایت فرماتی ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر جب وحی اترتی اور آپ اپنی اونٹنی پر ہوتے تو وحی کے وزن سے وہ بھی اپنی گردن نیچے ڈال دیتی تھی اور جب تک وحی کی آمد ختم نہ ہو لیتی اپنی جگہ سے گردن ہلا نہ سکتی تھی اس کے بعد اس مضمون کی تصدیق میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ آیت تلاوت فرمائی: "انا سنلقی علیک الخ" (ہم آپ پر ایک بہت وزنی کلام اتارنے والے ہیں) (احمد، عبد بن حمید، ابن جریر، ابن مردویہ، حاکم)

اس روایت سے معلوم ہوا کہ وحی کے بار کا احساس صرف انسانوں ہی تک محدود نہ تھا بلکہ حیوانات کو بھی ہوتا تھا۔

عَنْ اَبِیْ اَرْوَی الدَّوْسِیِّ قَالَ رَاَیْتُ الْوَحْیَ یَنْزِلُ عَلَی النَّبِیِّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ وَاِنَّهٗ عَلٰی

راحلته فتحرك وتقبل بيديها حتى اظن ان ذراعيها تنقصم فربما بركت وربما قامت موتدة يديها حتى يسرى عنه من ثقل الوحي وانه ليتحدر منه مثل الجمان. (رواه ابن سعد كذا في الخصائص ص ۱۱۷ ج ۱)

ابو اروی دوسی کہتے ہیں میں نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم پر وحی آتے اس وقت دیکھا ہے جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم اپنی سواری کے اوپر تھے کہ وحی کے وزن سے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی اونٹنی آواز کرتی تھی اور اپنے دونوں پیر اس طرح اونچی لیتی تھی کہ مجھ کو یہ گمان ہوتا تھا کہ گویا اس کے بازو ٹوٹے جاتے ہیں کبھی بیٹھتی اور کبھی اپنے پیروں پر سہارا لے کر کھڑی ہو جاتی۔ وحی کے وزن سے اس کی یہی کیفیت رہتی تھی یہاں تک کہ وحی کی آمد ختم ہو جاتی۔ ادھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی پیشانی مبارک سے موتی کی طرح پسینے کے قطرے ٹپکنے لگتے تھے۔ ([illegible])

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم پر نزول وحی کی کیفیت

عن ابن مسعود قال بينما انا امشي مع النبي صلى الله عليه وسلم في بعض حرث او خرب المدينة وهو يتوكأ على عسيب معه فمررنا على نفر من اليهود فقال بعضهم لبعض سلوه عن الروح فقال بعضهم لا تسألوه ان يجيء فيه بشيء تكرهونه فقال بعضهم لنسألنه فقام اليه رجل منهم فقال يا ابا القاسم ما الروح فسكت النبي صلى الله عليه وسلم فعلمت انه يوحى اليه فقال ويسألونك عن الروح قل الروح من امر ربي وما اوتوا من العلم الا قليلا قال الاعمش هكذا في قراءتنا. (رواه البخاري ص ... ورواه مسلم في سورة بني اسرائيل وفي لفظ حتى صعد الوحي)

ابن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ روایت فرماتے ہیں کہ ایک بار میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی ہمراہی میں مدینہ کے کھیت یا کسی ویرانہ میں تھا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم اس وقت ایک شاخ پر سہارا دے کر کھڑے ہوئے تھے۔ اتنے میں ہمارا گزر یہود کی ایک جماعت پر ہوا انہوں نے باہم ایک دوسرے سے کہا اس شخص سے روح کے متعلق دریافت کر کے دیکھو۔ اس پر کسی نے یہ مشورہ دیا کہ نہ پوچھو کہیں وہ ایسا جواب نہ دے دیں جو تمہارے لیے اور کوفت کا سبب ہو۔ اس پر دوسرے لوگ بولے واہ ہم ضرور پوچھیں گے۔ چنانچہ ان میں سے ایک شخص کھڑا ہو گیا اور اس نے کہا اے ابو القاسم! (آپ کی کیا تحقیق ہے) روح کے متعلق کچھ فرمائیے؟ یہ سن کر آپ خاموش ہو گئے۔ میں سمجھ گیا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم پر وحی نازل ہو رہی ہے۔ چنانچہ ان کے جواب میں آپ نے یہ آیت تلاوت فرمائی: "یسئلونک عن الروح" یہ لوگ آپ سے روح کے متعلق دریافت کرتے ہیں آپ ان سے کہہ دیجئے کہ روح خدا تعالیٰ کا ایک حکم ہے اور جتنا حصہ علم کا ان کو دیا گیا ہے وہ بہت ہی قلیل ہے (اگرچہ وہ نادانی سے اس کو بہت سمجھیں) اعمش کہتے ہیں کہ ہماری قرأت میں اس آیت میں اوتیتم کے بجائے اوتوا کا ہی لفظ ہے۔

تشریح۔ خلاصہ یہ ہے کہ وحی کی حقیقت خواہ کچھ ہی ہو، تجربہ کیوں نہ ہو لیکن آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم پر وحی کا نزول دیکھتے تھے وہ اتنی واضح ہو چکی تھی کہ جو آپ کے رفقاء تھے وہ اس کو فوراً پہچان لیتے تھے۔ مشکل جو کچھ بھی ہے وہ ان کے لیے ہے جنہوں نے وحی کا نزول خود تو دیکھا نہیں اور بدقسمتی یہ کہ جنہوں نے دیکھا تھا ان کے بیان پر ان کو اعتماد نہیں آتا۔

اس روایت میں امام ترمذی نے ایک خاص لفظ روایت کیا ہے اور وہ "حتی صعد الوحی" یعنی میں بچھ جاتا تھا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم پر وحی آرہی ہے یہاں تک کہ وحی چڑھ جاتی۔ وحی کے بارے میں نزول کا لفظ تو عام روایات میں آتا ہے لیکن اس روایت میں "صعود" کا لفظ بھی آگیا ہے اور بظاہر اس سے مراد صاحب وحی یعنی فرشتہ کا صعود ہے۔

وَمن ميزات الانبياء عليهم السلام ان لهم في الدنيا خواص اهل الجنة ومن تلك الخواص ان اجسادهم لاتبلى ولا تفنى

عَنْ اَوْسِ بْنِ اَوْسٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اِنَّ مِنْ اَفْضَلِ اَيَّامِكُمْ يَوْمُ الْجُمُعَةِ فِيْهِ خُلِقَ اٰدَمُ وَفِيْهِ قُبِضَ وَفِيْهِ النَّفْخَةُ وَفِيْهِ الصَّعْقَةُ فَاَكْثِرُوْا عَلَيَّ مِنَ الصَّلٰوةِ فِيْهِ فَاِنَّ صَلَاتَكُمْ مَعْرُوْضَةٌ عَلَيَّ قَالَ قَالُوْا يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ وَكَيْفَ تُعْرَضُ صَلَاتُنَا عَلَيْكَ وَقَدْ اَرِمْتَ يَقُوْلُوْنَ بَلِيْتَ فَقَالَ اِنَّ اللّٰهَ عَزَّوَجَلَّ حَرَّمَ عَلَى الْاَرْضِ اَجْسَادَ الْاَنْبِيَاءِ۔ (رواه ابوداؤد و نسائی)

انبیاء علیہم السلام کے جسم تغیر سے محفوظ ہوتے ہیں

اوس بن اوس روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تمہارے سب دنوں میں سب سے افضل دن جمعہ کا دن ہے۔ اسی دن میں حضرت آدم علیہ السلام پیدا کیے گئے۔ اسی میں ان کی وفات ہوئی اسی میں صور پھونکا جائے گا اور اسی میں صور کی آواز سے لوگوں پر بیہوشی طاری ہوگی تو اس دن میں تم لوگ مجھ پر بکثرت درود بھیجا کرو کیونکہ تمہارے درود میرے سامنے پیش کیے جاتے ہیں۔ راوی کہتا ہے صحابہ نے تعجب سے دریافت کیا یارسول اللہ! (صلی اللہ علیہ وسلم) ہمارے درود بھلا آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے کس طرح پیش ہوں گے اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا جسم اطہر تو اس وقت تک مٹی میں مل چکا ہوگا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا اللہ تعالیٰ نے زمین پر حرام کر دیا ہے کہ وہ انبیاء کے اجسام پر کوئی اثر کر سکے۔ (ابوداؤد نسائی ابن ماجہ دارمی بیہقی)

عَنْ اَبِيْ هُرَيْرَةَ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ كُلُّ بَنِيْ اٰدَمَ تَاْكُلُهُ الْاَرْضُ اِلَّا عَجْبَ الذَّنَبِ. مِنْهُ خُلِقَ وَفِيْهِ يُرَكَّبُ۔ (رواه مالک والحاکم)

ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے ابن آدم کا سب جسم زمین کھا جاتی ہے صرف اس کی ریڑھ کی ہڈی کا ایک حصہ نہیں کھاتی۔ اسی سے اس کی پیدائش کی ابتداء ہوئی تھی اور اسی سے وہ پھر بنایا جائے گا۔ (مالک حاکم)

تشریح۔ جدید تحقیق کے بموجب انسانی پیدائش کی ابتداء سلس (Sells) قرار دی گئی ہے جو قدرت الٰہی سے نہیں بلکہ اپنی فطرت سے ارتقاء کرتے کرتے انسانی صورت اختیار کر گئے ہیں۔ یہاں حدیث یہ کہتی ہے کہ انسانی جسم کی بنیاد ہڈی کا ایک چھوٹا سا حصہ ہوتا ہے جو رحم مادر میں مدت کی چند ارتقائی صورتوں میں محفوظ رہتا ہے حتیٰ کہ جب جسم کے سب اجزا فنا ہو جاتے ہیں وہ اس وقت بھی فنا نہیں ہوتا مگر یہ تمام سلسلہ ہوتا ہے۔ سب قدرت کے ماتحت جس نے ایک بار پہلے اس ارتقائی سلسلہ سے اس کو بنایا تھا دوسری بار پھر اس ارتقاء کے بغیر وہی اس کو دوبارہ کھڑا کر دے گی۔

مَالِكٌ عَنْ عَبْدِالرَّحْمٰنِ بْنِ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ عَبْدِالرَّحْمٰنِ بْنِ اَبِيْ صَعْصَعَةَ اَنَّهُ بَلَغَهُ اَنَّ عَمْرَو بْنَ

الْجَمُوحِ وَعَبْدَ اللّٰهِ بْنَ عَمْرٍو الْاَنْصَارِيَّيْنِ ثُمَّ السُّلَمِيَّيْنِ كَانَا قَدْ حَفَرَ السَّيْلُ عَنْ قَبْرِهِمَا وَكَانَا قَبْرُهُمَا مِمَّا يَلِي السَّيْلَ وَكَانَا فِيْ قَبْرٍ وَّاحِدٍ وَهُمَا مِمَّنِ اسْتُشْهِدَ يَوْمَ اُحُدٍ فَحُفِرَ عَنْهُمَا لِيُغَيَّرَا مِنْ مَكَانِهِمَا فَوُجِدَا لَمْ يَتَغَيَّرَا كَاَنَّهُمَا مَاتَا بِالْاَمْسِ وَكَانَ اَحَدُهُمَا قَدْ جُرِحَ فَوَضَعَ يَدَهُ عَلٰى جُرْحِهِ فَدُفِنَ وَهُوَ كَذٰلِكَ فَاُمِيْطَتْ يَدُهُ عَنْ جُرْحِهِ ثُمَّ اُرْسِلَتْ فَرَجَعَتْ كَمَا كَانَتْ وَكَانَ بَيْنَ اُحُدٍ وَبَيْنَ يَوْمَ حُفِرَ عَنْهُمَا سِتٌّ وَّاَرْبَعُوْنَ سَنَةً (رواه مالک فی المؤطا من اٰخر ابواب الجهاد)

مالک عبدالرحمٰن سے نقل کرتے ہیں کہ ان کو یہ بات معلوم ہوئی کہ عمرو بن الجموح اور عبداللہ بن عمرو جو انصار میں سے تھے ان کی قبریں سیل (رو) کے متصل واقع ہوئی تھیں۔ ایسا اتفاق ہوا کہ سیل آئی اور اس نے ان کی قبریں کھود ڈالیں۔ یہ دونوں انصاری غزوۂ احد میں شہید ہوئے تھے اور ان دونوں کو ایک ہی قبر میں دفن کر دیا گیا تھا جب دوسری جگہ دفن کرنے کے لیے ان کی قبروں کو کھودا گیا دیکھا تو ان میں ذرا بھی تغیر نہ تھا یوں معلوم ہوتا تھا کل دفن کیے گئے ہیں۔ ان میں سے ایک صاحب جب زخمی ہوئے تھے تو انہوں نے اپنا ہاتھ زخم پر رکھ لیا تھا اور اتفاق سے اسی طرح ان کو دفن کر دیا گیا تھا۔ قبر سے نکالنے کے بعد ان کا ہاتھ جب زخم سے علیحدہ کر کے چھوڑا جاتا تو پھر اسی طرح زخم پر جا چمٹتا حالانکہ غزوۂ احد اور جس دن ان کی قبریں کھودی گئی تھیں ان کے درمیان چھیالیس سال کی مدت گزر چکی تھی۔ (مالک)

عَنْ جَابِرٍ قَالَ لَمَّا حَضَرَ اُحُدٌ دَعَانِيْ اَبِيْ مِنَ اللَّيْلِ فَقَالَ مَا اُرَانِيْ اِلَّا مَقْتُوْلًا فِيْ اَوَّلِ مَنْ يُّقْتَلُ مِنْ اَصْحَابِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَاِنِّيْ لَا اَتْرُكُ بَعْدِيْ اَعَزَّ عَلَيَّ مِنْكَ غَيْرَ نَفْسِ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَاِنَّ عَلَيَّ دَيْنًا فَاقْضِ وَاسْتَوْصِ بِاَخَوَاتِكَ خَيْرًا فَاَصْبَحْنَا فَكَانَ اَوَّلَ قَتِيْلٍ وَدُفِنَ مَعَهُ اٰخَرُ فِيْ قَبْرِهِ ثُمَّ لَمْ تَطِبْ نَفْسِيْ اَنْ اَتْرُكَهُ مَعَ اٰخَرَ فَاسْتَخْرَجْتُهُ بَعْدَ سِتَّةِ اَشْهُرٍ فَاِذَا هُوَ كَيَوْمِ وَضَعْتُهُ هُنَيَّةً غَيْرَ اُذُنِهِ. (رواه البخاری وذكر الحافظ ابن حجرؒ من فوائد الحديث كرامته بكون الارض لم تبل جسده مع لبثه فيها. وقد ذكر السهيلي في الروض الانف ص ۳۳ وما وجد في صلو هذه الامة من الشهداء احدو غيرهم على هذه الصورة لم يتغيروا بعد العصور الطويلة كحمزة بن عبدالمطلب فانه وجد حين حفر معاوية العين صحيحا لم يتغيروا صابت الفاس اصبعه فدميت وكذلك ابو جابر عبدالله بن حرام (وعمرو بن الجموح) و طلحة بن عبيدالله رضي الله تعالى عنهم مستخرجه بنته عائشة (من قبره) حين رأته في المنام فامرها ان تنقله من موضعه فاستخرجته من موضعه بعد ثلاثين سنة لم يتغير ذكره ابن قتيبة في المعارف والاخبار بذلك صحيحة ثم ذكر قصة الغلام واصحاب الاخدود وذكرانه اخرج في زمن عمر بن الخطابؓ و اصبعه على صدغه كما وضعها حين قتل كما رواه الترمذي قلت نعم وللارض من كاس الكرام نصيب)

جابر رضی اللہ تعالیٰ عنہ بیان کرتے ہیں کہ جب غزوۂ احد سامنے آیا تو میرے والد ماجد نے مجھے شب کے وقت بلا کر فرمایا میرا

خیال ہے کہ شاید آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابہ میں جو شہید ہونے والے ہیں ان سب میں پہلے میں مقتول ہوں گا اور دیکھو میرے بعد آپ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات مستثنیٰ کر کے تم سے بڑھ کر مجھ کو کوئی اور پیارا نہیں ہے۔ دیکھو میرے اوپر قرض ہے اس کو ادا کر دینا اور اپنی بہنوں کے ساتھ اچھا سلوک رکھنا۔ جب صبح ہوئی تو سب سے پہلے میرے والد ماجد ہی شہید ہوئے اور (شہداء کی کثرت کی وجہ سے) ایک صحابی اور ان ہی کے ساتھ دفن کر دیے گئے مگر میرے دل کو یہ گوارا نہ ہوا کہ ساتھ ان کے اس لیے چھ ماہ کی مدت کے بعد میں نے ان کو نکالا تو یوں معلوم ہوتا تھا گویا ابھی ان کو دفن کیا تھا صرف ان کے کان پر ذرا سا اثر آ گیا تھا۔ (بخاری شریف)

تشریح۔ یہ چند واقعات تو خود اسی امت کے ہیں اور بسند صحیح ثابت ہیں ان کے علاوہ اس امت کے کچھ اور واقعات اور پچھلی امت کا ایک واقعہ بھی آئندہ حدیث کے ذیل میں آپ کے سامنے آنے والا ہے اس لیے یہ تو بہر طور پر تسلیم کرنا پڑے گا کہ موت اور دفن کے بعد بھی جسم انسانی تغیرات سے محفوظ رہ سکتا ہے۔ لہٰذا کوئی وجہ نہیں ہے کہ انبیاء علیہم السلام کے بارے میں جو بیان حدیث مذکورہ بالا میں آپ پڑھ چکے ہیں اس میں ذرا سا بھی تردد کیا جا سکے۔ پھر جب اس پر غور کیا جاتا ہے کہ اتنی طویل مدت کے بعد بھی مردہ جسم سے خون برآمد ہوا تو شہداء کی حیات کا بھی قائل ہونا پڑتا ہے۔ گو وہ ایسی حیات نہ ہو جس کی جملہ کیفیات کا ہم ادراک کر سکیں مگر یہ تو ماننا پڑے گا کہ عام مردوں سے ان کو امتیاز ضرور رہتا ہے کہ ان کی مردہ نعشوں میں سالہا سال کے بعد بھی خون کا اثر موجود ہو سکتا ہے۔ اب ایسا کیوں ہوتا ہے تو اس کا جواب ہم صرف یہی دے سکتے ہیں کہ یہ اس لیے کہ وہ کسی درجہ میں حیات رکھتے ہیں۔ رہا یہ کہ اس کی تفصیل کیا ہے تو ہم یہاں اپنے جہل کا اعتراف کرتے ہیں ہم تو ابھی یہ بھی نہیں بتا سکتے کہ بیداری اور سونے کی حالتوں میں ہماری روح اور جسم کے تعلق میں کیا فرق ہوتا ہے حالانکہ یہ دونوں حالتیں ہر شخص پر اس کی حیات کی حالتیں ہیں اور سالہا سال اس پر گزرتی ہیں۔ لہٰذا اگر اس حالت کا ہم پتہ نہ دے سکیں جو موت کے بعد کی ہے تو اس میں کوئی تعجب نہیں ہے۔

جب شہداء کے حیات کی کیفیت یہ ہے تو انبیاء علیہم السلام جن کے مرتبے ان سے کہیں بالاتر ہیں ان کی حیات کی نوعیت کیا ہوگی اس سے اس کا کچھ اندازہ کر لینا چاہیے۔ یہاں ان مشاہدات کے بعد محض اپنے خیالات سے نہ تو اس کا انکار کرنا مناسب ہے اور نہ اس پر بجز خرافات کا اور اضافہ کر کے اصل حقیقت کا بھی منکر ہو جانا عقل کی بات ہے۔ ظاہر ہے کہ جو بغیر دنیا میں ایک مشابہ حیات کے مالک رہ چکے ہیں اگر وفات کے بعد کسی غیر مشابہ حیات کے مالک بن گئے ہیں تو اس سے ان کی بشریت میں کیا فرق پڑ سکتا ہے اور کیوں؟ انبیاء علیہم السلام اور شہداء کرام کی حیات تسلیم کر لینے کے بعد بھی ان کے بارے میں کسی ایک بات کا عقیدہ رکھنا جو انہوں نے اپنی حسی حیات میں نہیں فرمائی بلکہ اس سے روکا ہے جہاں دین پر افتراء ہے اسی طرح خود ان کی ذاتوں پر بھی افتراء ہوگا۔

عَنْ عَبْدِ اللّٰہِ بْنِ اَبِیْ بَکْرٍ اَنَّ خَرِبَۃً اُحْتُفِرَتْ فِیْ زَمَنِ عُمَرَ بْنِ الْخَطَّابِ فَوَجَدُوْا عَبْدَ اللّٰہِ بْنَ تَامِرٍ وَاضِعًا یَدَہٗ عَلٰی ضَرْبَۃٍ فِیْ رَأْسِہٖ اِذَا اُمِیْطَتْ یَدُہٗ عَنْہَا انْبَعَثَتْ دَمًا وَاِذَا تُرِکَتْ ارْتَدَّتْ مَکَانَہَا وَفِیْ یَدِہٖ خَاتَمٌ حَدِیْدٌ فِیْہِ مَکْتُوْبٌ رَبِّیَ اللّٰہُ فَبَلَغَ ذٰلِکَ عُمَرَ فَکَتَبَ اَنْ اَعِیْدُوْا عَلَیْہِ الَّذِیْ وَجَدْتُمْ عَلَیْہِ (تفسیر الخازن)

عبداللہ بن ابی بکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے زمانہ میں ایک جگہ زمین کھودی گئی تو اس میں

عبداللہ بن عامر کی لاش نکلی کہ اپنے سر کے زخم پر ہاتھ رکھے ہوئے ہیں جب اس زخم سے ان کا ہاتھ جدا کر لیا جاتا ہے تو خون بہنے لگتا ہے اور جب اس کو چھوڑ دیتے ہیں تو پھر اپنی جگہ چلا جاتا ہے۔ ان کے ہاتھ میں لوہے کی ایک انگوٹھی تھی اس پر ربی اللہ کا نقش کندہ تھا۔ جب یہ اطلاع حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو ملی تو آپ نے لکھ بھیجا تم نے جس حال میں پایا ہے ان کو اسی حالت پر دفن کر دو۔ (تفسیر خازن)

اہل جنت سے دوسری مشابہت ان کی دائمی حیات اور دائمی عبادت ہے

عَنْ اَنَسِ بْنِ مَالِکٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ اَلْاَنْبِیَاءُ اَحْیَاءٌ فِیْ قُبُوْرِہِمْ یُصَلُّوْنَ۔ (رواہ ابو یعلی)

انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا انبیاء علیہم السلام زندہ ہیں قبروں میں نمازیں پڑھتے ہیں۔ (ابو یعلی)

عَنْ اَبِی الدَّرْدَاءِ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ اَکْثِرُوا الصَّلٰوۃَ عَلَیَّ یَوْمَ الْجُمُعَۃِ فَاِنَّہٗ یَوْمٌ مَشْہُوْدٌ تَشْہَدُہُ الْمَلٰئِکَۃُ وَاِنَّ اَحَدًا لَا یُصَلِّیْ عَلَیَّ اِلَّا عُرِضَتْ عَلَیَّ صَلٰوتُہٗ حَتّٰی یَفْرُغَ مِنْہَا قَالَ قُلْتُ وَبَعْدَ الْمَوْتِ قَالَ: اِنَّ اللّٰہَ حَرَّمَ عَلَی الْاَرْضِ اَنْ تَاْکُلَ اَجْسَادَ الْاَنْبِیَاءِ فَنَبِیُّ اللّٰہِ حَیٌّ یُرْزَقُ۔ (رواہ ابن ماجۃ)

ابو الدرداء رضی اللہ تعالیٰ عنہ روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے جمعہ کے دن مجھ پر کثرت کے ساتھ درود بھیجا کرو کیونکہ اس دن کا لقب مشہود ہے کیونکہ اس میں فرشتوں کی بکثرت آمد ہوتی ہے اور جو شخص اس دن مجھ پر درود بھیجتا ہے اس کی درود جب تک وہ اس میں مشغول رہتا ہے میرے سامنے پیش ہوتی رہتی ہے۔ راوی کہتا ہے میں نے عرض کی یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! کیا موت کے بعد بھی؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اللہ تعالیٰ نے زمین پر یہ بات حرام کر دی ہے کہ وہ انبیاء علیہم السلام کے جسموں کو گلا سڑا دے۔ لہٰذا خدا تعالیٰ کا نبی زندہ رہتا ہے اور اس کو رزق بھی دیا جاتا ہے۔ (ابن ماجہ)

تشریح۔ اہل جنت کی حیات اور دائمی عبادت ذکر حدیث سے ثابت ہے۔ حدیث مذکور سے معلوم ہوتا ہے کہ انبیاء علیہم السلام اپنی وفات کے بعد بھی عبادات اور نیک اعمال سے معطل نہیں رہتے بلکہ دوسروں کی درود بھی ان کے سامنے پیش کی جاتی ہے۔ ان کے جسموں کو زمین نقصان نہیں پہنچاتی اور ان کو رزق بھی ملتا ہے۔ یہ جملہ صفات حیات کی صفات ہیں اس لیے ان کی حیات اور عبادت اس عالم میں بھی اہل جنت کی حیات اور عبادت کی شان رکھتی ہے۔ لہٰذا جب اس مسئلہ پر غور کرنا ہو تو احادیث کی روشنی میں کرنا چاہیے۔ یہاں صرف اتنی ہی باتوں کو سامنے رکھنا حیات کی حقیقت سمجھنے کے لیے کافی ہے اس سے زیادہ اپنی جانب سے محض قیاس آرائیاں کرنا بے وجہ عقائد کو خطرہ میں ڈالنا ہے اور ان کی موت کو بالکل عام انسانوں جیسی موت سمجھنا بھی محدثین علماء کے خلاف ہے جبکہ حدیث میں ان کے غسل، ان کے دفن، ان کی نماز، ان کے ترکہ اور ان کی بیویوں سے حرمت نکاح کے مسائل صاف صاف موجود ہیں تو ان کے حق میں بالکل عام موت کا عقیدہ رکھنا بھی کیسے صحیح ہو سکتا ہے۔

عَنْ اَبِیْ ہُرَیْرَۃَ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ قَالَ مَا مِنْ اَحَدٍ یُسَلِّمُ عَلَیَّ اِلَّا رَدَّ اللّٰہُ عَلَیَّ رُوْحِیْ حَتّٰی اَرُدَّ عَلَیْہِ السَّلَامَ۔ (رواہ ابو داؤد)

ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تم میں سے جب کوئی شخص مجھ کو سلام کرتا ہے

تو اللہ تعالیٰ ضرور میری روح کو اس کی طرف متوجہ کر دیتا ہے یہاں تک کہ میں اس کو جواب بھی دیتا ہوں۔ (ابو داؤد)

عَنْ ابْنِ مَسْعُوْدٍ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ اِنَّ لِلّٰهِ مَلَائِكَةً سَيَّاحِيْنَ فِي الْاَرْضِ يُبَلِّغُوْنِيْ عَنْ اُمَّتِي السَّلَامَ (اخرجہ احمد والنسائی)

ابن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کرتے ہیں کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے: اللہ تعالیٰ نے کچھ فرشتے مقرر فرما دیے ہیں جو زمین پر گشت لگاتے رہتے ہیں اور میری امت کا سلام میرے پاس پہنچا دیتے ہیں۔ (احمد، نسائی، مستدرک حاکم، ابن عدی)

تشریح۔ جو لوگ خود حاضر ہو کر آپ صلی اللہ علیہ وسلم پر درود و سلام پیش کرتے ہیں وہ تو آپ بنفس نفیس خود سنتے ہیں اور جو دور سے درود و سلام پڑھتے ہیں ان کے لیے اللہ تعالیٰ نے فرشتے متعین فرما دیے ہیں وہ ان کو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں پیش کر دیتے ہیں۔ یہی طریقہ دنیا میں ہے اپنی موجودگی میں سلام کی سنت آپ خود ادا کرتے ہیں اور غائب ہو کر کسی دوسرے شخص کی معرفت اپنا سلام بھیجتے ہیں۔ چونکہ وفات کے بعد یہ طریقہ تمام نہ رہ سکتا تھا اس لیے اللہ تعالیٰ نے اپنی رحمت کاملہ سے اس خدمت کے لیے یہاں ملائکۃ اللہ مقرر فرما دیے ہیں جو اس خدمت کو انجام دیتے ہیں۔ اگر انبیاء علیہم السلام میں حیات نہیں تو پھر یہ کس لیے ہوتا ہے؟ اور اگر یہاں حضور و غیبت کا کچھ فرق نہیں تو پھر فرشتوں کا یہ تقرر کس لیے ہے؟ اس لیے صحیح یہ ہے کہ نہ ان کی حیات کو عام لوگوں کی حیات کے برابر سمجھا جائے اور نہ اس کو بڑھاتے بڑھاتے اتنا مبالغہ کی صورت دے کہ معاذ اللہ حاضر و ناظر کی صفت ان کے لیے ثابت کر دی جائے۔ دین میں افراط و تفریط کی گنجائش کہیں نہیں۔ اعتدال کا راستہ ہی صراط مستقیم ہے۔ فتدبرہ۔

عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ قَالَ سِرْنَا مَعَ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بَيْنَ مَكَّةَ وَالْمَدِيْنَةِ فَمَرَرْنَا بِوَادٍ فَقَالَ اَيُّ وَادٍ هٰذَا قَالُوْا وَادِي الْاَزْرَقِ قَالَ كَاَنِّيْ اَنْظُرُ اِلٰى مُوْسٰى فَذَكَرَ مِنْ لَوْنِهِ وَشَعْرِهِ شَيْئًا وَاضِعًا اِصْبَعَيْهِ فِيْ اُذُنَيْهِ لَهُ جُؤَارٌ اِلَى اللّٰهِ بِالتَّلْبِيَةِ مَارًّا بِهٰذَا الْوَادِيْ قَالَ ثُمَّ سِرْنَا حَتّٰى اَتَيْنَا عَلٰى ثَنِيَّةٍ فَقَالَ اَيُّ ثَنِيَّةٍ هٰذِهِ قَالُوْا هَرْشٰى اَوْ لِفْتٌ فَقَالَ كَاَنِّيْ اَنْظُرُ اِلٰى يُوْنُسَ عَلٰى نَاقَةٍ حَمْرَاءَ عَلَيْهِ جُبَّةُ صُوْفٍ خِطَامُ نَاقَتِهِ خُلْبَةٌ مَارًّا بِهٰذَا الْوَادِيْ مُلَبِّيًا (رواہ مسلم)

ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ روایت فرماتے ہیں کہ ایک مرتبہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ ہم مکہ اور مدینہ کے درمیان سفر کر رہے تھے۔ اس وقت آپ نے پوچھا اس وادی کا کیا نام ہے؟ لوگوں نے عرض کیا یہ "وادی ازرق" ہے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا "گویا میں اپنی آنکھوں سے یہاں موسیٰ علیہ السلام کو دیکھ رہا ہوں۔ یہ فرما کر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کا رنگ اور بالوں کا کچھ نقشہ بیان فرمایا کہ وہ اپنی دونوں انگلیاں اپنے دونوں کانوں میں لیے ہوئے ہیں اور اپنے رب کے نام کا تلبیہ زور زور سے پڑھتے ہوئے اس وادی سے گزر رہے ہیں۔ راوی بیان کرتا ہے پھر ہم چلتے رہے یہاں تک کہ ایک گھاٹی اور آ گئی۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے پوچھا اس گھاٹی کا کیا نام ہے؟ لوگوں نے عرض کیا یہ "ہرشی" یا "لفت" ہے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا "گویا میں آنکھوں سے یہ دیکھ رہا ہوں کہ یونس علیہ السلام ایک سرخ اونٹنی پر ہیں ان کا جبہ اون کا ہے اور اس اونٹنی

کی مہار درخت کی چھال کی ہے وہ تلبیہ پڑھتے ہوئے اس وادی سے گزر رہے ہیں۔ (مسلم شریف)

تشریح: ان احادیث صحیحہ سے یہ اندازہ کرلینا چاہیے کہ انبیاء علیہم السلام کی شان رفیع کیا ہوتی ہے۔ ان کی موت کیا عام بشری موت کی طرح ہے یا جس طرح وہ بحالت حیات حج و نماز میں مشغول رہا کرتے تھے اسی طرح وہ اپنی وفات کے بعد بھی ان میں مشغول رہتے ہیں۔ پھر یہ ظاہر ہے کہ یہ بالکل بیداری کا ایک مشاہدہ تھا اور اسی حالت میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ان مبارک ہستیوں کو دیکھا تھا۔ بہرحال یہ ثابت ہوا کہ انبیاء علیہم السلام کا بحالت بیداری بھی مشاہدہ ہو سکتا ہے۔

اس بناء پر اگر اولیاء کرام اہل بیداری کی حالت میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا مشاہدہ نقل کرتے ہیں تو کوئی وجہ نہیں ہے کہ ہم اس کا انکار کر دیں۔ بعض علماء نے بحالت بیداری آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے مشاہدہ کا انکار کر دیا ہے ہماری رائے یہاں ان کے ساتھ متفق نہیں ہے اس سے زیادہ تفصیل آئندہ مذکور ہوگی۔

عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُمَا قَالَ حَجَّ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَلَمَّا اَتٰى وَادِيَ عُسْفَانَ قَالَ يَا اَبَا بَكْرٍ اَيُّ وَادٍ هٰذَا قَالَ هٰذَا وَادِيْ عُسْفَانَ قَالَ لَقَدْ مَرَّ بِهٰذَا الْوَادِيْ نُوْحٌ وَهُوْدٌ وَاِبْرَاهِيْمُ عَلٰى بَكَرَاتٍ لَهُمْ حُمْرٍ خُطُمُهُمُ اللِّيْفُ اُزُرُهُمُ الْعَبَاءُ وَاَرْدِيَتُهُمُ النِّمَارُ يَحُجُّوْنَ الْبَيْتَ الْعَتِيْقَ. (رواہ الحافظ ابو یعلی)

ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حج کیا جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم وادی عسفان میں پہنچے تو فرمایا ابوبکر! اس وادی کا کیا نام ہے؟ انہوں نے عرض کی اس کا نام وادی عسفان ہے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اس وادی سے حضرت نوح و ہود اور حضرت ابراہیم علیہم السلام گزر رہے ہیں سرخ اونٹوں پر سوار تھے۔ ان کی مہاریں کھجور کی چھال کی ان کی لنگیاں کمبل اور ان کی چادریں اون کی تھیں خدا تعالیٰ کے قدیم بیت کا طواف کرنے جا رہے تھے۔ (بیہقی کذا فی فتح الملہم)

عَنْ سَعِيْدِ بْنِ عَبْدِ الْعَزِيْزِ قَالَ لَمَّا كَانَ اَيَّامُ الْحَرَّةِ لَمْ يُؤَذَّنْ فِيْ مَسْجِدِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ ثَلَاثًا وَلَمْ يُقَمْ وَلَمْ يَبْرَحْ سَعِيْدُ بْنُ الْمُسَيَّبِ الْمَسْجِدَ وَكَانَ لَا يَعْرِفُ وَقْتَ الصَّلٰوةِ اِلَّا بِهَمْهَمَةٍ يَسْمَعُهَا مِنْ قَبْرِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ (رواہ الدارمی)

سعید بن عبدالعزیز کہتے ہیں کہ جب حرہ کا واقعہ پیش آیا ہے تو تین دن تک آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی مسجد میں اذان نہیں دی گئی اور سعید بن مسیب ان ایام میں بھی مسجد سے نہیں نکلے اور نماز کے اوقات صرف ایک گنگناہٹ کی آواز سے پہچانا کرتے جو وہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی قبر مبارک سے سنا کرتے تھے۔ (دارمی)

عَنْ سَعِيْدِ بْنِ الْمُسَيَّبِ قَالَ لَمْ اَزَلْ اَسْمَعُ الْاَذَانَ وَالْاِقَامَةَ فِيْ قَبْرِ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَيَّامَ الْحَرَّةِ حَتّٰى عَادَ النَّاسُ. (کذا فی الخصائص ص ۲۸۱ ج ۲)

سعید بن المسیب بیان کرتے ہیں کہ جنگ حرہ کے زمانہ میں میں اذان اور اقامت ہمیشہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی قبر مبارک سے سنا کرتا تھا۔ یہاں تک کہ لوگ پھر جماعت میں آنے لگے تھے۔ (خصائص کبریٰ)

عَنْ سَعِيْدِ بْنِ الْمُسَيَّبِ قَالَ لَقَدْ رَأَيْتُنِي لَيَالِيَ الْحَرَّةِ وَمَا فِي مَسْجِدِ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ غَيْرِي وَمَا يَأْتِي وَقْتُ صَلٰوةٍ إِلَّا سَمِعْتُ الْأَذَانَ مِنَ الْقَبْرِ۔ (رواہ الدارمی)

سعید بن المسیب فرماتے ہیں کہ جنگ حرہ کے زمانہ میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی مسجد شریف میں میرے سوا اور کوئی نہ تھا جب نماز کا وقت آتا تو میں ہر نماز کے لیے قبر مبارک سے اذان کی آواز سنا کرتا۔ (دارمی)

تشریح۔ جنگ حرہ کا واقعہ تاریخی واقعہ ہے۔ حدیثوں میں اس کے متعلق پہلے پیشین گوئی موجود تھی جس طرح اس کی ہولناکی کا نقشہ حدیثوں میں کھینچا گیا تھا اپنے وقت پر ٹھیک وہ اسی طرح نکلا۔ جہاں مخلوق خدا کا خون پانی کی طرح بہایا جا رہا ہو وہاں مسجد شریف میں حاضری کی ہمت کسے ہوتی مگر سعید بن المسیب خود بھی اور سعید بن عبدالعزیز بھی ان کے متعلق بیان کرتے ہیں کہ یہ مرد خدا اس حالت میں بھی مسجد شریف سے چمٹا رہے اور برابر نمازیں اپنے وقت پر وہیں ادا کرتے رہے۔ یہاں یہ سوال طبعاً پیدا ہوتا ہے کہ ان حالات میں نماز کے اوقات کے معلوم ہونے کا ذریعہ کیا تھا۔ یہ صاحب واقعہ کا خود اپنا بیان ہے کہ وہ قبر مبارک سے اذان سنا کرتے تھے اور اسی پر اپنی نماز ادا کر لیتے تھے۔ کئی دن تک مسلسل ٹھیک وقت پر اذان کی آواز آتی رہی اور اس کے بعد پھر فوراً اس آواز کا منقطع ہو جانا یہ کسی وہم خیالی پر مبنی نہیں ہو سکتا۔

عَنْ عَائِشَةَ قَالَتْ كَانَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَذْكُرُ اللّٰهَ عَزَّ وَجَلَّ عَلٰى كُلِّ أَحْيَانِهِ۔ (رواہ مسلم)

حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا بیان فرماتی ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اٹھتے بیٹھتے ہر حالت میں اللہ تعالیٰ کا ذکر کیا کرتے تھے۔ (مسلم)

تشریح۔ اس حدیث کی شرح میں مختلف اقوال ہیں لیکن سب سے صحیح بات وہ ہوگی جس کی دلائل بھی شہادت دیں۔ کتاب الدعوات اور کتاب الاذکار کے مطالعہ سے ثابت ہوتا ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے لیل و نہار میں جتنے مختلف حالات پیش آتے تھے آپ ہر حالت پر حق تعالیٰ کی حمد جداگانہ طور پر یاد فرمایا کرتے تھے۔ مثلاً صبح ہوتی تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے کلمات جدا ہوتے شام ہوتی تو جدا ہوتے قضاء حاجت کے لیے تشریف لے جاتے تو تعوذ کے خاص کلمات پڑھتے اور جب فارغ ہو کر باہر تشریف لاتے تو خاص انداز کا شکر ادا فرماتے۔ اسی طرح کھانے پینے سونے جاگنے گھر میں داخل ہونے اور گھر سے نکلنے غرضیکہ انسانی زندگی کے جتنے مختلف شعبے ہیں سب کے متعلق آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے مقدس کلمات حدیثوں میں مدون موجود ہیں۔ اس کے علاوہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی شریعت میں ایک باب یہ بھی ملتا ہے کہ اگر انسان اس پر مداومت کے ساتھ عمل پیرا رہے تو اس کی نیند بھی عبادت میں شمار ہو جاتی ہے۔ پھر کچھ کلمات ایسے بھی ہیں کہ اگر ان کو پڑھ لیا جائے تو اگر مخصوص اوقات کے اذکار کی ادائیگی میں غفلت ہو جائے تو ان کے پڑھنے سے اس کی بھی تلافی ہو جاتی ہے اور اس طرح انسان کی تمام زندگی گویا ذکر الٰہی میں شمار ہونے لگتی ہے۔ اس کے علاوہ ایک حالت میں بھی کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی زبان مبارک سے مختلف اذکار ثابت ہوتے ہیں مگر بظاہر حدیث کی مراد وہی مختلف حالات ہیں جو انسانی زندگی میں مختلف طور پر پیش آتے ہیں۔ اہل جنت کی جنت میں یہی صفت ہوگی وہ بھی ہر وقت خدا تعالیٰ کی تسبیح و تحمید میں مشغول رہیں گے۔ انبیاء علیہم السلام میں دوام ذکر کی یہ صفت اسی عالم میں موجود ہوتی ہے۔ پھر وہ اپنی امت

کو بھی اس صفت کے پیدا کرنے کی ترغیب دیتے ہیں۔ "فاذکروا اللّٰہ قیاماً وقعوداً وعلیٰ جنوبکم" میں انسان کے ان ہی مختلف اوقات کی طرف اشارہ فرمایا گیا ہے۔ حدیث مذکور اسی قسم کی آیتوں کی شرح سمجھنی چاہیے۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے جسمانی فضلات میں اہل جنت سے مشابہت

عَنْ عَائِشَةَ قَالَتْ قُلْتُ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ إِنِّيْ أَرَاكَ تَدْخُلُ الْخَلَاءَ ثُمَّ يَجِيْءُ الَّذِيْ بَعْدَكَ فَلَا يَرٰى لِمَا يَخْرُجُ مِنْكَ أَثَرًا فَقَالَ يَا عَائِشَةُ أَمَا عَلِمْتِ أَنَّ اللّٰهَ أَمَرَ الْأَرْضَ أَنْ تَبْتَلِعَ مَا خَرَجَ مِنَ الْأَنْبِيَاءِ. (رواہ السیوطی فی الخصائص الکبریٰ)

حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا بیان فرماتی ہیں کہ ایک مرتبہ میں نے عرض کیا، یا رسول اللہ! (صلی اللہ علیہ وسلم) میں دیکھا کرتی ہوں کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم بیت الخلاء میں تشریف لے جاتے ہیں پھر وہاں سے واپس آتے ہیں اس کے بعد جو شخص آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد جاتا ہے وہ آپ کے فضلہ کا کوئی نشان تک نہیں پاتا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا عائشہ! کیا تم نہیں جانتیں اللہ تعالیٰ نے زمین کو حکم دیا ہے کہ وہ انبیاء علیہم السلام کے خارج شدہ فضلہ کو جذب کرلے۔

عَنْ مُعَاذِ بْنِ جَبَلٍ قَالَ كُنْتُ أَسِيْرُ مَعَ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقَالَ اُدْنُ مِنِّيْ فَدَنَوْتُ مِنْهُ فَمَا شَمِمْتُ مِسْكًا وَلَا عَبِيْرًا أَطْيَبَ مِنْ رِيْحِ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ. (رواہ البزار)

معاذ بن جبل بیان کرتے ہیں میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ ساتھ سفر کر رہا تھا آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ذرا میرے قریب آنا میں قریب گیا تو میں نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی سی خوشبو نہ مشک میں دیکھی نہ عنبر میں۔ (بزار)

تشریح: حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ تعالیٰ عنہ یہاں آپ کے پسینہ کی ایک خصوصیت بیان فرما رہے ہیں اور اس کو جس انداز سے نقل فرما رہے ہیں اس سے صاف ظاہر ہوتا ہے کہ یہ صرف ان کی حسن عقیدت کی بات نہ تھی بلکہ سرتاسر حقیقت تھی۔ آپ کے اس عطر بیز پسینہ کا راوی ایک صرف یہی نہیں بلکہ دوسرے اور صحابہ بھی ہیں۔ پھر ہر ایک نے اس کو مختلف صورتوں سے مختلف گوشوں پر اس طرح نقل کیا ہے جس سے آپ کے فضلات کی برتری کا اعتراف کرنا ضروری ہو جاتا ہے اس کی چند مثالیں ذیل کی احادیث میں آپ کے سامنے آئیں گی۔

عَنْ جَابِرٍ أَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَمْ يَسْلُكْ طَرِيْقًا فَيَتْبَعُهُ أَحَدٌ إِلَّا عَرَفَ أَنَّهُ قَدْ سَلَكَهُ مِنْ طِيْبِ عَرْفِهِ أَوْ قَالَ مِنْ رِيْحِ عَرَقِهِ. (رواہ الدارمی)

جابر رضی اللہ تعالیٰ عنہ بیان کرتے ہیں جب بھی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کسی راستہ پر جاتے پھر آپ کے بعد کوئی دوسرا شخص اسی راستہ پر جاتا تو وہ ضرور پہچان لیتا تھا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا گزر اس طرف سے ہوا ہے کیونکہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی خوشبو سے راستہ مہکا ہوا ہوتا تھا۔ (دارمی)

تشریح: دیکھیے یہاں راوی معاذ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے بجائے حضرت جابر رضی اللہ تعالیٰ عنہ ہیں اور وہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی اس خوشبو کا ذکر ایک استدلالی رنگ میں بیان فرما رہے ہیں اور وہ بھی اس تاکید کے ساتھ کہ اس میں کسی خاص یا عام شخص کی کوئی بحث نہیں ہے بلکہ یہ فرماتے ہیں کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے راستے سے جو شخص بھی گزرتا وہ آپ کی خوشبو کی مہک

سے یہ پہچان ہوتا تھا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم ان کی تعریف ہے۔

اگلی اس روایت سے ثابت ہوتا ہے کہ آپ کا پسینہ خوشبو جسم سے ہوتا ہے

عَنْ اَنَسٍ قَالَ دَخَلَ عَلَيْنَا رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقَالَ عِنْدَنَا فَعَرِقَ وَجَاءَتْ اُمِّيْ بِقَارُوْرَةٍ فَجَعَلَتْ تَسْلُتُ الْعَرَقَ فِيْهَا فَاسْتَيْقَظَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقَالَ يَا اُمَّ سُلَيْمٍ مَا هٰذَا الَّذِيْ تَصْنَعِيْنَ قَالَتْ هٰذَا عَرَقُكَ نَجْعَلُهُ لِطِيْبِنَا وَهُوَ اَطْيَبُ الطِّيْبِ. (رواہ مسلم) وَفِيْ رِوَايَةٍ قَالَتْ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ نَرْجُوْ بَرَكَتَهُ لِصِبْيَانِنَا قَالَ اَصَبْتِ وَرَوَى الْبُخَارِيُّ نَحْوَهُ.

انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ بیان فرماتے ہیں ایک مرتبہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ہمارے گھر تشریف لائے اور ایسا ہوا کہ دوپہر میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ہمارے ہی گھر استراحت فرمائی آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو پسینہ آیا تو میری ماں ایک شیشی لائیں اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا پسینہ پونچھ پونچھ کر اس میں ڈالنے لگیں آپ صلی اللہ علیہ وسلم بیدار ہو گئے اور پوچھا اے ام سلیم یہ کیا کر رہی ہو؟ انہوں نے عرض کیا یہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا پسینہ ہے ہم اپنے عطروں میں اس کو ملا لیتے ہیں اور یہ عطر ہمارے یہاں سب سے زیادہ خوشبودار ہو جاتا ہے۔ (مسلم شریف) ایک روایت میں اتنا اور ہے کہ انہوں نے یہ بھی کہا ہمیں امید ہے کہ اس کی برکت ہمارے بچوں کو بھی مل جائے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تم نے درست کہا۔

تشریح:۔ یہ آپ کی خوشبو کے بیان کا تیسرا انداز ہے اور اس سے بہت روشن طریق پر یہ ثابت ہوتا ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی یہ خوشبو اس سے نہ تھی کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم خوشبو کا استعمال زیادہ فرمایا کرتے تھے بلکہ یہ آپ کے ان فضلات کی ہی خوشبو تھی۔ ظاہر ہے کہ عرب میں جو خوشبوئیں مستعمل تھیں وہ بھی یقیناً بہتر ہی ہوتی ہوں گی مگر ان میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے پسینہ کے قطروں کو اس جانفشانی سے جمع کر کے ڈالنا اور یہ تصریح کرنا کہ ہمارے جس عطر میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ عطر پسینہ شامل ہو جاتا ہے وہ سب سے مہکدار اور عمدہ سمجھا جاتا ہے اس بات کا واضح ثبوت ہے کہ راویوں کا یہ بیان صرف حقیقت ہی حقیقت تھا۔ خلاصہ یہ ہے کہ پسینہ جسم کے ان فضلات میں سے ہے جس میں کہ عام طور پر بدبو ہوتی ہے مگر یہ وہ رسول معظم تھے جن کا پسینہ بھی عرب کے عطروں کو شرمندہ کرتا تھا۔

عَنْ جَابِرِ بْنِ سَمُرَةَ قَالَ صَلَّيْتُ مَعَ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ صَلٰوةَ الْاُوْلٰى ثُمَّ خَرَجَ اِلٰى اَهْلِهِ وَخَرَجْتُ مَعَهُ فَاسْتَقْبَلَهُ وِلْدَانٌ فَجَعَلَ يَمْسَحُ خَدَّيْ اَحَدِهِمْ وَاحِدًا وَاحِدًا وَاَمَّا اَنَا فَمَسَحَ خَدِّيْ فَوَجَدْتُ لِيَدِهِ بَرْدًا اَوْ رِيْحًا كَاَنَّمَا اَخْرَجَهَا مِنْ جُوْنَةِ عَطَّارٍ. (رواہ مسلم)

جابر رضی اللہ تعالیٰ عنہ بیان کرتے ہیں میں نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ ظہر کی نماز ادا کی پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم اپنے گھر کی طرف چلے تو میں بھی آپ کے ساتھ ہو لیا سامنے سے کچھ بچے آ نکلے آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے از راہِ محبت ان سب کے ایک ایک رخسار پر ہاتھ پھیرا جب میرا نمبر آیا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے میرے دونوں رخساروں پر ہاتھ پھیرا اس وقت میں نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے دست مبارک کی خنکی محسوس کی اور اس کی خوشبو کچھ ایسا مہک رہا تھا جیسے ابھی عطر فروش کے ڈبہ سے نکالا ہے۔ (مسلم)

بحالت جنابت آپ کیلئے مسجد میں قیام کی اجازت

عَنْ اَبِیْ سَعِیْدٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ لِعَلِیٍّ لَا یَحِلُّ لِاَحَدٍ اَنْ یُّجْنِبَ فِیْ هٰذَا الْمَسْجِدِ غَیْرِیْ وَغَیْرُكَ. (اخرجه الترمذی و البیهقی والبزار)

ابوسعید رضی اللہ تعالیٰ عنہ روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے فرمایا کہ اس مسجد میں میرے اور تمہارے سوا کسی کو جنابت کی حالت میں رہنا درست نہیں ہے۔ (ترمذی، بیہقی، ابویعلیٰ، بزار)

اس استثناء کی ایک ظاہری وجہ تو یہ ہے کہ چونکہ مسجد شریف آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی سکونت کا مقام ہی تھا ہر وقت آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی وہاں آمد و رفت رہتی تھی اس لیے آپ کے حق میں بحالت جنابت اس میں گزر جانے اور قیام کرنے کی گنجائش بھی دیدی گئی تھی مگر اس گنجائش سے آپ نے کتنا فائدہ اٹھایا یہ مشکل سے کوئی واقعہ نکل سکتا ہے۔ دوسری وجہ یہ بھی ہو سکتی ہے کہ مساجد چونکہ عرف شریعت میں ریاض جنت کہلاتی ہیں اور غالباً یہ سب ٹکڑے محشر میں جنت ہی میں لے لیے جائیں گے۔ چونکہ انبیاء علیہم السلام اس عالم میں بھی اہل جنت کے خواص رکھتے ہیں اس لیے جس طرح اہل جنت اپنی ہر حالت میں جنت ہی میں رہیں گے۔ اسی طرح آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو اس عالم میں بھی اس کی اجازت حاصل تھی تو عام بشری دنیا میں یہ صفت ہے تو ان کو اس حالت میں مسجد میں رہنے کی اجازت ہے۔ رہا حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا استثناء تو چونکہ ان کا راستہ بھی اسی طرف سے تھا اس لیے ان کو بھی اس اجازت میں ضمناً داخل کر لیا گیا تھا۔ اس کی مزید وضاحت آئندہ حدیث کے ذیل میں آتی ہے۔

عَنْ اَبِیْ حَازِمٍ الْاَشْجَعِیِّ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ اِنَّ اللّٰہَ اَمَرَ مُوْسٰی اَنْ یَّبْنِیَ مَسْجِدًا طَاهِرًا لَا یَسْکُنُهٗ اِلَّا هُوَ وَهَارُوْنُ وَاِنَّهٗ اَمَرَنِیْ اَنْ اَبْنِیَ مَسْجِدًا طَاهِرًا لَا یَسْکُنُهٗ اِلَّا اَنَا وَعَلِیٌّ وَابْنَا عَلِیٍّ. (اخرجه ابن عساکر)

ابوحازم اشجعی روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اللہ تعالیٰ نے حضرت موسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام کو حکم دیا تھا کہ وہ ایک پاک و صاف مسجد بنائیں جس میں ان کے اور حضرت ہارون علیہ السلام کے علاوہ کسی اور شخص کو سکونت کا حق نہیں ہوگا اور مجھ کو بھی اس کا حکم دیا ہے کہ میں بھی ایک پاک و صاف مسجد بناؤں اور اس میں بھی میرے اور حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ اور ان کے فرزندان کے علاوہ کوئی اور شخص سکونت کا حق نہیں رکھے گا۔ (ابن عساکر)

اس حدیث سے معلوم ہوا کہ انبیاء علیہم السلام کی جائے عبادت اور جائے سکونت ایک ہو سکتی ہے جب فقہاء نے قرآن شریف پڑھنے والے بچوں کو وضو کیے بغیر قرآن شریف چھونے کی اجازت دے دی تو پھر رسولوں کی ہمہ وقت آمد و رفت کی وجہ سے اگر مسجد کو ان کا بیت سکونت بھی قرار دیا جائے تو اس میں اشکال کیا ہے اور کیوں۔ (ترجمان السنۃ) یہاں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد بھی حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے یاد کرو کہ تمہاری اور میری وہ نسبت ہے جو حضرت موسیٰ و حضرت ہارون علیہم الصلوٰۃ والسلام کے مابین تھی۔ اس نسبت کی حقیقت صرف اسی پر ختم نہیں ہوئی کہ جس طرح حضرت موسیٰ علیہ السلام کی غیبت میں حضرت ہارون علیہ السلام نے جانشینی کے فرائض انجام دیے تھے اسی طرح حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے ایک جنگ میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد آپ کی جانشینی کی خدمت انجام دی تھی بلکہ اس کا اثر یہاں تک بھی پھیلا کہ ایک مزید خصوصیت جو حضرت ہارون علیہ

السلام کو حضرت موسیٰ علیہ السلام سے ساتھ جو منزل تھی وہ بھی ان کو نصیب ہوگئی اور اس بنا پر ان کے استثناء میں ایک بڑی حقیقت یہاں منکشف ہوگئی۔ بحمد اللہ! انبیاء علیہم السلام کے دہن مبارک سے جو تشبیہات بھی نکلتی ہیں وہ حقیقت سے کتنی لبریز ہوتی ہیں۔

یہ واضح رہے کہ یہ پہلے گزر چکا ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ فرمان ایک جزئی واقعہ پر حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی دل شکنی کی تسلی کے لیے ارشاد ہوا ہے مگر یہاں بھی آپ نے یہ بات صاف کردی تھی کہ اس نسبت سے نبوت کا کوئی تعلق نہیں۔ یہ منصب میرے بعد ختم ہو چکا ہے اس لیے نبی نہ تم ہو نہ کوئی اور اس کے بعد بھی اگر دنیا آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد پھر کسی کو نبی بنائے تو شقاوت ازلیہ کے سوا اور کیا کہا جا سکتا ہے۔ پھر جب اس حدیث کی رو سے خود حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے دعویٰ نبوت نہ کیا تو بعد میں کس کو اس دعویٰ کا حق ہو سکتا ہے۔ نیز حضرت ہارون علیہ السلام چونکہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کی حیات ہی میں وفات پا چکے تھے لہٰذا اس حدیث کو مسئلہ خلافت سے بھی کوئی تعلق نہیں ہو سکتا۔ یہ صرف ایک خاص موقع پر ایک لیٰ نیابت تھی جس میں دوسرے موقع پر آپ کے دوسرے صحابہؓ کو بھی شرکت کا شرف کسی حد تک حاصل ہو چکا ہے۔ لہٰذا اس حدیث کو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد خلافت کے مسئلہ میں کھینچنا غلط ہے۔

کثرت ازواج میں انبیاء علیہم السلام کو اہل جنت سے مشابہت

عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ سُلَيْمَانُ لَأَطُوْفَنَّ اللَّيْلَةَ عَلَى سَبْعِيْنَ امْرَأَةً وَفِي رِوَايَةٍ بِمِائَةِ امْرَأَةٍ كُلُّهُنَّ تَأْتِيْ بِفَارِسٍ يُجَاهِدُ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ فَقَالَ لَهُ الْمَلَكُ قُلْ إِنْ شَاءَ اللّٰهُ فَلَمْ يَقُلْ وَنَسِيَ فَطَافَ عَلَيْهِنَّ فَلَمْ تَحْمِلْ مِنْهُنَّ إِلَّا امْرَأَةٌ وَاحِدَةٌ جَاءَتْ بِشِقِّ رَجُلٍ وَايْمُ الَّذِيْ نَفْسُ مُحَمَّدٍ بِيَدِهِ لَوْ قَالَ إِنْ شَاءَ اللّٰهُ لَجَاهَدُوْا فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ فُرْسَانًا أَجْمَعُوْنَ۔ (متفق علیہ)

ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت فرماتے ہیں کہ ایک مرتبہ سلیمان علیہ السلام نے فرمایا آج کی شب میں اپنی حرم سرائے میں نوے اور ایک روایت میں سو بیبیوں کے پاس جاؤں گا اور سب کے یہاں ایک ایک بچہ ایسا پیدا ہوگا جو راہ خدا میں جہاد کرے گا۔ اس پر فرشتے نے کہا کہ ان شاء اللہ تو کہہ لیجئے تقدیری بات کہ وہ یہ کلمہ کہنا بھول گئے جب زنان خانہ تشریف لے گئے تو صرف ایک بی بی حاملہ ہوئیں اور ان کے بھی ایک ناتمام بچہ پیدا ہوا۔ اس کے بعد آپ نے فرمایا اس ذات پاک کی قسم! جس کے قبضہ میں محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کی جان ہے اگر وہ ان شاء اللہ کہہ دیتے تو سب کے سب بچے ہوتے اور سب گھوڑوں پر سوار ہو کر راہ خدا میں جہاد کرتے۔ (متفق علیہ)

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے نکاحوں میں قدرت کے بعض تکوینی اسرار

عَنْ عَبْدِ الرَّحْمٰنِ بْنِ الْأَسْوَدِ عَنْ أَبِيْهِ قَالَ قَالَتْ عَائِشَةُ مَا تَزَوَّجَنِيْ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ حَتّٰى أَتَاهُ جِبْرَئِيْلُ بِصُوْرَتِيْ وَقَالَ هٰذِهِ زَوْجَتُكَ فَتَزَوَّجَنِيْ وَإِنِّيْ لَجَارِيَةٌ عَلَى حَوْفٍ فَلَمَّا تَزَوَّجَنِيْ أَلْقَى اللّٰهُ عَلَيَّ حَيَاءً وَأَنَا صَغِيْرَةٌ۔ (رواہ الحاکم فی المستدرک وصححہ الذہبی)

عبد الرحمن بن الاسود اپنے والد سے روایت کرتے ہیں کہ حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا بیان فرماتی ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے مجھ سے نکاح فرمانے سے قبل ہی حضرت جبرئیل علیہ السلام نے میری صورت لاکر آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو دکھا دی تھی اور فرمایا تھا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی بی بی ہیں مجھ سے جب آپ نے نکاح فرمایا ہے تو اس وقت میں بالکل لڑکی تھی پھر جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے عقد فرمایا تو نو عمری ہی میں اللہ تعالیٰ نے مجھ پر حیا و شرم غالب فرما دی تھی۔ (مستدرک)

تشریح۔ جس ذات قدسی صفات کو رسولوں میں بھی منتخب رسول فرمایا گیا تھا جس کا محل ولادت مقام ہجرت جس کے صحابہ اور جس کے خلفاء بھی پہلے سے سب منتخب ہو چکے تھے یہ کیسے ممکن تھا کہ عالم تقدیر میں اس کی زوجیت کے لیے عورتوں کا انتخاب پہلے نہ ہو چکا ہوتا۔ جب قرآن کریم اپنا عام اعلان یہ کرتا ہے "الطیبات للطیبین والطیبون للطیبات" تو یہ کیونکر ہو سکتا کہ سارے جہان میں جو سب سے زیادہ طیب تھے ان کے لیے تمام جہان سے بڑھ کر طیبات انتخاب نہ کی جاتیں اس لیے قدرت نے آپ کی خاص زوجیت کے لیے نبیوں کے بعد سب سے اشرف انسان یعنی صدیق اکبر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی سب سے اشرف صاحبزادی کو منتخب کیا اور عالم رؤیا میں یہ راز کھول بھی دیا کہ ہم نے ان کو شروع سے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی زوجیت کے لیے منتخب کر لیا تھا۔ مقصد یہ ہے کہ نکاح انبیاء علیہم السلام بھی کرتے ہیں مگر صرف ان سے کرتے ہیں جو ان کے حق میں پہلے سے منتخب شدہ بیبیاں ہوتی ہیں۔ اگر یہاں صرف صورت اور ظاہری عادات ہی دیکھی جاتیں تو ممکن تھا کہ بعض دوسری عورتیں بھی ان اوصاف میں مشترک مل جاتیں مگر معلوم ہوتا ہے کہ یہاں عام صفات کے سوا آپ کی دائمی رفاقت کے لیے اندرونی طور پر کچھ اور خصوصی شرائط بھی ضروری تھیں۔ سبحان اللہ انبیاء علیہم السلام بھی کیسے کامل بشر ہوئے ہیں۔

قَالَ قَالَتْ جُوَيْرِيَةُ بِنْتُ الْحَارِثِ رَأَيْتُ قَبْلَ قُدُومِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بِثَلَاثِ لَيَالٍ كَأَنَّ الْقَمَرَ أَقْبَلَ يَسِيْرُ مِنْ يَثْرِبَ حَتّٰى وَقَعَ فِيْ حَجْرِيْ فَكَرِهْتُ أَنْ أُخْبِرَ بِهَا أَحَدًا مِنَ النَّاسِ حَتّٰى قَدِمَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَلَمَّا سُبِيْنَا رَجَوْتُ الرُّؤْيَا فَلَمَّا أَعْتَقَنِيْ وَتَزَوَّجَنِيْ وَاللّٰهِ مَا كَلَّمْتُهُ فِيْ قَوْمِيْ حَتّٰى كَانَ الْمُسْلِمُوْنَ هُمُ الَّذِيْنَ أَرْسَلُوْهُمْ وَمَا شَعَرْتُ إِلَّا بِجَارِيَةٍ مِنْ بَنَاتِ عَمِّيْ تُخْبِرُنِي الْخَبَرَ فَحَمِدْتُ اللّٰهَ عَزَّ وَجَلَّ. (رواہ الحاکم فی المستدرک)

حضرت جویریہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا بیان فرماتی ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی تشریف آوری سے تین شب قبل میں نے خواب میں ایسا دیکھا تھا کہ چاند یثرب کی جانب چلا آ رہا ہے یہاں تک کہ میری گود میں آ گیا ہے میں نے کسی شخص کے سامنے اس خواب کا تذکرہ کرنا مناسب نہیں سمجھا یہاں تک کہ آپ تشریف لے آئے تو اتفاق ایسا ہوا کہ ہم لوگ قید کر لیے گئے تو مجھے اب اپنے خواب کی تعبیر پوری ہونے کی امید ہوئی۔ اس کے بعد جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھ کو آزاد کر کے اپنی زوجیت میں قبول فرمایا تو بخدا میں نے اپنی قوم کی آزادی کے معاملہ میں آپ سے ایک حرف بھی نہیں کہا بلکہ خود مسلمانوں نے ہی (آپ کے اس رشتہ کی خاطر) ان سب کو رہا کر دیا اور مجھ کو تو اس واقعہ کی خبر بھی جب ملی ہے جبکہ میری ایک چچا زاد بہن نے آ کر مجھ کو اس کی اطلاع دی۔ میں نے اس احسان پر حق تعالیٰ کا شکر ادا کیا۔ (مستدرک)

تشریح۔ حضرت جویریہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کا یہ نکاح کتنے کثیر التعداد نفوس کی آزادی کا سبب بنا یہ اپنی جگہ خود ایک بڑی حکمت ہے لیکن ہمیں تو یہاں یہ بتانا مقصود ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی ازواج کس طرح پہلے سے عالم تقدیر میں منتخب ہو چکی تھیں۔ یہ بیان کسی غیر کا نہیں ہے بلکہ خود ان ہی کا ہے جو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی شرف زوجیت سے مشرف ہوئیں۔ ان کی خودداری دیکھئے کہ وہ اپنی قومی آزادی کا بار بھی اپنی گردن پر بیٹا نہیں چاہتیں اور بڑی صفائی کے ساتھ یہ فرماتی ہیں کہ میں نے اس معاملہ میں زمانہ کے عام دستور کے مطابق آپ سے سفارش کا ایک کلمہ تک منہ سے نہیں نکالا لیکن یہ میری قوم کا نصیب تھا اور مسلمانوں کی اولوالعزمی اور اپنے رسول کا احترام کہ انہوں نے اس رشتہ کے بعد خود یہ ایثار کیا۔

عَنْ زَيْنَبَ اَنَّهَا كَانَتْ عِنْدَ زَيْدِ بْنِ حَارِثَةَ فَفَارَقَهَا فَزَوَّجَهَا رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَفِيْهَا نَزَلَتْ فَلَمَّا قَضٰى زَيْدٌ مِّنْهَا وَطَرًا زَوَّجْنٰكَهَا قَالَ فَكَانَتْ تَفْتَخِرُ عَلٰى اَزْوَاجِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ تَقُوْلُ زَوَّجَنِيَ اللّٰهُ مِنْ رَسُوْلِهٖ وَزَوَّجَكُنَّ اٰبَاؤُكُنَّ وَاَقَارِبُكُنَّ۔ (رواہ الحاکم فی المستدرک)

حضرت زینب رضی اللہ تعالیٰ عنہا بیان فرماتی ہیں کہ وہ حضرت زید کے نکاح میں تھیں (ان کے طلاق کے واقعہ کے بعد آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ان سے عقد فرمایا تھا) قرآن کریم کی یہ آیت "فلما قضی زید منها وطرا الخ" ان ہی کی شان میں نازل ہوئی تھی۔ راوی کہتا ہے کہ حضرت زینب رضی اللہ تعالیٰ عنہا دوسری بیبیوں کے سامنے بڑے فخر کے ساتھ یہ بیان فرمایا کرتی تھیں کہ میرا نکاح تو اپنے رسول کے ساتھ خود اللہ تعالیٰ نے پڑھایا ہے اور تمہارا نکاح تمہارے باپ اور دوسرے عزیزوں نے پڑھایا ہے۔ (مستدرک)

تشریح۔ حضرت زینب رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے نکاح پر تو خود قرآن کریم ہی نے روشنی ڈالی ہے اور یہ بتایا ہے کہ اگر متبنیٰ کا مسئلہ خود رسول کی زندگی میں اس طرح عملاً نہ دکھا دیا جاتا تو قلوب میں اس کی طرف سے پوری صفائی کی کوئی شکل ہی نہ تھی ورنہ حضرت زینب رضی اللہ تعالیٰ عنہا وہی تھیں جن کو آپ ہمیشہ سے جانتے پہچانتے تھے۔ آپ ہی نے حضرت زید کے ساتھ ان کا عقد کیا تھا اور جب آپ کو ان کی باہم ناچاقی کا علم ہوا تو آپ نے حضرت زید کو بہت سمجھایا بھی مگر جو امر کہ عالم تقدیر میں طے پا چکا تھا آخر کار اس کے لیے ایسے ہی اسباب بن گئے کہ حضرت زینب رضی اللہ تعالیٰ عنہا آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے نکاح میں آ کر رہیں۔ پھر تاریخ سے یہ کہیں ثابت نہیں ہوتا کہ اس کے بعد آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا میلان حضرت زینب رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی طرف کچھ غیر معمولی تھا بلکہ اس سے قبل جس طرح حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا آپ کی خاص مقرب تھیں اسی طرح وہی اس کے بعد بھی مقرب رہیں۔ یہاں دشمنان دین کی بے ہودہ رنگ آمیزیاں ان حقائق کی روشنی میں کیا قابل التفات ہو سکتی ہیں۔

حق تعالیٰ کی رحمت و عدالت کا یہ نقشہ بھی کچھ ہونے کے قابل نہیں ہے کہ حضرت زینب رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے ساتھ عقد کرنے کا بار خود رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر نہیں ڈالا گیا بلکہ وہ خود ہی اس کا متکفل ہو گیا اور معاملہ کی مزاحمت کی ایک بڑی مشکل خود اس نے حل فرما دی۔

یہ بات بھی یاد رکھنی چاہیے کہ اس اہم تشریع کے لیے بھی یہ صورت اختیار نہیں کی گئی کہ پہلے نکاح کے قائم رہتے ہوئے ان کو آپ کی زوجیت میں منتقل کر دیا جاتا ورنہ حضرت زید رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے خلاف ان پر اس کا زور ڈالا گیا کہ وہ اپنی زوجہ کو طلاق دے دیں بلکہ جب خود بخود واقعات اس قسم کے رونما ہو گئے کہ اب باہم نباہ کی کوئی دوسری صورت ہی باقی نہ رہی اور قانونی طور پر

متارکت عمل میں آ گئی اور قانونی طور پر بھی نکاح کے لیے وجہ جواز پیدا ہو گئی تو خود رب العالمین نے اس عقد کا شغل فرما لیا جس پر حضرت زینب رضی اللہ تعالیٰ عنہا عمر بھر فخر کیا کریں۔

اس واقعہ سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اور انبیاء علیہم السلام کی بزرگی اور عظمت شان کا پتہ چلتا ہے جن کی بشری زندگی میں کبھی کبھی خالق کائنات براہ راست خود بھی مداخلت فرما دیتا ہے۔ کچھ یہ بشر اور کچھ وہ بشر۔

عَنْ عَائِشَةَ قَالَتْ وَقَعَتْ جُوَيْرِيَةُ بِنْتُ الْحَارِثِ بْنِ الْمُصْطَلِقِ فِي سَهْمِ ثَابِتِ بْنِ قَيْسِ بْنِ شَمَّاسٍ أَوِ ابْنِ عَمٍّ لَهُ فَكَاتَبَتْ عَلَى نَفْسِهَا وَكَانَتِ امْرَأَةً مَلَّاحَةً تَأْخُذُهَا الْعَيْنُ قَالَتْ عَائِشَةُ فَجَاءَتْ تَسْأَلُ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فِي كِتَابَتِهَا فَلَمَّا قَامَتْ عَلَى الْبَابِ فَرَأَيْتُهَا كَرِهْتُ مَكَانَهَا وَعَرَفْتُ أَنَّ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ سَيَرَى مِنْهَا مِثْلَ الَّذِي رَأَيْتُ فَقَالَتْ يَا رَسُولَ اللَّهِ أَنَا جُوَيْرِيَةُ بِنْتُ الْحَارِثِ وَإِنَّمَا كَانَ مِنْ أَمْرِي مَا لَا يَخْفَى عَلَيْكَ وَإِنِّي وَقَعْتُ فِي سَهْمِ ثَابِتِ بْنِ قَيْسِ بْنِ شَمَّاسٍ وَإِنِّي كَاتَبْتُ عَلَى نَفْسِي فَجِئْتُكَ أَسْأَلُكَ فِي كِتَابَتِي فَقَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَهَلْ لَكِ إِلَى مَا هُوَ خَيْرٌ مِنْهُ قَالَتْ وَمَا هُوَ يَا رَسُولَ اللَّهِ قَالَ أُؤَدِّي عَنْكِ كِتَابَتَكِ وَأَتَزَوَّجُكِ قَالَتْ قَدْ فَعَلْتُ قَالَتْ فَتَسَامَعَ تَعْنِي النَّاسَ أَنَّ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَدْ تَزَوَّجَ جُوَيْرِيَةَ فَأَرْسَلُوا مَا فِي أَيْدِيهِمْ مِنَ السَّبْيِ فَأَعْتَقُوهُمْ فَقَالُوا أَصْهَارُ رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَمَا رَأَيْنَا امْرَأَةً كَانَتْ أَعْظَمَ بَرَكَةً عَلَى قَوْمِهَا مِنْهَا أُعْتِقَ فِي سَبَبِهَا مِائَةُ أَهْلِ بَيْتٍ مِنْ بَنِي الْمُصْطَلِقِ. (رواه ابو داؤد فی باب بیع المکاتب اذا فسخت المکاتبۃ قال ابن کثیر فی تاریخہ تفرد بہ ابو داؤد)

حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے روایت ہے کہ حضرت جویریہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا ثابت بن قیس کے حصہ جنگ میں آ گئی تھیں اور انہوں نے ثابت بن قیس سے عقد کتابت کر لیا تھا یعنی اتنی رقم آپ کو ادا کر کے میں آزاد ہوں۔ یہ بڑی حسین اور جاذب نظر تھیں عقد کتابت کی رقم حاصل کرنے کے لیے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئیں جب میں نے ان کو دروازہ پر کھڑا دیکھا تو ان کا آنا مجھ کو پسند نہ آیا اور میں نے سمجھا کہ جو جاذبیت میں نے ان میں دیکھی ہے وہی آپ کے خاطر میں آئے گی۔ بہر حال انہوں نے آ کر عرض کی یا رسول اللہ! (صلی اللہ علیہ وسلم) میرا نام جویریہ ہے اور میں حارث کی دختر ہوں میری جو سرگزشت ہے وہ سب آپ کو معلوم ہے کہ قیدی ہو کر ثابت بن قیس کے حصہ میں آ گئی ہوں میں نے ان کے ساتھ اپنی آزادی کی غرض سے کتابت کا عقد کر لیا ہے اب آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں زر کتابت کی درخواست لے کر حاضر ہوئی ہوں۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اچھا اگر تم پسند کرو تو میں تمہارے سامنے اس سے ایک اور بہتر بات رکھتا ہوں؟ وہ بولیں یا رسول اللہ! (صلی اللہ علیہ وسلم) وہ کیا؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تمہارا زر کتابت تو میں اپنی جانب سے ادا کر دوں اور تم سے نکاح کر لوں۔ انہوں نے فوراً کہا مجھے بخوشی منظور ہے یہ فرماتی ہیں لوگوں نے جیسے ہی یہ خبر سنی کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت جویریہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے نکاح کر لیا ہے اسی وقت ان کی قوم کے جتنے قیدی تھے سب نے آزاد کر دیے اور کہا یہ تو اب

الْخُضْرَةُ بِعَيْنَيْكِ قَالَتْ قُلْتُ لِزَوْجِي إِنِّي رَأَيْتُ فِيمَا يَرَى النَّائِمُ كَأَنَّ قَمَرًا وَقَعَ فِي حَجْرِي فَلَطَمَنِي وَقَالَ أَتُرِيدِينَ مَلِكَ يَثْرِبَ قَالَتْ وَمَا كَانَ أَبْغَضَ إِلَيَّ مِنْ رَسُولِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَتَلَ أَبِي وَزَوْجِي فَمَا زَالَ يَعْتَذِرُ إِلَيَّ وَقَالَ يَا صَفِيَّةُ إِنَّ أَبَاكِ أَلَّبَ عَلَيَّ الْعَرَبَ وَفَعَلَ مَا فَعَلَ حَتّٰى ذَهَبَ ذٰلِكَ مِنْ نَفْسِي. (رواہ الطبرانی ورجالہ رجال الصحیح کذا فی المجمع ص ۲۵۱ ج ۹)

ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ روایت فرماتے ہیں کہ حضرت صفیہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی آنکھ پر کچھ نیلا سا نشان تھا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان سے پوچھا تمہاری آنکھوں پر یہ سبز نشان کیسا ہے؟ انہوں نے کہا میں نے اپنے شوہر سے ایک بار کہا کہ جیسا لوگ خواب دیکھا کرتے ہیں میں نے بھی ایک خواب دیکھا ہے گویا چاند میری گود میں آ گیا ہے یہ سنتے ہی فوراً انہوں نے میرے منہ پر ایک تھپڑ مارا اور کہا تیرا ارادہ اس شاہ یثرب سے نکاح کرنے کا ہے وہ کہتی ہیں (بھلا میرا یہ ارادہ کیسے ہو سکتا تھا) میرے والد اور میرے شوہر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے حکم سے قتل کیے گئے تھے اس لیے مجھے تو آپ کی طرف سے بڑی سخت ناگواری تھی لیکن جب آپ نے مجھ کو یہ سمجھایا کہ تمہارے والد ہی تمام عرب کو میرے مقابلے کے لیے چڑھا کر لائے تھے اور میرے ساتھ یہ یہ عداوتیں کی تھیں تو پھر میرے دل سے یہ بات نکل گئی۔ (طبرانی)

تشریح۔ داماد اور شوہر کے قتل کی تلخی کا احساس ہر ذی حس طبیعت کو فطری اور غیر اختیاری طور پر ہوتا ہے۔ حضرت صفیہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے کس صفائی کے ساتھ کہہ دیا کہ اس سے میں بھی خالی نہ تھی لیکن جب ایمان کی حقیقی حلاوت دل کی تہہ میں اتر جاتی ہے تو طبعی تلخی کا اثر بھی سب کافور ہو جاتا ہے۔ حضرت صفیہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا بھی کتنی بانصیب تھیں بھلا یہ کون تصور کر سکتا تھا کہ ایک یہودی سردار کی بی بی کل امہات المومنین کے زمرہ میں شامل ہونے والی ہیں مگر چونکہ وہ عالم تقدیر کی نظر انتخاب میں آ چکی تھیں لہٰذا ہونہار قبل یہ راز سب سے پہلے خود ان ہی پر افشاء کر دیا گیا۔ یہاں دیکھنا یہ بھی ہے کہ اس کا شوہر یہودی ہے مگر وہ اس خواب کو سنتے ہی کس طرح یہ تعبیر دے دیتا ہے کہ اس چاند کا مصداق عالم میں بجز آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے اور کوئی بشر ہو نہیں سکتا۔ یہ بات بہت زیادہ قابل لحاظ ہے کہ آپ کی ازواج میں اس قسم کی بیبیاں ہونے کے باوجود جن کے باپ اور شوہر آپ کے حکم سے مقتول ہوئے ہوں تاریخ سے کہیں ثابت نہیں ہوتا کہ آپ کی پاکیزگی اور برتری کے خلاف مدت العمر بھی ان کے منہ سے ایک کلمہ بھی نکلا تھا۔ یہ آپ کی سچائی کا کتنا بڑا ثبوت ہے عجب نہیں کہ اس قسم کے نکاحوں میں قدرت کا یہ بھی ایک راز ہو۔

عَنْ أَنَسِ بْنِ مَالِكٍ قَالَ قَدِمْنَا خَيْبَرَ فَلَمَّا فَتَحَ اللّٰهُ عَلَيْهِ الْحِصْنَ ذُكِرَ لَهُ جَمَالُ صَفِيَّةَ بِنْتِ حُيَيِّ بْنِ أَخْطَبَ وَقَدْ قُتِلَ زَوْجُهَا وَكَانَتْ عَرُوسًا فَاصْطَفَاهَا النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لِنَفْسِهِ فَخَرَجَ بِهَا حَتّٰى بَلَغْنَا سَدَّ الصَّهْبَاءِ حَلَّتْ فَبَنٰى بِهَا رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ ثُمَّ صَنَعَ حَيْسًا فِي نِطَعٍ صَغِيرٍ ثُمَّ قَالَ لِي آذِنْ مَنْ حَوْلَكَ فَكَانَتْ تِلْكَ وَلِيمَتَهُ عَلٰى صَفِيَّةَ ثُمَّ خَرَجْنَا إِلَى الْمَدِينَةِ فَرَأَيْتُ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يُحَوِّي لَهَا وَرَاءَهُ بِعَبَاءَةٍ ثُمَّ يَجْلِسُ عِنْدَ بَعِيرِهِ فَيَضَعُ رُكْبَتَهُ وَتَضَعُ صَفِيَّةُ رِجْلَهَا عَلٰى رُكْبَتِهِ حَتّٰى تَرْكَبَ. (رواہ البخاری)

انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ روایت کرتے ہیں کہ ہم خیبر میں داخل ہوئے اور جب اللہ تعالیٰ نے خیبر کا قلعہ فتح کرا دیا (اور حسب

شاید دشمنوں کی امارت اور قیادت کا معاملہ شروع ہو گیا تو ان میں صفیہؓ بھی قید کر لی گئیں) آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے ان کے جمال کا ذکر کیا گیا ان کے شوہر جنگ میں مقتول ہو چکے تھے تازہ تازہ ان کی شادی ہوئی تھی اور ابھی وہ دلہن ہی بنی ہوئی تھیں۔ بعد ایک روایت میں یہ بھی ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے دحیہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی فرمائش پر پہلے ان کو دے دیا تھا پھر کسی نے آپ سے عرض کی یا نبی اللہ! (صلی اللہ علیہ وسلم) وہ تو قبیلہ قریظہ و نضیر کی سردار عورت ہیں آپ کے سوا ان کو کسی اور کو دینا مصلحت نہیں ہے اس پر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو حق نبوت خود لے لیا اور ان کو آزاد کر کے اپنی زوجیت میں قبول فرمایا۔ چلتے چلتے جب ہم لوگ سد صہباء میں پہنچے تو اب صفیہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا اپنے نسوانی عذر سے فارغ ہو چکی تھیں۔ یہاں آپ نے بناء علیہ کیا یعنی ایک مختصر سے دستر خوان پر کھجور، ستو اور حلوہ تیار کرا کے رکھا اور فرمایا کہ تمہارے پاس جو لوگ ہوں ان کو بھی بلا لو۔ حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ حضرت صفیہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کا ولیمہ بس صرف یہ تھا۔ اس کے بعد جب ہم مدینہ کے لیے روانہ ہوئے تو میں نے دیکھا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ان کے پیچھے بیٹھنے کے لیے اپنی سواری پر پردہ کا انتظام فرما رہے ہیں (اس سے سب خوب معلوم ہو گیا کہ وہ باندی کی حیثیت سے نکل کر امہات المؤمنین کے شرف سے مشرف ہو چکی ہیں) آپ اپنے اونٹ کے قریب بیٹھ کر اپنا زانو ٹیک دیتے ہیں تاکہ حضرت صفیہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا اس پر اپنا پیر رکھ کر بآسانی اونٹ پر سوار ہو سکیں۔ (بخاری شریف)

تشریح۔ حضرت صفیہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کا یہ دوسرا نکاح تھا اور اب تیسری بار تقدیر الٰہی ان کو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی زوجیت میں لانے والی تھی اس لیے ایک خواب کے ذریعہ پہلے ہی خود حضرت صفیہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کو اس کی بشارت دے دی گئی تھی۔ اب ذرا دیکھئے تقدیر کیا ہے اور واقعات کتنے خلاف ہیں یعنی وہ خود یہودی ہیں اور ایک یہودی کے نکاح میں ہیں پھر قلعہ خیبر سر ہو جانے کے بعد دحیہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی درخواست پر ان کے نامزد بھی ہو چکی ہیں لیکن اچانک تقدیر غالب آتی ہے اور واقعات کا رخ کچھ اور جا کر پھر کدھر بدلتا ہے کسی کے منہ پر ان کے حسن کا تذکرہ آتا ہے اور کسی کی زبان پر ان کی سرداری کا ذکر آتا ہے اور خود صحابہ کی جانب سے یہ مشورہ پیش ہو جاتا ہے کہ ان حالات میں مصلحت کا تقاضا یہ ہے کہ اگر آپ ان کو حق نبوت قبول فرمائیں تو پھر یہ سارے خیالات دلوں سے یکسر نکل سکتے ہیں۔ عرب میں باندیوں کا عام دستور تھا اس سے قبل اور اس کے بعد ہمیشہ ہر قسم کی باندیاں مسلمانوں کے قبضہ میں آئیں جن میں حسین سے حسین بھی تھیں اور شریف سے شریف بھی مگر کبھی کسی کے دل میں یہ وسوسہ بھی نہ گزرا کہ فلاں باندی کو صرف آپ ہی کی ملک ہونا چاہیے مگر یہاں یہ سوال پیدا ہوا بھی اور پھر وہیں ختم ہو کر نہیں رہ گیا بلکہ آپ کے روبرو بھی اس کا تذکرہ آ گیا۔ اس کے بعد بھی تا ہنوز یہی کہہ سکتا تھا کہ اب یہ بجائے دحیہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے آپ کی باندی رہیں گی لیکن تقدیر میں طے شدہ یہ تھا کہ ان کو ام المؤمنین بننا ہے اس لیے آپ نے اس معاملہ کو قبول بھی کیا اور پھر ان کو آزاد کر کے ان سے عقد فرمایا اور اس طرح حضرت صفیہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کا خواب پورا تو ہوا مگر ہوا اسباب کے پردہ میں۔ اس واقعہ کی اس وقت کچھ بھی اہمیت نہ ہوئی اور ان کا ولیمہ بھی جس انداز کا ولیمہ بحالت سفر ہو سکتا تھا ہو گیا اور ان کے سردار ہو کر دحیہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی ملک میں آنے کی جو ناموزونیت کا خیال پیدا ہو کر کسی اختلاف کا موجب بن سکتا تھا اس طرح وہ بھی سب ختم ہو گیا۔ اسی طرح آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ہر ہر نکاح میں قضا و قدر نے کیا کیا اسرار ربانی ہوں گے جو ہم کو

معلوم نہیں ہوتے۔ اگر اتفاق سے کسی روایت کی بدولت ان کے رخ سے کہیں ذرا سا نقاب اٹھ گیا ہے تو اس کی ذرا سی جھلک بھی نظر آ گئی ہے۔ ابوداؤد سے معلوم ہوتا ہے کہ اس کے بعد حبشی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو آپ نے اپنی جانب سے بہت سی زمیں عطا فرمائی تھیں۔

حضرت یوسف علیہ السلام اور حضرت خضر علیہ السلام کی پوری پوری سرگزشتیں لمبی حکمت اور واقعات کی سطحوں کی بے ارتباطی اور ان کے اندرونی ارتباط کی واضح مثالیں ہیں۔ یہاں مثلاً مقصود تو یہ تھا کہ حضرت یوسف علیہ السلام کو ان کے بھائیوں کی نظروں میں اونچے سے اونچا ثابت کیا جائے مگر واقعات کی سطح میں مسلسل ذلتیں ہی ذلتیں نظر آ رہی ہیں۔ موت کے کنوئیں میں گرنا، غلام بن کر مصر کے بازار میں فروخت ہونا اور مجرم کی حیثیت میں قید میں پڑ جانا ایک سے ایک بڑی ذلت تھی کون کہہ سکتا تھا کہ اس کا نتیجہ جو آخر میں ظاہر ہوگا وہی ان کے خواب کی تعبیر ہوگی۔ پھر جب آخر کار اس کی تعبیر کا زمانہ آیا تو ظاہر ہو گیا کہ یہی ذلتوں کے زینے در حقیقت عزت و احترام کی سیڑھیاں تھیں۔

اسی طرح حضرت خضر علیہ السلام کا مقصد تو اپنے محسن ملاحوں پر احسان کرنا تھا مگر اس کی صورت کیا ہے کہ ان غریبوں کے رزق کا جو تھوڑا سا سہارا تھا اس کو بھی توڑ دیا۔ ان کا مقصود ایک بچے کے والدین کی خیرخواہی ہے اور اس کی صورت یہ ہے کہ ان کی مرادوں اور آرزوؤں کے پھول کو مسل ڈالا۔ کون باور کر سکتا تھا کہ ان واقعات کی تہہ میں کوئی معقول حکمت بھی ہو سکتی ہے لیکن جب حضرت خضر علیہ السلام نے ان کے چہروں سے ذرا نقاب اٹھایا تو معلوم ہو گیا کہ یہ تمام واقعات بڑی حکمتوں پر مبنی تھے۔

پس اسی طرح آپ انبیاء علیہم السلام کے حالات زندگی پر جلدی سے تنقید کرنے کی عادت نہ ڈالیں اور ان کی حکمتوں کے دریافت کرنے کے درپے بھی نہ ہوں۔ ایمان کا راستہ یہ ہے کہ اگر کہیں آپ کو شبہ گزرتا بھی ہو تو اس کو اپنی عقل کی کوتاہی سمجھیں۔ یہی بات دانشمندی کی بھی ہے اور دیانت کی بھی۔ اگر اس کا کچھ شوق دامن گیر ہو تو آپ بھی کسی خضر راہ کی تلاش رکھئے ممکن ہے کہ تعلیم علی الاطلاق کی حکمتوں کا کوئی شمہ آپ کے علم میں آ جائے۔

اس حدیث سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی حقوق شناسی کا اندازہ ہو سکتا ہے اور یہ بھی کہ اگر باندیوں کو آزاد کر کے ان سے نکاح کرنے کی ترغیب آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی امت کو دی ہے تو اس سے اپنے نفس کو بھی عملاً مستثنیٰ نہیں رکھا اور اسی طرح باندیوں کی آزادی کا سامان اپنے قول و عمل سے مہیا فرما دیا ہے۔ اگر اسلام کا مقصد کسی کو دائمی غلامی میں رکھنا ہوتا تو ہرگز اس ثروت کے ساتھ باندیاں رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم کے گھر میں صدیق اکبر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی صاحبزادی کے برابر بن کر نظر آ سکتیں۔

عَنْ أُمِّ حَبِيْبَةَ أَنَّهَا رَأَتْ فِي النَّوْمِ كَأَنَّ آتِيًا يَقُوْلُ يَا أُمَّ الْمُؤْمِنِيْنَ فَفَزِعَتْ وَأَوَّلَتْ أَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَتَزَوَّجُهَا. (المستدرک)

حضرت ام حبیبہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا بیان فرماتی ہیں کہ انہوں نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی زوجیت میں آنے سے قبل خواب میں دیکھا تھا کہ کوئی شخص ان کو یا ام المؤمنین کہہ کر پکار رہا ہے اس خواب سے وہ ذرا گھبرا سی گئیں اور انہوں نے اس کی یہی تعبیر دی کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ان کو اپنی زوجیت میں قبول فرمائیں گے۔ (مستدرک)

عَنْ أُمِّ سَلَمَةَ قَالَتْ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَا مِنْ مُسْلِمٍ تُصِيْبُهُ مُصِيْبَةٌ فَيَقُوْلُ مَا

اَمَرَهُ اللّٰهُ اِنَّا لِلّٰهِ وَاِنَّا اِلَيْهِ رَاجِعُوْنَ اَللّٰهُمَّ اْجُرْنِيْ فِيْ مُصِيْبَتِيْ وَاخْلُفْ لِيْ خَيْرًا مِّنْهَا اِلَّا اَخْلَفَ اللّٰهُ لَهٗ خَيْرًا مِّنْهَا فَلَمَّا مَاتَ اَبُوْ سَلَمَةَ قُلْتُ اَيُّ الْمُسْلِمِيْنَ خَيْرٌ مِّنْ اَبِيْ سَلَمَةَ اَوَّلُ بَيْتٍ هَاجَرَ اِلٰى رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ ثُمَّ اِنِّيْ قُلْتُهَا فَاَخْلَفَ اللّٰهُ لِيْ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ. (رواہ مسلم)

حضرت اُم سلمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا بیان فرماتی ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ ارشاد فرمایا کہ جس مسلمان کو کوئی مصیبت پہنچے اور وہی کلمات پڑھ لے جس کا اللہ تعالیٰ نے اس کو حکم دیا ہے یعنی (انا للہ وانا الیہ راجعون اللھم اجرنی فی مصیبتی واخلف لی خیرا منھا) تو اللہ تعالیٰ اس کے بدلہ میں ضرور اس سے بہتر اس کو اور عنایت فرمادے گا۔ جب ابو سلمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا میرے شوہر کا انتقال ہوا تو میں نے اپنے دل میں سوچا کہ بھلا ان سے کون سا مسلمان افضل ہو سکتا ہے جنہوں نے سب سے پہلے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف ہجرت کی تھی لیکن اس کے باوجود میں نے ان کلمات کو پڑھ ہی لیا۔ نتیجہ یہ نکلا کہ ان کے بدلہ میں اللہ تعالیٰ نے مجھ کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی زوجیت کا شرف بخشا۔ (مسلم شریف)

تشریح۔ دیکھئے یہاں بھی حضرت اُم سلمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کو کہیں دور دور تک اس کا وسوسہ بھی نہ گزرتا تھا کہ ایک دن ان کو اُم المومنین کے خطاب سے سرفراز ہونا ہے لیکن اس کے باوجود وہ آپ کے فرمان پر پورے یقین کے ساتھ عمل کر چکی تھیں۔ اس کا صلہ پھر قدرت وہ دیتی ہے جو ان کے خواب و خیال میں بھی نہ تھا۔ ہمارا مقصد یہاں نہ تو تعدد ازواج کی حکمتوں پر بحث کرنا ہے اور نہ خاص ان برکات کا تذکرہ کرنا ہے جو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے نکاحوں میں ظاہر ہوئی تھیں بلکہ صرف ان احادیث کو پیش کرنا تھا جو چند ازواج مطہرات کے غیبی اشارات میں ہمارے سامنے آ گئی تھیں۔ علماء کو چاہیے کہ بقیہ ازواج مطہرات رضی اللہ تعالیٰ عنہن کے لیے بھی وہ اس قسم کی احادیث کی تلاش رکھیں اور ان کو بھی ان حدیثوں کے ساتھ اضافہ کر دیں۔

عَنْ اَبِيْ سَعِيْدِ الْخُدْرِيِّ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ مَا اسْتُخْلِفَ خَلِيْفَةٌ اِلَّا لَهٗ بِطَانَتَانِ بِطَانَةٌ تَاْمُرُهٗ بِالْخَيْرِ وَتَحُضُّهٗ عَلَيْهِ وَبِطَانَةٌ تَاْمُرُهٗ بِالشَّرِّ وَتَحُضُّهٗ عَلَيْهِ وَالْمَعْصُوْمُ مَنْ عَصَمَ اللّٰهُ. (رواہ البخاری فی کتاب القدر)

ابوسعید خدری رضی اللہ تعالیٰ عنہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت فرماتے ہیں کہ جو خلیفہ بھی ہوتا ہے اس کے لیے دو قسم کے مشیر ضرور ہوتے ہیں۔ ایک مشیر وہ جو اس کو نیکی کرنے کا مشورہ دیتا ہے اور اسی کی رغبت دلایا کرتا ہے۔ دوسرا وہ جو برائی کا مشورہ دیتا ہے اور بری باتوں پر ابھارتا رہتا ہے پھر برائی سے محفوظ تو صرف وہی رہتا ہے جس کو اللہ تعالیٰ محفوظ رکھے۔ (بخاری شریف)

تشریح۔ حدیث مذکورہ پر امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے "بطانۃ الامام واہل مشورتہ" کا عنوان قائم کر کے غالباً اس طرف اشارہ فرمایا ہے کہ یہاں مشیر سے وہ مشیر مراد ہیں جو ہر خلیفہ و حاکم کے ساتھ عام طور پر ہوا کرتے ہیں۔ اس وقت حدیث مذکور کا تعلق فرشتہ اور شیطان کی خیر و شر کی ان دو طاقتوں سے مخصوص نہ ہوگا جو عام انسانوں کے ساتھ پیدا ہوتی ہیں مگر یہ ظاہر ہے کہ جب انسانی فطرت ظاہری مشیروں سے متاثر ہو سکتی ہے تو خیر و شر کی ان دو مرکزی طاقتوں سے بھلا کیونکر متاثر نہ ہوگی اس بناء پر اگر حدیث کو عام رکھا جائے تو اس میں بھی منافات معلوم نہیں ہوتا۔ حدیث کا آخری جملہ یہ پتہ دیتا ہے کہ مقام عصمت یعنی وہ

مقام کہ انسان شیطان یا عالم شر کا کوئی اثر قبول نہ کر سکے۔ یہ اپنے بس کی بات نہیں جس کو خدا تعالیٰ محفوظ رکھے بس وہی محفوظ رہ سکتا ہے۔ یہ شان صرف انبیاء علیہم السلام کی ہے چونکہ ان کو خود اللہ تعالیٰ اپنی مخلوق کی ہدایت کے لیے انتخاب فرماتا ہے اس لیے وہی ہر قسم کی غلطی سے ان کو بچاتا بھی ہے۔ ان کے علاوہ جتنے انسان ہیں ان کا معاملہ خطرہ میں ہے۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا معصوم عہد طفولیت

عَنْ اَنَسٍ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ اَتَاہُ جِبْرَئِیْلُ وَھُوَ یَلْعَبُ مَعَ الْغِلْمَانِ فَاَخَذَہٗ فَصَرَعَہٗ فَشَقَّ عَنْ قَلْبِہٖ فَاسْتَخْرَجَ مِنْہُ عَلَقَۃً فَقَالَ ھٰذَا حَظُّ الشَّیْطَانِ مِنْکَ ثُمَّ غَسَلَہٗ فِیْ طَسْتٍ مِنْ ذَھَبٍ بِمَاءِ زَمْزَمَ ثُمَّ لَاَمَہٗ وَاَعَادَہٗ فِیْ مَکَانِہٖ وَجَاءَ الْغِلْمَانُ یَسْعَوْنَ اِلٰی اُمِّہٖ یَعْنِیْ ظِئْرَہٗ فَقَالُوْا اِنَّ مُحَمَّدًا قَدْ قُتِلَ فَاسْتَقْبَلُوْہُ وَھُوَ مُنْتَقِعُ اللَّوْنِ قَالَ اَنَسٌ فَکُنْتُ اَرٰی اَثَرَ الْمِخْیَطِ فِیْ صَدْرِہٖ۔ (رواہ مسلم)

انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ جبرئیل علیہ السلام رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آئے۔ اس وقت آپ صلی اللہ علیہ وسلم بچوں کے ساتھ کھیل تماشا دیکھنے میں مشغول تھے۔ انہوں نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو پکڑ کر لٹا دیا اور قلب مبارک چیر کر اس میں سے خون بستہ کا ایک ٹکڑا نکال دیا اور کہا کہ آپ میں یہ تھا شیطان کا حصہ جس کو میں نے نکال کر پھینک دیا ہے۔ پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے قلب مبارک کو زمزم کے پانی سے ایک سونے کے طشت میں ڈال کر دھویا پھر اس کو سی دیا اور اپنی جگہ پر رکھ دیا۔ بچے آپ کی دودھ پلائی کے پاس دوڑتے ہوئے آئے اور اطلاع دی کہ محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) تو قتل کر دیے گئے لوگ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھنے کے لیے نکلے تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا رنگ فق پڑا تھا۔ انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ کہتے ہیں کہ میں ہمیشہ اس سلائی کا نشان آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے سینہ مبارک میں دیکھا کرتا تھا۔ (مسلم شریف)

تشریح: نور محمدی قرنہا قرن سے قوالب انسانیہ سے گزرتا ہوا آ رہا تھا اور اب وہ وقت آ چکا تھا کہ بطن آمنہ سے براہ راست پیکر انسانی میں وہ جلوہ گر ہو جائے اس لیے یہ کیونکر ممکن تھا کہ وہ قالب انسانی کے خواص سے یکسر خالی ہوتا۔ مگر قدرت چاہتی ہے کہ آپ کا قالب بھی تمہارے دوسرے بشر سے علیحدہ اور ممتاز رہے اس لیے اس کام کے لیے وہ مناسب سے مقدس فرشتہ منتخب ہے وہ آ کر سب سے مقدس پانی سے اس کو صاف کرتا ہے پھر ایمان کے آب زلال میں اس کو غوطہ دیتا ہے۔ یہ تو ہو سکتا تھا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے جسد اطہر میں پیدائشی طور پر ہی یہ حصہ نہ رکھا جاتا مگر عالم اسباب کے تحت جب یہ قالب مبارک اسی صورت سے منتقل ہوتا چلا آ رہا تھا جیسا کہ عام انسانی قالبوں کا انتقال ہوتا ہے تو ان خواص سے علیحدہ رہنا کیسے ممکن تھا اور یہ بھی منظور تھا کہ اپنی خصوصی تربیت کا اظہار کیا جائے۔ تربیت کا ترجمہ پرورش ہے یہ تدریج کی متقاضی ہے اس لیے رب محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) یہ چاہتا تھا کہ اپنی خصوصی پرورش کا اظہار فرمائے اور قدم بقدم پر یہ دکھلا دے کہ یہ ذات قدسی صفت کسی دوسرے کی نگرانی میں پرورش پا رہی ہے۔ دیکھو والد کا سایہ اور والدہ مبارکہ کا سایہ اور آخر میں عم بزرگوار کا سایہ یہ سب سائے اٹھ گئے تھے رفتہ رفتہ اور آخر میں پھر ایک اسی ذات پاک کا سایہ رہ گیا جس نے شروع سے آپ کو براہ راست اپنی تربیت میں لے رکھا تھا۔ حافظ سہیلی رحمۃ اللہ علیہ نے یہاں ایک عجیب نکتہ تحریر فرمایا ہے

اس کے لیے پہلے یہ سمجھ لینا ضروری ہے کہ آب انسانی کی تخلیق کی اصل نطفہ ہے جس کا ظہور شہوت سے ہوتا ہے۔ یہی نطفہ تدریجی طور پر بستہ خون پھر لوتھڑے کی شکل اختیار کر لیتا ہے۔ یہی بستہ خون مغز شیطان کہلاتا ہے چونکہ شہوات کے تمام مقامات پر شیاطین دلچسپی کے ساتھ نظر رکھتے ہیں اس لیے قالب انسانی کے اس جزء پر بھی خاص طور پر ان کی نظر رہتی ہے اور اسی کو وہ ہر جدید مولود میں تلاش کرتے ہیں۔ حضرت عیسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام کی پیدائش چونکہ اس معہود طریقہ کے برخلاف صرف نفخہ جبرئیل سے ظہور پذیر ہوئی تھی اس لیے ان میں یہ حصہ ابتداء سے شامل نہ تھا۔ اسی وجہ سے حدیث میں فرمایا گیا ہے کہ ولادت کے بعد ہر بچہ کو شیطان آ کر انگلی سے چھیڑتا ہے سوائے ایک عیسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام کے (ترجمان السنہ ص ۳۷۲ جلد ۲) ان کی پیدائش چونکہ نطفہ کے بجائے نفخہ سے ہوئی تھی اس لیے ان میں مغز شیطان ہی نہ تھا اس لیے یہاں آ کر وہ غمز کرتا تو کس چیز کو کرتا۔

اس کے برخلاف آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی ولادت باسعادت چونکہ نوع انسانی کے دستور کے مطابق ہوئی تھی اس لیے اس میں اس مغز کا ہونا لازمی تھا۔ مگر یہ ظاہر ہے کہ اس مغز کا جو تعلق بھی تھا وہ قدرت مادی کی طرف سے تھا مولود مبارک کی حقیقت سے اس کا کوئی تعلق نہ تھا۔ پھر جیسا کچھ بھی تھا مگر عہد طفولیت ہی میں اس مغز کو نکال کر پھینک دیا گیا تھا اور صرف اتنا ہی نہیں بلکہ ایمان و حکمت سے بھرا ہوا ایک طشت لا کر آپ کے قلب مبارک میں ڈال دیا گیا تھا اور وہ بھی آب زمزم سے دھو کر پھر روح القدس جیسے مقدس فرشتے کے ہاتھوں سے (الروض الانف ص ۱۰۸ ج ۱)

ہمارے نزدیک قدرت کی یہ حکمت بہت زیادہ قابل غور ہے کہ ان دونوں مسعود ولادتوں میں جس فرشتہ کا تعلق ثابت ہوتا ہے وہ ایک ہی فرشتہ یعنی حضرت جبرئیل علیہ السلام ہیں۔ فرق ہے تو یہ کہ اسرائیلی سلسلہ کے آخری رسول کی تخلیق ہی ملکی تھی اور سب سے آخری رسول کی تخلیق گو بشری تھی مگر تطہیر ملکی تھی۔ دونوں مقامات میں صنع اللہ الذی اتقن کل شیء کا نظارہ ایک سے ایک بڑھ کر تھا۔ لیکن یہ بحث کہ عالم بشری کی تکمیل کی صورت ان دونوں میں کونسی کامل تر تھی اس کا کچھ فیصلہ ہر دو رسولوں کی بعثت کے تاریخی طرف نظر کرنے سے ہو سکتا ہے۔ نیز حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے دور اول میں گو ملکیت کے عجیب و غریب نظارے دنیا نے دیکھے مگر رسولوں کے لیے بشریت کا مظاہرہ بھی تو ضروری ہوتا ہے۔ اس سے ظاہر ہے کہ نزول کے بعد ان کی بشریت کے نظارے بھی جب تک دنیا اسی شد و مد کے ساتھ دیکھ نہ لے اس وقت تک ان کی وفات نہ ہوگی۔ آخر وہ بھی اسی جگہ آ کر مدفون ہو جائیں گے جہاں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ان سے پہلے مدفون ہو چکے ہیں۔ اس سے زیادہ اس نازک مرحلہ میں پڑنا موزوں نہیں۔ حق تعالیٰ چاہتا ہے کہ ابو البشر کی خلافت کا مقصد ایک بشری کے عہد مسعود میں آ کر پورا ہو۔ مگر جو قدرت کے اس راز کو نہیں سمجھتے رہ جاتے ہیں کہ یہ اہم مقصد جس رسول کے دور میں پورا ہو وہ ملکی خلقت کا رسول ہو۔ یاد رکھئے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی عظمت یہ نہیں کہ آپ کی بشریت ہی سے انکار کر دیا جائے بلکہ یہ ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی بشریت کی وجہ سے جنس بشری کی افضلیت کا یقین پیدا کر لیا جائے۔

بر زمینے کہ نشان کف پائے تو بود — سالہا سجدۂ صاحب نظراں خواہد بود

اس تفصیل سے آپ یہ سمجھ گئے ہوں گے کہ دنیا میں بچے سب ہی معصوم ہوتے ہیں مگر ان کی عصمت کے معنی یہ نہیں ہوتے

کرو وہ گناہ نہیں کرتے بلکہ کبھی کبھی وہ جھوٹ بھی بولتے ہیں اور کوئی کوئی ان میں بداطوار بھی ہوتا ہے۔ پھر ان کی عصمت کا مطلب صرف یہ ہوتا ہے کہ قانون پیمبر کے، تحت قدرت ان کے ان افعال پر قلم عفو کھینچ دیتی ہے اور مواخذہ نہیں فرماتی مگر یہ وہ معصوم ہیں جن کی معصوم فطرت کو اور فرشتوں کی طرح سے معصوم بنا دیا جاتا ہے تاکہ گناہ کا صدور تو درکنار ان میں اس کی ادنیٰ سی معصیت کی طرف میلان بھی نہ رہے۔ اس لیے یہ وہ معصوم ہیں جو گناہ کرنا جانتے ہی نہیں۔ اب اندازہ فرما لیجئے کہ جس تعبیر کی اساس میں اس طرح عصمت کوٹ کوٹ کر بھر دی گئی ہو تو اس تعبیر کی عصمت کا عالم کیا ہوگا۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا معصوم عہد شباب

عَنْ عَلِيِّ بْنِ أَبِي طَالِبٍ قَالَ سَمِعْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُوْلُ مَا هَمَمْتُ بِقَبِيْحٍ مِمَّا كَانَ أَهْلُ الْجَاهِلِيَّةِ يَهُمُّوْنَ بِهِ إِلَّا مَرَّتَيْنِ مِنَ الدَّهْرِ كِلْتَاهُمَا يَعْصِمُنِي اللّٰهُ مِنْهُمَا قُلْتُ لَيْلَةً لِفَتًى كَانَ مَعِيَ مِنْ قُرَيْشٍ بِأَعْلَى مَكَّةَ فِي أَغْنَامٍ لَهَا تَرْعَى أَبْصِرْ لِي غَنَمِي حَتَّى أَسْمُرَ هٰذِهِ اللَّيْلَةَ بِمَكَّةَ كَمَا يَسْمُرُ الْفِتْيَانُ قَالَ نَعَمْ فَلَمَّا خَرَجْتُ فَجِئْتُ أَدْنَى دَارٍ مِنْ دُوْرِ مَكَّةَ سَمِعْتُ غِنَاءً وَصَوْتَ دُفُوْفٍ وَزَمِيْرٍ فَقُلْتُ مَا هٰذَا قَالُوْا فُلَانٌ تَزَوَّجَ فُلَانَةً لِرَجُلٍ مِنْ قُرَيْشٍ فَلَهَوْتُ بِذٰلِكَ الْغِنَاءِ وَبِذٰلِكَ الصَّوْتِ حَتَّى غَلَبَتْنِي عَيْنِي فَمَا أَيْقَظَنِي إِلَّا مَسُّ الشَّمْسِ فَرَجَعْتُ إِلَى صَاحِبِي فَقَالَ لِي مَا فَعَلْتَ فَأَخْبَرْتُهُ ثُمَّ قُلْتُ لَهُ لَيْلَةً أُخْرَى مِثْلَ ذٰلِكَ فَفَعَلَ فَخَرَجْتُ فَسَمِعْتُ مِثْلَ ذٰلِكَ فَقِيْلَ لِي مِثْلَ مَا قِيْلَ لِي فَلَهَوْتُ بِمَا سَمِعْتُ حَتَّى غَلَبَتْنِي عَيْنِي فَمَا أَيْقَظَنِي إِلَّا مَسُّ الشَّمْسِ فَرَجَعْتُ إِلَى صَاحِبِي فَقَالَ لِي مَا فَعَلْتَ قُلْتُ مَا فَعَلْتُ شَيْئًا فَوَاللّٰهِ مَا هَمَمْتُ بَعْدَهَا بِسُوْءٍ مِمَّا يَعْمَلُ أَهْلُ الْجَاهِلِيَّةِ حَتَّى أَكْرَمَنِيَ اللّٰهُ بِنُبُوَّتِهِ. (رواه ابن راهويه في مسنده)

حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ روایت کرتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ فرماتے خود سنا ہے کہ جن ناشائستہ حرکات کا جاہلیت کے لوگ عام طور پر ارادہ کیا کرتے تھے بجز دو مرتبہ کے میرے دل میں کبھی ان کا خطرہ بھی نہیں گزرا اور ان دونوں مرتبہ میں بھی اللہ تعالیٰ نے مجھ کو ان میں شرکت کرنے سے بچا لیا ہے۔ ایک مرتبہ تو ایسا ہوا کہ ایک قریشی نوجوان جو مکہ مکرمہ کی بالائی جانب میں اپنی بکریاں چرایا کرتا تھا وہ میرے ساتھ تھا میں نے اس سے کہا تم ذرا میری بکریوں کی بھی دیکھ بھال رکھنا میں بھی ذرا دوسرے نوجوانوں کی طرح آج مکہ مکرمہ جا کر افسانہ گوئی کے مشغل کا ارادہ کر رہا ہوں۔ اس نے کہا اچھی بات ہے جب میں چلا اور مکہ مکرمہ کی آبادی کے قریب ایک گھر کے نزدیک پہنچا تو میں نے گانے دف اور باجے گاجے کی آوازیں سنیں۔ میں نے پوچھا یہ کیا ہو رہا ہے؟ لوگوں نے کہا فلاں قریشی شخص کا فلاں عورت سے نکاح ہوا ہے۔ میں اس گانے بجانے کے قصہ میں پڑ کر قصہ گوئی کی محفل کی شرکت سے غافل ہو گیا اور اس زور کی نیند آئی کہ پھر دھوپ کی تیزی سے ہی میری آنکھ کھلی۔ میں اپنے رفیق کے پاس لوٹ آیا۔ اس نے پوچھا کہو یہاں سے جا کر تم نے کیا کیا؟ میں نے از اول تا آخر سارا ماجرا اس کو سنا دیا۔ ایک شب پھر میں نے اس سے ایسا ہی کہا وہ راضی ہو گیا اور پھر میں قصہ گوئی کے لیے نکلا پھر مجھے گانے کی آواز آئی اور جیسا شادی کا قصہ مجھ سے پہلے کہا

گیا تھا اس مرتبہ پھر وہی مجھ سے کہا گیا۔ اس قصہ میں تنگ کرتا ہوا کہ پھر ایسا غافل ہو کہ مجھ کو نیند آ گئی حتی کہ دھوپ کی تیزی سے میری آنکھ کھلی۔ جب میں لوٹ کر اپنے رفیق کے پاس آیا تو اس نے مجھ سے پوچھا کہو یہاں سے جا کر تم نے کیا کیا؟ میں نے کہا میں نے تو کچھ بھی نہیں کیا۔ خدا کی قسم اس کے بعد پھر کبھی میں نے کسی ایسی حرکت کا ارادہ نہیں کیا جس کا جاہلیت کے لوگ عادی تھے۔ یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ نے شرف نبوت سے مجھ کو نواز دیا۔ (بیہقی وغیرہ)

تشریح۔ ملکی اور وطنی عادات انسان میں خلقی عادات کی طرح راسخ ہوتی ہیں۔ اگر نزول وحی سے قبل آپ کے قصب میں ان کا ظہور بھی نہ گزرا ہوتا تو یہ قانون فطرت کے خلاف ہوتا لیکن اگر آپ کی سن میں اس طرح قدرت کی کوئی حفاظت ثابت نہ ہوتی تو یہ صفت عصمت کے مناسب نہ ہوتا اس لیے آپ کا ارادہ ہونا بھی ضروری تھا۔ پھر ایسے اسباب بھی سامنے آنے ضروری تھے کہ آپ اس میں شرکت نہ فرما سکیں۔ اچھا اگر فرض کر لو کہ ایسے مواقع پیش ہی آ گئے تھے تو وہ رہ پھر اب تک کیوں ہوا؟ اور اس کے بعد پھر آپ کا قلب مبارک اس خیال سے خالی کیوں ہو گیا؟ جب آپ ان سوالات پر غور کریں گے تو جواب صرف یہ ہو گا کہ صفت عصمت کا تقاضہ یہی تھا۔ پھر یہ بھی غور کرنا چاہیے کہ جس بات کا یہاں ارادہ ہوا تھا اس کی حیثیت کیا تھی؟ صرف ایک افسانہ گوئی کی شرکت۔ یہ کوئی اتنا بڑا جرم نہ تھا۔ ہمارے زمانہ کے لحاظ سے تو یہ اخلاق کی فہرست تک میں شمار نہ ہو سکتا۔ مگر چونکہ نبوت کے پر از صدق وصفا فطرت کو صدق وصفائی کے ماحول میں رکھنا منظور تھا اس لیے فرضی افسانوں سے بھی اس کو دور رکھا گیا اور اس طرح عصمت کے اسباق قدرت خفیہ در خفیہ آپ کو باقدرت کے ضمن ہی میں پڑھاتی رہی۔

حَدَّثَنَا عَمْرُو بْنُ دِيْنَارٍ قَالَ سَمِعْتُ جَابِرَ بْنَ عَبْدِ اللّٰهِ يُحَدِّثُ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كَانَ يَنْقُلُ مَعَهُمُ الْحِجَارَةَ لِلْكَعْبَةِ وَعَلَيْهِ اِزَارُهٗ فَقَالَ لَهُ الْعَبَّاسُ عَمُّهٗ يَا ابْنَ اَخِيْ لَوْ حَلَلْتَ اِزَارَكَ فَجَعَلْتَهٗ عَلٰى مَنْكِبَيْكَ دُوْنَ الْحِجَارَةِ قَالَ فَحَلَّهٗ فَجَعَلَهٗ عَلٰى مَنْكِبَيْهِ فَسَقَطَ مَغْشِيًّا عَلَيْهِ فَمَا رُئِيَ بَعْدَ ذٰلِكَ عُرْيَانًا. (رواہ البخاری)

عمرو بن دینار روایت کرتے ہیں کہ میں نے جابر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو یہ واقعہ بیان کرتے ہوئے خود سنا ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کعبہ کی تعمیر کے لیے دوسرے لوگوں کے ساتھ پتھر ڈھو رہے تھے اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنا تہبند باندھ رکھا تھا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے چچا حضرت عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا عزیز بھتیجے! اگر تم اپنا تہبند کھول کر اپنے کاندھوں پر پتھر کے نیچے رکھ لیتے تو آسانی ہو جاتی۔ ان کے فرمانے پر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے تہبند کھول کر کاندھوں پر ڈال تو لیا مگر اسی وقت آپ صلی اللہ علیہ وسلم بیہوش ہو کر گر گئے۔ دوسرے الفاظ میں یوں ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی آنکھیں اوپر کو چڑھ گئیں اور غیب سے ایک آواز آئی اے محمد! (صلی اللہ علیہ وسلم) ستر ڈھکو وہ دن ہے کہ پھر کبھی آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو برہنہ نہیں دیکھا گیا اور یہ پہلی آواز تھی جو غیب سے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو دی گئی۔ (بخاری شریف)

عَنْ زَيْدِ بْنِ حَارِثَةَ قَالَ كَانَ صَنَمٌ مِنْ نُحَاسٍ يُقَالُ لَهُ اِسَافُ وَنَائِلَةُ يَتَمَسَّحُ بِهِ الْمُشْرِكُوْنَ اِذَا طَافُوْا فَطَافَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَطُفْتُ مَعَهٗ فَلَمَّا مَرَرْتُ بِهٖ مَسَحْتُ بِهٖ فَقَالَ

رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ لَا تَمَسَّہٗ قَالَ زَیْدٌ فَطُفْنَا فَقُلْتُ فِیْ نَفْسِیْ لَاَمَسَّنَّہٗ حَتّٰی اَنْظُرَ مَا یَکُوْنُ فَمَسَحْتُہٗ فَقَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ اَلَمْ تُنْہَ قال البیہقی زاد غیرہ عن محمد بن عمرو باسنادہ قال زید فوالذی اکرمہ و انزل علیہ الکتاب ما استلم صنما قط حتی اکرمہ اللہ تعالی بالذی اکرمہ وانزل علیہ.

زید بن حارثہ بیان کرتے ہیں کہ (مکہ مکرمہ میں) تانبے کا ایک بت تھا جس کو لوگ: اساف و نائلہ کہتے تھے۔ مشرک جب طواف کرتے تو تبرکا اس کو ہاتھ لگایا کرتے تھے۔ ایک مرتبہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے طواف کیا تو میں نے بھی آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ طواف کیا جب میں اس بت کے پاس سے گزرا تو حسب دستور میں نے بھی اس کو ہاتھ لگایا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اس کو ہاتھ نہ لگاؤ۔ زید کہتے ہیں میں نے اپنے دل میں کہا میں ضرور ہاتھ لگا کر رہوں گا۔ دیکھوں تو کیا ہوتا ہے چنانچہ میں نے اس کو ہاتھ لگا دیا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: باز نہیں آؤ گے۔ بیہقی کہتے ہیں بعض راویوں نے اس روایت میں اتنا اضافہ اور کیا ہے کہ زید کہتے ہیں اس ذات کی قسم جس نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو نبوت سے سرفراز کیا اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم پر قرآن نازل فرمایا، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے کبھی کسی بت کو نبوت سے قبل بھی ہاتھ نہیں لگایا یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو نبوت سے نوازا اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم پر قرآن کریم نازل فرمایا۔ (دلائل کذا فی البدایۃ والنہایۃ)

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی شان عصمت

عَنْ اِبْنِ مَسْعُوْدٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ مَا مِنْکُمْ مِّنْ اَحَدٍ اِلَّا وَقَدْ وُکِّلَ اللّٰہُ بِہٖ قَرِیْنَہٗ مِنَ الْجِنِّ وَقَرِیْنَہٗ مِنَ الْمَلٰٓئِکَۃِ قَالُوْا وَاِیَّاکَ یَا رَسُوْلَ اللّٰہِ قَالَ وَاِیَّایَ وَلٰکِنَّ اللّٰہَ اَعَانَنِیْ عَلَیْہِ فَاَسْلَمَ فَلَا یَاْمُرُنِیْ اِلَّا بِخَیْرٍ. (رواہ مسلم)

ابن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے تم میں سے ہر شخص پر اللہ تعالیٰ نے دو قسم کے مقرر فرمائے ہیں جو اس کے ساتھ رہتے ہیں ایک جن دوسرا فرشتہ۔ لوگوں نے دریافت کیا یا رسول اللہ! (صلی اللہ علیہ وسلم) کیا یہ دونوں تو تیں آپ کے ساتھ بھی ہیں؟ فرمایا جی ہاں میرے ساتھ بھی ہیں لیکن شر کی قوت کے مقابلہ میں اللہ تعالیٰ نے میری مدد فرمائی ہے اس لیے میں اس کے فریب سے محفوظ رہتا ہوں مجھ کو وہ بھی بھلائی ہی کا مشورہ دیتی ہے۔ (مسلم شریف)

عَنْ جَابِرٍ قَالَ وَرُبَّمَا سَأَلْتُ عَنْ جَابِرٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ لَا تَدْخُلُوْا عَلَی الْمُغِیْبَاتِ فَاِنَّ الشَّیْطَانَ یَجْرِیْ وَرُبَّمَا قَالَ یَسْلُکُ الشَّیْطَانُ مِنْ اِبْنِ اٰدَمَ مَجْرَی الدَّمِ قَالُوْا وَمِنْکَ قَالَ نَعَمْ وَلٰکِنَّ اللّٰہَ اَعَانَنِیْ عَلَیْہِ فَاَسْلَمَ. (رواہ الدارمی، راجع ترجمان السنۃ ص ٤٤٣ ج ٢)

جابر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے وہ کہتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا ہے جن عورتوں کے شوہر گھر میں نہ ہوں کہیں باہر سفر میں چلے گئے ہوں ان کے پاس نہ جایا کرو کیونکہ شیطان انسان میں اس طرح گھوم جاتا ہے جیسا خون رگوں میں۔ لوگوں نے عرض کیا یا رسول اللہ! (صلی اللہ علیہ وسلم) کیا آپ کے لیے بھی شیطان ہے؟ فرمایا جی ہاں مگر اللہ تعالیٰ

نے اس کے مقابلہ میں میری مدد فرمائی ہے تو وہ میرے سامنے جھک چکا ہے۔ (دارمی)

عَنْ عَائِشَةَ أَنَّهُ قِيلَ لِلنَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِنَّا نَتَخَوَّفُ أَنْ يَكُونَ بِكَ ذَاتُ الْجَنْبِ قَالَ إِنَّهَا مِنَ الشَّيْطَانِ وَمَا كَانَ اللّٰهُ لِيُسَلِّطَهُ عَلَيَّ. (رواہ ابن اسحاق)

حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا بیان فرماتی ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی علالت میں کسی نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے کہا ہمیں اندیشہ ہے آپ کو کہیں ذات الجنب کی بیماری تو نہ ہو؟ آپ نے فرمایا یہ بیماری شیطانی اثر ہے اور ایسا نہیں ہو سکتا کہ شیطان کو اللہ تعالیٰ میرے اوپر مسلط فرما دے۔ (خصائص)

عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ قَالَ مَا احْتَلَمَ نَبِيٌّ قَطُّ وَإِنَّمَا الْاِحْتِلَامُ مِنَ الشَّيْطَانِ. (رواہ الطبرانی کما فی الخصائص)

ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ روایت فرماتے ہیں کہ کسی نبی کو کبھی احتلام نہیں ہوا کیونکہ اس کا منشا شیطانی خواب ہوتا ہے۔ (طبرانی)

تشریح۔ احتلام کی عام صورت قوت شہوانیہ کا انبعاث ہی ہوا کرتا ہے اسی لیے اس قسم کے اسباب کی قلت و کثرت سے احتلام میں بھی قلت و کثرت پیدا ہو جاتی ہے لیکن کبھی اوعیہ منی کے پُر ہو جانے سے بھی احتلام ہو جاتا ہے۔ جب اوعیہ منی پُر ہو جاتا ہے تو طبعی طور پر وہ خارج ہو جاتا ہے۔ بظاہر اس قسم کے احتلام کی صورت یہاں بھی ممکن ہے۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

بہر حال ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی اس تفصیل سے آپ کو اس کا تو کچھ نہ کچھ اندازہ ہوا ہوگا کہ انبیاء علیہم السلام کی فطرت کو شیاطین سے کتنا بعد ہوتا ہے کہ طبعی عوارض جیسے احتلام و مرض وغیرہ میں بھی شیطان کے اثرات سے کتنے دور ہوتے ہیں۔ سونے کی حالت میں عام بشر کے حواس معطل ہوتے ہیں لیکن انبیاء علیہم السلام اس حالت میں اتنے بیدار رہتے ہیں کہ اس حالت میں بھی ان کے باطنی احساسات معطل نہیں ہوتے۔

قَالَتْ عَائِشَةُ لَدَدْنَاهُ فِي مَرَضِهِ فَجَعَلَ يُشِيرُ إِلَيْنَا أَنْ لَا تَلُدُّونِي فَقُلْنَا كَرَاهِيَةُ الْمَرِيضِ لِلدَّوَاءِ فَلَمَّا أَفَاقَ قَالَ أَلَمْ أَنْهَكُمْ أَنْ تَلُدُّونِي قُلْنَا كَرَاهِيَةُ الْمَرِيضِ لِلدَّوَاءِ فَقَالَ لَا يَبْقَى أَحَدٌ فِي الْبَيْتِ إِلَّا لُدَّ وَأَنَا أَنْظُرُ إِلَّا الْعَبَّاسَ فَإِنَّهُ لَمْ يَشْهَدْكُمْ. (رواہ البخاری)

حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا روایت فرماتی ہیں کہ ہم نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو آپ کے مرض الموت میں دواء اللدود استعمال کرانے کا ارادہ کیا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اشارہ سے منع فرما دیا "مجھ کو یہ دوا مت دینا" ہم نے اپنے دل میں کہا کہ مریض تو دواء کے استعمال سے گھبرایا ہی کرتا ہے جب آپ کو غفلت سے ذرا ہوش آیا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا "کیا میں نے تم کو لدود کے استعمال سے منع نہیں کیا تھا" ہم نے عذر کیا کہ غلطی سے ہم نے یہ سوچا کہ مریض دواء کا استعمال پسند نہیں کرتے" بس پر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے حکم دیا کہ گھر والوں میں جو جو اس میں شریک ہو سب کو یہ دواء استعمال کرائی جائے۔ بجز عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے کیونکہ وہ اس وقت موجود نہ تھے۔ (بخاری شریف)

تشریح۔ "لدود" اس دواء کو کہتے ہیں جو مریض کے منہ میں ڈالی جائے جیسا کہ "سعوط" وہ دواء ہے جو ناک میں ڈالی جائے۔ انبیاء علیہم السلام جو حکم دیتے ہیں وہ سب واجب التعمیل ہوتے ہیں خواہ وہ غصہ کی حالت میں ہوں یا رضاء کی، مرض کی حالت

سے ہوں یا صحت کی ان کی یہ حکم عدولی بھی بلا عذر حکم عدولی کی طرح قابل مواخذہ ہوتی ہے اس میں ذرا سا پس و پیش کرنا بھی غلطی ہے اور اس کی نحوست کے درپے ہونا بھی اپنے حدود سے تجاوز کرنا ہے۔ مذکورہ بالا واقعہ میں اہمیت یوں پیدا ہو گئی تھی کہ آپ کی ذاتی طویل مدت انہام و تفہیم کے بعد بالخصوص آپ کے آخری لمحات حیات میں اس قسم کی غلطی نہ ہونی چاہیے تھی۔ عام انسانوں میں بھی آخر وقت کا مرض نازک سمجھا جاتا ہے اور نبی کے معاملہ میں تو نزاکت کا ایک خطرناک پہلو اور بھی ہوتا ہے وہ یہ کہ صریح حکم کے بعد اس کی حکم عدولی کبھی کبھی انتقام الٰہی کا سبب بن جاتی ہے اس لیے آپ کی شفقت نے تقاضا کیا کہ اس کے انتقام کا تکفل خود فرمالیں تاکہ آئندہ غیرت خداوندی خود اس کا انتقام نہ لے۔ کوئی شبہ نہیں کہ صریح ممانعت کے بعد ”لدود“ کا استعمال کرنا بڑی فروگذاشت تھی مگر یہ اسی قسم کی فروگذاشت تھی جیسا کہ ابوالبشر سے ایک بار ہو چکی تھی۔ وہ بھی ممانعت کے باوجود شجرۂ ممنوعہ استعمال کر بیٹھے اور صحابہ نے بھی ”لدود“ کے استعمال میں غلط قدم اٹھایا۔ شان عفو نے گو ہر دو مقامات میں درگزر کردیا مگر دونوں جگہ اس کو کچھ نہ کچھ خمیازہ بھگتنا ہی پڑا۔

ابن سعد کی ایک روایت سے معلوم ہوتا ہے کہ ذات الجنب میں جو عام طور پر ”لدود“ مفید سمجھا جاتا تھا مگر اس کی ایک قسم وہ بھی ہے جو شیطان کی ایذاء سے پیدا ہوتی ہے اب کسی نبی کے آخری لمحات میں کوئی حرکت یہی تو ہوسکتی جس سے کسی کو یہ وہم گزرنے کا موقع پیدا ہو کہ خدا کا رسول بھی سطوت شیطانی کے زیر اثر آسکتا ہے۔ یقیناً ایک بڑی مہلک غلطی تھی اس لیے آپ کی نظر میں اس کی اہمیت اور بڑھ گئی تھی اور اس لیے آپ نے چاہا کہ جس طرح حالت مرض میں بے وجہ آپ کو ”لدود“ استعمال کرایا گیا اسی طرح ان کو بھی بے وجہ ”لدود“ استعمال کرا کے ان سے جرم کو ہلکا کردیا جائے۔ سبحان اللہ خدا کے رسول کی عظمت اور اس کے عقول و عمل شاید کیسی نرالی ہوتی ہیں۔ اب اندازہ فرمالیجئے کہ جن کے متعلق شیطان کے ہاتھ سے قتل کا تصور بھی جرم ہو ان کے حق میں کیا معصیت کا تصور درست ہوسکتا ہے۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی معصوم شکل بننے سے شیطانوں کا عاجز رہنا

عَنْ اَبِیْ ھُرَیْرَۃَ عَنِ النَّبِیِّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ قَالَ سَمُّوْا بِاسْمِیْ وَلَا تَکْتَنُوْا بِکُنْیَتِیْ وَمَنْ رَاٰنِیْ فِی الْمَنَامِ فَقَدْ رَاٰنِیْ فَاِنَّ الشَّیْطَانَ لَا یَتَمَثَّلُ فِیْ صُوْرَتِیْ وَمَنْ کَذَبَ عَلَیَّ مُتَعَمِّدًا فَلْیَتَبَوَّاْ مَقْعَدَہٗ مِنَ النَّارِ۔ (رواہ البخاری فی کتاب العلم)

ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کرتے ہیں کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے میرا نام شوق سے رکھا کرو مگر میری کنیت نہ رکھا کرو جس شخص نے مجھ کو خواب کی حالت میں دیکھا بلاشبہ اس نے مجھ کو ہی دیکھا کیونکہ شیطان میری صورت نہیں بن سکتا اور جس نے جان کر مجھ پر جھوٹ باندھا اس کو چاہیے کہ اپنا ٹھکانہ دوزخ میں تیار کرلے۔ (بخاری شریف)

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے بعض صحابہ کا شیطانوں پر خوف اور ڈر

عَنْ عَائِشَۃَ قَالَتْ کَانَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ جَالِسًا فَسَمِعْنَا لَغَطًا وَصَوْتَ صِبْیَانٍ فَقَامَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ فَاِذَا حَبَشِیَّۃٌ تَزْفِنُ وَالصِّبْیَانُ حَوْلَھَا فَقَالَ یَا عَائِشَۃُ تَعَالَیْ

فَانْظُرِي فَجِئْتُ فَوَضَعْتُ لَحْيِي عَلَى مَنْكِبِ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَجَعَلْتُ اَنْظُرُ اِلَيْهَا مَا بَيْنَ الْمَنْكِبِ اِلٰى رَأْسِهٖ فَقَالَ لِيْ اَمَا شَبِعْتِ اَمَا شَبِعْتِ فَجَعَلْتُ اَقُوْلُ لَا لِاَنْظُرَ مَنْزِلَتِيْ عِنْدَهٗ اِذْ طَلَعَ عُمَرُ فَارْفَضَّ النَّاسُ عَنْهَا فَقَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اِنِّيْ لَاَنْظُرُ اِلٰى شَيَاطِيْنِ الْجِنِّ وَالْاِنْسِ قَدْ فَرُّوْا مِنْ عُمَرَ قَالَ فَرَجَعْتُ. (رواه الترمذي وقال هذا حديث حسن غريب صحيح)

حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا فرماتی ہیں کہ ایک مرتبہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تشریف فرما تھے کہ اچانک ہم نے کچھ شور اور بچوں کے شور کی آواز سنی آپ صلی اللہ علیہ وسلم آواز سن کر اٹھے کیا دیکھتے ہیں کہ ایک حبشی عورت ہے جو اچھل کود رہی ہے اور بچے ہیں کہ اس کے ارد گرد جمع ہیں آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا عائشہ! آؤ تم بھی دیکھو۔ میں گئی اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے کاندھے اور سر مبارک کے درمیان اپنا چہرہ رکھ کر اس کو دیکھنے لگی (کچھ دیر کے بعد) آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ابھی تمہارا دل نہیں بھرا ابھی تمہارا دل نہیں بھرا؟ میں یہی کہتی رہی ابھی نہیں۔ میرا مقصد یہ تھا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے قلب میں اپنی قدر و منزلت کا اندازہ لگاؤں (کہ میری خاطر کب تک تکلیف گوارا فرماتے ہیں) اتنے میں حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ آ نکلے۔ ان کا آنا تھا کہ جتنے لوگ وہاں تھے سب اس کو چھوڑ کر ادھر ادھر بھاگ گئے۔ پس رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا میں دیکھ رہا ہوں کہ عمر کے خوف سے شیطانی فطرت کے انسان اور جنات سب بھاگ گئے اس کے بعد میں وہاں سے لوٹ کر اپنے کمرہ میں آ گئی۔ (ترمذی شریف)

تشریح۔ ایک سیاہ فام حبشی عورت کا اس وقت عرب کے عام دستور کے مطابق اتفاق آ نکلنا اور بچوں کا اس کے ارد گرد جمع ہو جانا کوئی غیر معمولی بات نہ تھی مگر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ خلق کریم کہ ایک نو عمر بی بی کی خاطر جن کی فطرت کو بچپن کی دلچسپیوں سے بھی پوری طرح آزادی حاصل نہیں ہوئی تھی خود بلا کر پاس کھڑا کرنا کتنی غیر معمولی بات تھی۔ پھر اس نو عمری میں فیض نبوت سے منور بی بی کو اولوالعزمی بھی کتنی قابل داد تھی کہ اس ماحول میں ان کو اُدھر زیادہ التفات نہ تھا۔ ساری فکر تھی تو یہ کہ سرور دو جہاں صلی اللہ علیہ وسلم کے دل میں ان کے لیے جگہ کتنی ہے۔

یہاں جو بات زیادہ قابل توجہ ہے وہ یہ ہے کہ رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم کے دامن اقدس سے وابستہ ہو جانے کے بعد عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی فطرت میں کمالات نبوت کا کیسا انعکاس ہوا تھا کہ ان کے سایہ سے بھی شیطان اور منافق لرزاں رہنے لگے تھے۔ یہ وہی عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ ہیں جن سے کبھی شیاطین کھیلا کرتے تھے اور آپ کے زیر سایہ آ جانے کے بعد اب یہ وہی ہیں جن سے شیطان اس طرح ڈرتے پھرتے ہیں کہ جس راستہ سے عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نکل جائیں شیاطین وہ راستہ ہی چھوڑ دیا کرتے تھے۔

یہ بات اچھی طرح سمجھ لینی چاہیے کہ مباحات کا آخری درجہ محرمات کی ابتدائی سرحد کے پاس لگا ہوا ہے اس لیے ایک حدیث میں تنبیہ دے کر اس کی تعلیم یوں کی گئی ہے کہ محرمات سے بچنے کا راستہ صرف یہ ہے کہ ان کے خطرہ سے بعض ایسی مباحات بھی جو محرمات کی سرحد سے ملتے ہوں ترک کر دیے جائیں۔ جیسا ایک چرواہے کے لیے لازم ہے کہ وہ اپنے جانوروں کو خاص شاہی چراگاہوں سے دور دور چرائے ورنہ ایک دن اس کے جانور یقیناً شاہی جنگل میں بھی منہ ڈال کر رہیں گے۔ اسی طرح ایک حبشیہ عورت کا جو غالباً مسلمان نہ تھی آ نکلنا اور ایسی حرکات کرتا جو اگر ذرا بڑھ جائیں تو حرام کی زد میں بھی آ سکتی تھیں۔ ان

مباحات میں داخل تھا جو حرام کی سرحد سے بالکل متصل ہوتے ہیں۔ یہ شیاطین کے لیے سب سے زیادہ دلچسپی کا محل ہوتا ہے ان
کی سعی ہوتی ہے کہ کسی طرح ضعیف انسان کا قدم یہاں ذرا لغزش کھا جائے تو اس کو حرام میں گھسیٹ لیں۔ یہ منظر عوام کی نظروں
میں تو ضرور دلچسپی کا منظر ہوتا ہے لیکن انبیاء علیہم السلام کی نظروں میں انسان کے لیے ابتلاء و آزمائش کا نازک مقام ہوتا ہے ان کی
شان دوسری ہوتی ہے اگر وہ یہاں ممانعت کا لفظ زبان سے نکالتے ہیں تو اسی وقت وہ مباح اپنے درجہ سے نکل کر حرام کی فہرست
میں داخل ہوتا ہے مگر یہاں یہ منظور نہیں ہوتا جو رسول ہر قسم کی طبیعت اور جمیع نوع بشری کے لیے رسول بن کر آئے اول وہ چاہتے
تھے کہ امت کے کمزوروں کے لیے مباحات کا دائرہ جس حد تک بھی وسیع رہ سکتا ہے وسیع رہے تنبیہ و ترہیب کے ذریعہ ان کو اس
کے ارتکاب سے روک دیا جائے۔ چنانچہ طلاق ایک ایسی چیز ہے جس کی ضرورت کسی ناگزیر صورت پر پیش آ جاتی ہے اس لیے اس
کی اجازت دیے بغیر بھی چارہ نہیں تھا مگر یہ بھی ضروری تھا کہ اس کے ناپسندیدہ ہونے کا اظہار بھی کر دیا جائے اس لیے یوں
ارشاد فرمایا گیا "ابغض المباحات عند الله الطلاق" مباحات کی فہرست میں جو بات نظر ربوبیت میں سب سے زیادہ
ناپسندیدہ ہے وہ طلاق ہے۔ جو لوگ یہ کہتے ہیں کہ اسلام میں عورت کا کوئی مقام ہی نہیں ہے یا طلاق کوئی منصفانہ آئین نہیں وہ
ذرا آنکھ کھول کر ان باتوں کو بھی سامنے رکھیں۔ یہاں ایک حبشیہ عورت کو روکنا تو مناسب تھا مگر یہ ممانعت بذریعہ عمر ہی مناسب
تھی۔ آخر عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ میں یہ جذبات کہاں سے پیدا ہوئے اور اس فعل کے مذموم ہونے کی خبر بچوں تک کو کس نے دی جو
عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو دیکھتے ہی بھاگ پڑے۔ ظاہر ہے کہ یہ سب کچھ فیض نبوت ہی تھا مگر رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اگر کہیں
براہ راست اس کی ممانعت فرما دیتے تو پھر یہ ممانعت صرف ایک مصلحت نہ رہتی بلکہ مسئلہ بن جاتا اور مباحات کی فہرست سے نکل
کر محرمات میں داخل ہو جاتا۔ آئندہ عنقریب ایک دوسرا واقعہ بھی آپ کے سامنے آنے والا ہے جس میں عید کے دن لڑکیوں
نے جنگی اشعار وہ بھی اپنے گھر کے اندر پڑھے تھے تو صدیق اکبر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اس کو بھی ناپسندیدگی کی نظر سے دیکھا اور
ان کو جھڑک کر منع بھی فرما دیا مگر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم تھے کہ وہ اس موقع پر خاموش تھے۔

عَنْ بُرَيْدَةَ قَالَ خَرَجَ رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فِي بَعْضِ مَغَازِيهِ فَلَمَّا انْصَرَفَ
جَاءَتْ جَارِيَةٌ سَوْدَاءُ فَقَالَتْ يَا رَسُولَ اللّٰهِ إِنِّي كُنْتُ نَذَرْتُ إِنْ رَدَّكَ اللّٰهُ صَالِحًا أَنْ أَضْرِبَ
بَيْنَ يَدَيْكَ بِالدُّفِّ وَأَتَغَنَّى فَقَالَ لَهَا رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِنْ كُنْتِ نَذَرْتِ
فَاضْرِبِي وَإِلَّا فَلَا فَجَعَلَتْ تَضْرِبُ فَدَخَلَ أَبُو بَكْرٍ وَهِيَ تَضْرِبُ ثُمَّ دَخَلَ عَلِيٌّ وَهِيَ تَضْرِبُ ثُمَّ
دَخَلَ عُثْمَانُ وَهِيَ تَضْرِبُ ثُمَّ دَخَلَ عُمَرُ فَأَلْقَتِ الدُّفَّ تَحْتَ إِسْتِهَا ثُمَّ قَعَدَتْ عَلَيْهَا فَقَالَ
رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِنَّ الشَّيْطَانَ لَيَخَافُ مِنْكَ يَا عُمَرُ إِنِّي كُنْتُ جَالِسًا وَهِيَ
تَضْرِبُ فَدَخَلَ أَبُو بَكْرٍ وَهِيَ تَضْرِبُ ثُمَّ دَخَلَ عَلِيٌّ وَهِيَ تَضْرِبُ ثُمَّ دَخَلَ عُثْمَانُ وَهِيَ تَضْرِبُ
فَلَمَّا دَخَلْتَ أَنْتَ يَا عُمَرُ أَلْقَتِ الدُّفَّ. (رواہ الترمذی وقال هذا حديث حسن صحيح غريب)

بریدہ روایت کرتے ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کسی غزوہ کے لیے باہر تشریف لے گئے تھے۔ جب صحیح وسلامت واپس تشریف لے آئے تو ایک سیاہ فام باندی حاضر ہوئی اور کہنے لگی یا رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم) میں نے یہ منت مان رکھی تھی کہ اگر اللہ تعالیٰ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو صحیح وسالم واپس لے آیا تو میں اس کی خوشی میں آپ کے سامنے دف بجاؤں گی۔ آپ نے اس سے فرمایا اگر تو نے یہ منت مانی تھی تو پھر اس کو پورا کر لے ورنہ نہیں۔ اس پر وہ دف بجانے لگی۔ اتنے میں ابوبکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ آ گئے وہ دف بجاتی رہی پھر علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ آئے وہ اسی طرح دف بجاتی رہی پھر عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ آئے تو بھی وہ اسی طرح دف بجاتی رہی۔ اس کے بعد عمر آئے تو فوراً دف نیچے ڈال کر اس پر بیٹھ گئی۔ یہ دیکھ کر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اے عمر تم سے شیطان بھی ڈرتا ہے میں بیٹھا ہوا تھا تو بھی یہ لونڈی دف بجاتی رہی جب ابوبکر آئے تو بھی یہ بجاتی رہی پھر علی آئے تو بھی بجاتی رہی پھر عثمان آئے تو بھی یہ بجاتی رہی پھر جب اے عمر تم آئے تو (تم کو دیکھ کر) اس نے دف ڈال دیا۔ (ترمذی شریف)

تشریح۔ قدیم زمانہ میں مسرت اور خوشی کے موقع پر دف بجانے کا بڑا اہتمام تھا۔ دف لکڑی کا بنا ہوا ایک گول دائرہ ہوتا ہے جس کے صرف ایک طرف چمڑا چڑھا ہوا ہوتا ہے۔ اس میں آواز تو ضرور ہوتی ہے مگر بالکل بے کیف۔ حافظ ابن کثیر رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں:

ان مریم اخت موسیٰ و ھارون ضربت بالدف یوم نجا اللہ موسیٰ و قومه و اغرق فرعون وملاه (البدایة والنهایة ص ۲۷۶ ج ۲)

"حضرت مریم نے جو موسیٰ اور ہارون علیہما السلام کی ہمشیرہ تھیں اس دن خوشی میں دف بجایا تھا جس دن کہ اللہ تعالیٰ نے موسیٰ علیہ السلام اور ان کی قوم کو نجات عطا فرمائی تھی اور فرعون اور اس کے لشکر کو غرق کر دیا تھا۔"

غالباً اسی سنت کے مطابق اس جاریہ نے بھی آپ کی بعافیت واپسی پر یہ خوشی منائی ہوگی۔ چونکہ آپ کی بعافیت واپسی کی خوشی منانا ایک شرعی خوشی تھی اس لیے اس کی نذر ماننی بھی درست تھی۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کی اجازت دے دی مگر دل نخواستہ اور صاف واضح کر دیا کہ اگر یہ نذر نہ کی ہوتی تو پھر اس کی بھی اجازت نہ دی جاتی۔ اب رہے ڈھول اور دیگر مزامیر تو شریعت میں ان کی کوئی اصل نہیں۔ کفار کے یہاں باجوں کو عبادت کی حیثیت حاصل ہو تو ہو مگر ہمارے شریعت اسلام میں اس کا کوئی وجود نہیں جہاں آپ کے بعض اصحاب سے شیطان کے خوف وخشیت کا عالم یہ ہو وہاں براہ راست آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے اس کی مقہوریت کا عالم کیا ہوگا۔ پھر جب ماحول ہی شیطانی اثرات سے پاک وصاف ہو جائے تو اس میں معصیتوں کا وجود بھی شاذ ونادر ہوتا ہوگا۔ انبیاء علیہم السلام صرف اپنی ذات ہی میں معصوم نہیں ہوتے بلکہ جس ماحول میں وہ ہوتے ہیں اس میں بھی ان کی عصمت کے اثرات پھیلے ہوتے ہیں اور اگر اس ماحول میں اصلاح پذیری کی کوئی صلاحیت نہیں ہوتی تو پھر اس کا نتیجہ ہلاکت اور قوم کی تباہی کی صورت میں نظر آ جاتا ہے۔

آپ کے خاص محل بعثت میں شیطان کی مایوسی

عَنْ جَابِرٍ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِنَّ الشَّيْطَانَ قَدْ أَيِسَ مِنْ أَنْ يَعْبُدَهُ الْمُصَلُّونَ فِي جَزِيرَةِ الْعَرَبِ وَلَكِنْ فِي التَّحْرِيشِ بَيْنَهُمْ۔ (رواہ مسلم)

جابر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے شیطان اس بات سے تو بالکل

مایوس ہو چکا ہے کہ نمازی لوگ بھی کبھی آئندہ جزیرۃ العرب میں اس کی عبادت کریں گے اس لیے اب وہ صرف ایک دوسرے کو بھڑکانے پر ہی راضی ہو گیا ہے۔ (مسلم)

تشریح: حدیثوں میں مستقبل کے متعلق جو خبریں دی جاتی ہیں ان میں جو جو قیدیں مذکور ہوں وہ نظر انداز نہیں کرنی چاہئیں۔ یہاں حدیث میں سب سے پہلے تو جزیرۂ عرب کی تخصیص ہے کیونکہ یہی جزیرہ آپ کی بعثت کا سب سے پہلا مقام تھا پھر اس میں بھی جس طبقہ کے متعلق خبر دی گئی ہے وہ نمازی لوگوں کا طبقہ ہے۔ پھر جس بات سے مایوسی کی خبر دی گئی ہے وہ نمازی طبقہ کی بت پرستی کرنا ہے اور یہ خبر بھی ہے ان الفاظ سے نہیں دی گئی کہ ان میں کوئی بت پرستی نہیں کرے گا بلکہ صرف شیطان کی نا امیدی کا ذکر ہے۔ اس بنا پر سب حدیث کا حاصل یہ ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی شان رفیع تو بہت بلند ہے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی عصمت کا اثر آپ کے خاص مقام بعثت پر بھی اتنا گہرا پڑ چکا تھا کہ شیطان بھی وہاں کے خاص بندوں پر اپنی کامیابی سے ہمیشہ کے لیے مایوس ہو چکا تھا۔ الحمدللہ العزیز کہ آپ کی یہ پیشین گوئی حرف حرف آج تک آفتاب درخشاں کی طرح روشن ہے۔ عرب کے ناخواندہ لوگ جو پشت ہا پشت سے بت پرستی کے عادی تھے اسلام کے بعد آج تک بت پرستی سے ایسے متنفر ہیں کہ دوسرے مقامات کے خواندہ بھی اتنے متنفر نہ ہوں گے ان کے تعلیم یافتہ پھر نمازیوں کا تو ذکر ہی کیا ہے۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی فطرت سلیمہ کی پاکیزگی

عَنْ شَبِيبِ بْنِ أَبِي رَوْحٍ عَنْ رَجُلٍ مِنْ أَصْحَابِ رَسُولِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَنَّ رَسُولَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ صَلَّى صَلٰوةَ الصُّبْحِ فَقَرَأَ الرُّوْمَ فَالْتَبَسَ عَلَيْهِ فَلَمَّا صَلّٰى قَالَ مَا بَالُ أَقْوَامٍ يُصَلُّوْنَ مَعَنَا لَا يُحْسِنُوْنَ الطُّهُوْرَ وَإِنَّمَا يَلْبِسُ عَلَيْنَا الْقُرْاٰنَ أُولٰٓئِكَ (رواه النسائي)

شبیب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ایک صحابی سے نقل کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک مرتبہ صبح کی نماز پڑھائی اور اس میں سورۂ روم پڑھی۔ آپ اس میں بھولنے لگے۔ جب نماز سے فارغ ہوئے تو فرمایا لوگوں کا بھی یہ حال ہے کہ نماز تو ہمارے ساتھ پڑھتے ہیں اور پھر وضو ٹھیک طور سے نہیں کرتے یہی لوگ ہیں جو ہم سے قرآن پڑھنے میں رکاوٹ کا باعث بن جاتے ہیں۔ (نسائی شریف)

تشریح: حدیث مذکور میں جس امر کی شکایت کی جا رہی ہے وہ بے وضو نماز ادا کرنے کی نہیں بلکہ نا تمام وضو کرنے کی شکایت ہے مگر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی فطرت کا تقدس تو دیکھئے کہ دوسروں کا قصور بھی آپ پر کس درجہ بار عظیم بن رہا ہے۔ حتیٰ کہ آپ کی قرأت قرآن میں بھی خلل کا باعث بن گیا ہے۔ پس جب دوسروں کا قصور آپ کی فطرت کے لیے اتنا بار ہو تو سوچئے کہ کیا براہ راست قصور کی یہاں کوئی گنجائش نکل سکتی ہے۔ معصیت کا تو ذکر ہی کیا ہے۔

عَنْ عَائِشَةَ قَالَتْ صَلّٰى رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فِيْ خَمِيْصَةٍ لَهَا أَعْلَامٌ فَنَظَرَ إِلٰى أَعْلَامِهَا نَظْرَةً فَلَمَّا انْصَرَفَ قَالَ اذْهَبُوْا بِخَمِيْصَتِيْ هٰذِهٖ إِلٰى أَبِيْ جَهْمٍ وَأْتُوْنِيْ بِأَنْبِجَانِيَّةِ أَبِيْ جَهْمٍ فَإِنَّهَا أَلْهَتْنِيْ آنِفًا عَنْ صَلٰوتِيْ (متفق علیہ و فی روایۃ للبخاری)

حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا فرماتی ہیں کہ ایک مرتبہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک نقشین کملی میں نماز

ادا کی۔ نماز کی حالت میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی نظر ذرا اس کے پھولوں پر جا پڑی، جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم نماز سے فارغ ہو گئے تو فرمایا اس کملی کو تو ابوجہم (ایک صحابی کی کنیت ہے) کو جا کر دے دو اور ان کی وہ موٹی کملی مجھے لا دو، اس نے تو مجھے ابھی میری نماز سے بھی غافل کر دیا ہوتا۔ دوسری روایت کے الفاظ یہ ہیں، میں نے اس کے پھولوں کو دیکھا تو قریب تھا کہ میری نماز کی حضوری میں فرق پڑ جاتا۔ (بخاری شریف)

تشریح۔ پھول دار کملی کوئی ناجائز لباس نہیں، پھر معمولی سے پھول کی حیثیت ہی کیا تھی مگر اللہ رے نبی کی فطرت جہاں حضوری میں کسی ادنیٰ سی چیز کے حائل ہونے کا خطرہ بھی پیدا ہو سکتا ہے وہ بھی اس کو برداشت نہیں۔ سوچو کہ ایسی بلند فطرت سے کیا کسی ادنیٰ سی معصیت کا صدور ممکن ہے۔ علماء کو یہاں ایک اشکال یہ ہے کہ جب یہ چادر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے لیے ناموزوں سمجھ کر اتار دی تو پھر اس کو ابوجہم کے لیے کیسے پسند فرمایا؟ جو جواب ان حضرات نے دیئے ہیں وہ تو اپنی جگہ دیکھ لیے جائیں۔ ہمارے نزدیک تو نبی کی شان وہ ہے کہ جس کو وہ غفلت کے اندیشہ سے تعبیر کرتا ہے اگر وہ دوسروں کو میسر آ جائے تو ان کی ہزاروں حضوریوں سے بھی بلند تر ہوگی۔ پس ابوجہم اس کو پہن کر شوق سے نماز پڑھیں بلکہ اس سے بھی بیش قیمت ہو وہ پہن لیں، کوئی مضائقہ نہیں ہے۔ ان کے مرتبہ کی حضوری پھر تام رہ سکتی ہے مگر نبی کی حضوری کا اندازہ کس کو ہو سکتا ہے جس کو معمولی ایک پھول سے بھی اپنی حضوری میں خلل کا خطرہ ہو جاتا ہو، سچ ہے ...... جن کے رتبے ہیں سوا ان کی سوا مشکل ہے۔

یاد رکھئے حدیث میں اندیشہ خطا تصریح کے ساتھ موجود ہے یہ نہیں ہے کہ اس نے کوئی اثر پیدا بھی کر دیا تھا۔ اگر انبیاء علیہم السلام کسی ادنیٰ لغزش کے خطرہ سے بھی اتنے خائف رہتے ہیں تو ان کی عصمت کا ثبوت ہمارے سامنے اس درجہ بدیہی کیسے ہو۔ یہی خوف و خشیت ان کی عصمت کا سب سے بڑا ثبوت ہے۔

عَنْ عُقْبَةَ بْنِ عَامِرٍ قَالَ أُهْدِيَ لِرَسُولِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَرُّوْجُ حَرِيْرٍ فَلَبِسَهُ ثُمَّ صَلّٰى فِيْهِ ثُمَّ انْصَرَفَ فَنَزَعَهُ نَزْعًا شَدِيْدًا كَالْكَارِهِ لَهُ ثُمَّ قَالَ لَا يَنْبَغِيْ هٰذَا لِلْمُتَّقِيْنَ. (متفق علیہ)

عقبہ بن عامر روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں ایک ریشمین قباء ہدیۃً پیش کیا گیا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کو پہنا اور اس کو پہنے ہوئے نماز ادا فرمائی۔ جب نماز سے فارغ ہو گئے تو بڑی نفرت کے انداز میں اس کو اتار پھینکا اور فرمایا یہ لباس متقیوں کے شایان شان نہیں۔ (متفق علیہ)

تشریح۔ ریشم کا استعمال اس وقت تک درست تھا لیکن آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی معصوم فطرت پر جو لباس حرام ہونے والا تھا وہ اس سے پہلے ہی بار محسوس ہو رہا تھا۔

قلب مبارک پر الٰہی سطوت و جبروت کا استیلاء

عَنْ مُطَرِّفِ بْنِ الشِّخِّيْرِ عَنْ أَبِيْهِ قَالَ أَتَيْتُ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَهُوَ يُصَلِّيْ وَلِجَوْفِهِ أَزِيْزٌ كَأَزِيْزِ الْمِرْجَلِ يَعْنِيْ يَبْكِيْ وَفِيْ رِوَايَةٍ قَالَ رَأَيْتُ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يُصَلِّيْ وَفِيْ صَدْرِهِ أَزِيْزٌ كَأَزِيْزِ الرَّحٰى مِنَ الْبُكَاءِ. (رواہ احمد و روی النسائی الاولی و ابوداؤد الثانیۃ)

مطرف بن شخیر اپنے والد سے روایت کرتے ہیں کہ میں ایک مرتبہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا۔ اس وقت آپ صلی اللہ علیہ وسلم نماز پڑھ رہے تھے اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے سینہ مبارک سے گریہ وزاری کی آواز اس طرح گونج رہی تھی جیسے ہانڈی کے جوش مارنے کی آواز۔ دوسری روایت میں ہے کہ میں نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو نماز پڑھتے ہوئے دیکھا اور رونے کی وجہ سے آپ کے سینہ مبارک میں چکی کی سی آواز آرہی تھی۔ (احمد، نسائی)

تشریح: جن قلوب پر خوف الہٰی کا عالم یہ ہو کیسے ممکن ہے کہ ان سے کسی ادنیٰ سے معصیت کا صدور بھی ہو جائے۔

عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ قَالَ قَالَ اَبُوْبَكْرٍ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ قَدْ شِبْتَ قَالَ شَيَّبَتْنِىْ هُوْدٌ وَالْوَاقِعَةُ وَالْمُرْسَلَاتُ وَعَمَّ يَتَسَاءَلُوْنَ وَاِذَا الشَّمْسُ كُوِّرَتْ. (رواه الترمذى)

حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ روایت کرتے ہیں کہ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا یا رسول اللہ! (صلی اللہ علیہ وسلم) آپ تو بوڑھے ہو گئے فرمایا مجھ کو سورۂ ہود، سورۃ الواقعہ، سورۃ المرسلات، عم یتساءلون اور اذا الشمس کورت کے ہولناک مناظر نے بوڑھا کر دیا ہے۔ (ترمذی شریف)

تشریح: انبیاء علیہم السلام کے علوم چونکہ کسب واکتساب کا ثمرہ نہیں ہوتے اس لیے وہ صرف دماغی خیالات یا ذہنی تحقیقات کی طرح نہیں ہوتے بلکہ نفسیات اور طبعیات کی طرح ہوتے ہیں۔ ان میں یقین و عیان کی وہ کیفیت ہوتی ہے جو مشاہدہ میں ہوا کرتی ہے۔ اس لیے ان پر اس کے اثرات بھی وہی ہوتے ہیں جو مشاہدے کے ہو سکتے ہیں۔ ہم اگر قیامت کا یقین رکھتے ہیں تو زیادہ سے زیادہ، اتنا جتنا کہ مثلاً کلکتہ شہر کا مگر ظاہر ہے کہ جس نے کلکتہ کا بچشم خود مشاہدہ کیا ہو اس کی نظروں میں اس شان وشوکت اور وسعت کا جو نقشہ ہو گا وہ ہماری نظروں میں صرف سن کر قائم نہیں ہو سکتا۔ ان کے جزم ویقین کا اندازہ بس اسی سے فرما لیجئے کہ ان کی شریعت میں امتیوں کے حصہ میں بھی "احسان" کا ایک مستقل باب آگیا ہے۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے عالم آخرت کا استحضار اور اس کا یقین

عَنْ اَبِىْ سَعِيْدٍ الْخُدْرِىِّ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كَيْفَ اَنْعَمُ وَصَاحِبُ الصُّوْرِ قَدِ الْتَقَمَهُ وَاَصْغٰى سَمْعَهُ وَحَنٰى جَبْهَتَهُ مَتٰى يُؤْمَرُ بِالنَّفْخِ قَالُوْا يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ وَمَا تَاْمُرُنَا قَالَ قُوْلُوْا حَسْبُنَا اللّٰهُ وَنِعْمَ الْوَكِيْلُ. (رواه الترمذى)

ابوسعید خدری رضی اللہ تعالیٰ عنہ روایت فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا میں دنیوی لذتوں سے بھلا کیونکر لطف اندوز ہوں جبکہ دیکھ رہا ہوں کہ صور پھونکنے والے فرشتے نے (نفخ صور کی تیاری میں) صور اپنے منہ میں لے لیا ہے اپنی پیشانی جھکا دی ہے اور کان لگا رکھے ہیں کب ان کو نفخ صور کا حکم ملتا ہے لوگوں نے عرض کی کہ پھر اس حالت میں ہمیں کیا حکم ہے؟ ارشاد ہوا بس "حسبنا اللہ ونعم الوکیل" پڑھتے رہو۔ خدا تعالیٰ ہمیں کافی ہے اور وہی ہمارا بہترین کارساز ہے۔ (ترمذی شریف)

عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كَانَ يُهَرِيْقُ الْمَاءَ فَيَتَيَمَّمُ بِالتُّرَابِ فَاَقُوْلُ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ اِنَّ الْمَاءَ مِنْكَ قَرِيْبٌ يَقُوْلُ مَا يُدْرِيْنِىْ لَعَلِّىْ لَا اَبْلُغُهُ. (رواه فى شرح السنة وابن الجوزى فى كتاب الوفاء)

ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ روایت فرماتے ہیں کہ ایسا بھی ہوتا تھا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پیشاب سے فارغ ہوتے اور مٹی سے تیمم فرما لیتے۔ میں کہتا یا رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم) پانی تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے یہاں قریب ہی موجود ہے تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم فرما دیتے کیا خبر ہے شاید میں پانی تک پہنچ نہ سکوں (اور اس سے قبل ہی موت آ جائے)۔ (شرح السنہ)

عَنْ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ عَمْرٍو قَالَ مَرَّ بِنَا رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَاَنَا وَاُمِّيْ نُطَيِّنُ شَيْئًا فَقَالَ مَا هٰذَا يَا عَبْدَ اللّٰهِ قُلْتُ شَيْءٌ نُصْلِحُهُ قَالَ الْاَمْرُ اَسْرَعُ مِنْ ذٰلِكَ. (رواه احمد والترمذی وقال هذا حديث غريب)

عبداللہ بن عمرو بیان کرتے ہیں کہ ایک بار آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا ہمارے گھر سے گزر ہوا اس وقت میں اور میری والدہ گھر کی لیپ پوت اور مرمت کرنے میں مشغول تھے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا عبداللہ! یہ کیا کر رہے ہو؟ میں نے عرض کی کچھ مرمت کر رہا ہوں آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہیں حکم ربی اس سے پہلے تیزی کے ساتھ نہ آ جائے۔ (ترمذی)

تشریح۔ یہ تینوں حدیثیں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے عالم آخرت کا استحضار اور دنیا کی بے ثباتی کا نقشہ سمجھنے کے لیے کافی ہیں۔ اگر کسی انسان کے سامنے یہ نقشہ ہر وقت مستحضر رہے تو کیا اس کی توجہ معصیت کی طرف ہو سکتی ہے۔ انبیاء علیہم السلام کی شان اپنی مقدس فطرت، اپنی قلبی کیفیات، ملائکۃ اللہ کی ہر وقت مصاحبت اور سب سے بڑھ کر حق تعالیٰ کے ساتھ شرف مکالمہ اور تجلیات۔ یہ ایک عجیب قسم کے تمام نقائص سے برتر و بالا ہوتی ہے جن کے لیے غفلت و کدورت کا ہونا لازم ہے جہاں غافل آنکھ روشن رہ جائیں وہاں بھلا اس قسم کے تصورات کیا ہو سکیں۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی مبارک نظر میں متاع دنیا کی حقیقت

عَنْ جَابِرٍ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَرَّ بِجَدْيٍ اَسَكَّ مَيِّتٍ قَالَ اَيُّكُمْ يُحِبُّ اَنَّ هٰذَا لَهٗ بِدِرْهَمٍ فَقَالُوْا مَا نُحِبُّ اَنَّهٗ لَنَا بِشَيْءٍ قَالَ فَوَاللّٰهِ لَلدُّنْيَا اَهْوَنُ عَلَى اللّٰهِ مِنْ هٰذَا عَلَيْكُمْ (رواه مسلم)

جابر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کہتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ایک مردار بکری کے بچے کے پاس سے گزرے جس کے کان بھی کٹے ہوئے تھے آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تم میں سے کوئی جو اس کو ایک درہم میں لینا قبول کرے؟ لوگوں نے کہا ہمیں تو یہ مفت لینا بھی پسند نہیں اس پر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا بخدا جتنا یہ مردار بچہ تم کو ذلیل نظر آ رہا ہے اللہ تعالیٰ کے سامنے ساری دنیا اس سے زیادہ ذلیل ہے۔ (مسلم)

تشریح۔ ہمارے دور کے مفکرین کی مرعوبیت کا عالم بھی ترس کھانے کے قابل ہے کہ وہ بیچارے ہر اس بات کے اظہار کرنے سے خائف رہتے ہیں جو موجودہ زمانہ کے ذرا بھی مذاق کے خلاف ہو، خواہ وہ کتنی ہی سچی بات ہو۔ بیشک متاع دنیا آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی نظروں میں ایسا ہی ذلیل تھی اور دنیا کی حقیقت بھی یہی ہے مگر اس کا یہ مطلب تو نہیں کہ جب انسان خود اسی دنیا میں موجود ہے تو وہ اس دنیا سے بالکل مستغنی ہے نہیں نہیں وہ اس کے طلب کا مامور ہے مگر حرام ذرائع سے نہیں حلال ذرائع سے اور آخرت پر ترجیح دے کر نہیں بلکہ متاع کا سد سمجھ کر۔ اس سبق کا حاصل دنیوی ترقیات سے روکنا نہیں بلکہ ایک لازوال ملک سے غفلت کو روکنا ہے۔

عَنْ سَهْلِ بْنِ سَعْدٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَوْ كَانَتِ الدُّنْيَا تَعْدِلُ عِنْدَ اللّٰهِ جَنَاحَ بَعُوْضَةٍ مَا سَقٰى كَافِرًا مِنْهَا شَرْبَةً۔ (رواہ احمد والترمذی وابن ماجۃ)

سہل بن سعد کہتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اگر اللہ تعالیٰ کے یہاں دنیا کی قدر مچھر کے پر کے برابر بھی ہوتی تو کسی کافر کو اس کا ایک گھونٹ بھی نہ چکھاتا۔ (ترمذی وغیرہ)

تشریح۔ کافروں پر دنیا کی وسعت دیکھ کر آپ تو خدا تعالیٰ کی نظر میں ان کے قرب کا وسوسہ لاتے ہیں اور حدیث یہ کہتی ہے کہ اس وسعت کا سبب کافر کی قدر و منزلت نہیں بلکہ خود متاع دنیا کی بے قدری و ذلت ہے۔

انسان کمزور ہے اور بیک وقت وہ دو کی محبت نباہ نہیں سکتا' تجربہ کر لیجئے جو دنیا کے پیچھے لگ گئے آخرت میں ان کی جدوجہد کیا رہ گئی اور جو آخرت کے طالب بن گئے دنیا کے لیے ان کی مساعی کتنی سست پڑ گئیں۔ شان جامعیت عمدہ چیز ہے لیکن اگر ان دو میں کسی ایک ہی کو اختیار کرنا ہے تو پھر آپ ہی فیصلہ فرمائیے بہتر کیا ہوگا؟

عَنِ الْمُسْتَوْرِدِ بْنِ شَدَّادٍ قَالَ سَمِعْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُوْلُ وَاللّٰهِ مَا الدُّنْيَا فِي الْاٰخِرَةِ اِلَّا مِثْلُ مَا يَجْعَلُ اَحَدُكُمْ اِصْبَعَهٗ فِي الْيَمِّ فَلْيَنْظُرْ بِمَ يَرْجِعُ۔ (رواہ مسلم)

مستورد بن شداد بیان کرتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ فرماتے خود سنا ہے بخدا دنیا کی مثال آخرت کے مقابلہ میں اتنی بھی نہیں جتنا کہ تم اگر سمندر میں انگلی ڈالو پھر دیکھو کہ اس میں کتنا پانی لگا ہے۔ (مسلم)

تشریح۔ ان جملہ احادیث کا منشاء یہ ہے کہ جس دنیا میں انسان خود پیدا ہوتا ہے جس کے تمام علائق اسی کے ساتھ وابستہ ہیں اس کے نقصانات و منافع اور تکالیف و لذتوں سے وہ ہر وقت آشنا ہے اور اس کی ضرورت اپنی زندگی کے گوشہ گوشہ میں محسوس کر رہا ہے وہ ان احساسات میں پڑ کر کہیں اس آخرت کو بھول نہ جائے جس میں اس کو ہمیشہ رہنا ہے مگر اس کے نفع نقصان سے وہ ابھی تک آشنا نہیں اور نہ ابھی تک اس کی ضرورت اپنی زندگی کے کسی گوشہ میں محسوس کرتا ہے۔ بس ایک محسوس مگر عارضی زندگی اور ایک غیر محسوس مگر دائمی زندگی پر تنبیہ کے لیے یہ مختلف تعبیریں ہیں اور اسی کے لیے مختلف پیرایہ بیان ہیں۔ دنیا کے متعلق جن کا عقیدہ یہ تھا وہ تو دنیا کے فاتح بن چکے اور جن کا عقیدہ اس کے برعکس ہے وہ آج خود دنیا کے مفتوح ہیں۔ اس پر ان لوگوں کو گمان یہ ہے کہ وہ دنیا کے فاتح ہیں۔ اکبر مرحوم کہتے ہیں:

فکر کیا ہے جو بدلا ہے زمانہ نے تمہیں مرد وہ ہیں جو زمانہ کو بدل دیتے ہیں

عَنْ عَائِشَةَ اَنَّهَا قَالَتْ كَانَ لِرَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عِنْدِيْ فِيْ مَرَضِهٖ سِتَّةُ دَنَانِيْرَ اَوْ سَبْعَةٌ فَاَمَرَنِيْ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَنْ اُفَرِّقَهَا فَشَغَلَنِيْ وَجَعُ نَبِيِّ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ ثُمَّ سَاَلَنِيْ عَنْهَا مَا فَعَلَتِ السِّتَّةُ اَوِ السَّبْعَةُ قُلْتُ لَا وَاللّٰهِ لَقَدْ كَانَ شَغَلَنِيْ وَجَعُكَ فَدَعَا بِهَا ثُمَّ وَضَعَهَا فِيْ كَفِّهٖ فَقَالَ مَا ظَنُّ نَبِيِّ اللّٰهِ لَوْ لَقِيَ اللّٰهَ عَزَّ وَجَلَّ وَهٰذِهٖ عِنْدَهٗ۔ (رواہ احمد)

حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا بیان فرماتی ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے مرض الوفات میں میرے پاس

آپ کے چھ یا سات دینار امانت کے طور پر رکھے ہوئے تھے۔ آپ نے فرمایا تھا کہ میں ان کو تقسیم کر دوں مگر آپ کی بیماری میں مجھ کو اس کا خیال نہ رہا۔ آپ نے ایک بار پھر پوچھا وہ چھ یا سات دینار تقسیم ہو گئے یا نہیں میں نے عرض کی خدا کی قسم تقسیم نہیں ہو سکے اور صرف آپ کی علالت کی فکر کی وجہ سے مجھ سے یہ غفلت ہوگئی۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان دیناروں کو منگوا کر اپنے ہاتھ پر رکھا اور فرمایا اللہ کے اس نبی کے متعلق کیا گمان ہے جس کی اپنے رب سے ملاقات کا اگر وقت آ گیا ہو تو وہ اس حالت میں جائے کہ یہ دینار اس کے پاس موجود ہوں۔ (احمد)

عَنْ اَبِیْ اُمَامَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ عَرَضَ عَلَیَّ رَبِّیْ لِیَجْعَلَ لِیْ بَطْحَاءَ مَكَّةَ ذَهَبًا فَقُلْتُ لَا یَا رَبِّ وَلٰكِنْ اَشْبَعُ یَوْمًا وَ اَجُوْعُ یَوْمًا فَاِذَا جُعْتُ تَضَرَّعْتُ اِلَیْكَ وَذَكَرْتُكَ وَاِذَا شَبِعْتُ حَمِدْتُكَ وَشَكَرْتُكَ. (رواہ احمد والترمذی)

ابوامامہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا حق تعالیٰ نے مکہ مکرمہ کے اس پتھریلے میدان کو میرے سامنے کر کے مجھ کو یہ اختیار دیا تھا اگر میں پسند کروں تو وہ اپنی قدرت سے اس کو سونا بنا دے میں نے عرض کی پروردگار! میں تو یہ چاہتا ہوں کہ ایک دن شکم سیر رہوں تو ایک دن بھوکا بھی رہوں جب بھوکا ہوں تو تیرے سامنے گریہ وزاری کروں اور تیری یاد کروں اور جب شکم سیر ہوں تو تیری حمد وثناء کروں اور تیرا شکر بجا لاؤں۔ (احمد ترمذی)

تشریح۔ انبیاء علیہم السلام کی بلند نظریں دنیا کی متاع خسیس کی طرف کبھی نہیں اٹھتیں۔ ان کے نزدیک ساری دنیا کی قدروقیمت ایک مچھر کے پر کے برابر بھی نہیں ہوتی ان کے یہاں قیمت کل تضرع اور ذکر خدا کی ہے اس کی حمد وثناء اور اس کے شکر کی ہے وہ انسان کی ضعیف خلقت سے پورے خبردار ہوتے ہیں اور خوب جانتے ہیں کہ وہ ہمیشہ بھوک کی برداشت نہیں کر سکتا اور نہ ہمیشہ شکم سیری کے خطرناک عواقب سے محفوظ رہ سکتا ہے۔ اس لیے ایک طرف بھوکوں کے ساتھ بھوکا رہنے کی دعا تو کرتے ہیں مگر وہ بھوکا نہیں جو بھوک میں اپنے مالک کی یاد اور اس کے سامنے تضرع والحاح کو فراموش کر بیٹھے اور دوسری طرف شکم سیر رہنا میں شکم سیر ہونے کی دعا بھی فرماتے ہیں مگر وہ شکم سیر نہیں جو پیٹ بھر جانے کے بعد بھی اپنے مالک کی حمد وثناء اور اس کے شکر سے غافل ہو جائے۔ اس طرح کی بھوک اگر ہو تو وہ بھی نبوت کی وراثت ہے اور اس طرح کی شکم سیری اگر ہو تو وہ بھی اسوۂ نبوت ہے۔ جب تک انسان ساری دنیا سے بے نیاز نہ ہو جائے وہ اقرار کرے یا نہ کرے کہ ان حالات میں خدائی یاد کبھی قائم نہیں رکھ سکتا۔

عَنْ اَبِیْ هُرَیْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ لَوْ كَانَ لِیْ مِثْلُ اُحُدٍ ذَهَبًا لَسَرَّنِیْ اَنْ لَا یَمُرَّ عَلَیَّ ثَلَاثُ لَیَالٍ وَعِنْدِیْ مِنْهُ شَیْءٌ اِلَّا شَیْءٌ اَرْصُدُهُ لِدَیْنٍ. (رواہ البخاری)

ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اگر میرے پاس احد پہاڑ کی برابر بھی سونا ہوتا تو بھی میری خوشی اسی میں ہوتی کہ تین راتیں بھی نہ گزرنے پائیں کہ اس میں سے کچھ بھی میرے پاس باقی رہ جائے۔ ہاں صرف اتنی مقدار جتنی کہ میں اپنے قرض کی ادائیگی کے لیے رکھ لوں۔ (بخاری شریف)

عَنْ اِبْنِ مَسْعُوْدٍ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ نَامَ عَلٰی حَصِیْرٍ فَقَامَ وَقَدْ اَثَّرَ فِیْ

جَنْبِهٖ فَقَالَ ابْنُ مَسْعُوْدٍ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ لَوْ اَمَرْتَنَا اَنْ نَبْسُطَ لَكَ وَنَعْمَلَ فَقَالَ مَالِيْ وَلِلدُّنْيَا وَمَا اَنَا وَالدُّنْيَا اِلَّا كَرَاكِبٍ اِسْتَظَلَّ تَحْتَ شَجَرَةٍ ثُمَّ رَاحَ وَتَرَكَهَا. (رواہ احمد والترمذی)

ابن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ایک بار چٹائی پر سوئے جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم اٹھے تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے جسم مبارک پر چٹائی کے نشانات پڑ گئے تھے۔ یہ دیکھ کر ابن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ بولے یا رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم) اجازت ہو تو ہم آپ کے لیے ایک بچھونا تیار کر لیں؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا مجھے دنیا سے کیا کام میری اور دنیا کی مثال بس اس مسافر سوار کی سی ہے جو ایک درخت کے سایہ کے نیچے ذرا سی دیر بیٹھے پھر اس کو چھوڑ کر چل دیئے۔ (احمد ترمذی ابن ماجہ رضی اللہ تعالیٰ)

عَنِ ابْنِ عُمَرَ قَالَ اَخَذَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بِبَعْضِ جَسَدِيْ فَقَالَ كُنْ فِي الدُّنْيَا كَاَنَّكَ غَرِيْبٌ اَوْ عَابِرُ سَبِيْلٍ وَعُدَّ نَفْسَكَ فِيْ اَهْلِ الْقُبُوْرِ. (رواہ البخاری)

ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ ایک بار رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے میرے جسم کا بعض حصہ (شفقت کے انداز میں) پکڑ کر فرمایا' دنیا میں اس طرح بسر کرو جیسے تم ایک مسافر ہو اور مسافر بھی وہ جو منزل طے کر رہا ہو اور اپنے نفس کو ایسا سمجھو جیسے قبر کا مردہ۔ (بخاری شریف)

تشریح۔ ان واقعات سے یہ اندازہ کرنا چاہیے کہ جن کے قلوب میں خشیت الٰہی اس درجہ ہو جس کا نقشہ احادیث مذکورہ میں آپ نے ملاحظہ فرمایا اور جن کے قلوب میں دنیا کی بے ثباتی اس درجہ ہو جو آپ کے سامنے ہے ان میں معصیت کا داعیہ کیسے پیدا ہو سکتا ہے۔

حرفِ گناہ سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی طبعی نفرت و بیزاری

عَنْ عَائِشَةَ قَالَتْ مَا خُيِّرَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بَيْنَ اَمْرَيْنِ قَطُّ اِلَّا اِخْتَارَ اَيْسَرَهُمَا فَاِنْ كَانَ اِثْمًا كَانَ اَبْعَدَ النَّاسِ مِنْهُ وَمَا انْتَقَمَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لِنَفْسِهٖ فِيْ شَيْءٍ قَطُّ اِلَّا اَنْ تُنْتَهَكَ حُرْمَةُ اللّٰهِ فَيَنْتَقِمَ لِلّٰهِ بِهَا. (متفق علیہ)

حضرت عائشہ صدیقہ مطہرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا فرماتی ہیں کہ جب کبھی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو دو باتوں میں سے کسی ایک بات کا اختیار دیا گیا ہے (تو امت کی سہولت کی خاطر) آپ اسی کو اختیار فرماتے جو دونوں میں آسان تر ہوتی مگر جب کہیں گناہ کا معاملہ آ جاتا تو پھر آپ سے بڑھ کر کوئی شخص نہ تھا جو اس سے دور دور رہنے والا ہوتا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے نفس کی خاطر کبھی کسی سے انتقام نہیں لیا۔ بجز اس صورت کے کہ جس میں خدائی احترام پر کوئی زد پڑتی ہو۔ پھر تو اللہ تعالیٰ کے احترام کی خاطر آپ صلی اللہ علیہ وسلم اس کا انتقام لے کر رہتے تھے۔ (متفق علیہ)

عَنْ عَائِشَةَ قَالَتْ مَا ضَرَبَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لِنَفْسِهٖ شَيْئًا قَطُّ بِيَدِهٖ وَلَا امْرَاَةً وَلَا خَادِمًا اِلَّا اَنْ يُجَاهِدَ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ وَمَا نِيْلَ مِنْهُ شَيْءٌ قَطُّ فَيَنْتَقِمَ مِنْ صَاحِبِهٖ اِلَّا اَنْ يُنْتَهَكَ شَيْءٌ مِنْ مَحَارِمِ اللّٰهِ فَيَنْتَقِمَ لِلّٰهِ. (رواہ مسلم)

حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا بیان فرماتی ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی غرض کے لیے کبھی اپنے ہاتھ سے کسی

کو تنبیہ نہ فرمائی نہ کبھی کسی عورت کو اپنے ہاتھ سے مارا اور نہ کسی خادم کو مگر ہاں اللہ تعالیٰ کی راہ میں جو جہاد کیے ہیں وہ بات الگ ہے۔ اسی طرح ایسا بھی کبھی نہیں ہوا کہ آپ کو ایذا دی گئی ہو پھر آپ نے اس ایذا دینے والے شخص سے اس کا بدلہ لیا ہو مگر اس صورت کے کہ جس میں اللہ تعالیٰ کی حرمت کے خلاف کوئی بات ہو تو پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم اس حدود اللہ کی خاطر اس کا انتقام لیتے۔ (مسلم شریف)

عَنْ سَعْدٍ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ قَالَ لَمَّا كَانَ يَوْمُ فَتْحِ مَكَّةَ اٰمَنَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ النَّاسَ اِلَّا اَرْبَعَةَ نَفَرٍ وَامْرَأَتَيْنِ وَقَالَ اقْتُلُوْهُمْ وَاِنْ وَجَدْتُمُوْهُمْ مُتَعَلِّقِيْنَ بِاَسْتَارِ الْكَعْبَةِ مِنْهُمْ عَبْدُ اللّٰهِ بْنُ سَعْدِ بْنِ اَبِيْ سَرْحٍ فَاخْتَبَأَ عِنْدَ عُثْمَانَ بْنِ عَفَّانَ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ فَلَمَّا دَعَا رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ النَّاسَ اِلَى الْبَيْعَةِ جَاءَ بِهٖ فَقَالَ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ بَايِعْ عَبْدَ اللّٰهِ فَرَفَعَ رَأْسَهٗ فَنَظَرَ اِلَيْهِ ثَلَاثًا كُلُّ ذٰلِكَ يَأْبٰى فَبَايَعَهٗ بَعْدَ ثَلَاثٍ ثُمَّ اَقْبَلَ عَلٰى اَصْحَابِهٖ فَقَالَ اَمَا كَانَ فِيْكُمْ رَجُلٌ رَشِيْدٌ يَقُوْمُ اِلٰى هٰذَا حِيْنَ رَاٰنِيْ كَفَفْتُ يَدِيْ عَنْ بَيْعَتِهٖ فَيَقْتُلُهٗ فَقَالُوْا مَا يُدْرِيْنَا يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ مَا فِيْ نَفْسِكَ هَلَّا اَوْمَأْتَ اِلَيْنَا بِعَيْنِكَ قَالَ اِنَّهٗ لَا يَنْبَغِيْ لِنَبِيٍّ اَنْ يَكُوْنَ لَهٗ خَائِنَةُ الْاَعْيُنِ. (الا لفظ ابن ماجہ رواہ ابوداؤد باسناد صحیح والنسائی)

سعد رضی اللہ تعالیٰ عنہ روایت کرتے ہیں کہ جس دن مکہ فتح ہوا تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بجز چار شخصوں اور دو عورتوں کے سب کے لیے امن عام کا اعلان فرما دیا تھا اور صرف چند لوگوں کے متعلق یہ حکم دیا تھا کہ ان کو قتل ہی کرنا اگرچہ وہ تم کو کعبہ کے پردے پکڑے ہوئے بھی ملیں۔ ان میں سے ایک شخص عبد اللہ بن سعد بن ابی سرح تھا۔ یہ حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے پاس آ کر چھپ گیا تھا پھر جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے لوگوں کو بیعت کرنے کے لیے بلایا تو حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ خود اس کو لے کر آئے اور عرض کی یا رسول اللہ! (صلی اللہ علیہ وسلم) عبد اللہ کو بھی بیعت فرما لیجئے۔ آپ نے اپنا سر مبارک اوپر اٹھا کر اس کو تین بار دیکھا ہر بار بیعت کے لیے انکار ہی فرماتے رہے اس کے بعد اس کو بھی بیعت فرما لیا پھر اپنے صحابہ کی طرف متوجہ ہو کر فرمایا تم میں کوئی ایسا سمجھدار شخص نہ تھا کہ جب اس نے دیکھ لیا تھا کہ میں اس سے بیعت کرنے سے اپنا ہاتھ کھینچ رہا ہوں تو اٹھتا اور اس کو قتل کر دیتا۔ صحابہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم نے عرض کی یا رسول اللہ! (صلی اللہ علیہ وسلم) ہمیں کیا خبر تھی کہ آپ کی مرضی کیا ہے آپ نے اپنی آنکھ کا ذرا سا اشارہ کر دیا ہوتا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کسی نبی کی یہ شان نہیں کہ اس کی آنکھ بھی خیانت کرنے والی ہو۔ (ابوداؤد، نسائی)

تشریح: فتح مکہ کے موقع پر دشمنوں کی بھی بخشش ہوئی لیکن صرف ان معدودے چند اشخاص کی جن کی قدیم ایذا رسانیاں، دناءت اور خست طبع سے اس کی کوئی امید نہ تھی کہ آئندہ وہ اسلام کے ساتھ آشتی کا ادنیٰ سا برتاؤ بھی کر سکیں گے۔ ان میں ایک شخص عبد اللہ بن ابی السرح بھی تھا جس کو کوئی جتنا اور خبیث افعال و حرکات سے آپ کی اذیت رسانی تھا۔ جب اس نے دیکھا کہ آج کہیں مفر کی صورت نہیں ہے تو حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی آڑ پکڑ لی۔ یہ قدیم سے مجسمہ اخلاق تھے اپنے گھر میں پناہ لینے والے کو کیسے نکال باہر کرتے اس پر یہ کہ رضاعی بھائی بھی تھا اس لیے اس کی سفارش پر مجبور ہو گئے۔ اب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے یہ کیسے ممکن تھا کہ اس کو عثمان غنی رضی اللہ تعالیٰ عنہ جیسے شخص سفارش کے لیے لے کر آئیں اور آپ ان کو

صاف جواب دیدیں۔ لہٰذا آپ نہ تو صاف انکار کرنا پسند فرماتے تھے اور نہ اپنی زبان سے امن کا لفظ نکال کر پھر اس کے قتل کا حکم دے سکتے تھے اس لیے کچھ دیر توقف سے کام لیتے رہے تاکہ اگر کوئی شخص سابق حکم کے ماتحت اس کو قتل کردے تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی سفارش رد کرنے کی نوبت ہی نہ آئے۔ لیکن اس میں آپ اور زیادہ توقف نہ فرما سکے۔ آخر اس کو بیعت فرما لیا۔ اس کے بعد ارشاد فرمایا ''کاش! تم لوگ میرے اس توقف سے کچھ فائدہ اٹھا لیتے'' صحابہ کرام رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین کا جواب آپ ملاحظہ فرما چکے ہیں۔ اب اندازہ فرمایئے کہ ایک واجب القتل شخص کے قتل کے متعلق اگر آپ صرف ذرا سا اشارہ فرما دیتے تو کیا یہ کسی معصیت کی تعریف میں آتا مگر جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اتنی سی بات بھی گوارا نہ فرمائی اور وہ بھی اس عنوان سے کہ یہ نبی کی شان نہیں کہ وہ آنکھ کا بھی کوئی ایسا اشارہ کر سکے جو صورۃً بھی خیانت شمار ہو تو کیا پھر کھلی معصیت کرنی خواہ صغیرہ ہی کیوں نہ ہو نبی کی شان ہوگی۔ (العیاذ باللہ)

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا جزم و یقین

عَنْ اَنَسٍ قَالَ غَلَا السِّعْرُ عَلٰى عَهْدِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقَالُوْا يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ سَعِّرْ لَنَا فَقَالَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اِنَّ اللّٰهَ هُوَ الْمُسَعِّرُ الْقَابِضُ الْبَاسِطُ الرَّازِقُ وَ اِنِّيْ لَاَرْجُوْ اَنْ اَلْقٰى رَبِّيْ وَلَيْسَ اَحَدٌ مِّنْكُمْ يُطَالِبُنِيْ بِمَظْلَمَةٍ بِدَمٍ وَّلَا مَالٍ. (رواہ ابوداؤد والترمذی وابن ماجہ والدارمی)

انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں ایک بار اشیاء کے نرخ بہت چڑھ گئے۔ اس پر لوگوں نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں یہ درخواست پیش کی یا رسول اللہ! (صلی اللہ علیہ وسلم) آپ اپنی جانب سے نرخ مقرر فرما دیجئے؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا نرخ کا چڑھنا اترنا یہ سب اللہ ہی کی طرف سے ہوتا ہے وہی رازق ہے اور رزق کی تنگی و فراخی کرنے والا بھی وہی ہے مجھے اللہ تعالیٰ کی ذات سے پوری امید ہے کہ میں اپنے پروردگار کے روبرو اس شان سے حاضر ہوں گا کہ تم میں ایک شخص بھی اپنے خون یا مال کے بارے میں سے معاملہ کا بھی مجھ سے مطالبہ کرنے والا نہ ہوگا۔ (ابوداؤد وغیرہ)

تشریح۔ پہلے زمانہ میں نرخ کا اتار چڑھاؤ تاجروں کے ہتھکنڈوں سے نہ ہوتا تھا بلکہ اشیاء کی باہر سے آمد اور پیداوار کی قلت و کثرت سے ہوا کرتا تھا۔ ادھر شریعت مطہرہ نے اس کا بندوبست پہلے سے خود فرما رکھا تھا کہ بے وجہ اشیاء کے نرخ نہ چڑھیں۔ تاجروں کو باہر سے باہر اشیاء خرید کر لینے کی ممانعت تھی کھانے کی اشیاء اسٹاک کر لینا یعنی پھر ان کو گراں قیمت پر فروخت کرنے پر سخت وعید فرما دی گئی تھی اسی طرح ان جملہ صورتوں کا سدباب کر دیا گیا تھا جن سے اہل شہر پر کسی تجارتی چکر سے گرانی کا خطرہ ہو سکتا تھا۔ اب اگر قدرتی گرانی پر بھی قیمت پر کوئی سرکاری کنٹرول کر دیا جاتا تو یقینی اس میں ایک طبقہ کی حق تلفی کا اندیشہ تھا۔ اس لیے آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کو پسند نہیں فرمایا کیونکہ بظاہر اس میں گو عوام کی بہبودی معلوم ہوتی تھی لیکن ایک فرقہ کے لیے یہ مضرت رسانی کا موجب بھی ہو سکتا تھا اور نبی کی عصمت اس کو گوارا نہیں کر سکتی کہ اس کی ذات سے کسی شخص کا بال برابر بھی کوئی نقصان ہو اس تنبیہ کے بعد آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی پوری شان تواضع کے ساتھ آپ کا یہ جملہ کتنا پر از عظمت جملہ ہے کہ مجھ کو یقین ہے کہ قیامت میں میرے ذمہ کسی کا کوئی حق نہ ہوگا۔ یہ کون ہیں وہ جن کا تعلق ہر ہر فرد امت کے ساتھ وابستہ

ہے۔ پھر کس عموم و اطلاق کے ساتھ حقوق العباد سے اپنی عصمت کا اعلان فرما رہے ہیں جہاں حقوق العباد تک صاف ہوں وہاں حقوق اللہ کی صفائی کا پوچھنا ہی کیا ہے۔ عصمت کے بغیر کیا یہ جملے زبان سے ادا ہو سکتے ہیں۔

عَنْ اَنَسٍ قَالَ لَمَّا ثَقُلَ النَّبِیُّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ جَعَلَ یَتَغَشَّاہُ الْکَرْبُ فَقَالَتْ فَاطِمَۃُ وَاکَرْبَ اَبَاہُ فَقَالَ لَھَا لَیْسَ عَلٰی اَبِیْکِ کَرْبٌ بَعْدَ الْیَوْمِ فَلَمَّا مَاتَ قَالَتْ یَا اَبَتَاہُ اَجَابَ رَبًّا دَعَاہُ یَا اَبَتَاہُ مَنْ جَنَّۃُ الْفِرْدَوْسِ مَأْوَاہُ یَا اَبَتَاہُ اِلٰی جِبْرَئِیْلَ نَنْعَاہُ فَلَمَّا دُفِنَ قَالَتْ فَاطِمَۃُ یَا اَنَسُ اَطَابَتْ اَنْفُسُکُمْ اَنْ تَحْثُوْا عَلٰی رَسُوْلِ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ۔ (الترغیب رواہ البخاری)

انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ بیان کرتے ہیں کہ آخر میں جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر مرض کی شدت اور بے چینی بہت بڑھ گئی تو حضرت فاطمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے فرمایا میرے والد کو کیسی تکلیف ہے؟ آپ نے فرمایا تمہارے والد کو جو تکلیف بھی ہے وہ صرف آج کے دن تک ہے اس کے بعد پھر کوئی تکلیف نہیں اور جب آپ کی وفات ہوگئی تو شدت غم میں ان کی زبان سے یہ کلمات نکلے اے والد بزرگوار وہ کہ جنہوں نے اپنے رب کی دعوت قبول فرمالی وہ کہ جن کا مقام جنت الفردوس بن چکا اے والد بزرگوار! آپ کا یہ المناک حادثہ ہم جبرئیل علیہ السلام کو سناتے ہیں۔ پھر جب آپ دفن ہو چکے تو حضرت فاطمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے شدت غم سے فرمایا انس! تمہارے دلوں نے یہ کس طرح گوارا کیا کہ تم نے اپنے ہاتھوں سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو مٹی دی۔ (بخاری شریف)

تشریح۔ اس حدیث میں بھی آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے پورے جزم و وثوق کے ساتھ فرمایا ہے کہ آخرت میں آپ سے کسی امر میں کوئی گرفت نہ ہوگی۔ کیا یہی اطلاق عصمت کے بغیر ممکن ہے اب اگر اس پر بھی عصمت کے خلاف منطقی احتمالات نکالے ہیں تو لوگوں نے دلائل توحید کے خلاف احتمالات نکالنے میں بھی کیا کوتاہی کی ہے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی اول سے آخر تک زندگی پر نظر ڈالئے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی صفات و ملکات پر نظر ڈالیے آپ کی خدا ترسی اور دنیا سے بے رغبتی پر نظر ڈالئے اس کے بعد آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے ان جملوں پر بھی نظر ڈالئے جو اس عالم کے متعلق ہیں جہاں کسی کو اپنے متعلق اطمینان بخش ایک حرف نکالنا بھی مشکل ہے تو صرف یہی نتیجہ نکلے گا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم معصوم ہیں آپ صلی اللہ علیہ وسلم معصوم ہیں۔

عَنْ عَائِشَۃَ قَالَتْ قُلْتُ لِلنَّبِیِّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ حَسْبُکَ مِنْ صَفِیَّۃَ کَذَا وَکَذَا تَعْنِیْ قَصِیْرَۃً فَقَالَ لَقَدْ قُلْتِ کَلِمَۃً لَوْ مُزِجَ بِھَا الْبَحْرُ لَمَزَجَتْہُ۔ (رواہ احمد والترمذی و ابو داؤد)

حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے روایت ہے کہ ایک موقع پر میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے ہاتھ کا اشارہ کر کے کہا آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو بس بس وہی صفیہ کافی ہیں یعنی جو پست قد ہیں۔ اس پر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تم نے ایسا کلمہ منہ سے نکالا ہے کہ اگر اس کو سمندر میں ملا دیا جائے تو باوجود یکہ اس کا پانی سخت بدمزہ ہوتا ہے مگر وہ اس کا مزہ بھی بدل دے۔ (احمد، ترمذی، ابو داؤد)

عَنْ عَائِشَۃَ قَالَتْ قَالَ النَّبِیُّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ مَا اُحِبُّ اَنِّیْ حَکَیْتُ اَحَدًا وَاَنَّ لِیْ کَذَا وَکَذَا۔ (رواہ الترمذی و صححہ)

حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا مجھے کسی کی نقل اتارنا پسند

نہیں اگرچہ اس کے مقابلہ میں میرے لیے بڑی سے بڑی بھی کوئی چیز ہو۔ (ترمذی)

عَنْ اَنَسٍ قَالَ بَلَغَ صَفِيَّةَ أَنَّ حَفْصَةَ قَالَتْ بِنْتُ يَهُودِيٍّ فَبَكَتْ فَدَخَلَ عَلَيْهَا النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَهِيَ تَبْكِيْ فَقَالَ مَا يُبْكِيْكِ فَقَالَتْ قَالَتْ لِيْ حَفْصَةُ إِنِّيْ اِبْنَةُ يَهُوْدِيٍّ فَقَالَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِنَّكِ لَابْنَةُ نَبِيٍّ وَإِنَّ عَمَّكِ لَنَبِيٌّ وَإِنَّكِ لَتَحْتَ نَبِيٍّ فَفِيْمَ تَفْخَرُ عَلَيْكِ ثُمَّ قَالَ اتَّقِي اللّٰهَ يَا حَفْصَةُ. (رواه الترمذي والنسائي)

انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ حضرت صفیہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کو یہ خبر پہنچی کہ حضرت حفصہ ان کے متعلق "دختر یہودی" کا لفظ کہتی ہیں۔ اس پر وہ رونے لگیں حسب الاتفاق آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ان کے پاس آئے تو اس وقت وہ رو رہی تھیں۔ فرمایا کیوں روتی ہو؟ انہوں نے عرض کی اس لیے کہ حفصہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا مجھے یہودی کی لڑکی کہتی ہیں۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تم تو نبی کی اولاد میں ہو اور تمہارے چچا بھی ایک نبی تھے اور اب تم ایک نبی کی بی بی ہو پھر حفصہ اگر تمہارے مقابلہ پر فخر کرتی ہیں تو آخر کس بات پر؟ اس کے بعد حضرت حفصہ کو خطاب کرتے ہوئے فرمایا حفصہ اللہ سے ڈرو۔ (ترمذی نسائی)

عَنْ عَائِشَةَ قَالَتْ مَا غِرْتُ عَلٰى أَحَدٍ مِنْ نِسَاءِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَا غِرْتُ عَلٰى خَدِيْجَةَ وَمَا رَأَيْتُهَا وَلٰكِنْ كَانَ يُكْثِرُ ذِكْرَهَا وَرُبَّمَا ذَبَحَ الشَّاةَ ثُمَّ يُقَطِّعُهَا أَعْضَاءً ثُمَّ يَبْعَثُهَا فِيْ صَدَائِقِ خَدِيْجَةَ فَرُبَّمَا قُلْتُ لَهُ كَأَنَّهُ لَمْ يَكُنْ فِي الدُّنْيَا امْرَأَةٌ إِلَّا خَدِيْجَةُ فَيَقُوْلُ إِنَّهَا كَانَتْ وَكَانَتْ وَكَانَ لِيْ مِنْهَا وَلَدٌ. (متفق عليه)

حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا فرماتی ہیں کہ جتنی غیرت مجھ کو حضرت خدیجہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا پر آیا کرتی تھی اتنی آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی بیبیوں میں کسی پر بھی نہ آتی تھی حالانکہ مجھے ان کے دیکھنے کی نوبت کہاں آئی تھی (ان کا تو مجھ سے پہلے ہی انتقال ہو چکا تھا) بات یہی تھی کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اکثر ان کا ذکر فرمایا کرتے تھے اور جب کبھی بکری ذبح کرنے کی نوبت آتی تو اس کی بوٹیاں بنوا کر ان کی سہیلیوں کے پاس بھی بھیجا کرتے تھے۔ میں اس وقت کبھی شدت غیرت سے یہ کہہ بیٹھتی کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم تو ان کا ذکر ہر وقت اس طرح رکھتے ہیں جیسے دنیا میں (حضرت خدیجہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا) کے علاوہ کوئی اور عورت ہی نہیں تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم یہ فرما دیتے جی ہاں! بس وہ تھیں جیسی تھیں اس کو میں جانتا ہوں اور بڑی بات یہ ہے کہ میری اولاد بھی ان سے ہی تھی۔ (متفق علیہ)

عَنْ أُسَيْدِ بْنِ حُضَيْرٍ رَجُلٍ مِنَ الْأَنْصَارِ قَالَ بَيْنَمَا هُوَ يُحَدِّثُ الْقَوْمَ وَكَانَ فِيْهِ مِزَاحٌ بَيْنَمَا يُضْحِكُهُمْ فَطَعَنَهُ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فِيْ خَاصِرَتِهِ بِعُوْدٍ فَقَالَ أَصْبِرْنِيْ قَالَ اصْطَبِرْ قَالَ إِنَّ عَلَيْكَ قَمِيْصًا وَلَيْسَ عَلَيَّ قَمِيْصٌ فَرَفَعَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَنْ قَمِيْصِهِ فَاحْتَضَنَهُ وَجَعَلَ يُقَبِّلُ كَشْحَهُ فَقَالَ إِنَّمَا أَرَدْتُ هٰذَا يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ (صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ). (رواه ابو داؤد)

اسید بن حضیر سے روایت ہے کہ ایک انصاری صحابی نے جن کے مزاج میں ظرافت تھی اپنے سلسلہ گفتگو میں بیان کیا کہ اس

اثنا میں جبکہ وہ لوگوں کو ہنسا رہے تھے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک لکڑی ان کی کوکھ میں ذرا چبھو دی انہوں نے کہا میں تو اس کا بدلہ لوں گا آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فوراً فرمایا اچھا لے لو انہوں نے کہا آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے جسم پر تو قمیص ہے اور میرے جسم پر قمیص نہ تھی۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اسی وقت اپنی قمیص اٹھا دی پھر کیا تھا وہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو لپٹ گئے اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے پہلو کو بوسے دیتے جاتے اور یہ کہتے جاتے یا رسول اللہ! (صلی اللہ علیہ وسلم) میری دیرینہ تمنا تو بس یہی تھی۔ (ابوداؤد)

تشریح - حدیث مذکورہ کو ملاحظہ فرمائیے آپ کو معلوم ہوگا کہ اس اقتدار اعلیٰ پر یہ انداز بے تکلفی اور اس انداز بے تکلفی میں ایک زیردست صحابی کے طلب انتقام پر یہ انداز رضامندی' یہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے عصمت نفس کی کتنی بڑی شہادت ہے' ہم بارہا متنبہ کر چکے ہیں کہ اہم مواقع پر انسان کی آزمائش بھی گو یا ایک بڑی آزمائش ہوتی ہے مگر یہاں فطرۃً ہر انسان اس کی کچھ نہ کچھ تیاری کر لیتا ہے مگر روزمرہ کے وہ واقعات جن کی نظروں میں نہ اس جانب کوئی اہمیت ہوتی ہے نہ اس جانب ان میں لغزشوں سے اس طرح محفوظ رہنا گو یا نفس کی اقتاد طبیعت کہنا ہے۔ یہ انسان کی پاک نفسی کا سب سے بڑا ثبوت ہوتا ہے۔ انسان کی لغزش کا سب سے بڑا مقام حقوق العباد کی گھاٹیاں ہوتی ہیں۔ یہاں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ہر گھاٹی سے جس طرح صاف نکل گئے ہیں گو یا ان میں کہیں ایک کانٹا بھی نہ تھا۔ ازواج مطہرات کے خانگی معاملات آپ نے پڑھے اہل ذمہ اور یہود کی سخت کلامی اور کفار و اکلفت آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے سنے اور پھر اب آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے فداکاروں کے اس قسم کے واقعات بھی دیکھے۔ یہ بات تو بعد میں کھلی کہ اس میں جاں نثاری کا جذبہ بحیثیت کس موقعہ کا متلاشی تھا لیکن اس سے قبل صورت حال جتنی ناموزوں نظر آ رہی تھی وہ ظاہر ہے مگر اول سے لے کر آخر تک کیا ممکن ہے کسی ایک مقام پر بھی آپ کا قدم جادۂ اعتدال سے ایک انچ بھی ادھر ادھر ہٹا ہو۔ یوں معلوم ہوتا ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات پاک کیا تھی' صبر و سکون کا ایک بے پایاں سمندر تھا جس میں کنکر پتھر تو کیا اگر پہاڑ بھی اٹھا کر ڈال دو تو بھی اس میں ذرا جنبش نہیں ہو سکتی۔ حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے دیرینہ خادم بیان کرتے ہیں کہ اس طویل مدت میں مجھے کبھی یاد نہیں آتا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے کسی نقصان کرنے پر کبھی مجھ کو ٹوکا ہو بلکہ اگر کسی اور شخص نے بھی کچھ کہا ہے تو اس کو بھی یہ کہہ کر منع فرما دیا ہے' تقدیری معاملات ہو کر رہتے ہیں' انس کو کچھ نہ کہو۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم تمام مخلوق کیلئے اللہ تعالیٰ کا پسندیدہ نمونہ تھے

عَنْ عَمْرِو بْنِ دِيْنَارٍ قَالَ سَأَلْنَا ابْنَ عُمَرَ عَنْ رَجُلٍ طَافَ بِالْبَيْتِ فِيْ عُمْرَةٍ وَلَمْ يَطُفْ بَيْنَ الصَّفَا وَالْمَرْوَةِ سَبْعًا أَيَأْتِي امْرَأَتَهُ فَقَالَ قَدِمَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَطَافَ بِالْبَيْتِ سَبْعًا وَصَلّٰى خَلْفَ الْمَقَامِ رَكْعَتَيْنِ وَطَافَ بَيْنَ الصَّفَا وَالْمَرْوَةِ سَبْعًا وَقَدْ كَانَ لَكُمْ فِيْ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أُسْوَةٌ حَسَنَةٌ وَقَالَ (عَمْرُو بْنُ دِيْنَارٍ) وَسَأَلْنَا جَابِرَ بْنَ عَبْدِ اللّٰهِ فَقَالَ لَا يَقْرَبَنَّهَا حَتّٰى يَطُوْفَ بَيْنَ الصَّفَا وَالْمَرْوَةِ. (رواہ البخاری)

عمرو بن دینار کہتے ہیں کہ ہم نے ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے ایک شخص کے متعلق استفتاء پوچھا جس نے عمرہ کا احرام باندھ کر

بیت اللہ کا طواف تو کر لیا تھا مگر ابھی صفا و مروہ کے درمیان سات چکر نہ لگائے تھے کیا وہ اپنی بیوی کے ساتھ صحبت کر سکتا ہے؟ اس پر انہوں نے یہ جواب دیا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جب مکہ مکرمہ تشریف لائے تھے تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے بیت اللہ کے گرد سات چکر کیے اس کے بعد مقام ابراہیم پر آ کر دو رکعتیں طواف کی ادا فرمائیں پھر صفا و مروہ کے سات چکر لگائے اور تمہارے واسطے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات ہی بہترین نمونہ ہے۔ عمرو بن دینار کہتے ہیں کہ ہم نے جابر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے بھی یہی مسئلہ پوچھا تو انہوں نے فرمایا جب تک صفا و مروہ کے درمیان پوری سعی سے فارغ نہ ہو لے بیوی کے قریب نہ پھٹکے۔ (بخاری شریف)

تشریح: اسلام میں رسول کی شخصیت کے متعلق ایک اصولی اور سب سے مقدم تصور یہ ہے کہ اس کی ذات اور اس کی ایک ایک ادا اس کی امت کے لیے مرضیات الٰہی کا نمونہ اور "اسوۂ حسنہ" بنا کر بھیجی جاتی ہے۔ اس کا مطلب اس کے سوا اور کچھ نہیں کہ خالق کی نظر میں جتنی پسندیدہ صفات ہیں وہ سب کی سب اس کی ذات میں جمع کر دی جاتی ہیں اور جتنی صفات ناپسندیدہ ہیں وہ ایک ایک کر کے اس کی ذات سے علیحدہ کر دی جاتی ہیں کیونکہ کسی چیز کے نمونہ کہنے کا مطلب یہی ہوتا ہے کہ وہ صاحب نمونہ کی پسندیدگی کا معیار ہے۔

حق تعالیٰ نے اس امت کو جہاں اپنی جانب سے اپنی کتاب دے کر سرفراز فرمایا تھا اسی کے ساتھ اس کتاب کا ایک عملی نمونہ بھی عنایت فرمایا تھا۔ لہٰذا جس طرح اس کی کتاب ہر قسم کے عیب و نقص سے منزہ تھی اسی طرح اس کا نمونہ بھی ہر عیب و نقص سے مبرا ہونا چاہیے۔ اللہ تعالیٰ نے رسول کی ذات کو کسی تفصیل کے بغیر "اسوۂ حسنہ" فرمایا اور صاحب نے کسی جہت کے بغیر اس کو اپنا "اسوۂ" بنالیا۔ پھر جس طرح کہ اس نے تبلیغ احکام کے لیے آپ کو اپنا رسول بنا کر خود بھیجا تھا اسی طرح آپ کی ذات کو نمونہ اور "اسوۂ حسنہ" بھی خود ہی بنا کر بھیجا تھا۔ لہٰذا جس طرح آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے علوم کی قدرت ضامن تھی اسی طرح آپ کے اعمال و افعال کی بھی قدرت ہی خود نگران تھی اور عصمت رسول کا مفہوم اس سے زیادہ اور کچھ نہیں۔ لہٰذا "اسوۂ حسنہ" کو رسول کی عصمت کا دوسرا عملی عنوان سمجھنا چاہیے۔ اب اگر رسول کے کسی قول و عمل میں معصیت کی گنجائش تسلیم کر لی جائے تو دو باتوں میں سے ایک بات ماننی لازم ہوگی یا رسول کی ذات اسوۂ نہ رہے یا معصیت بھی اسوہ کا جزو بن جائے اور نبیوں کے حق میں معصیت کا یہ عمل بھی مذموم نہ رہے کیونکہ جب وہ معصیت خود قدرت کے نمونہ میں موجود ہے تو پھر اس کی اتباع پر امت سے باز پرس کیوں ہو۔ یہ دونوں باتیں ایک لمحہ کے لیے بھی قابل تسلیم نہیں اس لیے یہی بات تسلیم کرنی ہوگی کہ رسول چونکہ معصوم ہوتا ہے اس لیے اس کے کسی عمل پر معصیت کا اطلاق نہیں ہو سکتا۔ اس کا ہر ہر عمل نظر ربوبیت میں حسن اور نیکی شمار ہوتا ہے اور نیکی بھی وہ جس کو نمونہ کہا جا سکے۔

عَنْ نَافِعٍ قَالَ اَرَادَ ابْنُ عُمَرَ الْحَجَّ عَامَ حَجَّةِ الْحَرُوْرِيَّةِ فِيْ عَهْدِ ابْنِ الزُّبَيْرِ فَقِيْلَ لَهٗ اِنَّ النَّاسَ كَائِنٌ بَيْنَهُمْ قِتَالٌ وَنَخَافُ اَنْ يَّصُدُّوْكَ فَقَالَ لَقَدْ كَانَ لَكُمْ فِيْ رَسُوْلِ اللّٰهِ اُسْوَةٌ حَسَنَةٌ اِذَنْ اَصْنَعُ كَمَا صَنَعَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اُشْهِدُكُمْ اَنِّيْ قَدْ اَوْجَبْتُ عُمْرَةً حَتّٰى كَانَ بِظَاهِرِ الْبَيْدَاءِ قَالَ مَا شَاْنُ الْحَجِّ وَالْعُمْرَةِ اِلَّا وَاحِدٌ اُشْهِدُكُمْ اَنِّيْ قَدْ جَمَعْتُ حَجَّةً مَعَ عُمْرَةٍ وَاَهْدٰى هَدْيًا مُقَلَّدًا اِشْتَرَاهُ حَتّٰى قَدِمَ فَطَافَ بِالْبَيْتِ وَبِالصَّفَا وَالْمَرْوَةِ وَلَمْ يَزِدْ عَلٰى ذٰلِكَ وَلَمْ يَحْلِلْ مِنْ شَيْءٍ حَرُمَ مِنْهُ حَتّٰى يَوْمِ النَّحْرِ فَحَلَقَ وَنَحَرَ وَرَاٰى اَنْ قَدْ قَضٰى طَوَافَهُ لِلْحَجِّ وَالْعُمْرَةِ

بِطَوَافِهِ الْأَوَّلِ ثُمَّ قَالَ كَذٰلِكَ صَنَعَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ. (رواہ البخاری)

نافع رضی اللہ تعالیٰ عنہ بیان کرتے ہیں کہ جس سال خوارج کے ساتھ جنگ تھی حضرت ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے حج کا ارادہ فرمایا۔ یہ عبداللہ بن زبیر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا زمانہ تھا۔ لوگوں نے کہا کہ سامنے جنگ کھڑی ہے ہمیں اندیشہ ہے کہ دشمن کہیں آپ کو جانے نہ دیں۔ انہوں نے فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات منبع البرکات میں تمہارے لیے بہترین نمونہ موجود ہے اگر ایسا ہوگا تو میں بھی وہی کروں گا جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایسے موقع پر کیا تھا۔ یہ فرما کر ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا گواہ رہو میں عمرہ کی نیت کر چکا۔ اس کے بعد جب مقام بیداء پر پہنچے تو فرمایا کہ حج اور عمرہ کا معاملہ یکساں ہی ہے لہٰذا میں تم کو گواہ کرتا ہوں کہ عمرہ کے ساتھ میں حج کی بھی نیت کیے لیتا ہوں اور جو ہدی آتے وقت مقام قدید سے خریدی تھی اس کو قلادہ پہنا کر ساتھ لے چلے۔ مکہ مکرمہ پہنچ کر انہوں نے بیت اللہ اور صفا و مروہ کا طواف کیا اس کے سوا اور کچھ نہ کیا اور عید قربان کے دن تک بدستور محرم رہے جب دسویں تاریخ ہوئی تو اب سر منڈایا اور ہدی کا جانور ذبح کیا اور ان کا خیال یہ تھا کہ حج و عمرہ کے لیے جو طواف ان کے ذمہ ضروری تھا وہ پہلا طواف کر کے انہوں نے ادا کر دیا ہے۔ اس کے بعد انہوں نے فرمایا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی اسی طرح کیا تھا۔ (بخاری شریف)

حَدَّثَنَا حَكِيْمٌ أَنَّهُ سَمِعَ عَبْدَ اللّٰهِ بْنَ عُمَرَ عَنْ رَجُلٍ نَذَرَ أَلَّا يَأْتِيَ عَلَيْهِ يَوْمٌ إِلَّا صَامَ فَوَافَقَ يَوْمَ أَضْحٰى أَوْ فِطْرٍ فَقَالَ لَقَدْ كَانَ لَكُمْ فِيْ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أُسْوَةٌ حَسَنَةٌ لَمْ يَكُنْ يَصُوْمُ يَوْمَ الْفِطْرِ وَلَا الْأَضْحٰى وَلَا يَرٰى صِيَامَهُمَا. (رواہ البخاری)

حکیم کہتے ہیں کہ ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے ایک شخص کے متعلق مسئلہ پوچھا گیا جس نے یہ نذر کر لی تھی کہ جب تک وہ زندہ رہے گا ہر سہ شنبہ یا چہار شنبہ کو روزہ رکھا کرے گا۔ اتفاق ایسا ہوا کہ اس دن عید الفطر یا عید قربان آ گئی اب وہ کیا کرے۔ انہوں نے فرمایا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات میں تمہارے لیے بہترین نمونہ موجود ہے آپ صلی اللہ علیہ وسلم نہ عید الفطر میں روزہ رکھتے تھے نہ عید قربان میں اور نہ ان دونوں دنوں میں روزہ رکھنا درست سمجھتے تھے۔ (بخاری شریف)

عَنْ سَعِيْدِ بْنِ جُبَيْرٍ أَنَّ ابْنَ عَبَّاسٍ قَالَ فِي الْحَرَامِ يُكَفِّرُ وَقَالَ ابْنُ عَبَّاسٍ لَقَدْ كَانَ لَكُمْ فِيْ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أُسْوَةٌ حَسَنَةٌ. (رواہ البخاری)

سعید بن جبیر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے تھے: اگر کوئی شخص اپنی بیبی سے "انت علی حرام" کے لفظ کہہ دے تو اس کو کفارہ یمین ادا کرنا چاہیے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات مبارک میں تمہارے لیے بہترین نمونہ ہے۔ (بخاری شریف)

تشریح۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا مطلب یہ تھا کہ یہ الفاظ کہنے سے طلاق واقع نہیں ہوتی بلکہ صرف کفارہ یمین ادا کر دینا کافی ہوتا ہے۔ جیسا کہ ایک واقعہ میں آپ نے شہد کے متعلق فرما دیا تھا کہ آئندہ میں شہد استعمال نہیں کروں گا تو اس میں اللہ تعالیٰ نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے ذمہ کفارہ ادا کرنا ہی لازم فرمایا تھا۔

عَنْ زِيَادِ بْنِ جُبَيْرٍ قَالَ رَأَيْتُ ابْنَ عُمَرَ أَتٰى عَلٰى رَجُلٍ قَدْ أَنَاخَ بَدَنَتَهُ يَنْحَرُهَا قَالَ ابْعَثْهَا قِيَامًا

مُقْتَدِيَةً سُنَّةَ مُحَمَّدٍ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ. (رواه البخاری)

زیاد بن جبیر بیان کرتے ہیں میں نے دیکھا کہ ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا گزر ایک شخص پر ہوا جو اپنے اونٹ کو بٹھا کر نحر کر رہا تھا۔ انہوں نے فرمایا کہ اس کا گھٹنا باندھ کر کھڑا کر یہی محمد صلی اللہ علیہ وسلم کا طریقہ تھا۔ (بخاری شریف)

عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ قَالَ قَرَأَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فِيمَا أُمِرَ وَسَكَتَ فِيمَا أُمِرَ وَمَا كَانَ رَبُّكَ نَسِيًّا لَقَدْ كَانَ لَكُمْ فِي رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أُسْوَةٌ حَسَنَةٌ. (رواه البخاری)

ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو جس بات کا حکم ہوا وہ آپ نے پڑھ کر سنادی اور جہاں خاموش رہنے کا حکم ہوا وہاں آپ خاموش رہے (اس لیے آپ کا نطق و سکوت دونوں حکم الٰہی کے ماتحت تھا) "وما کان ربک نسیا" (مریم) اور تمہارے لیے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات ہی میں بہترین نمونہ ہے۔ (لہٰذا بے وجہ کھود کرید مت کیا کرو) (بخاری شریف)

عَنِ ابْنِ عُمَرَ قَالَ صَحِبْتُ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَلَمْ أَرَهُ يُسَبِّحُ فِي السَّفَرِ وَقَالَ اللّٰهُ تَعَالٰى لَقَدْ كَانَ لَكُمْ فِي رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أُسْوَةٌ حَسَنَةٌ. (رواه البخاری)

ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کہتے ہیں کہ میں سفر میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ رہا ہوں میں نے سفر میں آپ کو نوافل پڑھتے نہیں دیکھا اور تمہارے لیے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات جامع البرکات ہی میں بہتر نمونہ ہے۔

عَنْ رَجُلٍ أَنَّهُ سَأَلَ عَبْدَ اللّٰهِ بْنَ عُمَرَ فَقَالَ يَا أَبَا عَبْدِ الرَّحْمٰنِ إِنَّا نَجِدُ صَلٰوةَ الْخَوْفِ وَصَلٰوةَ الْحَضَرِ فِي الْقُرْاٰنِ وَلَا نَجِدُ صَلٰوةَ السَّفَرِ فَقَالَ يَا ابْنَ أَخِي إِنَّ اللّٰهَ بَعَثَ إِلَيْنَا مُحَمَّدًا صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَلَا نَعْلَمُ شَيْئًا فَإِنَّمَا نَفْعَلُ كَمَا رَأَيْنَاهُ يَفْعَلُ. (رواه مالک فی الموطا)

ایک شخص نے عبداللہ بن عمر سے پوچھا اے ابو عبدالرحمٰن! (ان کی کنیت ہے) قرآن کریم میں ہم کو صلوٰۃ الخوف کا بھی ذکر ملتا ہے اور اقامت کی حالت کا بھی ذکر ملتا ہے مگر سفر کی نماز کا ذکر نہیں ملتا۔ انہوں نے فرمایا میرے بھتیجے! اللہ تعالیٰ نے محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو ایسے زمانہ میں بھیجا تھا کہ ہم کچھ بھی نہ جانتے تھے بس جیسا آپ کو کرتے دیکھا ایسا ہی ہم کرلیتے تھے۔ (مالک)

عَنْ سَعِيْدِ بْنِ يَسَارٍ قَالَ كُنْتُ مَعَ ابْنِ عُمَرَ فِي سَفَرٍ فَتَخَلَّفْتُ عَنْهُ فَقَالَ أَيْنَ كُنْتَ فَقُلْتُ أَوْتَرْتُ فَقَالَ أَلَيْسَ لَكَ فِي رَسُوْلِ اللّٰهِ أُسْوَةٌ حَسَنَةٌ رَأَيْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يُوْتِرُ عَلٰى رَاحِلَتِهِ. (رواه الترمذی وقال حدیث حسن صحیح)

سعید بن یسار کہتے ہیں کہ میں ایک سفر میں ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے ساتھ تھا ایک جگہ میں ان سے ذرا پیچھے رہ گیا۔ انہوں نے پوچھا کہاں رہ گئے تھے میں نے عرض کی پیچھے اتر کر وتر پڑھنے لگا تھا اس پر انہوں نے فرمایا کیا تمہارے لیے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات ہی میں بہتر نمونہ موجود نہ تھا میں نے آپ کو اپنی سواری ہی پر وتر پڑھتے دیکھا ہے۔ (ترمذی شریف)

تشریح: ان تمام واقعات میں صحابہ کرام نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے مختلف عمل کا ذکر کیا ہے اور ہر عمل کی اتباع کرنے کی دعوت اسی بناء پر دی ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات بابرکات اُمت کے لیے "اسوۂ حسنہ" تھی۔ اس لیے اگر اس میں کچھ

ایام میں روزہ جیسی عبادت کا ترک نظر آتا ہے تو پھر وہی سب سے بڑی عبادت ہے۔ اگر کسی نماز کا سواری کے اوپر پڑھنا ثابت ہوتا ہے تو یہی کمال ہے۔ اگر حالت سفر میں پابندی کے ساتھ نوافل نظر نہیں آتے تو نوافل کا اسی طرح ادا کرنا ہی افضل ہے حتیٰ کہ اگر حج و عمرہ جیسی قدیم عبادت کا کسی عذر سے ناتمام چھوڑ دینا منقول ہے تو کسی تردد کے بغیر یہی مستحسن ہے۔ پس صرف عبادات ہی میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات اسوۂ نہ تھی ترک عبادات میں بھی اسوۂ حسنہ تھی جس کا مطلب یہ تھا کہ جہاں آپ سے ترک عبادت ثابت ہے۔ وہاں عبادت کرنا بعض اوقات معصیت تھا جیسے عیدین کا روزہ۔ صحابی یہاں اس کے عدم جواز کا فتویٰ دیتا ہے اور اس کے لیے سب سے محکم اور آخری دلیل یہی بیان کرتا ہے کہ ان ایام کا روزہ اسوۂ حسنہ میں ہم کو نظر نہیں آتا۔ اب یہ بات سمجھ میں آگئی ہوگی کہ صحابہ کرام کے درمیان قرآن کریم کے اس عنوان اور خاص آپ کے اس لقب کی کتنی اہمیت تھی۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی اتباع ہر ہر عمل میں لازم ہے

أَخْبَرَنِي عَطَاءٌ قَالَ سَمِعْتُ جَابِرَ بْنَ عَبْدِ اللَّهِ فِي أُنَاسٍ مَعَهُ قَالَ أَهْلَلْنَا أَصْحَابَ رَسُولِ اللَّهِ
صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فِي الْحَجِّ خَالِصًا لَيْسَ مَعَهُ عُمْرَةٌ قَالَ عَطَاءٌ قَالَ جَابِرٌ فَقَدِمَ النَّبِيُّ صَلَّى اللَّهُ
عَلَيْهِ وَسَلَّمَ صُبْحَ رَابِعَةٍ مَضَتْ مِنْ ذِي الْحِجَّةِ فَلَمَّا قَدِمْنَا أَمَرَنَا النَّبِيُّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَنْ
نَحِلَّ وَقَالَ أَحِلُّوا وَأَصِيبُوا مِنَ النِّسَاءِ قَالَ عَطَاءٌ قَالَ جَابِرٌ وَلَمْ يَعْزِمْ عَلَيْهِمْ وَلَكِنْ أَحَلَّهُنَّ لَهُمْ
فَبَلَغَهُ أَنَّا نَقُولُ لَمَّا لَمْ يَكُنْ بَيْنَنَا وَبَيْنَ عَرَفَةَ إِلَّا خَمْسٌ أَمَرَنَا أَنْ نَحِلَّ إِلَى نِسَائِنَا فَنَأْتِي عَرَفَةَ تَقْطُرُ
مَذَاكِيرُنَا الْمَذْيَ قَالَ وَيَقُولُ جَابِرٌ بِيَدِهِ هَكَذَا وَحَرَّكَهَا فَقَامَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ
فَقَالَ قَدْ عَلِمْتُمْ أَنِّي أَتْقَاكُمْ لِلَّهِ وَأَصْدَقُكُمْ وَأَبَرُّكُمْ وَلَوْلَا هَدْيِي لَحَلَلْتُ كَمَا تَحِلُّونَ فَحِلُّوا
فَلَوِ اسْتَقْبَلْتُ مِنْ أَمْرِي مَا اسْتَدْبَرْتُ مَا أَهْدَيْتُ فَحَلَلْنَا وَسَمِعْنَا وَأَطَعْنَا. (رواه البخاری)

عطاء کہتے ہیں میں نے چند اور اشخاص کے ساتھ جابر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو یہ فرماتے خود سنا ہے کہ ہم جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی جماعت تھے ہم نے صرف حج کا احرام باندھا تھا اور اس کے ساتھ عمرہ کا احرام نہ باندھا تھا۔ عطاء ذکر کرتے ہیں کہ جابر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے بیان فرمایا ذی الحجہ کی چوتھی تاریخ ہو چکی تھی۔ چوتھی کی صبح کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تشریف لائے جب ہم حاضر ہوئے تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ہم کو حلال ہونے کا حکم دیا اور فرمایا احرام سے نکل جاؤ اور عورتوں کے ساتھ صحبت کرو۔ عطاء کہتے ہیں کہ جابر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا اس حکم سے مقصد صرف یہ تھا کہ اب یہ فعل بھی تمہارے لیے حلال ہو گیا ہے کوئی تاکیدی حکم نہ تھا (حج قریب تھا ادھر آپ حالت احرام میں تھے اس لیے قبل از وقت حلال ہو جانا ہم کو بہت شاق گزرا) آخر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ بات پہنچ گئی کہ ہم لوگ کہتے ہیں کہ حج میں تو صرف پانچ دن ہی باقی رہ گئے اور اب آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ہم کو حلال ہونے کا حکم دیا ہے۔ اگر ہم اب حلال ہوں اور عورتوں کے ساتھ صحبت کریں تو اس کا مطلب یہ ہوگا کہ جب پھر دوسرا احرام باندھ کر عرفہ میں اس طرح حاضر ہوں گویا ابھی صحبت سے فارغ ہو کر آرہے ہیں۔

عطاء کہتے ہیں کہ جابر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اس طرح کی کراہت کا اپنے ہاتھ سے نقشہ کھینچ کر بھی بتایا۔ یہ سن کر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے خطبہ دیا اور فرمایا "تم سب جانتے ہو کہ سب میں زیادہ متقی سب سے زیادہ راست گو اور سب سے بڑھ کر نیک عمل کرنے والا میں ہوں۔ اگر میرے ساتھ ہدی کے جانور موجود نہ ہوتے تو جس طرح تم حلال ہوئے ہو میں بھی حلال ہو جاتا۔ کاش! اگر مجھ کو آغاز سفر میں اس اہتمام کی خبر ہوتی تو میں اپنے ساتھ قربانی کے جانور ہی نہ لاتا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا خطبہ سن کر ہم سب نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے فرمان کے سامنے سر تسلیم جھکا دیا اور سب حلال ہو گئے۔ (بخاری شریف)

عَنْ كَعْبِ بْنِ عُجْرَةَ اَنَّهُ دَخَلَ الْمَسْجِدَ وَعَبْدُ الرَّحْمٰنِ بْنُ اُمِّ الْحَكَمِ يَخْطُبُ قَاعِدًا فَقَالَ انْظُرُوْا اِلٰى هٰذَا الْخَبِيْثِ يَخْطُبُ قَاعِدًا وَقَدْ قَالَ اللّٰهُ تَعَالٰى وَاِذَا رَاَوْا تِجَارَةً اَوْ لَهْوَا نِ انْفَضُّوْا اِلَيْهَا وَتَرَكُوْكَ قَائِمًا. (رواہ مسلم)

کعب بن عجرہ بیان کرتے ہیں کہ وہ مسجد میں داخل ہوئے تو اس وقت عبد الرحمٰن بن ام الحکم بیٹھ کر خطبہ دے رہا تھا انہوں نے فرمایا ذرا اس خبیث کو دیکھو (کیسا) بیٹھا بیٹھا خطبہ دے رہا ہے حالانکہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد یہ ہے "واذا رأوا تجارۃ الخ" یعنی جب کسی تجارت کو یا کسی کھیل تماشا کو دیکھتے ہیں تو اس کی طرف دوڑتے ہیں اور تجھ کو کھڑا چھوڑ جاتے ہیں۔ (مسلم)

عَنْ عُمَارَةَ بْنِ رُؤَيْبَةَ اَنَّهُ رَاٰى بِشْرَ بْنَ مَرْوَانَ عَلَى الْمِنْبَرِ رَافِعًا يَدَيْهِ فَقَالَ قَبَّحَ اللّٰهُ هَاتَيْنِ الْيَدَيْنِ لَقَدْ رَاَيْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَا يَزِيْدُ عَلٰى اَنْ يَّقُوْلَ بِيَدِهٖ هٰكَذَا وَاَشَارَ بِاِصْبَعِهِ الْمُسَبِّحَةِ. (رواہ مسلم)

عمارہ بن رویبہ بیان کرتے ہیں کہ انہوں نے بشر بن مروان کو دیکھا کہ وہ منبر پر خطبہ میں اپنے دونوں ہاتھ اٹھائے ہوئے ہے یہ دیکھ کر انہوں نے فرمایا خدا تعالیٰ ان دونوں ہاتھوں کا ناس کرے کیونکہ میں نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھا تھا آپ صلی اللہ علیہ وسلم تو اپنے ہاتھ کی صرف شہادت کی انگلی اٹھاتے تھے اس کو عمارہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اپنی شہادت کی انگلی سے اشارہ کر کے بتایا۔ (مسلم)

عَنْ جَابِرٍ قَالَ لَمَّا اسْتَوٰى رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَوْمَ الْجُمُعَةِ عَلَى الْمِنْبَرِ قَالَ اجْلِسُوْا فَسَمِعَ ذٰلِكَ ابْنُ مَسْعُوْدٍ فَجَلَسَ عَلٰى بَابِ الْمَسْجِدِ فَرَاٰهُ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقَالَ تَعَالَ يَا عَبْدَ اللّٰهِ بْنَ مَسْعُوْدٍ. (رواہ مسلم)

جابر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ جمعہ کے دن جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم خطبہ کے لیے منبر پر اطمینان کے ساتھ بیٹھ گئے تو لوگوں کو خطاب کر کے فرمایا "سب بیٹھ جائیں" عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ فرمان مسجد کے دروازہ پر سنا اور فوراً وہیں بیٹھ گئے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو دیکھ لیا اور فرمایا عبد اللہ بن مسعود آگے آ جاؤ۔ (مسلم)

حَدَّثَنَا اَبُوْ حَازِمٍ اَنَّ رِجَالًا اَتَوْا سَهْلَ بْنَ سَعْدِ نِ السَّاعِدِيَّ وَقَدِ امْتَرَوْا فِي الْمِنْبَرِ مِمَّ عُوْدُهٗ فَسَاَلُوْهُ عَنْ ذٰلِكَ فَقَالَ وَاللّٰهِ اِنِّيْ لَاَعْرِفُ مِمَّا هُوَ وَلَقَدْ رَاَيْتُهٗ اَوَّلَ يَوْمٍ وُضِعَ وَاَوَّلَ يَوْمٍ جَلَسَ عَلَيْهِ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَرْسَلَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اِلٰى فُلَانَةَ امْرَاَةٍ مِّنَ الْاَنْصَارِ قَدْ سَمَّاهَا سَهْلٌ مُرِيْ غُلَامَكِ النَّجَّارَ اَنْ يَّعْمَلَ لِيْ اَعْوَادًا اَجْلِسُ عَلَيْهِنَّ اِذَا كَلَّمْتُ

النَّاسَ فَأَمَرَتْهُ فَعَمِلَهَا مِنْ طَرْفَاءِ الْغَابَةِ ثُمَّ جَاءَ بِهَا فَأَرْسَلَتْ إِلَى رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَأَمَرَ بِهَا فَوُضِعَتْ هَهُنَا ثُمَّ رَأَيْتُ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ صَلَّى عَلَيْهَا وَكَبَّرَ وَهُوَ عَلَيْهَا ثُمَّ نَزَلَ الْقَهْقَرَى فَسَجَدَ فِي أَصْلِ الْمِنْبَرِ ثُمَّ عَادَ فَلَمَّا فَرَغَ أَقْبَلَ عَلَى النَّاسِ فَقَالَ أَيُّهَا النَّاسُ إِنَّمَا صَنَعْتُ هَذَا لِتَأْتَمُّوا بِي وَلِتَعَلَّمُوا صَلَاتِي. (رواه البخاري في باب الخطبة على المنبر)

ابو حازم بیان کرتے ہیں کہ لوگوں کے درمیان آپ کے منبر کی لکڑی کے متعلق کچھ اختلاف ہوا وہ کس لکڑی کا تھا۔ اس لیے وہ سہل بن سعد کے پاس آئے اور ان سے اس کی تحقیق کرنی چاہی۔ انہوں نے فرمایا بخدا میں خوب جانتا ہوں منبر کس لکڑی کا تھا میں نے تو اس کو اس دن دیکھا تھا جبکہ وہ پہلے پہل رکھا گیا تھا اور جبکہ آپ اس پر سب سے پہلے رونق افروز ہوئے تھے۔ بات یوں ہوئی تھی کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک انصاری شخص کی بی بی کے پاس یہ کہلا بھیجا تھا (جس کا نام بھی سہل نے بیان کیا تھا) کہ اپنے غلام سے جو نجاری کا کام جانتا ہے کہہ دو کہ جب میں لوگوں کے سامنے خطبہ دینا چاہوں تو میرے بیٹھنے کے لیے وہ لکڑیوں کا ایک منبر بنا دے۔ انہوں نے اسی وقت اپنے غلام کو حکم دیا۔ اس نے مقام غابہ کے جھاؤ کے درخت کا منبر تیار کر کے حاضر کر دیا۔ ان بی بی صاحبہ نے وہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں بھیج دیا۔ پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے حکم کے مطابق وہ وہاں رکھ دیا گیا (یعنی جو منبر کی جگہ تھی) اس کے بعد پھر ایک موقع پر میں نے دیکھا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے منبر پر نماز ادا فرمائی۔ اس طرح کہ جب تکبیر کہی تو آپ اس کے اوپر ہی تھے پھر جب سجدہ کا وقت آیا تو پیچھے پیروں اتر گئے اور اتر کر منبر کی جڑ میں سجدہ کیا پھر لوٹ کر منبر پر تشریف لے گئے۔ جب نماز سے فارغ ہو گئے تو لوگوں سے مخاطب ہو کر فرمایا لوگو! دیکھو (آج) میں نے اس طرح نماز اتر کر اور چڑھ کر اس لیے ادا کی ہے تا کہ تم سب کے سب دیکھ کر میری نماز سیکھ سکو اور دیکھ کر میری اقتدا کر سکو۔ (بخاری)

تشریح۔ حدیث مذکور میں اتباع کی اہمیت کا اندازہ اس سے لگائیے کہ نماز جیسی چیز کو آج منبر پر صرف اس لیے ادا کیا جا رہا ہے کہ مقتدیوں کا ہر ہر فرد آپ کی نماز کو بچشم خود ملاحظہ کر لے اور پھر ہو بہو اس کی نقل کرنے کی سعی کر لے۔ حالانکہ جو لوگ پنج وقتہ آپ ہی کے ساتھ نماز ادا کرتے تھے ان کو ایک حد تک آپ کی نماز کا مشاہدہ حاصل ہی تھا مگر معلوم آپ کی اتباع کی نظر روبیت میں اہمیت کتنی تھی کہ آپ نے یہ بھی پسند فرمایا کہ صف اول و ثانی کے فرق سے جو آپ کے ارکان صلوۃ کے مشاہدہ میں جو فرق آ سکتا ہے وہ بھی باقی رہے اس لیے اس کا یہ اہتمام فرمایا کہ ایک وقت آپ کی نماز کا جتنا حصہ زیادہ سے زیادہ مشاہدہ میں آ سکتا ہے وہ بلا واسطہ سب کے ہی مشاہدہ میں آ جائے۔ پھر نماز سے فارغ ہو کر آپ کے اس ارشاد سے کہ آج میں نے منبر پر نماز اس لیے ادا کی ہے۔ ثابت ہوتا ہے کہ آپ کا آج کا عمل نماز کی مستقل سنت نہ تھا۔ اس سے یہ بھی نتیجہ نکلتا ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا ہر ہر عمل قابل اتباع تھا حتی کہ اگر کہیں آپ صلی اللہ علیہ وسلم یہ تنبیہ نہ فرما دیتے تو اس طرح نماز ادا کرنے کو بھی ایک سنت سمجھا جا سکتا تھا۔ تعجب ہے کہ اپنے جس عمل کی وجہ آپ نے خود بیان فرما دی ہو اس پر آئندہ نسلوں کی ضرورت ہی کیا تھی۔ یہ عمل قلیل تھا یا عمل کثیر مگر بہر حال نہ آپ کے سوا کوئی ایسا ہے جس کی ایک ایک بات امت کے سامنے آنے کی ضرورت ہو اور ان لیے نہ آئندہ کسی کو یہ حق پہنچتا ہے کہ وہ منبر پر اس طرح نماز ادا کرے اس لیے اس عمل کو عہد رسالت پر ہی ختم کر دیا جاتا ہے۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی اطاعت

عَنْ اَنَسٍ قَالَ جَاءَ ثَلٰثَةُ رَهْطٍ اِلٰى اَزْوَاجِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَسْاَلُوْنَ عَنْ عِبَادَةِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَلَمَّا اُخْبِرُوْا بِهَا كَاَنَّهُمْ تَقَالُّوْهَا فَقَالُوْا اَيْنَ نَحْنُ مِنَ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَقَدْ غَفَرَ اللّٰهُ مَا تَقَدَّمَ مِنْ ذَنْبِهٖ وَمَا تَاَخَّرَ فَقَالَ اَحَدُهُمْ اَمَّا اَنَا فَاُصَلِّي اللَّيْلَ اَبَدًا وَقَالَ الْاٰخَرُ اَنَا اَصُوْمُ النَّهَارَ اَبَدًا وَلَا اُفْطِرُ وَقَالَ الْاٰخَرُ اَنَا اَعْتَزِلُ النِّسَاءَ فَلَا اَتَزَوَّجُ اَبَدًا فَجَاءَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اِلَيْهِمْ فَقَالَ اَنْتُمُ الَّذِيْنَ قُلْتُمْ كَذَا وَكَذَا اَمَا وَاللّٰهِ اِنِّيْ اَخْشَاكُمْ لِلّٰهِ وَاَتْقَاكُمْ لَهٗ لٰكِنِّيْ اَصُوْمُ وَاُفْطِرُ وَاُصَلِّيْ وَاَرْقُدُ وَاَتَزَوَّجُ النِّسَاءَ فَمَنْ رَغِبَ عَنْ سُنَّتِيْ فَلَيْسَ مِنِّيْ. (متفق علیہ)

انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ بیان فرماتے ہیں کہ تین شخص آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی ازواج مطہرات میں آپ کی عبادت کا حال دریافت کرنے کے لیے حاضر ہوئے۔ جب ان سے اس کی تفصیل بیان کی گئی تو ایسا اندازہ ہوا گویا وہ اپنے حق میں اس کو کم سمجھے۔ انہوں نے کہا بھلا ہم درماندہ حال خستہ کہاں اور آپ کی شان رفیع کہاں' آپ کے تو گزشتہ اور آئندہ سب معاملات کی مغفرت ہوچکی ہے۔ اس لیے ان میں ایک بولا میں تو ہمیشہ تمام شب نماز پڑھا کروں گا' دوسرے نے کہا کہ میں ہمیشہ روزے رکھا کروں گا اور کبھی افطار نہ کروں گا' تیسرے نے کہا میں ہمیشہ عورتوں سے الگ رہوں گا اور کبھی نکاح نہ کروں گا۔ اسی اثناء میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم بھی تشریف لے آئے' آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا' اچھا تم ہی وہ لوگ ہو جنہوں نے ایسی ایسی باتیں کہی ہیں' سن لو! تم سب میں اللہ تعالیٰ سے زیادہ ڈرنے والا میں ہوں اور تم سب سے زیادہ متقی میں ہوں' میں تو روزہ بھی رکھوں گا اور افطار بھی کروں گا' شب میں نماز بھی پڑھوں گا' اور سوؤں گا بھی اور عورتوں سے نکاح بھی کروں گا' اب جو شخص میرے طریقہ سے اعراض کرے گا وہ مجھ سے نہ ہوگا۔ (متفق علیہ)

تشریح۔ مذکورہ بالا حدیث پر غور فرمایئے کہ صحابہ کرام نے یہ کلمات فرمائے کیوں؟ صرف آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی شان کی برتری اور اپنے احساس کمتری کی بناء پر مگر اس پر بھی ان کو تنبیہ کی گئی۔ بات یہ تھی کہ جس طرح جذبات کے دباؤ میں انسان کو بعض اہم گوشوں سے ذہول ہو جایا کرتا ہے اسی طرح ان کو بھی یہاں ذرا سا ذہول ہوگیا اور وہ یہ کہ انبیاء علیہم السلام کی بعثت کا مقصد ہی تعلیم امت ہے اس لیے جب تک وہ خود تصریح نہ فرما دیں ان کے کسی عمل کو ان کی ذات کے ساتھ مخصوص سمجھ لینا خواہ وہ کتنی ہی خوبصورت تاویل کے ساتھ کیوں نہ ہو مستحسن نہیں ہے۔ نبی کا حق یہ ہے کہ اس کی اتباع کی جائے اور اتباع کی حقیقت قدم بہ قدم چلنا ہے یہاں جس طرح ایک قدم اگر پیچھے رہ گیا تو اتباع نہیں رہی۔ اسی طرح اگر ایک قدم آگے بڑھ گیا تو بھی اتباع نہ رہی۔ اس لیے صرف کثرت عبادات کچھ کمال نہیں نبی وقت میں دو صفتیں تمام امت سے کامل ہوتی ہیں۔ علم باللہ اور تقویٰ۔ پھر ان صفات میں ان کا رتبہ خود قیاس کر لو جن کا دامن قیامت کے انسانوں تک پھیلا ہوا ہے پھر ان کے کسی عمل کو بھی اپنے لیے باعث کمال نہ سمجھنا کتنا بڑا نقص ہوگا۔ عملی کوتاہی کے صرف دو سبب ہوتے ہیں یا علمی نقصان یا جذبۂ عمل کا فقدان' جہاں یہ دونوں سبب موجود نہ ہوں وہاں کسی عمل کے متعلق بھی یہ تصور کرنا کہ وہ کسی ادنیٰ سے ادنیٰ انسان کے حق میں بھی اعلیٰ سے اعلیٰ نہ ہوگا۔ یہی بڑی کوتاہی ہے۔

عَنْ عَائِشَةَ قَالَتْ صَنَعَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ شَيْئًا فَرَخَّصَ فِيْهِ فَتَنَزَّهَ عَنْهُ قَوْمٌ فَبَلَغَهُ ذٰلِكَ فَغَضِبَ فَحَمِدَ اللّٰهَ وَاَثْنٰى عَلَيْهِ ثُمَّ قَالَ مَا بَالُ اَقْوَامٍ يَتَنَزَّهُوْنَ عَنِ الشَّيْءِ اَصْنَعُهُ فَوَاللّٰهِ اِنِّيْ لَاَعْلَمُهُمْ بِاللّٰهِ وَاَشَدُّهُمْ لَهُ خَشْيَةً۔ (متفق علیہ)

حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا روایت فرماتی ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے (ایک مرتبہ) کوئی ایسا کام کیا جس میں آپ نے رخصت پر عمل فرمایا (یعنی دین کا وہ پہلو جو دوسرے پہلو کی نسبت آسان ہو) بعض لوگوں نے اس کی اتباع کرنے سے کنارہ کشی کی۔ یہ بات آپ کو بھی پہنچ گئی اس پر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے تقریر فرمائی اور خدا تعالیٰ کی حمد و ثناء کے بعد فرمایا لوگوں کو کیا ہو گیا ہے کہ وہ ایسی بات کرنے سے بھی احتراز کرتے ہیں جو خود میں کرتا ہوں۔ خدا کی قسم ان سب میں اللہ تعالیٰ کی ذات و صفات کا سب سے زیادہ جاننے والا میں ہوں اور ان سب سے زیادہ ڈرنے والا میں ہوں۔ (شیخین)

عَنْ عَائِشَةَ اَنَّ رَجُلًا قَالَ لِرَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَهُوَ وَاقِفٌ عَلَى الْبَابِ وَاَنَا اَسْمَعُ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ اِنِّيْ اُصْبِحُ جُنُبًا وَاَنَا اُرِيْدُ الصِّيَامَ فَقَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَاَنَا اُصْبِحُ جُنُبًا وَاَنَا اُرِيْدُ الصِّيَامَ فَاَغْتَسِلُ وَاَصُوْمُ فَقَالَ لَهُ الرَّجُلُ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ اِنَّكَ لَسْتَ مِثْلَنَا قَدْ غَفَرَ اللّٰهُ لَكَ مَا تَقَدَّمَ مِنْ ذَنْبِكَ وَمَا تَاَخَّرَ فَغَضِبَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَقَالَ وَاللّٰهِ اِنِّيْ لَاَرْجُوْ اَنْ اَكُوْنَ اَخْشَاكُمْ لِلّٰهِ وَاَعْلَمَكُمْ بِمَا اَتَّقِيْ۔ (رواہ مالک)

حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے روایت ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اپنے گھر کے دروازہ پر کھڑے ہوئے تھے اس وقت ایک شخص نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے یہ مسئلہ پوچھا اور میں سن رہی تھی یا رسول اللہ! (صلی اللہ علیہ وسلم) اگر صبح کو میں ناپاک اٹھوں اور میرا ارادہ روزہ رکھنے کا ہو تو کیا میں جنابت کی حالت میں روزہ کی نیت کر سکتا ہوں؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے جواب دیا اگر صبح کو میں جنابت کی حالت میں ہوتا ہوں اور میرا ارادہ روزہ رکھنے کا ہوتا ہے تو میں پہلے غسل کرتا ہوں پھر اس کے بعد روزہ کی نیت کر لیتا ہوں اور بس۔ اس پر وہ شخص بولا۔ بھلا آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی شان ہماری جیسی؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے تو اگلے پچھلے سب معاملات بخشے جا چکے ہیں۔ اس کا یہ کہنا تھا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو سخت ناگواری ہوئی اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا خدا کی قسم! مجھے اللہ تعالیٰ کی ذات سے امید ہے کہ میں تم سب سے زیادہ اللہ تعالیٰ سے ڈرنے والا اور تم سب سے زیادہ تقویٰ کی راہ کا علم رکھنے والا ہوں گا۔ (مالک)

عَنْ عَطَاءِ بْنِ يَسَارٍ اَنَّ رَجُلًا قَبَّلَ امْرَاَتَهُ وَهُوَ صَائِمٌ فِيْ رَمَضَانَ فَوَجَدَ مِنْ ذٰلِكَ وَجْدًا شَدِيْدًا فَاَرْسَلَ امْرَاَتَهُ تَسْاَلُ لَهُ عَنْ ذٰلِكَ فَدَخَلَتْ عَلٰى اُمِّ سَلَمَةَ زَوْجِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَذَكَرَتْ ذٰلِكَ لَهَا فَاَخْبَرَتْهَا اُمُّ سَلَمَةَ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يُقَبِّلُ وَهُوَ صَائِمٌ فَرَجَعَتْ اِلٰى زَوْجِهَا فَاَخْبَرَتْهُ فَزَادَهُ ذٰلِكَ شَرًّا وَقَالَ لَسْنَا مِثْلَ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اللّٰهُ يُحِلُّ لِرَسُوْلِهِ مَا يَشَاءُ ثُمَّ رَجَعَتِ امْرَاَتُهُ اِلٰى اُمِّ سَلَمَةَ فَوَجَدَتْ عِنْدَهَا رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ

وَسَلَّمَ فَقَالَ رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَا لِهٰذِهِ الْمَرْأَةِ فَأَخْبَرَتْهُ أُمُّ سَلَمَةَ فَقَالَ رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَلَا أَخْبَرْتِيهَا أَنِّي أَفْعَلُ ذٰلِكَ فَقَالَتْ قَدْ أَخْبَرْتُهَا فَذَهَبَتْ إِلٰى زَوْجِهَا فَأَخْبَرَتْهُ فَزَادَهُ ذٰلِكَ شَرًّا وَقَالَ لَسْنَا مِثْلَ رَسُولِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يُحِلُّ اللّٰهُ لِرَسُولِهِ مَا شَاءَ فَغَضِبَ رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَقَالَ وَاللّٰهِ إِنِّي لَأَتْقَاكُمْ لِلّٰهِ وَأَعْلَمُكُمْ بِحُدُودِهِ. (رواہ مالک)

عطاء بن یسار بیان کرتے ہیں کہ ایک شخص نے روزہ کی حالت میں اپنی بی بی کا بوسہ لے لیا پھر اس حرکت پر اس کو سخت غم ہوا۔ اس نے مسئلہ دریافت کرنے کے لیے اپنی بی بی کو بھیجا وہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی ازواج میں حضرت ام سلمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی خدمت میں حاضر ہوئیں اور سب واقعہ ان سے ذکر کیا انہوں نے فرمایا کہ روزہ کی حالت میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بھی ایسا کر لیتے تھے انہوں نے لوٹ کر یہ جواب اپنے شوہر کو سنا دیا اس بیچارہ کا غم اور دونا ہو گیا وہ بولے ہم بھلا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی طرح کہاں ہیں (کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی نقل کر سکیں) اللہ تعالیٰ اپنے رسول کے حق میں جو چاہے حلال فرما سکتا ہے۔ ان کی بی بی پھر ام سلمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی خدمت میں حاضر ہوئیں۔ اس مرتبہ وہ آئیں تو انہوں نے دیکھا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم بھی وہاں رونق افروز تھے آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے پوچھا یہ عورت کیسے آئی ہیں؟ حضرت ام سلمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے ان کا واقعہ بیان کیا آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تم نے اس سے کہہ دیا ہوتا کہ میں بھی ایسا کر لیتا ہوں۔ انہوں نے عرض کی میں نے کہہ تو دیا تھا مگر جب انہوں نے اپنے شوہر کو جا کر اس کی اطلاع دی تو ان کو اور زیادہ غم ہوا اور انہوں نے یہ کہا ہم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جیسے کہاں ہو سکتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ اپنے رسول کے حق میں جو چاہے معاف فرما سکتا ہے یہ سن کر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو سخت ناگواری ہوئی اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا بخدا میں تم سب سے زیادہ اللہ کا تقویٰ رکھتا ہوں اور اس کے حلال و حرام کی حدود کا سب سے زیادہ جاننے والا ہوں۔ (مالک)

عَنْ جَابِرٍ أَنَّ رَسُولَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ خَرَجَ عَامَ الْفَتْحِ إِلٰى مَكَّةَ فِي رَمَضَانَ فَصَامَ حَتّٰى بَلَغَ كُرَاعَ الْغَمِيمِ فَصَامَ النَّاسُ ثُمَّ دَعَا بِقَدَحٍ مِنْ مَاءٍ فَرَفَعَهُ حَتّٰى نَظَرَ النَّاسُ إِلَيْهِ ثُمَّ شَرِبَ فَقِيلَ لَهُ بَعْدَ ذٰلِكَ إِنَّ بَعْضَ النَّاسِ قَدْ صَامَ فَقَالَ أُولٰئِكَ الْعُصَاةُ أُولٰئِكَ الْعُصَاةُ. (رواہ مسلم)

جابر رضی اللہ تعالیٰ عنہ بیان فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اس سال جس میں کہ مکہ مکرمہ فتح ہوا رمضان المبارک میں سفر کے لیے نکلے اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے روزہ رکھا اور لوگوں نے بھی روزہ رکھ لیا۔ جب مقام "کراع الغمیم" پر پہنچے تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک پیالے میں پانی منگوایا اور اپنے ہاتھ میں اس کو اتنا اونچا اٹھایا کہ سب لوگوں نے دیکھ لیا اس کے بعد (افطار کرنے کی غرض سے) اس کو پی لیا اس کے بعد آپ کو یہ اطلاع موصول ہوئی کہ بعض لوگ تو اب بھی روزہ دار ہیں اس پر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا یہی لوگ ہیں جو نافرمان ہیں یہی لوگ ہیں جو نافرمان ہیں۔ (مسلم)

کسی بات پر خاموشی بھی اس کے جواز کی قطعی دلیل ہے

عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ أَنَّ أُمَّ حُفَيْدٍ بِنْتَ الْحَارِثِ بْنِ حَزْنٍ أَهْدَتْ إِلَى النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ سَمْنًا وَأَقِطًا وَأَضُبًّا فَدَعَا بِهِنَّ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَأُكِلْنَ عَلٰى مَائِدَتِهِ فَتَرَكَهُنَّ النَّبِيُّ صَلَّى

اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ کَالْمُتَقَذِّرِ لَہٗ وَلَوْ کُنَّ حَرَامًا مَا اُکِلْنَ عَلٰی مَائِدَتِہٖ وَلَا اَمَرَ بِاَکْلِہِنَّ۔ (رواہ البخاری)

ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ روایت فرماتے ہیں کہ ام حفید نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں تھوڑا سا گھی کچھ پنیر اور چند گوہ (ایک جانور ہوتا ہے) بطور ہدیہ پیش کیں آپ نے ان کو منگوایا اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے دستر خوان پر دوسرے لوگوں نے ان کو کھایا لیکن خود رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو اس طرح نفرت سے چھوڑ دیا جیسے گھن کی چیز چھوڑی جاتی ہے اور ان کے کھانے کے لیے بھی کسی کو نہ فرمایا اگر گوہ حرام ہوتی تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے دستر خوان پر لوگوں کے کھانے میں نہ آسکتی۔ (بخاری شریف)

تشریح۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے امر و نہی کا رتبہ تو بہت بلند ہے جو چیز آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی آنکھوں کے سامنے پیش آئے اور اس پر آپ سکوت فرمائیں تو آپ کا یہ سکوت بھی جواز کی قطعی حجت سمجھا جاتا ہے کیونکہ یہ ناممکن ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے کوئی ناجائز فعل ہو اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم اس پر سکوت اختیار فرمائیں۔ اب اندازہ فرمائیے کہ دین کے باب میں کسی ناجائز بات پر جہاں سکوت کا امکان بھی نہ ہو وہاں خود کسی معصیت کے ارتکاب کرنے کا بھلا کیا امکان ہو سکتا ہے۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام اور حضرت خضر علیہ السلام کی سرگزشت کا ایک اہم سبق یہی ہے۔

عَنْ جَابِرٍ قَالَ کُنَّا نَعْزِلُ وَالْقُرْاٰنُ یَنْزِلُ (متفق علیہ) وزاد مسلم فَبَلَغَ ذٰلِکَ النَّبِیَّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ فَلَمْ یَنْہَنَا۔

جابر رضی اللہ تعالیٰ عنہ بیان کرتے ہیں کہ ہم عزل کیا کرتے تھے اور اس وقت قرآن نازل ہو رہا تھا (متفق علیہ) مسلم کی روایت میں یہ بات اور زیادہ ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو ہمارے اس عمل کی اطلاع ہوئی تو آپ نے اس کو منع نہیں فرمایا۔ (عزل کا مطلب یہ ہے کہ انزال کے وقت عضو باہر کر لیا جائے تاکہ عورت حاملہ نہ ہو)

تشریح۔ صحابہ کرام رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین کے اس استدلال کا حاصل یہی ہے کہ اگر یہ بات نادرست ہوتی تو اس کے علم میں آ جانے کے بعد آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اس پر کیسے سکوت فرما سکتے تھے۔ پس جس طرح آپ کا نطق دین کے باب میں حجت تھا اسی طرح آپ کا سکوت بھی حجت تھا بلکہ اس سے زیادہ سکوت و نطق کی ایک ایک ادا بھی دین میں حجت بن جاتی تھی۔

عَنْ عَائِشَۃَ قَالَتْ دَخَلَ اَبُوْبَکْرٍ وَعِنْدِیْ جَارِیَتَانِ مِنْ جَوَارِی الْاَنْصَارِ تُغَنِّیَانِ بِمَا تَقَاوَلَتِ الْاَنْصَارُ یَوْمَ بُعَاثٍ قَالَتْ وَلَیْسَتَا بِمُغَنِّیَتَیْنِ فَقَالَ اَبُوْبَکْرٍ اَبِمَزَامِیْرِ الشَّیْطَانِ فِیْ بَیْتِ رَسُوْلِ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ وَذٰلِکَ فِیْ یَوْمِ عِیْدٍ فَقَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ یَا اَبَابَکْرٍ اِنَّ لِکُلِّ قَوْمٍ عِیْدًا وَّہٰذَا عِیْدُنَا۔ (رواہ البخاری وفی روایۃ عندہ) فَاضْطَجَعَ (رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ) عَلَی الْفِرَاشِ وَحَوَّلَ وَجْہَہٗ (وفی روایۃ عندہ) النَّبِیُّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ مُتَغَشٍّ بِثَوْبِہٖ فَانْتَہَرَہُمَا اَبُوْبَکْرٍ فَکَشَفَ النَّبِیُّ (صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ) عَنْ وَجْہِہٖ فَقَالَ دَعْہُمَا یَا اَبَابَکْرٍ۔

حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا بیان فرماتی ہیں کہ والد بزرگوار ابوبکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ تشریف لائے اور اس وقت میرے گھر میں قبیلہ انصار کی دو لڑکیاں وہ اشعار پڑھ رہی تھیں جو انصار نے جنگ بعاث کے موقع پر حسب دستور فخریہ طور پر کہے

تھے۔ یہ لڑکیاں ڈومنیاں نہ تھیں (یعنی پیشہ ور گانے والی نہ تھیں) صدیق اکبر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے از راہ سرزنش فرمایا یہ شیطانی آوازیں اور پھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے گھر میں۔ یہ قصہ عید کے دن کا تھا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ابوبکر! ہر قوم کی عید ہوتی ہے اور یہ ہمارے عید منانے کا دن ہے۔ (بخاری شریف) دوسری روایت میں یہ اضافہ اور ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بستر پر بیٹھے ہوئے تھے مگر اس طرف سے اپنا چہرۂ مبارک پھیر لیا تھا۔ ایک روایت میں اس طرح ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ایک کپڑے سے اپنا چہرۂ مبارک ڈھانکے ہوئے تھے۔ ان لڑکیوں کو ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے جھڑکا تو آپ نے اپنے رخ انور سے کپڑا اتار کر فرمایا ابوبکر! رہنے دو۔ (یہ عید کا دن ہے)

تشریح۔ روایت مذکورہ میں دو لڑکیوں کے اشعار پڑھنے کا تذکرہ ضرور ہے مگر وہ لڑکیاں جو نہ گانے سے واقف تھیں اور نہ یہ پیشہ کرتی تھیں اشعار بھی وہ جو جنگی ترانے تھے اور دن بھی عید کا دن جس میں خوشی منانا عام عادت تھی۔ الغرض نہ وہ تھا جو تقویٰ و پاکیزگی کا سب سے زریں دور تھا آج تیرہ سو کے بعد بھی ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی نظروں میں اس کی حقیقت کیا تھی؟ یہ کہ وہ مزامیر شیطان ہے اور یہ کہ آپ کے گھر میں وہ اور زیادہ مکروہ ہے۔ یہ فہم ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ میں کہاں سے پیدا ہوئی تھی اس کا خود اندازہ فرما لیجئے۔ ابوبکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے ان کو جھڑکا اور ان کو جھڑکنا حق تر تھا مگر یہ ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے فرمان یا ممانعت کرنے سے شریعت نہ بن سکتی تھی۔ البتہ اگر بطور مسئلہ نہ سہی تو بطور مصلحت سہی جو کچھ انہوں نے کہا وہ مناسب تھا مگر یہاں صورت حال کیا ہوئی کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم تشریف فرما ضرور ہیں مگر اس جانب سے اپنا رخ بدلے ہوئے ہیں کپڑا منہ پر ڈھکا ہوا ہے یوں معلوم ہو رہا ہے کہ گویا عالم خواب میں ہیں یا بیدار ہیں تو اس طرف ذرہ برابر کوئی التفات نہیں ہے۔ اب اگر آپ صلی اللہ علیہ وسلم منہ کھول لیتے تو ایک حد تک اس میں آپ کی بھی شرکت ثابت ہوتی اور اگر صریح منع فرما دیتے تو چند عمر کی بچیوں کا خوشی اور عید کے مواقع میں جنگی اشعار پڑھنا بھی حرام کی فہرست میں آ جاتا اس لیے منع بھی نہیں کھولتے اور زبان بھی بند رکھتے ہیں۔ یہ شان شارع کی ہے جس کے تعلق و سکوت تو کیا ذرا سی شرکت و ادنیٰ سے اغماض سے بھی مسائل بن جاتے ہیں۔

اب آپ رسول کی عصمت اور ان کی عظمت شان کا اندازہ فرما لیجئے۔ اگر ان میں معصیت کا ادنیٰ سا بھی شائبہ موجود ہو تو کیا ان کے طبعی رجحانات اور صرف سکوت و اغماض شریعت بن سکتے ہیں۔

عَنْ سَهْلِ بْنِ سَعْدٍ اَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اُتِيَ بِشَرَابٍ فَشَرِبَ وَعَنْ يَمِيْنِهِ غُلَامٌ وَعَنْ يَسَارِهِ الْاَشْيَاخُ فَقَالَ لِلْغُلَامِ اِنْ اَذِنْتَ لِيْ اَعْطَيْتُ هٰؤُلَاءِ؟ فَقَالَ مَا كُنْتُ لِاُوْثِرَ بِنَصِيْبِيْ مِنْكَ يَا رَسُوْلَ اللهِ اَحَدًا فَتَلَّهُ فِيْ يَدِهِ. (رواه البخاري)

سہل ابن سعد سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے پانی پیش کیا گیا آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کو پیا اس وقت آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے دائیں جانب ایک نوجوان اور بائیں جانب معمر اور سن رسیدہ اصحاب موجود تھے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس نوجوان سے مخاطب ہو کر فرمایا اجازت دو تو میں بقیہ پانی ان لوگوں کو دیدوں؟ وہ بولے یا رسول اللہ! (صلی اللہ علیہ وسلم) آپ کے جھوٹے پانی میں قدرت نے جو میرا حصہ لگا دیا ہے میں کسی کے لیے بھی اس میں سخاوت نہیں کر سکتا۔ اس

پر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ناگواری سے اپنے ہاتھ کو جھٹکا دے کر پانی ان کے ہاتھ پر رکھ دیا۔ (بخاری شریف)

تشریح: جذبات وہ بھی نوعمری کے ایک تحمل سے تحمل انسان کو بھی بے قابو بنا دیتے ہیں۔ یہاں قسمت سے اس نوجوان کو ایک موقع ہاتھ آگیا تھا کہ جس پانی سے خاتم الانبیاء علیہم السلام کا دہن مبارک لگ چکا تھا خاص طور میں وہ اس کا حق تھا اگر یہاں اس کے جذبات مچل گئے تو کسی حد تک قابل معذوری ہے مگر جن کی شان اخلاقیات میں سب سے اونچی بنائی گئی تھی وہ چاہتے تھے کہ ان کے رفقاء و اصحاب بھی ان علی اخلاق سے رنگین ہو جائیں لیکن اس طرح کہ کسی کی حق تلفی بھی نہ ہو اور ایثار کی عالی خصلت کی ترغیب بھی ہو جائے۔ اگر آپ یہ پانی عمر کی رعایت سے معمر لوگوں کو عطا فرما دیتے تو دائیں جانب بیٹھنے والے نوعمروں کا آئین میں کوئی حق ہی نہ رہتا اور اگر اظہار ناگواری کیے بغیر پانی حوالہ فرما دیتے تو اس موقع پر ایثار کا کوئی سبق نہ تھا اس لیے پانی دیا تو مگر ذرا سی ناگواری کے ساتھ کہ اس قسم کے مقامات پر جو تقاضا اخلاق کا ہو سکتا تھا اس کا سبق مل جائے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی یہ دونوں ادائیں دو حکم شرعی کی علیحدہ علیحدہ بنیادیں بن گئیں۔ پس نبی کا صرف قول و فعل ہی نہیں بلکہ اس کا نطق و سکوت بھی بلکہ اب کے نطق و سکوت کی ادائیں بھی ایک ایک حکم شرعی بن جاتی ہیں۔ اگر العیاذ باللہ ان کے قول و فعل میں معصیت کا کوئی ادنیٰ سا احتمال بھی ہوتا تو کیا ان کو یہی حیثیت حاصل ہو سکتی ہے۔ منطقیوں کی اور باتیں جیسی بھی ہوں مگر ان کی ایک یہ بات ہم کو بھی یہاں پسند ہے "اذا جاء الاحتمال بطل الاستدلال" یعنی اگر ان کے افعال میں کوئی دوسرا احتمال ہو سکتا ہے تو پھر ان کے قول و فعل کو بھی حجت کا درجہ حاصل نہیں ہو سکتا۔

عصمت رسالت

عَنْ عَبْدِ اللّٰهِ قَالَ لَمَّا كَانَ يَوْمُ حُنَيْنٍ آثَرَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فِي الْقِسْمَةِ أَعْطَى الْأَقْرَعَ بْنَ حَابِسٍ مِائَةً مِنَ الْإِبِلِ وَأَعْطَى عُيَيْنَةَ مِثْلَ ذٰلِكَ وَأَعْطَى أُنَاسًا مِنْ أَشْرَافِ الْعَرَبِ وَآثَرَهُمْ يَوْمَئِذٍ فِي الْقِسْمَةِ فَقَالَ رَجُلٌ وَاللّٰهِ إِنَّ هٰذِهِ لَقِسْمَةٌ مَا عُدِلَ فِيهَا أَوْ مَا أُرِيدَ فِيهَا وَجْهُ اللّٰهِ فَقُلْتُ وَاللّٰهِ لَأُخْبِرَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَأَتَيْتُهُ فَأَخْبَرْتُهُ فَقَالَ فَمَنْ يَعْدِلُ إِذَا لَمْ يَعْدِلِ اللّٰهُ وَرَسُولُهُ رَحِمَ اللّٰهُ مُوسٰى قَدْ أُوذِيَ بِأَكْثَرَ مِنْ هٰذَا فَصَبَرَ. (رواہ البخاری)

عبداللہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ جنگ حنین کے موقع پر جب مال تقسیم کرنے کی نوبت آئی تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اقرع بن حابس (ایک شخص کا نام) کو سو اونٹ دے دیے اور اتنے ہی اونٹ عیینہ کو (ایک شخص کا نام ہے) اور اسی طرح عرب کے اور چند بڑے بڑے لوگوں کو عطا فرمائے اور اس دن مال کی تقسیم میں دوسرے لوگوں پر ان کو ترجیح دی۔ اس پر ایک شخص بولا خدا کی قسم اس تقسیم میں تو انصاف سے کام نہیں لیا گیا۔ یا یہ کہا کہ یہ تقسیم خلوص کے ساتھ نہیں کی گئی۔ میں نے کہا اچھا خدا کی قسم! میں ضرور اس بات کی اطلاع آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو دوں گا میں حاضر ہوا اور یہ واقعہ کی آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو خبر دی آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ارے! اگر اللہ اور اس کا رسول بھی انصاف نہ کرے گا تو پھر اور کون انصاف کرے گا۔ خدا تعالیٰ حضرت موسیٰ (علیہ السلام) پر رحم فرمائے ان کو اس سے بھی زیادہ تکلیفیں دی گئیں مگر انہوں نے صبر ہی کیا۔ بخاری شریف میں دوسری جگہ یہ لفظ ہے "تیرا ناس ہو اگر میں انصاف نہ کروں تو پھر کون کرے گا" کتاب المغازی کے الفاظ یہ ہیں "کیا روئے زمین میں سب سے زیادہ اللہ تعالیٰ سے خوف

کرنے کا میں حق دار نہیں" علامات نبوت میں یہ لفظ ہیں "اگر میں نے انصاف نہ کیا تو میں تو بڑے ٹوٹے میں رہا اور بہت ناکام رہا" کتاب الانبیاء کے الفاظ یہ ہیں "اگر میں بھی اللہ تعالیٰ کی نافرمانی کروں تو پھر اور کون ہے جو اس کی حکم برداری کرے گا" بھلا یہ ہو سکتا ہے کہ تم تو مجھے قابل اعتماد نہ سمجھو اور اللہ تعالیٰ ساری روئے زمین کے حق میں مجھ پر اعتماد کر لے۔ (بخاری شریف)

تشریح۔ روایت مذکور کے سب الفاظ کو سامنے رکھ لیجئے۔ آپ کو واضح ہو جائے گا کہ رسولوں کی شان کیا ہونی چاہیے۔ یہاں جس شخص نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے متعلق بدگمانی کا کلمہ منہ سے نکالا تھا آپ نے اس کے حق میں "ویل" (ہلاکت) کا لفظ فرمایا ہے کیونکہ یہ شخص تو ہین نہ تھی بلکہ منصب رسالت کی توہین تھی۔ پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کو اس طرح غیر معقول بھی قرار دیا کہ جس کو بندے قابل اعتماد نہ سمجھیں۔ کیا حق تعالیٰ اپنی ساری مخلوق کے حق میں اس کو قابل اعتماد سمجھے گا۔ پھر جب رسول مال کی تقسیم میں قابل اعتماد ہوتا ہے تو اپنے اور افعال میں بھی قابل اعتماد کیوں نہیں ہوتا۔ ہم کو روایات سے کہیں ثابت نہیں ہوتا کہ صحابہ کرام نے کہیں آپ کے کسی عمل پر معصیت کا گمان کیا ہو اور جب کسی ناشائستہ شخص کی زبان سے ایسا کلمہ نکلا ہے تو یاد نہیں آتا کہ کبھی آپ نے اس پر اظہار ناگواری نہ فرمایا ہو۔ پھر جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابہ اور خود آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف سے اپنے کسی خاص عمل پر معصیت کا لفظ اطلاق نہیں کیا گیا تو محض عقلی طرز فکر سے کسی کا اس پر معصیت کا اطلاق کرنا کیسے درست ہوگا؟

رسالت سے متعلق اہم مسئلہ

عَنْ اَبِیْ هُرَیْرَةَ قَالَ قَالَ النَّبِیُّ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ لَیْلَةَ اُسْرِیَ بِیْ لَقِیْتُ مُوْسٰی قَالَ فَنَعَتَهٗ فَاِذَا رَجُلٌ حَسِبْتُهٗ قَالَ مُضْطَرِبٌ رَجِلُ الرَّاْسِ كَاَنَّهٗ مِنْ رِجَالِ شَنُوْءَةَ قَالَ وَلَقِیْتُ عِیْسٰی فَنَعَتَهُ النَّبِیُّ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ فَقَالَ رَبْعَةٌ اَحْمَرُ كَاَنَّمَا خَرَجَ مِنْ دِیْمَاسٍ یَعْنِی الْحَمَّامَ وَرَاَیْتُ اِبْرَاهِیْمَ وَاَنَا اَشْبَهُ وَلَدِهٖ قَالَ وَ اُوْتِیْتُ بِاِنَائَیْنِ اَحَدُهُمَا لَبَنٌ وَّالْاٰخَرُ فِیْهِ خَمْرٌ فَقِیْلَ لِیْ خُذْ اَیَّهُمَا شِئْتَ فَاَخَذْتُ اللَّبَنَ فَشَرِبْتُهٗ فَقِیْلَ لِیْ هُدِیْتَ الْفِطْرَةَ اَوْ اَصَبْتَ الْفِطْرَةَ اَمَا اِنَّكَ لَوْ اَخَذْتَ الْخَمْرَ غَوَتْ اُمَّتُكَ۔ (رواہ البخاری)

ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جس شب میں مجھ کو معراج ہوئی تھی تو موسیٰ علیہ السلام سے بھی میری ملاقات ہوئی اس کے بعد آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کا حلیہ اس طرح بیان فرمایا کیا دیکھتا ہوں کہ وہ چھریرے جسم کے سر کے بال کچھ خمیدہ اور کچھ سیدھے جیسے ان میں کنگھی کی گئی ہو۔ بس ایسے تھے جیسے شنوءہ قبیلے کے لوگ ہوتے ہیں۔ پھر عیسیٰ علیہ السلام سے میری ملاقات ہوئی۔ اس کے بعد آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کا حلیہ بیان فرمایا میانہ قد سرخ رنگ کے ایسے نہائے دھوئے جیسے ابھی ابھی حمام سے نکلے ہیں۔ اس شب میں میں نے حضرت ابراہیم علیہ السلام کو بھی دیکھا اگر ان کی اولاد میں ان کے ساتھ سب سے زیادہ مشابہ شخص کو دیکھنا ہو تو وہ مجھ کو دیکھ لو۔ اس کے بعد آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا میرے سامنے دو برتن لائے گئے ایک میں دودھ اور دوسرے میں شراب تھی اور امتحان کے طور پر مجھ سے کہا گیا ان میں سے کون سا جام لیتے ہو؟ میں نے اٹھا کر دودھ کا جام لے لیا اور اس کو پی لیا۔ اس وقت مجھ سے کہا گیا آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ٹھیک فطرت کے مطابق انتخاب کیا یا آپ نے منشا فطرت کو پا لیا اور خوب سن لو اگر کہیں تم شراب والا جام لے لیتے تو تمہاری ساری امت گمراہ ہو جاتی۔ (بخاری شریف)

عشرہ کا موقع تھا تھوڑی دیر آپ سے بات چیت کی پھر رخصت ہونے کے لیے کھڑی ہوئیں تو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم بھی ان کو رخصت فرمانے کے لیے ان کے ساتھ ساتھ تشریف لے چلے یہاں تک کہ جب وہ مسجد کے اس دروازہ کے پاس پہنچیں جو حضرت ام سلمہؓ کے دروازہ کے متصل تھا تو دو انصاری شخصوں کا اس طرف سے گزر ہوا انہوں نے آپ کو سلام کیا آپ نے ان سے فرمایا ذرا ٹھہرنا دیکھو یہ میرے ساتھ صفیہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا ہیں۔ انہوں نے عرض کی یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! سبحان اللہ! آپ یہ کیا فرماتے ہیں اور آپ کا یہ فرمان ان کے بے حد گرانی کا باعث بن گیا۔ اس پر آپ نے فرمایا شیطان انسان میں خون کی طرح گھوم جاتا ہے مجھ کو اس کا خطرہ ہوا مبادا تمہارے دل میں کوئی وسوسہ ڈالے اور اس کی وجہ سے تم خواہ مخواہ ہلاک ہو جاؤ۔ دوسری روایت میں یوں ہے کہ یہ بات میں نے اس لیے نہیں کہی تھی کہ تم کوئی بدظنی کرتے بلکہ بات یہ ہے کہ میں خوب جانتا ہوں کہ کبھی شیطان دل میں غیر اختیاری وساوس ڈال دیتا ہے۔ (بخاری شریف)

تشریح۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم بحالت اعتکاف تھے اگر یہاں شیطان کوئی وسوسہ ڈالتا تو یہی کہ یہ نقاب پوش کوئی اجنبی عورت نہ ہوں والعیاذ باللہ پھر اجنبی عورت سے تنہائی میں گفتگو اور بات چیت اگر معصیت تھی تو کس درجہ کی معصیت تھی اس کے بعد آپ کا کس اہتمام سے اس کا بھی ازالہ فرمانا وہ بھی اس لیے نہیں کہ صحابہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم سے اس بدگمانی کا کوئی اندیشہ تھا۔ جیسا کہ خود آپ نے صاف فرما دیا کہ میرے یہ کہنا اس وجہ سے نہیں ہے کہ تمہارے دلوں میں اس قسم کی کوئی بدگمانی موجود ہے بلکہ صرف اس لیے ہے کہ بعض مرتبہ شیطان غیر اختیاری طور پر دل میں یہ بات سے جب کوئی وسوسہ ڈال دیتا ہے صرف اس کی پیش بندی کے لیے میں نے تم کو خبردار کیا ہے مگر اس غیر اختیاری وسوسہ کا وہ بھی صرف ایک اجنبی عورت سے تنہائی میں ملاقات کا اثر کیا ہوتا تمہاری ہلاکت اور آخرت کی بربادی اب اس سے اندازہ فرمالیجیے کہ نبی کی شان عصمت کیا ہوتی ہے یہ اگر اس کے خلاف ذرا سا وسوسہ بھی دل میں آ جائے اور جم جائے تو ایمان کی خیر ہے نہیں رہتی۔ کیونکہ العیاذ باللہ اگر رسول معصوم نہ ہوں تو ان کی شان یہی ہونی چاہیے۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا مقام تشریع میں

عَنْ اَبِیْ ھُرَیْرَۃَ قَالَ خَطَبَنَا رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ فَقَالَ یَا اَیُّھَا النَّاسُ قَدْ فُرِضَ عَلَیْکُمُ الْحَجُّ فَحُجُّوْا فَقَالَ رَجُلٌ اَکُلَّ عَامٍ یَا رَسُوْلَ اللّٰہِ فَسَکَتَ حَتّٰی قَالَھَا ثَلَاثًا فَقَالَ لَوْ قُلْتُ نَعَمْ لَوَجَبَتْ وَلَمَا اسْتَطَعْتُمْ ثُمَّ قَالَ ذَرُوْنِیْ مَا تَرَکْتُکُمْ فَاِنَّمَا ھَلَکَ مَنْ قَبْلَکُمْ بِکَثْرَۃِ سُؤَالِھِمْ وَاخْتِلَافِھِمْ عَلٰی اَنْبِیَائِھِمْ فَاِذَا اَمَرْتُکُمْ بِشَیْءٍ فَاْتُوْا مِنْہُ مَا اسْتَطَعْتُمْ وَاِذَا نَھَیْتُکُمْ عَنْ شَیْءٍ فَدَعُوْہُ۔ (رواہ مسلم)

ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ ایک مرتبہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ہم کو خطبہ دیتے ہوئے فرمایا لوگو! اللہ تعالیٰ نے تمہارے اوپر حج فرض قرار دیا ہے اس لیے حج ادا کیا کرو اس پر ایک شخص نے پوچھا یا رسول اللہ! (صلی اللہ علیہ وسلم) کیا ہر سال؟ آپ خاموش رہے یہاں تک کہ جب اس نے تین بار یہی سوال کیا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اگر میں اس کا اقرار کر لیتا اور ہاں کہہ دیتا تو ہر سال تم پر حج فرض ہو جاتا۔ پھر تم ہر سال حج ادا نہ کر سکتے اس کے بعد اصولی طور پر یہ نصیحت فرمائی کہ جب تک میں خود تم سے کچھ نہ کہا کروں تم بھی مجھ سے کچھ نہ پوچھا کرو کیونکہ تم سے پہلی امتیں جو ہلاک ہوئی ہیں وہ ان ہی بجا

سوالات اور اپنے انبیاء علیہم السلام کے سامنے بیجا اختلافات کی بدولت ہی ہلاک ہوئی ہیں۔ لہٰذا جب میں تم کو کسی بات کا حکم دیا کروں تو اپنے مقدور بھر اس کو بجا لایا کرو اور جس بات سے روک دیا کروں بس اس کو ایک قلم چھوڑ دیا کرو۔ (مسلم)

تشریح۔ اسلام میں نبی کی حیثیت ایک مقنن کی حیثیت قرار دی گئی ہے اسی لیے قرآن کریم نے جا بجا اللہ تعالیٰ کی اطاعت کے ساتھ رسول کی اطاعت کا بھی مستقل حکم دیا ہے۔ گو رسول کا جو حکم بھی ہے وہ خدا تعالیٰ ہی کے حکم کے تحت ہوتا ہے مگر حکمت الٰہیہ کا تقاضا یہی تھا کہ کچھ باتوں کا حکم تو وہ براہ راست خود دے اور کچھ باتیں ایسی بھی چھوڑ دے جن کا حکم وہ براہ راست خود نہ دے بلکہ اس کا رسول دے دے۔ دھرم حکم علی الاطلاق کو مقصود یہ تھا کہ قطعیت کے جس مرتبہ میں تمام قرآن کی حفاظت ہوئی ہے وہ ہر حدیث کی حفاظت نہ ہو اور اس طرح حفاظت کی نوعیت کے فرق سے کہیں کہیں ان کی قطعیت میں بھی فرق پڑ جائے اور اس طرح کمزور امت کی تقصیرات میں یہ کچھ خفت کا سبب بن جائے۔ اگر کہیں ہر ہر حکم اسی مرتبہ میں آ جاتا جس میں کہ قرآن پاک کی آیات تھیں تو شاید اس امت کے عاصیوں کا معاملہ بہت زیادہ نازک ہو جاتا۔ رحمت نے صرف اتنے ہی پر کفایت نہیں کی بلکہ اپنے رسول کے ساتھ زیادہ کھود کرید کرنے کی ممانعت بھی فرما دی تاکہ ابہام اور اجمال سے کمزوروں کو جتنا فائدہ پہنچ سکتا ہے وہ اور پہنچ جائے۔ پھر یہ رسول کے خود اپنے فرائض میں داخل ہے کہ جو تفصیلات ضروری ہوں ان کو وہ خود اپنی جانب سے پوری وضاحت کے ساتھ بیان کر دے کیونکہ اس کو مبلغ ہی کی حیثیت سے بھیجا جاتا ہے۔ پس جہاں اس نے سکوت اختیار کر لیا تم کو بھی چاہیے کہ وہاں سکوت اختیار کر لو اور زیادہ سوال و جواب کی پیچیدگی میں نہ پڑو ورنہ یہاں پر بھی کوتاہی کے ایک الزام کے مترادف ہوگا۔ ادھر کمزوری کے زمانہ میں تم جتنی زیادہ تفصیلات کے درپے ہوگے وہ سب کھول دی جائیں گی۔ پھر وہ تمہارے ہی حق میں تکلیف کا سامان بن جائیں گی۔ لہٰذا خاموشی کے ساتھ سکوت کرنے میں رسول کا احترام بھی ملحوظ رہتا ہے اور تمہاری بہتری بھی اسی میں مضمر ہے۔ ضروری بات تم سے پوشیدہ نہیں رکھی جائے گی غیر ضروری بات کا سوال تم مت کیا کرو۔ رسول کی عظمت کا اس سے اندازہ کر لیجئے کہ اس کی ایک جنبش لب سے فرض و حرمت بھی پیدا ہو سکتی ہے۔

عَنْ زَيْدِ بْنِ ثَابِتٍ اَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اتَّخَذَ حُجْرَةً فِي الْمَسْجِدِ مِنْ حَصِيْرٍ فَصَلّٰى فِيْهَا لَيَالِيَ حَتّٰى اجْتَمَعَ عَلَيْهِ نَاسٌ ثُمَّ فَقَدُوْا صَوْتَهُ لَيْلَةً وَظَنُّوْا اَنَّهُ قَدْ نَامَ فَجَعَلَ بَعْضُهُمْ يَتَنَحْنَحُ لِيَخْرُجَ اِلَيْهِمْ فَقَالَ مَا زَالَ بِكُمُ الَّذِيْ رَاَيْتُ مِنْ صَنِيْعِكُمْ حَتّٰى خَشِيْتُ اَنْ يُّكْتَبَ عَلَيْكُمْ وَلَوْ كُتِبَ عَلَيْكُمْ مَا قُمْتُمْ بِهٖ فَصَلُّوْا اَيُّهَا النَّاسُ فِيْ بُيُوْتِكُمْ فَاِنَّ اَفْضَلَ صَلٰوةِ الْمَرْءِ فِيْ بَيْتِهٖ اِلَّا الصَّلٰوةَ الْمَكْتُوْبَةَ۔ (متفق علیہ)

زید بن ثابت رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے (ماہ رمضان میں) اپنی مسجد میں ایک بورئیے کا حجرہ سا بنا لیا تھا چند شب آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اسی کے اندر نماز ادا کی یہاں تک کہ لوگ بھی آپ کے پیچھے آ آ کر نماز میں شریک ہونے شروع ہو گئے۔ پھر ایک دن ایسا ہوا کہ لوگوں نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی آواز نہ سنی اور گمان یہ کیا کہ شاید آپ خواب استراحت فرما رہے ہیں تو کسی نے کھنسنا بھی شروع کیا تاکہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نماز کے لیے باہر تشریف لے آئیں آخر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تمہارے ذوق و شوق کے ساتھ آ آ کر اقتداء کرنے کا یہ معاملہ میں سب دیکھ رہا ہوں یہاں تک کہ

مجھ کو یہ اندیشہ ہو گیا کہ یہ نماز کہیں تم پر فرض قرار نہ دے دی جائے پھر تم اس کو ادا نہ کر سکو تو لوگو! آئندہ سے تم یہ نماز اپنے اپنے گھروں میں ہی ادا کر لیا کرو کیونکہ فرض نماز کو مستثنیٰ کر کے آدمی کی جتنی اور نمازیں ہیں وہ سب گھروں میں ہی افضل ہوتی ہیں۔ (متفق علیہ)

عَنْ عُقْبَةَ بْنِ عَامِرٍ اَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَعْطَاهُ غَنَمًا يَقْسِمُهَا عَلٰى صَحَابَتِهِ ضَحَايَا فَبَقِيَ عَتُودٌ فَذَكَرَهُ لِرَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقَالَ ضَحِّ بِهِ اَنْتَ. (متفق علیہ)

عقبہ بن عامر سے روایت ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے کچھ بکریاں ان کے سپرد کیں تا کہ وہ ان کو قربانی کے لیے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابہ میں تقسیم کر دیں (چنانچہ انہوں نے بکریاں تقسیم کر دیں) آخر میں صرف ایک بکری بچ رہی جو پورے سال کی نہ تھی آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا چلو بس تم تو اس کی قربانی کر ہی دو۔ (متفق علیہ) ابو بردہ کی روایت میں یہ تصریح ہے کہ خیر تم تو اس کو ذبح کر دو مگر تمہارے بعد اس عمر کی بکری آئندہ کسی شخص کے لیے بھی کافی نہ ہوگی۔ اسی قسم کا ایک واقعہ زید بن خالد کا ابو داؤد میں اور ابو زید انصاری کا ابن ماجہ میں موجود ہے۔

عَنْ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ مَسْعُوْدٍ قَالَ لَعَنَ اللّٰهُ الْوَاشِمَاتِ وَالْمُسْتَوْشِمَاتِ وَالْمُتَنَمِّصَاتِ وَالْمُتَفَلِّجَاتِ لِلْحُسْنِ الْمُغَيِّرَاتِ خَلْقَ اللّٰهِ فَجَاءَتْهُ امْرَاَةٌ فَقَالَتْ اِنَّهُ بَلَغَنِيْ اَنَّكَ لَعَنْتَ كَيْتَ وَكَيْتَ فَقَالَ مَالِيْ لَا اَلْعَنُ مَنْ لَعَنَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَمَنْ هُوَ فِيْ كِتَابِ اللّٰهِ (تعالیٰ) فَقَالَتْ لَقَدْ قَرَاْتُ مَا بَيْنَ اللَّوْحَيْنِ فَمَا وَجَدْتُ فِيْهِ مَا تَقُوْلُ قَالَ لَئِنْ كُنْتِ قَرَاْتِيْهِ لَقَدْ وَجَدْتِيْهِ اَمَا قَرَاْتِ مَا اٰتٰكُمُ الرَّسُوْلُ فَخُذُوْهُ وَمَا نَهٰكُمْ عَنْهُ فَانْتَهُوْا قَالَتْ بَلٰى قَالَ فَاِنَّهُ قَدْ نَهٰى عَنْهُ. (متفق علیہ)

عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا اللہ تعالیٰ ان عورتوں پر لعنت کرے جو جسم کو گودتی ہیں یا گدواتی ہیں یا خوبصورتی کے لیے بال نچواتی ہیں یا دانتوں کے درمیان جھری کھلواتی ہیں۔ یہ سب اللہ تعالیٰ کی خلقت بدلنا چاہتی ہیں اتنے میں ایک عورت آئی اور اس نے کہا مجھے معلوم ہوا ہے کہ آپ اس قسم کی عورتوں پر لعنت فرماتے ہیں انہوں نے فرمایا جن پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی اور اللہ تعالیٰ نے بھی لعنت فرمائی ہو میں ان پر کیوں لعنت نہ کروں۔ اس نے کہا کہ قرآن شریف تو میں نے بھی پڑھا ہے مگر اس میں میں نے تو وہ بات کہیں نہیں پڑھی جو آپ فرماتے ہیں؟ انہوں نے فرمایا اگر تو قرآن ذرا سمجھ کر پڑھتی تو جو بات میں کہتا ہوں ضرور ضرور اس میں دیکھ لیتی "کیا تو نے یہ آیت نہیں پڑھی "مَا اٰتٰكُمُ الرَّسُوْلُ الخ" (جو بات تم کو رسول بتائے اس کو قبول کر لو اور جس بات سے روک دے اس سے رک جاؤ۔) اس نے کہا یہ آیت تو پڑھی ہے اس پر انہوں نے فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان افعال کی ممانعت فرمائی ہے (اس لیے ان کو نہ کرنا قرآن ہی کا حکم کہا جائے گا)۔ (متفق علیہ)

تشریح۔ احادیث سے کہیں ثابت نہیں ہوتا کہ صحابہ کرام رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین نے احکام و غیر احکام میں خدا تعالیٰ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے درمیان کہیں تفریق کی ہو۔ منکرین حدیث کی یہ سخت جرأت ہے کہ تشریع احکام میں رسول کا کوئی مقام ہی تسلیم نہیں کرتے اور اس بہانہ سے درپردہ اللہ تعالیٰ کے احکام سے بھی دست بردار ہونا چاہتی ہیں حالانکہ کتاب اللہ اور احادیث ہی نہیں بلکہ دین کی تاریخ از اول تا آخر اس کے خلاف ہے۔

عَنْ سَهْلَةَ امْرَءَةِ اَبِيْ حُذَيْفَةَ اَنَّهَا ذَكَرَتْ لِرَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ سَالِمًا مَوْلَى اَبِيْ حُذَيْفَةَ وَدُخُوْلَهُ عَلَيْهَا فَاَمَرَهَا اَنْ تُرْضِعَهُ فَاَرْضَعَتْهُ وَهُوَ رَجُلٌ كَبِيْرٌ بَعْدَ مَا شَهِدَ بَدْرًا. (الحاکم)

سہلہ جو ابوحذیفہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی بیوی تھیں کہتی ہیں کہ انہوں نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے سالم کے متعلق تذکرہ کیا' یہ ابوحذیفہ کے آزاد کردہ غلام تھے کیا وہ ان کے گھر اب بھی آمد و شد رکھ سکتے ہیں تو آپ نے فرمایا' جاؤ ان کو اپنا دودھ لے کر پلا دو۔ چنانچہ انہوں نے اپنا تھوڑا سا دودھ نکال کر ان کو پلا دیا۔ اس وقت یہ پورے مرد تھے اور جنگ بدر میں شریک ہو چکے تھے۔ (حاکم)

عَنْ اُمِّ سَلَمَةَ قَالَتْ اَبَى سَائِرُ اَزْوَاجِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَنْ يُدْخِلَ عَلَيْهِنَّ اَحَدٌ بِهٰذَا الرِّضَاعِ وَقُلْنَ اِنَّمَا هٰذَا رُخْصَةٌ مِنْ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لِسَالِمٍ خَاصَّةً. (اخرجه الشيخان)

حضرت ام سلمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا فرماتی ہیں کہ اس قسم کی رضاعت کے متعلق آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی جملہ ازواج نے اختلاف رائے ظاہر کیا تھا اور یہ کہا تھا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی جانب سے یہ خاص سالم ہی کے لیے اجازت تھی۔ عام مسئلہ نہیں تھا۔ (متفق علیہ)

تشریح:۔ یعنی مدت رضاعت کے بعد دودھ پلانا جائز نہیں اور اس کا کوئی اثر بھی نہیں ہے ورنہ ایسے آدمی کو رضاعی اولاد یا رضاعی بھائی کہا جا سکتا ہے۔ سہلہ کی روایت اگرچہ صحیحین کی نہ ہو مگر حضرت ام سلمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی روایت سے اس کی تصدیق ہوتی ہے اور یہ بھی ثابت ہوتا ہے کہ بعض مواضع پر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو عام قوانین سے مستثنیٰ کرنے کا شرعی حق بھی حاصل تھا۔

عَنْ اَبِي النُّعْمَانِ الْاَزْدِيِّ قَالَ زَوَّجَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ امْرَءَةً عَلٰى سُوْرَةٍ مِنَ الْقُرْاٰنِ وَقَالَ لَا يَكُوْنُ لِاَحَدٍ مِنْ بَعْدِكَ مَهْرًا. (رواه سعيد بن منصور مرسلا وفيه من لا يعرف واخرج ابو داؤد)

ابونعمان ازدی کہتے ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک عورت کا نکاح قرآن کی ایک سورت پر پڑھا دیا اور ساتھ ہی یہ بھی فرما دیا کہ تمہارے بعد یہ مہر کسی اور شخص کا نہیں ہو سکے گا۔ اس حدیث کی اسناد ضعیف ہیں لیکن ابو داؤد میں ہے کہ مکحول کی ذاتی رائے بھی یہی تھی کہ جن واقعات میں صحت سند کے ساتھ قرآن کریم کا مہر مقرر ہونا ثابت ہوتا ہے وہ سب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خصوصیت پر محمول ہے۔

تشریح:۔ مہر کے باب میں ایک شخص کو عام قانون سے مستثنیٰ کرنے کی یہ دوسری مثال ہے۔ گو براہ راست رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم سے اس کے ثبوت میں کلام ہو مگر مکحول وغیرہ کے بیانات سے کسی درجہ میں اس کی تائید ہو جاتی ہے۔ ہماری غرض یہاں ان مسائل پر روشنی ڈالنی نہیں ہے بلکہ یہ ثابت کرنا ہے کہ عموم قاعدہ سے استثناء کرنے کا حق بھی آپ کو حاصل تھا اور یہ حقیقت صحیح احادیث سے بھی ثابت ہے۔ ایک موقع پر خطبہ دیتے ہوئے جب آپ نے حرم مکہ کی گھاس کاٹنے کی ممانعت فرمائی تو ایک صحابی نے کھڑے ہو کر "اذخر" کے استثناء کی درخواست پیش کی کیونکہ یہ گھاس لوگوں کی بہت سی ضروریات میں مستعمل تھی۔ آپ نے اس کو منظور فرمایا' اس جگہ ان سب کا استقصاء کرنا منظور نہیں ہے۔

عَنْ اَبِيْ سَعِيْدِ بْنِ الْمُعَلّٰى قَالَ كُنْتُ اُصَلِّيْ فِي الْمَسْجِدِ فَدَعَانِيْ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ

وَسَلَّمَ فَلَمْ اُجِبْهُ فَقُلْتُ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ اِنِّيْ كُنْتُ اُصَلِّيْ فَقَالَ اَلَمْ يَقُلِ اللّٰهُ. اِسْتَجِيْبُوْا لِلّٰهِ وَلِلرَّسُوْلِ اِذَا دَعَاكُمْ لِمَا يُحْيِيْكُمْ. ثُمَّ قَالَ لِيْ لَاُعَلِّمَنَّكَ سُوْرَةً هِيَ اَعْظَمُ السُّوَرِ فِي الْقُرْاٰنِ قَبْلَ اَنْ تَخْرُجَ مِنَ الْمَسْجِدِ ثُمَّ اَخَذَ بِيَدِيْ فَلَمَّا اَرَادَ اَنْ يَخْرُجَ قُلْتُ لَهٗ اَلَمْ تَقُلْ لَاُعَلِّمَنَّكَ سُوْرَةً هِيَ اَعْظَمُ سُوْرَةٍ مِنَ الْقُرْاٰنِ قَالَ اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ هِيَ السَّبْعُ الْمَثَانِيْ وَالْقُرْاٰنُ الْعَظِيْمُ الَّذِيْ اُوْتِيْتُهٗ. (رواہ البخاری)

ابو سعید روایت کرتے ہیں ایسا ہوا کہ ایک بار رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھ کو آواز دی تو میں نماز میں تھا اس لیے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو جواب نہ دے سکا نماز سے فارغ ہو کر آپ کی خدمت میں حاضر ہوا اور معذرت کی یا رسول اللہ! (صلی اللہ علیہ وسلم) میں نماز میں تھا اس لیے جواب نہ دے سکا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کیا فرمان الٰہی یہ نہیں "استجیبوا للّٰہ وللرسول الخ" (یعنی رسول جس وقت بھی تم کو اس بات کے لیے بلائے جو تمہاری حیات کا موجب ہو تو فوراً اللہ اور اس کے رسول کو لبیک کہا کرو) اس کے بعد آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا مسجد سے باہر نکلنے سے پہلے پہلے میں تم کو وہ سورت بتاؤں گا جو قرآن کریم کی تمام سورتوں میں سب سے بڑی شان کی سورت ہے اس کے بعد آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے میرا ہاتھ اپنے ہاتھ میں لے لیا جب آپ مسجد سے باہر نکلنے لگے تو میں نے عرض کی آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے تو فرمایا تھا میں تجھ کو قرآن کریم کی سب سے افضل سورت بتاؤں گا آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا (تو سن لو) وہ سورت الحمد للہ رب العالمین والی سورت ہے۔ یہی سبع مثانی ہے اور یہی وہ قرآن عظیم ہے جو مجھ کو عطا ہوا ہے۔ (بخاری شریف)

بشریت انبیاء علیہم السلام

عَنْ اَبِيْ سَعِيْدٍ وَعَنْ اَبِيْ هُرَيْرَةَ قَالَا قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَللّٰهُمَّ اِنِّيْ اَتَّخِذُ عِنْدَكَ عَهْدًا لَا تُخْلِفُنِيْهِ فَاِنَّمَا اَنَا بَشَرٌ فَاَيُّ الْمُؤْمِنِيْنَ اٰذَيْتُهٗ اَوْ شَتَمْتُهٗ اَوْ قَالَ لَعَنْتُهٗ اَوْ جَلَدْتُهٗ فَاجْعَلْهَا لَهٗ زَكَاةً وَصَلٰوةً وَقُرْبَةً تُقَرِّبُهٗ بِهَا اِلَيْكَ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ. (رواہ مسلم)

ابو سعید رضی اللہ تعالیٰ عنہ اور ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ یہ دونوں صاحبان بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ دعا فرمائی الٰہی میں تجھ سے ایک وعدہ لیتا ہوں امید ہے تو مجھ سے ہرگز اس کا خلاف نہ فرمائے گا۔ میں ایک بشر ہی ہوں تو جس کسی مومن بندہ کو میں نے کوئی تکلیف دی ہو یا برا بھلا کہا ہو یا یہ فرمایا کہ اس پر لعنت کی ہو (راوی کو لفظ میں شک ہے) یا اس کے کوڑے لگانے کا حکم دیا ہو تو اس کے حق میں تو اس کو کفارہ رحمت اور قیامت کے دن اپنے دربار میں باعث تقرب بنا دینا۔ (مسلم شریف)

تشریح۔ اس جگہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی زبان سے جو پہلا لفظ نکلا ہے وہ یہی ہے "الٰہی! میں ایک بشر ہوں"۔ یہی کلمہ متعدد روایت میں بھی ہے۔

عَنْ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ عُثْمَانَ بْنِ خُثَيْمٍ قَالَ دَخَلْتُ عَلٰى اَبِي الطُّفَيْلِ عَامِرِ بْنِ وَاثِلَةَ فَوَجَدْتُهٗ طَيِّبَ النَّفْسِ فَقُلْتُ يَا اَبَا الطُّفَيْلِ اَخْبِرْنِيْ عَنِ النَّفَرِ الَّذِيْنَ لَعَنَهُمْ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَهَمَّ اَنْ يُخْبِرَنِيْ فَقَالَتْ اِمْرَاَتُهٗ سَوْدَةُ مَهْ يَا اَبَا الطُّفَيْلِ اَمَا بَلَغَكَ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ

إِنَّمَا اَنَا بَشَرٌ فَاَيُّمَا عَبْدٍ مِنَ الْمُؤْمِنِيْنَ دَعَوْتُ عَلَيْهِ بِدَعْوَةٍ فَاجْعَلْهَا لَهُ زَكَاةً وَرَحْمَةً. (رواہ الطبرانی)

عبداللہ بن عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ بیان کرتے ہیں کہ میں ابوالطفیل رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی خدمت میں حاضر ہوا تو اس وقت وہ کچھ ہشاش بشاش نظر آئے میں نے عرض کی ابوالطفیل! جن پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے لعنت فرمائی ہے آپ مجھ کو ذرا ان لوگوں کے نام بتا دیجئے؟ انہوں نے ابھی بیان فرمانے کا ارادہ کیا ہی تھا کہ ان کی بیوی سودہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا بولیں ابوالطفیل! ذرا ٹھہر جایئے کیا آپ کو یہ اطلاع نہیں پہنچی کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ دعا بھی تو فرمائی تھی کہ میں ایک بشر ہی ہوں تو جس کسی مومن بندہ کے متعلق میری زبان سے بددعا کے کلمات نکل گئے ہوں تو الٰہی تو اس کے حق میں ان کو کفارہ اور رحمت بنا دینا۔ (طبرانی احمد)

عَنْ اَنَسِ بْنِ مَالِكٍ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ دَفَعَ اِلٰى حَفْصَةَ بِنْتِ عُمَرَ رَجُلًا وَقَالَ لَهَا احْتَفِظِيْ بِهِ فَغَفَلَتْ حَفْصَةُ وَمَضَى الرَّجُلُ فَدَخَلَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَا حَفْصَةُ مَا فَعَلَ الرَّجُلُ قَالَتْ غَفَلْتُ عَنْهُ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ فَخَرَجَ فَقَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَطَعَ اللّٰهُ يَدَكِ فَقَالَتْ بِيَدِهَا هٰكَذَا فَدَخَلَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقَالَ مَا شَأْنُكِ يَا حَفْصَةُ قُلْتُ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ قُلْتَ قَبْلُ كَذَا وَكَذَا قَالَ ضَعِيْ يَدَكِ فَاِنِّيْ سَأَلْتُ رَبِّيْ تَبَارَكَ وَتَعَالٰى اَيُّمَا اِنْسَانٍ مِنْ اُمَّتِيْ دَعَوْتُ عَلَيْهِ اَنْ يَجْعَلَهَا لَهُ مَغْفِرَةً. (رواہ احمد)

انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک شخص کو حضرت حفصہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی نگرانی میں دیا اور ان سے فرمایا" یہ انتظام رکھنا کہ وہ بھاگ نہ جائے" ایسا ہوا کہ کسی سبب سے حضرت حفصہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کو ذرا سی غفلت ہوگئی اور وہ آدمی چل دیا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم تشریف لائے تو آپ نے پوچھا" حفصہ! وہ شخص کدھر گیا؟ انہوں نے عرض کی یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! اس کے معاملہ میں مجھ سے غفلت ہوگئی" آپ صلی اللہ علیہ وسلم ناگواری کے ساتھ باہر تشریف لے آئے اور آپ کی زبان مبارک پر یہ کلمات تھے "قطع اللہ یدک" خدا تیرے ہاتھ توڑ دے۔ بس اسی وقت ان کے ہاتھ اس طرح مڑ کر رہ گئے جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم اندر تشریف لائے تو ان کے ہاتھ کی یہ صورت دیکھ کر پوچھا" حفصہ! یہ کیا ہوا" انہوں نے کہا" یا رسول اللہ! (صلی اللہ علیہ وسلم) ابھی آپ نے یہ کلمات فرمائے تھے" بس ایسا ہو گیا" آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا" اپنا ہاتھ نیچے رکھ دو میں نے اپنے رب سے یہ دعا کی ہے کہ اپنی امت میں جس کے لیے بھی میرے منہ سے بددعا کے کلمات نکل گئے ہوں الٰہی تو اس کے حق میں ان کو مغفرت و بخشش کا سبب بنا دینا۔ (احمد)

عَنْ اَبِي السَّوَّارِ عَنْ خَالِهِ قَالَ رَأَيْتُ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَاُنَاسٌ يَتْبَعُوْنَهُ فَاتَّبَعْتُهُ مَعَهُمْ قَالَ فَفَجِئَنِي الْقَوْمُ يَسْعَوْنَ قَالَ وَاَبْقَى الْقَوْمُ قَالَ فَاَتٰى عَلَيَّ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَضَرَبَنِيْ ضَرْبَةً اِمَّا بِعَسِيْبٍ اَوْ قَضِيْبٍ اَوْ سِوَاكٍ اَوْ شَيْءٍ كَانَ مَعَهُ قَالَ فَوَاللّٰهِ مَا اَوْجَعَنِيْ قَالَ فَبِتُّ بِلَيْلَةٍ قَالَ اَوْ قُلْتُ مَا ضَرَبَنِيْ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اِلَّا لِشَيْءٍ عَلِمَهُ اللّٰهُ فِيَّ قَالَ وَحَدَّثَتْنِيْ نَفْسِيْ اَنْ اٰتِيَ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اِذَا اَصْبَحْتُ قَالَ

فَنَزَلَ جِبْرَئِيْلُ عَلَيْهِ السَّلَامُ عَلَى النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقَالَ اِنَّكَ رَاعٍ لَا تُكَسِّرْ قُرُوْنَ رَعِيَّتِكَ قَالَ فَلَمَّا صَلَّيْنَا الْغَدَاةَ اَوْ قَالَ صَبَحْنَا قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَللّٰهُمَّ اِنَّ اُنَاسًا يَتْبَعُوْنِيْ وَلَا يُعْجِبُنِيْ اَنْ يَتْبَعُوْنِيْ اَللّٰهُمَّ مَنْ ضَرَبْتُ اَوْ سَبَبْتُ فَاجْعَلْهَا لَهُ كَفَّارَةً وَاَجْرًا اَوْ قَالَ مَغْفِرَةً وَرَحْمَةً اَوْ كَمَا قَالَ. (رواہ احمد ص ۴۱۳ جلد ۵)

ابوالسوار اپنے ماموں سے روایت کرتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھا کہ لوگ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے پیچھے پیچھے لگ رہے ہیں، میں بھی ان کے ساتھ آپ کے پیچھے پیچھے لگ گیا۔ یہ بیان کرتے ہیں کہ راستہ میں ناگاہ طور پر لوگ بھاگتے ہوئے میرے اوپر آ پڑے۔ یہ بیان کرتے ہیں کہ آپ لوگوں کو چھوڑ کر میری طرف تشریف لائے اور مجھ کو ایک تر شاخ یا چھڑی یا مسواک یا کوئی اور ایسی ہی چیز ہوگی جو اس وقت آپ کے پاس تھی آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کونے کر مجھ کو ہلکے سے مار دیا مجھ کو اس سے ذرا بھی تکلیف نہیں ہوئی۔ یہ کہتے ہیں کہ میں نے بڑی بے چینی سے رات کاٹی یا میں نے یہ بات کہی کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی یہ تنبیہ ضرور کسی ایسی نامناسب بات کی وجہ سے ہوئی ہے جو اللہ تعالیٰ کے علم میں میرے نفس میں ہوگی۔ پھر میرے دل نے کہا کہ کسی طرح صبح ہو تو میں فوراً آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوں۔ ادھر جبرئیل علیہ السلام وحی لے کر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں آ گئے اور فرمایا کہ آپ قوم کے نگراں ہیں اپنی رعایا پر سختی نہ فرمایا کریں۔ یہ کہتے ہیں جب ہم صبح کی نماز ادا کر چکے یا یہ کہا کہ جب صبح ہوگئی تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ دعا فرمائی الٰہی! لوگ میرے پیچھے پیچھے لگ جاتے ہیں اور مجھ کو یہ اچھا نہیں لگتا کہ اس طرح وہ میرے پیچھے پیچھے لگے رہیں تو الٰہی! جس کو میں نے مار دیا ہو یا برا بھلا بھی کہا ہو تو اس کے حق میں تو اس میری تنبیہ کو گناہوں کا کفارہ اور ثواب کا سبب بنا دینا یا یہ فرمایا کہ مغفرت اور رحمت بنا دینا یا اسی کے قریب اور کلمات فرمائے۔ (احمد)

عَنْ اَبِيْ هُرَيْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَللّٰهُمَّ اَنَا بَشَرٌ فَاَيُّ الْمُسْلِمِيْنَ لَعَنْتُهُ اَوْ شَتَمْتُهُ اَوْ جَلَدْتُهُ فَاجْعَلْهَا لَهُ صَلٰوةً وَرَحْمَةً وَقُرْبَةً تُقَرِّبُهُ بِهَا اِلَيْكَ يَوْمَ الْقِيَامَةِ وَعَنْ جَابِرٍ مِثْلُهُ اِلَّا اَنَّ فِيْهِ زَكَاةً وَرَحْمَةً. (رواہ الدارمی)

ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا "الٰہی! میں بھی بشر ہوں تو مسلمانوں میں جس پر بھی میں نے لعنت کی ہو یا اس کو برا بھلا کہا ہو یا اس کے کوڑے لگوانے کا حکم دیا ہو تو اس کے حق میں تو اس کو باعث رحمت و برکت اور قیامت کے دن اپنے دربار میں باعث تقرب بنا دینا۔ (دارمی)

تشریح۔ اس حدیث میں آپ کی دعا کا پہلا کلمہ یہی ہے "میں بشر ہوں" درحقیقت آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے ان تمام کلمات کی روح یہی ہے کہ جب میں بشر ہوں تو بشری خصلت سے بری نہیں ہو سکتا۔ معصوم ہونے کا مطلب یہ نہیں کہ غصہ نہیں آئے گا کسی کو کوئی تنبیہ نہیں کی جائے گی اور کسی کی کوئی حرکت خواہ وہ کیسی ہی کیوں نہ ہو ناگوار نہیں گزرے گی۔ بلکہ یہی ہے یہ سب کچھ ہو گا مگر ہوائے نفس کی بناء پر نہیں تکبر و غرور کی بناء پر نہیں اور ظلم و تعدی کے طور پر نہیں بلکہ ضعف بشری کی بناء پر۔ یہ معذرت اس لیے نہیں کہ معصیت کا صدور ہوا ہے بلکہ اس لیے ہے کہ جب معصومیت ہے تو یہ کلمات بھی معصوم منہ سے کیوں نکلے پھر اس کی

معذرت یوں ہے کہ میں بشر ہوں، جو رسولوں کو بشر نہیں مانتے وہ ان کے عجز و نیاز کی روح سے بھی آشنا نہیں۔

عَنْ مُعَاوِيَةَ سَمِعْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُوْلُ اَللّٰهُمَّ مَنْ لَعَنْتُ فِي الْجَاهِلِيَّةِ ثُمَّ دَخَلَ فِي الْاِسْلَامِ فَاجْعَلْ ذٰلِكَ قُرْبَةً لَهُ اِلَيْكَ (رواہ الطبرانی کما فی الخصائص ص ۱۳۲ ج ۲)

حضرت معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کہتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ فرماتے خود سنا ہے الٰہی! جس کسی کی جاہلیت کے دور میں میں نے اس پر لعنت کی ہو پھر وہ اسلام قبول کر چکا ہو تو اس کو تو اس کے حق میں اپنے دربار میں تقرب کا سبب بنا دینا۔ (طبرانی)

تشریح۔ ان حدیثوں سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ اگر کسی کی حق تلفی کا گمان ہو تو اس کی تلافی کی صورت یہ ہے کہ اس صاحب حق کے لیے دعا کی جائے مگر یہ اس صورت میں ہے جبکہ صاحب حق کے حق کی ادائیگی کی اور کوئی صورت نظر نہ آتی ہو گویا آپ کے ان تواضع و نیاز کے کلمات سے امت کے لیے ایک اور اہم سنت معلوم ہو گئی۔

یہ واضح رہے کہ ہر لغت کے محاورات میں کچھ کلمات ایسے بھی ہوتے ہیں جن کے حقیقی معنی مراد نہیں ہوتے مثلاً بچہ کو پیار و محبت میں شریر کا لفظ کہہ دیتے ہیں۔ بعض اوقات بدمعاش کا لفظ بھی مہذب زبانوں پر آ جاتا ہے مگر یہ صرف اس ماحول کے ایک محاورہ کی حد تک ہوتا ہے۔ اسی طرح عرب میں بھی اس قسم کے کلمات رائج تھے۔ اگر وہ کسی مناسب محل پر شاذ و نادر آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی زبان پر آ گئے ہوں تو بشریت کے سوا ان کو اور کیا کہا جا سکتا ہے۔ واقعات مذکورہ پر نظر ڈالی جائے ہر موقع محل تنبیہ ہی کا تھا اور جو تنبیہی کلمات عرب کے محاورات میں تھے وہی بڑی احتیاط کے ساتھ یہاں استعمال ہوئے ہیں مگر معصومیت کا تقاضا ہے کہ دعائیں دے دے کر ان کی بھی تلافی کر دی جائے۔

عَنْ عَبْدِ الرَّحْمٰنِ بْنِ اَبِيْ بَكْرٍ الصِّدِّيْقِ قَالَ كَانَ فُلَانٌ يَجْلِسُ اِلَى النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَاِذَا تَكَلَّمَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اخْتَلَجَ بِوَجْهِهٖ فَقَالَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كُنْ كَذٰلِكَ فَلَمْ يَزَلْ يَخْتَلِجُ حَتّٰى مَاتَ۔ (رواہ الحاکم فی صحیحہ)

عبدالرحمن رضی اللہ تعالیٰ عنہ صدیق اکبر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے فرزند ارجمند روایت کرتے ہیں کہ فلاں شخص رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی مجلس میں آ کر بیٹھا کرتا اور جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم گفتگو فرماتے تو استہزاء کے طور پر منہ بنایا کرتا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اچھا تو یونہی ہو جائے (اللہ تعالیٰ نے اس کا منہ اسی طرح بنا دیا) اور جب تک وہ جیا اسی طرح منہ بناتا رہا۔ (حاکم)

عَنْ سَلَمَةَ بْنِ الْاَكْوَعِ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ اَنَّ رَجُلًا اَكَلَ عِنْدَ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بِشِمَالِهٖ فَقَالَ كُلْ بِيَمِيْنِكَ قَالَ لَا اَسْتَطِيْعُ قَالَ لَا اسْتَطَعْتَ مَا مَنَعَهٗ اِلَّا الْكِبْرُ فَمَا رَفَعَهَا اِلٰى فِيْهِ۔ (رواہ مسلم، ریاض الصالحین ص ۱۰۳)

سلمہ بن اکوع روایت کرتے ہیں کہ ایک شخص نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ہاں بائیں ہاتھ سے کھانا کھایا آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اپنے دائیں ہاتھ سے کھاؤ اس نے کہا دائیں ہاتھ سے تو مجھ سے کھایا نہیں جاتا آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: یہ بڑائی کی وجہ سے نہیں کھاتا، اچھا تو پھر جیسا تو کہتا ہے ایسا ہی ہو۔ اس کے بعد وہ شخص اپنا داہنا ہاتھ منہ تک اٹھا ہی نہ سکا۔ (مسلم)

عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ أَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ دَخَلَ عَلَى أَعْرَابِيٍّ يَعُودُهُ وَكَانَ إِذَا دَخَلَ عَلَى مَرِيضٍ يَعُودُهُ قَالَ لَا بَأْسَ طَهُورٌ إِنْ شَاءَ اللهُ فَقَالَ لَهُ لَا بَأْسَ طَهُورٌ إِنْ شَاءَ اللهُ قَالَ كَلَّا بَلْ حُمَّى تَفُورُ عَلَى شَيْخٍ كَبِيرٍ تُزِيرُهُ الْقُبُورَ فَقَالَ النَّبِيُّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَنَعَمْ إِذًا. (بخاری)

ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ ایک مرتبہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ایک بادیہ نشین شخص کے پاس اس کی عیادت کرنے کے لیے تشریف لے گئے اور عادت مبارکہ یہ تھی کہ جب کسی مریض کی عیادت کو جاتے تو یہ کلمات فرمایا کرتے تھے "لا بأس طهور" یعنی خدا کرے کوئی تکلیف نہ ہو اور ان شاء اللہ تعالیٰ یہ بیماری گناہوں کا کفارہ ہے۔ چنانچہ اس سے بھی یہی کلمات فرمائے۔ "لا بأس الخ" وہ بولا ہرگز نہیں یہ تو ایک سخت بوڑھے کو تیز بخار چڑھ رہا ہے اور اس کو قبرستان پہنچا کر چھوڑے گا۔ اس پر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ناگواری سے فرمایا اچھا تو یونہی سہی۔ (بخاری)

تشریح: انبیاء علیہم السلام کی تحقیر و دل آزاری سے خواہ شدت جہالت سے کسی صورت میں مبارک نہیں ہوتی جس کی شان یہ ہو کہ ان کی آواز سے آواز بلند کی جائے تو کی کرائی نیکیاں برباد ہو جائیں۔ ان کی بات کا مقابلہ کرنا بعض مرتبہ بہت خطرناک عواقب کا موجب بن جاتا ہے۔ استہزاء تو کفر ہے، کبر فسوق ہے اور گوارا پن خوفناک عیب ہے ان پر ہمیشہ زحمت کا خطرہ ہو سکتا ہے۔ قدرت چاہتی ہے کہ رسولوں کے ساتھ معاملہ تو کجا ان کے جہال کا بھی مظاہرہ ہو جائے تا کہ مخلوق خوف زدہ ہو جائے اور رسولوں کے سامنے ان جیسا ہے ان کو ادب کا سبق بھی مل جائے۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی شان استغفار

عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَاللهِ إِنِّي لَأَسْتَغْفِرُ اللهَ وَأَتُوبُ إِلَيْهِ فِي الْيَوْمِ أَكْثَرَ مِنْ سَبْعِينَ مَرَّةً. (رواہ البخاری)

ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے۔ بخدا میں بھی ایک ایک دن میں ستر ستر بار سے زیادہ اللہ تعالیٰ کے سامنے استغفار اور توبہ کرتا ہوں۔ (بخاری شریف)

عَنِ الْأَغَرِّ الْمُزَنِيِّ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَا أَيُّهَا النَّاسُ تُوبُوا إِلَى اللهِ فَإِنِّي أَتُوبُ إِلَيْهِ فِي الْيَوْمِ مِائَةَ مَرَّةٍ. (رواہ مسلم)

اغر مزنی کہتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا لوگو! اللہ تعالیٰ کے سامنے توبہ کرو کیونکہ میں بھی ایک دن میں سو سو بار توبہ کرتا ہوں۔ (مسلم)

عَنْهُ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِنَّهُ لَيُغَانُ عَلَى قَلْبِي وَإِنِّي لَأَسْتَغْفِرُ اللهَ فِي الْيَوْمِ مِائَةَ مَرَّةٍ. (رواہ مسلم)

اغر مزنی روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا میرے قلب پر ایک بدلی سی چھا جاتی ہے اور میں بھی اللہ تعالیٰ سے دن میں سو سو بار استغفار کرتا ہوں۔ (مسلم)

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی شانِ عبادت

عَنِ الْمُغِيْرَةِ قَالَ قَامَ النَّبِيُّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ حَتّٰى تَوَرَّمَتْ قَدَمَاهُ فَقِيْلَ لَهُ لِمَ تَصْنَعُ هٰذَا وَقَدْ غُفِرَ لَكَ مَا تَقَدَّمَ مِنْ ذَنْبِكَ وَمَا تَأَخَّرَ قَالَ أَفَلَا أَكُوْنُ عَبْدًا شَكُوْرًا. (متفق علیہ)

مغیرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اتنا طویل قیام فرمایا ہے کہ پیروں پر ورم چڑھ گیا اس پر لوگوں نے عرض کی آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے تو اگلے پچھلے معاملات سب درگزر ہو چکے آپ کس لیے یہ مشقت اٹھاتے ہیں؟ اس پر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تو کیا میں اس کا شکرگزار بندہ نہ بنوں۔ (متفق علیہ)

تشریح۔ انبیاء علیہم السلام کی نفل عبادت کا معیار بہت بلند ہوتا ہے وہ فرائض میں اُمت کی خاطر تخفیف کا خیال رکھتے ہیں لیکن جہاں ان کا انفرادی معاملہ ہو پھر وہاں ان کی شان الگ نظر آتی ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ عبد کی ترقی کا سارا راز ہی جب عبادت میں پنہاں ہو تو جتنا بڑا عبد ہو اس کی شان عبادت بھی اتنی ہی اونچی کیوں نہ ہو۔ یہاں قرآن کا حکم بھی یہی تھا۔ "قم اللیل الا قلیلا" آپ کی عبادت کی ایک صورت یہ ہے کہ رات بھر مصروف عبادت رہیں اور صرف تھوڑے سے حصہ میں استراحت ہو تو پھر حکم ایزدی کی تعمیل میں آپ کی جدوجہد جتنی بھی وسیع ہو سب بجا تھی۔ پھر آپ کی اتباع میں آئندہ بھی بعض امت نے اس سنت کو تازہ رکھا ہے۔ اس حدیث میں یہ بات خوب واضح ہو گئی کہ عبادت کی کثرت صرف اسی میں منحصر نہیں کہ گناہ موجود ہوں بلکہ بندہ کی شکرگزاری کی بڑی سے بڑی صورت بھی ہے اس لیے بخشش وکرم کا انعام جتنا زیادہ ہو عبادت کی شان بھی اتنی ہی اونچی ہونی چاہیے۔ یہاں آپ نے دو لفظ فرمائے ہیں 'عبد' 'شکور'۔ اس کا مفہوم یہ ہے کہ عبادت پہلے تو تقاضۂ عبدیت ہے پھر تقاضۂ شکرگزاری بھی یہی ہے۔ جب میں عبد بھی عبد شکور ٹھہرا تو یہ کیسے ممکن ہے کہ میری عبادت اسی کے مناسب نہ ہوتی۔

اللہ تعالیٰ کے عبد سب ہی ہیں اس لیے ہر نعمت کا شکر سب ہی کے ذمہ واجب ہے لیکن ایسے عبد نادر ہیں جو عبد بھی ہوں اور شکور بھی ہوں۔ "وقلیل من عبادی الشکور" میں کفرانِ نعمت کا شکوہ ہے۔ یہ صرف انبیاء علیہم السلام ہی کا خاصہ ہے کہ وہ پیدائشی طور پر شکرگزار ہوتے ہیں۔ حقیقت یہ ہے کہ جو شکور نہیں وہ کوئی عبد ہی نہیں۔

اِنَّهُ كَانَ عَبْدًا شَكُوْرًا. (بے شک نوح شکرگزار بندے تھے)

حضرات انبیاء علیہم السلام اور اُن کی تعداد

عَنْ أَبِيْ ذَرٍّ رَضِيَ اللهُ عَنْهُ قَالَ قُلْتُ يَا رَسُوْلَ اللهِ كَمِ الْأَنْبِيَاءُ قَالَ مِائَةُ أَلْفِ نَبِيٍّ وَأَرْبَعَةٌ وَعِشْرُوْنَ أَلْفًا قُلْتُ يَا رَسُوْلَ اللهِ كَمِ الرُّسُلُ مِنْهُمْ قَالَ ثَلَاثُ مِائَةٍ وَثَلَاثَةَ عَشَرَ جَمٌّ غَفِيْرٌ ثُمَّ قَالَ يَا أَبَا ذَرٍّ أَرْبَعَةٌ سُرْيَانِيُّوْنَ آدَمُ وَشِيْثُ وَنُوْحٌ وَخَنُوْخُ وَهُوَ إِدْرِيْسُ وَهُوَ أَوَّلُ مَنْ خَطَّ بِقَلَمٍ وَأَرْبَعَةٌ مِنَ الْعَرَبِ هُوْدٌ وَصَالِحٌ وَشُعَيْبٌ وَنَبِيُّكَ وَأَوَّلُ نَبِيٍّ مِنْ أَنْبِيَاءِ بَنِيْ إِسْرَائِيْلَ مُوْسٰى وَآخِرُهُمْ عِيْسٰى وَأَوَّلُ النَّبِيِّيْنَ آدَمُ وَآخِرُهُمْ نَبِيُّكَ۔ (درمنثور)

ابوذر رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں میں نے پوچھا یا رسول اللہ! (صلی اللہ علیہ وسلم) کل انبیا علیہم السلام کی تعداد کتنی تھی؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ایک لاکھ چوبیس ہزار۔ میں نے پوچھا یا رسول اللہ! (صلی اللہ علیہ وسلم) ان میں رسول کتنے تھے؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تین سو تیرہ کی بڑی تعداد۔ اس کے بعد آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ابوذر ان میں چار نبی تو سریانی تھے آدمؑ شیثؑ نوحؑ خنوخ (علیہم السلام) یا ادریس علیہ السلام کا نام ہے اور یہ پہلے وہ نبی ہیں جنہوں نے قلم سے لکھا اور چار ان میں عرب کے ہیں۔ ہودؑ صالحؑ شعیب (علیہم السلام) اور تمہارا نبی (صلی اللہ علیہ وسلم) اور بنی اسرائیل میں جو سب سے پہلے نبی تھے وہ موسیٰ علیہ السلام تھے اور سب سے آخری عیسیٰ (علیہ السلام) تھے۔ خلاصہ یہ ہے کہ نبیوں میں سب سے پہلے حضرت آدم علیہ السلام تھے اور سب سے آخر میں تمہارا نبی (اللهم صل وسلم و بارک علیهم) یہ حدیث موضوع تو نہیں مگر ضعیف ہے۔ (درمنثور)

عَنْهُ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَنَا اَوَّلُ شَفِيْعٍ فِي الْجَنَّةِ لَمْ يُصَدَّقْ نَبِيٌّ مِنَ الْاَنْبِيَاءِ مَا صُدِّقْتُ وَاِنَّ مِنَ الْاَنْبِيَاءِ نَبِيًّا مَا صَدَّقَهُ مِنْ اُمَّتِهِ اِلَّا رَجُلٌ وَاحِدٌ. (رواہ مسلم)

میں جنت کے لیے سب سے پہلا شفاعت کرنے والا ہوں۔ انبیاء سابقین میں اس کثرت کے ساتھ کسی کی تصدیق نہیں کی گئی جتنی کہ میری بعض انبیاء تو ایسے بھی ہوئے ہیں جن کی تصدیق صرف ایک ہی شخص نے کی ہے۔ (مسلم شریف)

عَنْ اَبِيْ هُرَيْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَنَا سَيِّدُ وُلْدِ اٰدَمَ يَوْمَ الْقِيَامَةِ وَ اَوَّلُ مَنْ يَنْشَقُّ عَنْهُ الْقَبْرُ وَاَوَّلُ شَافِعٍ وَاَوَّلُ مُشَفَّعٍ. (رواہ مسلم)

ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ روز محشر تمام اولاد آدم کا سردار میں ہوں گا قبر پھٹ کر جو سب سے پہلا شخص باہر آئیگا وہ میں ہوں جو نبی سب سے پہلے مخلوق کی شفاعت کریگا وہ میں ہوں اور جس کی شفاعت سب سے پہلے قبول ہوگی وہ میں ہوں۔ (مسلم شریف)

عَنْ اَنَسٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَنَا اَكْثَرُ الْاَنْبِيَاءِ تَبَعًا يَوْمَ الْقِيَامَةِ وَاَنَا اَوَّلُ مَنْ يَقْرَعُ بَابَ الْجَنَّةِ. (رواہ مسلم)

انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا قیامت میں جس نبی کے ماننے والے سب سے زیادہ ہوں گے وہ میں ہوں اور جو سب سے پہلے جنت کا دروازہ کھلوانے کے لیے دستک دے گا وہ میں ہوں۔

عَنْهُ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اٰتِيْ بَابَ الْجَنَّةِ يَوْمَ الْقِيَامَةِ فَاَسْتَفْتِحُ فَيَقُوْلُ الْخَازِنُ مَنْ اَنْتَ فَاَقُوْلُ مُحَمَّدٌ فَيَقُوْلُ بِكَ اُمِرْتُ اَنْ لَا اَفْتَحَ لِاَحَدٍ قَبْلَكَ. (رواہ مسلم)

انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا قیامت کے دن میں جنت کے دروازہ پر آؤں گا اور دروازہ کھلواؤں گا' جنت کا دربان پوچھے گا' آپ کون ہیں؟ میں کہوں گا میں ہوں محمدؐ وہ عرض کرے گا مجھ کو حکم ملا ہے کہ سب سے پہلے میں آپ ہی کے لیے دروازہ کھولوں' آپ سے پہلے کسی شخص کیلئے نہ کھولوں۔ (مسلم شریف)

عَنْ اَبِيْ سَعِيْدٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَنَا سَيِّدُ وُلْدِ اٰدَمَ يَوْمَ الْقِيَامَةِ وَلَا فَخْرَ وَبِيَدِيْ لِوَاءُ الْحَمْدِ وَلَا فَخْرَ وَمَا مِنْ نَبِيٍّ يَوْمَئِذٍ اٰدَمُ فَمَنْ سِوَاهُ اِلَّا تَحْتَ لِوَائِيْ وَاَنَا

اَوَّلُ مَنْ تَنْشَقُّ عَنْهُ الْاَرْضُ وَلَا فَخْرَ. (رواہ الترمذی)

ابوسعید رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا قیامت کے دن تمام اولاد آدم کا سردار میں ہوں گا اور یہ کوئی فخر نہیں حمد و ثناء کا جھنڈا میرے ہاتھ میں ہوگا اور یہ بھی کوئی فخر نہیں اور اس دن آدم علیہ السلام اور ان کے سوا جتنے رسول ہیں سب میرے جھنڈے کے نیچے ہوں گے اور سب سے پہلے شخص جو زمین پھٹ کر باہر آئے گا وہ میں ہوں اور یہ کوئی فخر نہیں۔ (ترمذی شریف)

عَنْ اِبْنِ عَبَّاسٍ قَالَ جَلَسَ نَاسٌ مِنْ اَصْحَابِ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَخَرَجَ حَتّٰى اِذَا دَنَا مِنْهُمْ سَمِعَهُمْ يَتَذَاكَرُوْنَ قَالَ بَعْضُهُمْ اِنَّ اللّٰهَ اتَّخَذَ اِبْرَاهِيْمَ خَلِيْلًا وَقَالَ اٰخَرُ مُوْسٰى كَلَّمَهُ تَكْلِيْمًا وَقَالَ اٰخَرُ فَعِيْسٰى كَلِمَةُ اللّٰهِ وَرُوْحُهُ وَقَالَ اٰخَرُ اٰدَمُ اصْطَفَاهُ اللّٰهُ فَخَرَجَ عَلَيْهِمْ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَقَالَ قَدْ سَمِعْتُ كَلَامَكُمْ وَعَجَبَكُمْ اِنَّ اِبْرَاهِيْمَ خَلِيْلُ اللّٰهِ وَهُوَ كَذٰلِكَ وَمُوْسٰى نَجِيُّ اللّٰهِ وَهُوَ كَذٰلِكَ وَعِيْسٰى رُوْحُهُ وَكَلِمَتُهُ وَهُوَ كَذٰلِكَ وَاٰدَمُ اصْطَفَاهُ اللّٰهُ وَهُوَ كَذٰلِكَ اَلَا وَاَنَا حَبِيْبُ اللّٰهِ وَلَا فَخْرَ وَاَنَا حَامِلُ لِوَاءِ الْحَمْدِ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ تَحْتَهُ اٰدَمُ فَمَنْ دُوْنَهُ وَلَا فَخْرَ وَاَنَا اَوَّلُ شَافِعٍ وَّاَوَّلُ مُشَفَّعٍ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ وَلَا فَخْرَ وَاَنَا اَوَّلُ مَنْ يُّحَرِّكُ حَلَقَ الْجَنَّةِ فَيَفْتَحُ اللّٰهُ لِيْ فَيُدْخِلُنِيْهَا وَمَعِيَ فُقَرَاءُ الْمُؤْمِنِيْنَ وَلَا فَخْرَ وَاَنَا اَكْرَمُ الْاَوَّلِيْنَ وَالْاٰخِرِيْنَ عَلَى اللّٰهِ وَلَا فَخْرَ. (رواہ الترمذی والدارمی)

ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے چند صحابہ بیٹھے ہوئے تھے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم گھر سے باہر تشریف لائے۔ جب ان کے قریب آئے تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کی گفتگو سنی کوئی تعجب سے کہہ رہا تھا کہ اللہ تعالیٰ نے حضرت ابراہیم علیہ السلام کو اپنا خلیل بنایا ہے کوئی کہہ رہا تھا کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام سے کوہ طور پر براہ راست گفتگو کی ہے کوئی کہہ رہا تھا کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو کلمۃ اللہ اور روح اللہ کہلانے کا شرف بخشا ہے کوئی اور یہ کہہ رہا تھا کہ حضرت آدم علیہ السلام کو صفی اللہ کے لقب سے نوازا ہے۔ جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم باہر تشریف لائے تو آپ نے فرمایا میں نے تمہاری تمام گفتگو اور تمہارے تعجب کا مظاہرہ دیکھا اور سنا کوئی شبہ نہیں کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام خلیل اللہ تھے جیسا کہ تم کہہ رہے تھے اور اسی طرح حضرت موسیٰ علیہ السلام کو شرف ہمکلامی عطا ہوا تھا اور کوئی شبہ نہیں کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کلمۃ اللہ اور روح اللہ کے لقب سے نوازے گئے تھے اور اسی طرح حضرت آدم علیہ السلام منظر ربوبیت میں خلافت کے لیے منتخب ہوئے لیکن تم کو یہ بھی معلوم ہونا چاہیے کہ میں حبیب اللہ ہوں اور یہ فخر یہ بات نہیں ہے اور قیامت میں حمد و ثناء کا جھنڈا میرے ہی ہاتھ میں ہوگا۔ آدم علیہ السلام اور ان کے سوا سب مخلوق اس کے نیچے ہوگی اور یہ بھی فخریہ بات نہیں ہے اور قیامت میں سب سے پہلا مخلوق کی شفاعت کرنے والا رسول میں ہوں اور سب سے پہلے جس کی شفاعت قبول ہوگی وہ رسول بھی میں ہوں اور یہ بھی فخریہ بات نہیں ہے جنت کی کنڈی جو سب سے پہلے کھٹکھٹائے گا وہ رسول میں ہوں۔ اللہ تعالیٰ سب سے پہلے میرے لیے جنت کھولے گا اور مجھ کو اس میں داخل فرمائے گا اور اس وقت میرے ساتھ محتاج مومنوں کی جماعت بھی ہوگی اور میں اللہ تعالیٰ کی نظر میں گزری ہوئی اور آنے والی تمام مخلوق میں سب سے زیادہ معزز و مکرم ہوں اور اس میں فخر کا کوئی شائبہ نہیں ہے۔ (ترمذی، دارمی)

عَنْ عَمْرِو بْنِ قَيْسٍ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ نَحْنُ الْاٰخِرُوْنَ وَنَحْنُ السَّابِقُوْنَ يَوْمَ الْقِيَامَةِ وَاِنِّيْ قَائِلٌ قَوْلًا غَيْرَ فَخْرٍ اِبْرَاهِيْمُ خَلِيْلُ اللّٰهِ وَمُوْسٰى صَفِيُّ اللّٰهِ وَاَنَا حَبِيْبُ اللّٰهِ وَمَعِيْ لِوَاءُ الْحَمْدِ يَوْمَ الْقِيَامَةِ وَاِنَّ اللّٰهَ وَعَدَنِيْ فِيْ اُمَّتِيْ وَاَجَارَهُمْ مِنْ ثَلٰثٍ لَا يَعُمُّهُمْ بِسَنَةٍ وَلَا يَسْتَاْصِلُهُمْ عَدُوٌّ وَلَا يَجْمَعُهُمْ عَلٰى ضَلَالَةٍ. (رواہ الدارمی)

عمرو بن قیس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ دنیا میں تو ہم سب سے بعد میں آئے ہیں اور قیامت میں ہم سب سے آگے ہوں گے اور دیکھو میں ایک بات کہتا ہوں اور کچھ فخر سے نہیں کہتا، ابراہیم علیہ السلام خلیل اللہ ہیں اور موسیٰ علیہ السلام صفی اللہ ہیں لیکن میں حبیب اللہ ہوں۔ قیامت میں حمد و ثنا کا جھنڈا میرے ہاتھ میں ہوگا اور اللہ تعالیٰ نے میری امت کے معاملہ میں مجھ سے وعدہ فرمایا ہے اور تین باتوں سے ان کو پناہ دے دی ہے ایک یہ کہ عام قحط میں ان کو مبتلا نہیں کرے گا۔ دوم یہ کہ ان کا دشمن بیخ و بن سے ان کو ہلاک نہیں کر سکے گا۔ تیسرے یہ کہ میری پوری کی پوری امت گمراہی میں پڑ جائے ایسا بھی نہیں ہوگا۔ (دارمی)

وَعَنْ جَابِرٍ اَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ اَنَا قَائِدُ الْمُرْسَلِيْنَ وَلَا فَخْرَ وَاَنَا خَاتَمُ النَّبِيِّيْنَ وَلَا فَخْرَ وَاَنَا اَوَّلُ شَافِعٍ وَمُشَفَّعٍ وَلَا فَخْرَ. (رواہ الدارمی)

جابر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تمام رسولوں کا قائد میں ہوں اور یہ فخریہ بات نہیں اور میں تمام نبیوں کے آخر میں آیا ہوں اور یہ بات بھی فخریہ نہیں اور تمام مخلوق کی سب سے پہلا شفاعت کرنے والا میں ہوں اور جس کی شفاعت سب سے پہلے قبول ہوگی وہ رسول میں ہوں اور یہ بات بھی فخریہ نہیں ہے۔ (دارمی)

عَنْ اَنَسٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَنَا اَوَّلُ النَّاسِ خُرُوْجًا اِذَا بُعِثُوْا وَاَنَا قَائِدُهُمْ اِذَا وَفَدُوْا وَاَنَا خَطِيْبُهُمْ اِذَا اَنْصَتُوْا وَاَنَا مُسْتَشْفِعُهُمْ اِذَا حُبِسُوْا وَاَنَا مُبَشِّرُهُمْ اِذَا اَيِسُوْا اَلْكَرَامَةُ وَالْمَفَاتِيْحُ يَوْمَئِذٍ بِيَدِيْ وَلِوَاءُ الْحَمْدِ يَوْمَئِذٍ بِيَدِيْ وَاَنَا اَكْرَمُ وُلْدِ اٰدَمَ عَلٰى رَبِّيْ يَطُوْفُ عَلَيَّ اَلْفُ خَادِمٍ كَاَنَّهُمْ بَيْضٌ مَكْنُوْنٌ اَوْ لُؤْلُؤٌ مَنْثُوْرٌ. (رواہ الترمذی والدارمی وقال الترمذی ہذا حدیث غریب)

انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جب تمام لوگ قبروں سے اٹھائے جائیں گے تو سب سے پہلے باہر آنے والا میں ہوں گا جب وہ جمع ہو کر اللہ تعالیٰ کے سامنے حاضر ہوں گے تو ان کا قائد میں ہوں گا اور جب سب خاموش رہیں گے تو ان کی جانب سے بولنے والا میں ہوں گا اور جب وہ میدان حشر میں پھنس جائیں گے تو ان کے لیے شفاعت کی اجازت طلب کرنے والا میں ہوں گا اور جب وہ مایوس ہو جائیں گے تو ان کو بشارت دینے والا میں ہوں گا۔ بزرگی اور کنجیاں اس دن سب میرے ہاتھ میں ہوں گی اور حمد و ثنا کا جھنڈا بھی اس دن میرے ہی ہاتھ میں ہوگا اور اللہ تعالیٰ کی نظر میں تمام اولاد آدم میں سب سے پیارا میں ہوں گا۔ میرے ارد گرد ہزار خادم حاضر رہیں گے جو اس طرح سفید رنگ ہوں گے گویا وہ حفاظت سے رکھے ہوئے انڈے ہیں یا بکھرے ہوئے موتی ہیں۔ (ترمذی، دارمی)

عَنْ اَبِيْ هُرَيْرَةَ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ فَاُكْسٰى حُلَّةً مِنْ حُلَلِ الْجَنَّةِ ثُمَّ اَقُوْمُ عَنْ

يَمِيْنِ الْعَرْشِ لَيْسَ اَحَدٌ مِنَ الْخَلَائِقِ يَقُوْمُ ذٰلِكَ الْمَقَامَ غَيْرِيْ. (رواه الترمذي) وفي رواية جامع الاصول عنه انا اول من تنشق عنه الارض فاكسى.

ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کرتے ہیں کہ سب سے پہلے قبر سے میں اٹھوں گا اس کے بعد جنتی حلوں میں سے ایک حلہ (ایک لباس کا نام ہے) لاکر مجھ کو پہنایا جائے گا پھر میں عرش کے دائیں جانب آکر کھڑا ہوں گا جہاں کھڑے ہونے کا منصب میرے سوا اور کسی کا نہیں ہے۔ (ترمذی)

عَنْ اَبِيْ هُرَيْرَةَ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ سَلُوا اللّٰهَ لِيَ الْوَسِيْلَةَ قَالُوْا يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ وَمَا الْوَسِيْلَةُ قَالَ اَعْلٰى دَرَجَةٍ فِي الْجَنَّةِ لَا يَنَالُهَا اِلَّا رَجُلٌ وَاحِدٌ وَاَرْجُوْ اَنْ اَكُوْنَ اَنَا هُوَ. (رواه الترمذي)

ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا میرے لیے اللہ تعالیٰ سے مقام وسیلہ کی دعا مانگا کرو لوگوں نے پوچھا یا رسول اللہ! (صلی اللہ علیہ وسلم) وسیلہ کیا چیز ہے؟ فرمایا وہ جنت میں سب سے اعلیٰ مقام ہے جو صرف ایک شخص کو ملے گا اور مجھ کو پوری امید ہے کہ وہ شخص میں ہی ہوں۔ (ترمذی)

عَنْ اُبَيِّ بْنِ كَعْبٍ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ اِذَا كَانَ يَوْمُ الْقِيٰمَةِ كُنْتُ اِمَامَ النَّبِيِّيْنَ وَخَطِيْبَهُمْ وَصَاحِبَ شَفَاعَتِهِمْ غَيْرَ فَخْرٍ. (رواه الترمذي)

ابی بن کعب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کرتے ہیں جب قیامت آئے گی تو سب نبیوں کا امام میں ہوں گا اور میں ہی ان کا خطیب اور شفاعت کرنے والا ہوں گا اور یہ بات فخریہ نہیں ہے۔ (ترمذی)

عَنْ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ مَسْعُوْدٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اِنَّ لِكُلِّ نَبِيٍّ وُلَاةً مِنَ النَّبِيِّيْنَ وَاِنَّ وَلِيِّيْ اَبِيْ وَخَلِيْلُ رَبِّيْ ثُمَّ قَرَأَ اِنَّ اَوْلَى النَّاسِ بِاِبْرَاهِيْمَ لَلَّذِيْنَ اتَّبَعُوْهُ وَهٰذَا النَّبِيُّ وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَاللّٰهُ وَلِيُّ الْمُؤْمِنِيْنَ. (رواه الترمذي)

عبداللہ بن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ ہر نبی کے لیے انبیاء میں سے کوئی ولی ہوتا ہے میرے ولی وہ ہیں جو میرے دادا اور میرے رب کے خلیل ہوتے ہیں۔ اس کے ثبوت میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ آیت تلاوت فرمائی "بلاشبہ سب میں زیادہ خصوصیت رکھنے والے حضرت ابراہیم کے ساتھ وہ لوگ تھے جنہوں نے ان کی اتباع کی اور یہ نبی ہیں (یعنی محمد صلی اللہ علیہ وسلم) اور یہ ایمان والے اور اللہ تعالیٰ سب مؤمنوں کا ولی ہے۔" (ترمذی)

عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ قَالَ اِنَّ اللّٰهَ تَعَالٰى فَضَّلَ مُحَمَّدًا صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَلَى الْاَنْبِيَاءِ وَعَلٰى اَهْلِ السَّمَاءِ فَقَالُوْا يَا ابْنَ عَبَّاسٍ بِمَ فَضَّلَهُ اللّٰهُ عَلٰى اَهْلِ السَّمَاءِ قَالَ اِنَّ اللّٰهَ تَعَالٰى قَالَ لِاَهْلِ السَّمَاءِ وَمَنْ يَّقُلْ مِنْهُمْ اِنِّيْ اِلٰهٌ مِّنْ دُوْنِهٖ فَذٰلِكَ نَجْزِيْهِ جَهَنَّمَ كَذٰلِكَ نَجْزِي الظّٰلِمِيْنَ وَقَالَ اللّٰهُ تَعَالٰى لِمُحَمَّدٍ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اِنَّا فَتَحْنَا لَكَ فَتْحًا مُّبِيْنًا لِّيَغْفِرَ لَكَ اللّٰهُ مَا تَقَدَّمَ مِنْ ذَنْبِكَ وَمَا تَاَخَّرَ قَالُوْا وَمَا فَضْلُهُ عَلَى الْاَنْبِيَاءِ قَالَ قَالَ اللّٰهُ تَعَالٰى وَمَا اَرْسَلْنَا مِنْ رَّسُوْلٍ اِلَّا

بلسان قومه ليبين لهم فيضل الله من يشاء الآية وقال الله تعالى لمحمد صلى الله عليه وسلم وما أرسلناك إلا كافة للناس فأرسله إلى الجن والإنس (رواه الدارمي)

ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ اللہ تعالیٰ نے حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو تمام انبیاء علیہم السلام پر بھی فضیلت بخشی ہے اور آسمان والے تمام فرشتوں پر بھی۔ لوگوں نے پوچھا اے ابن عباسؓ! فرمایئے جس بات سے سب فرشتوں پر فضیلت دی ہے وہ کیا ہے؟ جواب دیا وہ بات یہ ہے کہ فرشتوں کے حق میں تو یہ فرمایا ہے کہ جو ان میں یہ کہے گا کہ میرے سوا خدا کوئی اور ہے اور تو اس کو ہم بھی دوزخ کی جزا دیں گے اور ظالموں کو ہم ایسی ہی جزا دیتے ہیں اور حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے حق میں یہ فرمایا ہے کہ ہم نے آپ کو کھلی ہوئی فتح نصیب فرمائی ہے تاکہ اللہ آپ کے گزشتہ اور آئندہ تمام لغزشوں سے درگزر فرمائے۔ (مطلب دونوں جگہ معصوم مخلوق ہے مگر طرز خطاب میں فرق کتنا ہے) لوگوں نے عرض کی اچھا تو جس بات سے انبیاء علیہم السلام پر فضیلت ہے وہ بات کیا ہے؟ انہوں نے جواب دیا کہ سب رسولوں کے حق میں تو ارشاد یہ ہے کہ ہم نے جو رسول بھی بھیجا وہ اپنی قوم کی زبان کا بھیجا اس کے بعد پھر جس کو اللہ تعالیٰ نے چاہا گمراہ کیا الخ اور حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے حق میں فرمایا ہم نے آپ کو تمام لوگوں کے لیے رسول بنا کر بھیجا ہے تو آپ کو جنات و انسان سب کے لیے رسول بنایا (دارمی)

عن مالك بن صعصعة أن نبي صلى الله عليه وسلم حدثهم عن ليلة أسري به بينما أنا في الحطيم وربما قال في الحجر مضطجعا إذ أتاني آت فشق ما بين هذه إلى هذه يعني من ثغرة نحره إلى شعرته فاستخرج قلبي ثم أتيت بطست من ذهب مملوء إيمانا فغسل قلبي ثم حشي ثم أعيد وفي رواية ثم غسل البطن بماء زمزم ثم ملئ إيمانا وحكمة ثم أتيت بدابة دون البغل وفوق الحمار أبيض يقال له البراق يضع خطوه عند أقصى طرفه فحملت عليه فانطلق بي جبرئيل حتى أتى السماء الدنيا فاستفتح قيل من هذا قال جبرئيل قيل ومن معك قال محمد قيل وقد أرسل إليه قال نعم قيل مرحبا به فنعم المجيء جاء ففتح فلما خلصت فإذا فيها آدم فقال هذا أبوك آدم فسلم عليه فسلمت عليه فرد السلام ثم قال مرحبا بالابن الصالح والنبي الصالح ثم صعد بي حتى أتى السماء الثانية فاستفتح قيل من هذا قال جبرئيل قيل ومن معك قال محمد قيل وقد أرسل إليه قال نعم قال مرحبا به فنعم المجيء جاء ففتح فلما خلصت إذا يحيى وعيسى وهما ابنا خالة قال هذا يحيى وهذا عيسى فسلم عليهما فسلمت فردا ثم قالا مرحبا بالأخ الصالح والنبي الصالح ثم صعد بي إلى السماء الثالثة فاستفتح قيل من هذا قال جبرئيل قيل ومن معك قال محمد قيل وقد أرسل إليه قال نعم قيل مرحبا به فنعم المجيء جاء ففتح فلما خلصت إذا يوسف قال هذا يوسف فسلم عليه فسلمت عليه فرد ثم قال مرحبا بالأخ الصالح والنبي الصالح ثم صعد بي حتى أتى السماء الرابعة فاستفتح قيل من هذا قال جبرئيل قيل ومن معك قال

مُحَمَّدٌ قِيلَ وَقَدْ أُرْسِلَ إِلَيْهِ قَالَ نَعَمْ قِيلَ مَرْحَبًا بِهِ فَنِعْمَ الْمَجِيءُ جَاءَ فَفُتِحَ فَلَمَّا خَلَصْتُ فَإِذَا إِدْرِيسُ فَقَالَ هَذَا إِدْرِيسُ فَسَلِّمْ عَلَيْهِ فَسَلَّمْتُ عَلَيْهِ فَرَدَّ ثُمَّ قَالَ مَرْحَبًا بِالْأَخِ الصَّالِحِ وَالنَّبِيِّ الصَّالِحِ ثُمَّ صَعِدَ بِي حَتَّى أَتَى السَّمَاءَ الْخَامِسَةَ فَاسْتَفْتَحَ قِيلَ مَنْ هَذَا قَالَ جِبْرِيلُ قِيلَ وَمَنْ مَعَكَ قَالَ مُحَمَّدٌ قِيلَ وَقَدْ أُرْسِلَ إِلَيْهِ قَالَ نَعَمْ قِيلَ مَرْحَبًا بِهِ فَنِعْمَ الْمَجِيءُ جَاءَ فَفُتِحَ فَلَمَّا خَلَصْتُ فَإِذَا هَارُونُ قَالَ هَذَا هَارُونُ فَسَلِّمْ عَلَيْهِ فَسَلَّمْتُ عَلَيْهِ فَرَدَّ ثُمَّ قَالَ مَرْحَبًا بِالْأَخِ الصَّالِحِ وَالنَّبِيِّ الصَّالِحِ ثُمَّ صَعِدَ بِي حَتَّى أَتَى السَّمَاءَ السَّادِسَةَ فَاسْتَفْتَحَ قِيلَ مَنْ هَذَا قَالَ جِبْرِيلُ قِيلَ وَمَنْ مَعَكَ قَالَ مُحَمَّدٌ قِيلَ وَقَدْ أُرْسِلَ إِلَيْهِ قَالَ نَعَمْ قِيلَ مَرْحَبًا بِهِ فَنِعْمَ الْمَجِيءُ جَاءَ فَفُتِحَ فَلَمَّا خَلَصْتُ فَإِذَا مُوسَى قَالَ هَذَا مُوسَى فَسَلِّمْ عَلَيْهِ فَسَلَّمْتُ عَلَيْهِ فَرَدَّ ثُمَّ قَالَ مَرْحَبًا بِالْأَخِ الصَّالِحِ وَالنَّبِيِّ الصَّالِحِ فَلَمَّا جَاوَزْتُ بَكَى قِيلَ لَهُ مَا يُبْكِيكَ قَالَ أَبْكِي لِأَنَّ غُلَامًا بُعِثَ بَعْدِي يَدْخُلُ الْجَنَّةَ مِنْ أُمَّتِهِ أَكْثَرُ مِمَّنْ يَدْخُلُهَا مِنْ أُمَّتِي ثُمَّ صَعِدَ بِي إِلَى السَّمَاءِ السَّابِعَةِ فَاسْتَفْتَحَ جِبْرِيلُ قِيلَ مَنْ هَذَا قَالَ جِبْرِيلُ قِيلَ وَمَنْ مَعَكَ قَالَ مُحَمَّدٌ قِيلَ وَقَدْ بُعِثَ إِلَيْهِ قَالَ نَعَمْ قِيلَ مَرْحَبًا بِهِ فَنِعْمَ الْمَجِيءُ جَاءَ فَلَمَّا خَلَصْتُ فَإِذَا إِبْرَاهِيمُ قَالَ هَذَا إِبْرَاهِيمُ أَبُوكَ فَسَلِّمْ عَلَيْهِ فَسَلَّمْتُ عَلَيْهِ فَرَدَّ السَّلَامَ ثُمَّ قَالَ مَرْحَبًا بِالِابْنِ الصَّالِحِ وَالنَّبِيِّ الصَّالِحِ ثُمَّ رُفِعَتْ إِلَيَّ سِدْرَةُ الْمُنْتَهَى فَإِذَا نَبِقُهَا مِثْلُ قِلَالِ هَجَرَ وَإِذَا وَرَقُهَا مِثْلُ آذَانِ الْفِيَلَةِ قَالَ هَذِهِ سِدْرَةُ الْمُنْتَهَى فَإِذَا أَرْبَعَةُ أَنْهَارٍ نَهْرَانِ بَاطِنَانِ وَنَهْرَانِ ظَاهِرَانِ قُلْتُ مَا هَذَانِ يَا جِبْرِيلُ قَالَ أَمَّا الْبَاطِنَانِ فَنَهْرَانِ فِي الْجَنَّةِ وَأَمَّا الظَّاهِرَانِ فَالنِّيلُ وَالْفُرَاتُ ثُمَّ رُفِعَ لِي الْبَيْتُ الْمَعْمُورُ ثُمَّ أُتِيتُ بِإِنَاءٍ مِنْ خَمْرٍ وَإِنَاءٍ مِنْ لَبَنٍ وَإِنَاءٍ مِنْ عَسَلٍ فَأَخَذْتُ اللَّبَنَ فَقَالَ هِيَ الْفِطْرَةُ أَنْتَ عَلَيْهَا وَأُمَّتُكَ ثُمَّ فُرِضَتْ عَلَيَّ الصَّلَاةُ خَمْسِينَ صَلَاةً كُلَّ يَوْمٍ فَرَجَعْتُ فَمَرَرْتُ عَلَى مُوسَى فَقَالَ بِمَا أُمِرْتَ قُلْتُ أُمِرْتُ بِخَمْسِينَ صَلَاةً كُلَّ يَوْمٍ قَالَ إِنَّ أُمَّتَكَ لَا تَسْتَطِيعُ خَمْسِينَ صَلَاةً كُلَّ يَوْمٍ وَإِنِّي وَاللَّهِ قَدْ جَرَّبْتُ النَّاسَ قَبْلَكَ وَعَالَجْتُ بَنِي إِسْرَائِيلَ أَشَدَّ الْمُعَالَجَةِ فَارْجِعْ إِلَى رَبِّكَ فَسَلْهُ التَّخْفِيفَ لِأُمَّتِكَ فَرَجَعْتُ فَوَضَعَ عَنِّي عَشْرًا فَرَجَعْتُ إِلَى مُوسَى فَقَالَ مِثْلَهُ فَرَجَعْتُ فَوَضَعَ عَنِّي عَشْرًا فَرَجَعْتُ إِلَى مُوسَى فَقَالَ مِثْلَهُ فَرَجَعْتُ فَوَضَعَ عَنِّي عَشْرًا فَرَجَعْتُ إِلَى مُوسَى فَقَالَ مِثْلَهُ فَرَجَعْتُ فَوَضَعَ عَنِّي عَشْرًا فَأُمِرْتُ بِعَشْرِ صَلَوَاتٍ كُلَّ يَوْمٍ فَرَجَعْتُ إِلَى مُوسَى فَقَالَ مِثْلَهُ فَرَجَعْتُ فَأُمِرْتُ بِخَمْسِ صَلَوَاتٍ كُلَّ يَوْمٍ فَرَجَعْتُ إِلَى مُوسَى فَقَالَ بِمَا أُمِرْتَ قُلْتُ أُمِرْتُ بِخَمْسِ صَلَوَاتٍ كُلَّ يَوْمٍ قَالَ إِنَّ أُمَّتَكَ لَا تَسْتَطِيعُ خَمْسَ صَلَوَاتٍ كُلَّ يَوْمٍ وَإِنِّي قَدْ جَرَّبْتُ النَّاسَ قَبْلَكَ وَعَالَجْتُ بَنِي إِسْرَائِيلَ أَشَدَّ الْمُعَالَجَةِ فَارْجِعْ إِلَى رَبِّكَ فَسَلْهُ التَّخْفِيفَ لِأُمَّتِكَ قَالَ سَأَلْتُ رَبِّي حَتَّى اسْتَحْيَيْتُ وَلَكِنِّي أَرْضَى وَأُسَلِّمُ قَالَ فَلَمَّا

جَاوَزْتُ نَادٰی مُنَادٍ اَمْضَیْتُ فَرِیْضَتِیْ وَخَفَّفْتُ عَنْ عِبَادِیْ۔ (متفق علیہ)

اعلم ان الاسراء ورد مطولا و مختصراً من حدیث انس و ابی بن کعب و بریدۃ و جابر بن عبداللّٰہ و حذیفۃ بن الیمان و سمرۃ بن جندب و سہل بن سعد و شداد بن اوس و صہیب و ابن عباس و ابن عمر و ابن عمرو و ابن مسعود و عبداللّٰہ بن اسعد بن زرارۃ و عبدالرحمٰن بن قرط و علی بن ابی طالب و عمر بن الخطاب و مالک بن صعصعۃ و ابی امامۃ و ابی ایوب الانصاری و ابی حبۃ و ابی الحمراء و ابی ذر و ابی سعید الخدری و ابی سفیان بن حرب و ابی لیلیٰ الانصاری و ابی ھریرۃ و عائشۃ و اسماء بنتی ابی بکر و ام ھانی و ام سلمۃ رضی اللّٰہ عنہم کذا فی الخصائص الکبریٰ ص ۱۵۲ جلد ۱ وقال فی الشفا وذھب معظم السلف والمسلمین الی انہ اسراء بالجسد و فی الیقظۃ وھذا ھو الحق وذھب الیہ من الصحابۃ ابن عباس و جابر و انس و حذیفۃ و عمرو ابی ھریرۃ و مالک بن صعصعۃ و ابی حبۃ البدری و ابن مسعود رضی اللّٰہ عنہم اجمعین و من التابعین الضحاک و سعید بن جبیر و قتادۃ و ابن المسیب و ابن شہاب و ابن زید والحسن البصری و ابراھیم النخعی و مسروق و مجاھد و عکرمۃ و ابن جریج رضی اللّٰہ تعالیٰ عنہم و جماعۃ عظیمۃ من المسلمین وھو قول اکثر المتأخرین من الفقھاء والمحدثین والمتکلمین والمفسرین۔

مالک بن صعصعہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے صحابہ سے اس شب کا واقعہ جس میں آپ کو بیت المقدس اور آسمانوں کی سیر کرائی گئی تھی اس طرح بیان فرمایا کہ میں حطیم میں لیٹا ہوا تھا اور کبھی حجر کا لفظ کہا (مراد دونوں کی ایک ہے) کہ ایک فرشتہ آیا اور اس نے یہاں سے لے کر یہاں تک میرا پیٹ چاک کیا یعنی گردن کے پاس سے لے کر زیر ناف تک پھر اس نے میرے قلب کو نکالا اور اس کے بعد ایک سونے کا طشت ایمان و حکمت سے بھرا ہوا لایا گیا اور اس فرشتہ نے میرے قلب کو دھویا۔ ایک روایت میں اس طرح ہے کہ پھر میرے پیٹ کو آب زمزم سے دھویا اور اس کے بعد اس میں ایمان و حکمت بھر دیا پھر میرے سامنے ایک جانور پیش کیا گیا جو خچر سے ذرا چھوٹا اور گدھے سے ذرا بڑا سفید رنگ کا تھا اس کو براق کہا جاتا ہے (اس کی رفتار کی حالت یہ تھی) کہ وہ اپنا قدم اس جگہ ڈالتا تھا جہاں اس کی نظر پہنچتی تھی مجھے اس پر سوار کیا گیا اور مجھے لے کر جبرئیل علیہ السلام اوپر چلے۔ یہاں تک کہ جب اس دنیا کے آسمان تک پہنچے تو انہوں نے دروازہ کھلوایا ان سے دریافت کیا گیا کون انہوں نے جواب دیا میں ہوں جبرئیل پوچھا گیا آپ کے ہمراہ کون ہیں انہوں نے کہا محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) ہیں۔ فرشتوں نے پوچھا کیا ان کو معراج ہوئی ہے؟ جبرئیل علیہ السلام نے فرمایا ہاں اس پر کہا گیا خوش آمدید کیا مبارک تشریف آوری ہے یہ کہہ کر دروازہ کھول دیا جب میں دروازہ سے نکل گیا کیا دیکھتا ہوں کہ وہاں حضرت آدم علیہ السلام ہیں۔ جبرئیل علیہ السلام نے فرمایا یہ آپ کے والد ماجد آدم ہیں ان کو سلام کیجئے میں نے ان کو سلام کیا انہوں نے جواب سلام دے کر فرمایا فرزند صالح اور نبی صالح

آؤ خوش آمدید۔ پھر جبرئیل علیہ السلام مجھ کو لے کر اور اوپر چلے یہاں تک کہ جب دوسرے آسمان پر پہنچے تو انہوں نے دروازہ کھلوایا۔ پوچھا گیا کون؟ انہوں نے جواب دیا میں ہوں جبرئیل۔ پھر پوچھا گیا آپ کے ہمراہ کون ہیں؟ انہوں نے کہا محمد صلی اللہ علیہ وسلم۔ فرشتوں نے پوچھا کیا ان کو معراج ہوئی ہے۔ جبرئیل علیہ السلام نے فرمایا ہاں' اس پر کہا گیا خوش آمدید کیا مبارک تشریف آوری ہے۔ یہ کہہ کر دروازہ کھول دیا' جب میں آگے بڑھا کیا دیکھتا ہوں کہ حضرت یحییٰ اور حضرت عیسیٰ علیہما السلام ہیں' دونوں خالہ زاد بھائی تھے۔ مجھ سے کہا گیا کہ یہ تو حضرت یحییٰ ہیں اور یہ حضرت عیسیٰ ہیں علیہم الصلوٰۃ والسلام ان کو سلام کیجئے' میں نے ان کو سلام کیا' انہوں نے جواب سلام دیا اس کے بعد فرمایا' آئیے برادر صالح اور نبی صالح آپ خوش آمدید۔ پھر وہ مجھ کو لے کر تیسرے آسمان پر چلے یہاں پہنچ کر دروازہ کھلوایا' پوچھا گیا کون؟ انہوں نے جواب دیا میں ہوں جبرئیل' پھر پوچھا گیا آپ کے ہمراہ کون ہیں؟ انہوں نے کہا محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) فرشتوں نے پوچھا کیا ان کو معراج ہوئی ہے' جبرئیل علیہ السلام نے فرمایا ہاں' اس پر کہا گیا خوش آمدید کیا مبارک تشریف آوری ہے۔ یہ کہہ کر دروازہ کھول دیا' جب میں آگے بڑھا' کیا دیکھتا ہوں کہ یوسف علیہ السلام ہیں' جبرئیل علیہ السلام نے فرمایا یہ یوسف ہیں' ان کو سلام کیجئے' میں نے سلام کیا' انہوں نے جواب سلام دیا' اس کے بعد فرمایا آئیے برادر صالح اور نبی صالح آئیے خوش آمدید۔ پھر جبرئیل علیہ السلام مجھ کو لے کر اور اوپر چلے یہاں تک کہ چوتھے آسمان پر پہنچے اور دروازہ کھلوایا' پوچھا گیا کون؟ انہوں نے فرمایا میں ہوں جبرئیل' پوچھا گیا آپ کے ہمراہ کون ہیں؟ انہوں نے کہا محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) فرشتوں نے پوچھا کیا ان کو معراج ہوئی ہے' انہوں نے کہا ہاں اس پر کہا گیا خوش آمدید کیا مبارک تشریف آوری ہے یہ کہہ کر دروازہ کھول دیا' جب میں آگے بڑھا کیا دیکھتا ہوں کہ حضرت ادریس علیہ السلام ہیں' جبرئیل علیہ السلام نے فرمایا یہ ادریس ہیں ان کو سلام کیجئے' میں نے سلام کیا' انہوں نے جواب سلام دیا' اس کے بعد فرمایا آئیے برادر صالح اور نبی صالح آئیے خوش آمدید۔ پھر مجھ کو لے کر اور اوپر چلے یہاں تک کہ پانچویں آسمان پر پہنچے اور دروازہ کھلوایا' پوچھا گیا کون؟ انہوں نے فرمایا میں ہوں جبرئیل' پوچھا گیا آپ کے ہمراہ کون ہیں؟ انہوں نے کہا محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) فرشتوں نے پوچھا کیا ان کو معراج ہوئی ہے؟ انہوں نے کہا ہاں' اس پر کہا گیا خوش آمدید کیا مبارک تشریف آوری ہے یہ کہہ کر دروازہ کھول دیا۔ جب میں آگے بڑھا کیا دیکھتا ہوں کہ ہارون علیہ السلام ہیں' جبرئیل علیہ السلام نے کہا یہ ہارون ہیں' ان کو سلام کیجئے' میں نے سلام کیا' انہوں نے سلام کا جواب دیا' اس کے بعد فرمایا آئیے برادر صالح اور نبی صالح آئیے خوش آمدید۔ پھر مجھ کو اوپر لے کر چلے یہاں تک کہ چھٹے آسمان پر پہنچے اور دروازہ کھلوایا' پوچھا گیا کون؟ انہوں نے جواب دیا میں ہوں جبرئیل' پھر پوچھا گیا آپ کے ہمراہ اور کون ہے؟ انہوں نے کہا محمد صلی اللہ علیہ وسلم' فرشتوں نے پوچھا کیا ان کو معراج ہوئی ہے؟ انہوں نے کہا ہاں' اس پر کہا گیا خوش آمدید کیا ہی مبارک تشریف آوری ہے' یہ کہہ کر دروازہ کھول دیا گیا' جب آگے بڑھا کیا دیکھتا ہوں کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام ہیں' جبرئیل علیہ السلام نے کہا یہ موسیٰ ہیں ان کو سلام کیجئے' میں نے ان کو سلام کیا' انہوں نے سلام کا جواب دیا' اس کے بعد فرمایا آئیے برادر صالح اور نبی صالح آئیے خوش آمدید' جب میں آگے بڑھنے لگا تو موسیٰ علیہ السلام پر گریہ طاری ہو گیا۔ ان سے پوچھا گیا آپ کیوں روئے؟ فرمایا اس لیے کہ ایک نوجوان جو میرے بعد مبعوث ہوئے ہیں ان کی امت کے لوگ میری امت

سے بھی زیادہ جنت میں جائیں گے۔ اس کے بعد مجھ کو ساتویں آسمان کی طرف لے کر چلے اور دروازہ کھلوایا پوچھا گیا کون؟ انہوں نے کہا میں ہوں جبرئیل۔ پوچھا گیا آپ کے ساتھ اور کون ہیں؟ کہا محمد صلی اللہ علیہ وسلم فرشتوں نے پوچھا کیا آپ کو معراج ہوئی ہے؟ انہوں نے کہا ہاں۔ کہا گیا خوش آمدید کیا مبارک تشریف آوری ہے۔ جب میں اور آگے بڑھا کیا دیکھتا ہوں کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام ہیں جبرئیل علیہ السلام نے کہا کہ یہ آپ کے والد ماجد حضرت ابراہیم علیہ السلام ہیں ان کو سلام کیجئے میں نے سلام کیا انہوں نے سلام کا جواب دیا اس کے بعد فرمایا آؤ فرزند صالح اور نبی صالح آؤ خوش آمدید اس کے بعد مجھ کو سدرۃ المنتہیٰ نظر آیا کیا دیکھتا ہوں کہ اس کے پھل مقام ہجر کے مٹکوں کے برابر تھے اور اس کے پتے ہاتھی کے کانوں کے مانند تھے۔ جبرئیل علیہ السلام نے کہا یہ سدرۃ المنتہیٰ ہے وہاں چار نہریں تھیں دو اندر کی جانب اور دو باہر کی جانب میں نے پوچھا اے جبرئیل! یہ نہریں کیسی ہیں؟ انہوں نے کہا جو اندر کی جانب گئی ہیں یہ جنت کی نہریں ہیں اور جو باہر کی جانب ہیں یہ نیل و فرات ہیں۔ پھر میرے سامنے بیت معمور لایا گیا اس کے بعد میرے سامنے ایک برتن شراب کا ایک دودھ اور ایک شہد کا پیش کیا گیا۔ میں نے دودھ والا لے لیا۔ جبرئیل علیہ السلام نے کہا یہی فطرت ہے جس پر آپ اور آپ کی امت رہے گی۔ اس کے بعد مجھ پر ہر دن میں پچاس نمازیں فرض کی گئیں۔ جب میں لوٹا تو موسیٰ علیہ السلام پر میرا گزر ہوا انہوں نے پوچھا آپ کو کیا حکم دیا گیا ہے؟ میں نے کہا ہر دن میں پچاس نمازوں کا انہوں نے فرمایا آپ کی امت ہر روز پچاس نمازیں نہیں پڑھ سکتی بخدا میں نے آپ سے پہلے لوگوں کا تجربہ کر لیا ہے اور بنی اسرائیل کے ساتھ بڑی کوشش کی ہے لہٰذا آپ اپنے پروردگار کے پاس پھر جائیں اور اپنی امت کے لیے اور تخفیف کی درخواست کریں۔ چنانچہ میں لوٹ گیا اللہ تعالیٰ نے دس نمازیں معاف فرما دیں جب موسیٰ علیہ السلام کے پاس لوٹ کر آیا تو انہوں نے پھر وہی بات فرمائی میں پھر لوٹ کر گیا تو اللہ تعالیٰ نے دس نمازیں اور معاف فرما دیں پھر میں موسیٰ علیہ السلام کے پاس لوٹ کر آیا تو انہوں نے پھر وہی بات کہی۔ چنانچہ میں پھر لوٹ گیا اللہ تعالیٰ نے دس نمازیں اور معاف فرما دیں پھر میں موسیٰ علیہ السلام کے پاس لوٹ کر آیا تو انہوں نے پھر وہی بات کہی چنانچہ میں پھر لوٹ گیا اللہ تعالیٰ نے دس نمازیں اور معاف فرما دیں اور اب مجھ کو ہر دن میں دس نمازوں کا حکم ہو گیا پھر میں موسیٰ علیہ السلام کے پاس لوٹ کر آیا تو انہوں نے پھر وہی بات کہی چنانچہ میں پھر لوٹ گیا تو اللہ تعالیٰ نے مجھ کو ہر دن میں پانچ نمازوں کا حکم دیا۔ پھر میں موسیٰ علیہ السلام کے پاس لوٹ کر آیا تو انہوں نے پوچھا اب کی بار تم کو کیا حکم دیا گیا؟ میں نے کہا ہر دن میں پانچ نمازوں کا انہوں نے کہا آپ کی امت ہر روز پانچ نمازیں بھی نہیں پڑھ سکتی اور میں آپ سے پہلے لوگوں کا تجربہ کر چکا ہوں اور بنی اسرائیل کے ساتھ بڑی محنت اٹھا چکا ہوں۔ لہٰذا آپ پھر جائیں اور اپنے رب سے ابھی اور تخفیف کی درخواست کریں۔ آپ نے فرمایا میں نے اپنے رب سے بار بار درخواست کی اب اور زیادہ درخواست کرتے مجھ کو شرم آتی ہے۔ لہٰذا اب میں اسی پر راضی ہوں اور خوش ہوں۔ اس کے بعد آپ نے فرمایا جب میں آگے بڑھا تو ایک منادی نے آواز دی اب میں اپنا آخری حکم جاری کر چکا اور اپنے بندوں پر جو تخفیف کرنی تھی کر چکا۔ (متفق علیہ)

سَمِعْتُ اَبَا اُمَامَةَ اَنَّ رَجُلًا قَالَ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَنَبِيٌّ كَانَ آدَمُ قَالَ نَعَمْ مُكَلَّمٌ قَالَ فَكَمْ كَانَ بَيْنَهُ وَبَيْنَ نُوْحٍ قَالَ عَشَرَةُ قُرُوْنٍ. (رواہ ابن حبان)

روایت ہے میں نے ابوامامہ سے سنا ہے کہ ایک شخص نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے دریافت کیا یا رسول اللہ! (صلی اللہ علیہ وسلم) کیا آدم نبی تھے؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہاں نبی تھے اور ایسے نبی تھے جو اس کی شرف ہم کلامی سے مشرف تھے۔ پھر اس نے پوچھا کہ ان کے اور حضرت نوح علیہ السلام کے درمیان کتنا زمانہ گزرا ہے۔ فرمایا دس قرن۔ (ابن حبان)

تشریح۔ حافظ ابن کثیر نے بروایت بخاری ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے نقل کیا ہے کہ حضرت آدم علیہ السلام اور حضرت نوح علیہ السلام کے درمیان دس قرن کی مدت گزری ہے جن میں سب لوگ اسلام ہی پر تھے ان کے بعد جب بت پرستی اور گمراہیوں کا ظہور ہوا تو اللہ تعالیٰ نے ان کی اصلاح کے لیے حضرت نوح علیہ السلام کو مبعوث فرمایا ہے۔ اسی لحاظ سے ان کو سب سے پہلا رسول کہا جاتا ہے۔ اس لحاظ سے بعض مؤرخین نے لکھا ہے کہ قابیل اور اس کی اولاد نے آتش پرستی شروع کر دی تھی۔ یہ تاریخی قول صحیح نہیں۔ ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی روایت اس کی تردید کرتی ہے۔ حدیث مذکور میں قرون کا لفظ مبہم ہے لغت میں "قرن" کا اطلاق سو سال کی مدت پر بھی آتا ہے اور لوگوں کے ایک طبقہ پر بھی آتا ہے پہلے معنی کے لحاظ سے دس قرن ایک ہزار سال کے ہوتے ہیں اور دوسرے معنی کے لحاظ سے یہ مدت ہزاروں سال کی ہوگی کیونکہ حضرت نوح علیہ السلام کے زمانہ میں عمریں بہت طویل ہوا کرتی تھیں۔ اس لحاظ سے ایک طبقہ کے گزرنے کے لیے بھی بہت طویل مدت درکار ہوگی پھر اسی نسبت سے دس قرن کا اندازہ کرنا چاہیے۔ (البدایہ ص ۱۰۱ ج ۱) درمنثور میں دس قرون کے بجائے دس پشتوں کا لفظ ہے۔

عَنْ اَبِیْ ذَرٍّ قَالَ قُلْتُ یَا رَسُوْلَ اللّٰہِ کَمِ الْاَنْبِیَاءُ قَالَ مِائَۃُ اَلْفٍ وَّاَرْبَعَۃٌ وَّعِشْرُوْنَ اَلْفًا قُلْتُ یَا رَسُوْلَ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ کَمِ الرُّسُلُ مِنْھُمْ قَالَ ثَلَاثُ مِائَۃٍ وَّثَلَاثَۃَ عَشَرَ جَمٌّ غَفِیْرٌ قُلْتُ یَا رَسُوْلَ اللّٰہِ مَنْ کَانَ اَوَّلُھُمْ قَالَ اٰدَمُ قُلْتُ یَا رَسُوْلَ اللّٰہِ نَبِیٌّ مُّرْسَلٌ قَالَ نَعَمْ خَلَقَہُ اللّٰہُ بِیَدِہٖ ثُمَّ نَفَخَ فِیْہِ مِنْ رُّوْحِہٖ ثُمَّ سَوَّاہُ قُبُلًا۔ (رواہ ابن حبان فی صحیحہ کذافی البدایۃ والنہایۃ ص ۹۷)

ابوذر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کہتے ہیں میں نے عرض کی یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! کل انبیاء کی تعداد کتنی تھی؟ فرمایا ایک لاکھ چوبیس ہزار۔ میں نے عرض کی ان میں رسول کتنے تھے؟ فرمایا تین سو تیرہ کا بہت بڑا گروہ تھا میں نے عرض کی یا رسول اللہ! (صلی اللہ علیہ وسلم) ان میں سب سے پہلا رسول کون تھا؟ فرمایا آدم علیہ السلام۔ میں نے عرض کی یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! کیا وہ نبی مرسل تھے؟ فرمایا ہاں اللہ تعالیٰ نے ان کو اپنے دست مبارک سے پیدا فرمایا تھا پھر ان میں اپنی طرف سے روح پھونکی اور پہلے سامنے ان کو ہر طرح سے درست کر دیا تھا۔ (ابن حبان)

عَنْ اَنَسٍ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ قَالَ لَمَّا صَوَّرَ اللّٰہُ اٰدَمَ فِی الْجَنَّۃِ تَرَکَہٗ مَا شَاءَ اللّٰہُ اَنْ یَّتْرُکَہٗ فَجَعَلَ اِبْلِیْسُ یُطِیْفُ بِہٖ یَنْظُرُ مَا ھُوَ فَلَمَّا رَاٰہُ اَجْوَفَ عَرَفَ اَنَّہٗ خُلِقَ خَلْقًا لَّا یَتَمَالَکُ۔ (رواہ مسلم)

حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے جب جنت میں حضرت آدم علیہ السلام کا قالب تیار کر لیا تو جب تک اس کو منظور تھا اسی صورت پر اس کو رکھا۔ اس درمیان میں ابلیس اس کے گرد

پھر لگا اور دیکھا کہ یہ کیسی مخلوق ہے جب اس نے دیکھا کہ وہ اندر سے کھوکلی ہے (خول نہیں ہے) تو سمجھ لیا کہ یقیناً یہ ایک مخلوق بنائی گئی ہے جو اپنے نفس پر قابو نہیں رکھ سکے گی۔ (مسلم شریف)

تشریح۔ اس حدیث سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ آدم علیہ السلام کی صورت خلد بریں میں ہی بنائی گئی تھی۔ اگر جنت سے مراد دنیا کا کوئی باغ ہوتا تو یہ کوئی اتنی اہم بات نہ تھی جس کا تذکرہ حدیثوں میں آتا پھر جب وہیں ان کی صورت بنی تو یقیناً وہیں ان کی سکونت بھی ہوگی اور اسی وقت جنت کو آدم علیہ السلام کی وراثت کہنا بھی صحیح ہو سکتا ہے۔ قرآن کریم کی کسی ایک آیت سے یہ ثابت نہیں ہوتا کہ وہ کوئی دنیا کا باغ تھا۔ آدم علیہ السلام کی سرگزشت مختلف مقامات میں ذکر کی گئی ہے مگر کسی ایک مقام پر بھی اس کی طرف اشارہ نہیں کیا گیا۔ آج بھی بہت سے انسان باغوں میں رہتے ہیں اس لیے یہ کوئی اتنی اہم بات نہیں جس کو قرآن کریم بار بار اس انداز سے ذکر فرماتے۔ گویا وہ ان پر قدرت کی طرف سے بہت بڑا انعام تھا اور معصیت کے بعد پھر اس سے نکلنا کوئی بہت بڑی محرومی تھی جو ہمیشہ قابل یادگار تھی۔

يَا بَنِي آدَمَ لَا يَفْتِنَنَّكُمُ الشَّيْطٰنُ كَمَا أَخْرَجَ أَبَوَيْكُمْ مِنَ الْجَنَّةِ

عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ لَيَنْتَهِيَنَّ أَقْوَامٌ يَفْتَخِرُوْنَ بِآبَائِهِمُ الَّذِيْنَ مَاتُوْا إِنَّمَا هُمْ فَحْمٌ مِنْ جَهَنَّمَ أَوْ لَيَكُوْنُنَّ أَهْوَنَ عَلَى اللّٰهِ مِنَ الْجُعَلِ الَّذِيْ يُدَهْدِهُ الْخِرَاءَ بِأَنْفِهِ كُلُّهُمْ بَنُوْ آدَمَ وَآدَمُ مِنْ تُرَابٍ۔ (رواه الترمذي و ابو داود)

ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کرتے ہیں کہ آپ نے تنبیہ کے لہجہ میں فرمایا کہ یہ لوگ جو اپنے ان مردہ باپ دادوں پر جو مر کر جہنم میں کوئلہ ہو چکے ہیں فخر کرنا چھوڑ دیں ورنہ اللہ تعالیٰ کے نزدیک وہ پاخانہ کے اس کیڑے سے بھی زیادہ حقیر و ذلیل ہوں گے جو نجاست کو اپنی ناک سے ہٹا ہٹا کر گھسیٹتا ہے سب آدم ہی کی اولاد ہیں اور آدم کی پیدائش مٹی سے ہوئی ہے۔ (پھر فخر کس بات کا)۔ (ترمذی، ابوداؤد)

عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ خَيْرُ يَوْمٍ طَلَعَتْ فِيْهِ الشَّمْسُ يَوْمُ الْجُمُعَةِ فِيْهِ خُلِقَ آدَمُ وَفِيْهِ أُدْخِلَ الْجَنَّةَ وَفِيْهِ أُخْرِجَ مِنْهَا۔ (رواه مسلم وفي الصحيح زيادة ولا تقوم الساعة)

ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا سب سے مبارک دن جس میں آفتاب طلوع کرتا ہے جمعہ کا دن ہے اسی دن آدم علیہ السلام پیدا ہوئے اسی دن جنت میں داخل ہوئے اور اسی دن جنت سے نکلے اور قیامت بھی اسی دن آئے گی۔ (مسلم)

تشریح۔ قرآن کریم میں جابجا چھ دن میں عالم کی تخلیق کا تذکرہ آیا ہے اس کے بعد پھر استوا علی العرش کا ذکر ہے۔ اسلامی تقویم کے لحاظ سے عالم کی پیدائش ہفتہ سے شروع ہو کر جمعرات پر ختم ہو گئی ہے اور اس جمعہ میں کچھ اور پیدا نہیں کیا گیا۔ اسی لحاظ سے ہمارے یہاں جمعہ کا دن تعطیل کا دن شمار ہوتا ہے۔ پھر اللہ تعالیٰ کو معلوم ہے کہ کتنی مدت کے بعد کس اور جمعہ میں آدم علیہ السلام پیدا کیے گئے ہیں۔ لہٰذا یہاں جمعہ سے مراد عالم کی تخلیق کے بعد متصل جمعہ مراد نہ لینا چاہیے۔ جس دن میں قدرت کے

اتنے اہم افعال جمع ہوں ظاہر ہے کہ وہ کتنا عظیم الشان دن ہوگا۔

عَنْ اَبِیْ هُرَیْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ خَلَقَ اللّٰهُ اٰدَمَ عَلٰی صُوْرَتِهٖ طُوْلُهٗ سِتُّوْنَ ذِرَاعًا فَلَمَّا خَلَقَهٗ قَالَ اِذْهَبْ فَسَلِّمْ عَلٰی اُولٰٓئِکَ النَّفَرِ وَهُمْ نَفَرٌ مِنَ الْمَلٰٓئِکَةِ جُلُوْسٌ فَاسْتَمِعْ مَا یُحَیُّوْنَکَ فَاِنَّهَا تَحِیَّتُکَ وَتَحِیَّةُ ذُرِّیَّتِکَ فَذَهَبَ فَقَالَ السَّلَامُ عَلَیْکُمْ فَقَالُوْا السَّلَامُ عَلَیْکَ وَرَحْمَةُ اللّٰهِ قَالَ فَزَادُوْهُ وَرَحْمَةُ اللّٰهِ اَلْحَدِیْث. (متفق علیه) وقد رواہ الترمذی ابسط منه و فیه قصة اعطاء ادم ابنه داؤد علیه السلام من عمرہ.

ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اللہ تعالیٰ نے آدم علیہ السلام کو اپنی خاص صفات پر پیدا فرمایا' ان کا قد ساٹھ گز لمبا تھا' جب ان کو پیدا فرما چکا تو اس نے کہا جاؤ یہ جو فرشتوں کی جماعت بیٹھی ہے اس کو سلام کرو اور جو جواب وہ تم کو دیں اس کو غور کے ساتھ سننا کیونکہ تمہاری اور تمہاری اولاد کی آئندہ سلام کی وہی سنت ہوگی۔ یہ گئے اور انہوں نے فرمایا "السلام علیکم" انہوں نے جواب میں "السلام علیکم ورحمۃ اللہ" کہا یعنی "رحمۃ اللہ" کا لفظ اور زیادہ کر دیا۔ (متفق علیہ)

تشریح: نسل انسانی کو جو جو اہم اسباق قدرت کو سکھانے تھے وہ ابتداء سے ہی اصل انسانی میں ودیعت فرما دیے تھے تاکہ وہ انسانی فطرت کا جزو بن جائیں۔ پھر جب اس کو اپنی خلافت خاصہ سے نواز کر کرۂ ارضی پر اپنا نائب بنایا تو یہ بھی ضروری ہوا کہ خلیفہ اپنے اصل مالک کے کمالات کا مظہر ہو اور اس لیے یہ بھی مناسب ہوا کہ تاج پوشی کی رسم کے لیے ایک بار خلیفہ کے حق میں بھی انقیاد و تسلیم کا وہ نقشہ دکھا دیا جائے جو اصل مالک کے لیے مخصوص تھا یعنی "سجدہ تحیہ" نیز جب آدم علیہ السلام کو خلیفہ بنایا تو ضروری ہوا کہ ان کی ماتحت مخلوق کی فطرت میں جذبہ انقیاد کا تخم بھی ڈال دیا جائے۔ اس لیے سب سے قوی مخلوق کو جو بقیہ تمام مخلوق پر نگراں بنائی گئی تھی سجدہ کا حکم دیا گیا تاکہ بقیہ تمام مخلوق میں آدم علیہ السلام کی اطاعت شعاری ان کی سرشت بن جائے اور کسی کو سرتابی کا حوصلہ نہ رہے۔ اسی عام تسخیر کو جو آسمانوں سے لے کر ارضی مخلوق تک نظر آتی ہے۔ قرآن کریم میں جابجا بطریق امتنان ذکر فرمایا گیا ہے۔ جدید فلسفہ کہتا ہے کہ یہ قوی کے ضعیف پر غیر محدود زمانہ کے تسلط کا اثر ہے مگر مذہب یہ بتاتا ہے کہ یہ قدرت کی پوشیدہ کارفرمائیاں ہیں۔ پھر جب یہ عام تسخیر مقدر ہوئی تو یہ بھی ضروری ہوا کہ اس خلیفہ کو اصل کے خاص کمالات کا مظہر بنایا جائے اور اس کے خاص صفات میں سے صفت علم میں سب سے ممتاز بنایا جائے حتیٰ کہ ملائکۃ اللہ سے بھی اسی نکتہ سے فرشتوں کی نظر چوک گئی اور انہوں نے اپنی تسبیح و تقدیس اور عبودیت کو پیش کیا حالانکہ یہ اگر کمال تھا تو مخلوق اور عبد کا کمال تھا' حاکم اور خالق کا تو نہ تھا۔ آدم علیہ السلام اگر کسی دوسری مخلوق کے خلیفہ ہوتے تو ان کی یہ بحث شاید برمحل ہوتی مگر یہاں خلافت الٰہیہ کا منصب عطا ہو رہا تھا' یہاں عبودیت کی خاص صفت کے بجائے اصل مالک کی خاص صفات کا مظہر ہونا لازم تھا۔ حیات' قدرت' سمع و بصر' مشیت و ارادہ' کلام کے آثار تو دوسری مخلوق میں بھی کم و بیش موجود تھے ان سب میں نمایاں اور خاص صفت علم کی صفت تھی اس لیے اسی کو معیار مقرر کیا گیا اور اسی پر خلافت کی بحث ختم کر دی گئی اور اس وقت یہ راز مخلوق پر روشن ہو گیا کہ جو اصل خالق کے کمالات کا سب سے بڑا مظہر ہو وہی اس کی خلافت کا سب سے زیادہ مستحق ہونا چاہیے۔

اب رہی یہ بحث کہ ساٹھ ذراع طول جو ہمارے تمہیں زمانہ ہوتے ہیں اس طول کے انسان دنیا کے کسی دور میں ہونا عصری تحقیقات کے خلاف ہے تو یہ صرف ایک قیاسی بحث ہے اور اس پر یقینی طور پر گفتگو کرنے کی بہت گنجائش ہے اب جس پر اپنی تحقیق کا غلبہ ہوگا وہ اسی طرف جھکتا رہے گا اور جس پر ظواہر حدیث کا غلبہ ہوگا وہ اسی پر اعتماد و وثوق کرے گا۔ صرف عقلی میدان میں کسی کو بازی لے جانا مشکل ہے۔ اس کے علاوہ ایک روایت میں "ستون ذراعاً فی السماء" کی تصریح ہے۔ حضرت شیخ اس کی مراد یہ بیان فرماتے تھے کہ آدم علیہ السلام کے قد کی یہ درازی جنت میں تھی جب ان کو زمین پر اتارا گیا تو اس میں مناسب تخفیف کردی گئی۔

عَنْ اَبِیْ هُرَیْرَةَ رَفَعَهٗ قَالَ لَمَّا خَلَقَ اللّٰهُ اٰدَمَ عَطَسَ (اَیْ لَمَّا دَخَلَ الرُّوْحُ فِیْ رَاْسِهٖ) فَقَالَ اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ فَقَالَ لَهٗ رَبُّهٗ رَحِمَكَ رَبُّكَ یَا اٰدَمُ۔ (رواه البزار قال الحافظ ابن کثیر فی البدایة ص ۸۶ ج ۱)

ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اللہ تعالیٰ نے جب آدم علیہ السلام کو پیدا فرمایا (اور روح ان کی ناک تک پہنچی) تو ان کو چھینک آئی انہوں نے کہا "الحمد للہ" ان کے پروردگار نے اس کے جواب میں فرمایا "یا آدم رحمك ربك" اے آدم! تمہارا رب تم پر رحم فرمائے۔ (البدایة والنہایة ص ۸۶ ج ۱)

عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ رَضِیَ اللّٰهُ عَنْهُمَا قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ اِنَّ اَوَّلَ مَنْ جَحَدَ اٰدَمُ قَالَهَا ثَلَاثَ مَرَّاتٍ اِنَّ اللّٰهَ عَزَّ وَجَلَّ لَمَّا خَلَقَهٗ مَسَحَ ظَهْرَهٗ فَاَخْرَجَ ذُرِّیَّتَهٗ فَعَرَضَهُمْ عَلَیْهِ فَرَاٰی فِیْهِمْ رَجُلًا یَزْهَرُ فَقَالَ اَیْ رَبِّ زِدْ فِیْ عُمُرِهٖ قَالَ لَا اِلَّا اَنْ تَزِیْدَهٗ اَنْتَ مِنْ عُمُرِكَ فَزَادَهٗ اَرْبَعِیْنَ سَنَةً مِنْ عُمُرِهٖ فَكَتَبَ اللّٰهُ تَعَالٰی عَلَیْهِ كِتَابًا وَاَشْهَدَ عَلَیْهِ الْمَلٰٓئِكَةَ فَلَمَّا اَرَادَ اَنْ یَّقْبِضَ رُوْحَهٗ قَالَ اِنَّهٗ بَقِیَ مِنْ اَجَلِیْ اَرْبَعُوْنَ سَنَةً فَقِیْلَ لَهٗ اِنَّكَ قَدْ جَعَلْتَهَا لِابْنِكَ دَاوٗدَ قَالَ فَجَحَدَ قَالَ فَاَخْرَجَ اللّٰهُ الْكِتَابَ وَاَقَامَ عَلَیْهِ الْبَیِّنَةَ فَاَتَمَّهَا لِدَاوٗدَ مِائَةَ سَنَةٍ وَاَتَمَّ لِاٰدَمَ عُمُرَهٗ اَلْفَ سَنَةٍ (رواه احمد)

ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جس نے سب سے پہلے انکار کیا وہ حضرت آدم علیہ السلام ہیں۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ جملہ تین بار فرمایا بات یوں ہوئی کہ جب اللہ تعالیٰ نے ان کو پیدا کر لیا اور ان کی پشت سے ان کی ذریت نکال کر ان کے سامنے کی تو انہوں نے ان میں ایک شخص دیکھا جو چمک رہا تھا۔ انہوں نے عرض کی پروردگار اس کی عمر کچھ اور بڑھا دے ارشاد ہوا نہیں۔ ہاں مگر اس صورت سے کہ تم اپنی عمر سے کچھ ان کو دے دو۔ آدم علیہ السلام نے اپنی عمر کے چالیس سال اس کو دے دیئے اللہ تعالیٰ نے ان کے اس معاملہ کی نوشت و تحریر کے بعد اس پر فرشتوں کی گواہی لے لی پھر جب ان کی قبض روح کا وقت آیا تو آدم علیہ السلام نے فرمایا ابھی تو میری عمر کے چالیس سال باقی ہیں۔ ان سے کہا گیا آپ تو وہ اپنے فرزند داؤد کو بخش چکے ہیں۔ آدم علیہ السلام کو وہ بات یاد نہ رہی تھی اس لیے انہوں نے انکار فرمادیا۔ اللہ تعالیٰ نے اخیر میں وہ نوشت نکال کر ان کے سامنے رکھ دیا اور اس کا ثبوت دے دیا۔ (بس اصل انسانی کے اس انکار کا اثر نسل انسانی میں بھی چلتا رہا اور نسیان کی طرح انکار بھی انسان کی سرشت بن گئی) اس کے بعد اللہ تعالیٰ نے داؤد علیہ السلام کی عمر بھی سو سال پوری کردی اور آدم علیہ السلام کی عمر بھی بدستور ہزار سال رہنے دی۔ (مسند احمد)

عَنْ اَبِیْ هُرَیْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ اِنَّ الْمَرْاَةَ خُلِقَتْ مِنْ ضِلَعٍ لَنْ تَسْتَقِیْمَ لَکَ عَلٰی طَرِیْقَةٍ فَاِنِ اسْتَمْتَعْتَ بِهَا اسْتَمْتَعْتَ بِهَا وَبِهَا عِوَجٌ وَاِنْ ذَهَبْتَ تُقِیْمُهَا کَسَرْتَهَا وَکَسْرُهَا طَلَاقُهَا. (رواہ مسلم وفی البخاری نحوہ)

ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا عورت (بائیں) پسلی سے بنائی گئی ہے۔ وہ کبھی ایک سیدھے طریقہ پر تمہارے ساتھ بسر نہیں کر سکتی۔ اب اگر اس سے نفع حاصل کرنا چاہتے ہو تو اس کجی کے ساتھ نفع حاصل کرتے رہو اگر کہیں تم نے اس کے سیدھا کرنے کا ارادہ کیا تو یاد رکھو کہ تم اس کو توڑ دو گے یعنی اس کو طلاق دینی ہوگی۔ (مسلم شریف)

عَنْ اَبِیْ هُرَیْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ لَوْلَا بَنُوْ اِسْرَائِیْلَ لَمْ یَخْنَزِ اللَّحْمُ وَلَوْلَا حَوَّاءُ لَمْ تَخُنْ اُنْثٰی زَوْجَهَا الدَّهْرَ. (متفق علیہ)

ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اگر بنی اسرائیل نہ ہوتے تو (گوشت جمع کر کے رکھنے کی بری رسم نہ پڑتی) اور گوشت (گھروں میں پڑا پڑا) نہ سڑا کرتا۔ اور اگر حضرت حوا نہ ہوتیں تو کوئی عورت زمانہ بھر میں کبھی اپنے شوہر کے ساتھ خیانت نہ کرتی۔ (متفق علیہ)

تشریح۔ بنی اسرائیل کی فرمائش پر من وسلویٰ نازل ہوا تھا مگر ان کو یہ ہدایت بھی کی گئی تھی کہ وہ کچھ بچا کر نہ رکھا کریں مگر انہوں نے حکم عدولی کی۔ آخر یہ رسم بد آئندہ نسلوں میں بھی چل پڑی اور اپنی حاجت سے فاضل گوشت جمع کرنا شروع کر دیا گیا۔ حتیٰ کہ سڑنے کی نوبت آنے لگی۔ کیا تعجب ہے کہ انسانی اخلاق کسی زمانہ میں گوشت جیسی چیز کا ضرورت سے زیادہ جمع رکھنا مکروہ سمجھتے ہوں۔ پھر اخلاق کی پستی کی بدولت اس کا جمع کرنا شروع ہو گیا ہو اور اس کے سڑنے کی نوبت آ گئی ہو۔ آج بھی بخیل طبائع حاجت مندوں میں کھانا تقسیم کرنے سے اس کو سڑا دینا بہتر سمجھتی ہیں۔ کاش! اگر بنی اسرائیل اس رسم بد کی بنیاد نہ ڈالتے تو دنیا اس بخل کی عادی نہ ہوتی۔ اسی طرح جدی خصائل آئندہ نسل میں نمودار ہوا کرتے ہیں۔ حضرت حوا علیہا السلام کا جو معاملہ حضرت آدم علیہ الصلوٰۃ والسلام کے ساتھ پیش آیا تو اس کی نوعیت خواہ کچھ بھی ہو مگر اس خصلت کا ظہور بھی عورتوں میں ایک جزء لازم بن گیا۔ یہ دوسری بات ہے کہ ہر عورت کی اپنی فطرت کی بلندی و پستی کے لحاظ سے اس کی نوعیت میں فرق ضرور پڑتا ہو مگر شوہر کے ساتھ عاقبت اندیشی کی جو بنیاد ایک مرتبہ قائم ہو چکی تھی وہ بدل نہیں سکتی۔ ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی ان ہر دو حدیثوں سے صنف رجال کی برتری اور صنف نساء کی فطری کمزوری یعنی مرد کے مقابلہ میں ان کی کمتری بھی ثابت ہوتی ہے۔ خدا کی مخلوق میں ضعف وقوت کا یہ اختلاف ساری مخلوق سے لے کر ادنیٰ مخلوق تک موجود ہے۔ آسمان پر جب نظر کی جاتی ہے تو اس میں بھی شمس وقمر تمام ستاروں میں سب سے روشن اور بڑے نظر آتے ہیں۔ پھر ستاروں میں بھی ان کی جسامت اور نورانیت میں بھی بڑا اختلاف موجود ہے۔ زمین میں بھی حیوانات میں بڑا اختلاف ہے اور اس جنس میں بھی مذکر و مؤنث میں طاقت و جسامت کے اندر نمایاں اختلاف موجود ہے۔ یہی اختلاف انسانوں میں بھی نظر آتا ہے۔ یہاں مذکر و مؤنث یعنی مرد و عورت کی صنف میں قوت و ضعف کا بڑا اختلاف ہے۔ ان اختلافات کے علاوہ خود ایک ہی شخص کے دائیں بائیں اعضاء میں فرق ہوتا ہے مگر ان تمام اختلافات کو قدرت کے کمال کے سوا کبھی کسی کی حق تلفی نہیں سمجھا گیا نہ کبھی کسی نے

ان بدیہی اختلافات کے انکار کی ہمت کی ہے مگر ہمارے دور میں صرف یورپ کے اعتراضات کی بناء پر عورت کے شرعی اور فطری نقصان کے انکار کی سعی جاری ہے حالانکہ قرآن وحدیث میں اس دعوی کی کوئی گنجائش نہیں۔ قرآن کریم میں اگر دو جگہ عورتوں کا تذکرہ آیا ہے تو سو جگہ نہیں آیا۔ ہمارے نزدیک صنف نازک کو مردوں کے بالکل برابر لا کھڑا کرنے کی سعی ایسی ہی ہے جیسی کہ بائیں اعضاء کی دائیں اعضاء کے بالکل برابر بنانے کی۔ فطرت کے ان اختلافات کا انکار کرنا بداہت کا انکار کرنا ہے۔

بعض اہل قلم کو اس مسئلہ سے اتنا شغف ہے کہ انہوں نے سورۂ یوسف کی آیت "اِنَّ كَیْدَكُنَّ عَظِیْمٌ" کے ذیل میں یہاں تک لکھ دیا ہے کہ عالم کے واقعات پر جہاں کہیں نظر ڈالی جائے تو ہر جگہ عورت ہی معصوم نظر آتی ہے اور ہر جگہ در پردہ مردوں ہی کی کارفرمائی ثابت ہوتی ہے اور اتنا نہیں سوچا کہ کیا اس فقرہ کا محل سورۂ یوسف ہی رہ گئی تھی جس میں صرف مرد کی عصمت اور عورت کے فریب کی سرگزشت بیان کرنی مقصود ہے لیکن یہ انسان کا فطری ضعف ہے کہ جب وہ کسی جانب مائل ہوتا ہے تو آنکھ بند کر کے اس طرح ڈھلتا چلا جاتا ہے کہ مخالف کی طرف اس کو کوئی توجہ نہیں رہتی اس لیے ہمیں اس کی وضاحت کرنی ضروری ہے کہ احادیث بالا کی روشنی میں صنف نازک بے شبہ مرد کی نسبت سے ضعیف اور ناقص بتلائی گئی ہے مگر اس کے باوجود وہ مرد کے ایک اہم گوشہ حیات کے لیے باعث تکمیل بھی ہے۔ اس مسئلہ پر بہت کچھ لکھا جا سکتا ہے مگر مذکورہ حدیث کی روشنی میں ہمیں کچھ زیادہ لکھنے کی ضرورت نہیں ہم صرف یہ دو حرف لکھ کر اس بحث کو ختم کرتے ہیں کہ انبیاء علیہم السلام کی اتنی بڑی تعداد میں کسی عورت کو منصب نبوت سے نوازا نہیں گیا اور اسی طرح دنیا کے ملوک وسلاطین کی تاریخوں میں بھی عورتوں کا حصہ بہت ہی کم ہے۔ مذہب و دنیا کی تاریخوں کے اس توافق کے بعد اب واقعات کی دنیا میں تو آپ کے اس فیصلہ کے لیے کوئی گنجائش نہیں۔ اس کے لیے آپ کو کوئی دوسرا جہان تلاش کرنا ہوگا۔

ہمارے نزدیک اعتدال کی راہ یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے مرد وعورت میں جداگانہ جداگانہ قسموں کی صلاحیتیں پیدا فرمائی ہیں اور ہر ہر صنف دوسری نوع کی خاص صلاحیتوں سے خالی ہے عالم انسانیت کی تکمیل کے لیے ان دونوں کا وجود ضروری ہے۔ پس انسانی عالم کو عالم نساء کی بھی اتنی ہی ضرورت ہے جتنی کہ کسی ناقص کو اپنے کمال کے لیے ضرورت ہوتی ہے۔ پس ایک لحاظ سے عورتوں کے کمال اور ضرورت کا انکار نہیں۔ مگر یہ بات صاف ہے کہ جو صلاحیتیں مرد میں رکھی گئی ہیں وہ ان سے کہیں ارفع و اعلیٰ ہیں جو عورتوں میں پیدا کی گئی ہیں۔ نبوت اور رسالت تو بڑے مقامات ہیں عورت میں روزمرہ کی نماز کی امامت کی صلاحیت بھی نہیں بلکہ مقتدیوں کی صف اول میں شامل ہونے کی صلاحیت بھی نہیں اور اس سے بھی زیادہ یہ کہ اس کا موقف تمام صفوف رجال کے پیچھے ہے۔ شرعی نقطہ نظر سے عورتوں کے مردوں کے ساتھ جمیع حقوق میں مساوات کی ہمیں تو کوئی اصل معلوم نہیں ہو سکی۔ پھر معلوم نہیں مسلمان اور تعلیم یافتہ مسلمانوں میں یہ بے جا دعویٰ کس لیے ہے۔

سیدنا ادریس علیہ الصلوٰۃ والسلام

حضرت ادریس علیہ السلام کے متعلق مؤرخین کو اختلاف ہے کہ وہ حضرت نوح علیہ السلام سے پیشتر ہوئے ہیں یا بعد میں۔ اس تاریخی بحث کی اہمیت اس لیے ہے کہ اگر وہ پہلے ہیں تو پھر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے اجداد میں ان کا ہونا یقینی ہے۔ حافظ ابن کثیرؒ نے اسی کو جمہور کا قول قرار دیا ہے۔ حضرت آدم علیہ السلام اور حضرت شیث علیہ السلام کے بعد یہ پہلے وہ شخص تھے جو نبوت سے سرفراز ہوئے۔

درمنثور میں حاکم کی روایت سے ان کا حلیہ مبارک یہ نقل کیا ہے ''گورا رنگ، دراز قامت، بھاری پیٹ، چوڑا سینہ، جسم پر بال کم، سر کے بال گھنے، ایک آنکھ زیادہ فراخ اور سینہ پر ذرا سا سفید دھب۔

سلف میں صرف دو نبیوں کے متعلق آسمان پر اٹھائے جانے کی شہرت تھی۔ ایک یہ دوسرے حضرت عیسیٰ علیہ السلام ان دونوں میں حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا رفع تو تواتر کے ساتھ ثابت ہے اور ادریس علیہ السلام کے رفع کے متعلق کوئی مرفوع روایت صحت کو نہیں پہنچی۔ البتہ صحابہ اور تابعین میں اس کا تذکرہ ضرور رہا ہے اور چونکہ حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ اور ابو سعید خدری رضی اللہ تعالیٰ عنہ وغیرہ سے ان کا رفع آیت ''ورفعناه مكانا عليا'' کی تفسیر میں منقول ہے اس لیے اس کو بے اصل اسرائیلیات میں شمار نہیں کیا جا سکتا۔ حافظ ابن کثیر رحمۃ اللہ علیہ نے یہاں جن روایات پر منکر ہونے کا حکم لگایا ہے وہ اس جز و کی وجہ سے نہیں ہے بلکہ ان روایات میں اور بہت سی بے تحقیق باتیں موجود ہیں جو بے اصل ہیں۔ چنانچہ ان کے قول ولی بعضہ نکارۃ میں اسی طرف اشارہ ہے۔ قلت پسندوں نے یہاں یہ سمجھ لیا ہے کہ انہوں نے پوری روایت پر منکر ہونے کا حکم لگا دیا ہے۔ اسی لیے صحابہ کے ان آثار کو انہوں نے ضعیف قرار نہیں دیا اور نہ ان کو منکر کہا ہے بلکہ اپنی تاریخ میں خود ان کو نقل فرمایا ہے، وراس پر کوئی کلام نہیں کیا اور اس لیے نہ تو حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے رفع کی طرح اس کو معتقد کی فہرست میں شامل کیا جا سکتا ہے اور نہ اس کو بے اصل کہا جا سکتا ہے۔ یہ بھی واضح رہے کہ اسرائیلیات کو مطلقاً بے اصل سمجھنا بھی صحیح نہیں ہے۔ اسرائیلیات کا جو حصہ ''دین محمدی'' ''على صاحبها الف الف صلوات و تحيات'' کے خلاف نہ ہو اس کے متعلق آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد یہ ہے کہ اس کی نہ تصدیق کرو اور نہ تکذیب۔ حافظ ابن تیمیہ رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی مشہور تصنیف ''التوسل والوسیلہ'' میں اس پر مبسوط بحث کی ہے۔

عَنْ مُعَاوِيَةَ بْنِ الْحَكَمِ السُّلَمِيِّ قَالَ قُلْتُ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ أُمُوْرًا كُنَّا نَصْنَعُهَا فِي الْجَاهِلِيَّةِ كُنَّا نَأْتِي الْكُهَّانَ قَالَ فَلَا تَأْتُوا الْكُهَّانَ قَالَ كُنَّا نَتَطَيَّرُ قَالَ ذَاكَ شَيْءٌ يَجِدُهُ أَحَدُكُمْ فِي نَفْسِهِ فَلَا يَصُدَّنَّكُمْ قَالَ قُلْتُ وَمِنَّا رِجَالٌ يَخُطُّوْنَ خَطًّا قَالَ كَانَ نَبِيٌّ يَخُطُّ فَمَنْ وَافَقَ خَطَّهُ فَذَاكَ. (رواہ مسلم)

معاویہ بن حکم سلمی کہتے ہیں میں نے پوچھا یا رسول اللہ! (صلی اللہ علیہ وسلم) ہم زمانہ جاہلیت میں بہت سے افعال کرتے تھے، ان کے متعلق کیا ارشاد ہے؟ ہم کاہنوں کے پاس بھی جاتے تھے؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ان کے پاس جا کر خبریں دریافت نہ کیا کرو (یہ بے اصل بات ہے)۔ انہوں نے عرض کی ہم بدفالی کے بھی قائل تھے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: قدیم عادت کی بناء پر تمہارے دل میں اس کا احساس تو ضرور ہوتا ہوگا مگر عملاً اس کی تردید کا طریقہ کار یہ ہے کہ جو کام کرنا ہے وہ کر لو اور اس احساس کی وجہ سے اس کے کرنے سے باز نہ رہو۔ پھر انہوں نے عرض کی ہم رمل کا حساب بھی کرتے تھے؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اللہ تعالیٰ نے ایک نبی کو یہ علم عطا فرمایا تھا تو تم میں جس شخص کا حساب حسب اتفاق ان کے ساتھ مطابق ہو جاتا ہے تو وہ درست بھی نکل آتا ہے۔ (مسلم شریف)

حافظ ابن کثیر رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ بعض علماء کا خیال ہے کہ یہ نبی حضرت ادریس علیہ السلام ہی تھے پھر جس طرح دوسرے انبیاء علیہم السلام کی طرف بہت سے غلط افسانے منسوب کر دیے گئے ہیں، ان کی طرف بھی بہت سی غلط باتیں منسوب

کردی گئی ہیں۔ یہ واضح رہے کہ اس روایت میں اس خط کی پوری تفصیلات مذکور نہیں ہیں لہٰذا صرف اس اجمالی بیان سے رمل کے متعلق جتنی باتیں مشہور ہیں وہ سب اس حدیث کے تحت درج نہیں کی جاسکتیں۔

عَنْ اَنَسِ بْنِ مَالِكٍ اَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ لَمَّا عُرِجَ بِيْ رَأَيْتُ اِدْرِيْسَ فِي السَّمَاءِ الرَّابِعَةِ. اخرجه الترمذی و صححه فی الصحیحین فی حدیث المعراج نحوه وعن ابن عباسؓ فی قوله تعالیٰ وَرَفَعْنَاهُ مَكَانًا عَلِيًّا قَالَ رُفِعَ اِلَى السَّمَاءِ السادسة وعن العوفی کما فی البدایة فمات بها وعن ابی سعید الخدریؓ فی السماء الرابعة وعن مجاهد رفع ادریس کما رفع عیسٰی ولم یمت. کله فی الدر المنثور وفی البدایة عن ابن عباس انه مات بها ونحوه عن کعب

انس بن مالک رضی اللہ تعالیٰ عنہ روایت فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا' جب مجھ کو معراج نصیب ہوئی تو میں نے ادریس علیہ السلام کو چوتھے آسمان پر دیکھا تھا۔ (ترمذی شریف)

تشریح۔ ورفعناه مکانا علیا ...... کی تفسیر میں ابوسعید خدری رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے ان کو چوتھے آسمان پر اُٹھا لیا تھا۔ ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے چوتھے کے بجائے چھٹے آسمان کا لفظ کہا ہے۔ مجاہد فرماتے ہیں کہ جس طرح حضرت عیسٰی علیہ السلام اُٹھائے گئے اسی طرح حضرت ادریس علیہ السلام بھی اُٹھائے گئے تھے۔ پھر ان کی وفات نہیں ہوئی لیکن حافظ ابن کثیر رحمۃ اللہ علیہ نے ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے نقل فرمایا ہے کہ آسمان پر ہی ان کی وفات ہوگئی۔ کعب احبار بھی آسمان پر ان کی وفات کے قائل تھے۔

سلف میں کسی بشر کے آسمان کی طرف اُٹھائے جانے کے امکان و عدم امکان کی بحث کبھی نہیں ہوئی وہ یہ بات کسی تردد کے بغیر جانتے تھے کہ اللہ تعالیٰ کی قدرت کے سامنے یہ سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔ اسی کے ساتھ ان میں جب کبھی حضرت عیسٰی علیہ السلام کے رفع کا تذکرہ آیا ہے تو یوں معلوم ہوتا ہے کہ یہ ان کے نزدیک دین کے دوسرے بدیہی مسلمات کی طرح ایک مسلم بات تھی۔ نیز ان کے نزدیک اس میں بھی کوئی اشکال نہ تھا کہ کوئی انسان اگر آسمان میں وفات پا جائے تو اس کی تجہیز و تکفین اور دفن کی صورت کیا ہوگی؟ موت روح اور جسم کی صرف علیحدگی کا نام ہے۔ اتنی بات اگر آسمانوں پر ہو جائے تو اس میں عقل کے نزدیک بھی کیا دشواری ہے۔ پھر جب انبیاء علیہم السلام کے جسم اس مٹی میں دفن ہونے کے بعد بھی کون و فساد سے محفوظ رہتے ہیں تو آسمانوں پر ان کے رہنے میں بھی کوئی مشکل نہیں ہے۔ یہ بات دوسری ہے کہ انسان جب کسی بات کا انکار کرنا چاہے تو بے وجہ ہر بات کو اپنی عقل نارسا کے لیے ناقابل تحمل بوجھ بنا لے۔ ہم یہاں یہ فیصلہ کرنا نہیں چاہتے کہ حضرت ادریس علیہ السلام کے متعلق راجح کیا ہے کیونکہ براہ راست آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی جانب سے اس کا کوئی واضح اور مستند سامان ہمارے علم میں نہیں ہے۔

سیدنا نوح علیہ الصلوٰۃ والسلام اوّل رسول اللہ الی الارض

حضرت نوح علیہ السلام کو انبیاء علیہم السلام کی صف میں ایک امتیازی خصوصیت حاصل ہے اور اسی خصوصیت کی بناء پر حدیثوں میں ان کو "اوّل رسول" کہا گیا ہے۔ حافظ ابن کثیر صحیح بخاری سے نقل کرتے ہیں کہ حضرت آدم علیہ السلام اور حضرت

نوح علیہ السلام کے درمیان دس قرن گزرے تھے جو سب دین حق پر قائم تھے۔ اس روایت کی وجہ سے انہوں نے مورخین کے اس خیال کی تردید کی ہے کہ قابیل کی نسل میں آتش پرستی شروع ہوگئی تھی ان کی تحقیق یہ ہے کہ کفر و شرک کی بنیاد حضرت نوح علیہ السلام کے عہد ہی کے قریب میں پڑی تھی اور اس کے ابطال و تردید کے لیے اللہ تعالیٰ نے سب سے پہلا جو رسول بھیجا وہ حضرت نوح علیہ السلام تھے۔ اس لیے جس رسول کو کفر و شرک کے مقابلہ سے سب سے پہلے واسطہ پڑا ہے وہ حضرت نوح علیہ السلام ہیں اور اسی لیے ان کو حدیثوں میں "اول رسول" کہا گیا ہے۔ یہی وجہ تھی کہ اصولی مباحث کے بیان ایقاع میں انہوں نے بہت بڑی جدوجہد فرمائی تھی حتیٰ کہ دجال کا فتنہ جو دنیا کے آخر میں نمودار ہونے والا تھا اس سے بھی اپنی امت کو پوری طرح خبردار کر دیا تھا۔ حافظ ابن تیمیہ کی گزشتہ تحقیق کے مطابق ان کے اول رسول ہونے کا مطلب کسی توجیہ کے بغیر واضح ہو جاتا ہے۔

حافظ ابن کثیر رحمۃ اللہ علیہ نے ابن جریر وغیرہ کے حوالے سے ان کی قوم کا نام بنو راسب نقل فرمایا ہے۔ حافظ سیوطی رحمۃ اللہ علیہ نے در منثور میں حضرت نوح علیہ الصلوٰۃ والسلام کا شجرۂ نسب اس طرح تحریر فرمایا ہے:

نوح بن لامک بن متوشلخ بن ادریس وہو اخنوخ بن یرد بن مہلائیل بن قینان بن انوش بن شیث بن آدم علیہ السلام۔ اس کے بعد لکھا ہے کہ ان کا اسم مبارک "نوح السکن" تھا اور چونکہ حضرت آدم علیہ السلام کے بعد دنیا کی آبادی نے ان ہی کے زیر سایہ اطمینان و سکون کا سانس لیا تھا اس لیے ان کو نوح سکن کہتے تھے اور ان کے نوح کہلانے کی وجہ یہ تھی کہ ساڑھے نوسو سال تک اپنی امت کو تبلیغ و ارشاد فرماتے رہے اور جب وہ اپنی سرکشی سے باز نہ آئی تو ان پر ہمیشہ غم کے آنسو بہاتے رہے۔ (در منثور ص ۲۹۳ ج ۳)

عَنْ اَبِیْ سَعِیْدٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَجِيْءُ نُوْحٌ عَلَيْهِ السَّلَامُ وَاُمَّتُهٗ فَيَقُوْلُ اللّٰهُ عَزَّ وَجَلَّ هَلْ بَلَّغْتَ فَيَقُوْلُ نَعَمْ اَيْ رَبِّ فَيَقُوْلُ لِاُمَّتِهٖ هَلْ بَلَّغَكُمْ فَيَقُوْلُوْنَ لَا مَا جَاءَنَا مِنْ نَّبِيٍّ فَيَقُوْلُ لِنُوْحٍ مَنْ يَّشْهَدُ لَكَ فَيَقُوْلُ مُحَمَّدٌ وَّاُمَّتُهٗ فَتَشْهَدُ اَنَّهٗ قَدْ بَلَّغَ وَهُوَ قَوْلُهٗ تَعَالٰى وَكَذٰلِكَ جَعَلْنٰكُمْ اُمَّةً وَّسَطًا لِّتَكُوْنُوْا شُهَدَآءَ عَلَى النَّاسِ وَيَكُوْنَ الرَّسُوْلُ عَلَيْكُمْ شَهِيْدًا. (رواہ البخاری)

ابو سعید رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا قیامت میں جب حضرت نوح علیہ السلام اور ان کی امت آئے گی تو اللہ تعالیٰ نوح علیہ السلام سے سوال فرمائے گا "تم نے پیغام رسالت پہنچا دیا تھا؟" وہ عرض کریں گے میرے پروردگار ! جی ہاں۔ پھر اللہ تعالیٰ ان کی امت سے سوال کرے گا "کیا تم بتاؤ تم کو پیغام پہنچایا تھا:" وہ کہیں گے نہیں ہمارے پاس تو کوئی نبی نہیں آیا۔ اس پر نوح علیہ السلام سے پوچھا جائے گا کہ آپ کے پاس کوئی گواہ ہے جو آپ کی گواہی دے؟ وہ کہیں گے میرے گواہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم ہیں اور ان کی امت ہے۔ یہ امت گواہی دے گی کہ حضرت نوح علیہ السلام نے پیغام رسالت پہنچا دیا تھا۔ قرآن کریم کی حسب ذیل آیت کا مطلب یہی ہے: "وَكَذٰلِكَ جَعَلْنٰكُمْ اُمَّةً وَّسَطًا الخ"

عَنْ اَبِیْ هُرَيْرَةَ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ اَلَا اُحَدِّثُكُمْ عَنِ الدَّجَّالِ حَدِيْثًا مَا حَدَّثَ بِهٖ نَبِيٌّ قَوْمَهٗ اِنَّهٗ اَعْوَرُ وَاِنَّهٗ يَجِيْءُ مَعَهٗ بِمِثَالِ الْجَنَّةِ وَالنَّارِ وَالَّتِيْ يَقُوْلُ عَلَيْهَا الْجَنَّةُ هِيَ النَّارُ وَاِنِّيْ اُنْذِرُكُمْ كَمَا اَنْذَرَ بِهٖ نُوْحٌ قَوْمَهٗ. (رواہ البخاری)

ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ روایت فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کیا دجال کے متعلق میں تم کو ایسی صاف بات نہ بتادوں جو کسی نبی نے اپنی قوم کو نہ بتائی ہو؟ دیکھو وہ کانا ہوگا اور اس کے ساتھ دو چیزیں ہوں گی جو دیکھنے میں جنت اور دوزخ کے مشابہ ہوں گی مگر جس کو وہ جنت کہے گا وہ دراصل دوزخ ہوگی (لہٰذا جس کو وہ جنت میں داخل کرے گا وہ دوزخ میں جائے گا) دیکھو میں تم کو دجال کے فتنہ سے اسی اہمیت کے ساتھ ڈراتا ہوں جیسا حضرت نوح علیہ السلام نے اپنی امت کو ڈرایا تھا۔ (بخاری شریف)

تشریح۔ حدیث مذکور میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے دجال کے فتنہ کا بڑی خصوصیت کے ساتھ تذکرہ فرمایا ہے اور اس کی اہمیت کا اظہار اس طرح فرمایا ہے کہ اس عظیم فتنہ کی ہولناکی کی اطلاع ہر نبی نے دی ہے۔ پھر ان انبیاء میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت نوح علیہ السلام کا نام خاص طور پر ذکر فرمایا ہے کیونکہ خدا کی زمین پر یہی سب سے پہلے رسول تھے۔ بے شبہ ہر مشفق نبی کی یہ فطرت ہوتی ہے کہ وہ مستقبل کے فتنوں سے اپنی امتوں کو ڈرایا کرتا ہے خواہ ان کے ظہور کا وقت کچھ بھی ہو آخر قیامت کے تذکرہ سے بھی ہر نبی و رسول نے اپنی اپنی امتوں کو ڈرایا ہے۔ اس کا منشاء ان اہم واقعات کے ظہور سے پہلے استعداد عمل ہے لیکن یہ عظیم فتنہ چونکہ آپ ہی کی امت میں ظاہر ہونے والا تھا اس لیے یہ حق آپ ہی کا تھا کہ آپ اس کے متعلق ایسی ایسی واضح علامات بیان فرمادیں جس کے بعد اس کے پہچاننے میں ذرا سا بھی کوئی شبہ نہ رہے۔ اس لیے آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اس کے متعلق میں تم سے وہ بات کہتا ہوں جو حضرت نوح علیہ السلام نے بھی نہ فرمائی تھی۔ اس واقعہ کی سیر حاصل تفصیلات آئندہ اوراق میں آپ کے ملاحظہ سے گزریں گی۔ ان شاء اللہ

عَنْ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ عَمْرٍو يَقُوْلُ سَمِعْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُوْلُ صَامَ نُوْحٌ الدَّهْرَ اِلَّا يَوْمَ الْفِطْرِ وَالْاَضْحٰى وَصَامَ دَاوٗدُ نِصْفَ الدَّهْرِ وَصَامَ اِبْرَاهِيْمُ ثَلَاثَةَ اَيَّامٍ مِنْ كُلِّ شَهْرٍ صَامَ الدَّهْرَ وَاَفْطَرَ الدَّهْرَ. (رواہ الطبرانی و ابن ماجۃ نحوہ و فی اسنادیہما ابن لہیعۃ کنافی غذ باب)

عبداللہ بن عمرو رضی اللہ تعالیٰ عنہ روایت فرماتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ فرماتے خود سنا ہے کہ نوح علیہ السلام بجز عید و بقر عید کے صوم دہر رکھا کرتے تھے (یعنی ان ایام کے سوا ہمیشہ روزہ رکھتے تھے) اور داؤد علیہ السلام نصف دہر روزہ رکھتے تھے یعنی ایک دن روزہ رکھتے ایک دن افطار کرتے تھے اور حضرت ابراہیم علیہ السلام ہر ماہ میں تین دن روزہ رکھتے تھے اور یہ اللہ تعالیٰ کے یہاں صوم دہر کے برابر شمار تھا۔ اگرچہ تین دن کے علاوہ ہمیشہ افطار کرتے تھے۔

تشریح۔ آخرت میں ایک نیکی دس کے برابر شمار ہوگی اس لیے تین روزے تیس کے برابر تھے۔ اللہ تعالیٰ نے جو فضیلت حضرت ابراہیم علیہ السلام کو بخشی وہ اس ملت حنیف کے سب سے اولوالعزم رسول کی امت کو بھی بخش دی اس لیے صوم دہر کی فضیلت حاصل کرنے کی ایک صورت حدیث میں ہر ماہ میں تین روزے رکھنا بھی آئی ہے۔

عَنْ سَمُرَةَ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ اَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ سَامٌ اَبُو الْعَرَبِ وَحَامٌ اَبُو الْحَبَشِ وَيَافِثُ اَبُو الرُّوْمِ. (رواہ مسلم احمد و ترمذی نحوہ)

سمرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ نوح علیہ السلام کی اولاد میں

عرب سام کی اور حبش حام کی اور روم یافث کی نسل سے ہیں۔ (ترمذی)

تشریح۔ حافظ ابن کثیر رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ یہاں روم سے مراد روم اول ہے جس کو یونان کہتے ہیں ان کا نسب نامہ یہ ہے: رومی بن لیطی بن یونان بن یافث بن نوح علیہ السلام۔ اس کے بعد حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے ایک مرفوع روایت پیش کی ہے کہ عرب، فارس اور روم یہ سام کی اولاد میں ہیں اور ان میں خیر رہے گی اور یاجوج ماجوج، ترک اور صقالبہ یافث کی اولاد ہیں اور ان میں خیر کا نام نہ ہوگا اور قبط و بربر اور سودان یہ حام کی اولاد ہیں۔ مگر حافظ موصوف نے اس روایت کو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا قول تسلیم نہیں کیا اور فرمایا ہے کہ سعید بن المسیب کا قول ہے۔ حام و سام و یافث کے متعلق بعض کا خیال یہ ہے کہ یہ تینوں طوفان کے بعد کی پیدائش ہیں مگر حافظ موصوف نے اس کو تسلیم نہیں کیا اور طوفان سے قبل کی پیدائش قرار دیا ہے اور تحریر فرمایا ہے کہ تورات کی تصریح کے مطابق ان تینوں کا کشتی میں موجود ہونا ثابت ہے۔ حافظ موصوف فرماتے ہیں کہ موجودہ بسیط ارض کی تمام آبادی صرف ان تین ہی کی نسل سے ہے۔ (البدایہ ص ۱۱۵ ج ۱) جو لوگ یہاں اختلاف رکھتے ہیں وہ طوفان نوح علیہ السلام کے عام ہونے کے قائل نہیں ہیں لیکن حافظ ابن کثیر رحمۃ اللہ علیہ اس نظریہ سے متفق نہیں ہیں۔

سیدنا ھود علیہ الصلوٰۃ والسلام

حسب بیان حافظ ابن کثیر ان کا نسب نامہ یہ ہے۔ ہود بن شالخ بن ارفخشد بن سام بن نوح علیہ السلام۔ ان کے نسب میں اس کے علاوہ بھی اور چند اقوال ہیں۔ حضرت ابوذر کی روایت کی بناء پر چار عربی انبیاء میں سے یہ پہلے عربی نبی تھے۔ کہتے ہیں کہ سب سے پہلے عربی بولنے والے نبی یہی تھے مگر حافظ ابن کثیر رحمۃ اللہ علیہ کا میلان اس طرف ہے کہ وہ حضرت آدم علیہ السلام تھے۔ ان کا قبیلہ عاد بن عوص بن ارم بن سام بن نوح علیہ السلام تھا۔ تاریخ میں ان کو عاد اولیٰ کہا جاتا ہے۔ عاد ثانیہ ان کے بعد ہوئے ہیں اور آیت "الم تر کیف فعل ربک بعاد ارم ذات العماد" میں انہی کا تذکرہ ہے۔ طوفان نوح کے بعد سب سے پہلے انہوں نے ہی بت پرستی شروع کی تھی۔ ان کے بتوں کے نام صداء صمود اور ھرا تھے۔ اللہ تعالیٰ نے ان کی اصلاح کے لیے حضرت ہود علیہ السلام کو مبعوث فرمایا اور جب انہوں نے سرکشی کی راہ نہ چھوڑی تو عذاب الٰہی سے نیست و نابود کر دیئے گئے۔

حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے منقول ہے کہ ان کی قبر یمن میں ہے۔ کوئی کہتا ہے کہ دمشق میں ہے اور دمشق کی جامع مسجد کی قبلی دیوار کی طرف ایک قبر ہے۔ بعض کا خیال ہے کہ یہی ہود علیہ السلام کی قبر ہے۔ (البدایہ ص ۱۳۰ ج ۱)

عَنْ اَبِیْ وَائِلٍ عَنِ الْحَارِثِ وَھُوَ ابْنُ حسان ویقال ابن یزید البکری قَالَ خَرَجْتُ اَشْکُو الْعَلَاءَ بْنَ الْحَضْرَمِیِّ اِلٰی رَسُوْلِ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ فَمَرَرْتُ بِالرَّبَذَۃِ فَاِذَا عَجُوْزٌ مِنْ بَنِیْ تَمِیْمٍ مُنْقَطِعٌ بِھَا فَقَالَتْ یَا عَبْدَ اللّٰہِ اِنَّ لِیْ اِلٰی رَسُوْلِ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ حَاجَۃً فَھَلْ اَنْتَ مُبَلِّغِیْ اِلَیْہِ قَالَ فَحَمَلْتُھَا فَاَتَیْتُ الْمَدِیْنَۃَ فَاِذَا الْمَسْجِدُ غَاصٌّ بِاَھْلِہٖ وَاِذَا رَایَۃٌ سَوْدَاءُ تَخْفِقُ وَاِذَا بِلَالٌ مُتَقَلِّدُ السَّیْفِ بَیْنَ یَدَیْ رَسُوْلِ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ فَقُلْتُ مَا شَاْنُ النَّاسِ قَالُوْا یُرِیْدُ اَنْ یَّبْعَثَ عَمْرَو بْنَ الْعَاصِ وَجْھًا قَالَ فَجَلَسْتُ قَالَ فَدَخَلَ مَنْزِلَہٗ اَوْ قَالَ رَحْلَہٗ فَاسْتَاْذَنْتُ عَلَیْہِ

فَاَذِنَ لِیْ فَدَخَلْتُ فَسَلَّمْتُ فَقَالَ فَهَلْ کَانَ بَیْنَکُمْ وَبَیْنَ بَنِیْ تَمِیْمٍ شَیْءٌ فَقُلْتُ نَعَمْ وَکَانَتْ لَنَا الدَّبْرَةُ عَلَیْهِمْ وَمَرَرْتُ بِعَجُوْزٍ مِنْ بَنِیْ تَمِیْمٍ مُنْقَطِعٍ بِهَا فَسَاَلَتْنِیْ اَنْ اَحْمِلَهَا اِلَیْکَ وَهَاهِیَ بِالْبَابِ فَاَذِنَ لَهَا فَدَخَلَتْ فَقُلْتُ یَا رَسُوْلَ اللّٰهِ اِنْ رَاَیْتَ اَنْ تَجْعَلَ بَیْنَنَا وَبَیْنَ بَنِیْ تَمِیْمٍ حَاجِزًا فَاجْعَلِ الدَّهْنَاءَ فَاِنَّهَا کَانَتْ لَنَا قَالَ فَحَمِیَتِ الْعَجُوْزُ وَاسْتَوْفَزَتْ وَقَالَتْ یَا رَسُوْلَ اللّٰهِ فَاِلٰی اَیْنَ تَضْطَرُّ مُضَرَکَ قُلْتُ اِنَّ مَثَلِیْ مَا قَالَ الْاَوَّلُ (مِعْزًی حَمَلَتْ حَتْفَهَا) حَمَلْتُ هٰذِهِ الْاَمَةَ وَلَا اَشْعُرُ اَنَّهَا کَانَتْ لِیْ خَصْمًا اَعُوْذُ بِاللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ اَنْ اَکُوْنَ کَوَافِدِ عَادٍ قَالَ هِیْهِ وَمَا وَافِدُ عَادٍ وَهُوَ اَعْلَمُ بِالْحَدِیْثِ مِنْهُ وَلٰکِنْ یَسْتَطْعِمُهُ قُلْتُ اِنَّ عَادًا قُحِطُوْا فَبَعَثُوْا وَفْدًا لَهُمْ یُقَالُ لَهُمْ قَیْلٌ فَمَرَّ بِمُعَاوِیَةَ بْنِ بَکْرٍ فَاَقَامَ عِنْدَهُ شَهْرًا یَسْقِیْهِ الْخَمْرَ وَیُغَنِّیْهِ جَارِیَتَانِ یُقَالُ لَهُمَا الْجَرَادَتَانِ فَلَمَّا مَضَی الشَّهْرُ خَرَجَ اِلٰی جِبَالِ تِهَامَةَ فَقَالَ اَللّٰهُمَّ اِنَّکَ تَعْلَمُ اِنِّیْ لَمْ اَجِیْءْ اِلٰی مَرِیْضٍ فَاُدَاوِیَهٗ وَلَا اِلٰی اَسِیْرٍ فَاُفَادِیَهٗ اَللّٰهُمَّ اسْقِ عَادًا مَا کُنْتَ تَسْقِیْهِ فَمَرَّتْ بِهٖ سَحَابَاتٌ سُوْدٌ فَنُوْدِیَ مِنْهَا اخْتَرْ فَاَوْمَاَ اِلٰی سَحَابَةٍ مِنْهَا سَوْدَاءَ فَنُوْدِیَ خُذْهَا رَمَادًا رِمْدِدًا لَا تُبْقِیْ مِنْ عَادٍ اَحَدًا قَالَ فَمَا بَلَغَنِیْ اَنَّهٗ بُعِثَ عَلَیْهِمْ مِنَ الرِّیْحِ اِلَّا کَقَدْرِ مَا یَجْرِیْ فِیْ خَاتَمِیْ هٰذَا مِنَ الرِّیْحِ حَتّٰی هَلَکُوْا قَالَ اَبُوْ وَائِلٍ وَصَدَقَ وَکَانَتِ الْمَرْاَةُ وَالرَّجُلُ اِذَا بَعَثُوْا وَافِدًا لَهُمْ قَالُوْا لَا تَکُنْ کَوَافِدِ عَادٍ. (رواه الترمذی)

حارث رضی اللہ تعالیٰ عنہ روایت کرتے ہیں کہ میں علاء بن حضرمی کی شکایت لے کر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا۔ میرا گزر جب مقام ربذہ سے ہوا تو کیا دیکھتا ہوں کہ وہاں بنی تمیم قبیلہ کی ایک بوڑھی عورت ہے جو سواری نہ ہونے کی وجہ سے سفر سے رو گئی ہے۔ اس نے کہا اے اللہ کے بندے! مجھ کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے کچھ کام ہے کیا تم اتنا کرو گے کہ مجھ کو ان تک پہنچا دو؟ یہ کہتے ہیں میں نے اس کو اپنے ہمراہ لے لیا۔ جب مدینہ میں داخل ہوا تو کیا دیکھتا ہوں کہ مسجد شریف لوگوں سے بھری ہوئی ہے اور سیاہ جھنڈے ہوا میں لہرا رہے ہیں۔ ادھر حضرت بلال رضی اللہ تعالیٰ عنہ تلوار لٹکائے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے کھڑے ہیں۔ میں نے پوچھا یہ کیا قصہ ہے؟ لوگوں نے کہا کہ عمرو بن العاص صحابی کو کسی مہم پر روانہ کرنا ہے۔ یہ کہتے ہیں میں بیٹھ گیا اتنی دیر میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اپنے گھر میں تشریف لے گئے میں نے حاضری کے لیے اجازت طلب کی۔ آپ نے اجازت دے دی میں اندر حاضر ہوا اور سلام بجا لایا۔ آپ نے فرمایا کہ تمہارے اور بنی تمیم کے درمیان کوئی قصہ پیش آ گیا ہے۔ میں نے عرض کی جی ہاں! ہمارا ایک قطعہ زمین کے بارے میں ان پر دعویٰ ہے۔ نیز راستہ میں مجھے ایک بوڑھی عورت ملی جس کے پاس سواری نہ تھی اس نے مجھ سے کہا کہ میں اس کو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی بارگاہ تک پہنچا دوں تو وہ دروازہ پر حاضر ہے آپ نے اس کو بھی اجازت دے دی اور وہ بھی اندر آ گئی میں نے عرض کیا یا رسول اللہ! (صلی اللہ علیہ وسلم) آپ مہربانی فرما کر ہمارے اور بنی تمیم کے درمیان ایک حد فاصل مقرر فرما دیں اور اگر مناسب خیال فرمائیں تو مقام "دہنا" مقرر فرما دیں کیونکہ یہ مقام ہمارا ہی تھا۔ یہ سن کر عورت

گرم ہوگئی اور جلدی سے بولی یا رسول اللہ! (صلی اللہ علیہ وسلم) تو پھر یہ آپ کا قبیلہ مضر کدھر جائے گا۔ اس کی گفتگو سن کر میں نے کہا میری مثال تو وہی ہوگئی جو پہلوں نے کہا تھا کہ "بکری اپنی موت خود اپنے ساتھ لائی" میں اس عورت کو تو ساتھ لے کر آیا تھا۔ مجھ کو یہ کیا خبر تھی کہ یہی میرے مخالف بولے گی۔ میں اللہ اور اس کے رسول کی پناہ لیتا ہوں کہ میرا حشر وہ ہو جو "وافد عاد" کا ہوا تھا۔ یہ جملہ سن کر آپ نے فرمایا "خوب! جانتے بھی ہو وافد عاد کا قصہ کیا تھا؟" گو اس قصہ کو آپ ان سے زیادہ خود جانتے تھے مگر آپ نے چاہا کہ ان سے بھی سنیں۔ یہ کہتے ہیں میں نے عرض کی کہ ایک بار قوم عاد قحط میں مبتلا ہوئی تو انہوں نے اپنے دستور کے مطابق "قیل" کو اپنی جانب سے وفد کا سردار مقرر کر کے مکہ مکرمہ دعا کے لیے بھیجا۔ اس شخص کا گزر اپنے دوست معاویہ بن بکر کے پاس ہوا۔ یہ اس کے پاس ایک ماہ ٹھہرا رہا وہ اس کو شراب پلاتا اور اس کے یہاں دو گانے والی لونڈیاں تھیں جن کو "جرادتان" کہا جاتا تھا ان کا گانا سنواتا (جب اس کے قیام کی مدت دراز ہوگئی تو اس کو اپنی قوم کے حال زار پر ترس آیا مگر زبان سے کہا نہ جا سکتا تھا اس لیے ان گانے والیوں سے کہا کہ آج گانے میں اپنی قوم کے قحط کا نقشہ کھینچ کر) ایک مدت بعد اس کو اپنی قوم کا خیال آیا اور وہ تہامہ کے پہاڑوں کی طرف دعا کرنے کے لیے روانہ ہوا اور یہ دعا کی "الٰہی! تو جانتا ہے کہ میں نہ تو کسی بیمار کی دوا دارو کے لیے آیا ہوں ورنہ فدیہ دے کر کسی قیدی کو چھڑانے کے لیے آیا ہوں میں تو اپنی قوم "عاد" کے لیے بارش مانگنے آیا ہوں تو جو کچھ تجھ کو ان کو پلانا ہے وہ پلا دے۔ اس دعا کے بعد ہی اس کے سامنے سے سیاہ بادل گزرے اور آواز آئی کہ ان میں سے جس کو دل چاہے پسند کر لے۔ اس نے کالے کالے ایک بادل کی طرف اشارہ کیا (اور یہ سمجھا کہ اس میں بہت پانی ہوگا) آواز آئی لیجا جلی بھنی راکھ جو قوم میں سب کا خاتمہ کر دے۔ یہ کہتے ہیں کہ جو بات مجھ کو پہنچی ہے یہ ہے کہ ان پر ہوا کا عذاب آیا جس سے وہ سب ہلاک و برباد ہو کر رہ گئے حالانکہ وہ عذاب کی ہوا ان پر صرف اتنی ہی چھوڑی گئی تھی اور اشارہ کر کے بتایا کہ جتنی میری اس انگوٹھی کے حلقہ سے نکل سکے۔ ابووائل کہتے ہیں انہوں نے یہ درست کہا اس کے بعد یہ مثل بن گئی کہ جب کوئی مرد یا عورت کسی کو اپنا وفد بنا کر بھیجے تو یہ کہہ دیتے "دیکھنا کہیں وافد عاد کی طرح نہ ہو جانا جو گیا تو تھا بارش کے لیے اور لایا عذاب۔ (ترمذی شریف، ابن ماجہ)

تشریح۔ ابن کثیر رحمۃ اللہ علیہ تحریر فرماتے ہیں کہ اس روایت کو بہت سے مفسرین نے عاد اولیٰ کی ہلاکت کے سلسلہ میں بیان کیا ہے حالانکہ یہ واقعہ بظاہر عاد ثانیہ کا ہے کیونکہ اول تو اس واقعہ میں مکہ مکرمہ کا ذکر ہے اور عاد اولیٰ کے زمانہ میں اس کی بناء ہی نہیں ہوئی تھی اس کو بعد میں حضرت ابراہیم علیہ السلام نے تعمیر فرمایا ہے اور عاد اولیٰ ان سے پہلے گزر چکے ہیں۔ نیز اس میں معاویہ بن بکر اور اس کے اشعار کا ذکر بھی موجود ہے۔ یہ اشعار عاد اولیٰ کے ذوق سے ملتے جلتے معلوم نہیں ہوتے یہ ذوق بعد کے لوگوں کا ہے تیسرے یہ کہ اس قصہ کے الفاظ میں یہ بھی منقول ہے کہ اس بادل میں آگ اور چنگاریاں نظر آئی تھیں حالانکہ عاد اولیٰ ہوا کے عذاب سے ہلاک کیے گئے تھے اور ابن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ اور ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ اور بہت سے تابعین سے منقول ہے کہ یہ ہوا نہایت سرد تھی ان وجوہات کی بناء پر عاد اولیٰ کی تفسیر میں اس روایت کا تذکرہ چسپاں نہیں ہے۔ (البدایہ ۱/۱۲۸)

سیدنا صالح علیہ الصلوٰۃ والسلام

ان کا نسب نامہ یہ ہے صالح بن عبید بن ماسح بن عبید بن حاجر بن ثمود بن عابر بن ارم بن سام بن نوح علیہ السلام اس نسب نامہ کے لحاظ سے حضرت صالح علیہ السلام قوم ثمود میں سے تھے ان کی قوم کو ثمود اس لیے کہا جاتا تھا کہ ان کے جد اعلیٰ ثمود تھے۔ ان کا مقام سکونت ''حجر'' تھا جو حجاز اور تبوک کے درمیان واقع ہے۔ قوم ثمود کی عمریں بہت طویل ہوتی تھیں جب یہ رہائش کے لیے کوئی مکان بناتے تو وہ ایک شخص کی عمر کو بھی کافی نہ ہوتا اور اسی کی حیات میں ڈھیر ہو کر جاتا۔ اس لیے پہاڑوں کو کھود کر انہوں نے مکانات بنانے شروع کر دیئے تھے۔

ایک دن حضرت صالح علیہ السلام ان کو وعظ و نصیحت فرما رہے تھے تو ان کی قوم نے یہ فرمائش کی کہ اگر آپ اس پتھر سے ان ان صفات کی ایک ناقہ نکال دیں تو ہم آپ کو مان لیں گے۔ ان کی دعا سے پتھر پھٹا اور اس میں سے ان ہی کی مطلوبہ صفات کی ایک ناقہ برآمد ہوگئی۔ اس پر ایک جماعت تو ایمان لے آئی مگر اکثر افراد بدستور اپنے کفر پر قائم رہے۔ ایمان قبول کرنے والی جماعت کے سردار کا نام جندع بن عمرو بن لبید تھا چونکہ یہ فیصلہ پہلے ہو چکا تھا کہ جس دن یہ ناقہ پانی پیئے گی اس دن قوم کا کوئی فرد کنوئیں سے پانی کھینچ نہ سکے گا۔ اس لیے اس دستور کے مطابق ایک مدت تک یہی عمل چلتا رہا۔ آخر اس میں ان کو تنگی محسوس ہونے لگی اور ان کے رئیس قدار بن سالف نے اپنی قوم کے مشورہ سے اس ناقہ کو زخمی کر کے ہلاک کر دیا اور اسی کی پاداش میں عذاب الٰہی سے ہلاک کر دی گئی۔ (البدایہ والنہایہ)

اب رہا یہ سوال کہ ناقہ پتھر سے کیسے پیدا ہوئی تو ہرچند کہ یہاں کوئی قرآنی بیان نہیں ہے تاہم کتب محدثین سے جو صورت یہاں منقول ہے اس کی تکذیب کی بھی کوئی وجہ ہمارے سامنے نہیں ہے بالخصوص جبکہ قرآن کریم نے اس کو معجزہ کہا ہے اور معجزات کا اپنی حقیقت کے لحاظ سے اس قسم کے عجائبات پر مشتمل ہونا کوئی جدید بات نہیں۔ ہمارا مقصد صرف یہ ہے کہ جن تفصیلات کی تصدیق کے لیے اجمالی سامان موجود ہو اور ان کی تکذیب کے لیے کوئی دلیل نہ ہو تو اس کو صرف اپنی عقل کی بناء پر ہر جگہ ساقط الاعتبار قرار نہیں دینا چاہیے۔ موسیٰ علیہ السلام کے عصا کی ایک ضرب سے پانی کے چشمے پھوٹ نکلنا اور پتھر پھٹ کر ناقہ کا نکل آنا دونوں باتیں خلاف عادت ہیں اور قدرت کے سامنے دونوں یکساں ممکن ہیں اس لیے ان کے انکار و تردد کی یہاں کوئی وجہ نہیں ہے۔

عَنْ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ زَمْعَةَ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ قَالَ خَطَبَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَذَكَرَ النَّاقَةَ وَذَكَرَ الَّذِيْ عَقَرَهَا فَقَالَ (اِذِ انْبَعَثَ اَشْقٰهَا) اِنْبَعَثَ لَهَا رَجُلٌ مِنْ عَارِمٍ عَزِيْزٍ مَنِيْعٍ فِيْ رَهْطِهٖ مِثْلُ اَبِيْ زَمْعَةَ. (رواه الامام احمد، اخرجاه من حديث هشام كذا في البداية ص ۱۳۵ جلد ۱)

عبداللہ بن زمعہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے خطبہ دیتے ہوئے صالح علیہ السلام کی اونٹنی کا ذکر فرمایا اور جس نے اس کو زخمی کر کے ہلاک کیا تھا اس کا بھی ذکر فرمایا جس کا تذکرہ قرآن شریف کی اس آیت میں کیا گیا ''اذا انبعث اشقٰھا'' فرمایا یہ شخص اپنی قوم میں بڑا معزز اور سردار تھا۔ جیسا کہ مکہ مکرمہ میں یہ ابو زمعہ ہے۔ (احمد)

عَنْ جَابِرٍ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ قَالَ لَمَّا مَرَّ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بِالْحِجْرِ قَالَ لَا تَسْأَلُوا الْاٰيَاتِ فَقَدْ سَأَلَهَا قَوْمُ صَالِحٍ فَكَانَتْ تَرِدُ مِنْ هٰذَا الْفَجِّ وَتَصْدُرُ مِنْ هٰذَا الْفَجِّ

(فَعَتَوْا عَنْ أَمْرِ رَبِّهِمْ) فَعَقَرُوهَا وَكَانَتْ تَشْرَبُ مَاءَهُمْ يَوْمًا وَيَشْرَبُونَ لَبَنَهَا يَوْمًا فَعَقَرُوهَا فَأَخَذَتْهُمْ صَيْحَةٌ أَهْمَدَ اللّٰهُ مَنْ تَحْتَ أَدِيمِ السَّمَاءِ مِنْهُمْ إِلَّا رَجُلًا وَاحِدًا كَانَ فِي حَرَمِ اللّٰهِ فَقَالُوا مَنْ هُوَ يَا رَسُولَ اللّٰهِ؟ قَالَ هُوَ أَبُو رِغَالٍ فَلَمَّا خَرَجَ مِنَ الْحَرَمِ أَصَابَهُ مَا أَصَابَ قَوْمَهُ. قَالَ ابن كثير هذا الحديث على شرط مسلم وليس هو في شيء من الكتب الستة. (البداية ص ۱۳۷ ج ۱)

جابر رضی اللہ تعالیٰ عنہ بیان فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جب مقام حجر سے گزرے تو فرمایا معجزات کی فرمائش نہ کرنا صالح علیہ السلام کی قوم نے معجزہ کی فرمائش کی تو نتیجہ یہ نکلا کہ ان کی فرمائش کے مطابق ان کو اونٹنی دیدی گئی جو ایک راستہ سے گھاٹ پر پانی پینے آتی اور پانی پی کر دوسرے راستہ سے لوٹ جاتی تھی مگر انہوں نے اپنے پروردگار کے حکم کا مقابلہ کیا اور اس کو زخمی کر ڈالا۔ طریقہ یہ تھا کہ ایک دن اونٹنی ان کے حصہ کا پانی پیا کرتی (اس دن پانی میں ان کا کوئی حق نہ تھا) اور ایک دن وہ اس کا دودھ پیتے آخر ایک چنگھاڑ کے عذاب نے ان کو پکڑ لیا اور آسمان کے نیچے ان کا جو فرد بھی تھا اللہ تعالیٰ نے سب کو فنا کر دیا صرف ایک شخص بچ رہا جو اس وقت حرم کی زمین میں موجود تھا۔ لوگوں نے عرض کی یا رسول اللہ! (صلی اللہ علیہ وسلم) وہ کون شخص تھا آپ نے فرمایا وہ ابو رغال تھا پھر جب وہ حرم کی زمین سے نکلا تو جو عذاب اس کی قوم پر آیا تھا وہی اس پر ٹوٹ پڑا۔ (مسند احمد)

تشریح:۔ اس صورت سے ارض حرم کا احترام بھی اپنی جگہ باقی رہا اور عذاب مقدر سے پھر جان چھوٹ نہ سکی۔ اس روایت سے یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ بعض مرتبہ پاداش عمل کسی باعث سے گو مؤخر ہو جائے مگر آخر کار بھگتنی ہی پڑتی ہے اس لیے تھوڑی تاخیر سے مغرور نہ ہونا چاہیے۔

نیز یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ بظاہر قدرت کے متعارض قوانین میں تطبیق کی صورت خود قدرت ہی کے علم میں ہوتی ہے یہاں تم تھوڑے دوڑانے غلط ہیں۔ اب دیکھئے "من دخله كان آمنا" کا اقتضاء یہ تھا کہ ابو رغال اس میں رہتا اور قومی عذاب کا تقاضا یہ تھا کہ وہ عذاب اس پر بھی آتا مگر علم الٰہی میں ان دونوں میں توافق کی صورت کیا تھی یہ پہلے سے کس کو معلوم تھا۔

نیز یہ بھی معلوم ہوا کہ رزق کی طرح رحمت و عذاب کا بھی ایک حصہ رسد ہوتا ہے جو مل کر رہتا ہے پھر اس کے ملنے کے لیے قدرت کیا تدبیر اختیار کرتی ہے یہ ہمارے علم سے باہر بات ہے۔ لہٰذا نہ تو بدعملی پر مؤاخذہ نہ ہونے سے بے خوف ہونا چاہیے اور نہ نیک عملی پر انعامات نہ ہونے سے مایوس ہونا چاہیے ہر عمل کے بدلے کے لیے ایک وقت ہے۔ بس اس کا انتظار کرنا چاہیے اسی لیے قرآن میں فرمایا ہے: "فانتظر انهم منتظرون!"

"وسيعلم الذين ظلموا اي منقلب ينقلبون لكل نبإ مستقر فسوف يعلمون."

(اور ظالم عنقریب جان لیں گے کہ کس کروٹ الٹتے ہیں۔ ہر ایک خبر کا ایک وقت مقرر ہے اور تم کو عنقریب معلوم ہو جائے گا۔)

حدیث مذکور کی روشنی میں اب اس پر غور کر لینا چاہیے کہ جس طرح معذب مقامات میں آثار عذاب مسلسل رہتے ہیں اسی طرح متبرک مقامات میں آثار برکت و رحمت بھی مسلسل رہنے چاہئیں اور جس طرح کہ معذب مقامات میں عذاب الٰہی کی گرفت کا خطرہ ہوتا ہے اسی طرح مقامات برکت و رحمت میں قیام سے رحمت کا امیدوار بھی رہنا چاہیے اور جس طرح کہ معذب

مقامات کی آب وہوا اور غذا مسموم ہوتی ہے اسی طرح رحمت کے مقامات کی آب وغذا کو بھی متبرک ہونی چاہیے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے بالوں سے اور آپ کے جھوٹے پانی سے امت ہمیشہ برکت حاصل کرتی رہی ہے۔ یہ بات علیحدہ ہے کہ عوام کے عقیدہ کے فساد کے خطرہ سے کوئی عمل مطلق اختیار نہ کیا جائے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے کعبہ کے دو دروازے بنانے کا ارادہ فرمایا تھا مگر مصلحتاً اس کو ترک فرما دیا۔ پس مسئلہ اور مصلحت دونوں کی رعایت لازم ہے اور یہی وہ دقیق مقام ہے جہاں اکثر لغزش ہو جاتی ہے یعنی ان دونوں کے درمیان پورا توازن قائم نہیں رہتا اور کبھی مصلحت کی رعایت اتنی ہو جاتی ہے کہ مسئلہ کے خلاف ہو جاتا ہے اور کبھی مسئلہ کی جانب اتنی نظر ہوتی ہے کہ مصلحت بالکل نظر انداز ہو جاتی ہے۔ صحیح راہ اعتدال کی ہے۔

عَنْ ابْنِ عُمَرَ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُمَا قَالَ لَمَّا نَزَلَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بِالنَّاسِ عَلٰى تَبُوْكَ نَزَلَ بِهِمُ الْحِجْرَ عِنْدَ بُيُوْتِ ثَمُوْدَ فَاسْتَقَى النَّاسُ مِنَ الْاٰبَارِ الَّتِيْ كَانَتْ تَشْرَبُ مِنْهَا ثَمُوْدُ فَعَجَنُوْا مِنْهَا وَنَصَبُوا الْقُدُوْرَ فَأَمَرَهُمْ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَأَهْرَاقُوا الْقُدُوْرَ وَعَلَفُوا الْعَجِيْنَ الْإِبِلَ ثُمَّ ارْتَحَلَ بِهِمْ حَتّٰى نَزَلَ بِهِمْ عَلَى الْبِئْرِ الَّتِيْ كَانَتْ تَشْرَبُ مِنْهَا النَّاقَةُ وَنَهَاهُمْ أَنْ يَّدْخُلُوْا عَلَى الْقَوْمِ الَّذِيْنَ عُذِّبُوْا إِنِّيْ أَخْشٰى أَنْ يُّصِيْبَكُمْ مِثْلُ مَا أَصَابَهُمْ فَلَا تَدْخُلُوْا عَلَيْهِمْ. (رواہ الامام احمد)

ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تبوک کو جاتے ہوئے جب وادی حجر سے گزرے جہاں ثمود کی (ویران شدہ) بستیاں تھیں تو لوگوں نے جن کنووں سے کہ قوم ثمود پانی پیا کرتی تھی ان ہی سے پانی پینا شروع کیا۔ اسی کے پانی سے آٹے گوندھ لیے اور ہانڈیاں چڑھا دیں۔ جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ خبر ہوئی تو آپ نے حکم دیا سب ہانڈیاں الٹ دی جائیں۔ آپ کے حکم پر فوراً ہانڈیاں گرا دی گئیں اور گوندھا ہوا آٹا اونٹوں کو ڈال دیا گیا۔ اس کے بعد آگے چلے اور جب اس کنوئیں سے گزرے جس سے کہ حضرت صالح علیہ السلام کی ناقہ پانی پیا کرتی تھی تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے صحابہ کرام رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین کو عذاب شدہ قوموں کی بستیوں کے اندر داخل ہونے سے منع فرمایا اور ارشاد فرمایا: مجھ کو اندیشہ ہے کہ جو عذاب ان پر آیا کہیں اس کی لپیٹ میں تم بھی نہ آ جاؤ۔ لہٰذا ان کی بستیوں میں داخل ہی نہ ہو۔ (احمد)

عَنْ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ عُمَرَ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُمَا قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَهُوَ بِالْحِجْرِ لَا تَدْخُلُوْا عَلٰى هٰؤُلَاءِ الْمُعَذَّبِيْنَ إِلَّا أَنْ تَكُوْنُوْا بَاكِيْنَ فَإِنْ لَّمْ تَكُوْنُوْا بَاكِيْنَ فَلَا تَدْخُلُوْا عَلَيْهِمْ أَنْ يُّصِيْبَكُمْ مِثْلُ مَا أَصَابَهُمْ. (رواہ الامام احمد)

اخرجاه في الصحيحين من غير وجه وفي بعض الروايات انه عليه السلام لَمَّا مَرَّ بِمَنَازِلِهِمْ قَنَّعَ رَأْسَهُ وَأَسْرَعَ رَاحِلَتَهُ وَنَهٰى عَنْ دُخُوْلِ مَنَازِلِهِمْ إِلَّا أَنْ تَكُوْنُوْا بَاكِيْنَ وَفِيْ رِوَايَةٍ فَإِنْ لَّمْ تَبْكُوْا فَتَبَاكَوْا خَشْيَةَ أَنْ يُّصِيْبَكُمْ مِثْلُ مَا أَصَابَهُمْ.

ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ بیان کرتے ہیں کہ وادی حجر سے گزرتے ہوئے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا دیکھو ان عذاب شدہ بستیوں میں داخل نہ ہونا مگر گریہ وزاری کرتے ہوئے اور اگر رونا نہ آئے تو پھر ان میں داخل نہ ہونا کہیں تم بھی اسی

عذاب کی لپیٹ میں نہ آ جاؤ جو ان کو ہوا ہے۔ (متفق علیہ)

تشریح: بعض روایات میں اسی طرح ہے کہ جب آپ ان کی بستیوں سے گزرے تو اپنا سر مبارک جھکا لیا اپنی اونٹنی تیز کر دی اور صحابہ کرام کو منع فرمایا کہ ان بستیوں کے اندر نہ جائیں مگر گریہ وزاری کے ساتھ اور اگر یہ نہ ہو سکے تو کم از کم گریہ وزاری کی صورت ہی بنالیں۔ مبادا جو عذاب ان کو پہنچا تم بھی اس کی لپیٹ میں آ جاؤ۔

یہ عالم غیب کی ایک بڑی حقیقت کی طرف اشارہ تھا۔ عام آنکھیں صرف ان بستیوں کو دیکھتی تھیں اور خیال یہی ہوتا ہے کہ ان بستیوں پر کبھی عذاب آیا تھا اور اب ختم ہو گیا مگر صاحب نبوت نے تنبیہ فرمائی کہ معذب مقامات ہمیشہ معذب ہی رہتے ہیں اور جس طرح وبائی آب وہوا میں تندرست آدمی بھی جاتے ہوئے خوف کھاتا ہے اسی طرح معذب بستیوں میں سیر وتفریح کے لیے جانا بڑی غلطی ہے۔ یہ تفریح کے مقامات نہیں بلکہ بڑے خوف اور بڑی عبرت کے مقامات ہیں۔ ان فضاؤں میں عذاب الٰہی کی آگ ہمیشہ بھڑکتی رہتی ہے اس لیے سیر وتفریح کے بجائے یہاں صورت عجز وانکسار اور خوف وخشیت کی بنانی چاہیے اور اس ماحول کی اشیاء بھی استعمال میں لانی نہیں چاہئیں اور ان سے اسی طرح پرہیز کرنا چاہیے جس طرح کہ وبائی علاقوں کی اشیاء سے دنیا آج پرہیز کرتی ہے۔ وبائی امراض سے حفاظت میں آج تو اتنا مبالغہ ہے کہ دنیا کے ملک کے سفر کے لیے بھی مختلف قسم کے انجکشن اور ذرا سی بات پر قرنطینہ لازم قرار دیا گیا ہے افسوس ہے کہ یہی لوگ اور مسلمان جب ان معذب مقامات سے گزرتے ہیں تو یہاں احتیاط کرنا مذہبی وہم پرستی سمجھتے ہیں۔

اسی طرح مسرت وسرور کے حالات میں جن میں کہ شیطان نخوت وغرور کا نشہ پیدا کر سکتا ہے تو اضع وانکسار میں ڈوب جانا چاہیے کہیں ہوا کا رخ پھر نہ پلٹ جائے اسی لیے بنی اسرائیل کو یہ حکم ہوا تھا کہ بیت المقدس میں جب داخل ہوں تو تواضع وعاجزی کی شکل بنا کر سر جھکائے ہوئے داخل ہوں مگر اس متکبر قوم نے اس کے برعکس ہی کیا۔ اسی سنت کے مطابق جب مکہ فتح ہوا اور جس مقام سے مسلمان بھی بڑی کسمپرسی سے نکالے گئے تھے آج پھر بڑی شان سے فاتحانہ داخل ہو رہے تھے تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی شان تواضع کا عالم یہ تھا کہ اونٹنی پر سوار تھے اور مارے تواضع کے سر اتنا جھکا ہوا تھا کہ ریش مبارک کے بال کجاوہ کی لکڑی سے جا جا لگتے تھے۔ (البدایہ والنہایہ ص ۲۴۲/۱)

قَالَ مَعْمَرٌ اَخْبَرَنِي اِسْمَاعِيْلُ بْنُ اُمَيَّةَ اَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَرَّ بِقَبْرِ اَبِيْ رِغَالٍ فَقَالَ اَتَدْرُوْنَ مَنْ هٰذَا؟ قَالُوْا اللّٰهُ وَرَسُوْلُهٗ اَعْلَمُ قَالَ هٰذَا قَبْرُ اَبِيْ رِغَالٍ رَجُلٍ مِنْ ثَمُوْدَ كَانَ فِيْ حَرَمِ اللّٰهِ فَمَنَعَهٗ حَرَمُ اللّٰهِ عَذَابَ اللّٰهِ فَلَمَّا خَرَجَ اَصَابَهٗ مَا اَصَابَ قَوْمَهٗ فَدُفِنَ هٰهُنَا وَدُفِنَ مَعَهٗ غُصْنٌ مِنْ ذَهَبٍ فَنَزَلَ الْقَوْمُ فَابْتَدَرُوْهُ بِاَسْيَافِهِمْ فَبَحَثُوْا عَنْهُ فَاسْتَخْرَجُوا الْغُصْنَ۔ (رواہ عبدالرزاق)

اسماعیل بن امیہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ابو رغال کی قبر سے گزر ہوا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جانتے ہو یہ کس کی قبر ہے؟ لوگوں نے عرض کی اللہ اور اس کے رسول ہی کو اس کا علم ہے فرمایا یہ قبر ابو رغال کی ہے۔ یہ شخص بھی قوم ثمود کا ایک فرد تھا جب ثمود پر اللہ کا عذاب آیا تھا تو یہ اس وقت حرم کی زمین میں موجود تھا خدائی حرم کی وجہ سے اس وقت تو عذاب الٰہی سے محفوظ رہا۔ پس حرم الٰہی سے اس کا نکلنا تھا کہ جو عذاب اس کی قوم پر آیا تھا اسی نے اس کو آ پکڑا اور وہ بھی ہلاک

ہو گیا اور جب دفن کیا گیا تھا تو اس کے ساتھ سونے کی ایک شاخ بھی دفن ہو گئی تھی۔ یہ سن کر لوگ لپکے اور اپنی تلواروں سے اس کی قبر کھود ڈالی (دیکھا تو سونے کی وہ شاخ موجود تھی) چنانچہ اس کو نکال لیا۔ (عبد الرزاق)

سیدنا ابراہیم علیہ الصلوٰۃ والسلام خلیل اللہ

وَجَدُّ سَیِّدِنَا حَبِیْبِ اللّٰہِ عَلَیْہِ الصَّلٰوۃُ وَالسَّلَامُ

حضرت ابراہیم علیہ السلام کی شخصیت تمام انبیاء علیہم السلام کی جماعت میں بہت کی حیثیات سے نمایاں ہے اور اس عالم سے لے کر عالم آخرت تک اپنی کچھ کون خصوصیت سے معمور ہے ان کے بعد نبوت کاان کی ذریت میں منحصر ہو جانا خود قرآن کریم کا بیان ہے انبیاء علیہم السلام گو سب حنیف تھے مگر یہاں بھی ان کو یہ امتیاز حاصل تھا کہ ان کی ملت کا نام ملت حنیفیہ ہے۔ شریعت محمدیہ کی رو میں ملت حنیفیہ ہی ہے ہم نے پہلے چالیس وہ احکام نقل کر دیئے ہیں جو دونوں شریعتوں میں مشترک ہیں۔ اس کے بعد ابن قتیبہ کی مشہور تالیف تاویل مختلف الحدیث ہماری نظر سے گزری اس میں چند اور مشترک احکام کی فہرست سامنے آئی۔ مثلاً قرابت و صہر کے رشتہ سے محرمات ایک یا دو طلاق کے بعد شوہر کو رجعت کا حق رہنا نفس کی دیت سو اونٹ ہونا جنابت سے غسل کرنا اور خنثیٰ میں ذکر یا مونث کی جانب علامت کا اعتبار کرنا۔ دیکھو تاویل مختلف الاحادیث ص ۱۲۵ اس لحاظ سے اب مشترک احکام کی تعداد چالیس کے بجائے پینتالیس ہو جائے گی۔

حضرت خلیل اللہ علیہ الصلوٰۃ والسلام کے زمانہ میں عبادت اصنام یعنی بت پرستی اور کواکب پرستی کی عام وبا پھیلی ہوئی تھی اور کفر کا اس درجہ غلبہ ہو چکا تھا کہ حضرت خلیل اللہ علیہ الصلوٰۃ والسلام ان کی بیوی اور ان کے بھتیجے حضرت لوط علیہ السلام کے سوا کوئی کلمہ گو موجود نہ رہا تھا۔ اللہ تعالیٰ نے اس کے مقابلے کے لیے ان کو مبعوث فرمایا۔ اس سلسلہ میں بادشاہوں کے ساتھ ان کے مناظرے قوموں کی تفہیم اور جابجا اثبات توحید اور ابطال شرک کے حکیمانہ براہین کا تذکرہ خود قرآن کریم میں موجود ہے۔ اسی لیے ہم نے آپ کے حالات زندگی کے تفصیلی تذکرہ کی کوئی ضرورت نہیں سمجھی۔ وہ آفتاب عالمتاب کی طرح سب ادیان و مذاہب کی نظروں میں یکساں درخشاں رہی ہے۔

آپ کا مولد بابل یا غوطہ تھا۔ آپ کی والدہ ماجدہ کا نام "امیلہ" یا "بلونا" تھا۔ والد ماجد کا نام حسب ترجیح حافظ ابن کثیر آذر تھا جمہور نساب تارخ اور اہل کتاب تارخ لکھتے ہیں اور زبانوں کے اختلاف سے ناموں کی نقل میں اختلاف ہو جانا کوئی بعید بات نہیں ہے۔ پھر علم اور لقب کا فرق بھی اگر ملحوظ رکھا جائے تو بہت سی الجھنیں ختم ہو جاتی ہیں۔ اسی طرح اگر صفاتی نام بھی اسماء کی فہرست میں آ سکتے ہیں تو پھر پیشین گوئیوں میں جو بے وجہ مباحث پیدا کی گئی ہیں وہ سب آسانی سے حل ہو سکتی ہیں۔ آپ کی کنیت ابو الضیفان تھی اور آپ کی ایک اہم ضیافت کا تذکرہ بھی قرآن کریم میں موجود ہے۔ آپ کی حیات طیبہ میں بناء کعبہ اور آزمائش کے میدانوں میں آپ کا صبر و استقامت اس کا سب سے نمایاں حصہ ہے۔ ذبح عظیم اور آپ پر آتش کے برد و سلام جیسے عظیم الشان واقعات تو زبان زد خاص و عام ہو چکے ہیں اس سلسلہ میں جبرئیل علیہ السلام کے اصرار پر آپ کا فرمان "اما الیک فلا" حسب بیان حافظ ابن کثیر رحمۃ اللہ علیہ صرف بعض سلف کا مقولہ ہے۔

آپ کی بیوی حضرت سارہ شاہ حران کی بیٹی تھیں۔ حافظ ابن کثیر رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں کہ جس کسی نے یہ کہا کہ وہ آپ کی

بھتیجی تھیں یہ بالکل بے تکی بات ہے اس پر یہ دعویٰ کرنا اور زیادہ بے اصل ہے کہ پہلے بھتیجی سے نکاح کرنا درست تھا۔ اگر یہ تسلیم بھی کر لیا جائے تو بھی یہ ان جائزات میں سے ہوگا جس کا انبیاء علیہم السلام کبھی ارتکاب نہیں فرماتے۔

حضرت سارہ کا مشہور واقعہ جس ظالم بادشاہ کے ساتھ پیش آیا تھا حسب بیان بعض اہل تاریخ ضحاک ظالم کا بھائی تھا اور اس کا نام سنان بن علوان تھا۔ ابن ہشام نے اپنی کتاب التیجان میں اس کا نام عمرو بن امرء القیس بن مایلون یا مایون لکھا ہے۔

حضرت ابراہیم اور حضرت اسحاق اور حضرت یعقوب علیہم الصلوٰۃ والسلام کی قبور مبارک شہر حبرون میں موجود ہیں جس کو آج کل "الخلیل" کہا جاتا ہے لیکن ان کی علیحدہ علیحدہ تعیین یقینی طور پر معلوم نہیں۔ (بدایہ نہایہ ج)

عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ رَأَيْتُ عِيْسَى بْنَ مَرْيَمَ وَمُوْسٰى وَ إِبْرَاهِيْمَ فَأَمَّا عِيْسٰى فَأَحْمَرُ جَعْدٌ عَرِيْضُ الصَّدْرِ وَأَمَّا مُوْسٰى فَآدَمُ جَسِيْمٌ قَالُوْا لَهٗ فَإِبْرَاهِيْمُ قَالَ اُنْظُرُوْا إِلٰى صَاحِبِكُمْ يَعْنِيْ نَفْسَهٗ (رواه الامام احمد و روى البخاري)

ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا میں نے عیسیٰ بن مریم موسیٰ اور ابراہیم علیہم السلام کو دیکھا تو عیسیٰ علیہ السلام سرخ رنگ گھنگھریالے بال اور چوڑے سینے کے تھے اور موسیٰ علیہ السلام گندم گوں رنگ اور لانبے چوڑے جسم کے آدمی تھے رہ گئے ابراہیم علیہ السلام تو وہ مجھ کو دیکھ لو۔ (احمد بخاری مسلم)

عَنْ أَبِيْ هُرَيْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِنَّ فِي الْجَنَّةِ قَصْرًا أَحْسَبُهٗ قَالَ مِنْ لُؤْلُؤَةٍ لَيْسَ فِيْهِ فَصْمٌ وَلَا وَهْنٌ أَعَدَّهُ اللّٰهُ لِخَلِيْلِهٖ إِبْرَاهِيْمَ عَلَيْهِ السَّلَامُ نُزُلًا۔ (رواه البزار)

ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جنت میں ایک محل ہے میرا گمان ہے کہ آپ نے فرمایا تھا وہ ایسے موتی کا ہے جس میں کہیں ذرا بال نہ ہو اللہ تعالیٰ نے اس کو اپنے خلیل کی مہمانی کے لیے تیار فرمایا ہے۔ (بزار)

عَنْ جُنْدُبٍ الْبَجَلِيِّ وَعَبْدِ اللّٰهِ بْنِ عَمْرٍو وَابْنِ مَسْعُوْدٍ عَنْ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَنَّهٗ قَالَ أَيُّهَا النَّاسُ إِنَّ اللّٰهَ اتَّخَذَنِيْ خَلِيْلًا كَمَا اتَّخَذَ إِبْرَاهِيْمَ خَلِيْلًا۔ (رواه الشيخان)

جندب بجلی عبداللہ بن عمرو اور ابن مسعود رضی اللہ عنہم سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا لوگو! اللہ تعالیٰ نے جس طرح حضرت ابراہیم علیہ السلام کو اپنا خلیل بنایا تھا مجھ کو بھی اپنا خلیل بنایا ہے۔ (متفق علیہ)

عَنْ عَمْرِو بْنِ مَيْمُوْنٍ قَالَ إِنَّ مُعَاذًا لَمَّا قَدِمَ الْيَمَنَ صَلّٰى بِهِمُ الصُّبْحَ فَقَرَأَ وَاتَّخَذَ اللّٰهُ إِبْرَاهِيْمَ خَلِيْلًا فَقَالَ رَجُلٌ مِنَ الْقَوْمِ قَرَّتْ عَيْنُ أُمِّ إِبْرَاهِيْمَ۔ (رواه البخاري)

عمرو بن میمون سے روایت ہے کہ معاذ جب یمن آئے اور لوگوں کو صبح کی نماز پڑھائی تو اس میں یہ آیت پڑھی "واتخذ اللہ ابراھیم خلیلا" اللہ تعالیٰ نے ابراہیم کو اپنا خلیل بنایا تو ان لوگوں میں سے ایک شخص بولا ابراہیم علیہ السلام کی والدہ کی آنکھیں ٹھنڈی ہوں (کیا ہی بڑی فضیلت ان کے فرزند کو نصیب ہوگی)۔ (بخاری شریف)

عَنِ ابْنِ مَسْعُوْدٍ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ قِيْلَ لَهٗ مَا الْمَقَامُ الْمَحْمُوْدُ قَالَ ذٰلِكَ

يَوْمَ يَنْزِلُ اللّٰهُ تَعَالٰى عَلٰى كُرْسِيِّهِ فَيَئِطُّ كَمَا يَئِطُّ الرَّحْلُ الْجَدِيْدُ مِنْ تَضَايُقِهِ وَهُوَ كَسَعَةِ مَا بَيْنَ السَّمَاءِ وَالْاَرْضِ وَيُجَاءُ بِكُمْ حُفَاةً عُرَاةً غُرْلًا فَيَكُوْنُ اَوَّلَ مَنْ يُكْسٰى اِبْرَاهِيْمُ يَقُوْلُ اللّٰهُ تَعَالٰى اُكْسُوْا خَلِيْلِيْ فَيُؤْتٰى بِرَيْطَتَيْنِ بَيْضَاوَيْنِ مِنْ رِيَاطِ الْجَنَّةِ ثُمَّ اُكْسٰى عَلٰى اَثَرِهٖ ثُمَّ اَقُوْمُ عَنْ يَمِيْنِ اللّٰهِ مَقَامًا يَغْبِطُنِيْ الْاَوَّلُوْنَ وَالْاٰخِرُوْنَ۔ (رواه الدارمی)

ابن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھا گیا' مقام محمود کیا چیز ہے؟ فرمایا یہ ایک مقام ہے جو مجھ کو اس دن نصیب ہو گا جبکہ اللہ تعالیٰ عرش عظیم سے اپنی کرسی پر تجلی فرمائے گا تو وہ اس طرح آواز کرے گی جیسا نیا کجاوہ کسی بڑی چیز کے وزن سے آواز کرنے لگتا ہے حالانکہ اس کرسی کی وسعت آسمان وزمین کے درمیان فاصلہ کی برابر ہے' اس کے بعد پھر تم سب مخلوق کو حاضر کیا جائے گا اور سب پابرہنہ' برہنہ جسم اور غیر مختون ہوں گے۔ پھر جن کو سب سے پہلے جنت کا لباس پہنایا جائے گا وہ ابراہیم علیہ السلام ہوں گے۔ ارشاد ہو گا' میرے خلیل کو پوشش پہناؤ' فوراً جنت کی چادروں میں سے دو سفید رنگ کی چادریں لا کر ان کو پہنائی جائیں گی' اس کے بعد ہی پھر مجھ کو پوشش پہنائی جائے گی اور میں اللہ تعالیٰ کے دائیں آ کر ایسے مقام پر کھڑا ہوں گا جہاں سب اگلے اور پچھلے مجھ پر غبطہ کریں گے۔ (دارمی)

عَنْ اَبِيْ سَعِيْدٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فِيْ كَلِمَاتِ اِبْرَاهِيْمَ الثَّلَاثِ الَّتِيْ قَالَ مَا مِنْهَا كَلِمَةٌ اِلَّا مَاحَلَ بِهَا عَنْ دِيْنِ اللّٰهِ۔ (رواه ابن ابی حاتم)

ابو سعید روایت فرماتے ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ان باتوں کے متعلق جو حضرت ابراہیم علیہ السلام کی زبان سے نقل ہیں فرمایا کہ ان تینوں میں ایک بات بھی ایسی نہ تھی جس سے ان کا مقصد اللہ تعالیٰ کے دین کی تائید کرنی نہ ہو۔ (ابن ابی حاتم)

عَنْ اَبِيْ هُرَيْرَةَ قَالَ قَالَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اِخْتَتَنَ اِبْرَاهِيْمُ النَّبِيُّ عَلَيْهِ السَّلَامُ وَهُوَ ابْنُ ثَمَانِيْنَ سَنَةً بِالْقَدُوْمِ۔ (رواه البخاری و مسلم)

ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا' ابراہیم علیہ السلام نے اسی (۸۰) سال کی عمر میں کسلہ سے ختنہ کی تھی۔ (مسلم)

تشریح۔ صحیح بخاری کی روایت میں حضرت ابراہیم علیہ السلام کے سن کی تصریح ہوتے ہوئے بھی بعض مصنفین نے یہ لکھ دیا ہے کہ جب حضرت ابراہیم علیہ السلام کی عمر ننانوے سال کی ہوئی اور حضرت اسماعیل علیہ السلام کی تیرہ سال تو اللہ تعالیٰ کا حکم آیا کہ ختنہ کرو۔ یہاں البدایہ والنہایہ میں گو شیخ ابن حبان سے حضرت ابراہیم علیہ السلام کی عمر اس وقت ۱۲۰ سال بھی نقل کی ہے مگر پھر ترجیح بخاری شریف کو ہی رہے گی۔

عَنْ عَلِيِّ بْنِ رَبَاحٍ اَنَّ اِبْرَاهِيْمَ عَلَيْهِ السَّلَامُ اُمِرَ اَنْ يَخْتَتِنَ وَهُوَ حِيْنَئِذٍ ابْنُ ثَمَانِيْنَ سَنَةً فَعَجِلَ وَاخْتَتَنَ بِالْقَدُوْمِ فَاشْتَدَّ عَلَيْهِ الْوَجَعُ فَدَعَا رَبَّهٗ فَاَوْحٰى اِلَيْهِ اَنَّكَ عَجِلْتَ قَبْلَ اَنْ نَاْمُرَكَ بِاٰلَتِهٖ قَالَ يَا رَبِّ كَرِهْتُ اَنْ اُؤَخِّرَ اَمْرَكَ۔ (در منثور ص ۱۲۵ جلد ۱)

علی بن رباح روایت کرتے ہیں کہ ابراہیم علیہ السلام کو جب ختنہ کرنے کا حکم ہوا تو ان کی عمر اس وقت اسّی (۸۰) سال کی تھی انہوں نے خدا کا حکم بجالانے میں جلدی کی اور فوراً بسولے سے اپنی ختنہ کر ڈالی۔ جب تکلیف زیادہ محسوس ہوئی تو انہوں نے اپنے پروردگار سے دعا کی ادھر سے وحی آئی ہمارے ختنہ کا طریقہ بتانے سے پہلے ختنہ کرنے میں تم نے خود جلدی کی۔ انہوں نے عرض کی پروردگار! مجھ سے یہ گوارا نہ ہوسکا کہ میں تیرے حکم میں ذرا سی تاخیر بھی کروں۔ (درمنثور)

تشریح۔ اب اس ایک ہی واقعہ سے اندازہ فرمائیے کہ انبیاء علیہم السلام سے مواخذات کا معیار کیا ہے۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام کی زبان سے "انا اعلم" ایک کلمہ نکل گیا تو اس کا نتیجہ کیا ہوا آدم علیہ السلام نے اللہ تعالیٰ کے قرب کی خاطر بھول سے ایک قدم بڑھایا تو بات کہاں سے کہاں جا پہنچی۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام سے مستحسن توریہ کے کلمات صادر ہوئے تو اس کا انفعال کہیں تک باقی رہا۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی نادان قوم نے ان کو خدا کا شریک بنایا تو اس کا اثر بھی ان کی مقدس فطرت پر کتنا شدید رہا۔ (الی غیر ذلک)

عَنْ اَبِیْ هُرَيْرَةَ اَنَّ النَّبِیَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ اِنَّ اِبْرَاهِيْمَ اَوَّلُ مَنْ اَضَافَ الضَّيْفَ وَ اَوَّلُ مَنْ قَصَّ الشَّارِبَ وَاَوَّلُ مَنْ رَاٰى الشَّيْبَ وَاَوَّلُ مَنْ قَصَّ الْاَظَافِيْرَ وَاَوَّلُ مَنِ اخْتَتَنَ بِقَدُوْمٍ. رواه ابن عدي والبيهقي كذافي الدرالمنثور ص ۱۱۵ ج ۱ واخرج البيهقي عن سفين بن عيينة انه اوّل من تسرول و اوّل من فرق و اوّل من استحد ايضا. وعند ابن ابى شيبة والبزار انه اوّل من خطب على المنبر و عند ابن عساكر انه اوّل من رتب العسكر فى الحرب ميمنة وميسرة وقلبا و عند ابن ابى شيبة انه اوّل من عقد الالوية وعند ابن ابى الدنيا انه اوّل من عمل القسى وعنده فى كتاب الاخوان والخطيب فى تاريخه والديلمى فى مسند الفردوس انه اوّل من عانق و عند ابن سعد انه اوّل من ثرد الثريد وعند الديلمى انه اوّل من اتخذ الخبز الميلقى وعند الشيخين وغيرهما انه اوّل من يكسى يوم القيامة كله من الدرالمنثور و روى بعضه مالك فى مؤطاه.

ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا (چند باتیں وہ ہیں جو سب سے پہلے حضرت ابراہیم علیہ السلام سے شروع ہوئیں) سب سے پہلے مہمانی کی سنت انہوں نے شروع کی۔ سب سے پہلے انہوں نے مونچھیں تراشیں' سب سے پہلے سر میں بڑھاپے کے آثار انہوں نے دیکھے' سب سے پہلے ناخن انہوں نے تراشے' سب سے پہلے بسولے کے ذریعہ اپنی ختنہ انہوں نے کی' سب سے پہلے پاجامہ انہوں نے پہنا' سب سے پہلے مانگ انہوں نے نکالی' سب سے پہلے استرہ سے زیر ناف بال انہوں نے لیے' سب سے پہلے منبر پر انہوں نے خطبہ دیا' لشکر کے میمنہ' میسرہ اور قلب کی سب سے پہلے تقسیم انہوں نے ایجاد کی' سب سے پہلے جھنڈے پر پرچم انہوں نے لگایا' سب سے پہلے کمان انہوں نے بنائی' سب سے پہلے معانقہ انہوں نے کیا' سب سے پہلے ثرید کھانا انہوں نے تیار کیا' وہ روٹی جو قریہ میلقس کی طرف منسوب ہے سب سے پہلے انہوں نے تیار کی۔ (تاج العروس شرح قاموس میں ہے کہ اس روٹی کا وزن چار رطل ہوتا تھا)

تشریح۔ یہ جملہ امور اولیات ابراہیم علیہ السلام کے عنوان سے مشہور ہیں۔ ہم نے ان سب کو ایک جگہ جمع کر دیا ہے۔ یہ

سب اشیاء ممکن ہے کہ سب سے پہلے ان سے ہی شروع ہوئی ہوں یا ان میں حضرت ابراہیم علیہ السلام کی کوئی خصوصیت ایسی ہو جس کی بناء پر ان کی نسبت حضرت ابراہیم علیہ السلام کی جانب اولی سمجھی گئی ہو۔

عَنْ عَائِشَةَ قَالَتْ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَشْرٌ مِنَ الْفِطْرَةِ قَصُّ الشَّارِبِ وَاِعْفَاءُ اللِّحْيَةِ وَالسِّوَاكُ وَاسْتِنْشَاقُ الْمَاءِ وَقَصُّ الْاَظْفَارِ وَغَسْلُ الْبَرَاجِمِ وَنَتْفُ الْاِبْطِ وَحَلْقُ الْعَانَةِ وَانْتِقَاصُ الْمَاءِ يَعْنِي الْاِسْتِنْجَاءَ. (رواہ مسلم)

حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا بیان فرماتی ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا دس باتیں فطرت میں داخل ہیں: مونچھ تراشنا' ریش بڑھانا' مسواک کرنا' ناک میں پانی دینا' ناخن تراشنا' انگلی کے جوڑوں کو صاف کرنا' زیر بغل بالوں کو اکھاڑنا' زیر ناف بالوں کا مونڈنا' استنجا کرنا اور ختنہ کرنا۔ (مسلم)

تشریح۔ حافظ ابن کثیر رحمۃ اللہ علیہ نے اس حدیث کی تشریح نہایت پر مغز اور مختصر الفاظ میں حسب ذیل فرمائی ہے:

والمقصود انه عليه الصلوٰة والسلام كان لا يشغله القيام بالاخلاص لله عز وجل وخشوع العبادة العظيمة عن مراعاة مصلحة بدنه واعطاء كل عضو ما يستحقه من الاصلاح والتحسين وازالة ما يشين من زيادة شعرا وظفرا ووجود قلح او وسخ فهذا من جملة قوله تعالى وابراهيم الذى وفى البداية والنهاية ص ۱۷۲ ج ۱.

"اصل مقصد یہ ہے کہ ابراہیم علیہ السلام کا بڑا کمال یہ تھا کہ ایک طرف وہ اللہ تعالیٰ کی عبادت بھی پورے خشوع وخضوع سے ادا فرماتے تھے اور دوسری طرف اپنی بدنی مصالح کی بھی پوری رعایت رکھتے تھے۔ کبھی جسم پر قابل نفرت بال یا ناخن یا میل کچیل باقی نہ رکھتے تھے جو موجب نفرت ہو ان ہی مجموعہ حقوق کی اس طرح ادائیگی کی طرف اس آیت میں اشارہ کیا گیا ہے۔ "وابراهيم الذى وفى" یعنی ابراہیم وہ تھے کہ جنہوں نے پورے طور پر حقوق کی ادائیگی فرمائی تھی۔

عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ اَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَمَّا رَاَى الصُّوَرَ فِي الْبَيْتِ لَمْ يَدْخُلْ حَتّٰى اَمَرَ بِهَا فَمُحِيَتْ وَرَاَى اِبْرَاهِيْمَ وَاِسْمٰعِيْلَ بِاَيْدِيْهِمَا الْاَزْلَامُ فَقَالَ قَاتَلَهُمُ اللّٰهُ. وَاللّٰهِ اِنْ يَسْتَقْسِمَا بِالْاَزْلَامِ قَطُّ. (رواہ البخاری ولم یخرجہ مسلم)

ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جب دیکھا کہ بیت اللہ کے اندر تصویریں ہیں تو آپ اس وقت تک اندر تشریف نہیں لے گئے جب تک کہ ان کے مٹانے کا حکم نہ دے دیا اور وہ مٹا دی گئیں۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے دیکھا کہ کفار نے ان تصویروں میں حضرت ابراہیم اور حضرت اسماعیل علیہم الصلوٰۃ والسلام کے ہاتھوں میں فال دیکھنے کے تیر دے رکھے تھے۔ یہ منظر دیکھ کر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: خدا ان کو برباد کرے خدا یہ خوب جانتے ہیں کہ انہوں نے پانسے کے تیر کبھی نہیں ڈالے۔ (بخاری شریف)

عَنْ نَافِعٍ اَنَّ امْرَاَةً دَخَلَتْ عَلٰى عَائِشَةَ فَاِذَا رُمْحٌ مَنْصُوْبٌ فَقَالَتْ مَا هٰذَا الرُّمْحُ فَقَالَتْ نَقْتُلُ بِهِ

الْاَوْزَاغِ ثُمَّ حَدَّثَتْ عَنْ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَنَّ اِبْرَاهِيْمَ لَمَّا اُلْقِيَ فِي النَّارِ جَعَلَتِ الدَّوَابُّ كُلُّهَا تُطْفِيْ عَنْهُ النَّارَ اِلَّا الْوَزَغَ فَاِنَّهٗ جَعَلَ يَنْفُخُهَا عَلَيْهِ. رواه احمد من وجه آخر ايضا قال ابن كثير تفرد به احمد من هذين الوجهين وقد رواه ابن ماجة ايضا وقد اخرجه احمد باسناده ايضا.

نافع بیان کرتے ہیں کہ ایک عورت حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی خدمت میں حاضر ہوئی، کیا دیکھتی ہیں ایک نیزہ رکھا ہوا ہے، انہوں نے پوچھا یہ نیزہ کیسا ہے؟ انہوں نے فرمایا ہم اس سے چھپکلیاں مارتے ہیں، اس کے بعد آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے نقل فرمایا کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام جب آگ میں ڈالے گئے تو تمام جانور آگ بجھانے کے لیے کوشاں تھے بجز چھپکلی کے کہ یہ اور پھونک مارنے لگی۔ (احمد)

تشریح۔ واضح رہے کہ جہاں آتش نمرود کے سرد ہو جانے کا ذکر ہو وہاں بعض حیوانات کی حمایت اور بعض کی عداوت سے بھلا کیا تعجب ہونا چاہیے۔ حقیقت یہ ہے کہ طبیعت کی سلامتی اور خباثت یہ دونوں خواص انسان اور حیوانات میں فطری طور پر موجود ہوتے ہیں ان کے ظہور کے لیے صرف فطرت کافی ہوتی ہے۔ دیکھیے شیر اور بھیڑیا دونوں ہی خونخوار جانور ہیں مگر پھر دونوں کی شرافت اور دناءت میں زمین و آسمان کا فرق ہے۔ یہاں ارادہ و شعور کی ضرورت بھی نہیں ہے بلکہ جس قسم کی فطرت ہوتی ہے اسی قسم کے افعال کا ظہور غیر ارادی اور غیر شعوری طور پر ہوتا رہتا ہے۔ اسی لیے مشہور ہے۔ نیش عقرب نہ از پئے کین است مقتضائے طبیعتش این است۔ پس جس طرح بچھو کا ڈنک اس پر موقوف نہیں کہ پہلے سے دشمنی یا عداوت کا شعور اس میں موجود ہو پھر ایسا ہوتا کیوں ہے اس لیے کہ اس کی فطرت یہی ہے۔ اسی طرح چھپکلی کی یہ حرکت صرف اس کی ایک فطرت تھی۔ یہاں تمام مقدمات اس کے پیش نظر ہونے ضروری نہیں۔ بندر، چوہا، کوا وغیرہ جیسے موذی جانوروں کی ایذا دہی کی عجیب و غریب حکایات سب کو معلوم ہیں۔ حتیٰ کہ بہت سے حیوانات ہیں جن کو حدیث میں موذیت کا لقب دیا ہے اور ان کا مارنا ہر حالت میں درست قرار دیا ہے۔ چھپکلی میں انسانی ایذا رسانی کی یہ خصلت آج تک موجود ہے کہ نمک پر پیشاب کر دیتی ہے اگر اس نمک کو استعمال کر لیا جائے تو اس کے زہریلے اثر سے جسم پر برص کے داغ پیدا ہو جانے کا خطرہ ہوتا ہے۔ اسی طرح خواص حیوانات کے مطالعہ سے معلوم ہوتا ہے کہ بعض حیوانات میں فطری طور پر ایذا رسانی کی خصوصیات موجود ہیں۔ پس اگر قدرت کے کسی خاص مظاہرہ کے وقت حیوانات میں بھی وقتی طور پر کوئی شعوری یا غیر شعوری حرکت پیدا ہو جائے تو اس کا انکار بادلیل درست طریق نہیں۔ بس عجائبات قدرت صرف چند قطرات نہیں ہیں بلکہ ان کا بھی ایک سمندر ہے جس کی طوفان خیز موجوں کا انکار نہیں کیا جا سکتا۔

سیدنا اسماعیل علیہ الصلوٰۃ والسلام ذبیح اللہ

حافظ ابن کثیر رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں کہ حسب بیان اہل کتاب جب حضرت ہاجرہ کے بطن سے اسماعیل علیہ الصلوٰۃ والسلام کی ولادت ہوئی تو اس وقت ابراہیم علیہ الصلوٰۃ والسلام کی عمر مبارک چھیاسی سال کی تھی۔ پھر حضرت اسماعیل علیہ الصلوٰۃ والسلام کی ولادت کے تیرہ سال بعد حضرت ابراہیم علیہ الصلوٰۃ والسلام کو بطن سارہ سے (حضرت) اسحاق علیہ السلام کے پیدا ہونے کی بشارت ہوئی۔ حضرت ابراہیم علیہ الصلوٰۃ والسلام یہ سن کر سجدہ میں گر گئے۔ پھر اللہ تعالیٰ کی طرف سے ان کو یہ بشارت ہوئی کہ

حضرت اسماعیل علیہ السلام کے حق میں جو دعا آپ نے کی وہ قبول ہوئی اور اللہ تعالیٰ ان کی نسل میں بڑی برکت دے گا اور بارہ بڑی بڑی ہستیاں ان میں پیدا فرمائے گا۔ ٹھیک اسی نوع کی بشارت آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی اپنی امت میں بارہ خلفاء کے متعلق دی ہے۔ حافظ سہیلی لکھتے ہیں کہ عورتوں میں ختنہ کی رسم سب سے پہلے حضرت ہاجرہ سے شروع ہوئی ہے اور کان چھدوانے اور دامن دراز رکھنے کی سنت کی ابتداء بھی ان ہی سے ہوئی ہے۔

حافظ ابن کثیر رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے حضرت اسماعیل علیہ السلام کو جس بیوی کے طلاق دینے کا حکم دیا تھا اس کا نام عمارہ بنت سعد تھا اور جس کے ساتھ نباہ کا حکم دیا تھا اس کا نام السیدہ بنت مضاض تھا۔

حضرت اسماعیل علیہ السلام کی زندگی میں بیت اللہ کی تعمیر کا شرف اور قربان کے لئے ذبح ہونے کا واقعہ سب سے زیادہ نمایاں ہیں۔

حضرت اسماعیل علیہ السلام کے ذبیح ہونے میں اہل اسلام اور اہل کتاب کے درمیان مناقشات و مباحثات کی پوری تفصیلات اپنے مقام میں مدون ہیں ان کو یہاں نقل کرنے کا محل نہیں۔ حافظ ابن کثیر رحمۃ اللہ علیہ تحریر فرماتے ہیں کہ قرآن کریم کے ظاہری الفاظ میں حضرت اسحاق علیہ السلام کے ذبیح ہونے کی کوئی گنجائش نہیں ہے کیونکہ پہلے قرآن کریم نے ذبیح کا قصہ ذکر فرمایا ہے اس کے بعد ارشاد ہوا ہے "وبشرناه باسحق نبيا من الصالحين" گویا ذبیح کا قصہ حضرت اسحاق علیہ السلام کی ولادت کی بشارت سے بھی پہلا ہے۔ پھر حضرت اسحاق علیہ السلام ذبیح کیسے ہو سکتے ہیں؟ حافظ موصوف نے یہاں محمد بن کعب قرظی کا ایک دوسرا عجیب استدلال اور نقل کیا ہے کہ قرآن کریم میں ارشاد ہے:

"فبشرنها باسحق ومن وراء اسحق يعقوب"

(تو ہم نے اس کو اسحق کی اور اسحق کے بعد یعقوب کی خوشخبری دی)

آیت بالا میں جب حضرت اسحاق کو حضرت یعقوب علیہ الصلوٰۃ والسلام کے عطا ہونے کی بشارت دی گئی تھی تو اب یہ کیسے مناسب تھا کہ حضرت یعقوب علیہ السلام کی ولادت سے قبل صغر سنی ہی میں حضرت اسحق علیہ السلام کے ذبح کرنے کا حکم دے دیا جاتا۔ اندازہ فرمایئے کہ ایک طرف ان کے ذبح کا حکم دوسری طرف ان کے فرزند کی بشارت کیا یہ دونوں باتیں جوڑ کھاتی ہیں۔ (البدایہ والنہایہ)

واضح رہے کہ ہم نے صرف وقتی لحاظ سے یہاں حافظ موصوف کی تاریخ کے یہ دو نکتے نقل کر دیئے ہیں ان سے مسئلہ کا فیصلہ نہیں ہوتا۔ حافظ ابن قیم اور دیگر علماء اسلام نے ہر پہلو سے اس مسئلہ پر سیر حاصل بحثیں کر دی ہیں وہ دیکھی جائیں۔

عَنْ صَفِيَّةَ بِنْتِ شَيْبَةَ قَالَتْ أَخْبَرَتْنِي امْرَأَةٌ مِنْ بَنِي سُلَيْمٍ قَالَتْ أَرْسَلَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِلَى عُثْمَانَ بْنِ طَلْحَةَ وَقَالَ مَرَّةً إِنَّهَا سَأَلَتْ عُثْمَانَ لِمَ دَعَاكَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ إِنِّي كُنْتُ رَأَيْتُ قَرْنَيِ الْكَبْشِ حِيْنَ دَخَلْتُ الْبَيْتَ فَنَسِيْتُ أَنْ آمُرَكَ أَنْ تُخَمِّرَهُمَا فَخَمِّرْهُمَا فَإِنَّهُ لَا يَنْبَغِيْ أَنْ يَكُوْنَ فِي الْبَيْتِ شَيْءٌ يَشْغَلُ الْمُصَلِّيَ قَالَ سُفْيَانُ لَمْ تَزَلْ قَرْنَا الْكَبْشِ فِي الْبَيْتِ حَتّٰى احْتَرَقَ الْبَيْتُ فَاحْتَرَقَا۔ (رواہ احمد)

صفیہ بنت شیبہ روایت کرتی ہیں کہ بنو سلیم قبیلہ کی ایک عورت نے مجھ سے بیان کیا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے عثمان

بن علیہ نے کہلا بھیجا تو انہوں نے عثمان سے پوچھا تھا (راوی کو شک ہے) کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے تم کو کیوں بلایا تھا؟
انہوں نے کہا یہ کہنے کے لیے بلایا تھا کہ جب میں بیت اللہ میں داخل ہوا تو میں نے اس میں ذبح کیے ہوئے مینڈھے کے دو
سینگ رکھے دیکھے تھے مجھے ان کے متعلق تم سے یہ کہنا تھا کہ ان کو ڈھک دینا تو آپ نے فرمایا ان کو ڈھک دو کیونکہ بیت اللہ
کے اندر کسی چیز کا ہونا مناسب نہیں ہے جو نماز پڑھنے والے کی توجہ کو ہٹائے۔ سفیان راوی حدیث کہتے ہیں کہ دو
دونوں سینگ بیت اللہ میں پیوستہ رہے یہاں تک کہ جب بیت اللہ کے جلنے کا حادثہ پیش آیا تو وہ بھی اس میں جل گئے تھے۔

ابن عباس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ کعبہ کے پرنالے کے پاس اس مینڈھے کا سر لٹکا ہوا تھا جس کے سینگ تھے وہ سوکھ گیا تھا۔

تشریح۔ حافظ ابن کثیر رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ صرف یہی ایک روایت حضرت اسماعیل علیہ السلام کے ذبیح ہونے کے لیے کافی
ہے کیونکہ وہ قربانی میں پیش کیے گئے مینڈھے کے سینگ تھے جو مکہ میں تھے اور حضرت اسحاق علیہ السلام کی مکہ میں یہاں آمد کا ثبوت نہیں۔

عن سعيد بن جبير قال ابن عباس أول ما اتخذ النساء المنطق من قبل أم إسمعيل اتخذت
منطقا لتعفي أثرها على سارة ثم جاء بها إبراهيم وبابنها إسمعيل وهي ترضعه حتى وضعهما
عند البيت عند دوحة فوق زمزم في أعلى المسجد وليس بمكة يومئذ أحد وليس بها ماء
فوضعهما هنالك ووضع عندهما جرابا فيه تمر وسقاء فيه ماء ثم قفى إبراهيم منطلقا فتبعته أم
إسمعيل فقالت يا إبراهيم أين تذهب وتتركنا في هذا الوادي الذي ليس فيه إنس ولا شيء
فقالت له ذلك مرارا وجعل لا يلتفت إليها فقالت له آلله أمرك بهذا قال نعم قالت إذن لا
يضيعنا ثم رجعت فانطلق إبراهيم حتى إذا كان عند الثنية حيث لا يرونه استقبل بوجهه البيت
ثم دعا بهؤلاء الدعوات ورفع يديه فقال رب إني أسكنت من ذريتي بواد غير ذي زرع عند
بيتك المحرم حتى بلغ يشكرون وجعلت أم إسمعيل ترضع إسمعيل وتشرب من ذلك الماء حتى إذا نفد ما
في السقاء عطشت وعطش ابنها وجعلت تنظر إليه يتلوى أو قال يتلبط فانطلقت كراهية أن
تنظر إليه فوجدت الصفا أقرب جبل في الأرض يليها فقامت عليه ثم استقبلت الوادي تنظر
هل ترى أحدا فلم تر أحدا فهبطت من الصفا حتى إذا بلغت الوادي رفعت طرف درعها ثم
سعت سعي الإنسان المجهود حتى جاوزت الوادي ثم أتت المروة فقامت عليها فنظرت هل
ترى أحدا فلم تر أحدا ففعلت ذلك سبع مرات قال ابن عباس قال النبي صلى الله عليه وسلم فذلك
سعي الناس بينهما فلما أشرفت على المروة سمعت صوتا فقالت صه تريد نفسها ثم تسمعت
فسمعت أيضا فقالت قد أسمعت إن كان عندك غواث فإذا هي بالملك عند موضع زمزم
فبحث بعقبه أو قال بجناحه حتى ظهر الماء فجعلت تحوضه وتقول بيدها هكذا وجعلت
تغرف من الماء في سقائها وهو يفور بعد ما تغرف قال ابن عباس قال النبي صلى الله عليه

وسلم يرحم الله أم إسمعيل لو تركت زمزم أو قال لو لم تغرف من الماء لكانت زمزم عينا
معينا قال فشربت وأرضعت ولدها فقال لها الملك لا تخافي الضيعة فإن ههنا بيت الله يبني
هذا الغلام وأبوه وإن الله لا يضيع أهله وكان البيت مرتفعا من الأرض كالرابية تأتيه السيول
فتأخذ عن يمينه وشماله فكانت كذلك حتى مرت بهم رفقة من جرهم أو أهل بيت من
جرهم مقبلين من طريق كداء فنزلوا في أسفل مكة فرأوا طائرا عائفا فقالوا إن هذا الطائر ليدور
على الماء لعهدنا بهذا الوادي وما فيه ماء فأرسلوا جريا أو جريين فإذا هم بالماء فرجعوا
فأخبروهم بالماء فأقبلوا قال وأم إسمعيل عند الماء فقالوا أتأذنين لنا أن ننزل عندك فقالت نعم
ولكن لا حق لكم في الماء قالوا نعم قال ابن عباس قال النبي صلى الله عليه وسلم فألفى ذلك
أم إسمعيل وهي تحب الأنس فنزلوا وأرسلوا إلى أهليهم فنزلوا معهم حتى إذا كان بها أهل
أبيات منهم وشب الغلام وتعلم العربية منهم وأنفسهم وأعجبهم حين شب فلما أدرك
زوجوه امرأة منهم وماتت أم إسمعيل فجاء إبراهيم بعد ما تزوج إسمعيل يطالع تركته فلم يجد
إسمعيل فسأل امرأته عنه فقالت خرج يبتغي لنا ثم سألها عن عيشهم وهيئتهم فقالت نحن
بشر نحن في ضيق وشدة فشكت إليه قال فإذا جاء زوجك فاقرئي عليه السلام وقولي له يغير
عتبة بابه فلما جاء إسمعيل كأنه آنس شيئا فقال هل جاءكم من أحد قالت نعم جاءنا شيخ
كذا وكذا فسألنا عنك فأخبرته وسألني كيف عيشنا فأخبرته أنا في جهد وشدة قال فهل أوصاك
بشيء قالت نعم أمرني أن أقرأ عليك السلام ويقول غير عتبة بابك قال ذاك أبي وقد
أمرني أن أفارقك الحقي بأهلك فطلقها وتزوج منهم أخرى فلبث عنهم إبراهيم ما شاء الله
ثم أتاهم بعد فلم يجده فدخل على امرأته فسألها عنه فقالت خرج يبتغي لنا قال كيف أنتم
وسألها عن عيشهم وهيئتهم فقالت نحن بخير وسعة وأثنت على الله قال ما طعامكم قالت
اللحم قال فما شرابكم قالت الماء قال اللهم بارك لهم في اللحم والماء قال النبي صلى الله
عليه وسلم ولم يكن لهم يومئذ حب ولو كان لهم دعا لهم فيه قال فهما لا يخلو عليهما أحد
بغير مكة إلا لم يوافقاه قال فإذا جاء زوجك فاقرئي عليه السلام ومريه يثبت عتبة بابه
فلما جاء إسمعيل قال هل أتاكم من أحد قالت نعم أتانا شيخ حسن الهيئة وأثنت عليه فسألني
عنك فأخبرته فسألني كيف عيشنا فأخبرته أنا بخير قال فأوصاك بشيء قالت نعم هو يقرأ
عليك السلام ويأمرك أن تثبت عتبة بابك قال ذاك أبي وأنت العتبة أمرني أن أمسكك
ثم لبث عنهم ما شاء الله ثم جاء بعد ذلك وإسمعيل يبري نبلا له تحت دوحة قريبا من زمزم فلما

رَآهُ قَامَ إِلَيْهِ فَصَنَعَا كَمَا يَصْنَعُ الْوَالِدُ بِالْوَلَدِ وَالْوَلَدُ بِالْوَالِدِ ثُمَّ قَالَ يَا إِسْمٰعِيلُ إِنَّ اللّٰهَ أَمَرَنِيْ بِأَمْرٍ قَالَ فَاصْنَعْ كَمَا أَمَرَكَ رَبُّكَ قَالَ وَتُعِيْنُنِيْ قَالَ وَأُعِيْنُكَ قَالَ فَإِنَّ اللّٰهَ أَمَرَنِيْ أَنْ أَبْنِيَ هٰهُنَا بَيْتًا وَأَشَارَ إِلَى أَكَمَةٍ مُرْتَفِعَةٍ عَلٰى مَا حَوْلَهَا قَالَ فَعِنْدَ ذٰلِكَ رَفَعَا الْقَوَاعِدَ مِنَ الْبَيْتِ فَجَعَلَ إِسْمٰعِيلُ يَأْتِيْ بِالْحِجَارَةِ وَإِبْرَاهِيْمُ يَبْنِيْ حَتّٰى إِذَا ارْتَفَعَ الْبِنَاءُ جَاءَ بِهٰذَا الْحَجَرِ فَوَضَعَهُ فَقَامَ عَلَيْهِ وَهُوَ يَبْنِيْ وَإِسْمٰعِيلُ يُنَاوِلُهُ الْحِجَارَةَ وَهُمَا يَقُوْلَانِ رَبَّنَا تَقَبَّلْ مِنَّا إِنَّكَ أَنْتَ السَّمِيْعُ الْعَلِيْمُ قَالَ فَجَعَلَا يَبْنِيَانِ حَتّٰى يَدُوْرَا حَوْلَ الْبَيْتِ وَهُمَا يَقُوْلَانِ رَبَّنَا تَقَبَّلْ مِنَّا إِنَّكَ أَنْتَ السَّمِيْعُ الْعَلِيْمُ۔ (رواہ البخاری)

سعید بن جبیر سے روایت ہے کہ ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں سب سے پہلے جس نے منطق کا لباس بنایا تھا وہ حضرت اسماعیل علیہ السلام کی والدہ تھیں انہوں نے یہ لباس اس لیے بنایا تھا تاکہ زمین پر اس کے گھسٹنے سے ان کے نشانات قدم محو ہو جائیں جو حضرت سارہ کو ان کا پتہ نہ لگ سکے۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام ان کو اور ان کے بچے کو جو اس وقت تک دودھ پیتے تھے لے کر چلے یہاں تک کہ ایک بڑے درخت کے نیچے زمزم کے پاس مسجد کے بالائی حصہ میں لا کر ان دونوں کو چھوڑ دیا۔ اس وقت مکہ مکرمہ میں نہ کوئی آبادی تھی اور نہ وہاں کہیں پانی تھا۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے ان دونوں کو وہاں چھوڑا اور ان کے پاس کھجور کا ایک تھیلا اور پانی کا ایک مشکیزہ رکھ دیا اور پھر رخ پھیر کر روانہ ہو گئے۔ حضرت اسماعیل علیہ السلام کی والدہ ان کے پیچھے پیچھے یہ کہتی ہوئی چلیں ابراہیم! ہم کو اس وادی میں چھوڑ کر کدھر جا رہے ہو جہاں نہ کوئی چیز ہے اور نہ کوئی غم خوار بار بار وہ یہ فرما رہی تھیں اور حضرت ابراہیم علیہ السلام تھے کہ ان کی طرف ذرا التفات نہ فرماتے تھے آخر انہوں نے کہا کیا اللہ تعالیٰ نے آپ کو اس کا حکم دیا ہے؟ انہوں نے (گردن کے اشارہ سے فرمایا) ہاں۔ اس پر انہوں نے کہا تو پھر وہ ہم کو پریشان ہونے نہیں دے گا۔ یہ کہہ کر واپس لوٹ گئیں۔ ابراہیم علیہ السلام جب گھاٹی سے اتنی دور نکل گئے جہاں سے ان کے اہل و عیال ان کو دیکھ نہ سکیں تو قبلہ رو ہو کر اور ہاتھ اٹھا کر دعا مانگی ہمارے پروردگار! میں نے اپنی کچھ اولاد تیرے محترم گھر کے پاس ایک ایسی وادی میں لا کر بسا دی ہے جس میں کہیں کھیتی کا نام و نشان نہیں اے ہمارے رب! یہ اس لیے کہ وہ نماز قائم کریں (آخر آیت تک) ادھر ہاجرہ تھیلا کی کھجوریں کھاتی رہیں اور مشک کا پانی پیتی رہیں یہاں تک کہ جب مشک کا پانی ختم ہو گیا تو وہ اور ان کا بچہ تشنگی سے پریشان ہوئے وہ دیکھ رہی تھیں کہ بچہ شدت تشنگی سے پلٹیاں کھا رہا ہے۔ یہ حالت دیکھ کر ان سے رہا نہ گیا اور اس کو چھوڑ کر وہ چل دیں تاکہ اس کی حالت زار اپنی آنکھوں سے نہ دیکھیں سب سے زیادہ قریب ان کو صفا کی پہاڑی نظر آئی وہ اس پر کھڑے ہو کر وادی کی طرف منہ کر کے دیکھنے لگیں کہ کوئی نظر آتا ہے مگر کوئی نظر نہ آیا آخر صفا سے اتریں اور جب وادی (کے نشیب میں) پہنچیں تو اپنے پیراہن کا کنارہ اٹھا کر اس طرح دوڑیں جیسے کہ ایک پریشان حال انسان دوڑا کرتا ہے یہاں تک کہ وادی کے نشیب سے نکل گئیں۔ پھر وہ مروہ پہاڑی پر آ گئیں اور یہاں بھی کھڑے ہو کر دیکھنے لگیں کہ کوئی شخص نظر آتا ہے مگر کوئی نظر نہ آیا سات مرتبہ اسی طرح چکر لگاتی رہیں۔ ابن عباس کہتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ان ہی کی اتباع میں لوگ صفا و مروہ کے درمیان سعی کرتے ہیں۔ آخر میں جب مروہ پر چڑھیں تو ایک آواز سنی انہوں نے اپنے دل میں کہا خاموش رہ (تاکہ اس آواز کو

بغور سن لیں) پھر کان لگایا تو پھر آواز آئی۔ انہوں نے فرمایا تم نے اپنی آواز تو سنا دی اب اگر کچھ مدد بھی کر سکتے ہو تو کرو۔ دیکھتی کیا ہیں کہ جہاں اب چاہ زمزم ہے یہاں ایک فرشتہ ہے اس نے اپنی ایڑی یا اپنے بازو سے اشارہ کیا تو پانی نکلنے لگا۔ ہاجرہ اپنے دونوں ہاتھوں سے اس کو گھیرنے لگیں اور پانی لے لے کر اپنی مشک میں بھرنے لگیں مگر پانی ان کے بھرنے کے بعد بھی اُبل رہا تھا۔ ابن عباس کہتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا' اللہ تعالیٰ اسماعیل علیہ السلام کی والدہ پر رحمت نازل فرمائے' اگر کہیں وہ زمزم کو چھوڑ دیتیں یا یہ فرمایا کہ اس کو ہاتھوں سے اُٹھا اُٹھا کر مشک میں نہ بھرتیں تو یہ آج بہتا ہوا چشمہ ہوتا۔ پھر انہوں نے پانی پیا اور اپنے بچے کو دودھ پلایا' فرشتے نے اُن سے کہا اس بچے کی ہلاکت کا خوف نہ کرو یہاں بیت اللہ ہے یہ بچہ اور اس کا والد اس کی تعمیر کریں گے اور اللہ تعالیٰ ان کو پریشان نہیں کرے گا۔ اس وقت بیت اللہ کی جگہ زمین ایک ٹیلہ کی طرح ابھری ہوئی تھی جب سیل آتی تو اس کے دائیں بائیں سے بہہ کر نکل جاتی تھی۔ اسی طرح وقت گزرتا رہا' یہاں تک کہ جرہم کا ایک قافلہ یا ایک خاندان اس طرف سے گزرا جو سامنے سے کداء کی طرف سے آرہا تھا۔ وہ آکر مکہ کے نشیب کی بائیں جانب اترا' انہوں نے پرندہ منڈلاتا ہوا دیکھا تو کہا یہ پرندہ تو پانی ہی پر منڈلایا کرتا ہے ہم اس وادی میں پہلے بھی گزرے ہیں مگر یہاں تو پانی نہ تھا۔ انہوں نے ایک یا دو مستعد شخص بھیجے' انہوں نے لوٹ کر پانی کا حال بیان کیا۔ وہ اس طرف آئے تو اس وقت اسماعیل علیہ السلام کی والدہ پانی کے پاس بیٹھی تھیں۔ انہوں نے کہا اجازت ہو تو ہم بھی آپ کے پڑوس میں آبسیں؟ انہوں نے فرمایا شوق سے مگر پانی میں تمہارا کوئی حق نہ ہوگا۔ انہوں نے کہا بہت اچھا۔ ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ کہتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا' اسماعیل علیہ السلام کی والدہ نے یہ اس لیے منظور فرمالیا کہ وہ تنہا تھیں اور انس کا کوئی سامان خود چاہتی تھیں۔ چنانچہ وہ قافلہ وہاں آگیا اور انہوں نے بقیہ لوگوں کو بھی کہلا بھیجا وہ بھی وہیں آکر آباد ہو گئے یہاں تک کہ جب یہاں ان کے کئی گھر آباد ہو گئے ادھر اسماعیل علیہ السلام جوان ہو گئے تھے' دوران میں رہ کر عربی زبان بھی سیکھ چکے تھے۔ ان کے طور طریق اور حسن و جمال کی وجہ سے ان کی نظروں میں کھپ گئے تھے۔ لہٰذا انہوں نے اپنے خاندان کی ایک خاتون سے ان کی شادی کر دی۔ اب اسماعیل علیہ السلام کی والدہ کی وفات ہو گئی تھی۔ جب ابراہیم علیہ السلام اس بے آب و گیاہ میدان میں اپنے چھوڑے ہوئے بچہ کو دیکھنے کے لیے تشریف لائے تو اس وقت ان کی شادی ہو چکی تھی' مگر اسماعیل علیہ السلام موجود نہ تھے تو ان کی بیوی سے پوچھا' اسماعیل کہاں گئے ہیں؟ اس نے کہا ہمارے لیے رزق تلاش کرنے کی فکر میں گئے ہوئے ہیں۔ اس کے بعد انہوں نے ان کے گزران کا حال پوچھا تو بیوی نے کہا بہت خراب' بڑی تنگی اور مصیبت سے گزر ہوتی ہے۔ غرض کہ اس نے شکایت ہی کے الفاظ کہے' انہوں نے فرمایا کہ جب اسماعیل (علیہ السلام) آئیں تو ان سے ہمارا سلام کہنا اور کہنا کہ اپنے دروازہ کی چوکھٹ تبدیل کر دیں۔ جب اسماعیل علیہ السلام واپس ہوئے تو ان کو اپنے والد کی آمد کا کچھ احساس ہوا' اس لیے انہوں نے پوچھا' ہمارے پاس کوئی صاحب آئے تھے اس نے جواب دیا جی ہاں ایک بوڑھے شخص آئے تھے انہوں نے پہلے تو آپ کا پوچھا میں نے بتا دیا' پھر ہمارے گزران کا حال پوچھا تو میں نے کہہ دیا کہ تکلیف اور تنگی میں گزرتی ہے۔ انہوں نے پوچھا اچھا انہوں نے کوئی اور بات تم سے کہی ہے۔ اس نے کہا جی ہاں یہ کہ میں آپ کو ان کا سلام کہہ دوں اور یہ بھی فرماتے تھے کہ آپ اپنے دروازہ کی چوکھٹ بدل دیں۔ یہ سن کر انہوں

نے فرمایا: یہ میرے والد تھے اور مجھ کو حکم دے گئے ہیں کہ میں تم کو طلاق دے دوں۔ لہٰذا تم کو طلاق ہے اپنے خاندان میں چلی جاؤ۔ اس کے بعد انہوں نے اسی خاندان کی دوسری لڑکی سے شادی کر لی۔ اس عرصہ میں جب تک اللہ تعالیٰ کو منظور تھا ابراہیم علیہ السلام کا اس طرف آنا نہ ہو سکا۔ پھر جب بعد میں آئے تو اسماعیل علیہ السلام ان کو پھر نہ ملے ان کی بیوی سے دریافت کیا تو معلوم ہوا کہیں باہر تشریف لے گئے ہیں تاکہ ہمارے رزق کا سامان کریں۔ انہوں نے کچھ اور حالات دریافت کرنے کے بعد ان سے بھی گزران کا حال پوچھا تو بیوی نے جواب دیا بہت راحت سے بسر ہوتی ہے اور اللہ تعالیٰ کی نعمتوں کی بڑی مدح سرائی کی۔ انہوں نے دریافت کیا اچھا تمہاری خوراک کیا ہے؟ اس نے کہا گوشت۔ انہوں نے پوچھا پینے کے لیے کیا ملتا ہے؟ انہوں نے کہا پانی۔ یہ سن کر ابراہیم علیہ السلام نے ان کو دعا دی: الٰہی! ان کے گوشت اور پانی میں اور برکت ہو۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے تھے کہ اس زمانہ تک ان کے ہاں غلہ تھا ہی نہیں اس لیے انہوں نے صرف گوشت ہی کا ذکر کیا۔ اگر وہاں غلہ ہوتا تو اس کے لیے بھی حضرت ابراہیم علیہ السلام ضرور دعا فرماتے اور ان کی اس دعا کی ہی کی برکت کا نتیجہ ہے کہ مکہ مکرمہ کے علاوہ صرف گوشت اور پانی کی غذا کہیں موافق نہیں آتی۔ انہوں نے فرمایا: اچھا تو جب تمہارے شوہر آ گئیں تو ان سے ہمارا سلام کہنا اور کہنا کہ اپنے دروازہ کی چوکھٹ قائم رکھیں۔ جب اسماعیل علیہ السلام آئے تو انہوں نے پوچھا کوئی شخص تمہارے پاس آئے تھے؟ اس نے کہا ہمارے پاس ایک بڑے باوقار شخص تشریف لائے تھے اور ان کی بڑی تعریف کی۔ انہوں نے پہلے تو آپ کے متعلق پوچھا تھا میں نے بتلا دیا تھا اس کے بعد انہوں نے ہمارے گزران کا حال پوچھا تو میں نے کہہ دیا ہم بہت راحت میں ہیں۔ انہوں نے فرمایا: اچھا انہوں نے تم سے کچھ اور بھی کہا ہے؟ اس نے جواب دیا جی ہاں آپ کو سلام کہنے کے لیے کہا اور کہا ہے کہ آپ اپنے دروازہ کی چوکھٹ برقرار رکھیں۔ اسماعیل علیہ السلام نے فرمایا: یہ میرے والد تھے اور یہ فرما گئے ہیں کہ میں تم کو کبھی جدا نہ کروں۔ اس کے بعد پھر ایک مدت تک ابراہیم علیہ السلام کا آنا نہ ہو سکا۔ پھر جب آئے تو اس وقت اسماعیل علیہ السلام زمزم کے قریب درخت کے نیچے بیٹھے ہوئے تیر تیار کر رہے تھے۔ جب ان کی نظر والد پر پڑی تو بے اختیار کھڑے ہو گئے اور دونوں نے باپ بیٹے کے محبت و تکریم کے جو فرائض ہوتے ہیں وہ باہم ادا کیے اس کے بعد حضرت ابراہیم علیہ السلام نے فرمایا: اسماعیل! اللہ تعالیٰ نے مجھ کو ایک بات کا حکم دیا ہے۔ انہوں نے کہا تو جس طرح آپ کے رب نے آپ کو حکم دیا ہے کیجئے۔ انہوں نے فرمایا: تم بھی میری کچھ مدد کرو گے؟ انہوں نے عرض کی ضرور مدد کروں گا۔ انہوں نے فرمایا: اچھا تو مجھ کو اس کا حکم دیا ہے کہ میں یہاں اس ابھرے ہوئے ٹیلے کے ارد گرد ایک گھر بناؤں اور اس کی طرف اشارہ فرمایا۔ اس کے بعد دونوں نے مل کر بیت اللہ کی بنیادیں بلند کیں۔ اسماعیل علیہ السلام پتھر لاتے اور ابراہیم علیہ السلام ان کو لگاتے جاتے یہاں تک کہ جب تعمیر اونچی ہو گئی تو یہ مقام ابراہیم والا پتھر لائے انہوں نے اس کو لا کر رکھ دیا۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام اس پر کھڑے ہوئے وہ بیت اللہ کی تعمیر کرتے جاتے اور اسماعیل علیہ السلام ان کو پتھر دیتے جاتے اور دونوں کی زبان پر یہ کلمات جاری تھے۔ "رَبَّنَا تَقَبَّلْ مِنَّا الخ" ہمارے پروردگار! ہماری خدمت قبول فرما لے تو سننے والا اور جاننے والا ہے۔ راوی کہتا ہے کہ وہ دونوں تعمیر کرتے جاتے تھے اور بیت کے ارد گرد گھوم گھوم کر یہ دعا مانگتے جاتے تھے "رَبَّنَا تَقَبَّلْ مِنَّا اِنَّکَ اَنْتَ السَّمِیْعُ الْعَلِیْمُ الخ" (بخاری شریف)

حضرت موسیٰ علیہ السلام کلیم اللہ

عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَنَّهُ ذَكَرَ لَيْلَةَ اُسْرِيَ بِهِ فَقَالَ مُوْسٰى اٰدَمُ طُوَالٌ كَاَنَّهُ مِنْ رِجَالِ شَنُوْءَةَ وَقَالَ عِيْسٰى جَعْدٌ مَرْبُوْعٌ وَذَكَرَ مَالِكًا خَازِنَ النَّارِ وَذَكَرَ الدَّجَّالَ. (رواہ البخاری)

ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے شب معراج کا تذکرہ کرتے ہوئے فرمایا کہ موسیٰ گندم گوں رنگ اور دراز قامت تھے جیسے قبیلہ شنوءہ کے لوگ ہوتے ہیں، اور عیسیٰ علیہ السلام گھنگریالے بال والے اور میانہ قد کے تھے اور اس شب کے عجائبات میں آپ نے مالک داروغہ دوزخ اور دجال کے دیکھنے کا بھی ذکر فرمایا۔ (بخاری شریف)

عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ قَالَ خَرَجَ عَلَيْنَا النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَوْمًا فَقَالَ عُرِضَتْ عَلَيَّ الْاُمَمُ وَرَاَيْتُ سَوَادًا كَثِيْرًا سَدَّ الْاُفُقَ فَقِيْلَ هٰذَا مُوْسٰى فِيْ قَوْمِهِ. (رواہ البخاری)

ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ روایت کرتے ہیں کہ ایک دن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم باہر تشریف لائے اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا میرے سامنے تمام امتیں پیش کی گئیں تو میں نے ایک امت اتنی کثیر تعداد میں دیکھی کہ تمام افق اس نے گھیر رکھا تھا اس وقت مجھ کو بتایا گیا یہ موسیٰ علیہ السلام اپنی امت میں ہیں۔ (بخاری شریف)

عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ اَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَمَّا قَدِمَ الْمَدِيْنَةَ وَجَدَهُمْ يَصُوْمُوْنَ يَوْمًا يَعْنِيْ يَوْمَ عَاشُوْرَاءَ فَقَالُوْا هٰذَا يَوْمٌ عَظِيْمٌ وَهُوَ يَوْمٌ نَجَّى اللّٰهُ فِيْهِ مُوْسٰى وَاَغْرَقَ اٰلَ فِرْعَوْنَ فَصَامَ مُوْسٰى شُكْرًا لِلّٰهِ فَقَالَ اَنَا اَوْلٰى بِمُوْسٰى مِنْهُمْ فَصَامَهُ وَاَمَرَ بِصِيَامِهِ (رواہ البخاری)

ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جب مدینہ تشریف لائے تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے دیکھا کہ یہاں لوگ عاشورہ کا روزہ رکھتے ہیں لوگوں نے کہا یہ بہت عظیم الشان دن ہے اس دن اللہ تعالیٰ نے موسیٰ علیہ السلام کو نجات عطا فرمائی تھی اور فرعون کو غرق فرمایا تو موسیٰ علیہ السلام نے شکر کے طور پر اس دن روزہ رکھا تھا آپ نے فرمایا ان سے زیادہ موسیٰ علیہ السلام سے قریب تر میں ہوں پھر آپ نے خود بھی روزہ رکھا اور لوگوں کو بھی روزہ رکھنے کا حکم دیا۔ (بخاری شریف)

عَنْ عَلِيِّ بْنِ رَبَاحٍ قَالَ سَمِعْتُ عُتْبَةَ بْنَ النُّدَّرِ يَقُوْلُ كُنَّا عِنْدَ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقَرَاَ طٰسٓ حَتّٰى اِذَا بَلَغَ قِصَّةَ مُوْسٰى عَلَيْهِ السَّلَامُ قَالَ اِنَّ مُوْسٰى اٰجَرَ نَفْسَهُ ثَمَانِيَ سِنِيْنَ اَوْ عَشْرَةً عَلٰى عِفَّةِ فَرْجِهِ وَطَعَامِ بَطْنِهِ (رواہ ابن ماجۃ)

علی بن رباح کہتے ہیں کہ میں نے عتبہ بن الندر سے خود سنا ہے وہ بیان کرتے تھے کہ ہم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر تھے ایسا ہوا کہ آپ نے اس وقت سورہ "طسٓ" تلاوت فرمائی۔ جب آپ موسیٰ علیہ السلام کے قصہ پر پہنچے تو فرمایا کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے اپنی پاک دامنی اور اپنی معاش کی خاطر آٹھ یا دس سال کے لیے اپنی خدمات سپرد کردی تھیں۔ (ابن ماجہ)

عَنْ اَنَسٍ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَرَاَ (فَلَمَّا تَجَلّٰى رَبُّهُ لِلْجَبَلِ جَعَلَهُ دَكًّا) قَالَ هٰكَذَا بِاِصْبَعِهِ وَوَضَعَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ الْاِبْهَامَ عَلَى الْمَفْصَلِ الْاَعْلٰى مِنَ الْخِنْصَرِ

فَسَاخَ الْجَبَلُ۔ (رواہ ابن جریر و رواہ احمد و الترمذی و صححہ والحاکم ایضاً)

انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ روایت فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے قرآن شریف کی یہ آیت پڑھی: فَلَمَّا تَجَلّٰی رَبُّهٗ لِلْجَبَلِ الخ" اور آپ نے اپنا انگوٹھا انگلی کے اوپر کے پورے پر رکھ کر بتایا کہ بس اتنی سی تجلی ہوئی تھی کہ طور پہاڑ زمین میں دھنس گیا تھا۔ (احمد، ترمذی)

عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ اَنَّ بَنِیْ اِسْرَآئِیْلَ قَالُوْا لِمُوْسٰی هَلْ یَنَامُ رَبُّكَ قَالَ اتَّقُوا اللّٰهَ فَنَادَاهُ رَبُّهٗ یَا مُوْسٰی سَاَلُوْكَ هَلْ یَنَامُ رَبُّكَ فَخُذْ زُجَاجَتَیْنِ فِیْ یَدَیْكَ فَقُمِ اللَّیْلَ فَفَعَلَ مُوْسٰی فَلَمَّا ذَهَبَ مِنَ اللَّیْلِ ثُلُثٌ نَعَسَ فَوَقَعَ لِرُكْبَتَیْهِ ثُمَّ انْتَعَشَ فَضَبَطَهُمَا حَتّٰی اِذَا كَانَ اٰخِرُ اللَّیْلِ نَعَسَ فَسَقَطَتِ الزُّجَاجَتَانِ فَانْكَسَرَتَا فَقَالَ یَا مُوْسٰی لَوْ كُنْتُ اَنَامُ لَسَقَطَتِ السَّمٰوٰتُ وَالْاَرْضُ فَهَلَكْنَ كَمَا هَلَكَتِ الزُّجَاجَتَانِ فِیْ یَدَیْكَ. قَالَ فَاَنْزَلَ اللّٰهُ عَلٰی رَسُوْلِهٖ اٰیَةَ الْكُرْسِیِّ. (رواہ ابن ابی حاتم کذا فی البدایۃ والنہایۃ)

ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ کہتے ہیں کہ بنی اسرائیل نے موسیٰ علیہ السلام سے پوچھا "فرمائیے آپ کا پروردگار کیا سوتا بھی ہے؟" انہوں نے فرمایا: اللہ سے ڈرو۔ اس پر ان کے پروردگار کی طرف سے آواز آئی: اے موسیٰ! یہ لوگ تجھ سے پوچھتے ہیں کہ کیا آپ کا پروردگار سوتا ہے؟ تو تم اپنے دونوں ہاتھوں میں دو شیشے لے لو اور رات بھر کھڑے رہنا۔ موسیٰ علیہ السلام فرماتے ہیں کہ جب تہائی شب گزری تو ان کو اونگھ آئی اور وہ گھٹنوں کے بل گر گئے پھر اٹھ کر سنبھلے یہاں تک کہ جب آخر شب ہوئی تو پھر اونگھے اور دونوں شیشے ہاتھوں سے گر کر ٹوٹ گئے۔ ارشاد ہوا: اے موسیٰ! اگر کہیں ہم سوتے تو زمین و آسمان گر کر اسی طرح پاش پاش ہو جاتے جیسے تمہارے ہاتھوں میں یہ دونوں شیشے ہو گئے۔

عَنْ اَبِیْ هُرَیْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ اِنَّ مُوْسٰی كَانَ رَجُلًا حَیِیًّا سِتِّیْرًا لَا یُرٰی مِنْ جِلْدِهٖ شَیْءٌ اسْتِحْیَاءً مِنْهُ فَاٰذَاهُ مَنْ اٰذَاهُ مِنْ بَنِیْ اِسْرَآئِیْلَ فَقَالُوْا مَا یَسْتَتِرُ هٰذَا التَّسَتُّرَ اِلَّا مِنْ عَیْبٍ بِجِلْدِهٖ اِمَّا بَرَصٌ وَاِمَّا اُدْرَةٌ وَاِمَّا اٰفَةٌ وَاِنَّ اللّٰهَ اَرَادَ اَنْ یُبَرِّئَهٗ مِمَّا قَالُوْا لِمُوْسٰی فَخَلَا یَوْمًا وَحْدَهٗ فَوَضَعَ ثِیَابَهٗ عَلَی الْحَجَرِ ثُمَّ اغْتَسَلَ فَلَمَّا فَرَغَ اَقْبَلَ اِلٰی ثِیَابِهٖ لِیَاْخُذَهَا وَاِنَّ الْحَجَرَ عَدَا بِثَوْبِهٖ فَاَخَذَ مُوْسٰی عَصَاهُ وَطَلَبَ الْحَجَرَ فَجَعَلَ یَقُوْلُ ثَوْبِیْ حَجَرُ ثَوْبِیْ حَجَرُ حَتَّی انْتَهٰی اِلٰی مَلَاٍ مِنْ بَنِیْ اِسْرَآئِیْلَ فَرَاَوْهُ عُرْیَانًا اَحْسَنَ مَا خَلَقَ اللّٰهُ وَاَبْرَاَهٗ مِمَّا یَقُوْلُوْنَ وَقَامَ الْحَجَرُ فَاَخَذَ ثَوْبَهٗ فَلَبِسَهٗ وَطَفِقَ بِالْحَجَرِ ضَرْبًا بِعَصَاهُ فَوَاللّٰهِ اِنَّ بِالْحَجَرِ لَنَدَبًا مِنْ اَثَرِ ضَرْبِهٖ ثَلَاثًا اَوْ اَرْبَعًا اَوْ خَمْسًا فَذٰلِكَ قَوْلُهٗ تَعَالٰی یٰٓاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا لَا تَكُوْنُوْا كَالَّذِیْنَ اٰذَوْا مُوْسٰی فَبَرَّاَهُ اللّٰهُ مِمَّا قَالُوْا وَكَانَ عِنْدَ اللّٰهِ وَجِیْهًا. (رواہ البخاری)

ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ موسیٰ علیہ السلام بڑے شرمیلے اور بڑے پردہ والے شخص تھے، مارے شرم کے ان کے جسم کا کوئی حصہ کھلا نظر نہ آتا تھا۔ اس پر جن لوگوں کو ایذا دینی تھی آخر انہوں نے ان کو ایذا دی اور کہا کہ یہ جو اپنے جسم کو چھپانے میں اتنا مبالغہ کرتا ہے تو اس لیے ہوگا کہ ان کے جسم میں کوئی عیب ہے اب وہ برص ہو یا ورم

خصیہ یا کسی اور کوئی اور بیماری ہو اللہ تعالیٰ کی مشیت یہ ہوئی کہ موسیٰ علیہ السلام کو اس طعن سے بری فرمادے تو یوں ہوا کہ انہوں نے ایک دن تنہائی میں اپنے کپڑے اتار کر پتھر پر رکھ دیئے پھر غسل کرنے لگے جب غسل سے فارغ ہو گئے تو کپڑے لینے کے لیے پتھر کی طرف بڑھے پتھر ان کے کپڑے سمیت بھاگ پڑا۔ موسیٰ علیہ السلام اپنا عصا لے کر اس کے پیچھے یہ کہتے ہوئے لپکے "او پتھر میرے کپڑے، او پتھر میرے کپڑے" یہاں تک کہ بنی اسرائیل کے ایک مجمع میں جا پہنچے انہوں نے موسیٰ علیہ السلام کو ننگا دیکھا تو وہ اسی طرح بے عیب اور خوبصورت تھے جیسا بہتر سے بہتر کوئی خوبصورت اور بے عیب ہو سکتا ہے۔ یہاں آ کر پتھر ٹھہر گیا موسیٰ علیہ السلام نے اپنے کپڑے لے کر پہنے اور اپنا عصا لے کر پتھر پر کئی ضرب لگائیں عصائے موسیٰ علیہ السلام کی ضرب کے نشان اس پر تین یا چار یا پانچ ابھر گئیں حق تعالیٰ کے اس ارشاد کا واقعہ یہی ہے۔ "یایھا الذین آمنوا لا تکونوا۔ الخ" (بخاری شریف)

تشریح۔ پتھر میں تکوینی طور پر شعوری یا غیر شعوری حرکت پیدا ہو جانی بالکل ممکن ہے پھر جس پتھر سے شعوری حرکات سرزد ہوں اس کو ذی شعوری طرح خطاب کرنا بھی بالکل معقول ہے اور اس پر نشانات پڑنے میں تو کوئی بات ہی نہیں ہے۔ یہ بات اچھی طرح یاد رکھنی چاہیے کہ جو معاملات تکوینی ہیں یعنی براہ راست قدرت کے افعال ہیں ان کو بواسطہ اسباب افعال پر قیاس کرنا سخت غلطی ہے۔ آسمان یا زمین اتنے بڑے کرات متحرک ہیں مگر اس میں کسی کو ادنیٰ شبہ نہیں۔ یہ قدرت کے بلا واسطہ افعال ہیں پس اگر زمین جیسے بڑے کرہ کو حرکت کرنا ممکن ہے تو صرف ایک پتھر کی حرکت پر تعجب کیوں ہے۔ اصل یہ ہے کہ انبیاء علیہم السلام قدرت کے براہ راست ترجمان ہوتے ہیں اس لیے ان کے ماحول میں قدرت کے بہت سے براہ راست افعال کا ظہور ہوتا یہی ایک عادۃ اللہ ہے اس لیے یہاں "ولن تجد لسنۃ اللہ تبدیلا" کی آیت پڑھنا بے محل ہے۔

أَخْبَرَنِي سَعِيدُ بْنُ جُبَيْرٍ قَالَ قُلْتُ لِابْنِ عَبَّاسٍ إِنَّ نَوْفًا الْبِكَالِيَّ يَزْعُمُ أَنَّ مُوسَى لَيْسَ بِمُوسَى بَنِي إِسْرَائِيلَ إِنَّمَا هُوَ مُوسَى آخَرُ فَقَالَ كَذَبَ عَدُوُّ اللَّهِ حَدَّثَنَا أُبَيُّ بْنُ كَعْبٍ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ قَامَ مُوسَى النَّبِيُّ (علیہ السلام) خَطِيبًا فِي بَنِي إِسْرَائِيلَ فَسُئِلَ أَيُّ النَّاسِ أَعْلَمُ فَقَالَ أَنَا أَعْلَمُ فَعَتَبَ اللَّهُ عَلَيْهِ إِذْ لَمْ يَرُدَّ الْعِلْمَ إِلَيْهِ فَأَوْحَى اللَّهُ إِلَيْهِ أَنَّ عَبْدًا مِنْ عِبَادِي بِمَجْمَعِ الْبَحْرَيْنِ هُوَ أَعْلَمُ مِنْكَ قَالَ يَا رَبِّ وَكَيْفَ بِهِ فَقِيلَ لَهُ احْمِلْ حُوتًا فِي مِكْتَلٍ فَإِذَا فَقَدْتَهُ فَهُوَ ثَمَّ فَانْطَلَقَ وَانْطَلَقَ بِفَتَاهُ يُوشَعَ بْنِ نُونٍ وَحَمَلَا حُوتًا فِي مِكْتَلٍ حَتَّى كَانَا عِنْدَ الصَّخْرَةِ وَضَعَا رُءُوسَهُمَا وَنَامَا فَانْسَلَّ الْحُوتُ مِنَ الْمِكْتَلِ فَاتَّخَذَ سَبِيلَهُ فِي الْبَحْرِ سَرَبًا وَكَانَ لِمُوسَى وَفَتَاهُ عَجَبًا فَانْطَلَقَا بَقِيَّةَ لَيْلَتِهِمَا وَيَوْمِهِمَا فَلَمَّا أَصْبَحَ قَالَ مُوسَى لِفَتَاهُ آتِنَا غَدَاءَنَا لَقَدْ لَقِينَا مِنْ سَفَرِنَا هَذَا نَصَبًا وَلَمْ يَجِدْ مُوسَى مَسًّا مِنَ النَّصَبِ حَتَّى جَاوَزَ الْمَكَانَ الَّذِي أُمِرَ بِهِ فَقَالَ لَهُ فَتَاهُ أَرَأَيْتَ إِذْ أَوَيْنَا إِلَى الصَّخْرَةِ فَإِنِّي نَسِيتُ الْحُوتَ قَالَ مُوسَى ذَلِكَ مَا كُنَّا نَبْغِي فَارْتَدَّا عَلَى آثَارِهِمَا قَصَصًا فَلَمَّا انْتَهَيَا إِلَى الصَّخْرَةِ إِذَا رَجُلٌ مُسَجًّى بِثَوْبٍ أَوْ قَالَ تَسَجَّى بِثَوْبِهِ فَسَلَّمَ مُوسَى فَقَالَ الْخَضِرُ وَأَنَّى بِأَرْضِكَ السَّلَامُ فَقَالَ أَنَا مُوسَى فَقَالَ مُوسَى بَنِي إِسْرَائِيلَ قَالَ نَعَمْ قَالَ هَلْ أَتَّبِعُكَ عَلَى أَنْ

تُعَلِّمَنِ مِمَّا عُلِّمْتَ رُشْدًا قَالَ إِنَّكَ لَنْ تَسْتَطِيعَ مَعِيَ صَبْرًا يَا مُوسَى إِنِّي عَلَى عِلْمٍ مِنْ عِلْمِ اللّٰهِ عَلَّمَنِيهِ لَا تَعْلَمُهُ أَنْتَ وَأَنْتَ عَلَى عِلْمٍ عَلَّمَكَهُ اللّٰهُ لَا أَعْلَمُهُ قَالَ سَتَجِدُنِي إِنْ شَاءَ اللّٰهُ صَابِرًا وَلَا أَعْصِي لَكَ أَمْرًا فَانْطَلَقَا يَمْشِيَانِ عَلَى سَاحِلِ الْبَحْرِ لَيْسَ لَهُمَا سَفِينَةٌ فَمَرَّتْ بِهِمَا سَفِينَةٌ فَكَلَّمُوهُمْ أَنْ يَحْمِلُوهُمَا فَعُرِفَ الْخَضِرُ فَحَمَلُوهُمَا بِغَيْرِ نَوْلٍ فَجَاءَ عُصْفُورٌ فَوَقَعَ عَلَى حَرْفِ السَّفِينَةِ فَنَقَرَ نَقْرَةً أَوْ نَقْرَتَيْنِ فِي الْبَحْرِ فَقَالَ الْخَضِرُ يَا مُوسَى مَا نَقَصَ عِلْمِي وَعِلْمُكَ مِنْ عِلْمِ اللّٰهِ إِلَّا كَنَقْرَةِ هَذَا الْعُصْفُورِ فِي الْبَحْرِ فَعَمَدَ الْخَضِرُ إِلَى لَوْحٍ مِنْ أَلْوَاحِ السَّفِينَةِ فَنَزَعَهُ فَقَالَ مُوسَى قَوْمٌ حَمَلُونَا بِغَيْرِ نَوْلٍ عَمَدْتَ إِلَى سَفِينَتِهِمْ فَخَرَقْتَهَا لِتُغْرِقَ أَهْلَهَا قَالَ أَلَمْ أَقُلْ إِنَّكَ لَنْ تَسْتَطِيعَ مَعِيَ صَبْرًا قَالَ لَا تُؤَاخِذْنِي بِمَا نَسِيتُ فَكَانَتِ الْأُولَى مِنْ مُوسَى نِسْيَانًا فَانْطَلَقَا فَإِذَا غُلَامٌ يَلْعَبُ مَعَ الْغِلْمَانِ فَأَخَذَ الْخَضِرُ بِرَأْسِهِ مِنْ أَعْلَاهُ فَاقْتَلَعَ رَأْسَهُ بِيَدِهِ فَقَالَ مُوسَى أَقَتَلْتَ نَفْسًا زَكِيَّةً بِغَيْرِ نَفْسٍ قَالَ أَلَمْ أَقُلْ لَكَ إِنَّكَ لَنْ تَسْتَطِيعَ مَعِيَ صَبْرًا قَالَ ابْنُ عُيَيْنَةَ وَهَذَا أَوْكَدُ فَانْطَلَقَا حَتَّى إِذَا أَتَيَا أَهْلَ قَرْيَةٍ اسْتَطْعَمَا أَهْلَهَا فَأَبَوْا أَنْ يُضَيِّفُوهُمَا فَوَجَدَا فِيهَا جِدَارًا يُرِيدُ أَنْ يَنْقَضَّ فَأَقَامَهُ قَالَ الْخَضِرُ بِيَدِهِ فَأَقَامَهُ فَقَالَ لَهُ مُوسَى لَوْ شِئْتَ لَاتَّخَذْتَ عَلَيْهِ أَجْرًا قَالَ هَذَا فِرَاقُ بَيْنِي وَبَيْنِكَ قَالَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَرْحَمُ اللّٰهُ مُوسَى لَوَدِدْنَا لَوْ صَبَرَ حَتَّى يُقَصَّ عَلَيْنَا مِنْ أَمْرِهِمَا. (رواہ البخاری)

سعید بن جبیر بیان کرتے ہیں کہ میں نے ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے پوچھا کہ نوف بکالی تو یہ کہتے ہیں کہ جن موسیٰ کی سرگزشت خضر علیہ السلام کے ساتھ قرآن کریم میں مذکور ہے وہ بنی اسرائیل والے موسیٰ علیہ السلام نہیں تھے بلکہ کوئی دوسرے موسیٰ ان کے ہم نام شخص تھے اس پر حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا نوف خدا کے دشمن نے غلط کہا ہم سے ابی بن کعب نے خود بیان کیا ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ ایک مرتبہ حضرت موسیٰ علیہ السلام بنی اسرائیل کے سامنے کھڑے ہوئے وعظ فرما رہے تھے تو ان سے سوال ہوا فرمائیے انسانوں میں سب سے بڑا عالم کون ہے؟ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے فرمایا سب سے بڑا عالم میں ہوں اس پر اللہ تعالیٰ کی طرف سے ان پر عتاب ہوا کہ انہوں نے اس بات کا علم خدا تعالیٰ کے حوالے کیوں نہ کیا اس لیے ان کے پاس اللہ تعالیٰ کی طرف سے وحی آئی۔ (اے موسیٰ!) مجمع البحرین میں ہمارے بندوں میں سے ایک بندہ ہے جو تم سے زیادہ علم رکھتا ہے۔ موسیٰ علیہ السلام نے عرض کی پروردگار! پھر اس کی ملاقات کیسے اور کہاں ہو؟ ارشاد ہوا تو یوں کرو کہ ایک زنبیل میں مچھلی اپنے ہمراہ لے لو اور جہاں وہ مچھلی گم ہو جائے بس وہیں وہ ملے گا۔ موسیٰ علیہ السلام اور ان کے ہمراہ ان کے رفیق یوشع بن نون روانہ ہو گئے اور (حسب ہدایت) اپنے ہمراہ زنبیل میں ایک مچھلی بھی لے لی چلتے چلتے جب ایک بڑے پتھر کے پاس پہنچے تو اپنا سر رکھ کر وہاں دونوں سو گئے ادھر مچھلی زنبیل سے نکل گئی اور اس طرح سمندر میں داخل ہو گئی کہ اس کے داخل ہونے کی جگہ پر سرنگ کی شکل بن گئی اس پر موسیٰ علیہ السلام اور ان کے رفیق کو بعد میں بڑا تعجب ہوا وہ آگے چل پڑے اور جب بقیہ ایک دن رات کی مسافت طے کر چکے اور صبح ہوئی تو موسیٰ علیہ السلام نے اپنے رفیق سے کہا لاؤ بھئی ذرا ناشتہ تو لاؤ آج کے

سفر میں تو ہم کو کچھ تکان ہو گیا اس سے قبل موسیٰ علیہ السلام کو سفر میں تکان محسوس نہیں ہوا تھا اور آج بھی تکان اس وقت محسوس ہوا جبکہ وہ اس جگہ سے آگے نکل چکے تھے جس کا ان کو پتہ دیا گیا تھا ان کے رفیق سفر نے عرض کی کہ ہاں جہاں ہم نے پتھر کے پاس آرام کیا تھا مچھلی تو اس جگہ گم ہو گئی تھی مگر مجھ کو آپ سے اس کا ذکر کرنا یاد نہیں رہا۔ موسیٰ علیہ السلام نے فرمایا اسی جگہ کی تو ہم کو تلاش تھی آخر پھر اپنے قدموں کے نشان دیکھتے ہوئے اسی راستہ پر واپس ہوئے جب اس پتھر کے پاس پہنچے کیا دیکھتے ہیں کہ ایک شخص ہے جو چادر اوڑھے لیٹا ہے۔ موسیٰ علیہ السلام نے ان کو سلام کیا اس پر خضر علیہ السلام نے کہا اس ملک میں سلام کہنے والا کہاں۔ انہوں نے فرمایا میں موسیٰ ہوں! انہوں نے کہا کیا وہ موسیٰ جو بنی اسرائیل میں مبعوث ہوئے ہیں انہوں نے فرمایا جی ہاں میں وہی موسیٰ ہوں اس کے بعد فرمایا کیا میں آپ کے ہمراہ رہ سکتا ہوں تاکہ جو علم اللہ تعالیٰ نے آپ کو عطا فرمایا ہے وہ آپ مجھ کو بھی تعلیم فرمائیں؟ انہوں نے کہا آپ ہرگز صبر کے ساتھ اس کو حاصل نہیں کر سکتے اے موسیٰ! بات یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے علم میں سے جو علم مجھ کو عطا فرمایا ہے وہ آپ نہیں جانتے اور جو علم آپ کو بخشا ہے وہ میں نہیں جانتا۔ انہوں نے فرمایا ان شاء اللہ تعالیٰ آپ مجھ کو صابر دیکھیں گے اور کسی معاملہ میں آپ کے خلاف نہیں کروں گا۔ اس کے بعد وہ دونوں سمندر کے کنارہ کنارہ روانہ ہو گئے کشتی ان کے پاس نہ تھی کہ دریا عبور کر سکتے۔ آخر ادھر سے ایک کشتی گزری تو انہوں نے اس کے مالک سے گفتگو کی ان کو بھی سوار کر لے اتفاق سے کسی نے خضر علیہ السلام کو پہچان لیا اور کسی اجرت کے بغیر ان کو کشتی میں بٹھا لیا۔ اتنے میں ایک چڑیا اڑتی ہوئی آئی اور آ کر کشتی کے کنارہ پر بیٹھ گئی اور سمندر میں ایک دو چونچیں ماریں۔ اس پر خضر علیہ السلام نے فرمایا اے موسیٰ! میرا اور تمہارا علم مل کر بھی اللہ تعالیٰ کے علم سے اتنی نسبت بھی نہیں رکھتا جتنی کہ اس چڑیا کی چونچ کے پانی کی اس سمندر کے ساتھ ہے۔ اس کے بعد خضر علیہ السلام اٹھے اور کشتی کا ایک تختہ اکھاڑ پھینکا موسیٰ علیہ السلام فوراً بول اٹھے یہ وہ شریف لوگ تھے جنہوں نے اجرت لیے بغیر ہم کو کشتی میں بٹھا لیا تھا آپ نے یہ کیا کیا کہ انہی کی کشتی کو توڑ ڈالا کہ سارے کشتی والوں کو ڈبو دیں۔ انہوں نے کہا میں نے تو پہلے ہی کہا تھا آپ صبر کے ساتھ میرے ہمراہ نہیں رہ سکتے۔ موسیٰ علیہ السلام نے فرمایا میں بھول گیا اور آپ بھول چوک پر مجھ سے گرفت نہ فرمائیں۔ یہ پہلی بے صبری موسیٰ علیہ السلام سے از راہ نسیان سرزد ہوئی آگے چلے تو ایک بچہ جو بچوں میں کھیل رہا تھا خضر علیہ السلام نے اس کا سر پکڑ کر گردن سے اکھاڑ ڈالا۔ موسیٰ علیہ السلام نے فرمایا آپ نے یہ کیا کیا ایک معصوم بچہ کو بے گناہ مار ڈالا۔ خضر علیہ السلام نے کہا میں نے تو آپ سے پہلے ہی کہہ دیا تھا آپ صبر کے ساتھ میرے ہمراہ نہیں رہ سکتے۔ ابن عیینہ راوی حدیث کہتے ہیں کہ یہاں "لک" (آپ سے) زیادہ تاکید کے لیے اضافہ فرمایا۔ آگے چلے تو ایک بستی سے گزرے اور ان سے مہمانی کی درخواست کی۔ انہوں نے مہمان بنانے سے انکار کر دیا وہاں ایک دیوار تھی جو بالکل ٹوٹنے والی تھی۔ خضر علیہ السلام نے اپنے ہاتھ کے ایک اشارے سے اس کو سیدھا کر دیا۔ موسیٰ علیہ السلام نے فرمایا اگر آپ چاہتے تو اس کی اجرت ان سے لے سکتے تھے۔ خضر علیہ السلام نے کہا اچھا بس اس کے بعد اب ہماری آپ کی جدائی ہے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں اللہ تعالیٰ موسیٰ علیہ السلام پر رحم فرمائے ہماری تمنا تھی کاش! کہ موسیٰ علیہ السلام ذرا اور صبر

کر لیجئے تاکہ ان کے کچھ واقعات ہم کو اور معلوم ہو جائیں۔ (بخاری شریف)

عَنْ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ الْحَارِثِ بْنِ نَوْفَلٍ اِنَّ قَارُوْنَ كَانَ يُؤْذِيْ مُوْسٰى وَكَانَ ابْنَ عَمِّهٖ فَبَلَغَ مِنْ اَذَاهُ اِيَّاهُ اَنْ قَالَ لِامْرَأَةٍ بَغِيٍّ اِذَا اجْتَمَعَ النَّاسُ عِنْدِيْ غَدًا فَتَعَالِيْ وَقُوْلِيْ اِنَّ مُوْسٰى رَاوَدَنِيْ عَنْ نَفْسِيْ فَلَمَّا كَانَ الْغَدُ وَاجْتَمَعَ النَّاسُ جَاءَتْ فَسَارَّتْ قَارُوْنَ ثُمَّ قَالَتْ لِلنَّاسِ اِنَّ قَارُوْنَ قَالَ لِيْ كَذَا وَكَذَا وَاِنَّ مُوْسٰى لَمْ يَقُلْ لِيْ شَيْئًا مِنْ هٰذَا فَبَلَغَ ذٰلِكَ مُوْسٰى عَلَيْهِ الصَّلٰوةُ وَالسَّلَامُ وَهُوَ قَائِمٌ يُصَلِّيْ فِي الْمِحْرَابِ فَخَرَّ سَاجِدًا فَقَالَ اَيْ رَبِّ اِنَّ قَارُوْنَ قَدْ اٰذَانِيْ وَفَعَلَ وَفَعَلَ وَبَلَغَ مِنْ اَذَاهُ اِيَّايَ اَنْ قَالَ مَا قَالَ فَاَوْحَى اللّٰهُ اِلٰى مُوْسٰى اَنْ يَا مُوْسٰى اِنِّيْ قَدْ اَمَرْتُ الْاَرْضَ اَنْ تُطِيْعَكَ وَكَانَ لِقَارُوْنَ غُرْفَةٌ قَدْ ضَرَبَ عَلَيْهَا صَفَائِحَ الذَّهَبِ فَاَتَاهُ مُوْسٰى وَجُلَسَاؤُهُ فَقَالَ يَا قَارُوْنُ قَدْ بَلَغَ مِنْ اَذَاكَ اَنْ قُلْتَ كَذَا وَكَذَا يَا اَرْضُ خُذِيْهِمْ فَاَخَذَتْهُمُ الْاَرْضُ اِلٰى كِعَابِهِمْ فَهَتَفُوْا يَا مُوْسٰى اُدْعُ لَنَا رَبَّكَ اَنْ يُنْجِيَنَا مِمَّا نَحْنُ فِيْهِ فَنُؤْمِنَ بِكَ وَنَتَّبِعَكَ وَنُطِيْعَكَ فَقَالَ خُذِيْهِمْ فَاَخَذَتْهُمْ اِلٰى اَنْصَافِ سُوْقِهِمْ فَهَتَفُوْا وَقَالُوْا يَا مُوْسٰى اُدْعُ لَنَا رَبَّكَ اَنْ يُنْجِيَنَا مِمَّا نَحْنُ فِيْهِ فَنُؤْمِنَ بِكَ وَنَتَّبِعَكَ وَنُطِيْعَكَ فَقَالَ يَا اَرْضُ خُذِيْهِمْ اِلٰى رُكَبِهِمْ فَلَمْ يَزَلْ يَقُوْلُ يَا اَرْضُ خُذِيْهِمْ حَتّٰى تَطَابَقَتْ عَلَيْهِمْ وَهُمْ يَهْتِفُوْنَ فَاَوْحَى اللّٰهُ اِلَيْهِ يَا مُوْسٰى مَا اَفَظَّكَ اَمَا اِنَّهُمْ لَوْ كَانُوْا اِيَّايَ دَعَوْا لَخَلَّصْتُهُمْ۔ (رواہ عبد الرزاق)

عبد اللہ بن الحارث سے روایت ہے کہ قارون حضرت موسیٰ علیہ السلام کا چچازاد بھائی تھا اور ہمیشہ ان کے درپے آزار رہا کرتا تھا اب نوبت یہاں تک پہنچی کہ اس نے ایک زانیہ عورت کو فہمائش کی کہ لوگ جب کل میرے پاس جمع ہوں تو تو یہ کہنا کہ موسیٰ (علیہ السلام) نے ذنب کرنا چاہا میرے قرب کو چنانچہ جب کل ہوئی اور لوگ جمع ہو گئے تو وہ آئی اور قارون سے چپکے سے اس نے کوئی بات کہی۔ پھر لوگوں کو مخاطب کر کے بولی اس قارون نے ہی مجھ کو موسیٰ علیہ السلام کے سر ایسی ایسی بات لگانے کے لیے کہا تھا موسیٰ علیہ السلام نے ان باتوں میں سے کوئی حرف مجھ سے نہیں فرمایا۔ یہ خبر موسیٰ علیہ السلام کو بھی ہو گئی وہ اس وقت محراب میں کھڑے نماز پڑھ رہے تھے۔ یہ سن کر سجدہ میں گر گئے اور فرمایا پروردگار قارون نے مجھ کو بڑی تکلیفیں دیں اور جو کچھ اس نے کیا وہ کیا یہاں تک کہ اب اس کے تہمت لگانے کی نوبت بھی آ گئی۔ اسی وقت موسیٰ علیہ السلام پر وحی آئی میں نے زمین کو حکم دے دیا ہے تم میں سے جو کہو گے وہ تمہاری تابعداری کرے گی۔ قارون ایک بالاخانہ میں رہتا تھا جس میں اس نے سونے کے پتر چڑھا رکھے تھے۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام وہاں تشریف لے گئے۔ اس وقت قارون کے احباب بھی وہاں موجود تھے اور فرمایا کہ تیری ایذاؤں کی اب یہاں تک نوبت آ گئی ہے کہ تو نے اس قسم کے کلمات بھی کہے۔ اے زمین! ان کو پکڑ لے۔ زمین نے فوراً ٹخنوں تک ان کو ہضم کر لیا۔ اس پر وہ چیخ پڑے "موسیٰ!" پروردگار سے دعا کرو کہ وہ ہم کو اس عذاب سے نجات بخش دے تو ہم آپ پر ایمان لے آئیں گے آپ کے ساتھ ہو جائیں گے اور آپ کے تابعدار بن جائیں گے مگر موسیٰ علیہ السلام نے زمین سے پھر یہی فرمایا ان کو اور گھٹنوں تک پکڑ لے موسیٰ علیہ السلام زمین سے برابر یہی فرماتے رہے حتیٰ کہ زمین اوپر سے مل گئی اور وہ اس کے

اور پیچھے کے پیچھے ہی ہٹتے چلے گئے۔ اس کے بعد اللہ تعالیٰ کی طرف سے موسیٰ علیہ السلام کے پاس وحی آئی۔ موسیٰ! تم کتنے تیز مزاج ہو۔ خوب سن لو اگر کہیں مجھ کو وہ ایک بار بھی پکارتے تو میں ان کو نجات دے دیتا۔ (درمنثور بحوالہ مسلم)

عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ يُونُسُ رفع هذا الحديث إلى النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ كَانَ مَلَكُ الْمَوْتِ يَأْتِي النَّاسَ عِيَانًا قَالَ فَأَتَى مُوسَى عَلَيْهِ السَّلَامُ فَلَطَمَهُ فَفَقَأَ عَيْنَهُ وَفِي أُخْرَى فَرَدَّ اللّٰهُ عَلَيْهِ عَيْنَهُ وَكَانَ يَأْتِي النَّاسَ خُفْيَةً. (رواہ احمد)

ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کرتے ہیں کہ پہلے ملک الموت وفات کے وقت آمنے سامنے آیا کرتے تھے آپ نے فرمایا۔ جب وہ موسیٰ علیہ السلام کے پاس آئے تو انہوں نے ان کے تھپڑ مارا اور ان کی آنکھ پھوٹ گئی پھر پوراواقعہ ذکر فرمایا۔ اس کے بعد دستور یہ ہو گیا کہ وہ پوشیدہ طور پر آنے لگے۔ (احمد)

سیدنا داؤد علیہ السلام

عَنْ عُثْمَانَ بْنِ أَبِي الْعَاصِ قَالَ سَمِعْتُ رَسُولَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُولُ كَانَ لِدَاوُدَ عَلَيْهِ السَّلَامُ مِنَ اللَّيْلِ سَاعَةٌ يُوقِظُ فِيهَا أَهْلَهُ يَقُولُ يَا آلَ دَاوُدَ قُومُوا فَصَلُّوا فَإِنَّ هٰذِهِ سَاعَةٌ يَسْتَجِيبُ اللّٰهُ عَزَّ وَجَلَّ فِيهَا الدُّعَاءَ إِلَّا لِسَاحِرٍ أَوْ عَشَّارٍ. (رواہ احمد)

عثمان بن ابی العاص بیان کرتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ فرماتے خود سنا ہے کہ شب میں ایک وقت تھا جبکہ داؤد علیہ السلام اس وقت پر اپنے اہل کو بیدار کر دیتے اور یہ فرماتے جاتے تھے۔ اے آل داؤد! اٹھو اور نماز پڑھو کیونکہ یہ ایسا مقبول وقت ہے جس میں اللہ تعالیٰ سب کی دعائیں قبول فرماتا ہے سوائے جادوگر اور عشر وصول کرنے والے شخص کے۔ (احمد)

تشریح۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی جامع شریعت میں انبیاء سابقین کے درخشاں عمل چن چن کر جمع کر دیئے گئے ہیں۔ آپ نے رات کو اس ساعت میں جو تہجد کے وقت اپنی ساری امت کو نماز کی تاکید فرمائی ہے یوں جس امت کو انبیاء علیہم السلام کے اعمال حسنہ کی تعلیم دی گئی ہو اس کے کمالات کا اندازہ کر لینا چاہیے۔

خدائی محاسبہ بھی کیسا خوفناک مرحلہ ہے کہ جس ساعت میں دعاء کی قبولیت کا عام اعلان ہے وہاں بھی ان اشخاص کے لیے ناامیدی ہی نظر آتی ہے جن کی بداعمالی مخلوق اللہ کے لیے موجب اذیت ہو۔ ایک ساحر اور دوسرا سرکاری عشر وصول کرنے والا۔

عَنْ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ عَمْرٍو قَالَ قَالَ رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَحَبُّ الصَّلٰوةِ إِلَى اللّٰهِ صَلٰوةُ دَاوُدَ وَأَحَبُّ الصِّيَامِ إِلَى اللّٰهِ صِيَامُ دَاوُدَ كَانَ يَنَامُ نِصْفَ اللَّيْلِ وَيَقُومُ ثُلُثَهُ وَيَنَامُ سُدُسَهُ وَيَصُومُ يَوْمًا وَيُفْطِرُ يَوْمًا. (متفق علیہ وقد ذکرہ البخاری اطول من هذا في كتاب الانبياء)

عبداللہ بن عمرو رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا نمازوں میں سب سے پیاری نماز اور روزوں میں سب سے پیارے روزے اللہ کے نزدیک حضرت داؤد علیہ السلام کی نماز اور ان کے روزے تھے۔ نماز کے معاملہ میں ان کا دستور یہ تھا کہ نصف شب سوتے پھر تہائی شب خدا تعالیٰ کی عبادت کرتے اور آخر کے چھٹے حصہ میں پھر آرام

فرماتے اور ایک دن روزہ رکھتے اور ایک دن افطار کرتے۔ (متفق علیہ)

تشریح۔ اس صورت سے تمام حقوق کی ادائیگی ہو جاتی ہے۔ خالق کے حقوق تو کون ادا کر سکتا ہے مگر یہ اس کی رحمت ہے کہ بندے کے تھوڑے سے عمل کو قبول فرما لیتا ہے جبکہ بندوں کے حقوق کی ادائیگی بھی ہوتی ہے۔ حدیث مذکور سے معلوم ہوتا ہے کہ جسم و جان بھی خدائی امانت ہیں اور ان کے بھی ہمارے ذمہ کچھ حقوق ہیں۔ کمال یہ ہے کہ جملہ اہل حقوق کے حقوق صحیح طور سے ادا ہوں۔

عَنْ اَبِیْ هُرَیْرَةَ قَالَ قَالَ النَّبِیُّ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ خُفِّفَ عَنْ دَاوُدَ الْقُرْاٰنُ فَكَانَ یَاْمُرُ بِدَوَابِّهٖ فَتُسْرَجُ فَیَقْرَاُ الْقُرْاٰنَ قَبْلَ اَنْ تُسْرَجَ دَوَابُّهٗ وَلَا یَاْكُلُ اِلَّا مِنْ عَمَلِ یَدَیْهِ. (رواہ البخاری)

ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ داؤد علیہ السلام کے لیے زبور کے ترانے اتنے ہلکے اور خفیف کر دیے گئے تھے کہ وہ اپنی سواری تیار کرنے کا حکم دیتے، ادھر اس پر زین کسی جاتی، ادھر زین کسنے سے پہلے پہلے یہ زبور پڑھ کر فارغ ہو جاتے۔ ان میں بڑی خاص بات یہ تھی کہ صرف اپنے ہاتھ کی کمائی کھاتے تھے۔

تشریح۔ قدرت کے یہاں ایک باب طی زبان کا بھی ہے جس میں بہت سا عمل تھوڑے سے وقت میں ہو جاتا ہے۔ سلف امت کے اعمال پر جب نظر ڈالی جاتی ہے تو اس حقیقت کا لاچار اقرار کرنا پڑتا ہے۔ اگر قدرت کی طاقت کی ترازو لگانے والے ذرا غور کریں تو ان کو اس کے سمجھنے میں نہ کوئی دشواری ہو اور نہ شب معراج کے طویل سفر کے سمجھنے میں کوئی دقت رہے۔

سیدنا سلیمان علیہ السلام

عَنْ اَبِیْ هُرَیْرَةَ عَنِ النَّبِیِّ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ قَالَ كَانَتِ امْرَاَتَانِ مَعَهُمَا ابْنَاهُمَا جَاءَ الذِّئْبُ فَذَهَبَ بِابْنِ اِحْدَاهُمَا فَقَالَتْ صَاحِبَتُهَا اِنَّمَا ذَهَبَ بِابْنِكِ وَقَالَتِ الْاُخْرٰی اِنَّمَا ذَهَبَ بِابْنِكِ فَتَحَاكَمَتَا اِلٰی دَاوُدَ فَقَضٰی بِهٖ لِلْكُبْرٰی فَخَرَجَتَا عَلٰی سُلَیْمَانَ بْنِ دَاوُدَ فَاَخْبَرَتَاهُ فَقَالَ ائْتُوْنِیْ بِالسِّكِّیْنِ اَشُقُّهٗ بَیْنَكُمَا فَقَالَتِ الصُّغْرٰی لَا تَفْعَلْ یَرْحَمُكَ اللّٰهُ هُوَ ابْنُهَا فَقَضٰی بِهٖ لِلصُّغْرٰی. (متفق علیہ)

ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کرتے ہیں کہ آپ نے بیان فرمایا کہ دو عورتیں تھیں ان کے ساتھ ان کے دو بچے تھے، بھیڑیا آیا اور ان میں سے ایک کا بچہ لے گیا، اس پر اس کی ساتھی بولی کہ تیرے بچہ کو لے گیا۔ دوسری نے کہا نہیں تیرے کو لے گیا ہے۔ یہ دونوں اپنا معاملہ حضرت داؤد علیہ السلام کے پاس لے کر آئیں۔ انہوں نے (روئداد مقدمہ سن کر) بڑی کے حق میں فیصلہ کر دیا۔ اس کے بعد پھر وہ دونوں سلیمان بن داؤد کی طرف چلیں اور ان دونوں نے پھر یہاں اپنا معاملہ بیان کیا۔ انہوں نے فرمایا اچھا لاؤ چھری لاؤ میں اس لڑکے کو کاٹ کر آدھا آدھا تم دونوں کو دیے دیتا ہوں۔ یہ سن کر چھوٹی بول پڑی خدا تعالیٰ آپ پر رحم فرمائے دیکھئے ایسا نہ کیجئے یہ لڑکا اسی کا ہے اس کی یہ بات سن کر انہوں نے یہ فیصلہ دے دیا کہ لڑکا چھوٹی کو دے دیا جائے۔ (متفق علیہ)

تشریح۔ اس روایت میں اس کی کوئی تفصیل نہیں ہے کہ حضرت داؤد علیہ السلام کا فیصلہ کس بنیاد پر تھا۔ لہٰذا اس پر بحث کرنے کا ہمیں کوئی حق نہیں ہے۔ اسی طرح حضرت سلیمان علیہ السلام کے فیصلے کی تفصیلات بھی یہاں بیان میں نہیں آ سکیں۔ صرف اتنا معلوم

ہوتا ہے کہ معاملہ فہم ہونے کی وجہ سے انہوں نے یہ شکل اس لیے اختیار کی تھی کہ کسی تدبیر سے اصل واقعہ کا انکشاف ہو جائے۔ ان کی اس غیر معمولی فہم کی طرف قرآن کریم کی اس آیت میں اشارہ ہے: "ففہمنٰھا سلیمان وکلاً اٰتینا حکماً وعلماً" (الانبیاء)

حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سب سے برتر رسول ہیں

دل میں آرزوئیں تھیں اور نہ معلوم کتنی آرزوئیں تھیں کہ رسالت کے ابواب ترتیب دینے میں اپنی پوری ہمت صرف کی جائے۔ اگرچہ ایک بے بضاعت کی ہمت ہی کیا تھی لیکن "جہد المقل دموعھا" ایک آرزو یہ بھی تھی کہ ہر نبی اور رسول کے تذکرہ سے قبل اس کے کچھ ایسے جامع اور مختصر حالات آ جائے جس کے مطالعہ سے اس کی زندگی کی چیدہ چیدہ خصوصیات کچھ نہ کچھ یک نظر سامنے آ جاتیں مگر جب اپنی محرومی اور بدقسمتی سے پہلے انبیاء علیہم السلام کے تذکروں ہی میں یہ تمنا پوری نہ ہو سکی تو آج جبکہ میں اس رسول اعظم کے متعلق حدیثیں جمع کرنے کا فخر حاصل کر رہا ہوں جن کے تذکروں سے عالم تکوین و تشریع گونج رہا ہے کتب سماویہ ان کے ذکر سے لبریز ہیں۔ انبیاء علیہم السلام ان کے مدح و توصیف میں رطب اللسان ہیں حتیٰ کہ عرش عظیم پر ان کی عظمت و برتری کا چرچا ہے تو پھر قلم میں کیا طاقت ہے کہ اس موضوع میں کچھ جنبش کر سکے۔ سبحان اللہ میدان تو کتنا وسیع ہے کہ اس کا قصد کرنا بھی مشکل مگر عقل و فہم یہاں اتنی درماندہ ہے کہ ایک قدم اس کو حرکت کرنا بھی مشکل اس لیے آپ کی صرف ایک مجمل کی سیرت پر کفایت کرتا ہوں جس کو صاحب حیوۃ القلوب نے لفظ ہدایت کے تحت عجیب اختصار کے ساتھ ذکر کیا ہے۔

اس رسول اعظم صلی اللہ علیہ وسلم کے کچھ تذکرے تو ایک بار آپ انبیاء علیہم السلام کے تذکروں کے شروع میں ملاحظہ فرما چکے ہیں اور ایک بار پھر آخر میں بھی ملاحظہ فرما لیجئے۔ وہ تذکرہ آپ کی خلقت کی اولیت کے اعتبار سے تھا اور یہ آپ کی بعثت کی آخریت کے لحاظ سے ہے۔ "اللھم صل علیٰ سیدنا محمد عبدک ونبیک ورسولک النبی الامی"

اہل تاریخ فرماتے ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی ولادت اسی سال ہوئی تھی جس سال کہ واقعہ فیل پیش آیا تھا۔ ولادت کے بعد ۵ سال کی عمر تک آپ قبیلہ بنی سعد میں پرورش پاتے رہے۔ ۶ سال کی عمر میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی والدہ ماجدہ کی مقام ابواء میں وفات ہوئی۔ پھر آپ اپنے دادا عبد المطلب کی پرورش میں رہے اور ابھی آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی عمر مبارک ۸ سال کی ہوگی کہ آپ کے دادا کا بھی انتقال ہو گیا۔ اس کے بعد آپ اپنے شفیق چچا جناب ابو طالب کی پرورش میں رہے اور ان کے ہمراہ بارہ سال کی عمر میں شام جانے والے قافلہ میں تشریف لے گئے۔ پھر ۲۵ سال کی عمر میں حضرت خدیجہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے تجارتی کاروبار کے لیے باہر تشریف لے جاتے رہے اور اسی سال ان کے ساتھ آپ کا عقد بھی ہوا۔ قریش نے بناء کعبہ کا ارادہ کیا تو اس وقت آپ کا سن مبارک ۳۵ سال کا تھا۔ اس سلسلہ میں جب باہم ان میں اختلاف ہونے لگا تو انہوں نے آپ کو اپنا حکم بنایا۔ چالیس ۴۰ سال کی عمر میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم نبوت سے سرفراز ہوئے اور جس وقت ابو طالب کی وفات ہوئی تو اس وقت آپ کا سن مبارک ۴۹ سال ۸ ماہ اور گیارہ دن تھا۔ ابو طالب کے ۳ دن بعد حضرت خدیجہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کا بھی وصال ہو گیا۔ اس کے تین ماہ کے بعد آپ صلی اللہ علیہ وسلم زید بن حارثہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو ساتھ لے کر بغرض تبلیغ طائف تشریف لے گئے اور ایک ماہ قیام فرمایا۔ اس کے بعد مطعم بن عدی کی پناہ میں آپ مکہ مکرمہ واپس تشریف لے آئے۔ جب آپ

کا سن مبارک ۵۰ سال کا ہوا تو نصیبین کے جن آپ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور مشرف باسلام ہو گئے۔ جب آپ کا سن مبارک ۵۱ سال اور ۹ ماہ کا ہوا تو آپ کو معراج نصیب ہوئی اور ۵۳ سال کی عمر میں آپ نے مدینہ کو ہجرت فرمائی۔ آپ کی بعثت کو اب یہ تیرہواں سال تھا اور کوئی چودھواں کہتا ہے۔ اس سفر میں صدیق اکبر رضی اللہ تعالیٰ عنہ آپ کے رفیق رہے ان کا غلام عامر بن فہیرہ بھی ہمراہ تھا اور عبداللہ بن اریقط راستہ بتاتے جاتے تھے۔ اسلامی تاریخ کی ابتداء اسی سال سے ہوتی ہے اور تاریخ اسلامی میں یہ پہلا سال شمار ہوتا ہے اسی سال آپ نے صحابہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم کے درمیان عقد مواخاۃ فرمایا تھا اور حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی اخوت کا اعلان بھی اسی سال ہوا تھا مقیم کو چار رکعتیں اور مسافر کے لیے دو رکعتیں پڑھنا یعنی اتمام وقصر کی سنت اسی سال شروع ہوئی تھی اور اسی سال حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ اور حضرت فاطمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کا عقد نکاح بھی ہوا ہے۔ دوسرے سال غزوہ ودان ہوا ہے۔ ودان ایک مقام کا نام ہے غزوہ بواط غزوہ عشیرہ اور بدر اولیٰ کے غزوات سب اسی سال کے واقعات ہیں بواط ایک مقام رضوی کی جانب واقع ہے غزوہ بدر اولیٰ ماہ جمادی الاخریٰ میں ہوا ہے اور غزوہ بدر کبریٰ ۱۷ رمضان المبارک جمعہ کے دن ہوا ہے۔ کفار کے بڑے بڑے سردار اسی غزوہ میں قتل ہوئے اور غزوہ بنی سلیم ذی الحجہ میں ہوا ہے۔ صورت یہ ہوئی کہ آپ ابوسفیان کی خبر سن کر نکلے تھے مگر اس سے ملاقات نہ ہو سکی تھی۔ ہجرت کے تیسرے سال غزوہ بنی غطفان غزوہ نجران غزوہ قینقاع غزوہ احد غزوہ حمراء الاسد ہوئے ہیں پھر چوتھے سال غزوہ بنو نضیر غزوہ ذات الرقاع ہوئے ہیں۔ پانچویں سال غزوہ دومۃ الجندل غزوہ الخندق غزوہ بنی قریظہ ہوئے ہیں۔ چھٹے سال غزوہ بنی لحیان غزوہ مصطلق ہوئے ہیں ساتویں سال آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنا منبر بنوایا ہے اور غزوہ خیبر اور قصہ فدک سب اسی سال ہوئے ہیں۔ باغ فدک صرف آپ کے تصرف میں تھا آٹھویں سال غزوہ موتہ فتح مکہ غزوہ حنین غزوہ طائف اور قبیلہ ہوازن سے حاصل کردہ مال تقسیم فرمایا ہے نویں سال غزوہ تبوک ہوا ہے اور دسویں سال حجۃ الوداع ہوا ہے۔ اس حج میں آپ نے اپنے دست مبارک سے ۶۳ قربانیاں ذبح کیں اور ۶۳ غلام آزاد فرمائے اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی عمر مبارک بھی یہی ہوئی ہے۔ گیارہویں سال آپ کا وصال ہو گیا۔ اس کی ابتداء یوں ہوئی کہ شروع ربیع الاول میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی علالت کی ابتداء ہوئی اور بارہویں ربیع الاول کو وفات ہو گئی۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی کل عمر مبارک ۶۳ سال کی تھی جس میں مدینہ میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم دس سال رہے۔

حضرت ابراہیم کے علاوہ آپ کی سب اولاد حضرت خدیجہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے تھی۔ حضرت ابراہیم حضرت ماریہ قبطیہ سے تھے ان کے اسماء مبارک یہ ہیں طیب طاہر قاسم فاطمہ زینب رقیہ ام کلثوم حضرت ابراہیم (رضی اللہ تعالیٰ عنہم) اور آپ کی سب پسری اولاد عہد طفولیت ہی میں انتقال کر چکی تھی۔

حضرت خدیجہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی حیات میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے کسی اور سے عقد نہیں فرمایا۔ پھر ان کے بعد حضرت سودہ بنت زمعہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا اور حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا آپ کی زوجیت میں آگئیں۔ حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے علاوہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی ازواج میں اور کوئی کنواری نہ تھیں۔ حضرت امیر معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے عہد ۵۸ھ میں ۶۷ کے سن میں ان کا وصال ہوا۔ ۳ھ میں حضرت حفصہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے ساتھ آپ صلی اللہ علیہ وسلم

کا عقد ہوا اور حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے زمانہ میں ان کا وصال ہوا ہے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی ایک بی بی صاحبہ حضرت زینبؓ بنت خزیمہ تھیں صرف ان کا انتقال آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی حیات طیبہ ہی میں ہوا ہے۔ ان کے بعد حضرت خدیجہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے علاوہ سب کا انتقال آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد ہوا۔ ۴ھ میں حضرت ام سلمہ سے آپ کا عقد ہوا ان کی والدہ عاتکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی پھوپھی صاحبہ تھیں ان کا انتقال ۵۹ھ حضرت امیر معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے عہد میں ہوا ہے اور ایک قول یہ ہے کہ سن ۶۱ھ میں عاشورہ کے دن انتقال ہوا اور اسی دن حضرت امام حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی شہادت ہوئی تھی۔ ۵ھ میں حضرت زینب بنت جحش سے آپ کا عقد ہوا اور سن ۲۰ھ میں حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے عہد میں ان کا انتقال ہوا۔ آپ کی ازواج میں آپ کے بعد سب سے پہلے انہی کی وفات ہوئی ہے۔ حضرت ام حبیبہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا بھی اسی سال آپ کی زوجیت میں آئیں ان کا نام رملہ بنت ابی سفیان تھا ۴۴ھ میں حضرت امیر معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے عہد میں وفات ہوئی۔ حضرت جویریہؓ بنت الحارث بھی اسی سال آپ کے عقد میں آئیں اور ۵۶ھ میں حضرت معاویہؓ کے عہد میں ان کا انتقال ہوا اور ۷ھ میں حضرت میمونہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا آپ کے نکاح میں آئیں ان کا وصال ۵۱ھ میں ہوا ہے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم جب دنیا سے تشریف لے گئے تو اس وقت آپ کے عقد میں ۹ بیویاں تھیں۔

عَنْ اَبِیْ هُرَیْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ بُعِثْتُ مِنْ خَیْرِ قُرُوْنِ بَنِیْ اٰدَمَ قَرْنًا فَقَرْنًا حَتّٰی كُنْتُ مِنَ الْقَرْنِ الَّذِیْ كُنْتُ مِنْهُ. (رواه البخاری)

ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ میں شروع سے برابر ہمیشہ انسانوں کے بہتر سے بہتر طبقوں میں گزرتا رہا ہوں یہاں تک کہ جس طبقہ میں پیدا ہوا ہوں وہ سب سے بہتر طبقہ ہے۔ (بخاری شریف)

عَنْ وَاثِلَةَ بْنِ الْاَسْقَعِ قَالَ سَمِعْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ یَقُوْلُ اِنَّ اللّٰهَ اصْطَفٰی كِنَانَةَ مِنْ وُلْدِ اِسْمٰعِیْلَ وَاصْطَفٰی قُرَیْشًا مِنْ كِنَانَةَ وَاصْطَفٰی مِنْ قُرَیْشٍ بَنِیْ هَاشِمٍ وَاصْطَفَانِیْ مِنْ بَنِیْ هَاشِمٍ (رواه مسلم)

واثلہ بن اسقع رضی اللہ تعالیٰ عنہ روایت فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ فرماتے میں نے خود سنا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اسمٰعیل علیہ السلام کی اولاد میں سے قبیلہ کنانہ کو انتخاب فرمایا پھر کنانہ میں سے قریش کو انتخاب فرمایا۔ اور قریش میں سے قبیلہ بنو ہاشم کو پھر بنو ہاشم میں سے مجھ کو منتخب فرما لیا۔ (مسلم)

عَنِ الْعَبَّاسِ اَنَّهٗ جَاءَ اِلَی النَّبِیِّ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ فَكَاَنَّهٗ سَمِعَ شَیْئًا فَقَامَ النَّبِیُّ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ عَلَی الْمِنْبَرِ فَقَالَ مَنْ اَنَا فَقَالُوْا اَنْتَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ قَالَ اَنَا مُحَمَّدُ بْنُ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ عَبْدِ الْمُطَّلِبِ اِنَّ اللّٰهَ خَلَقَ الْخَلْقَ فَجَعَلَنِیْ فِیْ خَیْرِهِمْ ثُمَّ جَعَلَهُمْ فِرْقَتَیْنِ فَجَعَلَنِیْ فِیْ خَیْرِهِمْ فِرْقَةً ثُمَّ جَعَلَهُمْ قَبَائِلَ فَجَعَلَنِیْ فِیْ خَیْرِهِمْ قَبِیْلَةً ثُمَّ جَعَلَهُمْ بُیُوْتًا فَجَعَلَنِیْ فِیْ خَیْرِهِمْ بَیْتًا فَاَنَا خَیْرُهُمْ نَفْسًا وَخَیْرُهُمْ بَیْتًا. (رواه الترمذی)

حضرت عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ روایت فرماتے ہیں کہ وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ گویا انہوں نے اس وقت مشرکین عرب کی جانب سے کچھ طعن کا کلمہ سنا تھا اس پر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے منبر پر تشریف لا کر خطبہ دیا اور فرمایا بتاؤ میں کون ہوں؟ لوگوں نے کہا آپ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہیں فرمایا میں (بلحاظ نسب) محمد بن عبداللہ بن عبدالمطلب ہوں اللہ تعالیٰ نے اپنی مخلوق بنائی تو مجھ کو اپنی سب سے بہتر مخلوق میں پیدا فرمایا اس کے بعد ان کے دو فرقے بنائے تو جو ان میں بہتر تھا مجھ کو ان میں پیدا فرمایا اسی طرح پھر ان کے خاندان بنائے اور ان کے خاندانوں میں جو بہتر تھا اس میں مجھ کو پیدا فرمایا حتیٰ کہ پھر ان میں مختلف گھرانے بنائے اور ان گھرانوں میں جو سب سے بہتر تھا مجھ کو اس میں پیدا فرمایا تو میں تم سب میں اپنے نسب اور اپنے گھرانے کے لحاظ سے بہتر ہوں۔ (ترمذی شریف)

عَنْ قَيْسِ بْنِ مَخْرَمَةَ قَالَ وُلِدْتُ اَنَا وَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَامَ الْفِيْلِ كُنَّا لِدَيْنِ قَالَ وَسَاَلَ عُثْمَانُ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ قُبَاثَ بْنَ اَشْيَمَ اَخَا بَنِيْ يَعْمَرَ بْنِ لَيْثٍ اَاَنْتَ اَكْبَرُ اَمْ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقَالَ رسول اللّٰه صلى اللّٰه عليه وسلم اَكْبَرُ مِنِّيْ وَاَنَا اَقْدَمُ مِنْهُ فِي الْمِيْلَادِ وَرَاَيْتُ خَزْقَ الْفِيْلِ اَخْضَرَ مُحِيْلًا. (رواہ الترمذی)

قیس بن مخرمہ روایت کرتے ہیں کہ میں اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم دونوں اسی سال پیدا ہوئے تھے جس سال میں کہ اصحاب الفیل کا قصہ پیش آیا تھا کہ ہم دونوں ہم عمر تھے عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے قباث بن اشیم سے پوچھا جو یعمر کے بھائی تھے کہ تم بڑے ہو یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم؟ وہ بولے کہ بڑے تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہی ہیں ہاں پیدائش میں میں آپ سے پہلے ہوں۔ (سبحان اللہ کیا ادب کا جواب ہے) اور میں نے ہاتھیوں کا گوبر دیکھا ہے جو سبز رنگ کا تھا اور متغیر ہو چکا تھا (یعنی میری پیدائش اصحاب الفیل کے قصہ سے بہت ہی قریب تھی)۔ (ترمذی)

تشریح۔ حافظ ابن کثیر لکھتے ہیں کہ جمہور کے نزدیک آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی ولادت باسعادت اصحاب الفیل ہی کے سال میں ہوئی ہے البتہ اس میں اختلاف ہے کہ اس واقعہ کے کتنی مدت بعد ہوئی۔ ابو جعفر باقر کہتے ہیں کہ اصحاب الفیل کی آمد نصف محرم میں ہوئی تھی اور اس کے پچپن دن کے بعد آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی ولادت ہوئی ہے اس کے علاوہ اور بھی متعدد اقوال ہیں۔

عَنْ عُثْمَانَ بْنِ اَبِي الْعَاصِ حَدَّثَتْنِيْ اُمِّيْ اَنَّهَا شَهِدَتْ وِلَادَةَ اٰمِنَةَ بِنْتِ وَهْبٍ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَيْلَةَ وَلَدَتْهُ قَالَتْ فَمَا شَيْءٌ اَنْظُرُ اِلَيْهِ فِي الْبَيْتِ اِلَّا نُوْرٌ وَاِنِّيْ اَنْظُرُ اِلَى النُّجُوْمِ تَدْنُوْ حَتّٰى اِنِّيْ لَاَقُوْلُ لَيَقَعَنَّ عَلَى الْاَرْضِ. (رواہ البیہقی)

عثمان بن ابی العاص رضی اللہ تعالیٰ عنہ روایت کرتے ہیں کہ میری والدہ بیان فرماتی تھیں کہ جس شب میں حضرت آمنہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے یہاں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ولادت ہوئی تھی تو اس وقت وہ وہاں خود موجود تھیں وہ بیان کرتی تھیں کہ گھر میں جس چیز پر بھی میری نظر پڑتی تھی میں دیکھتی تھی کہ وہ منور ہے اور میں دیکھتی تھی کہ ستارے اس طرح جھکے پڑے تھے یوں معلوم ہوتا تھا کہ اب زمین پر آ گریں گے۔ (بیہقی)

هُوَ مُحَمَّدُ بْنُ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ عَبْدِ الْمُطَّلِبِ بْنِ هَاشِمِ بْنِ عَبْدِ مَنَافِ بْنِ قُصَيِّ بْنِ كِلَابِ بْنِ مُرَّةَ بْنِ كَعْبِ ابْنِ لُؤَيِّ بْنِ غَالِبِ بْنِ فِهْرِ بْنِ مَالِكِ بْنِ نَضْرِ بْنِ كِنَانَةَ بْنِ خُزَيْمَةَ بْنِ مُدْرِكَةَ بْنِ إِلْيَاسَ بْنِ مُضَرَ بْنِ نِزَارِ ابْنِ مَعَدِّ بْنِ عَدْنَانَ. (رواہ البخاری فی ترجمۃ الباب فی باب مبعث النبی صلی اللہ علیہ وسلم)

محمد بن عبداللہ بن عبدالمطلب (آپ کا نام شیبۃ الحمد تھا) بن ہاشم (عمرو) بن عبد مناف (المغیرۃ) بن قصی (زید) بن کلاب (المہذب یا حکیم) بن مرہ بن کعب بن لوی بن غالب بن فہر (قریش) بن مالک بن نضر بن کنانہ بن خزیمہ بن مدرکہ (عمرو یا عامر) بن الیاس بن مضر بن نزار بن معد بن عدنان۔

تشریح۔ عرب میں نسب کی حفاظت کا بڑا اہتمام تھا اور شریعت نے بھی ایک حد تک اس کا اہتمام فرمایا تھا آج بھی عدالت مدنی اور مدعا علیہ کے کم از کم باپ کا نام لکھنا ضروری ہوتا ہے اس لیے حافظ عینی لکھتے ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا نسب بھی بیس درپشت تک یاد رکھنا فرض ہے۔ (عینی ص ۱۸۰ ج ۷) اگر کامل آپ کی امت آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی الفت و محبت میں آپ کا پورا مذکورہ بالا نسب نامہ یاد کرلے تو یہ اس کے جذبہ محبت کا تقاضا ہونا چاہیے۔ علماء انساب اس پر متفق ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا نسب نامہ عدنان تک بلا اختلاف صحیح ہے اس کے بعد اس میں اختلاف ہے۔ قاضی سید سلیمان صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی سیرت رحمۃ للعالمین میں اس پر بہت مفصل اور بہت محقق بحث فرمائی ہے اور چونکہ حضرت ہاجرہ کے نسب پر اہل کتاب نے اعتراض کیا ہے اس لیے اس کا بھی بہت مدلل مسکت جواب دیا ہے جو قابل مراجعت ہے۔ قاضی صاحب نے محنت اٹھا کر اس آبائی سلسلہ کے ساتھ ساتھ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی امہات مکرمات کا بھی ذکر فرمایا ہے جس کو ہم ذیل میں درج کرتے ہیں۔ (فجزاہ اللہ تعالٰی خیرا عنا و عن جمیع المسلمین)

نمبر شمار	آباء کرام	امہات عظام	نمبر شمار	آباء کرام	امہات عظام
۱	عبداللہ	آمنہ	۱۲	مالک	جندلہ
۲	عبدالمطلب	فاطمہ	۱۳	نضر	عکرشہ
۳	ہاشم	سلمٰی	۱۴	کنانہ	برہ
۴	عبد مناف	عاتکہ	۱۵	خزیمہ	عوانہ (بنت)
۵	قصی	حبّی	۱۶	مدرکہ	سلمٰی
۶	کلاب	فاطمہ	۱۷	الیاس	لیلٰی (خندف)
۷	مرہ	ہند	۱۸	مضر	رباب
۸	کعب	وحشیہ	۱۹	نزار	سودہ
۹	لوی	ماویہ	۲۰	معد	معانہ
۱۰	غالب	عاتکہ	۲۱	عدنان	مہدد
۱۱	فہر ملقب بقریش	لیلٰی			

عَنْ عَائِشَةَ قَالَتْ اِسْتَأْذَنَ حَسَّانُ بْنُ ثَابِتٍ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فِي هِجَاءِ الْمُشْرِكِيْنَ قَالَ كَيْفَ بِنَسَبِي فِيْهِمْ فَقَالَ حَسَّانُ لَاَسُلَّنَّكَ مِنْهُمْ كَمَا تُسَلُّ الشَّعْرَةُ مِنَ الْعَجِيْنِ. (رواہ البخاری)

حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا روایت فرماتی ہیں کہ ایک مرتبہ حسان بن ثابت نے مشرکین کی ہجو کرنے کی آپ سے اجازت طلب کی۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ قریش کے ساتھ میرا نسب بھی جاملتا ہے پھر اس کا کیا کرو گے؟ (کیونکہ اس وقت ان کی ہجو کرنے سے خود میری بھی ہجو ہو جائے گی) اس پر حسان نے عرض کی میں آپ کو ان میں سے اس طرح صاف نکال لوں گا جیسا بال آٹے میں سے صاف نکال لیا جاتا (یعنی ان کے افعال واعمال پر ان کی ہجو کروں گا)...... (بخاری شریف)

تشریح: عرب میں ہجو ومدح کا عام دستور تھا اور اپنے دشمن کی ہجو کرنا ان کے نزدیک اس کے قتل کرنے سے بھی زیادہ شدید سمجھی جاتی تھی کیونکہ قتل سے تو اس کو صرف ایک بار ہی تکلیف پہنچتی تھی اور ہجو کے اشعار جو گلی کوچوں میں بچے پڑھتے پھرتے تھے اس لیے اس کی تکلیف ان کو تلوار اور برچھے سے بھی زیادہ ہوتی تھی اسی لیے آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا (لهی اشد علیهم من رشق النبل او کما قال) یہ ان کے نزدیک تیروں کی بوچھاڑ سے بھی زیادہ تکلیف دہ ہے اسلام میں جہاد کی ایک قسم جہاد باللسان بھی ہے۔

عَنِ الْعَبَّاسِ بْنِ عَبْدِ الْمُطَّلِبِ قَالَ وُلِدَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَخْتُوْنًا مَسْرُوْرًا قَالَ فَاَعْجَبَ جَدَّهُ وَحَظِيَ عِنْدَهُ وَقَالَ لَيَكُوْنَنَّ لِابْنِي هٰذَا شَأْنٌ فَكَانَ لَهُ شَأْنٌ. (رواہ البیہقی)

حضرت عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ روایت فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جب پیدا ہوئے تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم ختنہ شدہ تھے اور آپ کا ناف بھی کٹا ہوا تھا۔ (بیہقی)

عَنْ زَيْدِ بْنِ ثَابِتٍ قَالَ كَانَ اَحْبَارُ يَهُوْدِ بَنِي قُرَيْظَةَ وَالنَّضِيْرِ يَذْكُرُوْنَ صِفَةَ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَلَمَّا طَلَعَ الْكَوْكَبُ الْاَحْمَرُ اَخْبَرُوْا اَنَّهُ نَبِيٌّ وَاَنَّهُ لَا نَبِيَّ بَعْدَهُ وَاسْمُهُ اَحْمَدُ وَمُهَاجَرُهُ اِلَى يَثْرِبَ فَلَمَّا قَدِمَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ الْمَدِيْنَةَ اَنْكَرُوْا وَحَسَدُوْا وَكَفَرُوْا. (رواہ ابو نعیم من طرق متعددۃ)

زید بن ثابت بیان کرتے ہیں کہ قبیلہ بنو نضیر اور بنو قریظہ کے علماء رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ظہور سے قبل آپ کا حلیہ مبارک اور آپ کے سب علامات بیان کرتے تھے حتیٰ کہ جب سرخ رنگ کا ستارہ طلوع ہوا تو انہوں نے خبر دی کہ یہ (اسی رسول کے ظہور کی علامت ہے) لہٰذا آپ نبی ہیں اور آپ کے بعد اور کوئی نبی نہیں ہوگا۔ آپ کا اسم احمد اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی ہجرت کے شہر کا نام یثرب ہے مگر جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم مدینہ تشریف لائے تو ان ہی یہود نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم پر حسد کیا اور آپ کا انکار کیا اور کافر بن گئے۔ (ابو نعیم)

عَنْ خَالِدِ بْنِ مَعْدَانَ عَنْ اَصْحَابِ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَنَّهُمْ قَالُوْا يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ اَخْبِرْنَا عَنْ نَفْسِكَ قَالَ دَعْوَةُ اِبْرَاهِيْمَ وَبُشْرٰى عِيْسٰى وَرَاَتْ اُمِّي حِيْنَ حَمَلَتْ بِي كَاَنَّهُ خَرَجَ مِنْهَا نُوْرٌ اَضَاءَتْ لَهُ بُصْرٰى مِنْ اَرْضِ الشَّامِ. (رواہ الامام احمد قال ابن کثیر اسنادہ جید)

خالد بن معدان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے صحابہ سے یہ روایت کرتے ہیں کہ انہوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم

سے پوچھا: آپ اپنے متعلق کچھ ہم سے ارشاد فرمائیں؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ میرے لیے حضرت ابراہیم (علیہ الصلوٰۃ والسلام) نے دعا فرمائی اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے بشارت دی اور حالت حمل میں میری والدہ نے دیکھا گویا اُن سے ایک نور ظاہر ہوا جس سے کہ بصری جو ملک شام کا ایک شہر ہے سب روشن ہو گیا۔ (مسند احمد)

تشریح۔ حافظ ابن کثیر فرماتے ہیں کہ اس مختصر تذکرہ سے آپ کا مقصد یہ تھا کہ میری بعثت اور ظہور کا تذکرہ سب انبیاء علیہم السلام میں رہا ہے۔ چنانچہ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے جن کی طرف عرب اپنی نسبت کرتے ہیں سب سے پہلے بڑی ایضاح والحاح کے ساتھ میرے لیے دعا فرمائی۔ اس کے بعد بنی اسرائیل کے سب سے آخری نبی یعنی حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے میری بشارت دی جس سے ظاہر ہے کہ درمیانی سب انبیاء علیہم السلام نے بھی میری بشارت دی تھی پس جس کی آمد آمد کی خبریں اس طرح انبیاء علیہم السلام کی مقدس جماعتوں میں مسلسل چلی آ رہی ہوں اس کی شرافت و نبوت کے لیے اس سے بڑھ کر اور کیا دلیل ہو سکتی ہے اس کے بعد حافظ ابن کثیر لکھتے ہیں: "وفيه بشارة لاهل محلتنا ارض بصرى الخ" کہ اس میں ہمارے شہر بصری کے لیے ایک بڑی بشارت ثابت ہوتی ہے کیونکہ شام کی زمین میں سب سے پہلا شہر یہی ہے جس میں نور نبوت پہنچا چنانچہ صدیق اکبر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی خلافت میں کسی جنگ کے بغیر یہ شہر صلحاً فتح ہوا اور اس شہر میں نبوت سے قبل آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم دوبارہ تشریف بھی لا چکے ہیں۔ ایک بار بارہ سال کی عمر میں جس میں بحیرا راہب کا قصہ پیش آیا تھا دوسری بار میسرہ غلام کے ساتھ اور اس شہر میں آپ کے ناقہ کے بیٹھنے کی جگہ بھی موجود ہے جس کے متعلق کہا جاتا ہے کہ یہاں آپ کی ناقہ بیٹھی تھی اور اس کا نشان پڑ گیا تھا اور یہ وہی شہر ہے کہ جہاں کے اونٹوں کی گردنیں اس آگ کی وجہ سے جو ایک بار ۶۵۴ھ میں حجاز میں نکلی تھی چمکتی نظر آتی تھیں اور جس کے متعلق آپ پہلے پیشین گوئی فرما چکے تھے۔

عَنْ عُمَرَ بْنِ الْخَطَّابِ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَمَّا اقْتَرَفَ اٰدَمُ الْخَطِيْئَةَ قَالَ يَا رَبِّ اَسْأَلُكَ بِحَقِّ مُحَمَّدٍ اِلَّا غَفَرْتَ لِيْ فَقَالَ اللّٰهُ يَا اٰدَمُ كَيْفَ عَرَفْتَ مُحَمَّدًا وَلَمْ اَخْلُقْهُ بَعْدُ فَقَالَ يَا رَبِّ لِاَنَّكَ لَمَّا خَلَقْتَنِيْ بِيَدِكَ وَنَفَخْتَ فِيَّ مِنْ رُوْحِكَ رَفَعْتُ رَأْسِيْ فَرَأَيْتُ عَلٰى قَوَائِمِ الْعَرْشِ مَكْتُوْبًا لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ مُحَمَّدٌ رَسُوْلُ اللّٰهِ فَعَلِمْتُ اَنَّكَ لَمْ تُضِفْ اِلٰى اسْمِكَ اِلَّا اَحَبَّ الْخَلْقِ اِلَيْكَ فَقَالَ اللّٰهُ صَدَقْتَ يَا اٰدَمُ اِنَّهُ لَاَحَبُّ الْخَلْقِ اِلَيَّ وَاِذْ قَدْ سَأَلْتَنِيْ بِحَقِّهِ فَقَدْ غَفَرْتُ لَكَ وَلَوْلَا مُحَمَّدٌ مَا خَلَقْتُكَ. (رواه الحاكم وقال البيهقى)

عمر بن الخطاب رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جب آدم علیہ السلام سے خطا سرزد ہو گئی تو انہوں نے یوں دعا کی اے رب! اس حق کے طفیل میں جو محمد صلی اللہ علیہ وسلم کا تو نے رکھا ہے مجھ کو بخش دے اللہ تعالیٰ نے فرمایا آدم تم نے محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کو کیسے پہچانا؟ میں نے تو ان کو اب تک پیدا بھی نہیں کیا۔ انہوں نے عرض کیا اے رب! جب تو نے مجھ کو اپنے دست قدرت سے بنایا اور اپنی جانب سے اس میں روح ڈالی تو میں نے جب سر اٹھایا تو کیا دیکھتا ہوں کہ عرش کے پایوں پر یہ کلمہ لکھا ہوا تھا "لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ مُحَمَّدٌ رَسُوْلُ اللّٰهِ" میں سمجھ گیا کہ جس کے نام کو تو نے اپنے اسم مبارک

کے ساتھ رکھا ہے یہ وہی شخص ہوسکتا ہے جو مجھ کو اپنی مخلوق بھر میں سب سے پیارا ہو۔ اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا اے آدم! تم نے درست کہا' بے شک وہ مجھ کو تمام مخلوق میں سب سے پیارے ہیں اور جب تم نے ان کے حق کے وسیلہ سے مجھ سے سوال کیا ہے تو جاؤ میں نے تم کو بخش دیا' اگر یہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم نہ ہوتے تو میں تم کو بھی پیدا نہ کرتا۔ (حاکم) بیہقی کہتے ہیں کہ اس میں ایک راوی عبدالرحمن بن زید بن اسلم ہیں اور وہ ضعیف ہیں۔

عَنْ اِبْنِ عَبَّاسٍ قَالَ كَانَ بَنُو اَبِىْ طَالِبٍ يُصْبِحُوْنَ رُمْصًا عُمْصًا وَيُصْبِحُ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ صَقِيْلًا دَهِيْنًا وَكَانَ اَبُوْ طَالِبٍ يُقَرِّبُ اِلَى الصِّبْيَانِ صَحْفَتَهُمْ اَوَّلَ الْبُكْرَةِ فَيَجْلِسُوْنَ وَيَنْتَهِبُوْنَ وَيَكُفُّ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَدَهُ فَلَا يَنْتَهِبُ مَعَهُمْ فَلَمَّا رَاٰى ذٰلِكَ عَمُّهُ عَزَلَ لَهُ طَعَامَهُ عَلٰى حِدَةٍ. (كذا فى البداية والنهاية ص ۲۸۳ ج ۲)

ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ ابو طالب کی اولاد جب صبح کو اٹھتی تو عام دستور کے مطابق ان کی آنکھوں میں میل ہوتا اور بال پراگندہ حال ہوتے لیکن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم صاف ستھرے اٹھتے۔ یوں معلوم ہوتا کہ جیسے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے بالوں میں تیل لگا ہوا ہے۔ ابو طالب کا طریقہ یہ تھا کہ اپنے بچوں کو صبح سویرے ناشتہ دے دیتے' بچے بیٹھ جاتے اور بچوں کی عادت کی طرح چھینا جھپٹی شروع کر دیتے مگر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اپنا ہاتھ کھینچے رکھتے اور دوسرے بچوں کے ساتھ چھینا جھپٹی میں شریک نہ ہوتے تھے۔ جب ابو طالب نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی یہ کیفیت دیکھی تو پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو علیحدہ ناشتہ دینے لگے تاکہ آپ پیٹ بھر کر کھا سکیں۔

تشریح۔ حافظ ابن کثیر رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی مشہور تاریخ البدایہ والنہایہ میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی سیرت مبارک کا ذکر کرتے ہوئے سب سے پہلے آپ کے نسب شریف کا تذکرہ کیا ہے اور تاریخ و احادیث کی روشنی میں یہ ثابت کیا ہے کہ آپ عرب میں سب کے نزدیک مسلم شریف النسب تھے۔ جیسا کہ ہرقل کی حدیث میں ابو سفیان کی شہادت پہلے گزر چکی ہے اس کے بعد آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی ولادت باسعادت کی تاریخ پر بحث کی ہے پھر آپ کے والد ماجد حضرت عبداللہ کی پیشانی پر آپ کا نور چمکنا اور حضرت آمنہ کے حاملہ ہو جانے کے بعد اس نور کا محسوس نہ ہونا اور اس سلسلہ میں عرب کی عورتوں کے اشتیاق کے سب واقعات بھی ذکر فرمائے ہیں۔ اس کے بعد جس شب میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی ولادت باسعادت ہوئی ہے اس کے عجائبات کا مفصل تذکرہ لکھا ہے اور اس کے بعد ایوان کسریٰ کے کنگروں کا گرنا اور آتش کدہ فارس کی آگ گل ہو جانے وغیرہ پر بھی مستقل ایک باب باندھا ہے۔ اسی طرح آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی عہد طفولیت کے ایک ایک واقعہ کو علیحدہ علیحدہ لکھ کر آپ کی بعثت کا ذکر شروع کیا ہے اور اس سلسلہ میں تورات و انجیل کی بشارت اور علماء یہود و نصاریٰ کی بشارتیں اور شہادتیں بھی پوری تفصیل کے ساتھ ذکر فرمائی ہیں حتیٰ کہ سیف بن ذی یزن کی بشارت پر ایک مستقل فصل قائم کی ہے اور آخر میں جنات کی مختلف آوازوں' کاہنوں کی خبروں اور بتوں سے آپ کے ظہور کی جو شہادتیں سنی گئی تھیں ان کو بھی ایک مستقل باب میں ذکر فرمایا ہے اور اس سلسلہ میں احادیث و تاریخ کے علاوہ شعراء عرب کے اشعار کا بھی ایک اچھا خاصہ حصہ نقل فرمایا ہے جس کے مطالعہ سے معلوم ہوتا ہے کہ انبیاء علیہم السلام جب دنیا میں ظاہر ہوتے ہیں تو اس وقت عالم میں انقلاب کا عالم کیا ہوتا ہے ان کے سچائی کے نشانات ان سے

پہلے اور ان کے ساتھ کس درجہ کثرت اور صفائی کے ساتھ عالم کے ذرہ ذرہ اور اس کے گوشہ گوشہ سے ہویدا ہوتے ہیں۔ پھر جب نبی امی حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ظہور ہوا تو کس طرح یہ سارے نشانات آسمان وزمین پر چمک رہے تھے کتب سماویہ اور اہل کتاب کے علماء ہی نہیں بلکہ جن وانس کا سارا عالم کس طرح آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے چشم براہ تھے اور اس سے گزر کر عالم جمادات بھی آپ کی آمد آمد کی خبریں دے رہا تھا لیکن اس مادی دنیا میں کون ہے جو ان حقائق کی دنیا کا اقرار کر کے اپنی مادی دنیا کو ٹھیس لگانا برداشت کرے اس لیے ہزار حیلے کر کے اس کے انکار کے درپے ہے۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا مختصر حلیہ شریفہ

واضح رہے کہ آج یہ عام دستور ہے کہ ہر کتاب کے شروع میں اس کے مؤلف کا فوٹو بھی لگا دیا جاتا ہے جس کی بڑی غرض و غایت یہ ہوتی ہے کہ علم قیافہ کی رو سے یہ اندازہ لگایا جا سکے کہ اس کتاب کا مؤلف کس خلوص نیت، کس علو ہمت، کس علم وفراست اور کن اخلاق وملکات کا مالک ہے تا کہ اس کے کلام کے مطالعہ سے قبل اس کے طالع انور کا مطالعہ کر لینا کتاب کے دیباچہ کا کام دے۔ گزشتہ اوراق میں آپ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے اخلاق وشمائل اور آپ کی پاکیزہ و بلند تعلیمات اور آپ کی محیر العقول تربیت کا کچھ نقشہ ملاحظہ فرما چکے ہیں اب آپ کا مختصر حلیہ شریفہ بھی ملاحظہ کر لیجئے تا کہ آپ کے کمالات علمیہ کو دیکھ کر آپ کے مقدس حلیہ کی کچھ تصویر آپ کے سامنے آ سکے اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی مبارک صورت کو پڑھ کر آپ کے علمی کمالات کا کچھ اندازہ کیا جا سکے۔ ہر چند کہ حسن لامحدود کا محدود الفاظ و حروف سے کیا اندازہ کیا جا سکتا ہے۔ تاہم اس بارے میں آپ کے مقدس صحابہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم آپ کے حلیہ شریفہ کے متعلق جو کچھ بیان میں لا سکتے تھے وہ لے آئے ہیں یہ ان کا بہت بڑا احسان ہے کہ انہوں نے اس غائب از نسبت کے لیے جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے دیدار سے محروم رہی کم از کم یہ سامان تسلی چھوڑ دیا ہے:

بلا بودے اگر ایں ہم نبودے

لہٰذا اب آپ اس کو پورے ذوق وشوق اور پورے ایمان وایقان کے ساتھ پڑھیں اور بار بار پڑھیں شاید کہ اسی راستے سے آپ کے قلب میں حسن نبوت کا عشق سما جائے اور اسی طرح پروردگار کے حسن حقیقی کا کوئی جلوہ نصیب ہونے کی راہ کھل جائے۔

دارم ز تو در گنج مقصود نشان   گر ما نرسیدیم تو شاید برسی

یہاں بڑی اہمیت کے ساتھ یہ بات یاد رکھنی چاہیے کہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے شمائل نبویہ علیہ الصلوٰۃ والسلام کے نقل کرنے میں ذرا سی رنگ آمیزی سے بھی کام نہیں لیا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ احادیث میں یہ باب آپ کو سب سے مختصر ملے گا ورنہ عرب کی لغت کی وسعت پر بحث کا میدان صرف محبت کا نہیں بلکہ ایمان کا بھی نہ معلوم یہاں ایک ایک صحابی کتنے دفتر کے دفتر طول کر کے رکھ دیتا مگر نبوت کے یہ تربیت یافتہ جب اپنی عام بات چیت میں بھی مبالغہ آمیزی اور شاعرانہ خیال بندیوں کو چھوڑ چکے ہوں تو حسن نبوت کے بیان کرنے میں بھلا وہ ان تعبیرات سے کیا کام لیتے اس لیے آپ اب ان احادیث کو اسی جزم و یقین کے ساتھ پڑھئے کہ راوی نے جو بھی کہا ہے وہ کسی مبالغہ کے بغیر حرف بحرف وہی کہا ہے جو اس کی آنکھوں نے دیکھا۔ حسرت ہے کہ اس اہم باب کو پڑھنے والے عام طور پر صرف ادب کی کتاب کی طرح عبارت کا حل کر کے آگے نکل دیتے ہیں اور یہ طور

نہیں کرتے کہ صرف شکل ہی کے آئینہ میں حسن نبوت کا تصور قائم کیا جا سکتا ہے۔

عَنْ جَابِرِ بْنِ سَمُرَةَ قَالَ كَانَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَدْ شَمِطَ مُقَدَّمُ رَأْسِهٖ وَلِحْيَتِهٖ وَكَانَ اِذَا ادَّهَنَ لَمْ يَتَبَيَّنْ وَاِذَا شَعِثَ رَأْسُهٗ تَبَيَّنَ وَكَانَ كَثِيْرَ شَعْرِ اللِّحْيَةِ فَقَالَ رَجُلٌ وَجْهُهٗ مِثْلُ السَّيْفِ قَالَ لَا بَلْ كَانَ مِثْلَ الشَّمْسِ وَالْقَمَرِ وَكَانَ مُسْتَدِيْرًا وَرَأَيْتُ الْخَاتَمَ عِنْدَ كَتِفِهٖ مِثْلَ بَيْضَةِ الْحَمَامَةِ يُشْبِهُ جَسَدَهٗ. رواہ مسلم

جابر بن سمرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے سر کے اگلے حصہ کے بالوں میں اور داڑھی میں کچھ سفیدی آ گئی تھی مگر وہ تیل لگاتے تو تیل کی چمک کی وجہ سے وہ سفیدی ظاہر نہ ہوتی اور جب سر میں تیل نہ ہوتا تو چمکتی۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی ریش مبارک گھنی تھی۔ ایک شخص نے پوچھا کیا آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا روئے انور تلوار کی طرح روشن تھا؟ تو دوسرے نے کہا نہیں بلکہ آفتاب و ماہتاب کی طرح چمکدار اور گولائی لیے ہوئے تھا (تلوار لمبی ہوتی ہے) میں نے مہر نبوت کو دیکھا ہے وہ آپ کے مونڈھے کے پاس تھی جیسے کبوتر کا انڈا ہو اس کا رنگ وہی تھا جو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے جسم مبارک کا رنگ تھا۔ (مسلم)

عَنْ اَنَسٍ قَالَ كَانَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَيْسَ بِالطَّوِيْلِ الْبَائِنِ وَلَا بِالْقَصِيْرِ وَلَيْسَ بِالْاَبْيَضِ الْاَمْهَقِ وَلَا بِالْاٰدَمِ وَلَيْسَ بِالْجَعْدِ الْقَطَطِ وَلَا بِالسَّبِطِ بَعَثَهُ اللّٰهُ عَلٰى رَأْسِ اَرْبَعِيْنَ سَنَةً فَاَقَامَ بِمَكَّةَ عَشْرَ سِنِيْنَ وَبِالْمَدِيْنَةِ عَشْرَ سِنِيْنَ وَتَوَفَّاهُ اللّٰهُ عَلٰى رَأْسِ سِتِّيْنَ سَنَةً وَلَيْسَ فِيْ رَأْسِهٖ وَلِحْيَتِهٖ عِشْرُوْنَ شَعْرَةً بَيْضَاءَ (وفي رواية) يَصِفُ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ كَانَ رَبْعَةً مِنَ الْقَوْمِ لَيْسَ بِالطَّوِيْلِ وَلَا بِالْقَصِيْرِ اَزْهَرَ اللَّوْنِ وَقَالَ كَانَ شَعْرُ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اِلٰى اَنْصَافِ اُذُنَيْهِ وَعَاتِقِهٖ متفق عليه وفي رواية البخاري قَالَ كَانَ ضَخْمَ الرَّأْسِ وَالْقَدَمَيْنِ لَمْ اَرَ بَعْدَهٗ وَلَا قَبْلَهٗ مِثْلَهٗ وَكَانَ سَبِطَ الْكَفَّيْنِ وفي اخرى له قَالَ كَانَ شَثْنَ الْقَدَمَيْنِ وَالْكَفَّيْنِ.

انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نہ بہت دراز قامت تھے اور نہ پست قد اور نہ بالکل چونے کی طرح سفید اور نہ گندم گوں (بلکہ سرخی مائل گورے) آپ کے بال کچھ خمیدہ نہ بہت زیادہ گھونگر والے اور نہ بالکل سیدھے اللہ تعالیٰ نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو چالیس سال کی عمر میں منصب نبوت سے نوازا اس کے بعد دس سال آپ مکہ مکرمہ میں رہے پھر دس سال مدینہ طیبہ میں اس طرح جب آپ کی وفات ہوئی تو اس وقت آپ کی عمر مبارک ساٹھ برس کی تھی (راوی نے کسر شمار نہیں کی ہے) اس وقت تک آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی ریش مبارک اور سر میں بیس بال بھی سفید نہ ہوئے تھے۔ دوسری روایت میں اس طرح ہے کہ وہ آپ کا حلیہ مبارک یوں بیان فرماتے تھے کہ آپ میانہ قد تھے نہ بہت لمبے نہ ٹھگنے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا رنگ روشن اور چمکدار تھا اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے بالوں کے متعلق یہ بیان کرتے تھے کہ بعض اوقات وہ نصف کانوں تک بھی ہوتے تھے۔ بخاری کی ایک روایت میں یہ بھی ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا سر مبارک بڑا تھا اور پیر بھی کسی قدر بڑے تھے میں نے آپ جیسا حسین و خوبصورت نہ آپ سے پہلے کوئی دیکھا اور نہ آپ کے بعد اور آپ کی ہتھیلیاں کشادہ تھیں۔

ایک روایت میں ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے پیر اور ہتھیلیاں پر گوشت اور گداز تھیں۔

عَنْ اَبِیْ عُبَیْدَۃَ بْنِ مُحَمَّدِ بْنِ عَمَّارِ بْنِ یَاسِرٍ قَالَ قُلْتُ لِلرُّبَیِّعِ بِنْتِ مُعَوِّذِ بْنِ عَفْرَاءَ صِفِیْ لَنَا رَسُوْلَ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ قَالَتْ یَابُنَیَّ لَوْ رَاَیْتَہٗ رَاَیْتَ الشَّمْسَ طَالِعَۃً۔ (رواہ الدارمی)

ابوعبیدہ بن محمد بن عمار بن یاسر روایت کرتے ہیں کہ میں نے ربیع بنت معوذ سے عرض کی کہ آپ ہم سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا حلیہ مبارک بیان فرمائیں؟ انہوں نے فرمایا عزیز من! اگر تم آپ کو دیکھتے تو یہ سمجھتے کہ آفتاب نکل آیا ہے۔ (دارمی)

وَعَنْ جَابِرِ بْنِ سَمُرَۃَ قَالَ رَاَیْتُ النَّبِیَّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ فِیْ لَیْلَۃٍ اِضْحِیَانٍ فَجَعَلْتُ اَنْظُرُ اِلٰی رَسُوْلِ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ وَاِلَی الْقَمَرِ وَعَلَیْہِ حُلَّۃٌ حَمْرَاءُ فَاِذَا ھُوَ اَحْسَنُ عِنْدِیْ مِنَ الْقَمَرِ۔ (رواہ الترمذی والدارمی)

جابر بن سمرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ بیان فرماتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو ایک روشن چاندنی رات میں دیکھا تو میں کبھی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو اور کبھی چاند کو دیکھنے لگا۔ اس وقت آپ صلی اللہ علیہ وسلم سرخ حلہ پہنے ہوئے تھے مجھے تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم چاند سے زیادہ حسین نظر آتے تھے۔ (ترمذی شریف، دارمی)

عَنِ الْبَرَاءِ قَالَ کَانَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ مَرْبُوْعًا بَعِیْدَ مَا بَیْنَ الْمَنْکِبَیْنِ لَہٗ شَعْرٌ بَلَغَ شَحْمَۃَ اُذُنَیْہِ رَاَیْتُہٗ فِیْ حُلَّۃٍ حَمْرَاءَ لَمْ اَرَ شَیْئًا قَطُّ اَحْسَنَ مِنْہُ مُتَّفَقٌ عَلَیْہِ وَفِیْ رِوَایَۃٍ لِمُسْلِمٍ قَالَ مَا رَاَیْتُ مِنْ ذِیْ لِمَّۃٍ اَحْسَنَ فِیْ حُلَّۃٍ حَمْرَاءَ مِنْ رَسُوْلِ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ شَعْرُہٗ یَضْرِبُ مَنْکِبَیْہِ بَعِیْدَ مَا بَیْنَ الْمَنْکِبَیْنِ لَیْسَ بِالطَّوِیْلِ وَلَا بِالْقَصِیْرِ۔

براء رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم میانہ قد تھے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے دونوں شانوں کے درمیان زیادہ فاصلہ تھا آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے بال تھے جو کبھی کانوں کی لو تک ہوتے تھے میں نے ایک مرتبہ آپ کو سرخ لباس میں دیکھا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے بڑھ کر میں نے کسی کو خوبصورت نہیں دیکھا۔ (متفق علیہ) مسلم کی روایت میں اس طرح ہے کہ میں نے سرخ لباس میں کسی گیسو والے شخص کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے بڑھ کر خوبصورت نہیں دیکھا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے بال کبھی شانوں تک بھی آجاتے تھے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے دونوں شانوں کے درمیان کچھ فاصلہ تھا آپ نہ بہت دراز قامت نہ زیادہ پست قد تھے۔

عَنْ سِمَاکِ بْنِ حَرْبٍ عَنْ جَابِرِ بْنِ سَمُرَۃَ قَالَ کَانَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ ضَلِیْعَ الْفَمِ اَشْکَلَ الْعَیْنِ مَنْھُوْسَ الْعَقِبَیْنِ قِیْلَ لِسِمَاکٍ مَا ضَلِیْعُ الْفَمِ قَالَ عَظِیْمُ الْفَمِ قِیْلَ مَا اَشْکَلُ الْعَیْنِ قَالَ طَوِیْلُ شِقِّ الْعَیْنِ قِیْلَ مَا مَنْھُوْسُ الْعَقِبَیْنِ قَالَ قَلِیْلُ لَحْمِ الْعَقِبِ۔ (رواہ مسلم)

جابر بن سمرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کشادہ دہن والے تھے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی آنکھیں لمبی، آپ کی ایڑیاں باریک تھیں۔ سماک راوی سے سوال کیا گیا کہ ضلیع الفم کا مطلب کیا ہے؟ انہوں نے کہا کہ منہ کا دہانہ بڑا ہونا پھر ان سے پوچھا گیا کہ اشکل العین کے معنی کیا ہیں؟ انہوں نے کہا کہ آنکھوں کا خانہ لمبا ہونا پھر پوچھا گیا کہ منھوس العقبین کے معنی کیا ہیں؟ انہوں نے کہا کہ ایڑیوں کا پر گوشت نہ ہونا۔ (مسلم)

عَنْ أَبِي الطُّفَيْلِ قَالَ رَأَيْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كَانَ أَبْيَضَ مَلِيْحًا مُقَصَّدًا. (رواہ مسلم)

ابوالطفیل بیان کرتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھا گورے رنگ اور میانہ قد کے تھے۔ (مسلم)

عَنْ ثَابِتٍ قَالَ سُئِلَ أَنَسٌ عَنْ خِضَابِ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقَالَ إِنَّهُ لَمْ يَبْلُغْ مَا يَخْضِبُ لَوْ شِئْتُ أَنْ أَعُدَّ شَمَطَاتِهِ فِي لِحْيَتِهِ وَفِي رِوَايَةٍ لَوْ شِئْتُ أَنْ أَعُدَّ شَمَطَاتٍ كُنَّ فِي رَأْسِهِ فَعَلْتُ متفق عليه وَفِي رِوَايَةٍ لِمُسْلِمٍ قَالَ إِنَّمَا كَانَ الْبَيَاضُ فِي عَنْفَقَتِهِ وَفِي الصُّدْغَيْنِ وَفِي الرَّأْسِ نَبْذٌ.

ثابت روایت کرتے ہیں کہ انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے خضاب کے متعلق دریافت کیا گیا تو انہوں نے فرمایا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے بال اتنے سفید ہی کہاں تھے کہ ان کے خضاب لگانے کی نوبت آتی۔ آپ کی ریش مبارک میں کل اتنے بال سفید تھے کہ اگر میں ان کو شمار کرنے کا ارادہ کرتا تو شمار کر لیتا۔ مسلم کی ایک روایت میں یہ ہے کہ صرف چند بال آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے ریش بچہ کے سفید ہوئے تھے اور کچھ کنپٹیوں میں اور کچھ آپ کے سر میں۔

عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ قَالَ مَا رَأَيْتُ شَيْئًا أَحْسَنَ مِنْ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كَأَنَّ الشَّمْسَ تَجْرِي فِي وَجْهِهِ وَمَا رَأَيْتُ أَحَدًا أَسْرَعَ فِي مِشْيَتِهِ مِنْ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كَأَنَّمَا الْأَرْضُ تُطْوَى لَهُ إِنَّا لَنُجْهِدُ أَنْفُسَنَا وَإِنَّهُ لَغَيْرُ مُكْتَرِثٍ. (رواہ الترمذی)

ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ بیان فرماتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے زیادہ حسین کسی کو نہیں دیکھا یوں معلوم ہوتا تھا گویا کہ اس میں آفتاب چمک رہا ہے اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے زیادہ تیز رفتار بھی میں نے کسی کو نہیں دیکھا۔ جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم چلتے تو یوں معلوم ہوتا گویا زمین آپ کے لیے لپٹی جا رہی ہے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم اپنی معمولی رفتار سے چلتے تھے اور ہم مشکل سے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ چل سکتے تھے۔ (ترمذی)

عَنْ جَابِرِ بْنِ سَمُرَةَ قَالَ كَانَ فِي سَاقَيْ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ حُمُوشَةٌ وَكَانَ لَا يَضْحَكُ إِلَّا تَبَسُّمًا وَكُنْتُ إِذَا نَظَرْتُ إِلَيْهِ قُلْتُ أَكْحَلُ الْعَيْنَيْنِ وَلَيْسَ بِأَكْحَلَ. (رواہ الترمذی)

جابر بن سمرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی پنڈلیوں پر گوشت نہ تھیں بلکہ پتلی سی ہوتی تھیں اور آپ کھل کھلا کر نہ ہنستے صرف مسکراتے تھے جب میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم پر نظر کرتا تو اپنے دل میں کہتا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم سرمہ لگائے ہوئے ہیں مگر آپ سرمہ لگائے ہوئے نہ ہوتے تھے۔ (قدرتی سرگیں چشم تھے) (ترمذی شریف)

عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ قَالَ كَانَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَفْلَجَ الثَّنِيَّتَيْنِ إِذَا تَكَلَّمَ رُئِيَ كَالنُّوْرِ يَخْرُجُ مِنْ بَيْنِ ثَنَايَاهُ. (رواہ الدارمی)

ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے کے دو دانتوں کے درمیان کشادگی تھی۔ جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم گفتگو فرماتے تو یوں معلوم ہوتا کہ آپ کے دانتوں کے درمیان سے نور پھوٹ پھوٹ کر نکل رہا ہے۔ (دارمی)

عَنْ كَعْبِ بْنِ مَالِكٍ قَالَ كَانَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِذَا سُرَّ اسْتَنَارَ وَجْهُهُ حَتَّى

كَانَ وَجْهَهُ قِطْعَةُ قَمَرٍ وَكُنَّا نَعْرِفُ ذٰلِكَ. (متفق علیہ)

کعب بن مالک کہتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جب خوش ہوتے تو آپ کا چہرہ انور یوں چمکنے لگتا جیسا چودھویں رات کے چاند کا ٹکڑا ہے اور اسی سے ہم آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی خوشی کو پہچان لیتے۔ (متفق علیہ)

عَنْ عَلِيِّ ابْنِ أَبِي طَالِبٍ قَالَ كَانَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَيْسَ بِالطَّوِيْلِ وَلَا بِالْقَصِيْرِ ضَخْمُ الرَّأْسِ وَاللِّحْيَةِ شَثْنُ الْكَفَّيْنِ وَالْقَدَمَيْنِ مُشْرَبًا حُمْرَةً ضَخْمُ الْكَرَادِيْسِ طَوِيْلُ الْمَسْرُبَةِ إِذَا مَشٰى تَكَفَّأَ تَكَفُّؤًا كَأَنَّمَا يَنْحَطُّ مِنْ صَبَبٍ لَمْ أَرَ قَبْلَهُ وَلَا بَعْدَهُ مِثْلَهُ (صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ). (رواہ الترمذی وقال ہذا حدیث حسن صحیح)

حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نہ بہت دراز قامت تھے نہ پست قد آپ کا سر بڑا اور ریش مبارک گنجان ہتھیلیاں اور پیر گداز اور پر گوشت رنگ میں سرخی جسم کے جوڑ بڑے پیٹ پر بالوں کی دھاری لمبی جب چلتے تو سامنے کو جھک کر یوں معلوم ہوتا گویا پستی میں اتر رہے ہیں۔ آپ جیسا حسین نہ کسی نے آپ سے پہلے دیکھا نہ بعد میں۔ (ترمذی شریف)

عَنْ عَلِيِّ ابْنِ أَبِي طَالِبٍ كَانَ إِذَا وَصَفَ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ لَمْ يَكُنْ بِالطَّوِيْلِ الْمُمَغَّطِ وَلَا بِالْقَصِيْرِ الْمُتَرَدِّدِ وَكَانَ رَبْعَةً مِنَ الْقَوْمِ وَلَمْ يَكُنْ بِالْجَعْدِ الْقَطَطِ وَلَا بِالسَّبِطِ كَانَ جَعْدًا رَجِلًا وَلَمْ يَكُنْ بِالْمُطَهَّمِ وَلَا بِالْمُكَلْثَمِ وَكَانَ فِي الْوَجْهِ تَدْوِيْرٌ أَبْيَضُ مُشْرَبٌ أَدْعَجُ الْعَيْنَيْنِ أَهْدَبُ الْأَشْفَارِ جَلِيْلُ الْمُشَاشِ وَالْكَتَدِ أَجْرَدُ ذُوْ مَسْرُبَةٍ شَثْنُ الْكَفَّيْنِ وَالْقَدَمَيْنِ إِذَا مَشٰى يَتَقَلَّعُ كَأَنَّمَا يَمْشِيْ فِيْ صَبَبٍ وَإِذَا الْتَفَتَ الْتَفَتَ مَعًا بَيْنَ كَتِفَيْهِ خَاتَمُ النُّبُوَّةِ وَهُوَ خَاتَمُ النَّبِيِّيْنَ أَجْوَدُ النَّاسِ صَدْرًا وَأَصْدَقُ النَّاسِ لَهْجَةً وَأَلْيَنُهُمْ عَرِيْكَةً وَأَكْرَمُهُمْ عَشِيْرَةً مَنْ رَآهُ بَدِيْهَةً هَابَهُ وَمَنْ خَالَطَهُ مَعْرِفَةً أَحَبَّهُ يَقُوْلُ نَاعِتُهُ لَمْ أَرَ قَبْلَهُ وَلَا بَعْدَهُ مِثْلَهُ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ. (رواہ الترمذی)

حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ جب حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا حلیہ بیان فرماتے تو کہا کرتے تھے کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نہ لمبے تھے نہ زیادہ پستہ قد بلکہ میانہ قد لوگوں میں تھے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے بال نہ بالکل پیچیدہ تھے نہ بالکل سیدھے بلکہ کچھ خمیدگی لیے ہوئے تھے نہ آپ موٹے بدن کے تھے نہ گول چہرہ کے البتہ تھوڑی سی گولائی آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے چہرہ میں تھی (یعنی چہرۂ انور نہ بالکل گول تھا نہ بالکل لمبا بلکہ دونوں کے درمیان تھا) حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا رنگ سفید سرخی مائل تھا آپ کی آنکھیں نہایت سیاہ تھیں اور مژگاں دراز بدن کے جوڑ موٹے تھے (مثلاً کہنیاں اور گھٹنے) ایسے ہی دونوں شانوں کے درمیان کی جگہ بھی موٹی اور پر گوشت تھی آپ کے بدن مبارک پر (معمولی طور سے زائد) بال نہیں تھے یعنی بعض آدمی ایسے ہوتے ہیں کہ ان کے بدن پر بال ہی بال ہو جاتے ہیں۔ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے بدن پر خاص خاص حصوں کے علاوہ جیسے بازو و پنڈلیوں وغیرہ ان کے علاوہ اور کہیں بال نہیں تھے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے سینہ سے ناف تک بالوں کی لکیر تھی آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے ہاتھ اور قدم مبارک پر گوشت تھا جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم تشریف لے چلتے تو قدموں کو قوت سے اٹھاتے گویا کہ

نیچی میں اتر رہے ہیں اور جھکے ہوئے چلتے۔ جب آپ کسی کی طرف توجہ فرماتے تو پورے بدن کے ساتھ توجہ فرماتے (یعنی صرف گردن پھیر کر متکبرانہ متوجہ نہ ہوتے تھے) آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے دونوں شانوں کے درمیان مہر نبوت تھی اور تھے بھی آپ خاتم النبیین (یعنی یہ اس کی علامت تھی کہ آپ سب نبیوں کے آخر میں تھے) آپ سب سے زیادہ سخی دل والے تھے اور سب سے زیادہ سچی زبان والے سب سے زیادہ نرم طبیعت والے تھے اور سب سے زیادہ شریف گھرانے والے تھے) غرض آپ صلی اللہ علیہ وسلم دل زبان طبیعت خاندان اوصاف ذاتی اور نسبی ہر چیز میں سب سے زیادہ افضل تھے۔ آپ کو یکایک جو شخص دیکھتا مرعوب ہو جاتا تھا (یعنی آپ کا وقار دبدبہ میں دیکھنے والا رعب کی وجہ سے ہیبت میں آ جاتا تھا) البتہ جو شخص پہچان کر آپ کے ساتھ رہتا تھا وہ دل وجان سے آپ کا فریفتہ ہو جاتا تھا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا حلیہ مبارک بیان کرنے والا صرف یہ کہہ سکتا ہے کہ میں نے حضور اکرم (صلی اللہ علیہ وسلم) جیسا باجمال و باکمال نہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے پہلے دیکھا نہ بعد میں دیکھا۔ (ترمذی)

عَنِ الْحَسَنِ بْنِ عَلِيٍّ قَالَ سَأَلْتُ خَالِيْ هِنْدَ بْنَ اَبِيْ هَالَةَ وَكَانَ وَصَّافًا عَنْ حِلْيَةِ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَاَنَا اَشْتَهِيْ اَنْ يَّصِفَ لِيْ مِنْهَا شَيْئًا اَتَعَلَّقُ بِهٖ فَقَالَ كَانَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَخْمًا مُفَخَّمًا يَتَلَأْلَأُ وَجْهُهٗ تَلَأْلُؤَ الْقَمَرِ لَيْلَةَ الْبَدْرِ اَطْوَلَ مِنَ الْمَرْبُوْعِ وَاَقْصَرَ مِنَ الْمُشَذَّبِ عَظِيْمَ الْهَامَةِ رَجِلَ الشَّعْرِ اِنِ انْفَرَقَتْ عَقِيْقَتُهٗ فَرَقَ وَاِلَّا فَلَا يُجَاوِزُ شَعْرُهٗ شَحْمَةَ اُذُنَيْهِ اِذَا هُوَ وَفَّرَهٗ اَزْهَرَ اللَّوْنِ وَاسِعَ الْجَبِيْنِ اَزَجَّ الْحَوَاجِبِ سَوَابِغَ مِنْ غَيْرِ قَرَنٍ بَيْنَهُمَا عِرْقٌ يُدِرُّهُ الْغَضَبُ اَقْنَى الْعِرْنِيْنِ لَهٗ نُوْرٌ يَعْلُوْهُ يَحْسَبُهٗ مَنْ لَّمْ يَتَاَمَّلْهُ اَشَمَّ كَثَّ اللِّحْيَةِ سَهْلَ الْخَدَّيْنِ ضَلِيْعَ الْفَمِ مُفَلَّجَ الْاَسْنَانِ دَقِيْقَ الْمَسْرُبَةِ كَاَنَّ عُنُقَهٗ جِيْدُ دُمْيَةٍ فِيْ صَفَاءِ الْفِضَّةِ مُعْتَدِلَ الْخَلْقِ بَادِنٌ مُتَمَاسِكٌ سَوَاءُ الْبَطْنِ وَالصَّدْرِ بَعِيْدُ مَا بَيْنَ الْمَنْكِبَيْنِ ضَخْمُ الْكَرَادِيْسِ اَنْوَرُ الْمُتَجَرَّدِ مَوْصُوْلُ مَا بَيْنَ اللَّبَّةِ وَالسُّرَّةِ بِشَعْرٍ يَجْرِيْ كَالْخَطِّ عَارِي الثَّدْيَيْنِ وَالْبَطْنِ مِمَّا سِوٰى ذٰلِكَ اَشْعَرُ الذِّرَاعَيْنِ وَالْمَنْكِبَيْنِ وَاَعَالِي الصَّدْرِ طَوِيْلُ الزَّنْدَيْنِ رَحْبُ الرَّاحَةِ شَثْنُ الْكَفَّيْنِ وَالْقَدَمَيْنِ سَائِلُ الْاَطْرَافِ اَوْ قَالَ شَائِلُ الْاَطْرَافِ خُمْصَانُ الْاَخْمَصَيْنِ مَسِيْحُ الْقَدَمَيْنِ يَنْبُوْ عَنْهُمَا الْمَاءُ اِذَا زَالَ زَالَ قَلْعًا يَخْطُوْ تَكَفِّيًا وَيَمْشِيْ هَوْنًا ذَرِيْعُ الْمِشْيَةِ اِذَا مَشٰى كَاَنَّمَا يَنْحَطُّ مِنْ صَبَبٍ وَاِذَا الْتَفَتَ اِلْتَفَتَ جَمِيْعًا خَافِضُ الطَّرْفِ نَظَرُهٗ اِلَى الْاَرْضِ اَكْثَرُ مِنْ نَظَرِهٖ اِلَى السَّمَاءِ جُلُّ نَظَرِهِ الْمُلَاحَظَةُ يَسُوْقُ اَصْحَابَهٗ يَبْدَاُ مَنْ لَقِيَ بِالسَّلَامِ. (رواہ الترمذی)

حضرت امام حسن رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ میں نے اپنے ماموں ہند بن ابی ہالہ سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا حلیہ مبارک دریافت کیا اور وہ آپ کا حلیہ بیان کرنے کا بڑا اشتغال رکھتے تھے میں نے چاہا کہ وہ آپ کے اوصاف جمیلہ کا میرے سامنے بھی کچھ ذکر فرمائیں تاکہ میں ان کو اپنے اندر پیدا کرنے کی کوشش کروں (حضرت امام حسن آپ کے وصال کے وقت بہت کم سن تھے اس لیے اس وقت تک ان امور پر غور کرنے کا ان کو موقع نہ مل سکا تھا) چنانچہ ان کی فرمائش پر انہوں نے آپ کا

حلیہ اس طرح بیان فرمایا کہ آپ خود بڑے بھاری بھرکم تھے اور لوگوں کی نظروں میں بھی بزرگ و برتر تھے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا روئے انور اس طرح چمکتا تھا جیسے چودھویں رات کا چاند پورے میانہ قد والے سے ذرا دراز قامت اور بالکل لمبے بے ڈول سے پست قامت، سر مبارک بڑا، بال اتنے خمیدہ جیسے گھونگھر والے بالوں میں کنگھی کی ہو، اگر سہولت سے مانگ نکل آتی تو نکال لیتے ورنہ اس کا تکلف نہ فرماتے۔ جب آپ کے گیسو دراز ہو جاتے تو کانوں کی لو سے ذرا نیچے آ جاتے، رنگ پر انوار اور روشن پیشانی کشادہ، ابرو خمدار، باریک اور گنجان اور دونوں ابرو جدا جدا درمیان میں ایک رگ جو غصہ میں ابھر جاتی، بلند بینی اس پر چمکتا ہوا نور سرسری طور پر دیکھنے والا یوں سمجھے کہ شاید آپ کی ناک ہی بلند ہے (حالانکہ وہ نور کی چمک ہوتی ہے) ریش مبارک گنجان تھی، ہموار رخسار (لٹکے ہوئے پر گوشت نہیں) فراخ دہن، دندان مبارک کے درمیان ذرا ذرا سا فاصلہ، سینہ سے لے کر ناف تک بالوں کی ایک باریک سی دھاری، گردن مورتی کی سی تراشی ہوئی اور چاندی کی طرح سفید اور چمکدار، نہایت معتدل، پر گوشت جسم، گٹھے ہوئے، سینہ اور شکم ہموار (یعنی پیٹ بڑھا نہ تھا) دونوں مونڈھوں کے درمیان ذرا فاصلہ اور کشادگی، عضو مضبوط جوڑ بند کپڑوں سے باہر جسم کا حصہ گورا (تو ڈھکے ہوئے کا کیا کہنا) حلق اور ناف کے درمیان بالوں کی ایک لکیر اس کے علاوہ چھاتیاں اور پیٹ بالوں سے خالی البتہ دونوں بازوؤں اور کندھوں اور سینہ کے بالائی حصے پر بال تھے۔ آپ کی کلائیاں دراز، ہتھیلیاں فراخ دونوں ہاتھ اور پیر پر گوشت اور گداز اور انگلیاں دراز، پاؤں کے تلوے ذرا گہرے، قدم ایسے چکنے کہ پانی ان پر نہ ٹھہر سکے جب قدم اٹھاتے تو زمین سے اٹھا کر (یعنی گھسیٹ کر نہ چلتے) اور آگے کو جھک کر، جب زمین پر قدم رکھتے تو آہستہ (متکبرانہ نہیں) تیز رفتار، یوں معلوم ہوتا گویا پستی میں اتر رہے ہیں، جب کسی کی طرف متوجہ ہوتے تو پورے جسم کے ساتھ (متکبروں کی طرح نہیں) نظریں نیچی، بہ نسبت آسمان کے آپ کی نظر اکثر زمین کی طرف رہتی، ہاں اگر وحی کا انتظار ہوتا تو آسمان کی طرف دیکھتے) اکثر گوشۂ چشم سے دیکھتے (حیاء کی وجہ سے) چلنے میں اپنے صحابہ کو آگے رکھتے اور جس شخص سے بھی ملتے پہلے اس کو خود سلام کرتے۔ (سبحان اللہ! کیا حسن سیرت اور کیا جمال صورت تھا) (ترمذی شریف)

عَنِ الْحَسَنِ فِيْ حَدِيْثِهِ عَنْ خَالِهِ كَمَا مَرَّ قَالَ الْحَسَنُ فَكَتَمْتُهَا الْحُسَيْنَ زَمَانًا ثُمَّ حَدَّثْتُهُ فَوَجَدْتُهُ قَدْ سَبَقَنِيْ إِلَيْهِ فَسَأَلَهُ عَمَّا سَأَلْتُهُ عَنْهُ وَوَجَدْتُهُ قَدْ سَأَلَ أَبَاهُ عَنْ مَدْخَلِهِ وَعَنْ مَخْرَجِهِ وَشَكْلِهِ فَلَمْ يَدَعْ مِنْهُ شَيْئًا قَالَ الْحُسَيْنُ فَسَأَلْتُ أَبِيْ عَنْ دُخُوْلِ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقَالَ كَانَ إِذَا أَوٰى إِلٰى مَنْزِلِهِ جَزَّأَ دُخُوْلَهُ ثَلَاثَةَ أَجْزَاءٍ جُزْءًا لِلّٰهِ عَزَّ وَجَلَّ وَجُزْءًا لِأَهْلِهِ وَجُزْءًا لِنَفْسِهِ ثُمَّ جَزَّأَ جُزْءَهُ بَيْنَهُ وَبَيْنَ النَّاسِ فَيَرُدُّ ذٰلِكَ بِالْخَاصَّةِ عَلَى الْعَامَّةِ وَلَا يَدَّخِرُ عَنْهُمْ شَيْئًا وَكَانَ مِنْ سِيْرَتِهِ فِيْ جُزْءِ الْأُمَّةِ إِيْثَارُ أَهْلِ الْفَضْلِ بِإِذْنِهِ وَقَسْمِهِ عَلٰى قَدْرِ فَضْلِهِمْ فِي الدِّيْنِ فَمِنْهُمْ ذُو الْحَاجَةِ وَمِنْهُمْ ذُو الْحَاجَتَيْنِ وَمِنْهُمْ ذُو الْحَوَائِجِ فَيَتَشَاغَلُ بِهِمْ وَيَشْغَلُهُمْ فِيْمَا يُصْلِحُهُمْ وَالْأُمَّةَ مِنْ مَسْأَلَتِهِمْ عَنْهُ وَإِخْبَارِهِمْ بِالَّذِيْ يَنْبَغِيْ لَهُمْ وَيَقُوْلُ لِيُبَلِّغِ الشَّاهِدُ مِنْكُمُ الْغَائِبَ وَأَبْلِغُوْنِيْ حَاجَةَ مَنْ لَا يَسْتَطِيْعُ إِبْلَاغَهَا فَإِنَّهُ مَنْ أَبْلَغَ سُلْطَانًا حَاجَةَ مَنْ لَا يَسْتَطِيْعُ

إِبْلَاغَهَا ثَبَّتَ اللّٰهُ قَدَمَيْهِ يَوْمَ الْقِيَامَةِ وَلَا يُذْكَرُ عِنْدَهُ إِلَّا ذٰلِكَ وَلَا يَقْبَلُ مِنْ أَحَدٍ غَيْرَهُ يَدْخُلُوْنَ رُوَّادًا وَلَا يَفْتَرِقُوْنَ إِلَّا عَنْ ذَوَاقٍ وَيَخْرُجُوْنَ أَدِلَّةً يَعْنِيْ عَلَى الْخَيْرِ قَالَ فَسَأَلْتُهُ عَنْ مَخْرَجِهِ كَيْفَ كَانَ يَصْنَعُ فِيْهِ قَالَ كَانَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَخْزُنُ لِسَانَهُ إِلَّا فِيْمَا يَعْنِيْهِ وَيُؤَلِّفُهُمْ وَلَا يُنَفِّرُهُمْ وَيُكْرِمُ كَرِيْمَ كُلِّ قَوْمٍ وَيُوَلِّيْهِ عَلَيْهِمْ وَيُحَذِّرُ النَّاسَ وَيَحْتَرِسُ مِنْهُمْ مِنْ غَيْرِ أَنْ يَطْوِيَ عَلَى أَحَدٍ مِنْهُمْ بِشْرَهُ وَلَا خُلُقَهُ وَيَتَفَقَّدُ أَصْحَابَهُ وَيَسْأَلُ النَّاسَ عَمَّا فِي النَّاسِ وَيُحَسِّنُ الْحَسَنَ وَيُقَوِّيْهِ وَيُقَبِّحُ الْقَبِيْحَ وَيُوَهِّيْهِ. مُعْتَدِلُ الْأَمْرِ غَيْرُ مُخْتَلِفٍ وَلَا يَغْفُلُ مَخَافَةَ أَنْ يَغْفُلُوْا وَيَمَلُّوْا. لِكُلِّ حَالٍ عِنْدَهُ عَتَادٌ لَا يُقَصِّرُ عَنِ الْحَقِّ وَلَا يُجَاوِزُهُ. الَّذِيْنَ يَلُوْنَهُ خِيَارُهُمْ أَفْضَلُهُمْ عِنْدَهُ أَعَمُّهُمْ نَصِيْحَةً وَأَعْظَمُهُمْ عِنْدَهُ مَنْزِلَةً أَحْسَنُهُمْ مُوَاسَاةً وَمُؤَازَرَةً قَالَ فَسَأَلْتُهُ عَنْ مَجْلِسِهِ فَقَالَ كَانَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَا يَقُوْمُ وَلَا يَجْلِسُ إِلَّا عَلَى ذِكْرٍ وَإِذَا انْتَهَى إِلَى قَوْمٍ جَلَسَ حَيْثُ يَنْتَهِيْ بِهِ الْمَجْلِسُ وَيَأْمُرُ بِذٰلِكَ يُعْطِيْ كُلَّ جُلَسَائِهِ بِنَصِيْبِهِ وَلَا يَحْسَبُ جَلِيْسُهُ أَنَّ أَحَدًا أَكْرَمُ عَلَيْهِ مِنْهُ مَنْ جَالَسَهُ أَوْ فَاوَضَهُ فِيْ حَاجَةٍ صَابَرَهُ حَتّٰى يَكُوْنَ هُوَ الْمُنْصَرِفَ وَمَنْ سَأَلَهُ حَاجَةً لَمْ يَرُدَّهُ إِلَّا بِهَا بِمَيْسُوْرٍ مِنَ الْقَوْلِ قَدْ وَسِعَ النَّاسَ بَسْطُهُ وَخُلُقُهُ وَمَنْ سَأَلَهُ حَاجَةً لَمْ يَرُدَّهُ إِلَّا بِهَا أَوْ بِمَيْسُوْرٍ مِنَ الْقَوْلِ قَدْ وَسِعَ النَّاسَ بَسْطُهُ وَخُلُقُهُ فَصَارَ لَهُمْ أَبًا وَصَارُوْا عِنْدَهُ فِي الْحَقِّ سَوَاءً مَجْلِسُهُ مَجْلِسُ عِلْمٍ وَحَيَاءٍ وَصَبْرٍ وَأَمَانَةٍ لَا تُرْفَعُ فِيْهِ الْأَصْوَاتُ وَلَا تُؤْبَنُ فِيْهِ الْحُرَمُ وَلَا تُنْثٰى فَلَتَاتُهُ مُتَعَادِلِيْنَ يَتَفَاضَلُوْنَ فِيْهِ بِالتَّقْوٰى مُتَوَاضِعِيْنَ يُوَقِّرُوْنَ فِيْهِ الْكَبِيْرَ وَيَرْحَمُوْنَ فِيْهِ الصَّغِيْرَ وَيُؤْثِرُوْنَ ذَا الْحَاجَةِ وَيَحْفَظُوْنَ الْغَرِيْبَ. (رواه الترمذي)

حضرت امام حسن رضی اللہ تعالیٰ عنہ گزشتہ روایت فرما کر کہتے ہیں کہ ایک زمانہ تک اس حدیث کو میں نے اپنے بھائی حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے ذکر نہیں کیا پھر اس کے ذکر کا اتفاق ہوا تو میں نے دیکھا کہ وہ تو مجھ سے پہلے وہ حدیث پوچھ چکے تھے بلکہ جو میں نے پوچھا تھا وہ بھی میرے ماموں سے پوچھ چکے تھے اور اس کے علاوہ اپنے والد ماجد سے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے اندر تشریف لانے اور باہر آنے اور صحابہ کرام رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین کے درمیان آپ کے طور طریق کا حال بھی پوچھ چکے تھے حتی کہ کوئی بات انہوں نے نہ چھوڑی تھی (اب سنو) امام حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ میں نے اپنے والد سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے اندر تشریف لانے کے حالات دریافت کیے تو انہوں نے بیان کیا جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم اپنے گھر میں تشریف لاتے تو اس وقت کے تین حصے کرتے ایک حصہ اپنے رب کے لیے ایک اپنے گھر والوں کے لیے اور ایک اپنی راحت کے لیے پھر جو حصہ اپنے لیے رکھتے اس کو بھی خاص لوگوں کے ذریعے عام لوگوں تک پہنچا دیتے اور ان سے کسی بات کا اخفاء نہ فرماتے تھے آپ کی عادت مبارک اس جزء میں جو آپ کی امت کے لیے ہوتا یہ تھی کہ جو صاحب فضیلت لوگ

ہوتے ان کو دوسروں پر ترجیح دیتے اور ان کے درمیان بھی دینداری کا لحاظ مقدم رکھتے۔ پس لوگوں میں کوئی شخص ایک ضرورت والا کوئی دو ضرورت والا ہوتا اور کسی کی ضرورتیں اور زیادہ ہوتیں تو آپ ان کی ضروریات پورا فرمانے میں مشغول ہو جاتے اور ان کو ایسی باتوں میں مشغول کر دیتے جو ان کے بعد تمام امت کی اصلاح اور کارآمد کا سبب ہوں اس طرح پر کہ وہ اپنی ضرورت کی باتیں آپ سے پوچھتے رہتے اور آپ ان کو جو ان کے مناسب ہوتا بتاتے جاتے اور یہ فرماتے کہ جو لوگ یہاں موجود ہیں وہ ان مضامین کو ان لوگوں کو بھی پہنچا دیں جو یہاں موجود نہیں۔ نیز دیکھو یہ بھی ضروری ہے کہ جو شخص اپنی ضرورت کی خبر مجھ کو نہیں دے سکتا تم اس کی خبر مجھ کو دیا کرو کیونکہ جو شخص کسی اہل ضرورت کی ضرورت کسی بااختیار شخص کو پہنچا دے تو اللہ تعالیٰ قیامت کے دن اس کے قدم ڈگمگانے سے محفوظ رکھے گا۔ بس! آپ کے پاس ان ہی باتوں کا ذکر ہوتا تھا اور ان باتوں کے علاوہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کسی سے اور کوئی بات نہ سنتے تھے۔ آپ کی محفل میں جب لوگ آتے تو سائل اور محتاج کی حیثیت میں آتے اور جب واپس ہوتے تو دین کے ہادی بن کر واپس ہوتے اور جب اٹھتے تو ضرور دکھ نہ کچھ کھا پی کر اٹھتے (اگر اس وقت آپ کے گھر کچھ ہوتا) اور یہ بھی بیان فرمایا کہ میں نے آپ کے باہر تشریف لانے کے حالات بھی پوچھے کہ آپ اس میں کیا کیا کرتے تھے۔ انہوں نے کہا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اپنی زبان سوائے مفید اور ضروری باتوں کے ہر قسم کی باتوں سے محفوظ رکھتے تھے اور لوگوں کے ساتھ اس طرح پیش آتے کہ ان کو ان سے محبت پیدا ہو اور نفرت نہ پیدا ہو۔ ہر قبیلے کے شریف شخص کی عزت کرتے اور اس کو ان پر والی اور افسر بناتے اور لوگوں کو بھی غیر ضروری باتوں سے بچنے کی ہدایت فرماتے اور خود بھی غیر ضروری اختلاط سے بچتے لیکن اس طرح کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی خندہ پیشانی اور خوش خلقی میں ذرا فرق نہ آ سکے اور اپنے رفقاء کا حال دریافت کرتے رہتے اور لوگوں سے عام لوگوں کے حالات بھی پوچھتے اور اچھی بات کو اچھا کہتے اور اس کی تائید فرماتے اور بری بات کو برا کہتے اور اس کی تردید فرماتے۔ ہر معاملہ میں اعتدال ہوتا افراط و تفریط بالکل نہیں۔ لوگوں سے غافل نہ ہو جاتے اس خطرہ سے کہ کہیں وہ غافل نہ ہو جائیں یا اکتا جائیں۔ آپ کے یہاں ہر بات کا ایک انتظام متعین ہوتا۔ حق بات میں نہ ذرا سی کوتاہی کرتے اور نہ ذرا اس سے آگے تجاوز فرماتے جو لوگ آپ کے خاص ہم نشین ہوتے وہ وہی ہوتے جو ان میں بہتر سمجھے جاتے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے نزدیک افضل وہ ہوتا جو سب میں زیادہ مسلمانوں کا خیر خواہ ہوتا اور سب سے بڑا مرتبہ والا وہ ہوتا جو سب میں بڑھ کر لوگوں کا خیر خواہ اور ان کا مددگار ہوتا۔ وہ کہتے ہیں اس کے بعد میں نے آپ کی محفل کا حال پوچھا تو میرے والد نے بیان کیا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی نشست و برخاست سب خدا تعالیٰ کے ذکر کے ساتھ ہوتی تھی۔ جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم خود کسی مجلس میں تشریف لے جاتے تو جہاں مجلس ختم ہوتی وہیں بیٹھ جاتے (اور آگے جانے کی سعی نہ کرتے) اور اسی بات کا دوسروں کو بھی حکم دیتے۔ اہل مجلس میں ہر ہر شخص کی طرف التفات فرماتے حتیٰ کہ مجلس میں ہر شخص کو یہی خیال ہوتا تھا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے نزدیک اس سے بڑھ کر اور کوئی شخص قابل التفات نہیں ہے جو آپ کے ساتھ بیٹھتا یا کسی معاملہ میں بات چیت شروع کر دیتا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو روکے رکھتا یہاں تک وہی خود واپس ہوتا اور جو شخص بھی آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے کچھ مانگتا آپ اس کو

واپس نہیں کرتے مگر یہ کہ تو اس کی حاجت پوری فرما کر دیتے یا کوئی مناسب بات فرما دیتے۔ آپ کی خندہ پیشانی اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے اخلاق اس طرح عام تھے کہ آپ ان کے والد کی جگہ تھے اور حق کے معاملہ میں تمام لوگ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے نزدیک بالکل برابر اور یکساں حیثیت رکھتے تھے آپ کی مجلس علم کی مجلس تھی شرم و صبر کی مجلس تھی اس میں کسی کی آواز اونچی نہ ہوتی اور کسی کی آبرو ریزی نہ کی جاتی اور اگر کسی سے کوئی لغزش ہو جاتی تو اس کو شہرت نہ دی جاتی۔ آپ کی مجلس میں سب برابر شمار ہوتے۔ ایک دوسرے پر فضیلت کا معیار تھا تو صرف تقویٰ تھا وہ سب باہم ایک دوسرے کے ساتھ تواضع سے پیش آتے بڑے کی تعظیم کرتے اور چھوٹے سے محبت کرتے اور صاحب حاجت والے کو آگے کر دیتے اور مسافر شخص کی پوری نگرانی کرتے۔ (ترمذی شریف)

عَنِ الْحَسَنِ بْنِ عَلِيٍّ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُمَا قَالَ قَالَ الْحُسَيْنُ بْنُ عَلِيٍّ سَأَلْتُ أَبِيْ عَنْ سِيْرَةِ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فِيْ جُلَسَائِهِ فَقَالَ كَانَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ دَائِمَ الْبِشْرِ سَهْلَ الْخُلُقِ لَيِّنَ الْجَانِبِ لَيْسَ بِفَظٍّ وَلَا غَلِيْظٍ وَلَا صَخَّابٍ وَلَا فَحَّاشٍ وَلَا عَيَّابٍ وَلَا مَشَّاحٍ يَتَغَافَلُ عَمَّا لَا يَشْتَهِيْ وَلَا يُؤْيِسُ مِنْهُ وَلَا يُخَيِّبُ فِيْهِ قَدْ تَرَكَ نَفْسَهُ مِنْ ثَلَاثٍ الْمِرَاءِ وَالْإِكْبَارِ وَمَا لَا يَعْنِيْهِ وَتَرَكَ النَّاسَ مِنْ ثَلَاثٍ كَانَ لَا يَذُمُّ أَحَدًا وَلَا يَعِيْبُهُ وَلَا يَطْلُبُ عَوْرَتَهُ وَلَا يَتَكَلَّمُ إِلَّا فِيْمَا رَجَا ثَوَابَهُ وَإِذَا تَكَلَّمَ أَطْرَقَ جُلَسَاؤُهُ كَأَنَّمَا عَلَى رُءُوْسِهِمُ الطَّيْرُ فَإِذَا سَكَتَ تَكَلَّمُوْا لَا يَتَنَازَعُوْنَ عِنْدَهُ الْحَدِيْثَ وَمَنْ تَكَلَّمَ عِنْدَهُ أَنْصَتُوْا لَهُ حَتّٰى يَفْرُغَ حَدِيْثُهُمْ عِنْدَهُ حَدِيْثُ أَوَّلِهِمْ يَضْحَكُ مِمَّا يَضْحَكُوْنَ مِنْهُ وَيَتَعَجَّبُ مِمَّا يَتَعَجَّبُوْنَ وَيَصْبِرُ لِلْغَرِيْبِ عَلَى الْجَفْوَةِ فِيْ مَنْطِقِهِ وَمَسْأَلَتِهِ حَتّٰى إِنْ كَانَ أَصْحَابُهُ يَسْتَجْلِبُوْنَهُمْ وَيَقُوْلُ إِذَا رَأَيْتُمْ طَالِبَ حَاجَةٍ يَطْلُبُهَا فَارْفِدُوْهُ وَلَا يَقْبَلُ الثَّنَاءَ إِلَّا مِنْ مُكَافِئٍ وَلَا يَقْطَعُ عَلٰى أَحَدٍ حَدِيْثَهُ حَتّٰى يَجُوْزَ فَيَقْطَعَهُ بِنَهْيٍ أَوْ قِيَامٍ۔ (رواہ الترمذی)

امام حسن رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ مجھ سے امام حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے کہا کہ میں نے اپنے والد حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا اپنے اہل مجلس کے ساتھ طرز پوچھا تو انہوں نے فرمایا کہ آپ ہمیشہ خندہ پیشانی' خوش خلقی کے ساتھ متصف رہتے تھے' کسی بات میں آپ کی موافقت کی ضرورت ہوتی تھی تو سہولت سے موافق ہو جاتے تھے نہ آپ بدخو تھے' نہ سخت گو اور نہ سخت دل نہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم چلا کر بولتے تھے نہ بدکلامی فرماتے تھے' نہ عیب گیر تھے' ناپسند بات سے اعراض فرماتے' دوسرے کی کوئی خواہش آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو پسند نہ آتی تو اس کو مایوس بھی نہ فرماتے اور صاف جواب بھی نہ دیتے تھے۔ آپ نے تین باتوں سے اپنے آپ کو بالکل الگ رکھا تھا' جھگڑے سے اور تکبر سے اور بیکار بات سے اور تین باتوں سے لوگوں کو بچا رکھا تھا نہ کسی کی مذمت فرماتے نہ کسی کو عیب لگاتے نہ کسی کے عیوب تلاش فرماتے' آپ صرف وہی کلام فرماتے جو باعث اجر ہوتا' جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم گفتگو فرماتے تو آپ کے صحابہ اس طرح گردن جھکا کر بیٹھتے جیسے ان کے سروں پر پرندے بیٹھے ہوں جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم چپ ہو جاتے تب وہ حضرات کلام کرتے' آپ کے

سامنے کسی بات میں نزاع نہ کرتے آپ سے جب کوئی شخص بات کرتا تو اس کے خاموش ہونے تک سب ساکت رہتے ہر شخص کی بات (توجہ سے سننے میں) ایسی ہوتی جیسے پہلے شخص کی گفتگو (یعنی بے قدری سے کسی کی بات نہ سنی جاتی تھی) جس بات سے سب ہنستے آپ بھی تبسم فرماتے اور جس سے سب لوگ تعجب کرتے تو آپ بھی تعجب میں شریک رہتے یہ نہیں کہ سب سے الگ چپ چاپ بیٹھے رہیں، مسافر آدمی کی سخت گفتگو اور بے تمیزی کے ہر سوال پر صبر فرماتے اسی لیے بعض صحابہ آپ کی مجلس اقدس تک مسافروں کو لے کر آیا کرتے تھے (تا کہ ان کے ہر بجا ہر قسم کے سوالات سے خود بھی منتفع ہوں اور وہ امور جو ادب کی وجہ سے یہ حضرات خود نہ پوچھ سکتے تھے وہ بھی معلوم ہو جاویں) آپ یہ بھی ارشاد فرمایا کرتے تھے کہ جب کسی طالب حاجت کو دیکھو تو اس کی امداد کیا کرو (اگر آپ کی کوئی تعریف کرتا تو آپ اس کو گوارا نہ فرماتے) البتہ بطور شکریہ اور ادائے احسان کے ذیل میں کوئی آپ کی تعریف کرتا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم اس پر سکوت فرما لیتے کسی کی گفتگو قطع نہ فرماتے البتہ اگر کوئی حد سے تجاوز کرنے لگتا تو اس کو روک دیتے یا کھڑے ہو جاتے تا کہ وہ خود رک جائے۔ (ترمذی شریف)

حضرت امام حسن اور امام حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہم کی ان دو حدیثوں میں حیات انسانی کے کتنے اہم اسباق آپ کو عملاً سکھا دیے گئے ہیں اور اسی طرح انبیاء علیہم السلام کی تعلیمات صرف علمی اور درسی رنگ میں نہیں ہوتیں بلکہ عملی طور پر بھی ہوتی ہیں اسی لیے شروع میں ہم نے تنبیہ کی تھی کہ شمائل کی حدیثوں کو صرف سرسری طور پر پڑھنا نہیں چاہیے بلکہ اس کو تکمیل انسانیت کا ایک اہم جز سمجھ کر پڑھنا چاہیے افسوس ہے کہ اس وقت اس کی تفصیل کے لیے وقت میں گنجائش نہیں ہے۔

اَللّٰهُمَّ صَلِّ عَلٰى سَيِّدِنَا مُحَمَّدٍ وَسَيِّدِنَا اٰدَمَ وَسَيِّدِنَا اِبْرَاهِيْمَ وَسَيِّدِنَا مُوْسٰى وَسَيِّدِنَا عِيْسٰى وَمَا بَيْنَهُمْ مِنَ النَّبِيِّيْنَ وَالْمُرْسَلِيْنَ صَلَوَاتُ اللّٰهِ وَسَلَامُهٗ عَلَيْهِمْ اَجْمَعِيْنَ.

الحمد للہ "معارف السنۃ" کی چوتھی جلد مکمل ہوئی پانچویں اور آخری جلد حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے معجزات اور دیگر ابواب پر مشتمل ہے۔

والسلام　　مرتبین

تفسیر عثمانی جدید

ترجمہ

قطب العالم حضرت مولانا محمود حسن صاحب رحمہ اللہ

تفسیر

شیخ الاسلام علامہ شبیر احمد عثمانی صاحب رحمہ اللہ

عنوانات

عالم ربانی حضرت مولانا محمد حسین مدنی صاحب رحمہ اللہ

ادارہ تالیفات اشرفیہ

چوک فوارہ ملتان پاکستان